

انعام لباری

دروس بخاری شریف

افادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

جامعہ دارالعلوم کراچی میں درس بخاری شریف کے دوران
حضرت شیخ الحدیث سید صالحہ بھینٹا فرزند اورنگ پور تھانہ

صحیح البخاری الجزء الاول

کتاب المسائل ، کتاب الإفراطی و افاء الدیون والحجر والغلب
کتاب الخصومات ، کتاب فی اللقطة ، کتاب المظالم ، کتاب الشریکة ، کتاب
الرهن ، کتاب العقیق ، کتاب المسکات ، کتاب الہیبة و فضلہا و التحریض علیہا
کتاب الشهادات ، کتاب الصلح ، کتاب الشروط ، کتاب الوصایا ، کتاب
الجهاد والسر ، کتاب فرض الخمس ، کتاب الجزیة والموادعة
رقم الحدیث : ۳۳۵۱-۳۱۸۹

جلد ۱

ضبط و ترتیب فریح و مراجعت

محمد انور حسین عقیقی عفی عنہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی 14

مکتبہ الحجراء

Phone: 009-213501039, Call: 0300-3360816

E-mail: maktabahera@yahoo.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

العام الباری دروس صحیح بخاری کی طباعت و اشاعت کے جملہ حقوق زیر قانون کاپی رائٹ ایکٹ 1962ء
حکومت پاکستان بذریعہ نوٹیفیکیشن نمبر F.21-2672/2006-Copr
رجسٹریشن نمبر 17927-Copr بحق ناشر (مکتبۃ الحراء) محفوظ ہیں۔

نام کتاب	: العام الباری دروس صحیح بخاری جلد ۷
اقادات	: شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ
ضبط و ترتیب و مراجعت	: محمد انور حسین (فاضل و معتمد جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۳)
ناشر	: مکتبۃ الحراء، ۸/۱۳۱، ڈبل روم، "کے" ایریا کورنگی، کراچی، پاکستان
ہاتھام	: محمد انور حسین عفی عنہ
کیوزنگ	: حراء کیوزنگ سینٹر فون نمبر: 0092 21 35031039

ناشر: مکتبۃ الحراء

8/131 سیکٹر 36-A ڈبل روم، "K" ایریا، کورنگی، کراچی، پاکستان۔

فون: 35031039 موبائل: 03003360816

E-Mail: maktabahera@yahoo.com & info@deeneislam.com

website: www.deeneislam.com

ملنے کے پتے

مکتبۃ الحراء۔ فون: 35031039، موبائل: 03003360816

E-Mail: maktabahera@yahoo.com

☆ ادارہ اسلامیات، مہمن روڈ، چوک اردو بازار کراچی۔ فون 021 32722401

☆ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ پاکستان۔ فون 042 3753255

☆ ادارہ اسلامیات، درینا اتحاد منٹن مال روڈ، لاہور۔ فون 042 37324412

☆ مکتبۃ معارف القرآن، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۳۔ فون 021 35031565-6

☆ ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۳۔ فون 021 35032020

☆ دارالاشاعت، اردو بازار کراچی۔



﴿ افتتاحیہ ﴾

از: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی
شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على خير خلقه سيدنا ومولانا
محمد خاتم النبيين وإمام المرسلين وقائد الغر المحجلين ، وعلى آله وأصحابه
أجمعين ، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين .

أما بعد :

۲۹ رذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو بندے کے استاذ معظم حضرت مولانا ”سحابان محموند“
صاحب قدس سرہ کا حادثہ وفات پیش آیا تو دارالعلوم کراچی کے لئے یہ ایک عظیم سانحہ تھا۔ دوسرے بہت سے
مسائل کے ساتھ یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ صحیح بخاری کا درس جو سا لہا سال سے حضرت کے سپرد تھا، کس کے حوالہ
کیا جائے؟ بالآخر یہ طے پایا کہ یہ ذمہ داری بندے کو سونپی جائے۔ میں جب اس گرانبار ذمہ داری کا تصور کرتا
تو وہ ایک پہاڑ معلوم ہوتی۔ کہاں امام بخاری رحمہ اللہ علیہ کی یہ پر نور کتاب، اور کہاں مجھ جیسا مفلس علم اور
تہی دست عمل؟ دور دور بھی اپنے اندر صحیح بخاری پڑھانے کی صلاحیت معلوم نہ ہوتی تھی۔ لیکن بزرگوں سے
سنی ہوئی یہ بات یاد آئی کہ جب کوئی ذمہ داری بڑوں کی طرف سے حکماً ڈالی جائے تو اللہ ﷻ کی طرف
سے توفیق ملتی ہے۔ اس لئے اللہ ﷻ کے بھروسے پر یہ درس شروع کیا۔

عزیز گرامی مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہ مالک مکتبۃ الحراء، فاضل و متخصّص جامعہ
دارالعلوم کراچی نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے یہ تقریر ضبط کی، اور پچھلے چند سالوں میں ہر سال درس کے
دوران اس کے مسودے میری نظر سے گزرتے رہے اور کہیں کہیں بندے نے ترمیم و اضافہ بھی کیا ہے۔ طلبہ کی
ضرورت کے پیش نظر مولانا محمد انور حسین صاحب نے اس کے ”کتاب بدء الوحی“ سے ”کتاب بدء
الخلق“ آخر تک کے حصوں کو نہ صرف کمپیوٹر پر کمپوز کر لیا، بلکہ اس کے حوالوں کی تخریج کا کام بھی کیا جس پر ان
کے بہت سے اوقات، محنت اور مالی وسائل صرف ہوئے۔

دوسری طرف مجھے بھی بحیثیت مجموعی اتنا اطمینان ہو گیا کہ ان شاء اللہ اس کی اشاعت فائدے سے خالی نہ ہوگی، اور اگر کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں گی تو ان کی تصحیح جاری رہ سکتی ہے۔ اس لئے میں نے اس کی اشاعت پر رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ لیکن چونکہ یہ نہ کوئی باقاعدہ تصنیف ہے، نہ میں اس کی نظر ثانی کا اتنا اہتمام کر سکا ہوں جتنا کرنا چاہئے تھا، اس لئے اس میں قابل اصلاح امور ضرور رہ گئے ہوں گے۔ اہل علم اور طلبہ مطالعے کے دوران جو ایسی بات محسوس کریں، براہ کرم بندے کو یا مولانا محمد انور حسین صاحب کو مطلع فرماویں تاکہ اس کی اصلاح کر دی جائے۔

تدریس کے سلسلے میں بندے کا ذوق یہ ہے کہ شروع میں طویل بحثیں کرنے اور آخر میں روایت پر اکتفا کرنے کے بجائے سبق شروع سے آخر تک تو اذن سے چلے۔ بندے نے تدریس کے دوران اس اسلوب پر عمل کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔ نیز جو خالص کلامی اور نظریاتی مسائل ماضی کے ان فرقوں سے متعلق ہیں جو اب موجود نہیں رہے، ان پر بندے نے اختصار سے کام لیا ہے، تاکہ مسائل کا تعارف تو طلبہ کو ضرور ہو جائے، لیکن ان پر طویل بحثوں کے نتیجے میں دوسرے اہم مسائل کا حق تلف نہ ہو۔ اسی طرح بندے نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ جو مسائل ہمارے دور میں عملی اہمیت اختیار کر گئے ہیں، ان کا قدرے تفصیل کے ساتھ تعارف ہو جائے، اور احادیث سے اصلاح اعمال و اخلاق کے بارے میں جو عظیم روایات ملتی ہیں اور جو احادیث پڑھنے کا اصل مقصد ہونی چاہئیں، ان کی عملی تفصیلات پر بقدر ضرورت کلام ہو جائے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ بندہ ناکارہ اور اس تقریر کے مرتب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جزا ہم اللہ تعالیٰ۔

مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہ نے اس تقریر کو ضبط کرنے سے لیکر اس کی ترتیب، تخریج اور اشاعت میں جس عرق ریزی سے کام لیا ہے، اللہ جل جلالہ اس کی بہترین جزا انہیں دنیا و آخرت میں عطا فرمائیں، ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اسے طلبہ کے لئے نافع بنا لیں، اور اس ناکارہ کے لئے بھی اپنے فضل خاص سے مغفرت و رحمت کا وسیلہ بنا دے۔ آمین۔

جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۲۳ ر شوال المکرم ۱۴۳۲ھ

۲۲ ستمبر ۲۰۱۱ء بروز جمعرات

بندہ محمد تقی عثمانی

جامعہ دارالعلوم کراچی



عرض ناشر

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأَمِيِّ وَاللَّهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ.

اتحاد - جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس سالہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا منجانب محمود صاحب قدس سرہ کے پیر درہا۔ ۲۹ رزی الحج ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو شیخ الحدیث کا حادہ وفات پیش آیا تو صحیح بخاری شریف کا یہ درس مورخہ ۲۴ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سالوں کے دروس شیپ ریکارڈ کی مدد سے ضبط کئے۔ انہی لمحات سے استاذ محترم کی مؤمنانہ نگاہوں نے تاک لیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں موجود ہونا چاہئے، اس بناء پر احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس مواد کو تحریری شکل میں لا کر مجھے دیا جائے تاکہ میں اس میں سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، جس پر اس کام (انعام الباری) کے ضبط و تحریر میں لانے کا آغاز ہوا۔

چنانچہ یہ سلسلہ تا حال جاری ہے، جس کی وجہ سے یہ مجموعہ افادات ایک باقاعدہ تصنیفی شکل اختیار کر گیا۔ اس لئے یہ کتاب "انعام الباری" جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ سارا مجموعہ بھی بڑا قیمتی ہے، اور استاد موصوف کو اللہ ﷻ نے جو تحری علمی عطا فرمایا وہ ایک دربانے ناپید کنارہ ہے، جب بات شروع فرماتے تو علوم کے ذریعہ ہنا شروع ہو جاتے، اللہ ﷻ آپ کو وسعت مطالعہ اور غنی فہم دونوں سے نوازا ہے، اس کے نتیجے میں حضرت استاد موصوف کے اپنے علوم و معارف جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد خلاصہ عطر ہے وہ اس مجموعہ "انعام الباری" میں دستیاب ہے، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاد موصوف کی فقہی آراء و تشریحات، ائمہ اربعہ کی موافقات و مخالفات پر محققانہ مدلل تبصرے علم و تحقیق کی جان ہیں۔

صاحبان علم کو اگر اس کتاب میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت و تحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط و نقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور ازراہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔ دعا ہے کہ اللہ ﷻ اسلاف کے ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور "انعام الباری" کے باقی ماندہ حصوں کی تکمیل کی توفیق فرمائے تاکہ علم حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یارب العالمین . وما ذلک علی اللہ بعزیز ؟

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۲۳ ر شوال المکرم ۱۴۳۲ھ بمطابق ۲۲ ستمبر ۲۰۱۱ء بروز جمعرات

خلاصة الفهارس



صفحة	رقم التصحيح	كتاب	تسلسل
٢٣	٢٣٨٤ - ٢٣٥١	كتاب المساقاة	٤٢
٤٩	٢٤٠٩ - ٢٣٨٥	كتاب الاستقراض وأداء الديون والحجر والتظلم	٤٣
١٠٣	٢٤٢٥ - ٢٤١٠	كتاب الخصومات	٤٤
١٣١	٢٤٣٩ - ٢٤٢٦	كتاب في اللقطة	٤٥
١٣٥	٢٤٨٢ - ٢٤٤٠	كتاب المظالم	٤٦
٢٠١	٢٥٠٧ - ٢٤٨٣	كتاب الشركة	٤٧
٢١٤	٢٥١٦ - ٢٥٠٨	كتاب الرهن	٤٨
٢٣٥	٢٥٥٩ - ٢٥١٧	كتاب العتق	٤٩
٢٤٣	٢٥٦٥ - ٢٥٦٠	كتاب المكاتب	٥٠
٢٦٩	٢٦٣٦ - ٢٥٦٦	كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها	٥١
٣١٩	٢٦٨٩ - ٢٦٣٧	كتاب الشهادات	٥٢
٣٦٥	٢٧١٠ - ٢٦٩٠	كتاب الصلح	٥٣
٣٤٩	٢٧٣٧ - ٢٧١١	كتاب الشروط	٥٤
٣١٣	٢٧٨١ - ٢٧٣٨	كتاب الوصايا	٥٥
٣٦١	٣٠٩٠ - ٢٧٨٢	كتاب الجهاد والسير	٥٦
٥٣٣	٣١٥٥ - ٣٠٩١	كتاب فرض الخمين	٥٧
٥٨٣	٣١٨٩ - ٣١٥٦	كتاب الجزية والموادعة	٥٨

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۰	توہین عدالت اور توہین فیصلہ موجب تعزیر ہے	۳	فتاویٰ
۵۲	امام بخاری رحمہ اللہ کا منشا	۵	عرض ناشر
۵۲	قبیلہ جرہم اور آب زم زم	۷	فہرست
۵۳	(۱۱) باب لا حمی الا للہ ولرسولہ ﷺ	۳۳	عرض مرتب
۵۳	”حمی“ کسے کہتے ہیں؟	۳۳	۳۲ - کتاب المسالاة
۵۳	”لا حمی الا للہ ولرسولہ“	۳۳	پانی کی اقسام
	(۱۲) باب شرب الناس وسطی	۳۳	پہلی قسم
۵۵	الدواب من الایہار	۳۳	دوسری قسم
۵۷	(۱۳) باب بیع الحطب والکلاء	۳۳	تیسری قسم
۵۷	حدیث باب کا مقصد		(۳) باب من حفر بئرانی ملکہ لم یضمن
۵۸	تمنا جو پوری نہ ہوگی	۳۳	”مباشراً“ اور ”مسیباً“ پر ضمان آنے کے
۵۹	(۱۴) باب القطاع	۳۵	اصول
۶۰	عطاء جاگیر کی شرعی حیثیت	۳۵	ٹریفک حادثات میں مباشر کا تعین کرنا
۶۰	انصار صحابہ کرام علیہ السلام کا جذبہ ایثار	۳۵	(۵) باب الم من منع ابن السبیل من الماء
۶۱	عطاء جاگیر کا مسئلہ	۳۶	تین افراد کے لئے وعید
۶۲	موجودہ جاگیری نظام کی تاریخ اور ابتدا	۳۷	(۶) باب سکر الایہار
۶۲	یورپ کے جاگیری نظام کی حقیقت	۳۷	(۷) باب شرب الاعلیٰ قبل الاسفل
۶۳	اسلام میں عطاء جاگیر کا مطلب		(۸) باب شرب الاعلیٰ الی
۶۳	پہلی صورت	۳۷	الکعبین
۶۳	دوسری صورت	۳۸	حدیث کی تشریح
۶۵	تیسری صورت	۳۹	اعتراض کرنے والے صاحب کون تھے؟
۶۵	چوتھی صورت	۵۰	ایک وجہ
۶۶	انگریزوں کی عطا کردہ جاگیریں	۵۰	دوسری وجہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۶	(۱) باب من اشتری بالدين وليس عنده ثمنه او ليس بحضوره	۷۶	تدارسی کے عوض حاصل کردہ جاگیروں کا حکم؟
۷۹	(۳) باب أداء الديون	۷۶	انگریز حکومت کی طرف سے کسی خدمت کے صلے میں دی گئی جاگیر کا حکم
۸۰	ترجمہ مختصر تشریح	۷۶	سرحد اور پنجاب کے شاملات کا حکم
۸۱	(۴) باب استقرار الإہل	۷۸	ایک غلط فہمی کا ازالہ
۸۲	(۵) باب حسن التقاضي	۷۸	کیا انگریزوں کی عطا کردہ سب جاگیریں غلط ہیں؟
۸۲	معاملات میں نرمی کی وجہ سے مغفرت ہوگئی	۷۹	مزارعت کا حکم
۸۲	(۶) باب هل يعطى أكبر من سنه؟	۷۹	سووی رہن رکھنا
۸۲	(۷) باب حسن القضاء	۷۹	زمین کی وراثت کا مسئلہ
۸۲	(۸) باب اذا قضى دون حقه أو حلّله	۷۹	ایک طریقہ
۸۳	فہو جائز	۷۹	دوسرا طریقہ
۸۳	(۹) باب اذا قاص أو جاز له في الدين تحراً بتمراً أو غيره	۷۹	(۱۶) باب حلب الإہل خلی الماء
۸۳	حدیث باب کا مطلب	۷۹	(۱۷) باب الرجل یکون له ممر أو شرب فی حائط أو فی نخل؟
۸۳	مجازفت اور مفاضلت کب ناجائز ہے؟	۷۹	گزرگاہ کا حق
۸۵	حضور ﷺ کا ایک معجزہ	۷۹	عہد کی بیع میں عہد کے مال کی شرط کے بارے میں اختلاف ائمہ
۸۵	(۱۱) باب الصلوة علی من ترک دنیا	۷۹	مالکیہ کا قول
۸۶	(۱۳) باب لصاحب الحق مقال	۷۹	شافعیہ کا قول
۸۶	مالدار کا مال منول کرنا ظلم ہے	۷۹	حنفیہ کا مسلک
۸۷	دین کی ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ عائد کرنا	۷۹	کمپنی کے شیئرز کا مسئلہ
۸۸	منافع مقصوب مضمون ہوتے ہیں یا نہیں؟	۷۹	کمپنی اور شیئرز
۸۹	ایک مشکل اور اس کا حل	۷۹	۳۳ کتاب الإستقراض وأداء
۹۰	(۱۴) باب اذا وجد مالہ عند مفلس فی البیع والقرض والودیعة فہو أحق بہ	۷۹	الديون والحجر والتفليس

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۹۸	مسمیٰ أو أجله فی البیع امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل	۹۱	ایک اختلافی مسئلہ
۹۹	رحیم اللہ کا مسلک	۹۲	ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا قول
۹۹	امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک	۹۲	امام بخاری رحمہ اللہ کا قول مختار
۹۹	امام بخاری رحمہ اللہ کی تائید	۹۲	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول
۱۰۰	موضع ترجمہ و اضافہ المال	۹۲	ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا استدلال
۱۰۱	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب	۹۳	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال
۱۰۱	صاحبین رحمہما اللہ کا قول	۹۳	حدیث باب کا جواب
۱۰۱	جمہور کا قول	۹۳	اعتراض
۱۰۱	امام بخاری رحمہ اللہ کا قول مختار	۹۳	احتلاف کی طرف سے جواب
۱۰۳	۴۴ - کتاب الخصومات	۹۳	ایک توجیہ
(۱) باب ما یلذ کر فی الاشخاص	۹۵	۹۵	دوسری توجیہ
و الخصومات بین المسلم والیہود	۹۵	۹۵	حنفیہ کی قابل استدلال روایت
تشریح	۹۵	۹۵	سوال:
"لا تخبرونی علی موسیٰ"	۹۶	۹۵	جواب
"الطبیق بین لا تخبروا وانا سید	۹۶	۹۶	غرماء میں تقسیم کا طریقہ
ولد آدم"	۹۶	۹۶	هذا الاسناد کلہم کانوا علی القضاء
اشکال	۹۷	(۱۵) باب من آخر الغرماء الی الغد	اور نحوه ولم یوذلك مطلاً
جواب	۹۷	(۱۶) باب من باع مال المفلس	او المعدم فقسمة بین الغرماء أو اعطاه
(۲) باب من رد أمر السفیہ والضعیف	۹۷	حتى ینفق علی نفسه	
العقل، وإن لم یکن حجراً علیہ الإمام	۹۷	اپنا اور بیوی بچوں کا حق غرماء سے مقدم ہے	
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب	۹۸	وجہ استدلال	
صاحبین اور امام شافعی رحمہم اللہ کا مذہب	۹۸	(۱۷) باب إذا أقرضه إلی أجل	
بعض مالکیہ کا مذہب	۱۰۸		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۱۸	موضع ترجمہ	۱۰۹	بیچ مدبر کے عدم جواز پر حنفیہ کا استدلال
۱۱۸	(۹) باب فی الملازمة		(۳) باب من باع علی الضعیف ونحوہ
۱۲۱	۳۵ - کتاب فی اللقطة		مصدف ثمنہ الیہ وأمرہ بالإصلاح والقیام
	(۱) باب إذا أخرجہ رب اللقطة	۱۱۰	بشأنہ فان افسد بعد منعه
۱۲۱	بالعلامة دفع الیہ	۱۱۰	(۳) باب کلام الخصوم بعضهم فی بعض
۱۲۱	حدیث باب کی تشریح		(۵) باب إخراج أهل المعاصی
۱۲۲	لقطہ سے متعلق بحث کا خلاصہ	۱۱۱	والخصوم من البیوت بعد المعرفة
۱۲۲	تعریف کا مدار لقطہ کی نوعیت پر ہے	۱۱۱	اہل معاصی کو تادیباً گھروں سے نکالنے کا حکم
۱۲۲	مالک کو لقطہ کب دیا جائے؟	۱۱۲	(۶) باب دعوی الوصی للمیت
۱۲۳	جمہور کا مسلک	۱۱۲	میت کی طرف سے وصی کا دعویٰ جائز ہے
۱۲۳	مالک نہ ملنے کی صورت میں لقطہ کا مصرف	۱۱۲	(۷) باب التوفیق ممن نخشی معرفتہ
۱۲۳	ائمہ ثلاثہ کا استدلال	۱۱۲	فساد پھیلانے والے کو قید کیا جاسکتا ہے
۱۲۳	احناف کا استدلال روایتاً	۱۱۳	(۸) باب الربط والجس فی الحرم
۱۲۵	احناف کا استدلال درایتاً	۱۱۳	حرم مکہ میں قید کرنے کا حکم
۱۲۵	ایک بڑھیا کا واقعہ	۱۱۳	جمہور فقہاء کرام کی رائے
۱۲۶	حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال	۱۱۳	قید خانہ کی بنیاد
۱۲۷	لقطہ اور زکوٰۃ کے حکم میں فرق	۱۱۳	بیعانہ کی شرعی حیثیت
	(۵) باب إذا وجد خشبة فی البحر	۱۱۳	جمہور کا مذہب
۱۲۸	أوسطاء أو نحوه	۱۱۵	امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب
۱۲۸	(۶) باب إذا وجد تمرہ فی الطريق	۱۱۵	جمہور کا استدلال
۱۲۸	(۷) باب بعریف لقطہ أهل مكة؟	۱۱۵	امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا استدلال
۱۲۹	لقطہ حرم اور غیر حرم میں فرق؟	۱۱۶	جمہور فقہاء کا استدلال
۱۳۱	(۸) باب لا تحلب ماشیة أحد بغير إذنه	۱۱۷	موجودہ حالات میں بیعانہ کا حکم
۱۳۱	حدیث باب کا مفہوم	۱۱۷	بیچ تعلیق کو قبول نہیں کرتی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۳۲	حقوق العباد کا خیال رکھنا چاہئے		(۱۱) باب من عرف اللقطة ولم
۱۳۳	فاسق کی غیبت کا حکم	۱۳۲	یدفعها إلى السلطان
	(۱۱) باب إذا حمله من ظلمه فلا	۱۳۲	مسک امام اوزاعی رحمہ اللہ کی تردید
۱۳۳	رجوع فیہ	۱۳۲	(۱۲) باب :
	(۱۲) باب إذا أذن له أو أحله ولم	۱۳۳	حدیث باب کا مفہوم
۱۳۵	بین کم ہو؟	۱۳۳	لقطہ امانت میں داخل ہے
	(۱۳) باب إثم من ظلم شيئاً من	۱۳۵	۳۶ - کتاب المظالم
۱۳۶	الأرض	۱۳۷	(۱) باب قصاص المظالم
	(۱۳) باب إذا أذن انسان لآخر شيئاً جاز	۱۳۸	حدیث کی تشریح
۱۳۷	حدیث باب کی تشریح		(۲) باب قول الله تعالى: أَلَا لَعْنَةُ
۱۳۷	یہ حکم خاص نہیں	۱۳۸	الله على الظالمین
۱۳۸	بن بلائے مہمان کا حکم	۱۳۹	ترجمہ و تشریح
	(۱۵) باب قول الله تعالى ﴿ وهو آلد	۱۳۹	اللہ ﷻ سے مغفرت کی امید پر گناہ کا ارتکاب کرنا
۱۳۹	الخصام ﴿		(۳) باب لا یظلم المسلم المسلم
۱۳۹	الألد الخصم	۱۴۰	ولا یسلمه
	(۱۶) باب إثم من خاصم فی باطل		(۱۰) باب من كانت له مظلمة عند
۱۳۹	وهو یعلمه	۱۴۰	الرجل فجلها له، هل ینبئ مظلمته؟
۱۵۰	اگر قاضی نے ناحق فیصلہ کیا تو اس کا حکم	۱۴۰	ظلم کی تلافی
۱۵۰	ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مسلک	۱۴۰	ایک صورت
۱۵۱	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک	۱۴۱	دوسری صورت
۱۵۱	پہلی شرط	۱۴۱	زیادتی پر معافی اور اختلاف ائمہ
۱۵۱	املاک مرسلہ کا مطلب		حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
۱۵۱	دوسری شرط	۱۴۱	صاحب رحمہ اللہ کا طرز عمل
۱۵۲	حنفیہ کا استدلال	۱۴۲	کہا سنا معاف کرنا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۶۵	حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے واقعات میں تطبیق	۱۵۳	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر اعتراض حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واقعہ پر ایک شبہ اور اس کا جواب
۱۶۷	ظالم کے کہتے ہیں؟	۱۵۳	اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو کتب حدیث میں کیوں نہیں؟
	(۱۹) باب فاجاء فنی السنکائف، وجلس النبی ﷺ	۱۵۳	حدیث باب کا جواب
۱۶۷	وأصحابہ ، فی سفیفة بنی ساعدة.	۱۵۳	(۱۸) باب قصاص المظلوم إذا وجد مال ظالمہ
	(۲۰) باب لا یمنع جار جارہ أن یغرز عشبہ فی جدارہ	۱۵۵	باب قصاص المظلوم
۱۶۸	یغرز عشبہ فی جدارہ	۱۵۵	"مسئلة الظفر" اور ظفر کی وجہ تسمیہ
۱۶۹	اختلاف فقہاء	۱۵۶	"مسئلة الظفر" میں اختلاف فقہاء
۱۶۹	(۲۱) باب صب الخمر فی الطریق	۱۵۶	امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک
۱۷۰	حدیث باب کی تشریح	۱۵۶	امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل
	(۲۲) باب أفضیة الدور والجلوس فیہا، والجلوس علی الصدقات	۱۵۷	امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک
۱۷۱	حدیث باب کی تشریح	۱۵۷	ابن سیرین کا استدلال
	(۲۳) باب الأبار علی الطرق إذا لم یأذ بہا	۱۵۸	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک
۱۷۲	یأذ بہا	۱۵۸	متاخرین حنفیہ کا فتویٰ
	(۲۵) باب الغرفة والعلیة المشرفة	۱۶۰	حق الضیف کا حکم
۱۷۲	وغیر المشرفة فی السطوح وغیرہا	۱۶۱	جمہور کے مذہب پر اعتراض
۱۷۲	روشدان وبالاخانة کی تفصیل	۱۶۱	اعتراض کا جواب
۱۷۳	امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک		اجتماعی ضرورت کی وجہ سے کسی کو بیع پر مجبور کیا جاسکتا ہے؟
۱۷۳	حنفیہ کا مسلک	۱۶۲	
۱۷۳	حنفیہ سے اس باب میں دو قول مروی ہیں:	۱۶۳	بیت المقدس کی تعمیر کے واقعہ سے استدلال
۱۷۶	تشریح	۱۶۳	مسجد حرام کی توسیع کے واقعہ سے استدلال
۱۸۳	یہ ایلاء نہیں تھا	۱۶۵	واقعات میں تعارض

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۹۳	اختلاف فقہاء	۱۸۴	اعتزال اور آیت تخییر کا سبب نزول
۱۹۳	امام یوسف رحمہ اللہ کا مسلک	۱۸۵	شہد کا واقعہ
۱۹۳	امام محمد رحمہ اللہ کا مسلک	۱۸۷	روایات میں تطبیق
۱۹۳	اگر منگلے ذمی کے ہوں تو؟	۱۸۷	ازواج مطہرات پر اعتراض کرنا حماقت ہے
۱۹۳	امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک	(۲۶)	باب من عقل بعبرہ علی الباط
۱۹۵	حنفیہ کا اصول	۱۸۸	او باب المسجد
۱۹۶	ترجمہ و تشریح	(۲۷)	باب الوقوف و البول عند
۱۹۶	امام بخاری رحمہ اللہ کا منشاء	۱۸۹	سباطة قوم
۱۹۷	یہ استدلال محل نظر ہے	(۲۹)	باب إذا اختلفوا فی الطريق
۱۹۷	(۳۴) باب إذا كسر قصعة أو شيئا لغيره	المیعاء. وفي الرحبة تكون بين	الطريق. ثم يريد أهلها البنيان
۱۹۹	حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا قول	فحرك منها للطريق سبعة أذرع	
۱۹۹	(۳۵) باب إذا هدم حائطا فليبن مثله	سات ذراع سے کیا مراد ہے؟	
۲۰۱	۳۷ - کتاب الشركة	۱۹۰	پہلی توجیہ
	(۱) باب الشركة فی الطعام والنهد	۱۹۰	دوسری توجیہ
۲۰۳	و العروض	۱۹۱	تیسری توجیہ
۲۰۳	کمپنی جائز ہے (مروجہ کمیٹی بی سی کا حکم؟)	۱۹۱	چوتھی توجیہ
۲۰۳	حنفیہ کا مسلک	۱۹۱	یہ کوئی تحدید شرعی نہیں
۲۰۵	قربانی کا گوشت مجازتہ تقسیم کرنا جائز نہیں	۱۹۲	(۳۱) باب كسر الصليب وقتل الخنزير
۲۰۵	امام بخاری اور امام احمد رحمہما اللہ کا مسلک	تشریح	
۲۰۵	حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا قول	۱۹۲	"یکسرا الصليب" سے کیا مراد ہے؟
۲۰۷	امام بعض اوقات جبری فریضہ عائد کر سکتا ہے	(۳۲) باب هل تكسر اللنان التي فيها	
۲۰۸	ایک معجزہ کا تذکرہ (کھانے میں برکت ہونا)	الخمر أو تخزق الزقاق؟ فإن كسر صنما	
۲۰۸	شافعیہ کا استدلال	أو صلبا أو ظنورا أو مالا يتنفع بخشبه	
۲۰۹	حنفیہ کی طرف سے جواب	۱۹۳	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۱۹	(۱۳) باب الشركة فی الطعام وغیرہ کیا شرکت کے عقد کے لئے شرکت کا لفظ ضروری ہے؟	۲۰۹	(۳) باب قسمة الغنم
۲۲۰	امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال	۲۱۰	امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال
۲۲۰	خفیہ کا استدلال	۲۱۱	(۴) باب القرآن فی التمر بین الشركاء حتى يساعدن أصحابه دسترخوان پر بدتہد میں نہ ہو
۲۲۱	حدیث لانے کا منشاء	۲۱۱	(۵) باب تقویم الأشیاء بین الشركاء بقيمة عدل
۲۲۱	خفیہ کا جواب	۲۱۲	(۶) باب هل یفرع فی القسمة و الا ستہام فیہ؟
۲۲۲	(۱۵) باب الا اشتراک فی الهدی و البدن، و إذا اشرك الرجل رجلا فی ہدیہ بعد ما اهدی	۲۱۲	قرع اندازی اور خفیہ
۲۲۲	حدیث باب کاپس منظر	۲۱۳	"نہی عن المنکر" کی اہمیت
۲۲۳	مقصد امام بخاری رحمہ اللہ	۲۱۳	ترجمہ الباب سے مناسبت
۲۲۳	خفیہ کا جواب	۲۱۳	(۷) باب شركة الیتیم وأهل الميراث آیت کریمہ کا مطلب
۲۲۵	(۱۶) باب من عدل عشرة من الغنم بجزور فی القسم	۲۱۵	تشریح حدیث
۲۲۷	۳۸ - کتاب الرهن	۲۱۷	اسلام میں تعدد وازواج کا مسئلہ
۲۲۷	(۱) باب فی الرهن فی الحضرة وقول اللہ عز وجل: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٍ مَّقْبُولًا﴾ [البقرة: ۲۸۳]	۲۱۷	(۱۰) باب الإشتراک فی الذهب والفضة ما یکون فیہ الصرف حدیث کی تشریح
۲۲۷	کیا رہن صرف سفر میں جائز ہے؟	۲۱۸	امام بخاری رحمہ اللہ کا منشاء
۲۲۸	(۲) باب من رهن درعه	۲۱۸	(۱۱) باب مشاركة اللمی والمشرکین فی المزارعة
۲۲۸	امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول	۲۱۹	حدیث باب کا مطلب
۲۲۹	جمہور کا مسلک	۲۱۹	(۱۲) باب قسمة الغنم والعدل فیہا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳۱	امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک	۲۲۹	(۲) باب رهن السلاح
۲۳۲	اختلاف کی دوسری تعبیر	۲۳۰	(۳) باب الرهن مرکوب و محلوب
۲۳۲	غلط فہمی کا ازالہ	۲۳۰	شیء مرہون سے انتفاع کی جائز صورت
	امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کے قول میں فرق		راہن کی اجازت کے بغیر شیء مرہون سے
۲۳۲	(۵) باب إذا عتق نصيبا في عبد وليس له مال استسعى العبد غير مشقوق عليه على نحو الكتابة	۲۳۱	انتفاع میں اختلاف فقہاء
	(۶) باب الخطأ والنسيان في العتاقة والطلاق ونحوه، ولا عتاقة إلا لوجه الله تعالى	۲۳۱	ائمہ ثلاثہ کا قول
۲۳۳	اللہ تعالیٰ	۲۳۱	امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا عمل
۲۳۵	اگر خطا بھی طلاق دے تو طلاق ہو جائے گی	۲۳۲	ائمہ ثلاثہ کی طرف سے حدیث باب کی توجیہات
۲۳۵	”ثلث جدهن جد وهزلهن جد“	۲۳۲	حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی توجیہ
۲۳۵	امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال		فلونگ چارج (Floating Charge) کا حکم
	(۷) باب إذا قال لعبد: هو لله، ونوى العتق، والإشهاد بالعتق	۲۳۳	بعض معاصرین کا قول
۲۳۶	(۸) باب أم الولد	۲۳۳	۳۹ - کتاب العتق
۲۳۶	امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال	۲۳۷	(۱) باب في العتق وفضله
۲۳۸	جمہور کے ہاں ام ولد کا حکم	۲۳۷	اعتناق کی فضیلت
۲۳۸	امام بخاری کی دلیل کا جواب	۲۳۸	(۲) باب: أمي الرقاب أفضل؟
۲۳۹	(۱۰) باب بيع الولاء وهبته	۲۳۸	آداب معاشرت کا لحاظ بہت ضروری ہے
۲۳۹	عقد موالہ کی تعریف	۲۳۹	موقفہ دیکھ کر مصافحہ کرنا چاہئے
۲۵۰	حقوق مجرد کی خرید و فروخت		(۳) باب إذا عتق عبدا بين اثنين أو أمة بين الشركاء
۲۵۱	حقوق کی متعدد قسمیں	۲۳۹	عبد مشترک کو آزاد کرنے کے بارے میں اختلاف ائمہ
		۲۴۰	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک
		۲۴۱	صاحبین رحمہم اللہ کا مسلک

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	(۱۹) باب: العبد راع فی مال سیدہ،	۲۵۱	حقوق شریعہ کی بیخ جائز نہیں
۲۶۱	ونسب النبی ﷺ المال إلی السید	۲۵۱	بعض حقوق کی صلح ہو سکتی ہے
۲۶۳	۵۰۔ کتاب المکاتب	۲۵۱	دوسری قسم حقوق عرفیہ
۲۶۳	باب اثم من قذف مملو کہ	۲۵۲	حقوق عرفیہ کی اقسام
	(۱) باب المکاتب ونجومہ فی کل	۲۵۳	پنشن کی فروخت کا مسئلہ
۲۶۳	سنة نجوم		(۱۱) باب إذا أسرا نحو الرجل أو عمه
۲۶۳	آیت کی تشریح	۲۵۳	ہل یفادی إذا کان مشرکاً؟
۲۶۴	خیر سے کیا مراد ہے؟	۲۵۳	قیدی کا فدیہ
۲۶۵	(۴) باب بیع المکاتب إذا رضی	۲۵۳	امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک
۲۶۵	مکاتب کی بیخ میں فقہاء کا اختلاف	۲۵۳	امام بخاری رحمہ اللہ کی دلیل
۲۶۵	امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک	۲۵۵	امام بخاری رحمہ اللہ کے استدلال کا جواب
۲۶۶	خفیہ کا مسلک		(۱۳) باب من ملک من العرب رقیقاً
۲۶۶	امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال	۲۵۶	لوہب وباع وجامع وفدی ونسب اللریة
۲۶۶	خفیہ کی جانب سے جواب	۲۵۶	عریوں کو غلام بنانے کے بارے میں اقوال
	(۵) باب إذا قال المکاتب:	۲۵۶	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک
۲۶۷	إعترنی وأعتقنی، فأعتره لذلك	۲۵۷	امام شافعی اور امام بخاری رحمہما اللہ کا مسلک
	۵۱۔ کتاب الہبۃ وفضلها		(۱۵) باب قول النبی ﷺ: ((العبد
۲۶۹	والصحریض علیها	۲۵۸	إخوانکم فاطعموہم مما تأکلون))
۲۶۹	(۱) باب فضل الہبۃ		(۱۶) باب العبد إذا أحسن عبادة ربه
۲۶۹	(۲) باب القلیل من الہبۃ	۲۵۹	ونصح سیدہ
۲۷۰	(۳) باب من أسعوب من أصحابہ شیئاً		(۱۷) باب كراهية التطاول على
۲۷۰	ہدیہ کب طلب کیا جا سکتا ہے	۲۶۰	الرفیق، وقوله: عبدی أو امتی
۲۷۱	(۴) باب من استسقى	۲۶۰	“عبدی“ یا “امتی“ سے خطاب کا حکم
۲۷۱	(۵) باب قبول ہدیۃ الصید	۲۶۱	(۱۸) باب إذا أتى أحدکم خادمه بطعامه

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۸۴	دوسرا مسئلہ	۲۷۲	کیا حضور ﷺ سے خرگوش کھانا ثابت ہے؟
۲۸۵	تیسرا مسئلہ	۲۷۲	(۶) باب قبول الهدیۃ
	والد بیٹے کو ہبہ کر کے رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟	۲۷۳	(۷) باب قبول الهدیۃ
۲۸۵	(۱۳) باب ہبۃ الرجل لامرأته	۲۷۴	کیا گوہ (ضب) حلال ہے؟
۲۸۶	والمرأة لزوجها		(۸) باب من أهدى إلى صاحبه،
۲۸۶	حدیث باب کی تشریح	۲۷۴	وتحرى بعض لسانه دون بعض
۲۸۷	ہبہ کر کے دوبارہ رجوع کر سکتا ہے؟	۲۷۶	ترجمہ و تشریح حدیث عائشہؓ
۲۸۷	ائمہ ثلاثہ کا مسلک	۲۷۸	اس قسم کے واقعات سے غلط استدلال کرنا
۲۸۸	خفیہ کا مسلک	۲۷۸	(۱۰) باب من رأى الهبة الغالبة جائزة
۲۹۰	(۱۵) باب	۲۷۹	شیء غائب کا ہبہ کب تام ہوگا؟
۲۹۰	حدیث باب کی تشریح	۲۷۹	(۱۱) باب المكافاة فی الهبة
۲۹۲	(۱۷) باب من لم يقبل الهدية لعلة	۲۷۹	(۱۲) باب الهبة للولد
۲۹۳	مسلمان کے ہدیہ میں برکت ہے	۲۸۰	(۱۳) باب الاشهاد فی الهبة
	(۱۸) باب إذا وهب هبة أو وعد،	۲۸۰	ظلم پر گواہ نہ بننے
۲۹۳	لم مات قبل أن تصل إليه		اولاد کو ہبہ کرتے وقت تساوی واجب ہے یا مستحب؟
۲۹۳	ہبہ تام ہونے کے لئے قبضہ شرط ہے یا نہیں؟	۲۸۱	اختلاف فقہاء
۲۹۳	جمہور کا مسلک	۲۸۲	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ائمہ ثلاثہ کا مسلک
۲۹۳	امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک	۲۸۲	امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک
۲۹۳	جمہور کا استدلال	۲۸۲	امام احمد رحمہ اللہ کا استدلال
۲۹۶	(۱۹) باب كيف يقبض العبد والمتاع؟	۲۸۲	ائمہ ثلاثہ کا استدلال
	(۲۰) إذا وهب هبة فقبضها الآخر		خلاصہ کلام
۲۹۷	ولم يقل: قبلت	۲۸۳	واقعہ نعمان بن بشیرؓ کے جوہات
۲۹۸	(۲۱) باب إذا وهب دينا على رجل	۲۸۳	دوسرا اختلاف

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۱۲	(۳۳) باب من استعار من الناس الفروس	۲۹۸	دین کے بید کی تفصیل
۳۱۳	(۳۳) باب الإستعارة للعروس عند البناء	۲۹۹	حنفیہ کا مسک
۳۱۳	(۳۵) باب فضل المنیحة	۲۹۹	(۲۲) باب هبة الو احد للجماعة
۳۱۵	عاریت کی فضیلت	۳۰۰	ہبۃ المشاع میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تفصیل
(۳۶) باب إذا قال : أخدمتك هذه	۳۰۱	حنفیہ کی جانب سے حضرت اسماءؓ کے واقعہ کی تاویل	
۳۱۶	الجارية، علی ما یعرف الناس، فهو جائز.	۳۰۱	حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا قول
۳۱۷	"قال بعض الناس"	(۲۳) باب الهبة المقبوضة وغير	
۳۱۷	"قال بعض الناس" كاجواب	۳۰۲	المقبوضة، والمقسومة وغير المقسومة
(۳۷) باب إذا حمل رجل علی فرس	۳۰۳	(۲۳) باب إذا وهب جماعة لقوم.	
۳۱۸	فهو كالعمري و الصدقة	(۲۵) باب من أهدى له هدية وعنده	
۳۱۸	"قال بعض الناس" كاجواب	۳۰۳	جلساؤه فهو أحق بها
۳۱۹	۵۲ - كتاب الشهادات	(۲۶) باب إذا وهب بعيرا لرجل	
(۱) باب ما جاء في البينة علی المدعی،	۳۰۵	وهو راكبه فهو جائز	
(۲) باب إذا عدل رجل رجلا	۳۰۵	(۲۷) باب هدية ما يكره لبسها	
(۳) باب شهادة المختصی	۳۰۵	حدیث باب کی تشریح	
چھپے ہوئے شخص کی گواہی اور اختلاف فقہاء	۳۰۶	(۲۸) باب قبول الهدية من المشركين	
حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا قول	۳۰۷	حدیث باب کی تشریح	
(۴) باب إذا شهد شاهد، أو شهود بشئ	۳۰۷	روایات میں تطبیق	
(۵) باب الشهداء العدول	۳۰۸	"أو قال أم هبة؟"	
(۶) باب تعديل كم يجوز؟	۳۰۸	(۲۹) باب الهدية للمشركين	
حنفیہ کے ہاں تعديل	۳۰۹	(۳۱) باب:	
(۷) باب الشهادة علی الأنساب	۳۱۰	(۳۶) باب ما قيل فی العمري والرقي	
والرضاع المستفيض والموت القديم	۳۱۱	عمری کے بارے میں اختلاف ائمہ	
حدیث باب کی تشریح	۳۱۲	"رقي" اور اس کا حکم	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۳۴	ترکیہ کے لئے ایک کی شہادت کافی ہے		(۸) باب شہادۃ القاذف والسارق
۳۳۵	ترکیہ کا طریقہ	۳۲۹	والزانی
۳۳۶	(۱۸) باب بلوغ الصبیان و شہادتهم	۳۳۰	محمد و فی اعتداف کی شہادت اور اختلاف ائمہ
۳۳۶	اکیس سال میں ثانی بن گئی	۳۳۱	حقیقہ کے دلائل
۳۳۷	ترکیہ کے لئے اقل مدت بلوغ	۳۳۲	حضرت مغیرہ <small>رضی اللہ عنہ</small> پر تہمت کا واقعہ
	(۱۹) باب سؤال الحاكم المدعی:	۳۳۳	اصل واقعہ کیا تھا؟
۳۳۷	حق بینة لک قبل الیمن		(۹) باب: لا یشہد علی شہادۃ جور
	(۲۰) باب الیمن علی المدعی	۳۳۶	وإذا أشہد
۳۳۷	علیه فی الأموال والحدود		(۱۱) باب شہادۃ الأعمی ونکاحہ
	"قضاہیمین و شاہد" کے عدم جواز پر		وأمیرہ، والنکاحہ، ومباہتہ، وقبولہ
۳۳۸	احتاف کا استدلال	۳۳۷	فی العاذین وغیرہ، وما یعرف بالأصوات
	"قضاء یمین و شاہد" کے جواز پر	۳۳۷	اعلیٰ کی شہادت کے بارے میں اقوال ائمہ
۳۳۹	ائمہ ثلاثہ کا استدلال	۳۳۸	حضرت عبداللہ بن عباس کے تاہینا ہونے کا واقعہ
۳۳۹	احتاف کی طرف سے جواب		حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غلام سے پردہ
	(۲۱) باب إذا ادعی أو قذف فله أن	۳۳۹	کیوں نہیں کیا؟
۳۵۰	یلتمس البینة و ینطلق لطلب البینة	۳۴۱	(۱۳) باب شہادۃ الاماء والعبد
۳۵۰	(۲۲) باب الیمن بعد العصر	۳۴۲	ائمہ ثلاثہ کا مسلک
۳۵۰	حدیث کی تشریح	۳۴۲	(۱۴) باب شہادۃ المرضعة
	(۲۳) باب یحلف المدعی علیہ	۳۴۲	(۱۵) باب تعدیل النساء بعضہن بعضہا
	حیثما وجبت علیہ الیمن، ولا		عورتیں ایک دوسری کی تعدیل کریں تو اس کا
۳۵۱	یصرف من موضع إلی غیرہ	۳۴۳	کیا حکم ہے؟
۳۵۱	حقیقہ کا مسلک	۳۴۳	(۱۶) باب إذا زکی رجل رجلا کفاه
۳۵۱	امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کا مسلک	۳۴۳	اختلاف فقہاء
۳۵۲	(۲۴) باب إذا تسارع قوم فی الیمن	۳۴۴	"عسی الغویر أبو سا" کی اصل کیا ہے؟

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۶۲	(۳۰) باب القرعة فی المشكلات	۳۵۲	"ایہم یحلف" کی کیا صورت ہے؟
۳۶۲	قرعہ کی حیثیت	(۲۵) باب: قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَإِن	
۳۶۵	۵۳۔ کتاب الصلح	الَّذِينَ يَشْعُرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ	
(۱) باب ماجاء فی الاصلاح بین		فَمَنَّا قَلِيلًا أَوْلَٰئِكَ لَا خَلْقَ لَهُمْ فِي	
۳۶۵	الناس	الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ	
(۲) باب: لیس الکاذب الذی		إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿	
۳۶۵	یصلح بین الناس	(۲۶) باب: کیف یستحلف؟	
تین مواقع پر خلاف واقعہ بات کہنے کی		(۲۷) باب من أقام البینه بعد اليمين	
۳۶۶	اجازت ہے	بیین کے بعد پینہ قبول ہوگا یا نہیں؟	
۳۶۶	اختلاف فقہاء	حنفیہ کا مسلک	
۳۶۷	امام شافعی اور بعض دیگر فقہاء کا قول	امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک	
۳۶۷	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول	(۲۸) باب من أمر بالجاز الوعد	
۳۶۷	توریہ کی تعریف	ترجمہ الباب کا مطلب	
۳۶۷	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا قول	اختلاف فقہاء	
(۳) باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿أَنْ		آج کل کی بیع و شراء کا ایک اہم مسئلہ آرڈر دینا	
۳۶۸	يُضْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴿	۳۵۷	سپلائی کا ٹریکٹ (supply contract)
(۵) باب إذا اصطلحوا علی صلح		۳۵۸	ترجمہ الباب کی تشریح
۳۶۸	جور فالصلح مردود	(۲۹) باب: لا یسال أهل الشرك	
(۶) باب: کیف یکتب: هذا ما		عن الشهادة و غيرها	
صالح فلان بن فلان و فلان بن فلان،		کافر کی شہادت میں فقہاء کرام کا مشہور	
۳۶۹	وان لم ینسبه إلی قبیلته أو نسبه	اختلاف ہے	
۳۷۰	حدیث کا مطلب	امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک	
۳۷۰	حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول ﷺ کا لفظ کیوں	حنفیہ کا مسلک	
۳۷۰	نہیں مٹایا؟	حدیث باب کی تشریح	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	والمصالحة مع أهل الحرب	۳۷۱	جب امی تھے تو پھر کیسے لکھا؟
۳۸۵	و کتابة الشروط.	۳۷۲	(۷) باب الصلح مع المشركين
۳۸۹	صلح حدیبیہ کی تفصیل مع تشریح حدیث	۳۷۳	حدیث باب کی تشریح
۳۹۱	”حاحبس الفیل“ کہنے کی حکمت		(۱۱) باب فضل الإصلاح بین
۳۹۲	ایک حجرہ کا تذکرہ کہ چشمہ اہل پڑا	۳۷۶	الناس والعدل بینہم
۳۹۳	تہامہ سے کیا مراد ہے؟		(۱۳) باب الصلح بین الغرماء
	صدیق اکبر <small>ؓ</small> کی غیرت ایمانی اور دفاع	۳۷۶	وأصحاب الميراث والمجازفة فی ذلك
۳۹۵	صحابہ <small>ؓ</small>	۳۷۷	خفیہ کا مسلک
۳۹۶	اسلام میں سخت الفاظ کا استعمال اور اس کا حکم	۳۷۹	۵۴۔ کتاب الشروط
۳۹۷	حضور <small>ؐ</small> عرب میں کیوں مبعوث ہوئے؟		(۱) باب ما يجوز من الشروط فی
۳۹۷	اس کی ایک حکمت	۳۷۹	الإسلام والأحكام والمبايعة
۴۰۰	مقصود فتح ثقف نہیں بلکہ اللہ کی اطاعت ہے	۳۷۹	حدیث کا مطلب
۴۰۱	صدیق اکبر <small>ؓ</small> کا مقام		(۳) باب إذا اشترط البائع ظهر
۴۰۱	لیڈر کیسا ہو؟	۳۷۹	الدابة إلى مكان مسمى جاز
۴۰۶	(۱۶) باب الشروط فی القرض		(۶) باب الشروط فی المهر عند
۴۰۷	قرض تا جیل کو قبول نہیں کرتا	۳۸۲	عقدة النکاح
۴۰۷	مسلک جمہور و خفیہ		(۸) باب ما لا يجوز من الشروط فی
	(۱۸) باب ما يجوز من الاشرط،	۳۸۲	النکاح
	والشئنا فی الإقرار، والشروط التي	۳۸۲	(۱۱) باب الشروط فی الطلاق
۴۰۷	یتعارفہ الناس بینہم .	۳۸۳	طلاق مطلق
۴۰۸	مطلب	۳۸۳	(۱۲) باب الشروط مع الناس بالقول
۴۰۹	جمہور کا مسلک		(۱۴) باب إذا اشترط فی المزارعة:
۴۰۹	جمہور کا استدلال .	۳۸۳	إذا شئت أخرجتک
۴۱۰	ابن سیرین کا قول خفیہ کی تائید ہے		(۱۵) باب الشروط فی الجهاد

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	دین وصیت پر مقدم ہے، آیت میں اس کے برعکس کیوں؟	۴۱۰	”بجیار النقد“
۴۲۸	اس کی حکمتوں کو	۴۱۱	”من احصا ما“ حاطہ کرنے سے کیا مراد ہے؟
۴۳۰	حدیث کی تشریح	۴۱۳	۵۵ - کتاب الوصایا
۴۳۱	(۱۰) باب إذا وقف، أو وصی لأقاربه، ومن الأقارب؟	۴۱۵	(۱) باب الوصایا
۴۳۲	اقارب کی تعیین میں اختلاف فقہاء	۴۱۶	(۲) باب أن یتروک وراثہ اغنیاء
۴۳۲	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ	۴۱۷	غیر من أن یتکففوا الناس
۴۳۳	امام شافعی رحمہ اللہ		(۳) باب الوصیۃ بالفلت
۴۳۳	امام مالک رحمہ اللہ		(۴) باب قول الموصی لو صیہ: تعاهد لولدی، وما یجوز للموصی من الدعوی
۴۳۳	امام ابو یوسف رحمہ اللہ		(۵) باب إذا وراثاً المریض برأسه
۴۳۵	یاد رکھنے کی بات	۴۱۷	إشارة بینة تعرف
	(۱۱) باب: هل یدخل النساء والولد فی الأقارب؟	۴۱۸	وصیت بالاشارہ کا حکم
۴۳۵	اگر اقارب کے لئے وصیت ہو تو اولاد شامل نہیں ہوتی	۴۱۹	(۶) باب لا وصیۃ لوارث
۴۳۶	مسئلہ حنفیہ	۴۱۹	(۷) باب الصدقۃ عند الموت
۴۳۶	(۱۲) باب هل ینتفع الواقف بوقفہ؟	۴۲۰	(۸) باب قول اللہ عزوجل: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ ذِينَ﴾
۴۳۷	(۱۳) باب إذا وقف شیئاً قبل أن یدفعه إلى غیرہ فهو جائز، اختلاف فقہاء	۴۲۰	مریض کا اقرار بالذین اور مسلک حنفیہ حنفیہ کا مسلک
۴۳۸	امام محمد رحمہ اللہ کا مسلک	۴۲۳	”قال بعض الناس“ سے کئے جانے والے اعتراض کا جواب
۴۳۸	امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مسلک	۴۲۵	دوسری دلیل کا جواب
۴۳۸	(۱۴) باب إذا قال: داری صدقۃ للہ	۴۲۶	حنفیہ پر ایک اور اعتراض
		۴۲۸	(۹) باب تاویل قوله تعالیٰ: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ ذِينَ﴾

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳۷	لَا غِنَىٰ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿﴾	۲۳۹	ولم یبین للفقراء أو غیرہم فہو جائز. و یعطیہا للآخرین أو حیث اراد
۲۳۷	حدیث باب کی تشریح	(۱۵) باب إذا قال: أرضی أو	بستانی صدقة لله عن أمی
	(۲۵) باب استخدام الیتیم فی السفر والحضر إذا کان صلاحاً لہ،	(۱۶) باب إذا تصدق أو وقف بعض	ماله أو بعض رقیقہ أو دوابہ فہو جائز
۲۳۹	ونظر الأم أو زوجها للیتیم	وقف المشاع میں حنفیہ میں اختلاف	
	(۲۶) باب إذا وقف أرضاً ولم یبین الحدود فہو جائز، وكذلك الصدقة	امام محمد رحمہ اللہ کا مسلک	
۲۵۰	ایک مطلب	امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مسلک	
۲۵۰	دوہرہ مطلب	(۱۷) باب من تصدق إلى وکیلہ لم	رد الوکیل إلیہ
	(۲۷) باب إذا وقف جماعة أرضاً	(۱۸) باب قول الله عزوجل: ﴿وَإِذَا	خَضَرَ الْقِسْمَةُ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ
۲۵۱	مشاعاً فہو جائز	وَالْمَسَاكِينَ فَأَرِزُوا لَهُمْ مِنْهُ﴾	
	(۳۱) باب وقف الدواب والکراع	(۱۹) باب ما یستحب لمن توفی	السجدة أن یصدقوا عنہ، ولقضاء
۲۵۱	والعروض والصامت	التدور عن المیت	
	جانور، گھوڑے اسباب، چاندی، سونا وقف	باب وما للوصی أن یعمل فی مال	الیتیم وما یأکل منه بقدر عمالہ
۲۵۱	کرنے کا بیان	وقف کے متولی اور یتیم کے متولی میں فرق	
۲۵۱	اشیاء منقولہ کا وقف اور اختلاف فقہاء	(۲۴) باب ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ	الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ
۲۵۲	در اہم اور دنا نیر کا وقف	تُخَالِطُوهُمْ فَأَخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ	الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ
۲۵۲	کیا چندہ بھی وقف میں داخل ہے؟		
۲۵۳	چیز وقف کب بنتی ہے؟		
۲۵۳	دارالعلوم کی زمین		
۲۵۳	(۳۲) باب نفقة الیتیم للوقف		
	(۳۳) باب إذا وقف أرضاً أو بئراً،		
۲۵۳	أو اشترط لنفسه مثل دلاء المسلمین		
۲۵۵	”شرط الواقف کنص الشارع“		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۶۶	اقدامی جہاد کا انکار		(۳۵) باب قول اللہ عزوجل:
۳۶۶	دامن کو فرادیکھو ذرا بند ببادیکھو		﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا
۳۶۷	جہاد کی مشروعیت کے مختلف ادوار		تَحَضَّرَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ جِئْنَا الْوَصِيَّةَ
۳۶۷	پہلا مرحلہ: صبر کا حکم		الْإِنْسَانَ ذَوْأَ عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرَ مِنْ
۳۶۸	کئی زندگی میں جہاد کا حکم نہ ہونے کی حکمت	۳۵۶	تَحْبِيرِكُمْ﴾
۳۶۸	دوسرا مرحلہ: اجازتِ قتال	۳۵۶	امام بخاری رحمہ اللہ کا بیان کردہ شان نزول
۳۶۹	تیسرا مرحلہ: دفاعی جہاد کی فرضیت	۳۵۸	شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کا ترجمہ اور جواب
۳۷۰	چوتھا مرحلہ: اقدامی جہاد		(۳۶) باب قضاء الوصی دیون
۳۷۲	دفاع میں اقدام بھی داخل ہے	۳۵۸	المیت بغیر محضر من الورثة
۳۷۲	شریعت نے حدود مقرر کی ہیں	۳۶۱	۵۶ - کتاب الجہاد و السیر
۳۷۳	امر کی تو نصلر سے مکالمہ	۳۶۱	جہاد کی تعریف
۳۷۳	دشمن نمبر ایک کون؟	۳۶۱	جہاد کی ایک اور قسم
۳۷۳	امر یکہ سے نفرت کے اسباب	۳۶۲	حدیث ”رجعنا من الجہاد الاصلو“
۳۷۵	کیا دوسری آیات منسوخ ہو گئی ہیں؟		جہاد کے بارے میں پروپیگنڈہ کہ اسلام بزر
۳۷۶	فرض عین اور فرض کفایہ	۳۶۲	ششیر پھیلا ہے
۳۷۶	جہاد سے پہلے دعوت	۳۶۲	جہاد کا مقصد
۳۷۶	سوال:	۳۶۳	اعلاء کلمۃ اللہ کے دو فرض
۳۷۶	جواب:	۳۶۳	پروپیگنڈہ کا جواب
۳۷۶	ایک بہت بڑی غلط فہمی اور اس کا ازالہ	۳۶۳	کافروں کے ساتھ حسن سلوک کا بے نظیر واقعہ
۳۷۷	موجودہ دور میں جہاد اقدامی ہے یا دفاعی؟	۳۶۳	غلط الزام بھی اوروں پہ لگا رکھا ہے
۳۷۷	سوال:	۳۶۳	کیا مذہبی آزادی اسی کا نام ہے؟
۳۷۷	جواب:	۳۶۳	جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے
	(۱) باب فضل الجہاد والیسر،	۳۶۵	اسلام کی ماڈرن لابی کا معذرت خواہانہ رویہ
۳۷۷	الجہاد والیسر -	۳۶۵	ایک بڑھیا کا قصہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا	۳۷۸	جہاد اور مغازی میں فرق
	مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّن قَضَىٰ	۳۷۹	میری رائے
	نَجْبَةً وَمِنْهُمْ مَّن يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا	۳۸۰	جہاد اور تبلیغ دونوں دین کے کام ہیں
۳۸۸	تَبْدِيلًا ﴿	۳۸۱	مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول
۳۸۹	(۱۳) باب: عمل صالح قبل القتال		(۳) باب الدعاء بالجہاد والشہادۃ
۳۸۹	(۱۴) باب من آتاه سهم غرب فقتله	۳۸۱	للرجال والنساء
	(۲۵) باب ظل الملائكة على	۳۸۲	الفاظ حدیث کی تشریح
۳۹۰	الشہید	۳۸۳	"ملوکاً علی الأسرۃ" کی تشریح
	(۲۶) باب من حدث بمشاهدہ فی	۳۸۳	ایک تفسیر
۳۹۱	الحرب	۳۸۳	دوسری تفسیر
	(۲۸) باب الکافر یقتل المسلم ثم		شکر اسلام کا سب سے پہلا سندری سزا اور فتح
۳۹۲	یسلم فیسدد بعد ویقتل	۳۸۴	قبرص
	(۳۰) باب الشہادۃ سبع سوی	۳۸۵	تخطیہ پر حملہ اور بشارت
۳۹۳	القتل	۳۸۵	بعض حضرات کی توجیہ
۳۹۳	شہید کی پانچ اقسام	۳۸۵	"مغفور لہم" کے بارے میں معتدل بات
۳۹۵	(۳۹) باب التصنط عند القتال	۳۸۶	اس بحث میں نہیں پڑنا چاہیے
۳۹۵	جذبۃ ایمانی کی عجیب مثال		(۵) باب الصدوقۃ والروحۃ فی
۳۹۶	سوال:		سبیل اللہ وقاب قوس احدکم فی
۳۹۶	جواب:	۳۸۶	الجنة
	(۴۳) باب الجہاد ماض مع البر	۳۸۶	(۷) باب تمنی الشہادۃ
۳۹۶	والفاجر،	۳۸۷	حدیث کا مطلب
۳۹۶	(۴۶) باب اسم القوس والحمار		(۸) باب فضل من یصرع فی سبیل
	(۴۷) باب ما یدکر من حرم	۳۸۷	اللہ لعات لہو منهم
۳۹۷	القوس		(۱۲) باب قول اللہ عز وجل:

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَ مِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ	۳۹۷	نحوست کسے کہتے ہیں؟
۵۰۶	تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴿	۳۹۷	(۵۱) باب سهام الفرس،
	(۸۲) باب الحمامات وتعليق	۳۹۷	اختلاف ائمہ
۵۰۶	السيف بالعنق	۳۹۸	جمہور کا مسلک
	(۸۳) باب من علق سيفه بالشجر	۳۹۸	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک
۵۰۶	في السفر عند القائلة	۳۹۹	(۵۳) باب الركاب والغزو للدابة
	(۸۶) باب من لم يركب السلاح	۳۹۹	(۵۹) باب ناقة النبي ﷺ،
۵۰۷	وعقر الدواب عند الموت	۳۹۹	(۶۹) باب نزع السهم من البدن
۵۰۷	(۸۸) باب ما قيل في الرماح		(۷۰) باب الحراسة والغزوة في
	(۸۹) باب ما قيل في درع النبي ﷺ	۳۹۹	سبيل الله
۵۰۷	والقميص في الحرب،	۵۰۰	(۷۱) باب الخدمة في الغزو
۵۰۷	(۹۱) باب الحرير في الحرب	۵۰۱	متحدی عبادت کی فضیلت
۵۰۸	حریر کا استعمال		(۷۲) باب فضل من حمل معاع
۵۰۸	مسک امام شافعی رحمہ اللہ	۵۰۲	صاحبہ فی السفر
۵۰۸	مسک حنفیہ	۵۰۲	حضرت مولانا اعجاز علی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ
۵۰۹	(۹۳) باب ما قيل في قتال الروم		(۷۶) باب من استعان بالضعفاء
۵۰۹	(۹۵) باب قتال الترك	۵۰۲	والصالحين في الحرب،
	(۹۷) باب من صف أصحابه عند	۵۰۳	(۷۷) باب : لا يقال : فلان شهيد،
	الهزيمة، ونزل عن دابته	۵۰۳	اعتبار خواتیم کا ہے
۵۱۰	واستنصر	۵۰۵	سوال:
	(۹۸) باب الدعاء على المشركين	۵۰۵	جواب:
۵۱۰	بالهزيمة والزلزلة	۵۰۵	خودکش بموجہ ہمارے
	(۱۰۱) باب دعوة اليهود والنصارى،		(۷۸) باب التحريض على الرمي،
	وعلى ما يقاتلون عليه، وما كتب		وقول الله عز وجل : ﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۱۹	اجیر کی اقسام		النبي ﷺ إلى كسرى وقيصر،
۵۱۹	اختلاف فقہاء	۵۱۰	والدعوة قبل القتال
۵۲۰	اجیر کی دوسری قسم	۵۱۰	قال سے پہلے دعوت دینا
۵۲۰	اختلاف فقہاء		(۱۰۲) باب دعاء النبي ﷺ إلى
۵۲۰	جمہور کا قول		الإسلام والنبوة، وأن لا يتخذ بعضهم
۵۲۰	حقیقہ کا قول	۵۱۱	بعضاً أرباباً من دون الله.
	(۱۲۹) باب كراهية السفر		(۱۰۹) باب : يقاتل من وراء
۵۲۱	بالمصاحف إلى أرض العدو،	۵۱۲	الإمام ويعقني به
۵۲۱	(۱۳۳) باب التكبير إذا علا شرفاً		(۱۱۰) باب البيعة في الحرب على
۵۲۲	(۱۳۵) باب السير وحده	۵۱۳	أن لا يفروا
۵۲۲	حدیث کا مطلب		(۱۱۱) باب عزم الإمام على الناس
۵۲۳	(۱۳۸) باب الجهاد بإذن الأبوين	۵۱۳	فيما يطيقون
۵۲۳	جہاد و حصول علم کے لئے والدین کی اجازت	۵۱۶	(۱۱۳) باب استئذان الرجل الإمام
۵۲۳	اصولی بات		(۱۱۳) باب من غزا وهو حديث
	(۱۳۹) باب ما قيل في الجرس	۵۱۶	عهد بعرضه،
۵۲۳	ونحوه في أعناق الإبل		(۱۱۵) باب من اختار الغزو بعد
۵۲۳	قلادہ کی ممانعت کی وجہ	۵۱۶	البناء،
	(۱۴۰) باب من اكتتب في جيش		(۱۱۸) باب الخروج في الفزع
	فخرجت امرأته حاجة أو كان له	۵۱۷	وحده
۵۲۵	عذر هل يؤذن له؟		(۱۱۹) باب الجعائل والحملان في
۵۲۵	(۱۴۲) باب الكسوة للأنصارى	۵۱۷	السيل،
	(۱۴۶) باب أهل الدار يبيتون	۵۱۷	حدیث باب کی تشریح
۵۲۶	فیصاب الولدان والدراری،	۵۱۸	ایک اختلافی مسئلہ
۵۲۶	شب خون کا حکم	۵۱۹	(۱۲۰) باب الأجير،

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۳۱	امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول	۵۲۶	(۱۳۹) باب لا یعذب یعذاب اللہ
۵۳۱	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	(۱۵۱)	باب هل لئلا یسیر ان یقتل
۵۳۱	حنفیہ کا استدلال	أو یخذع الذین أسروه حتی ینجو من	
۵۳۲	حدیث باب کا جواب	۵۲۷	الکفرۃ؟
۵۳۳	حدیث کا پیش منظر	(۱۵۲)	باب إذا حرق المشرک
۵۳۴	تشریح حدیث	۵۲۷	المسلم هل یحرق؟
۵۳۵	(۱۸۱) باب کتابۃ الإمام الناس	۵۲۸	"إحراق بالنار" کا حکم
(۱۸۳) باب من تأمر فی الحرب من	۵۲۸	باب قتل المشرک النائم	
۵۳۶	غیر امراة إذا خاف العدو	۵۲۸	(۱۶۹) باب قتل الأسیر و قتل الصبر
(۱۸۷) باب: إذا غنم المشرکون	(۱۷۰)	باب هل یستأمر الرجل؟	
۵۳۶	مال المسلم ثم وجدہ المسلم،	ومن لم یستأمر، ومن رکع رکعتین	
۵۳۷	حنفیہ کا مسلک	عند القتل.	
(۱۸۸) باب من تکلم بالفارسیة	(۱۷۳)	باب الحربی إذا دخل دار	
۵۳۷	والرطانة،	الإسلام بغير أمان	
۵۳۷	"رطانة" کی تشریح	غير مستأمن جاسوس کا حکم	
(۱۹۰) باب القليل من الغلول	(۱۷۵)	باب جوائز الوفاء	
(۱۹۵) باب إذا اضطرب الرجل إلى	(۱۷۶)	باب: هل یتستشفع إلى أهل	
النظر فی شعور أهل الذمة والمؤمنات	الذمة ومعاملتهم؟		
۵۳۹	إذا عصین اللہ وتجرید من.	(۱۷۷)	باب العجمل للوفد.
۵۴۰	یہ اختتامی کارروائی ہے	(۱۸۰)	باب: إذا أسلم قوم فی
(۱۹۷) باب ما یقول إذا رجع من	دار الحرب، ولهم مال وأرضون		
۵۴۰	الغزو	لهم لهم.	
(۱۹۹) باب الطعام عند القنوم،	۵۳۱	مختلفات	
۵۴۳	۵۷ - کتاب فرض الخمس	۵۳۱	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	ولیار النبی ﷺ أهل الصفة	۵۴۳	(۱) باب فرض الخمس
	والأراامل حين سألته غاطمة وشكت	۵۴۳	مسئلہ جاگیر فدک
	إليه الطعن والرحى أن يعلمها من	۵۴۳	ایک روایت سے استدلال
۵۵۸	السبي فوكلها إلى الله.	۵۴۶	امام زہری رحمہ اللہ کا اوراج
۵۵۸	خمس کے احکام	۵۴۷	”فدک“ کی تفصیل
۵۵۸	خمس میں حنفیہ اور حنبلیہ کا موقف	۵۴۸	شیعوں کا استدلال
۵۵۹	امام مالک رحمہ اللہ کا موقف	۵۴۸	پور منثور کی ایک روایت کی تحقیق
۵۵۹	مصرف اور مستحق میں فرق		حضرت علیؑ اور حضرت عباسؑ کا تولیت
۵۵۹	امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک	۵۵۲	میں نزاع
۵۵۹	امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال	۵۵۳	مال فنی اور اس کا حکم
۵۵۹	حنفیہ اور حنبلیہ کا استدلال	۵۵۳	(۳) باب نفقة نساء النبي ﷺ بعد وفاته
۵۶۰	امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل		(۴) باب ما جاء في بيوت أزواج
	(۷) باب قوله تعالى: ﴿لَأَن لَّيْلَهُ		النبي ﷺ وما نسب من البيوت
۵۶۰	مُحْسَنَةٌ وَلِلرَّسُولِ﴾	۵۵۵	اليهن،
۵۶۱	حدیث کی تشریح	۵۵۵	بیراث سے تعلق نہیں
	حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے سورج کا روکا		(۵) باب ما ذكر من درع النبي ﷺ
۵۶۲	جانا		وعصاه وسيفه وقلحه وخاتمه، وما
	(۱۲) باب كيف قسم النبي ﷺ		استعمل الخلفاء بعده من ذلك مما
	قربظة والنضير؟ وما أعطى من ذلك		لم يذكر قسمته، ومن شعره ونعله
۵۶۳	نوابہ .		وآتيه مما تبرك أصحابه وغيرهم
	(۱۳) باب بركة الغازی في ماله	۵۵۵	بعد وفاته.
۵۶۳	حیا ومیتا مع النبی ﷺ وولاية الأمر	۵۵۶	حدیث کا مطلب
۵۶۳	جنگ جمل کا ایک مختصر خاکہ		(۶) باب الدليل على أن الخمس
۵۶۷	حدیث کی تشریح		لنواب رسول الله ﷺ والمساكين.

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	الخمس للإمام، وأنه يعطي بعض		حضرت گنگوہی اور شاہ صاحب رحمہما اللہ کی
	قربانہ دون بعض ما قسم النبي ﷺ	۵۷۰	توجیہ
۵۷۶	ليني المطلب وبني هاشم خمس	۵۷۰	(۱۴) باب إذا بعث الإمام رسولا في
	خير،		حاجة أو أمره بالمقام هل يسهم له؟
۵۷۷	(۱۸) باب من لم يخمس الأسلاب،		(۱۵) باب: ومن الدليل على أن
۵۷۹	إمام شافعي وإمام أحمد رحمهما الله كما مسك		الخمس لنواب المسلمين، ما
	إمام أبو حنيفة وإمام مالك رحمهما الله كما		سأل هو أذن النبي ﷺ بوضاعه
۵۷۹	مسك		فيهم فتحلل من المسلمين.
	(۱۹) باب ما كان النبي ﷺ يعطي		وما كان النبي ﷺ يعطى الناس أن
	المزلفة لولدهم وغيرهم من		يعطيهم من الفداء والأنفال من
۵۸۰	الخمس ونحوه،		الخمس، وما أعطى الأنصار، وما
۵۸۲	حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی توجیہ		أعطى جابر بن عبد الله من تمر
	(۲۰) باب ما يصيب من الطعام في	۵۷۱	بخير
۵۸۲	أرض الحرب	۵۷۲	ببين متحلل
۵۸۳	۵۸ - كتاب الجزية والموادعة	۵۷۳	نقل كاثوث
	(۱) باب الجزية والموادعة مع	۵۷۳	حضور ﷺ كقول غنيمت كاختيار حاصل بون
۵۸۵	أهل الذمة والحرب،		(۱۶) باب ما من النبي ﷺ على
۵۸۵	جمہور کا قول	۵۷۴	الأسارى من غير أن يخمس.
۵۸۵	امام شافعی رحمہ اللہ کا قول	۵۷۴	بال غنيمت مجاہدین کی ملکیت کب بنتا ہے؟
۵۸۶	امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال	۵۷۴	جمہور کا مسک
۵۸۲	جمہور کا استدلال	۵۷۵	امام شافعی رحمہ اللہ کا مسک
۵۷۷	حنفیہ کا اصول	۵۷۶	مکافات حسن سلوک کا شوق
۵۸۸	ایک سوال ہوتا	۵۷۶	مطعم بن عدی کا حسن سوک
	(۲) باب: إذا وادع الإمام		(۱۷) باب: ومن الدليل على أن

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
			ملاک القریۃ، هل يكون ذلك
۵۹۰			لبقيتهم؟
			(۷) باب إذا غدر المشركون
۵۹۱			بالمسلمين، هل يعفى عنهم؟
			(۱۱) باب إذا قالوا: صأنا، ولم
۵۹۲			يحسنوا: أسلمنا،
			(۱۲) باب المودعة والمصالحة مع
			المشركين بالمال وغيره، وإثم من
۵۹۲			لم يف بالعهد،
			(۱۳) باب هل يعفى عن الدمي إذا
۵۹۲			سحر؟
۵۹۳			(۱۵) باب ما يحذر من الغدر،
۵۹۳			(۱۷) باب إثم من عاهد ثم غدر،
۵۹۳			(۱۸) باب:
			(۱۹) باب المصالحة على ثلاثة
۵۹۵			أيام أو وقت معلوم
			(۲۰) باب المواعدة من غير وقت،
			وقول النبي ﷺ: ((أقركم على ما
۵۹۵			أقركم الله)).
			(۲۱) باب طرح جيف المشركين
۵۹۵			في البشر، ولا يؤخذ لهم لمن
			مشركوں کی لاشوں کو کنویں میں پھینکنے کی اجرت
۵۹۵			نہ لینے کا بیان



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى .

عرض مرتب

اساتذہ کرام کی درسی تقاریر کو ضبط تحریر میں لانے کا سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے، اہل علم و ادب کے دلوں میں دیوبند وغیرہ میں فیض الباری، فضل الباری، انوار الباری، لامع الدراری، الکوکب الدری، الحل المفہم لصحیح مسلم، کشف الباری، تقریر بخاری شریف اور درس بخاری جیسی تصانیف اکابر کی ان درسی تقاریر ہی کی زندہ مثالیں ہیں اور علوم نبوت کے طالبین ہر دور میں ان تقاریر بدل پذیر سے استفادہ کرتے رہیں اور کرتے رہیں گے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کی مسند تدریس پر رونق آراء شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم (سابق جسٹس شریعت ایبلیٹ بیچ سپریم کورٹ آف پاکستان) علمی وسعت، فقیہانہ بصیرت، فہم دین اور کلفت طرز تفہیم میں اپنی مثال آپ ہیں، درس حدیث کے طلبہ اس بحر بے کنار کی وسعتوں میں کھو جاتے ہیں اور بحث و نظر کے نئے نئے افق ان کے نگاہوں کو خیرہ کر دیتے ہیں، خاص طور پر جب جدید تمدن کے پیدا کردہ مسائل سامنے آتے ہیں تو شرعی نصوص کی روشنی میں ان کا جائزہ، حضرت شیخ الاسلام کا وہ میدان بحث و نظر ہے جس میں ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔

آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند کی دعاؤں اور تمنائوں کا مظہر بھی ہیں، کیونکہ انہوں نے آخر عمر میں اس تمنا کا اظہار فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں انگریزی پڑھوں اور یورپ پہنچ کر ان دانایان فرنگ کو بتاؤں کہ حکمت وہ نہیں جسے تم حکمت سمجھ رہے ہو بلکہ حکمت وہ ہے جو انسانوں کے ذل و دماغ کو حکیم بنانے کے لئے حضرت خاتم النبیین ﷺ کے مبارک واسطے سے خدا کی طرف سے دنیا کو عطا کی گئی۔

افسوس کہ حضرت کی عمر نے وفاتہ کی اور یہ تمنا آئندہ تکمیل رہی، لیکن اللہ رب العزت اپنے پیاروں کی تمنائوں اور دعاؤں کو رد نہیں فرماتے، اللہ تعالیٰ نے جتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تمنا کو دور حاضر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کی صورت میں پورا کر دیا کہ آپ کی علمی و عملی کاوشوں کو دنیا بھر کے مشاہیر اہل علم و فن میں سراہا جاتا ہے خصوصاً اقتصادیات کے شعبہ میں اپنی مثال آپ ہیں کہ قرآن و حدیث، فقہ و تصوف اور تدریس و تقویٰ کی جامعیت کے ساتھ ساتھ قدیم اور جدید علوم پر دسترس اور ان کو دور حاضر کی زبان پر سمجھانے کی صلاحیت آپ کو منجانب اللہ عطا ہوئی ہے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب یہ میرے پاس پڑھنے کے لئے آئے تو بمشکل ان کی عمر گیارہ بارہ سال تھی مگر اسی وقت سے ان پر آثارِ ولایت محسوس ہونے لگے اور رفتہ رفتہ ان کی صلاحیتوں میں ترقی و برکت ہوتی رہی، یہ مجھ سے استفادہ کرتے رہے اور میں ان سے استفادہ کرتا رہا۔

سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے مجھ سے مجلس خاص میں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا ذکر کرنے پر کہا کہ تم محمد تقی کو کیا سمجھتے ہو، یہ مجھ سے بھی بہت اوپر ہیں اور یہ حقیقت ہے۔

ان کی ایک کتاب "علوم القرآن" ہے اس کی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی حیات میں تکمیل ہوئی اور چھپی اس پر مفتی محمد شفیع صاحب نے غیر معمولی تقریظ لکھی ہے۔ اکابرین کی عادت ہے کہ جب کسی کتاب کی تعریف کرتے ہیں تو جانچ تول کر بہت چمچے ٹٹلے انداز میں کرتے ہیں کہ کہیں مبالغہ نہ ہو مگر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں کہ:

یہ مکمل کتاب ماشاء اللہ ایسی ہے کہ اگر میں خود بھی اپنی تندرستی کے زمانے میں لکھتا تو ایسی نہ لکھ سکتا تھا، جس کی دو وجہ ظاہر ہیں:

پہلی وجہ تو یہ کہ عزیز موصوف نے اس کی تصنیف میں جس تحقیق و تنقید اور متعلقہ کتابوں کے عظیم ذخیرہ کے مطالعہ سے کام لیا، وہ میرے بس کی بات نہ تھی، جن کتابوں سے یہ مضامین لئے گئے ہیں ان سب مآخذوں کے حوالے بقید ابواب و صفحات حاشیہ میں درج ہیں، انہی پر سرسری نظر ڈالنے سے ان کی تحقیقی کاوش کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اور دوسری وجہ جو اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے وہ یہ کہ میں انگریزی زبان سے ناواقف ہونے کی بناء پر مستشرقین یورپ کی ان کتابوں سے بالکل ہی ناواقف تھا، جن میں انہوں نے قرآن کریم اور علوم قرآن کے متعلق زہر آلود تلیہیات سے کام لیا ہے، برخوردار عزیز نے چونکہ انگریزی میں بھی ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی اے نمبروں میں پاس کیا، انہوں نے ان تلیہیات کی حقیقت کھول کر وقت کی اہم ضرورت پوری کر دی۔

اسی طرح شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ نے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے بارے میں

تحریر کیا

لقد من الله تعالى بتحقيق هذه الأمنية الغالية الكريمة ،
 وطبع هذا الكتاب الحديثي الفقهي العجيب ، في مدينة
 كراتشي من باكستان ، متوجا بخدمة علمية ممتازة ، من
 العلامة المحقق المحدث الفقيه الأريب الأديب فضيلة
 الشيخ محمد تقی العثماني ، لجل سماحة شيخنا المفتي
 الأكبر مولانا محمد شلیع مدظلہ العالی فی عافیة وسرور .
 فقام ذاک النجل الوارث الألمعی بتحقیق هذا
 الكتاب والتعليق عليه ، بما يستكمل غاياته ومقاصده ، ويتم فوائده
 وفوائده ، في ذوق علمي رفيع ، وتنسيق فني طباعي بديع ، مع
 أبهى حلة من جمال الطباعة الحديثة الراقية فجاء المجلد
 الأول منه تحفة علمية رائعة . تتجلى فيها خدمات المحقق
 اللوذعي تفاحة باكستان فاستحق بهذا الصنيع العلمي الرائع : شكر
 طلبة العلم والعلماء ..

کہ علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتاب شرح صحیح مسلم جس کا نام فتح الملہم
 بشرح صحیح مسلم اس کی تکمیل سے قبل ہی اپنے مالک حقیقی سے
 جاملے۔ تو ضروری تھا کہ آپ کے کام اور اس حسن کارکردگی کو پایہ تکمیل
 تک پہنچائیں اسی بناء پر ہمارے شیخ ، علامہ مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع
 رحمہ اللہ نے ذہین و ذکی فرزند ، محدث جلیل ، فقہیہ ، ادیب و اریب مولانا
 محمد تقی عثمانی کی اس سلسلہ میں ہمت و کوشش کو ابھارا کہ فتح الملہم
 شرح مسلم کی تکمیل کریں ، کیونکہ آپ حضرت شیخ شارح شبیر احمد عثمانی
 کے مقام و رتبہ کو خوب جانتے تھے اور پھر اس کو بھی بخوبی جانتے تھے کہ
 ان باکمال فرزند کے ہاتھوں انشاء اللہ یہ خدمت کما حقہ انجام کو پہنچے گی۔

اسی طرح عالم اسلام کی مشہور فقہی شخصیت ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی "تکملة فتح الملہم" پر

تبصرہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :

وقد ادخر القدر فضل اكماله واتمامه - إن شاء الله - لعالم

جلیل من أسره علم و فضل "ذریة بعضها من بعض" هو
الفقیه ابن الفقیه، صدیقنا العلامة الشیخ محمد تقی
العثمانی، بن الفقیه العلامة المفتی مولانا محمد شفیع
رحمه الله و أجزل مشوبته، و تقبله فی الصالحین .

وقد أتاحت لی الأقدار أن أتعرف عن كتب علی الأخ
الفاضل الشیخ محمد تقی، فقد التقيت به فی بعض
جلسات الهيئة العليا للفتوى والرقابة الشرعية للمصارف
الإسلامية، ثم فی جلسات مجمع الفقه الإسلامی العالمی،
وهو يعمل فيه دولة باكستان، ثم عرفته أكثر فأكثر، حين سعدت
به معی عضواً فی الهيئة الشرعية لمصرف فيصل الإسلامی
بالبحرین، والذي له فروع عدة فی باكستان .

وقد لمست فيه عقلية الفقیة المطلع علی
المصادر، المتمکن من النظر والاستنباط، القادر علی الاختیار
والعرجیح، والواعی لما یدور حوله من أفكار و
مشكلات أنتجها .

هذا العصر الحریص علی أن تسود شریعة الاسلام
وتحكم فی ديار المسلمين .

ولا ریب أن هذه الخصائص تجلت فی شرحه لصحیح
مسلم، وبعبارة أخرى: فی تکملته لفتح الملهم .
فقد وجدت فی هذا الشرح: حسن المحدث،
وملكة الفقیه، وعقلية المعلم، وأناة القاضی، ورؤية
العالم المعاصر، جنباً إلى جنب .

ومما یدکر له هنا: أنه لم يلتزم بأن یسیر علی
نفس طريقة شیخه العلامة شهیر أحمد، كما نصحه
بذلك بعض أحبائه، وذلك لوجوه وجیهة ذکرها فی
مقدمته .

ولا ریب أن لكل شیخ طریقته وأسلوبه الخاص، الذي يعاثر بمكانه وزمانه وثقافته، وتيارات الحياة من حوله. ومن التكلف الذي لا یحمد محاولة العالم أن يكون نسخة من غيره، وقد خلقه الله مستقلاً.

لقد رأيت شروحا عدة لصحيح مسلم، قديمة وحديثة، ولكن هذا الشرح للعلامة محمد تقي هو أولها بالتبويب، وأولها بالفوائد والفرائد، وأحقها بأن يكون هو (شرح العصر) للصحيح الثانی.

فهو موسوعة بحق، تتضمن بحوثاً وتحقیقات حديثة، وفقهية ودعوية وتربوية. وقد هیات له معرفته بأكثر من لغة، ومنها الإنجليزية، وكذلك قراءته لثقافة العصر، وإطلاعه على كثير من تياراته الفكرية، أن یعقد مقارنات شئی بین أحكام الإسلام وتعاليمه من ناحية، وبين الذیانات والفلسفات والنظریات المخالفة من ناحية أخرى وأن یبین هنا أصالة الإسلام وتمیزه الخ-

انہوں نے فرمایا کہ مجھے ایسے مواقع میسر ہوئے کہ میں برادر فاضل شیخ محمد تقی کو قریب سے پہچانوں۔ بعض فتوؤں کی مجالس اور اسلامی محکموں کے گرامر شعبوں میں آپ سے ملاقات ہوئی پھر مجمع الفقہ اسلامی کے جلسوں میں بھی ملاقات کے مواقع آتے رہے، آپ اس مجمع میں پاکستان کی نمائندگی فرماتے ہیں۔ الغرض اس طرح میں آپ کو قریب سے جانتا رہا اور پھر یہ تعارف بڑھتا ہی چلا گیا جب میں آپ کی ہمراہی سے فصل اسلامی بینک (بحرین) میں سعادت مند ہوا آپ وہاں ممبر منتخب ہوئے تھے جس کی پاکستان میں بھی کئی شاخیں ہیں۔

- تو میں نے آپ میں فقہی سمجھ خوب پائی اس کے ساتھ مصادر و مآخذ فقہیہ پر بھرپور اطلاع اور فقہ میں نظر و فکر اور استنباط کا ملکہ اور ترجیح و اختیار پر خوب قدرت محسوس کی۔

اس کے ساتھ آپ کے اردگرد جو خیالات و نظریات اور مشکلات منڈلا رہی ہیں جو اس زمانے کا نتیجہ ہیں ان میں بھی سوچ سمجھ رکھنے والا پایا اور آپ ماشاء اللہ اس بات پر حریص رہتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کی بالادستی قائم ہو اور مسلمان علاقوں میں اس کی حاکمیت کا دور دورہ ہو اور بلاشبہ آپ کی یہ خصوصیات آپ کی شرح صحیح مسلم (مکملہ فتح الملہم میں خوب نمایاں اور روشن ہے۔

میں نے اس شرح کے اندر ایک محدث کا شعور، فقیہ کا ملکہ، ایک معلم کی ذکاوت، ایک قاضی کا تدبیر اور ایک عالم کی بصیرت محسوس کی۔ میں نے صحیح مسلم کی قدیم و جدید بہت سی شروح دیکھی ہیں لیکن یہ شرح تمام شروح میں سب سے زیادہ قابل توجہ اور قابل استفادہ ہے، یہ جدید مسائل کی تحقیقات میں موجودہ دور کا فقیہی انسائیکلو پیڈیا ہے اور ان سب شروح میں زیادہ حق دار ہے کہ اس کو صحیح مسلم کی اس زمانے میں سب سے عظیم شرح قرار دی جائے۔

یہ شرح قانون کو وسعت سے بیان کرتی ہے اور سیر حاصل اجاث اور جدید تحقیقات اور فقہی، دعوتی، تربیتی مباحث کو خوب شامل ہے۔ اس کی تصنیف میں حضرت حوالف کو کئی زبانوں سے ہم آہنگی خصوصاً انگریزی سے معرفت کام آئی ہے اسی طرح زمانے کی تہذیب و ثقافت پر آپ کا مطالعہ اور بہت سی فکری رجحانات پر اطلاع وغیرہ میں بھی آپ کو دسترس ہے۔ ان تمام چیزوں نے آپ کے لئے آسانی کر دی کہ اسلامی احکام اور اس کی تعلیمات اور دیگر عصری تعلیمات اور فلسفے اور مخالف نظریات کے درمیان فیصلہ کن رائے دیں اور ایسے مقامات پر اسلام کی خصوصیات اور امتیاز کو اجاگر کریں۔

احقر بھی جامعہ دارالعلوم کراچی کا خوشہ چین ہے اور بحمد اللہ اساتذہ کرام کے علمی دروس اور اصلاحی مجالس سے استفادے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور ان مجالس کی افادیت کو عام کرنے کے لئے خصوصی انتظام کے تحت گذشتہ اٹیس (۱۹) سالوں سے ان دروس و مجالس کو آڈیو کیسٹس میں ریکارڈ بھی کر رہا ہے۔ اس وقت سمعی مکتبہ میں اکابر کے بیانات اور دروس کا ایک بڑا ذخیرہ احقر کے پاس جمع ہے، جس سے ملک و بیرون ملک وسیع پیمانے پر

استفادہ ہو رہا ہے؛ خاص طور پر درس بخاری کے سلسلے میں اجتر کے پاس اپنے دو ساتذہ کے دروس موجود ہیں۔ استاذ الا ساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درس بخاری جو دو سو کیسٹس میں محفوظ ہے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کا درس حدیث تقریباً تین سو کیسٹس میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔

انہیں کتابی صورت میں لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ کیسٹ سے استفادہ عام مشکل ہوتا ہے، خصوصاً طلبہ کرام کے لئے وسائل و سہولت نہ ہونے کی بناء پر سمعی بیانات کو خریدنا اور پھر حفاظت سے رکھنا ایک انگ مسئلہ ہے جب کہ کتابی شکل میں ہونے سے استفادہ ہر خاص و عام کے لئے سہل ہے۔

چونکہ جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس سا لہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹ رذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو شیخ الحدیث کا حادثہ وفات پیش آیا تو صحیح بخاری شریف کا یہ درس مؤرخہ ۴ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سالوں کے دروس ٹیپ ریکارڈ رکی مدد سے ضبط کئے۔ انہی لمحات سے استاذ محترم کی مؤمانہ نگاہوں نے تاک لیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں موجود ہونا چاہئے، اس بناء پر احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس مواد کو تحریری شکل میں لا کر مجھے دیا جائے تاکہ میں اس میں سہنا سہنا نظر ڈال سکوں، جس پر اس کام (انعام الباری) کے ضبط و تحریر میں لانے کا آغاز ہوا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کیسٹ میں بات منہ سے نکلی اور ریکارڈ ہو گئی اور بسا اوقات سبقت لسانی کی بناء پر عبارت آگے پیچھے ہو جاتی ہے (فالسہر بسخطی) جن کی تصحیح کا ازالہ کیسٹ میں ممکن نہیں۔ لہذا اس وجہ سے بھی اسے کتابی شکل دی گئی تاکہ حتی المقدور غلطی کا تدارک ہو سکے۔ آپ کا یہ ارشاد اس حزم و احتیاط کا آئینہ دار ہے جو سلف سے منقول ہے: ”کہ سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ شروع میں سیدنا حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے آموختہ سنا چاہا تو میں گھبرایا، میری اس کیفیت کو دیکھ کر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ:

أوليس من نعمة الله عليك أن تحدث وأنا شاهد فإن

اصبت فذاك وإن الخطأ علمتك.

(طبقات ابن سعد، ص: ۷۹، ج: ۶، و تدوین حدیث، ص: ۱۵۷)

کیا حق تعالیٰ کی یہ نعمت نہیں ہے کہ تم حدیث بیان کرو اور میں موجود ہوں، اگر صحیح طور پر بیان کرو گے تو اس سے بہتر بات کیا ہو سکتی ہے اور اگر غلطی کرو گے تو میں تم کو بتا دوں گا۔

اس کے علاوہ بعض بزرگان دین اور بعض احباب نے سمعی مکتبہ کے اس علمی اثاثے کو دیکھ کر اس خواہش

کا اظہار کیا کہ درس بخاری کو تحریری شکل میں بھی پیش کیا جائے اس سے استفادہ مزید سہل ہوگا "درس بخاری" کی یہ کتاب بنام "انعام الباری" جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اسی کاوش کا ثمرہ ہے۔

حضرت شیخ الاسلام حفظہ اللہ کو بھی احقر کی اس محنت کا علم اور احساس ہے اور احقر سمجھتا ہے کہ بہت سی مشکلات کے باوجود اس درس کی سمجھی و نظری تجلیل و تحریر میں پیش رفت حضرت ہی کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

احقر کو اپنی تہی دامنی کا احساس ہے یہ مشغلہ بہت بڑا علمی کام ہے، جس کے لئے وسیع مطالعہ، علمی پختگی اور استحضار کی ضرورت ہے، جبکہ احقر ان تمام امور سے عاری ہے، اس کے باوجود ایسی علمی خدمت کے لئے بکمر بستہ ہونا صرف فضل الہی، اپنے مشفق استاذہ کرام کی دعاؤں اور خاص طور پر موصوف استاد محترم دامت برکاتہم کی نظر عنایت، اعتماد، توجہ، حوصلہ افزائی اور دعویٰ کا نتیجہ ہے۔

ناچیز مرتب کو مراحل ترتیب میں جن مشکلات و مشقت سے واسطہ پڑا وہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے اور ان مشکلات کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ کسی موضوع پر مضمون و تصنیف لکھنے والے کو یہ سہولت رہتی ہے کہ لکھنے والا اپنے ذہن کے مطابق بنائے ہوئے خاکہ پر چلتا ہے، لیکن کسی دوسرے بڑے عالم اور خصوصاً ایسی علمی شخصیت جس کے صحت و برتری کا معاصر مشاہیر اہل علم و فن نے اعتراف کیا ہو ان کے افادات اور دقیق فقہی نکات کی ترتیب و مراجعت اور تعیین عنوانات مذکورہ مرحلہ سے کہیں دشوار دیکھن ہے۔ اس عظیم علمی اور تحقیقی کام کی مشکلات مجھ جیسے طفل مکتب کے لئے کم نہ تھیں، اپنی بے مانگی، نااہلی اور م علمی کی بناء پر اس کے لئے جس قدر دماغ سوزی اور عرق ریزی ہوئی اور جو محنت و کاوش کرنا پڑی مجھ جیسے نااہل کے لئے اس کا تصور بھی مشکل ہے البتہ فضل ایزدی ہر مقام پر شامل حال رہا۔

یہ کتاب "انعام الباری" جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ سارا مجموعہ بھی بڑا قیمتی ہے، اس لئے کہ حضرت استاذ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے جو تبحر علمی عطا فرمایا وہ ایک دریائے ناپید کنارہ ہے، جب بات شروع فرماتے تو علوم کے دریا بہنا شروع ہو جاتے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت مطالعہ اور عمق فہم دونوں سے نوازا ہے، اس کے نتیجہ میں حضرت استاذ موصوف کے اپنے علوم و معارف جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد خلاصہ و عطر ہے وہ اس مجموعہ انعام الباری میں دستیاب ہے، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاذ موصوف کی فقہی آراء و تشریحات، ائمہ اربعہ کی موافقات و مخالفت پر محققانہ مدلل تبصرے علم و تحقیق کی جان ہیں۔

یہ کتاب (صحیح بخاری) "کتاب بدء الوحی سے کتاب التوحید" تک مجموعی کتب ۹۷، احادیث "۵۶۳" اور ابواب "۳۹۳۰" پر مشتمل ہے، اسی طرح ہر حدیث پر نمبر لگا کر احادیث کے مواضع و متکررہ کی نشان دہی کا بھی التزام کیا ہے کہ اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں [انظر] نمبروں کے ساتھ اور اگر حدیث گزری ہے تو [راجع] نمبروں کے ساتھ نشان لگادیئے ہیں۔

بخاری شریف کی احادیث کی تخریج **الکتب التسعة** (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، موطاء مالک، سنن الداری اور مسند احمد) کی حد تک کر دی گئی ہے، کیونکہ بسا اوقات ایک ہی حدیث کے الفاظ میں جو تفاوت ہوتا ہے ان کے فوائد سے حضرات اہل علم خوب واقف ہیں، اس طرح انہیں آسانی ہوگی۔

قرآن کریم کی جہاں جہاں آیات آئی ہیں ان کے حوالہ مع ترجمہ، سورۃ کا نام اور آیتوں کے نمبر ساتھ ساتھ دیدئے گئے ہیں۔ شروع بخاری کے سلسلے میں کسی ایک شرح کو مرکز نہیں بنایا بلکہ حتی المقدور بخاری کی مستند اور مشہور شروع کو پیش نظر رکھا گیا، البتہ مجھ جیسے مبتدی کے لئے **عمدة القاری** اور **تکملة فتح الملہم** کا حوالہ بہت آسان ثابت ہوا۔ اس لئے جہاں **تکمله فتح الملہم** کا کوئی حوالہ مل گیا تو اسی کو حتی سمجھا گیا۔

رب متعال حضرت شیخ الاسلام کا سایہ عاطفت عافیت و سلامت کے ساتھ عمر دارز عطا فرمائے، جن کا وجود مسعود بلاشبہ اس وقت ملت اسلامیہ کے لئے نعمت خداوندی کی حیثیت رکھتا ہے اور امت کا عظیم سرمایہ ہے اور جن کی زبان و قلم سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن و حدیث اور اجماع امت کی صحیح تعبیر و تشریح کا اہم تجدیدی کام لیا ہے۔

رب کریم اس کاوش کو قبول فرما کر احقر اور اس کے والدین اور جملہ اساتذہ کرام کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے، جن حضرات اور احباب نے اس کام میں مشوروں، دعائوں یا کسی بھی طرح سے تعاون فرمایا ہے، مولائے کریم اس محنت کو ان کے لئے فلاح دارین کا ذریعہ بنائے اور خاص طور پر ابتدا و محترم شیخ القراء حافظ قاری مولانا عبدالملک صاحب حفظہ اللہ کو فلاح دارین سے نوازے جنہوں نے ہمہ وقت کتاب اور حل و عبارات کے دشوار گزار مراحل کو احقر کے لئے سہل بنا کر لائبریری سے بے نیاز رکھا۔

صاحبان علم کو اگر اس درس میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت و تحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط و نقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور ازراہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ ﷻ اسلاف کی ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور ”انعام الباری“ کے باقی ماندہ حصوں کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے تاکہ علم حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یا رب العالمین . وما ذلک علی اللہ بعزیز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۲۳ رشوال المکرم ۱۴۳۲ھ

برطابق ۲۲ ستمبر ۲۰۱۱ء بروز جمعرات

كتاب المساقاة

٢٣٥١ - ٢٣٨٤



۳۲۔ کتاب المساقاة

پانی کی اقسام

پہلی قسم وہ پانی ہے جو سمندر، بڑے بڑے دریاؤں، نہروں اور ندیوں میں ہوتا ہے، اس کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ یہ پانی مباح عام ہے، اس واسطے اس سے روکنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ دوسری قسم وہ پانی ہے کہ کسی شخص نے کواں کھودا ہے اور کنویں سے پانی نکل رہا ہے تو اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس پانی میں پہلے کنویں والے کا حق ہے کہ خود سیراب ہو، اور اپنے گھر والوں کو سیراب کرے اور اپنے مویشیوں کو سیراب کرے پھر اس کی ضرورت سے جتنا زائد ہو اس میں لوگوں کو پینے سے منع نہیں کر سکتا یعنی اگر کوئی پانی پینا چاہے یا اپنے مویشیوں کو پلائے تو اس سے منع نہیں کر سکتا، اس کو فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ "لا يمنع الشفہ"۔

کہتے ہیں کہ شفہ میں انسان کے ہونٹ بھی داخل ہیں اور جانوروں کے ہونٹ بھی داخل ہیں البتہ اگر کوئی شخص اپنے کھیت کی سیرابی کے لئے، آب پاشی کے لئے کنوئیں کا پانی لینا چاہتا ہو تو صاحب الہجر اس کو روک سکتا ہے اور یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نہیں دیتا لیکن پینے کے لئے منع نہیں کر سکتا۔

تیسری قسم پانی کی وہ جس کو "الماء المعوز" کہتے ہیں، یعنی کسی نے مباح عام سے پانی لے کر اپنے کسی برتن، مٹکے یا صراحی میں لے لیا یا حوض بنا کر اس میں بھر لیا تو یہ ایک "ماء محرز" کہلاتا ہے، صاحب الہجر اس ماء محرز سے دوسرے کو روک سکتا ہے، سوائے مضطر کے یعنی کوئی شخص پیاس سے مر رہا ہو تو اس کو پانی پینا واجب ہے لیکن اگر پیاس سے نہیں مر رہا ہو تو اس صورت میں پانی پینے سے منع کر سکتا ہے اور اس کی بیع بھی جائز ہے، آخری دو قسم کے پانی سے مالک (صاحب ماء محرز و صاحب الہجر) لوگوں کو پانی لینے سے روک سکتا ہے مثلاً کنوئیں میں آب پاشی کے لئے روک سکتا ہے اور ماء محرز میں مطلقاً روک سکتا ہے۔

اس صورت میں بیع پانی کی جائز ہوگی یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا کلام ہوا ہے۔

اس بات پر تو اتفاق ہے کہ اگر پانی پینے کے لئے بیجا جائے تو ان صورتوں میں بیچنے کی اجازت ہے لیکن آب پاشی، کھیتوں اور باغات کو سیراب کرنے کے لئے اگر پانی بیجا جائے تو اس بارے میں ہمارے فقہاء کرام

نے فرمایا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ علت بیان کی ہے کہ اس لئے جائز نہیں کہ کھیتوں کی سیرابی کے لئے کوئی مقدار متعین کرنا مشکل ہے، کیونکہ اس بیج میں جہالت آجائے گی، لہذا اس وجہ سے منع کیا گیا ہے۔

اس تعلیل کا مقتضی یہ ہے کہ اگر کہیں کہ کسی طریقے پر جہالت ختم ہو جائے گی تو آب پاشی کے لئے بھی پانی بیچنے کی اجازت ہوگی۔ چنانچہ آج کل جہالت کے زائل کرنے کے مختلف راستے ہیں مثلاً بعض جگہ میٹر نصب ہیں تو میٹر سے پتہ چل جاتا ہے کہ کتنا پانی دیا گیا ہے اس وجہ سے جہالت رفع ہوگئی ہے، لہذا بیج جائز ہوگی، چاہے وہ کنویں سے ہو یا ماہ محرز سے ہو اور بعض جگہ ٹیوب ویل وغیرہ بھی لگے ہوئے ہیں اس میں وقت کا تعین کر دیا جاتا ہے چونکہ پتہ ہے کہ اتنے وقت میں اتنا پانی نکلے گا تو اس حساب سے دینا بھی جائز ہو گیا کیونکہ جہالت مرتفع ہوگئی۔

ہمارے زمانے میں گھروں میں زمین دوز یا چھت کے اوپر ٹینک وغیرہ بنے ہوئے ہیں یہ ماہ محرز میں داخل ہیں اور ان کی بیج بھی جائز ہے۔ تو آب پاشی کے لئے حنفیہ کا اصل مسک بیج الماء کے ناجائز ہونے کا ہے، لیکن بعض متاخرین حنفیہ نے اس کی اجازت دی ہے، اس لئے جہاں ضرورت نہ ہو وہاں پانی خریدنے میں احتیاط کرنی چاہئے، لیکن جہاں پانی حاصل کرنے کا بیج کے علاوہ کوئی اور طریقہ نہ ہو اور ضرورت شدید ہو تو اس صورت میں متاخرین حنفیہ کے قول پر لتویٰ دیا جاسکتا ہے۔^۱

(۳) باب من حفر بئر افي ملكه لم يضمن

۲۳۵۵۔ حدیثی محمود: أخبرني عبید الله، عن إسرائيل، عن أبي حصين، عن أبي صالح، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: "المعدن جبار، والبئر جبار، والعجماء جبار، وفي الركاز الخمس" [راجع: ۱۴۹۹]

اس حدیث پر مفصل بحث "کتاب الزکوٰۃ" میں دیکھی جاسکتی ہے۔

"والبئر جبار" یعنی اگر کوئی شخص کنویں میں گر کر مر جائے تو اس کا خون ہدر ہے اور اس سے مراد وہ "بئر" ہے جو کسی نے اپنی ملک میں کھودا ہو اور یہی ترجمہ الباب میں ہے کہ "من حفر بئر افي ملكه لم يضمن"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی مملوک زمین میں کنواں کھودے اور کوئی شخص اس کنویں میں گر جائے تو وہ کھودنے والا ضامن نہیں ہوگا۔ اس طرح اگر کسی شخص نے حاکم کی اجازت سے کسی ایسی جگہ پر کنواں

۱ والتعصیل فی: الفقه الاسلامی وادلتہ، ج: ۴، ص: ۳۵۸، وبدائع، ج: ۶، ص: ۱۸۸، والمعنی لابن قدامہ، ج:

۴، ص: ۲۹۸، واعلاء السنن، ج: ۱۳، ص: ۱۶۳۔

کھودا جس سے لوگوں کو سیراب کرنا مقصود ہو اور وہ راستہ نہ ہو، اس میں اگر کوئی شخص گر کر مر جائے تو کھودنے والا ضامن نہ ہوگا، لیکن اگر کوئی شخص ایسی جگہ کنواں کھودے جو عام راستہ ہے اور اس کی ملکیت میں بھی نہیں ہے اور اذن سلطان بھی نہیں ہے تو کنواں کھودنے والا متعدی ہے اور تعدی کی وجہ سے وہ ضامن ہوگا۔

”مباشر“ اور ”مسبب“ پر ضامن آنے کے اصول

قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ جو شخص ہلاکت یا ضرر کا مباشر ہو وہ ہر حالت میں ضامن ہوتا ہے، چاہے اس کی طرف سے تعدی پائی جائے یا نہ پائی جائے۔ اور جو شخص مباشر نہیں ہے بلکہ مسبب ہے، یعنی اس نے کوئی سبب پیدا کیا اور کسی اور شخص نے بھی اس میں دخل دیا ہے تو ایسی صورت میں وہ اس کا اس وقت ضامن ہوتا ہے جب وہ متعدی ہو، ورنہ نہیں۔ ایسی صورت میں حاکم مرتسب ہے۔ لہذا یہ اس وقت تک ضامن نہیں ہوگا جب تک اس کی طرف سے تعدی نہیں پائی جائے گی، جب تعدی پائی جائے گی تو ضامن ہوگا۔

ٹریفک حادثات میں مباشر کا تعین کرنا

مندرجہ بالا اصول کو موجودہ دود کے ٹریفک کے حادثات پر منطبق کرنے کے لئے اس کی جزئیات کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس موضوع پر میرا عربی میں ایک رسالہ ہے، اس کا نام ہے ”حوادث المرور“ ہے یعنی ٹریفک کے حوادث۔ اس رسالے میں میں نے تفصیل سے یہ بیان کیا ہے کہ کس صورت میں راکب پر ضامن آئے گا اور کس صورت میں نہیں آئے گا، اور تو اعداد فقہیہ اس پر کس طرح منطبق ہوتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قاعدہ اپنی جگہ درست ہے کہ مباشر ہر صورت میں ضامن ہوتا ہے، لیکن اس کا ”مباشر“ ہونا ضروری ہے۔ اب مثلاً ایک شخص صحیح طریقے سے اصول ٹریفک کے مطابق کار چلاتا ہوا جا رہا ہے، اچانک ایک شخص صرف ایک فٹ کے فاصلے پر کار کے سامنے کود گیا اور ہلاک ہو گیا تو اس صورت میں اس مباشر کو سائق سياره (ڈرائیور) کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اس شخص نے خودکشی کی ہے لہذا مباشرت کی نسبت خود اس کی ذات کی طرف ہوگی، ڈرائیور کی طرف نہیں ہوگی۔ لہذا ڈرائیور ضامن نہیں ہوگا۔

(۵) باب اثم من منع ابن السبيل من الماء

۲۳۵۸۔ حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا عبد الواحد بن زياد، عن الأعمش

قال: سمعت أبا صالح يقول: سمعت أبا هريرة رضي الله عنه يقول: قال رسول الله ﷺ: ((ثلاثة

لا ينظر الله اليهم يوم القيامة ولا يزيكهم ولهم عذاب اليم : رجل كان له فضل ماء بالطريق فمنعه من ابن السبيل، ورجل بايع إمامه لا يبايعه إلا لدنيا فإن أعطاه منها رضى وإن لم يعطه منها بسخط، ورجل أقام سلته بعد العصر فقال : والله الذى لا إله غيره لقد أعطيت بها كذا وكذا فصدقه رجل)) ، ثم قرأ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ ۴ [أنظر : ۲۳۶۹، ۲۶۷۲، ۷۲۱۲، ۷۴۳۶] ۵

تین افراد کے لئے وعید

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کی طرف دیکھے گا بھی نہیں“۔

(۱) رجل كان له فضل ماء بالطريق فمنعه من ابن السبيل:

ایک وہ شخص جس کے پاس راستے میں اس کی ضرورت سے فاضل پانی موجود تھا اور اس نے مسافر کو اس پانی کے پینے سے منع کیا، تو یہ ان لوگوں میں داخل ہے جن کی طرف اللہ تعالیٰ دیکھے گا بھی نہیں۔ العیاذ باللہ۔

(۲) رجل بايع إمامه لا يبايعه إلا لدنيا فإن أعطاه منها رضى وإن لم يعطه

منها سخط :

دوسرا وہ شخص ہے جو کسی امام سے بیعت کرے، بیعت کرنے کا مقصد صرف دنیا حاصل کرنا ہے، اگر امام ان کو دنیا کا ساز و سامان دے تب تو خوش ہوگا، ورنہ نہیں دیتا تو ناراض ہو۔

(۳) ورجل أقام سلته بعد العصر

”بعد العصر“ کی قیادت ہی ہے۔ عام طور سے امام عصر کے بعد ہی تجارت وغیرہ زور و شور سے کیا

جاتی تھی فقال ”والله الذى لا إله غيره لقد أعطيت بها كذا وكذا“

”تمہارے لئے بیعت ہے کہ اللہ کی قسم جس سے سوا کوئی محبوب نہیں ہے کہ مجھے اس صلح کی عوض میں اتنے اتنے پیسے

دئے گئے ہیں اتنے اتنے پیسوں کی پیشکش کی ہے کہ اتنے پیسوں میں تمہیں یہ چیز دے دو۔

قیامت کے دن جب میں اسے دیکھوں گا، لگے گا کہ اتنے پیسے کی سے نہیں دینے، یہ جھوٹی قسم کھا رہا تھا تو یہ شخص بھی ان

آن عصرا ۷۷

۴ وہی صحیح مسلمہ کتاب الإيمان، باب بیان غلط تحریم اسباب الازار واليمن بالعطية، رقم ۱۵۷، وسنن

ترمذی، کتاب بئیر عن رسول اللہ، باب ماجاء فی بکت البیعة، رقم ۱۵۲۱، وسنن السانی، کتاب البیوع، باب

سحف الواجب للحدیث فی البیع، رقم ۳۳۸۶، وسنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی مع الماء، رقم ۳۰۱۳،

مس بن ماجہ، کتاب النجارات، باب ما جاء فی کراهیة الايمان فی الشراء والبيع، رقم ۲۱۹۸، والجهاد،

۲۸۶۱، ومسند احمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند ابی هريرة، رقم ۹۸۳۶، ۷۱۳۱

میں داخل ہے جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہیں دیکھیں گے۔

ثم قرا ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾

(۶) باب سكر الأناهار

۲۳۵۹، ۲۳۶۰۔ حدثنا عبد الله بن يوسف : حدثنا الليث قال : حدثني ابن شهاب عن عروة : عن عبد الله بن الزبير رضي الله عنه : أنه حدثه أن رجلا من الأنصار خاصم الزبير عند النبي صلى الله عليه وسلم في شراج الحرة التي يسقون بها النخل ، فقال الأنصاري : سرح الماء يجر فإبي عليه ، فاخصما عند النبي صلى الله عليه وسلم ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم للزبير : " اسق يا زبير ثم أرسل الماء إلى جارك " فغضب الأنصاري فقال : أن كان ابن عمك ؟ فتلون وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال : " اسق يا زبير ثم أحبس الماء حتى يرجع إلى الجدر " . فقال الزبير : والله اني لاحسب هذه الآية نزلت في ذلك : ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ ^ك قال محمد بن العباس : قال أبو عبد الله : ليس أحد ذكر عروة عن عبد الله الا الليث فقط . [أنظر : ۲۳۶۱ ، ۲۳۶۲ ، ۲۷۰۸ ، ۳۵۸۵]

(۷) باب شرب الأعلى قبل الأسفل

۲۳۶۱۔ حدثنا عبدان : أخبرنا عبد الله : أخبرنا معمر ، عن الزهري ، عن عروة قال : خاصم الزبير رجلا من الأنصار فقال النبي صلى الله عليه وسلم " يا زبير اسق ثم أرسل " فقال الأنصاري : إنه ابن عمك ؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم : " اسق يا زبير حتى يبلغ الجدر ثم أمسك " قال الزبير : فاحسب هذه الآية نزلت في ذلك : ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ ^ك [راجع : ۲۳۵۹]

(۸) باب شرب الأعلى إلى الكعبين

۲۳۶۲۔ حدثنا محمد : أخبرنا مخلد بن يزيد الحراني قال : أخبرني ابن جويج قال : حدثني ابن شهاب ، عن عروة بن الزبير أنه حدثه أن رجلا من الأنصار خاصم الزبير في شراج من الحرة ليسقى بها النخل ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم " اسق يا زبير فأمره بالمعروف ثم أرسله إلى جارك " فقال الأنصاري : أن كان ابن عمك ؟ فتلون وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال : " اسق ثم احبس حتى يرجع الماء إلى الجدر " واستوعى له حقه .

فقال الزبير: والله ان هذه الآية انزلت في ذلك: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ فقال لي ابن شهاب فقدرت الأنصار والناس قول النبي ﷺ: "اسق ثم احس حتى يرجع الى الجدر" وكان ذلك إلى الكعبين. [راجع: ۲۳۵۹] ۱

حدیث کی تشریح

سکر کے معنی ایسی دیوانہ بنا دینا جس سے پانی ادھر ادھر نہ جائے، جس کو اردو میں مینڈھ کہتے ہیں، یہ چھوٹی سی دیوار ہوتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے اور یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے متعدد مقامات پر روایت کی ہے، یہاں یہ پہلی بار آ رہی ہے۔

انہوں نے یہ واقعہ سنایا کہ انصار میں سے ایک صاحب نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے نبی کریم ﷺ کے پاس حرہ کی نالیوں کے بارے میں مخاصمت کی یعنی صورت حال یہ تھی کہ "حرہ" کالے کالے پتھروں والی زمین ہوتی تھی، اس میں قدرتی پانی کی نالیاں گزرتی تھی تو جہاں سے یہ نالی گزر رہی تھی وہاں سے اوپر کی طرف حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کا کھیت تھا اور نیچے کی طرف ایک دوسرے صاحب کا کھیت تھا۔ ایسے میں عام طور پر قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ جو اوپر والا بنے پہلے وہ اپنے کھیتوں کو سیراب کر لیتا ہے پھر دوسرے آدمی کے سنے پانی چھوڑتا ہے۔ ہذا جب پانی آتا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اوپر سے پانی کو روک لیتے اور اپنے کھیت میں پانی لے لیتے تھے۔ جب ان کا کھیت خوب اچھی طرح بھر جاتا تو بند کو ہٹا دیتے اور پھر پانی کو چھوڑ دیتے تھے جس کے نتیجے میں وہ دوسرے آدمی کے پاس جاتا تھا، اس کا کہنا تھا کہ تم پانی کو بند روکو اور پانی کو میرے پاس آنے دو۔

حرہ کی نالیوں کے بارے میں جس سے نخلستان سیراب کیا کرتے تھے۔ یہ مخاصمت نبی کریم ﷺ کی خدمت پیش ہوئی۔

"فقال الأنصار" ان انصاری صاحب نے کہا کہ تم جو یہ بند باندھ کے رکھتے ہو یہ درست نہیں ہے بلکہ پانی کو چھوڑ دو کہ وہ گزر کر میرے پاس بھی آئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نہیں، میں تو پہلے اپنے کھیت کو پانی دونوں گا پھر چھوڑوں گا۔ آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ "اے زبیر! پہلے تم اپنے کھیتی میں پانی

۱۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب اتباعہ، رقم ۳۳۴۷، وسن الترمذی، کتاب الأحکام عن رسول اللہ، باب ما جاء فی الرحیمین یكون احدہما اسفل من الآخر فی الماء، رقم ۱۲۸۳، ۲۹۸۳، وسن النسائی، کتاب آداب القضاة، باب الرخصة للحاکم الذمین أن یحکم وهو عصار، رقم ۵۳۱۲، وسن ابی داؤد، کتاب الاقضیة، باب من القضاة، رقم ۳۱۵۳، وسن ابن ماجہ، کتاب المقدمة، باب تعظیم حدیث رسول اللہ والتفلیظ علی من عارضه، رقم ۱۵، وسن احمد، رقم ۱۳۳۵

دے دو پھر اپنے پڑوس کے لئے چھوڑ دو کیونکہ پہلے حضرت زبیر کی کھیتی آتی تھی۔ انصاری صحابی نے اس فیصلے سے ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ آپ ﷺ نے جو فیصلہ کیا وہ اس وجہ سے کیا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پھوپھی کے بیٹے ہیں (یعنی ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں اور یہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں تو اس واسطے اس طرح فیصلہ ہوا) نبی کریم ﷺ کا چہرہ میارک متغیر ہو گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے زبیر! تم اپنے کھیتوں کو پانی دو پھر تم پانی کو روکنے رکھو یہاں تک کہ پانی منڈھیروں تک لوٹ آئے۔ یعنی منڈھیروں تک بھر جائے پھر اس کے بعد چھوڑ دو۔ یعنی اصل حکم یہی تھا جو آپ ﷺ نے آخر میں دیا۔

اصل حکم یہ ہے کہ جس شخص کی کھیتی اوپر ہو تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے کھیت میں اتنا پانی بھر لے کہ اس کی منڈھیریں بھر جائیں، اور جس کی حد فقہاء کرام نے یہ قرار دی ہے کہ کعبین تک آجائے لیکن وہ انصاری جھگڑتے ہوئے آئے تو آنحضرت ﷺ نے مصالحت کے طور پر یہ فرمایا کہ اے زبیر! کہ جتنا پانی تمہاری ضرورت ہے اتنا پانی لے یا کرو اور اس کے بعد چھوڑ دیا کرو اور بھرنے کا انتظار نہ کیا کرو۔ لیکن حضور ﷺ نے ان کے ساتھ جو رعایت فرمائی تھی اس کے اوپر بھی اعتراض کیا تو اس اعتراض کے نتیجے میں آپ ﷺ نے اصل حکم یہ فرمایا کہ کعبین تک تم پانی بھرو یہاں تک کہ پانی منڈھیر تک آجائے۔

”لَقَالَ الزَّبِيرُ“ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میرا گمان یہ ہے کہ یہ آیت ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ اس موقع پر نازل ہوئی۔

اعتراض کرنے والے صاحب کون تھے؟

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہی حدیث ”کتاب الصلح“ میں نکالی ہے وہاں لکھا ہوا ہے کہ یہ ایسے انصار میں سے تھے جو بدر میں شامل تھے۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ بدری صحابہ میں سے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ عزدہ بدر میں کوئی منافق شامل نہیں تھا، لہذا یہ قول کہ یہ منافق تھے، یہ بات درست نہیں۔^۹

چنانچہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ان کا نام حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ہے۔ لیکن یہ بدری تو تھے، انصاری نہیں تھے۔ بعض لوگوں نے یہ توجیہ کی ہے کہ انصار سے یہاں پر اصطلاحی انصار مراد نہیں ہیں بلکہ لغوی ہے یعنی وہ جو حضور ﷺ کی مدد کرتے رہے ہیں۔^{۱۰}

بعض روایتوں میں مختلف نام آئے ہیں لیکن اتنی بات واضح ہے کہ یہ بدری صحابہ میں سے تھے۔ لہذا ان کا حضور ﷺ کے فیصلے پر اس طرح سے ناراضگی کا اظہار کرنا، یہ شبہ پیدا کرتا ہے کہ یہ تو کفر ہو جاتا ہے۔ ”ماکان

۹ عمدة القاری، ج: ۹، ص: ۶۶.

۱۰ عمدة القاری، ج: ۹، ص: ۶۶-۶۷.

لْمُؤْمِنِ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ [الایة] اور ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾.

اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ یہ مدینہ منورہ میں ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے یعنی ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ کے نزول سے پہلے کا اور یہ غلطی اگرچہ سنگین تھی لیکن اس کو حد کفر تک نہیں سمجھا گیا اور اس کی دو وجہیں ہیں:

ایک وجہ تو یہ ہے کہ احکام و عقائد ابھی تک پوری طرح واضح نہیں ہوئے تھے اور آیت کریمہ بھی نازل نہیں ہوئی تھی، لہذا ناواقفیت میں اور تقاضہ بشریت میں ان سے غلطی ہو گئی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ کہا کہ آپ ﷺ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی کے ساتھ رعایت کی ہے، اس کا مقصد یہ نہیں کہ آپ نے غلط فیصلہ کیا بلکہ مقصد یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے جو بات فرمائی وہ بطور مصالحت فرمائی تھی اور مصالحت میں کوئی بھی طریقہ تجویز کیا جاسکتا ہے اور صلح کرنے کے لئے کوئی فیصلہ تجویز کریں تو وہ کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ فریقین کی رضامندی سے صلح ہوتی ہے، تو اس واسطے ان انصاری صحابی نے یہ کہا کہ آپ نے مصالحت میں جو صابح طریقہ تجویز کیا ہے وہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی کی رعایت پر مشتمل ہے۔

گویا راستے تو دو ہیں، یہ بھی اور دوسرا بھی لیکن آپ ﷺ نے اس صابح کو اختیار کیا جو آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی کی رعایت پر مشتمل ہے، تو گویا انہوں نے یہ التزام عائد نہیں کیا کہ آپ ﷺ نے ظلم کا فیصلہ فرمایا، العیاذ باللہ بلکہ صلح میں اپنے پھوپھی زاد بھائی کی جانب رعایت کا فیصلہ کیا۔

اگرچہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ بات کہنا بھی سنگین غلطی تھی مگر کفر تک نہیں پہنچتی۔ بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ "لا یؤمنون" سے کمال ایمان مراد ہے اور کفر تحقیق نہیں ہوتا لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ اس لئے کہ جس بات کو اللہ ﷻ قسم کھا کر فرما رہے ہیں "فلا وربک" اس کے بارے میں یہ کہنا کہ محض کمال ایمان ہے یہ اس کی اہمیت کو کم کرنے کی مترادف ہے۔ اس لئے وہی بات پسندیدہ ہے کہ غلطی ہو گئی تھی اور اس وقت ہو گئی جب احکام و عقائد راسخ نہیں ہوئے تھے اور وہ غلطی بھی حضور ﷺ کی طرف قضائے الجور الزام لگانے کی نہیں تھی بلکہ مصالحت میں ایک جانب کی رعایت کرنے کی تھی۔

تو ہیں عدالت اور تو ہیں فیصلہ موجب تعزیر ہے

پھر اس میں کلام ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو دو مختلف فیصلے فرمائے، ان میں اصل فیصلہ کون سا تھا؟ ایک جماعت نے کہا کہ اصل فیصلہ بعد والا تھا، مگر شروع میں آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنے پڑوسی کے

ساتھ حسن سلوک کی تلقین فرمائی تھی، مگر جب وہ اس پر راضی نہ ہوئے تو اصل فیصلہ تجویز فرمایا، لیکن بعض علماء مثلاً علامہ ماوردی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اصل فیصلہ پہلا ہی تھا، بعد میں جو فیصلہ فرمایا وہ بطور تعزیر تھا۔

چنانچہ علامہ ماوردی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ عدالت کی توہین یا قاضی کے فیصلے کی توہین یا اس پر بددیانتی کا اعتراض کرنا اور اس کو نہ ماننا موجب تعزیر ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ یہ فیصلہ شریعت کے مطابق نہیں ہے اور اس پر دلیل پیش کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن یہ اعتراض کہ یہ فیصلہ بددیانتی کی وجہ سے کیا گیا، یا اقرباء پروری کی وجہ سے کیا گیا تو یہ اعتراض موجب تعزیر ہے اور ایسی صورت میں قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ اس پر تعزیر جاری کرے۔

۲۳۶۴۔ حدثنا ابن ابي مریم : حدثنا نافع بن عمر ، عن ابن ابي مليكة ، عن اسماء بنت ابي بكر رضی اللہ عنہما : ان النبی ﷺ صلی صلوٰۃ الکسوف فقال : "ذلت منی النار حتی قلت : انی رب وأنا معهم . فاذا امرأة حبست انه قال : تعذبها هرة قال : ما شان هذه ؟ قالوا : حبستها حتى ماتت جوعا " . [راجع : ۷۴۵]

۲۳۶۵۔ حدثنا اسمعيل قال : حدثني مالك ، عن نافع ، عن عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہما : ان رسول اللہ ﷺ قال : ((عبدت امرأة في هرة حبستها حتى ماتت جوعا فدخلت فيها النار ، قال : فقال — والله اعلم : — لا أنت اطعمتها ولا سقيتها حين حبستها ولا أنت أرسلتها فاكلت من عشاها الارض)) . [ال نظر : ۳۳۱۸ ، ۳۳۸۲] ۱۱
اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے نماز کسوف پڑھی پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہنم میرے قریب آگئی یہاں تک کہ میں نے اللہ ﷻ سے تعجب سے عرض کیا۔ "اے پروردگار! کیا میں ان کے ساتھ ہوں کہ جہنم مجھے ان سے قریب نظر آ رہی ہے، حالانکہ مجھ میں اور جہنم میں آپ کے فیصلے کے مطابق تو بڑا فاصلہ ہے، تو اس میں دیکھا کہ ایک عورت کو بلی زخمی کر رہی ہے۔

" قال ما شان هذا ؟ " تو فرمایا کہ اس عورت نے ایک بلی کو روک کے رکھا تھا، یہاں تک کہ وہ بھوک سے مر گئی۔

دوسری روایت میں آتا ہے کہ اس نے بلی کو نہ کھلایا، نہ پلایا تو اس کی وجہ سے عذاب ہوا۔ معلوم ہوا کہ جانوروں کو بھی پانی سے روکنا منع ہے۔

۱۱ وفی صحیح مسلم ، کتاب السلام ، باب تحريم تعذيب الهرة ، رقم : ۳۱۶۰ ، وکتاب البر والصلة والآداب ، باب تحريم تعذيب الهرة ولجوعها من الحيوان الذي لا يؤكل . رقم : ۳۷۳۹ ، ومسنن الدارمی ، کتاب الرقاق ، باب دخلت امرأة النار في هرة ، رقم : ۲۶۹۳ .

۲۳۶۷۔ حدثنا محمد بن بشر: حدثنا غندر حدثنا شعبة، عن محمد بن زياد: سمعت أبا هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "والذي نفسي بيده لأذودن رجالا عن حوضي كما تذاذ الغريبة من الأبل عن الحوض".

حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ آپ صلى الله عليه وسلم نے فرمایا کہ "میں بہت سے لوگوں کو اپنے حوض یعنی حوض کوثر پر آنے سے منع کروں گا۔" "کما تذاذ الغريبة من الأبل عن الحوض" جیسے اجنبی اونٹوں کا حوض پر آنے سے روکا جاتا ہے۔ اس طرح میں اپنے حوض کوثر سے روکوں گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا منشأ

امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث کو یہاں پر لانے کا یہ منشأ ہے کہ آپ صلى الله عليه وسلم نے اس حوض کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور اس سے لوگوں کو روکنے کا حق استعمال فرمایا، تو معلوم ہوا کہ پانی حوض کے اندر محرز کر لیا جائے تو صاحب حوض کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سے لوگوں کو روکے۔

۲۳۶۸۔ حدثني عبد الله بن محمد: أخبرنا عبد الرزاق، أخبرنا معمر، عن أيوب وكثير بن كثير، يزيد أحدهما علي الآخر عن سعيد بن جبيرة قال: قال ابن عباس رضي الله عنهما: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "يرحم الله أم اسمعيل، لو تركت زمزم، أو قال لو لم تغرف من الماء، لكانت عينا معينا، وأقبل جرحهم فقلوا: أتأذنين أن نزل عندك؟ قالت: نعم ولا حق لكم في الماء، قالوا: نعم". [أنظر: ۳۳۶۲، ۳۳۶۳، ۳۳۶۴، ۳۳۶۵] ^{۱۲}

قبیلہ جرہم اور آب زم زم

حضرت عبداللہ بن عباس رضي الله عنه روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلى الله عليه وسلم نے فرمایا "یرحم اللہ ام اسمعیل" اللہ تعالیٰ حضرت اسمعیل عليه السلام کی والدہ پر رحم فرمائے "لو ترکت زمزم، او قال لو لم تغرف من الماء، لكانت عينا معينا" اگر وہ زمزم کو اسی طرح چھوڑ دیتیں جس طرح وہ نکلا تھا یا اس میں سے ڈونگے سے پانی نہ نکالتیں تو یہ ایک مستقل بیٹے والا چشمہ ہوتا۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ زمزم کے جاری ہونے کا واقعہ ہوا تھا کہ حضرت جبرئیل عليه السلام نے اپنا پر زمین کے اوپر مارا جس سے زمزم کا پانی جاری ہوا اور زمین سے پانی پھونسا شروع ہو گیا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے جب یہ دیکھا کہ چشمہ سے پانی نکلا ہے تو پانی برتنوں میں بھر لیا۔ چونکہ برتنوں میں بھر لیا تھا، لہذا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ

^{۱۲} مسند احمد، ومن مسند بنی ہاشم، باب بدایة مسند عبد اللہ بن العباس، رقم: ۲۱۷۱، ۳۰۸۰، ۳۲۱۷

چھوٹے سے کنویں کی شکل اختیار کر گیا۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں ”اگر حضرت ہاجرہ عیہا السلام پانی کو اس طرح رہنے دیتیں اور اس میں سے لیتی رہتی اس کو جمع نہ کرتیں تو یہ اس طرح مستقل پہنے والا چشمہ ہوتا کہ ہر وقت یہ پانی زمین کے اوپر بہ رہا ہوتا۔ اس ارشاد کے مطابق جب کہ عین معین نہیں ہے، حال یہ ہے کہ ساری دنیا میں کوئی کنواں ایسا نہیں ہے جس سے اتنا پانی نکلتا ہو جتنا ہر زمزم سے نکلتا ہے۔

رمضان المبارک میں جا کر دیکھیں تو سارا عرب اس زمزم سے افطار کرتا ہے، لوگ اس کو بھر بھر کر لے جاتے ہیں اور مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں بھی یہ ملتے ہیں، ایک صاحب نے ٹھیکہ لے رکھا ہے کہ وہ ہر وقت ٹینک بھر بھر کے سڑکوں کے ذریعہ اسی پانی کو مدینہ منورہ پہنچاتے ہیں اور مسجد نبوی میں جو کولر رکھے ہوئے ہیں ان میں آپ کو زمزم ہی ملے گا۔ یعنی استعمال کی کثرت کے باوجود بند نہیں ہوتا، دنیا میں کوئی کنواں ایسا نہیں ہے۔

”واقبل جرہم فقالوا“ یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جس وقت پانی جاری ہو یہ تو جرہم کا قبیلہ کہیں سے سفر کر کے آ رہا تھا، انہوں نے ایک پرندہ دیکھ جو عام طور سے پانی پر ہوتا ہے جس سے انہوں نے اندازہ لگایا کہ پانی کہیں قریب ہی ہے۔ ہذا اس کی تلاش میں نکلے، جب تلاش کرتے ہوئے پانی کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ حضرت ہاجرہ اپنے بچے کو لئے بیٹھی ہیں۔

جرہم کے لوگوں نے ان سے کہا ”آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے قریب پڑاؤ ڈال لیں“ حضرت ہاجرہ عیہا السلام نے کہا کہ ”اجازت ہے لیکن پانی پر تمہارا حق نہیں ہے“ تو انہوں نے قبول کر لیا، لہذا وہیں قبیلہ جرہم والے آ رہے اور وہیں سے مکہ شہر بن گیا یعنی قبیلہ جرہم نے مکہ کو آباد کیا۔ اس طرح اللہ جل جلالہ نے اس بستی کا انتظام فرمایا۔

حضرت ہاجرہ عیہا السلام کا یہ فرمانا کہ پانی پر تمہارا حق نہیں ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ پانی تمہاری ملکیت نہیں ہے، اور نہ تم اسے سیرابی کے لئے استعمال کر سکتے ہو، بلکہ صرف اپنے لئے استعمال کر سکتے ہو یعنی پینے کی اجازت دی، لیکن سیرابی اور آب پاشی کے لئے منع فرمایا۔

لہذا امام بخاری رحمہ اللہ اس سے استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ پانی کا یہ کنواں اللہ نے ان کے لئے جاری کیا تھا اس لئے ان کی ملکیت میں آ گیا تھا۔

(۱۱) باب لا حمی الا للہ ولرسولہ ﷺ

۲۳۷۰۔ حدثنا یحییٰ بن بکیر: حدثنا اللیث، عن یونس، عن ابن شہاب، عن

عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ ، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما : أن الصعب بن جثامة قال : أن رسول اللہ ﷺ قال : " لا حمی الا للہ و لرسولہ " وقال : بلغنا أن النبی ﷺ حمی النقیع وان عمر حمی الشرف والریدہ . [أنظر : ۳۰۱۳] ۳

”حمی“ کسے کہتے ہیں؟

حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”لا حمی الا للہ و لرسولہ“۔ اس ارشاد کا پس منظر یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ اصول تھا کہ قبیلے کے بڑے بڑے سردار بعض اوقات قبیلے کے علاقے کی چراگاہ میں سے کچھ حصہ اپنے لئے مخصوص کر لیتے تھے کہ یہ صرف ہمارے جانوروں کے لئے مخصوص ہے اور دوسرے لوگوں کو یہاں پر اپنے جانور چرانے کی اجازت نہیں ہے۔ ایسے علاقوں کو حمی کہتے تھے۔ یعنی وہ زمین یا چراگاہ جو کسی سردار نے یا بادشاہ نے اپنے جانوروں کے چرانے کے لئے مخصوص کر دی ہو، اور اس میں دوسرے لوگوں کا داخلہ منع کر دیا ہو۔

”لا حمی الا للہ و لرسولہ“

فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جس سردار کو ”حمی“ بنانے کی ضرورت پیش آتی، وہ کسی پہاڑ یا بلند ٹیلے پر بیٹھ جاتا تھا اور ایک پالتو کتے کو بھونکواتا تھا، کتے کے بھونکنے کی آواز جہاں جہاں پہنچ جاتی وہ کہتے یہ سارا علاقہ میرا ہے یہ میری حمی ہے، لہذا اب کوئی دوسرا آدمی اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جب نبی کریم ﷺ کا عہد مبارک آیا تو آپ ﷺ نے اس طریقہ کار کو منع فرما دیا اور فرمایا کہ اب کوئی شخص حمی نہیں بنا سکتا۔ اور ارض مباح سب انسانوں کے لئے یکساں طور سے مباح ہیں کوئی شخص اس کو اپنے لئے مخصوص نہیں کر سکتا۔ البتہ اس میں ایک استثناء متصل ہے وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے لئے حمی ہو سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیت الما لن میں سارے مسلمانوں کا حق ہے اور امیر بیت المال کے مویشیوں کے چرانے کے لئے کوئی جگہ مخصوص کرے تو پھر وہ حمی درست ہو جائے گی کہ وہاں صرف بیت المال کے مویشی چریں گے اور کسی دوسرے کے جانور کو وہاں چرانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ لہذا ”لا حمی الا للہ و لرسولہ“ کے یہ معنی ہیں۔ ۳

”وقال : بلغنا أن النبی ﷺ“ چنانچہ اس مذکورہ قاعدے کے مطابق راوی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ

۳۔ ولی سنن ابی داؤد ، کتاب الخراج والامارة والفتی ، باب فی الارض یحمها الامام أو الرجل ، رقم : ۲۶۷۹ ، ومسنند

احمد ، اول مسند المدینین اجمعین ، باب حدیث الصعب بن جثامة ، رقم : ۱۵۸۲۷ ، ۱۶۰۸۵ ، ۱۶۰۶۱

فتح الباری ، ج ۵ ، ص : ۴۴ ، ۴۵

نے نفع کے علاقے کو بیت المال کے لئے حمی بنالیا تھا کہ بیت المال کے ونٹ یہیں پر چریں اور حضرت عمرؓ نے شرف اور ربذہ کو حمی بنالیا تھا جو مدینہ منورہ سے قریب تھی کہ بیت المال کے اونٹوں کے لئے یہ جگہ مخصوص کر دی تھی اور باقی لوگوں کو منع کر دیا تھا۔

اس کی تفصیل بخاری میں آگے آئے گی اور بعض لوگوں نے اس پر بھی اعتراض کیا تھا پھر حضرت عمرؓ نے اس حمی کے نگہبان سے کہا تھا کہ کن کو روکو، کن کو مت روکو۔ اس کی تفصیل بھی ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ بیت المال کے لئے حمی بنانا جائز ہے باقی کسی اور کے لئے حمی بنانا جائز نہیں ہے۔ اور اسی واقعہ کی روشنی میں دیکھئے کہ سردار اراضی شاملات کے لئے جو طریقہ اختیار کرتے تھے وہ جاہلیت کے حمی بنانے کے طریقے کے مطابق تھا کہ ملکیت کا کوئی بھی سبب نہ ہوتا تھا، بلکہ صرف انگلی پھیر کر کہہ دیا کہ یہ میرا علاقہ ہے، یہ کسی طور سے بھی شریعت میں ثابت نہیں ہے۔

(۱۲) باب شرب الناس وسقى الدواب من الأنهار

۲۳۷۱۔ حدثنا عبد الله بن يوسف: أخبرنا مالك بن أنس، عن زيد بن اسلم عن أبي صالح السمان، عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال أن رسول الله ﷺ "الخيل لرجل اجر، و لرجل سمر و على رجل و زر. فأما الذي له اجر ف رجل ربطها في سبيل الله فاطال لها في مرج او روضة، فما أصابت في طيلها ذلك من المرح أو الروضة كانت له حسنات ولو أنه انقطع طيلها فاستنت شرفا أو شرفين كانت آثارها و ارواها حسنات له. ولو انها مرت بنهر فشربت منه ولم يرد أن يسقى كان ذلك حسنات له. فهي لذلك اجر. و رجل ربطها تفتيا و تعففا ثم لم ينس حق الله في رقابها و لا ظهورها فهي لذلك سمر. و رجل ربطها فخراء و رباء و نواء لاهل الاسلام، فهي على ذلك و زر" و سئل رسول الله ﷺ عن الحمر، فقال: "ما أنزل على فيها شيء الا هذه الآية الجامعة الفاذة: ﴿ وَمَنْ يَعْْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴾ و ﴿ وَمَنْ يَعْْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴾ [أنظر: ۲۸۶۰، ۳۶۳۶، ۳۹۶۲، ۴۳۵۶، ۳۹۶۳] ۱۵

۱۵ ولی صحیح مسلم، کتاب الزکاة، رقم: ۱۶۳۷، و سنن الترمذی، کتاب فضائل الجهاد عن رسول اللہ، باب ما جاء فی فضل، من ارتبط فرساً فی سبیل اللہ، رقم: ۱۵۶۰، و سنن النسائی، کتاب الخیل، رقم: ۳۵۰۷، و سنن ابن ماجه، کتاب الجهاد، باب ارتباط الخیل فی سبیل اللہ، رقم: ۲۷۷۸، و مسند احمد، بالی مسند مکبرین، باب مسند ابی هریرة، رقم: ۷۲۳۷، ۸۵۱۱، ۸۶۱۹، ۹۱۱۰، و مؤطا مالک، کتاب الجهاد، باب الترتیب فی الجهاد، رقم: ۸۵۱۔

”ولو انه انقطع طيلها“ گھوڑے کو رسی سے باندھ رکھا تھا، پھر گروہ رسی ٹوٹ گئی، ”فاستنت“ تو گھوڑے بھگ کھڑے ہوئے، ”شرفا او شرفين“ ایک ٹیلہ یا دو ٹیلے پار کر کے چمے گئے۔

”کمانت آثارها و ارواؤها حسا له“ ایسے آدمی کے نشان قدم ہیں اور وہ گھوڑے جو لید و غیرہ کریں گے تو سب اس شخص کی حسانت شمار ہو گی۔ کیونکہ اس نے گھوڑوں کو جہد کے سئے پال تھا۔

”ولو أنها مورت بنهر“ اسی جیسے کہ حدیث اس باب میں مائے ہیں، ”ولم يرد أن يسقيها“ یعنی خود وہ پانی پلانا نہیں چاہتا تھا لیکن چونکہ وہ ان کو پالنے کی وجہ سے اس کا سبب بنا، اس لئے اسے ثواب ملے گا، لہذا جب پلانا چاہتا ہو تو بطریق ولی ثواب ہوگا۔

”ورجل ربطها تغنيا و تحفقا“ لذلک ستر“ ایک دوسری قسم ہے، اس نے گھوڑے باندھ کر رکھے ”تغنيا“ یعنی حاصل کر کے لئے، ”وتحفقا“ لوگوں کی آگے سوان سے بچنے کے سئے اور اپنے آپ کو پاکیزہ بنانے کے لئے۔

”ثم لم ينس حق الله“ لذلک ستر“ اور اس نے اللہ تعالیٰ کا حق نہیں بھدیا، نہ ان کے رتبے میں، نہ ان کی حیثیت میں۔

اس سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے کہ گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اور حق نہ بھدیا کے معنی ہیں جس شخص کے پاس گھوڑا ہے۔

اگر کوئی شخص چھوڑے سواروں کا بندوبست مند ہے تو اس کی حاجت پوری کرے، گھوڑوں کے اندر معاملات کا یہ حکم ہے، اسی طرح جن بوؤں سے پاس پٹی کاریاں ہوتی ہیں تو ان کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ کبھی کبھی ضرورت مندوں کو ساری کے سئے اپنا کریں۔

”وسئل رسول الله ﷺ عن الخمر“ جب آپ ﷺ نے گھوڑوں کا بیان فرمایا تو لوگوں نے کہا کہ گدھوں کا بیان بھی فرمادیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر اس بارے میں کوئی خاص حکم نازل نہیں ہو۔ ”الآهذه الآية الجامعة الفاذاة“ نہ ف سے جامع آیت کے ”فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره“۔

۶۳۷۲۔ حدثنا اسماعيل حدثنا مالك بن ربيعة بن أبي عبد الرحمن، عن يزيد مولى لمبعث، عن زيد بن خالد الجهني قال جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فسأله عن نعطه فقال ”اعرف عفاصها ووكاءها، ثم عرفها سنة، فان جاء صاحبها والأ فشانك بها“ قال فصائله العنم؟ قال ”هي لك أو لأخيك أو للذئب“ قال فضالة الإبل؟ قال ”مالك ولها“ معها سفاؤها وحذاؤها، ترد الماء وتأكل الشجر حتى يبقاها ربيها [راجع ۱۹۱]

یہاں پر لانے کا مقصد درحقیقت یہ جملہ ہے کہ ”ترد الماء“ یعنی وہ پانی پروارد ہوا، پانی بیابانی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

”و تاكل الشجر حتى يلقاها ربها“ اس سے پتہ چلا کہ کھریں مباح عام ہوتی ہیں لیکن جب آدمی کاٹ کر اپنے ہاتھوں میں لے لے تو وہ اس کی ملکیت ہو گئیں، اب وہ ان کڑیوں کو بیچ سکتا ہے۔

(۱۳) باب بیع الحطب والکلاء

۲۳۷۵۔ حدثنا ابراهيم بن موسى: اخبرنا هشام: ان ابن جريج اخبرهم قال:

اخبرني ابن شهاب، عن علي بن حسين بن علي، عن ابيه حسين بن علي، عن ابيه علي بن ابي طالب رضي الله عنه انه قال: اصببت شارفا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في منعم يوم بدر، قال: واعطاني رسول الله صلى الله عليه وسلم شارفا أخرى فابختهما يوما عند باب رجل من الأنصار وأنا أريد أن أحمل عليهما اذخرا لأبيعه ومعى صانع من بني قينقاع فاستعين به علي وليمة فاطمة، وحمزة بن عبد المطلب يشرب في ذلك البيت مع قينة، فقالت: الا يا حمز للشرف النواء، ففار اليهما حمزة بالسيف فجب أسنمتهما وبقروا صرهما ثم أخذ من اكبادهما، قلت لا بن شهاب: ومن السنام؟ قال: قد جب أسنمتهما فذهب بها. قال ابن شهاب: قال علي رضي الله عنه: فنظرت إلى منظر الظعنى فالتيت لبي الله صلى الله عليه وسلم وعنده زيد بن حارثة فأخبرته الخبر، فخرج ومع زيد فانطلقت معه فدخل علي حمزة فتغيط عليه لرفع حمزة بصره وقال: هل أنتم الاعبيد لا بالي؟ فرجع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقهقر حتى خرج عنهم وذلك قبل تحريم الخمر. [راجع: ۲۰۸۹]

حدیث باب کا مقصد

حضرت علی رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ بدر کے دن مال غنیمت سے میرے حصے میں ایک اونٹنی آئی تھی۔ آنحضرت صلى الله عليه وسلم نے مجھے ایک اور اونٹنی بھی عطا فرمادی، لہذا میرے پاس دو اونٹنیاں ہو گئیں۔ تو میں نے ایک دن دونوں اونٹنیاں ایک انصاری کے دروازے پر بٹھادیں اور میرا مقصد یہ تھا کہ میں ان پر اذخر گھاس لادوں گا تاکہ اس کو بیچوں۔

یہی ترجمہ الباب کا مقصد ہے کہ اذخر ویسے تو مباح عام ہے لیکن جب کوئی کاٹ لے اور اپنے قبضے میں

لے لے تو وہ اس کی ملکیت ہو گئیں لہذا وہ اس کو بیچ سکتا ہے۔

اور میرے ساتھ بنو قیثہ کا ایک سنا تھا۔ یہ اس لئے کہہ دیا کہ اذخر گھاس عام طور سے سناروں کے کام آتی تھی وہ اس کو خریدتے تھے اور اس سے اپنے اوزار وغیرہ کی صفائی کیا کرتے تھے۔

تمنا جو پوری نہ ہوئی

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس گھاس کو کاٹنے کا مقصد یہ تھا کہ اس کو بازار میں فروخت کر کے جو پیسے ملیں گے اس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے ویسے میں مدد حاصل کروں گا۔ اسی لئے امام بخاریؒ حدیث یہاں لائے ہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود رو گھاس کو اگر کوئی کاٹ کر اس کا احراز کر لے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اور اس کی بیع بھی کر سکتا ہے۔

کہتے ہیں کہ میں گھاس کاٹنے چلا گیا اور اونٹوں کو وہاں پر بٹھا گیا۔ جہاں بٹھایا تھا وہاں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب جو حضور ﷺ کے اور حضرت علیؓ کے چچا بھی تھے، وہ اس گھر میں بیٹھے ہوئے شراب پی رہے تھے (اس وقت شراب کی حرمت نہیں آئی تھی)۔ ان کے ساتھ ایک گانا گانے والی مغنیہ بھی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ اونٹنیاں بندھی ہوئی ہیں تو اس نے یہ شعر پڑھنے شروع کئے۔

”الایا حمز للشراف النواء“ کہ ”الایا حمز“ یہ حمزہ کا مخفف ہے۔ ”للشراف النواء: شرف و شراف“ کی جمع ہے جس کے معنی اونٹنی کے ہیں اور ”لوا“ کے معنی موٹی تازی۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ان موٹی تازی اونٹیوں کی طرف توجہ دلاتی ہوں۔ جو یہاں تمہارے صحن میں بندھی ہوئی کھڑی ہیں۔ آپ کو دعوت دیتی ہوں کہ ان کے زخروے میں چھری لگاؤ اور ان کو ان کے خون میں لپیٹ دو۔

اور کہتی ہے کہ جلدی سے اس کے بہترین گوشت کو اس دیگ میں پکا کر ہمیں کھاؤ، یہ ان اشعار کا حاصل تھا۔ حضرت حمزہ نشے کی حالت میں تو تھے، تلوار لے کر ان اونٹیوں کی طرف دوڑ پڑے اور ان کے کوہان اور خواصر کاٹ دیئے اور پھر ان کی بلیگی نکال لی۔

”قلت لابن شہاب: ومن السنام؟“

یہ بیچ میں راوی ابن جریج ہیں جو ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن شہاب سے کہا کہ کوہان سے بھی انہوں نے نکال لیا! انہوں نے کہا کہ ہاں ان کے کوہان بھی کاٹ دیئے اور لے گئے۔

”قال علیؓ“ آگے پھر روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ جب میں گھاس کاٹ کر واپس آیا تو ایسا منظر دیکھا جس نے مجھے گھبرا دیا (حیران و پریشان کر دیا) کہ اونٹنیاں بیچاری ساری لہولہان اور ذبح ہوئی پڑی تھیں تو میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا آپ ﷺ کے ساتھ زید بن حارثہؓ بھی

بیٹھے ہوئے تھے۔

آپ ﷺ کو میں نے سارا واقعہ سنایا کہ اس طرح سے حضرت حمزہ ؓ نے حملہ کر کے میری اونٹنیوں کو ذبح کر دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ خود تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ زید بن حارثہ ؓ بھی تھے آپ ﷺ حضرت حمزہ ؓ کے پاس گئے اور تار انگی کا اظہار فرمایا کہ یہ کیا حرکت کی ہے؟ اس بیچارے کی اونٹنیاں تھیں اور تم نے اس طرح خراب کر دی ہیں تو حضرت حمزہ ؓ نے اپنی آنکھ اٹھائی، دوسری روایت میں آتا ہے کہ آنکھیں شراب کے نشے کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔

”وقال هل أنعم إلا عبید لأبائی“

آپ ﷺ تو حضرت حمزہ ؓ کے دودھ شریک تھے اور حضرت علی ؓ بھتیجے تھے تو ان سب کو یا صرف حضرت علی ؓ کو نشے کی حالت میں یہ جملہ کہہ دیا۔

حضور اقدس ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ یہ نشے کی حالت میں ہیں اور اپنے آپے میں نہیں ہیں۔ تو آپ ﷺ لئے پاؤں واپس تشریف لے گئے ”حتی خرج عنہم“ یعنی آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہ سب ان سے اس وقت کہنا فضول ہے، کیونکہ نشے کی حالت میں ہیں۔ لہذا آپ ﷺ واپس تشریف لے گئے ”وذلك قبل تحريم لعمر“ اور یہ واقعہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔

(۱۲) باب القطائع

قطع قطیعیہ کی جمع ہے اور قطیعیہ اس زمین کو کہا جاتا ہے جو کوئی امام اپنے کسی باشندے کو بطور بہید دیدے جس کا ترجمہ اردو میں عموماً جاگیر سے کیا جاتا ہے کہ حکومت نے کسی شخص کو کوئی جگہ بطور جاگیر عطا فرمائی ہو۔

۲۳۷۶۔ حد ثنا سلیمان بن حرب: حد لنا حماد بن زید، عن یحییٰ بن سعید

قال: سمعت السائب قال: اراد رسول الله ﷺ أن يقطع من البحرين لفقالت الأنصار: حتى نقطع لإخواننا من المهاجرين مثل الذي نقطع لنا، قال: ”سترون بعدى أثره فاصبروا حتى تلقوني“ [أنظر: ۲۳۷۷، ۳۱۶۳، ۳۷۹۴] ^{۱۱}

۱۱۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الزكوة، باب إعطاء المؤلف قلوبهم على الاسلام وتصبر من قوى، رقم: ۱۷۵۳، ۱۷۵۶، وسنن الترمذی، كتاب المناقب عن رسول الله، باب في فضل الأنصار وقريش، رقم: ۳۸۳۶، وسنن النسائی، كتاب الزكوة، باب ابن اخت القوم منهم، رقم: ۲۵۶۳، ومسند احمد، بابي مسند المكثرين، باب مسند أنس بن مالك، رقم: ۱۱۶۳۲، ۱۲۱۳۷، ۱۲۲۸۸، ۱۲۲۴۵، ۱۲۳۱۹، ۱۲۸۶۸، وسنن الدارمی، كتاب السير، رقم: ۲۳۱۵.

عطاء جاگیر کی شرعی حیثیت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بحرین کی زمینوں میں سے کچھ جاگیریں انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کو دینے کا ارادہ فرمایا اور اس وقت نبی کریم ﷺ کو صرف انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کو دینا مقصود تھا، اس کی وجہ شہید یہ ہو کہ اس وقت بنو نضیر جلا وطن ہوئے تھے اور ان کی زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئی تھیں۔ اس وقت نبی کریم ﷺ نے ان کی زمینیں صرف مہاجرین کو تقسیم فرمائی تھیں اور سوائے چند انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے اور کسی انصاری کو کوئی زمین عطا نہیں فرمائی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس تو پہلے سے ہی مدینہ منورہ میں کئی زمینیں تھیں اور مہاجرین چونکہ اپنے گھر بار سب کچھ چھوڑ کر آئے تھے تو آنحضرت ﷺ نے بنو نضیر کی زمینیں ان کو عطا فرمادی تھیں۔ جب بحرین فتح ہوا اور اس کی زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں تو آنحضرت ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ وہ زمینیں انصار کو عطا کی جائیں تاکہ بنو نضیر کی زمینوں کی اس طرح کچھ تلافی ہو جائے۔

”فقال الانصار“ انصار صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب میں فرمایا کہ آپ ﷺ نے یہ زمینیں ہمیں عطا نہ فرمائیں یہاں تک کہ آپ ﷺ ارادہ فرمائیں کہ ہمیں عطا فرمائیں جیسی ہمیں عطا فرما رہے ہیں۔

انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ ایثار

انصار صحابہ رضی اللہ عنہم نے دوبارہ ایثار سے کام لیا اور عرض کیا کہ ہمیں تو عطا فرما رہے ہیں اور مہاجرین کو نہیں دے رہے، لہذا مہاجرین کو بھی عطا فرمائیں، اور ہمیں بھی، لیکن اس وقت اتنی زمینیں نہیں تھیں کہ انصار اور مہاجرین کو برابر دی جا سکتیں تو آپ ﷺ نے انصار سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ”ستسرون بعدی اثرة لما صبروا حتی تلقونی“

یہ حمد ایک اور موقع پر بھی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جب آپ ﷺ نے غزوہ حنین سے واپسی پر وہاں کا مال غنیمت اس وقت زیادہ تر وہیں کے لوگوں کو دیا تھا اور بعض انصار کے دل میں خیال پیدا ہوا تو اس کے بعد پھر آپ ﷺ نے ان سے بھی یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا جس کے معنی یہ ہیں کہ تم میرے بعد کچھ ترجیح دیکھو گے کہ تمہارے اوپر دوسرے لوگوں کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ یعنی میرے بعد جو مرآتیں گے وہ بعض اوقات تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے جس میں تمہارے مقابلے میں دوسرے لوگوں کو زیادہ ترجیح دی جائے گی تو فرمایا کہ ”فاصبروا“ اس ترجیحی سلوک کو برداشت کرنا، صبر کرنا ”حتی تلقونی“ یہاں تک کہ تم مجھ سے حوض کوثر پر آملو۔ یہیں فرمایا کہ ”ایک تحفظ حقوق انصار کی انجمن بنا لینا“ اور پھر اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا اور جلوس نکالنا

بلکہ یہ فرمایا کہ ”فاصبروا“ صبر کرنا۔ کیونکہ اس صبر کرنے کا جو اجر و ثواب اللہ جل جلالہ تمہیں عطا فرمائے گا وہ اس نقصان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا جو تمہیں دنیا میں حاصل ہوگا۔

عطاء جاگیر کا مسئلہ

یہاں جو بنیادی مسئلہ قابل ذکر ہے وہ عطاء جاگیر کا ہے کہ آیا حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی کو کوئی زمین بطور جاگیر دیدے؟

چند صدیوں سے پہلے یورپ میں اور پھر بعد میں ایشیائی ممالک میں بھی ایک خاص قسم کا معاشی اور سیاسی نظام جاری رہا ہے جس کو جاگیردارانہ نظام کہتے ہیں۔

اس جاگیری نظام میں طرح طرح کے معاشی اور سیاسی مفاد و مصلحتوں کے سامنے آئے اس کی بنا پر جاگیردارانہ نظام بہت بدنام ہوا اور جاگیری نظام کے خلاف پورا علم بنو اور ملت ہو اور زمین کی ملکیت کا سرے سے ہی انکار کر دیا۔

اس موقع پر اشتراکیت نے بھی جاگیردارانہ نظام کو اور زیادہ بدنام کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ سوال بھی اٹھا کہ اسلام میں عطا جاگیری کی کوئی حیثیت ہے یا نہیں؟

تو لوگوں نے سوچا کہ ”بر یہ کہا جائے کہ سلام میں عطا جاگیری کوئی گنجائش ہے تو یہ جاگیردارانہ نظام کی حمایت ہوگی اور اسلام کی طرف جاگیردارانہ نظام کی حمایت منسوب کرنا خود اسلام کو بدنام کرنے کے مترادف ہے۔ اہل انہوں نے دعویٰ کیا کہ سلام میں جاگیردارانہ نظام کا کوئی تصور نہیں ہے اور عطاء جاگیر اسلام میں نہیں ہے۔“

بعض لوگوں کی یہ ذہنیت ہے کہ جب کوئی نظریہ ایک دم بہت زور و شور کے ساتھ دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو وہ یہ دیکھے بغیر کہ اس نوپید نظریہ کے بارے میں سد مہ کی کیا تعینات ہیں ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ نہیں جناب اسلام اس نظریہ کا قائل نہیں ہے۔ اور اس طرف اپنے ذہن اور خیال کے مطابق اسلام کی خدمت کرتے ہیں تاکہ اسلام کی بدنامی نہ ہو اور اس کے ہاتھ پر جو داغ لگ رہا ہے وہ دور کر دیا جائے، اس سبب یہ کہن شروع کر دیا کہ عطاء جاگیر اسلام میں بنے ہی نہیں، حالانکہ یہ تصور بالکل غلط ہے، ابھی آپ نے احادیث میں دیکھا کہ انصار کو جاگیر دینے کا ذکر ہے۔ اسی طرح بے شمار جاگیریوں مختلف زمانوں میں صحیحہ کرام کو عطا فرمائی گئیں۔

مثلاً حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پورا بیت المقدس کا علاقہ دیدیا تھا، حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو یمن کا بہت بڑا علاقہ بطور جاگیر عطا فرمایا تھا، حضرت بلال بن حارث المزنی

رضی اللہ عنہ اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو بہت بڑی جاگیر عطا کی اور اسی طرح حضرات شیخین کو بھی عطا کی تھی۔ تو عطاء جاگیر کے بے شمار واقعات کتابوں میں موجود ہیں اور خاص طور سے امام ابو عبید رحمہ اللہ کی ”کتاب الاموال“، امام یوسف رحمہ اللہ کی ”کتاب الخراج“ اور ابن آدم کی ”کتاب الخراج“ میں عطاء جاگیر کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔

موجودہ جاگیری نظام کی تاریخ اور ابتدا

یورپ کے جاگیری نظام کی حقیقت

اصل بات یہ ہے کہ لوگ صرف جاگیر کے لفظ کو پکڑ کر بیٹھ گئے اور یہ نہیں سمجھا کہ وہ جاگیری نظام جو یورپ سے شروع ہوا تھا اور جس کے بے شمار مفاسد سامنے آئے اس میں اور اسلام کی عطاء جاگیر میں کیا فرق ہے؟ لہذا سمجھے بغیر کہہ دیا کہ اسلام میں جاگیر کا کوئی تصور نہیں ہے۔

پہلے یہ سمجھئے کہ یورپ کا جاگیری نظام کیا تھا؟

وہ یہ تھا کہ جس شخص کو جاگیر دی جاتی تھی، جاگیر دار بنایا جاتا تھا، اس کو زمین بطور ملکیت نہیں دی جاتی تھی، بلکہ عام طور پر جاگیر دار سے یہ کہا جاتا تھا کہ یہ سرے علاقے کی زمینوں کی لگان، خراج لینے کا صرف آپ کو حق حاصل ہے۔ مثلاً یہ کہہ دیا کہ کراچی کے آس پاس جتنے دیہات ہیں، ان پر جتنی زمینیں ہیں، ان پر جو لوگ کا شت کاری کرتے ہیں ان سے حکومت کے بجائے آپ خراج وصول کریں اور اس خراج کی تیسہ بھی وہی کرتے تھے اور انہی کو یہ حق حاصل تھا کہ کونسی زمین سے کتنا خراج وصول کرنا ہے اور عام طور سے یہ جاگیری اس کو دی جاتی تھیں جس نے حکومت کے لئے کوئی خاص خدمات انجام دی ہوں۔

اس وقت بادشاہت کا دور تھا، عموماً بادشاہ اپنے دوستوں اور بڑے بڑے فوجی افسروں کو یہ جاگیریں دیتے تھے۔ بادشاہ نے جس کو نواز دیا کہ اتنی جاگیر ہم نے تم کو دیدی ہے لہذا یہاں کے علاقے کا خراج تم وصول کرو۔ لیکن اس کے ساتھ یہ شرط بھی عائد کی جاتی تھی کہ جب کبھی حکومت کو جنگ وغیرہ کے موقع پر لڑنے والوں کی ضرورت پیش آئے گی تو اپنی جاگیر کے علاقے میں سے آپ اتنے افراد حکومت کو جنگ کے لئے فراہم کریں گے مثلاً کسی کو کہہ دیا کہ ہم نے تم کو اتنی جاگیر فراہم کی ہے لیکن جب ہمیں ضرورت پیش آئے گی تو دس ہزار آدمی یا پانچ ہزار آدمی تم لے کر آؤ گے۔ باقی جس طرح چاہو تم ان لوگوں سے خراج وصول کرو، جتنا چاہو وصول کرو اور جو تم وصول کرو گے وہ تمہاری ملکیت ہوگا۔

ہمارے ہاں یہ اصطلاحات مشہور تھیں کہ یہ دس ہزاری جاگیر دار ہے، یہ پانچ ہزاری جاگیر دار ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ جو جنگ کے موقع پر دس ہزار آدمی فراہم کرتا ہے وہ دس ہزاری جاگیر دار ہے اور جو پانچ ہزار آدمی فراہم کرتا ہے وہ پانچ ہزاری جاگیر دار ہے۔ اس میں یہ ہوتا تھا کہ خراج کی مقدار کے تعین کے حقوق بھی ان کو حاصل تھے تو بسا اوقات اپنے مفاد کی خاطر کاشت کاروں کے اوپر زیادہ خراج عائد کر دیتے تھے اور چونکہ کاشت کار یہ سمجھتے تھے کہ خراج عائد کرنا ان لوگوں کا کام ہے اور اگر ہم نے ذرا سا بھی ان کے چشم ابرو کے خلاف کام کیا تو ہمارا خراج بڑھا دیں گے اور خراج بڑھنے کے نتیجے میں ہمارے لئے زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا اور زندگی دو بھر ہو جائے گی۔ لہذا وہ ان کے ہر حکم کی اطاعت کرتے تھے۔ اور وہ ان کے اوپر طرح طرح کے بیگار عائد کرتے تھے یہ کروہہ کرو۔ اگر وہ نہ کریں تو خراج بڑھا دیتے تھے۔ درحقیقت ان کی حیثیت غلاموں جیسی ہو گئی تھی اس واسطے ان کو اصطلاح میں رعیت کہا جاتا تھا۔ وہ بیچارے کاشت کار ان کا ہر حکم ماننے کے پابند ہوتے تھے، اور یہ ان سے اپنی مرضی کے مطابق جس طرح چاہتے تھے کام لیتے اور ان سے خراج وصول کرتے۔

اس کا نقصان یہ ہوا کہ جب ان کے قبضے میں اتنی بڑی مخلوق آگئی جو ان کی رعیت ہے اور وہ غلاموں جیسی ہے تو گویا یہ ان کا لشکر ہے۔ اور ان کا بادشاہ سے وعدہ بھی ہوتا تھا کہ جنگ کے موقع پر ضرورت کے وقت بادشاہ کو دس ہزار آدمی فراہم کریں گے۔ تو اس طرح ایک آدمی دس ہزار کے لشکر کا مالک ہے، کوئی بیس ہزار کے لشکر کا مالک ہے، ان کی حیثیت اپنے علاقے میں بادشاہ جیسی ہوتی تھی۔ جب بادشاہ جیسی حیثیت ہو گئی تو گویا اندرون ملک ان کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ پھر ان کے ساتھ ساتھ ان کی دفاعی اور سیاسی قوت بھی بہت زیادہ مضبوط ہو گئی۔ اس طرح یہ اپنے اپنے علاقوں میں بڑے مستحکم اور مضبوط ہو گئے اور سیاسی اعتبار سے ان کا مرتبہ ہو گیا۔ اب یہ بادشاہ کو بھی آنکھیں دکھانے لگے کہ اگر تم نے ہاری بات نہ مانی تو ہم تم سے بغاوت کر دیں گے۔ اتنا لشکر ہمارے پاس موجود ہے اور بغاوت کرنے کے ہم اپنی الگ سلطنت بنا لیں گے۔

لہذا یہ جاگیر دار بادشاہ کے اوپر مسلط ہو گئے اور اگر آٹھ دس جاگیر دار آپس میں مل جاتے تھے تو بادشاہ ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا تھا، اور ان کی ہر خواہش پوری کرنے، اور ہر حکم ماننے پر مجبور ہو جاتا تھا وہ جو چاہتے۔ بادشاہ سے منوالیت تھی تو بادشاہ گویا ناناں ہو گیا۔

لہذا ان جاگیر داروں نے ایک طرف تو اپنے زیر جاگیر لوگوں کو رعیت اور غلام بنایا ہوا ہے۔ اور دوسری طرف بادشاہ کو بھی آنکھیں دکھا رہے ہیں اور اس کے ساتھ من مانی کر رہے ہیں اس سے اپنے مفادات اور مرضی کے خلاف فیصلے کر رہے ہیں تو یہ ہے یورپ کا وہ جاگیر داری نظام جو ایک عرصہ تک یورپ میں رہا۔

پھر اس کے اثرات ہمارے ہندوستان اور پاکستان میں بھی آئے اور اس کا باقی ماندہ اثر بلوچستان میں سرداری نظام کی صورت میں ہے کہ جو سردار ہوتا ہے، وہ ایک طرح سے (اللہ بچائے) اپنے زیر جاگیر لوگوں

کے سے فرعون بنا بیٹھا ہے کہ ان سے خراج وصول کرتا ہے۔ سچ بھی بلوچستان میں کاشت کار اپنی پیداوار کا چھٹا حصہ جاگیردار کو بطور خراج دیتا ہے جسے وہ مششک کہتے ہیں۔

در تمام لوگ جاگیردار کے تحت ہیں وہ اس کے غلام ہیں اور سرداروں نے یہ کام کر رکھا ہے کہ ہمارے زیر جاگیر لوگ کسی طرح تعلیم حاصل نہ کر پائیں، کیونکہ انہوں نے اگر تعلیم حاصل کر لی تو یہ ہمارے مطیع اور ہمارے فرماں بردار نہیں رہیں گے، اس لئے ان کی پوری کوشش یہی ہوتی ہے کہ یہاں کوئی تعلیمی ادارہ نہ بنے اور کوئی مڑک نہ بنے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان میں تعلیم و تمدن آجائے اور یہ دونوں چیزیں آنے کی صورت میں یہ اپنے آپ کو غلام سمجھنا چھوڑ دیں گے، یہ سارے فسادات اس سے پھیلے۔

یہ وہ جاگیرداری نظام تھا جس کے خلاف مزاحمت کا رویہ پیدا ہوا اور بالآخر یورپ میں ختم ہوا اور بعض دوسرے علاقوں میں بھی ختم ہوا۔ اس کے خلاف بڑی نفرت پیدا ہوئی اور بعض جگہوں میں ابھی تک باقی ہے اور نفرت بھی باقی ہے۔

اسلام میں عطاء جاگیر کا مطلب

اس کے برخلاف اسلام میں عطاء جاگیر کا معنی یہ ہے کہ تین صورتوں میں کسی کو جاگیر دی جاسکتی ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو ارض سوات دے دی گئی یعنی بنجر زمین دی گئی اور کہا گیا کہ تم اس کو آباد کر کے اپنی ملکیت میں لے آؤ۔ اس میں یہ شرط ہوتی ہے کہ وہ اس کو تین سال کے اندر اندر آباد کریں۔ اگر اس نے تین سال کے اندر آباد کر لیا، تب تو وہ اس کا مالک بن جائے گا اور اگر وہ تین سال کے اندر اندر اس کو آباد نہ کر سکا تو جاگیر ختم، پھر وہ اس کو نہیں لے سکتا۔

آپ دیکھیں گے کہ اگر اس شرط پر کسی کو جاگیر دی جائے کہ تم اس کو تین سال کے اندر اندر آباد کر لو تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ بنجر زمینیں آباد ہوں گی اور ملک کی پیداوار میں اضافہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ وہی خود تھا اس کو آباد نہیں کر سکتا۔ اس کو کچھ مزدور رکھنے پڑیں گے، تو لوگوں کو روزگار ملے گا اور اگر تین سال میں یہ فائدہ حاصل نہ ہوئے تو جاگیر ختم۔ واپس لے کر کسی اور کو دی جائے گی، تو اس میں مفاد ہونے کا احتمال ہی نہیں۔

حضرت بدال بن حارث مزنی رحمہ اللہ کو نبی کریم ﷺ نے جاگیر عطا فرمائی، انہوں نے کچھ حصہ تو آباد کیا اور زیادہ تر حصہ آباد نہ کر سکا۔ لہذا بعد میں وہ جاگیر ان سے واپس لے لی گئی۔

بعض لوگ تحدید ملکیت والے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دیکھو حضور اکرم ﷺ نے جاگیر واپس لے لی، تو وہ اس سے واپس لے لی کہ انہوں نے تین سال تک انہیں آباد نہیں کیا اگر آباد کی ہوتی تو واپس نہ لیتے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسی زمین جو سرکاری ملکیت ہے بطور حصہ دے دی جائے۔ اسلام

میں بنجر زمین سرکاری ملکیت نہیں ہوتی، سرکاری زمین وہ ہوتی ہے جس بنجر زمین کو سرکار نے آباد کیا۔ ان زمینوں میں سے کوئی زمین کسی کو بطور مالکانہ حقوق کے ساتھ دے دی جائے کہ ہم تمہیں یہ زمین مالکانہ حقوق کے ساتھ دیدیتے ہیں، تم اس کو استعمال کرو اس میں یہ قید نہیں ہوتی کہ تین سال تک آباد نہ کی تو واپس لے لی جائے گی۔

لیکن اس قسم کی جاگیر صرف اراضی سلطانیہ میں ہو سکتی ہے جس کی مالک صرف حکومت ہو، لیکن ایسی اراضی سلطانیہ جو حکومت نے پہلے سے آباد کر کے اپنی ملکیت بنا رکھی ہیں ان کی مقدار اتنی کم ہوتی ہے کہ ان کو بڑے پیمانے پر کسی کو بطور جاگیر دینا ممکن نہیں ہوتا، کیونکہ حکومت جس زمین کو آباد کرتی ہے تو وہ اپنے کسی مقصد کے تحت کرتی ہے اور اس میں بھی امام اس بات کا پابند ہے کہ مصلحت عامہ کو مد نظر رکھے یہ نہیں کہ کسی کو رشوت میں دیدی یا کسی کو نواز دیا بلکہ جہاں واقعی کوئی شخص حاجت مند ہے اس کو زمین۔ غریب لوگوں کو یا کسی کی خدمات کے صلے میں دیں۔ ویسے ہی بغیر کسی مصلحت کا کہ دینا امام کے لئے جائز نہیں۔ اور جو دے گا اس کی مقدار بھی کم ہوگی کیونکہ اراضی سلطانیہ کی مقدار کم ہوتی ہے۔ غلطی یہاں سے لگتی ہے کہ لوگ اراضی سلطانیہ کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جو بھی غیر آباد زمین پڑی ہوئی ہے وہ حکومت کی ملکیت ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ زمین کی ملکیت اور مالکانہ حقوق تو نہیں دیئے لیکن زمین کی منفعت دیدی کہ زمین تو سرکاری ہے تم اس میں معین مدت تک کاشت کر کے پیسے حاصل کر سکتے ہو، یہ دوسری قسم سے بھی اضعف ہے۔ اس پر بھی وہ ساری حدود و قیود نافذ ہیں جو دوسری قسم پر نہیں اور یہ کام بھی بڑے پیمانے پر نہیں ہو سکتا اس کی تعداد بھی محدود رہے گی۔

اور چوتھی صورت جو یورپ وغیرہ میں تھی کہ خراج وصول کرنے کا لگ بھگ دیا، اسلام میں یہ جائز نہیں جب تک کہ مقررہ یعنی جاگیردار مستحق زکوٰۃ نہ ہو۔ اگر وہ مستحق زکوٰۃ ہے تب یہ کہہ سکتے ہیں کہ تم فلاں زمین کا عشر وصول کرنا لیکن اگر وہ مستحق زکوٰۃ نہیں ہے تب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تم فلاں زمین کا عشر وصول کرنا کیونکہ عشر کا مصرف مستحقین زکوٰۃ اور فقراء ہیں۔

فرض کریں اگر کسی کو کہہ دیا کہ تم وہاں کا عشر وصول کرو اور وہ مستحق زکوٰۃ تھا، جونہی وہ عشر وصول کرنے کے بعد صاحب نصاب بنا، اگلے سال اس کو عشر وصول کرنے کا حق نہیں رہے گا، تو یہ جاگیر چل ہی نہیں سکتی۔ پہلی تین قسمیں ہو سکتی ہیں، ان میں سے دو قسمیں بڑی محدود ہیں۔ اگر زیادہ بڑے پیمانے پر ہو سکتی ہے تو پہلی قسم ہے یعنی ارض موات۔

لہذا اسلام میں جو زیادہ تر زمین دی گئی وہ ارض موات ہی تھی اور اس میں اس بات کی پابندی تھی کہ تین سال کے اندر اندر خود آباد کرے۔

یہاں ایک بات اور سمجھ لیں کہ ارض موات کو یا تو آدمی خود کاشت کر کے آباد کرے یا مزدوری کے

ذریعہ اجرت پر کرایہ پردے تو ٹھیک ہے، لیکن اگر کسی نے جس کو ارض موات دی گئی تھی، خود کاشت کرنے یا اپنے مزدوروں سے کاشت کرانے کے بجائے وہ زمین مزارعت پر دے دی، بٹائی پردے دی، اور کاشتکاروں سے کہا کہ تم اس کو آباد کرو جو کچھ پیداوار ہوگی، وہ میرے اور تمہارے درمیان تقسیم ہوگی تو یہ عقد مزارعت فاسد ہے۔

اس لئے کہ یہ عقد مزارعت کے سئے ضروری ہے کہ آدمی زمین کا مالک ہو، پھر کاشت کار سے عقد مزارعت کر سکتا ہے۔ ابھی جب کہ زمین آباد نہیں ہوئی تو وہ اس کا مالک نہیں بنا اور جب مالک نہیں بنا تو عقد مزارعت کیسا؟

لہذا اس صورت میں جو کاشت کار کام کر کے آباد کرے گا وہی اس کا مالک بن جائے گا۔ جاگیردار مالک نہیں بنے گا جو کاشت کار عملاً کام کرے گا "من احسب ارضاً ميعاً فہی لہ" کے اصول کے مطابق وہی مالک بنے گا، جاگیردار اس صورت میں فائدہ اٹھ سکتا ہے۔ جب وہ خود آباد کرے یا اجرت دے کہ مزدوروں سے آباد کرائے ورنہ مالک نہیں بنے گا۔

یہ نظام صدیوں سے مسلمانوں کے اندر جاری رہا اور اس کے نتیجے میں بڑی بڑی زمینیں لوگوں کے پاس آئیں، لیکن اس قسم کا کوئی مفسدہ پیدا نہیں ہوا جو جاگیرداری نظام کے مفاسد میں شمار کیا جاتا ہے بلکہ اس سے فائدہ ہوا ہے کہ غیر آباد زمینیں آباد ہوئیں، ملکی پیداوار میں اضافہ ہوا، لوگوں کو روزگار ملا اور عشر و خراج کی مقدار زیادہ ہوئی جس سے فقراء اور مساکین کو فائدہ پہنچا۔

اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ان جاگیرداروں نے کوئی سیاہی یا معاشی تسلط حاصل کر کے امراء اور خلفاء کو اپنے فیصلوں کا تابع بنایا ہو اور اپنی جاگیروں کو فساد کا ذریعہ بنایا ہو۔

اس لئے اسلام میں عطاء جاگیر کا جو تصور ہے وہ اس عطاء جاگیر سے بالکل مختلف ہے جو یورپ میں شروع ہوا اور بعد میں ایشیا میں پھیلا۔ البتہ پاکستان، ہندوستان اور برصغیر میں چونکہ مدتوں تک انگریزوں کا تسلط اور انگریزوں کے اثرات رہے، اس وجہ سے اس میں کوئی شک نہیں یہاں بعض علاقوں میں اس قسم کا جاگیرداری نظام رائج رہا جو یورپ میں تھا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ سرداری نظام میں بھی اسی قسم کے نظام کے باقی ماندہ اثرات ہیں جن کو ختم کرنا ضروری ہے۔

انگریزوں کی عطا کردہ جاگیریں

انگریزوں کے زمانے میں لوگوں کو بہت سی ایسی جاگیریں عطا کی گئی جو اسلام میں پہلی قسم کی ہیں یعنی بخر زمین کے مالکانہ حقوق کے ساتھ دی گئیں۔

اس کے دو پہلو ہیں:

بعض مرتبہ وہ اراضی بطور رشوت دی گئیں اور رشوت بھی مسلمانوں سے غداری کرنے پر جس وقت مسلمان انگریزوں کو ملک سے نکالنے کے لئے جدوجہد میں مصروف تھے۔ انگریز نے مسلمانوں میں ہی کچھ لوگوں کو ان کا جاسوس مقرر کر رکھا تھا۔ وہ مسلمانوں سے غداری کر کے انگریز کو خبریں پہنچایا کرتے تھے کہ فداں لوگ آپ کے خلاف یہ سازش کر رہے ہیں۔ انگریز کے ہاں اس جاسوسی کی بڑی قیمت تھی۔ اس غداری کے نتیجے میں بطور رشوت یا بطور اجرت (اسلامی نقطہ نظر سے وہ رشوت ہی ہے کیونکہ وہ مسلمانوں سے غداری کی اجرت ہے) ان کی زمینیں اور جاگیریں دی گئیں۔

غداری کے عوض حاصل کردہ جاگیروں کا حکم؟

اس طرح غداری کے عوض جو زمینیں یا جاگیریں دی گئیں شرعاً ان کا جاگیرداروں کو اپنے پاس رکھنا جائز ہی نہیں، اس لئے کہ معقود علیہ غداری ہے، لہذا اس کی اجرت میں جو کچھ ملا وہ بھی حرام ہے ان کے لئے ان کو اپنے پاس رکھنا بھی حرام ہے۔

البتہ اگر انہوں نے ان زمینوں کو آباد کر لیا ہو تو ان پر ان کی ملکیت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟ یہ بات محل نظر ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک احیاء سے ملک تب آتی ہے جب حکومت نے اس کی اجازت دی ہو اور یہاں جو اجازت دی گئی وہ چونکہ غداری کے صلے میں ملی تھی، اس لئے اس کا معتبر ہونا محل نظر ہے۔

انگریز حکومت کی طرف سے کسی خدمت

کے صلے میں دی گئی جاگیر کا حکم

جو جاگیریں غداری کے نتیجے میں نہیں، بلکہ کسی خدمت کے عوض دی گئیں وہ صحیح ہیں، لیکن اس میں اسلامی اعتبار سے شرط یہ ہے کہ جاگیردار نے اس کو اسلامی طریقہ سے آباد کر لیا ہو۔ اگر اس نے آباد کر لیا، چاہے خود کیا ہو یا مزووروں سے آباد کر لیا ہو تو اس کی ملکیت صحیح ہوگئی لیکن اگر آباد نہیں کیا تو جتنے حصے کو آباد نہیں کیا وہ اس کی ملکیت میں نہیں آیا۔

سرحد اور پنجاب کے شاملات کا حکم

سرحد اور پنجاب کے شاملات کے علاقے اسی قسم کے ہیں انگریز نے نام لکھ دیئے کہ فلاں کے لئے ہے

لیکن ان لوگوں نے اس میں آپ دکاری کا کوئی کام نہیں کیا، اس لئے وہ ان کی ملکیت میں نہیں آئی لیکن جن کو آپ دکر لیا وہ ان کی ملکیت میں آگئیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہمارے دور میں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ دوسری قسم بھی ملکیت میں نہیں آتی (جن کو آپ دکر لیا ہو) اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ ساری زمینیں مسلمانوں کی تھیں۔ انگریز کے قبضے سے پہلے مسلمانوں کی حکومت تھی اس لئے ساری زمینیں مسلمانوں کی تھیں۔ انگریز نے جو قبضہ کیا وہ ناحق تھا۔ جب قبضہ ناحق تھا تو کسی کو جاگیر دینے کا بھی کوئی حق نہ تھا۔ اگر کسی کو دے گا تو وہ اس کا مالک نہیں بنے گا۔

لیکن درحقیقت یہ دلیل درست نہیں، یہ جذباتی دلیل سے فقہی دلیل نہیں، اس لئے کہ فتنہ کا مسئلہ اصول ہے۔ اس طور پر حنفیہ کے نزدیک کہ اگر مسلمانوں کی زمینوں پر کافروں کا استیلاء ہو جائے تو کافر اس کے مالک بن جاتے ہیں۔ استیلاء کفار موجب ملک ہوتا ہے اصول الشاشی وغیرہ میں اشارۃ النص کی مثل ہے "للفقراء الذہین اخرجوا من ديارهم" قرآن کریم نے ان فقراء کو جو مکہ مکرمہ میں بڑی بڑی جائیدادیں چھوڑ کر آئے تھے، فقراء قرار دیا۔ اس واسطے کہ ان کی ملکیت میں کچھ بھی نہیں حالانکہ وہاں بڑی بڑی جائیدادیں چھوڑ کے آئے تھے جن پر مشرکین قابض ہو گئے تھے۔

معلوم ہوا کہ مشرکین کے اس قبضے کو اسلام نے تسلیم کر کے یہ کہہ دیا کہ یہ ان کی ملکیت سے نکالی گئیں۔ تو استیلاء کفار موجب ملک ہوتا ہے۔ انگریز جب پاکستان اور ہندوستان کی اراضی پر قابض ہوا تو وہ اراضی اس کی ملکیت میں آگئیں۔ اب وہ جس کو دیں وہ اس کا مالک ہو جائے گا جب کہ مشروع طریقہ سے دینا ہو، بطور رشوت یا غداری کی اجرت کے طور پر نہ ہو، اور یہ جو زمین اور جاگیریں ہیں ان میں دونوں قسم کی ہیں۔ بعض وہ ہیں جو غداری کے صلے میں دی گئی ہیں اور بعض وہ ہیں جو صحیح خد بات کے صلے میں دی گئی ہیں۔

کیا انگریزوں کی عطا کردہ سب جاگیریں غلط ہیں؟

لہذا یہ بات جو کہی جاتی ہے کہ انگریزوں نے جتنی جاگیریں دی ہیں سب غلط ہیں سب سے واپس لینی چاہئے، یہ بات شرعی اعتبار سے بھی درست نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ گہووں کے ساتھ گنا کو بھی پس دیا جائے جو جائز طریقے سے مالک بنے ہیں ان کو محروم کر دیا جائے یہ بات درست نہیں۔

ہمارے ملک کی تمام سیاسی پارٹیوں نے ان احکام کو مد نظر رکھے بغیر بلا استثناء یہ کہہ دیا کہ یہ زمینیں سب سے واپس لے لی جائیں گی، چاہے یہ بات دینی جماعتوں نے کہی ہو یہ بات شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں ہے

بلکہ اس تفصیل کے مطابق واپس لین درست ہوگی کہ جن کے بارے میں یہ بات ثابت ہو جائے کہ انہوں نے غداری کر کے حاصل کی ہیں۔

یہ عجیب قصہ ہے کہ کہتے ہیں کہ سوا ایکڑ چھوڑ دیں گے، باقی واپس لے لیں گے، پچاس ایکڑ چھوڑ دیں گے اور باقی واپس لے لیں گے۔

اگر حرام ہے تو پوری حرام ہے اور اگر حلال ہے تو پوری حلال ہے، اس میں سوا ایکڑ اور پچاس ایکڑ کا کوئی معنی نہیں، اگر کسی نے غداری کے عوض لی ہے تو سوا ایکڑ کیا ایک انچ زمین بھی اس کے پاس چھوڑنا حرام ہے۔ اور اگر کسی نے حلال طریقے سے حاصل کی ہے تو وہ ہزار ایکڑ ہو تب بھی اس کے لئے جائز ہے۔ اس واسطے جو سیاسی پروپیگنڈہ ہے اس کا فقہی اور شرعی احکام سے کوئی تعلق نہیں۔ حقیقت حال وہ ہے جو عرض کر دی گئی۔

مزارعت کا حکم

بعض لوگ جاگیری نظام کے مفاسد کا ذکر کرتے ہوئے مزارعت کو بھی اس کی لپیٹ میں لے کر کہتے ہیں کہ زمیندارانہ نظام بھی ختم کرنا چاہئے۔

حالانکہ زمیندارانہ نظام کی جو خرابیاں ہیں وہ درحقیقت زمیندارانہ نظام کی خرابیاں نہیں ہیں بلکہ افراد کے غیر شرعی طرز عمل کی خرابیاں ہیں۔

ہمارے بعض معاشروں میں خاص طور پر پنجاب یا سرحد کے بعض علاقوں میں یوں ہوتا ہے کہ زمیندار ناجائز شرطیں عائد کرتا ہے کہ ہم تم کو زمین کاشت کے لئے مزارعت پر دے رہے ہیں لیکن تمہیں فلاں فلاں شرطوں کی پابندی کرنی ہوگی۔ ہماری بیٹی کی شادی ہوگی تو تمہیں اتنا غلہ فراہم کرنا ہوگا، ہمارے بچے کی ختنہ ہوگی تو تمہیں اتنا بھی لاکر دینا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ اور بیگار یعنی ایسی محنت جس کا کوئی صلہ نہیں وہ ان پر عائد کی جاتی ہے۔ مثلاً ہم کوٹھی بنا رہے ہیں۔ ہمارے گھر کی تعمیر کرو، کوئی صلہ یا اجرت نہیں۔ تو اس قسم کی باتیں ہیں جو ہمارے معاشروں میں پھیلی ہوئی ہیں اس نے زمیندارانہ نظام کو خراب کر دیا ہے۔

دوسرا یہ کہ مزارع کا سماجی رتبہ بہت فروتر بنایا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ پنجاب میں اس کو کچی کہتے ہیں۔ کچی کے معنی ہیں کمینہ، تو کاشت کار کا نام کچی ہے کہا جاتا ہے کہ یہ تو ہمارا کچی ہے۔ اس کو حقیر اور ذلیل سمجھ کر اس کی بے عزتی کی جاتی ہے یہ سب باتیں ناجائز اور حرام ہیں نفس مزارعت کے اندر کوئی خرابی نہیں اگر دو آدمیوں کے درمیان برادری کی بنیاد پر معاملہ ہو جیسا کہ دو شریکوں کے درمیان معاملہ ہوتا ہے۔ خرابی ان شرائط فاسدہ کی وجہ سے ہے۔ ان شرائط فاسدہ کو دور کرنا چاہئے۔

سوڈی رہن رکھنا

ان مفاسد کے علاوہ ایک بہت بڑا رواج سوڈی رہن کا ہے کہ قرضہ دیا اور زمین رہن رکھ لی۔ قرض دینے والا اس میں کاشت کر رہا ہے اور قرضے سے کئی گناہ زیادہ اس زمین سے وصول کر چکا لیکن پھر بھی زمین نہیں چھوڑ رہا۔

اس قسم کے بعض مسائل ہیں جنہوں نے ہمارے نظام اراضی کو خراب کیا ہے۔ اور اشتراکیت کا جو پروپیگنڈہ ہے کہ زمین داری نظام ہی غلط ہے، اس سے مرعوب ہونے کے بجائے نظام اراضی کی اصلاح کا جو صحیح طریقہ شریعت نے مقرر کیا ہے وہ اختیار کرنا چاہئے۔

سوال : اندرون سندھ میں حکومت پاکستان کی طرف سے ہاریوں میں زمینیں تقسیم کی جاتی ہیں۔ جب حکومت بدلتی ہے تو نئی حکومت ان زمینوں کو دوبارہ ضبط کر لیتی ہے اور اپنے بعض حامیوں کو دیدیتی ہے۔ نیز بعض دفعہ بنجر زمینیں بھی ہوتی ہیں، جن کو سلطان نے آباد نہیں کیا آیا ایسی زمینیں دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : جب حکومت بنجر زمین دے رہی ہے تو اس کو لینا اور آباد کرنا جائز ہے اور آباد کرنے سے وہ مالک ہو جائے گا۔ اس کے بعد اگر دوسری حکومت واپس لے گی تو اس کے لئے وہ لینا شرعاً جائز نہیں۔ ہم نے سپریم کورٹ میں یہ فیصلہ دیدیا ہے کہ اگر کسی کے ساتھ ایسا ہوتا ہے تو وہ عدالت میں دعویٰ کر کے واپس لے سکتا ہے۔^{۱۸}

زمین کی وراثت کا مسئلہ

ایک اہم بات یہ ہے کہ ہمارے نظام اراضی میں ایک بہت بڑا فساد وراثت کے جاری نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ خاص طور پر پنجاب میں وراثت کے شرعی احکام زمینوں پر جاری نہیں کرتے۔ بیٹیوں کو زمینوں میں کبھی حصہ نہیں ملتا۔

تو زمینوں میں وراثت کے جاری نہ ہونے کے نتیجے میں زمینوں میں ارتکاز پیدا ہو گیا ہے۔ اگر وراثت کے شرعی احکام جاری ہوتے تو کبھی بھی اتنے بڑے بڑے رقبے ایک آدمی کی ملکیت نہ رہتے۔ سو ڈیڑھ سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اگر اس میں وراثت جاری ہوئی ہوتی تو آج کسی کے پاس ایک ایک ہزار ایکڑ رہنے کا تصور بھی نہیں ہوتا بلکہ وہ خود بخود تقسیم ہو جاتی۔

آج بھی اگر کوئی اسلامی حکومت آئے تو اس پر واجب ہے کہ اس دن سے وراثت کے احکام جاری کرے اس لئے کہ جن لوگوں کے حقوق ختم کئے گئے، زائل کئے گئے یا مارے گئے ہیں، اس کے حقوق مرور ایام

۱۸ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں "عدالتی فیصلے" جلد دوم صفحہ ۱۵ تا ۲۰۔

سے ضائع نہیں ہوئے، اس لئے اس دن سے وراثت جاری ہوگی۔ اگر ایسا ہو جائے تو آپ دیکھیں کہ آج کسی کے پاس ایک ہزار ایکڑ ٹو درکنار، پانچ سو ایکڑ بھی نہیں ہوگی۔

اسلام نے گزروں اور ایکڑوں کے حساب سے تحدید ملکیت نہیں کی، اس واسطے کہ گزروں اور ایکڑوں کے حساب سے جو تحدید کی جاتی ہے وہ کبھی نہیں چلتی۔ یہ تحدید ایوب خان نے کی، پھر بھٹو صاحب نے کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کرنے والوں نے یہ کیا کہ ٹھیک ہے بھائی، پہلے یہ ہوا تھا کہ ایک ہزار ایکڑ سے زیادہ زمین نہیں ہو سکتی تھی۔ اب جس کے پاس پانچ ہزار ایکڑ ہے اس نے چار ہزار ایکڑ اپنے ان چار ہاریوں کے نام کر دیں جن بے چاروں کو پتہ تک نہیں کہ یہ ان کے نام ہے، ان سے کہا گیا کہ یہاں انگوٹھا لگا دیں۔ انہوں نے انگوٹھا لگا دیا کہ میں نے ایک ہزار ایکڑ وصول کر لی۔ اب وہ اس کے نام پر آگئی۔ نام بدل گئے لیکن ہے وہ پانچ ہزار اسی کی۔

بھٹو صاحب مرحوم نے سو ایکڑ تک کی تحدید کر دی۔ اس نے دس ہاریوں کے نام کر دی۔ تو اس کے پاس تو پانچ ہزار ایکڑ ہی رہی لیکن نام بدل گئے۔ تو گزروں اور ایکڑوں کے حساب سے جو تحدید ہوتی ہے وہ سوائے فراڈ کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اسلام نے گزروں اور ایکڑوں کے حساب سے تحدید نہیں کی لیکن نظام ایسا بنایا ہے کہ مال کار کوئی آدمی زیادہ رقبہ کا مالک نہیں رہ سکتا۔

جب میراث جاری ہوگی تو ایک آدمی کے انتقال سے ایک رقبہ زمین آٹھ دس حصوں میں تقسیم ہو جائے گی اور اس کا بھی انتقال ہو گیا تو اور زیادہ تقسیم ہو جائے گی۔ تو اس طرح کبھی بڑا رقبہ ایک آدمی کی ملکیت نہیں رہ سکتا جس کے نتیجے میں وہ مفاسد جو آج پیدا ہو رہے ہیں یہ پیدا نہیں ہوں گے۔

آج شریعت کے احکام پر کوئی عمل نہیں کرتا اور کہتے ہیں کہ گزروں اور ایکڑوں کے حساب سے تقسیم کر دو اور باقی چھین لو، جس کا نہ شرعی جواز ہے اور نہ ہی یہ مسئلہ کا صحیح حل ہے۔

سوال: اگر ایک حکومت سے کم قیمت میں یا ناچاہو طریقہ سے کوئی زمین حاصل کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر زمین کی سرکاری طور پر کچھ قیمت متعین ہوتی ہے۔ اگر امام سرکاری

قیمت کے مطابق دے تو یہ جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ بازار کی زمینوں سے غبن فاحش نہ ہو۔

لیکن اگر غبن فاحش ہے تو غبن فاحش کے ساتھ کسی کو دینا درست نہیں ہے۔ امام کو حق نہیں ہے کہ بیت المال

کی زمین سے کسی کو غبن فاحش کے ساتھ سستی قیمت پر دیدے۔ اگر دیا تو وہ ناجائز ہوگا اور اگر کسی نے رشوت کے

طور پر لی ہے تو وہ بطریق اولیٰ ناجائز ہے، جائز نہیں۔

سوال: انگریز نے لوگوں کو جو زمینیں دی ہیں، یہ تقریباً ایک صدی قبل کا واقعہ ہے اور انگریز رخصت

ہو چکا ہے۔ آج کے دور میں اس عطاء کے گواہ اور ریکارڈ بھی نہیں ہے؟

جواب: میں نے ذاتی طور پر اس کی تحقیق کی ہے۔ ایک ایک زمین اور ایک ایک چپہ کار ریکارڈ موجود

ہے، لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ ریکارڈ نہیں ہے، کس کو دی گئی؟ اصلاً کس کے نام ہے اور کس کو منتقل ہوئی؟ سب کچھ موجود ہے۔ ویسے انگریز کا نظام حکومت بڑا زبردست تھا۔ ہمارے ہاں ہندوستان و پاکستان میں جو زمینیں تھیں، مغلیہ دور میں ان کا باقاعدہ منظم ریکارڈ نہیں تھا۔ انگریز نے آکر اس کے ایک ایک چپے کا ریکارڈ بنا دیا اس کے ریکارڈ کے دو طریقے ہیں:

ایک طریقہ تو یہ ہے کہ بندوبست کے دفاتر میں ریکارڈ موجود ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس نے کتابیں لکھ کر چھاپ دیں۔ برصغیر اور ڈویژن کا ریکارڈ لکھ دیا، یہ چھپی ہوئی کتابیں موجود ہیں۔ میں جس زمانے میں اس کی تحقیق کر رہا تھا، ہزارہ کے ایک گاؤں کا مسئلہ تھا اس موضوع پر مجھے فیصد لکھنا تھا اس لئے مجھے تحقیق کرنی پڑی اس وقت دیکھا کہ انگریز نے انتظام کے اندر کیا کمال دکھایا ہے اس نے ایک ایک گاؤں، ایک ایک گلی، ایک ایک رقبہ کا ریکارڈ بنایا ہے نہ یہ کہ صرف دفاتروں میں ہے بلکہ کتابوں کی شکل میں چھپ کے رکھ دیا ہے اور وہاں کے جو رسم و رواج تھے سارے تفصیل سے لکھ کر چلا گیا ہے کہ فلاں علاقہ میں یہ رواج تھا، فلاں علاقہ میں یہ رواج تھا وغیرہ۔

پہلے یہ تھا اور اب یہ ہے کہ فلاں تاریخ۔ سے فلاں تک یہ رواج رہا۔ یہ ہوا وہ ہوا وہ سب لکھ کر چلا گیا۔ اس واسطے یہ ریکارڈ نکالنا مشکل نہیں ہے اگر حکومت ایک اراضی کمیشن بنا دے کہ بھائی تم چھان بین کرو تو کوئی دشواری نہیں ہے، بڑے آرام سے نکل آئے گا اور اطمینان سے اس کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ ان باتوں کو بھی چھوڑ دو، صرف وراثت کے احکام جاری کر دو۔ پھر دیکھو ان بڑے بڑے رقبوں کا کیا بنتا ہے۔

(۱۶) باب حلب الإبل علی الماء

۲۳۷۸۔ حدثنا ابراہیم بن المنذر: حدثنا محمد بن فلیح قال: حدثني أبي عن

هلال ابن علي، عبد الرحمن بن أبي عمرة عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي ﷺ قال: "من حق الإبل أن تحلب على الماء". [راجع: ۱۳۰۲]

اونٹوں کا حق یہ ہے کہ کسی پانی پر ان کا دودھ نکالنا جائے یعنی کسی کنوئیں وغیرہ کے پاس لے جا کر دودھ نکالا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو بیچارے فقراء و مسکین ہیں ان کو پتہ ہوتا ہے کہ دودھ نکالا جائے گا تو وہ وہاں آجاتے ہیں، تو کچھ دودھ نہ لکھیں سے دیا جائے۔

یہ حکم استنباطی ہے، مولوں۔ - مواماتہ و بہرہ رومی ہو اور غریبوں کو دودھ دیا جائے۔

(۷۱) باب الرجل یكون له ممر أو شرب فی حائط أو فی نخل؟

وقال النبی ﷺ "من باع نخلاً بعد أن تؤبر فممرتها للبائع ، و للبائع الممر والسقى حتى یرفع و كذلك ربی العریة" .

گزرگاہ کا حق

یہ باب قائم کیا ہے کہ کسی شخص کو گزرنے کا حق ہو یا کسی باغ یا نختان میں آب پاشی کا حق ہو یعنی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس طرح باغ یا نختان کی ملکیت ہوتی ہے اور وہ شرعاً معتبر ہے۔ کیا اسی طرح باغ اور نختان کے اندر کسی کو گزرگاہ کا حق ملا ہوا ہے یا کسی کو پانی لینے کا حق حاصل ہے، تو وہ بھی شرعاً معتبر ہے؟ اگر چہ وہ اصل زمین و باغ کا، لک نہیں ہے لیکن اس کو حق ہے کہ نختان میں سے گزر جائے یا اس سے پانی لے کر آب پاشی کرے، یہ حق بھی شرعاً معتبر ہے۔

استدلال میں یہ حدیث پیش کی ہے "وقال النبی ﷺ من باع نخلاً بعد أن تؤبر الخ" یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ اگر کسی شخص نے نخل یا کھجور کا درخت تاجر کے بعد بیچا تو اس کا شجرہ بائع کا ہوگا یعنی نختان بیچا تو اس کا شجرہ بائع کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زمین اور نخل پر تو مشتری قابض ہوگا لیکن لگا ہوا پھل بائع کا ہوگا تو جب پھل بائع کا ہوگا تو وہ اس کو حاصل کرنے کے لئے اندر جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ اندر جانے اور گزرنے کا حق ہے تاکہ وہ اپنا پھل وہاں سے اتار سکے۔ "و للبائع الممر والسقى حتى یرفع" .

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے پتہ چلے کہ بائع کو راستہ کا حق حاصل ہوگا کہ وہ وہاں جا کر پھل اتارے اور اس درخت کو سیراب کرنے کا حق بھی حاصل ہوگا، یہاں تک کہ پھل نکال لیا جائے۔ "و كذلك رب العریة" کہتے ہیں کہ اسی طرح عرایا کے اندر بھی جب مالک نے درخت کسی فقیر کو عاریتاً دیدیا تو اب وہ فائدہ اسی وقت اٹھا سکے گا جب وہ باغ کے اندر جائے اور پھل توڑے تو اس کو بھی اندر جانے، پھل توڑنے اور درخت کو سیراب کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

عرایا کے جواز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رب العریہ کو نختان میں ممر کا حق حاصل ہے۔ اب اس کی مناسبت سے یہاں عرایا کی حدیثیں روایت کی ہیں۔

۲۳۷۹۔ أخبرنا عبد اللہ بن یوسف حدثنا اللیث . حدثنی ابن شہاب، عن سالم بن عبد اللہ، عن أبیہ ﷺ قال : سمعت رسول اللہ ﷺ یقول : "من ابتاع نخلاً بعد أن تؤبر فممرتها للبائع إلا أن یشرط المبتاع ، ومن ابتاع عبداً وله مال فماله للذی باعه إلا

أن يشترط المبتاع“ [راجع : ۲۲۰۳] ۹

”وعن مالك ، عن نافع ، عن ابن عمر عن عمر في العبد“.

پہلی حدیث میں جو پہلا جزو ہے ”من ابتاع نخلا بعد ان تؤبر“ اس پر پیچھے کلام گزر گیا ہے۔

دوسرا جزو ہے ”ومن ابتاع عبدا وله مال فماله للذي باعه إلا أن يشترط المبتاع“ یہ وہاں پر نہیں آیا تھا اس لئے اس کی تھوڑی تفصیل سمجھ لیں۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کوئی غلام خریدے اور غلام کے پاس کچھ مال ہو تو وہ بائع کا ہوگا ”إلا أن يشترط المبتاع“ الا یہ کہ مشتری شرط لگائے کہ میں عبد کے ساتھ اس کا مال بھی لوں گا۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مولیٰ نے اپنے عبد کو ”مأذون في العجارة“ بتایا ہوا ہے۔ وہ تجارت کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کے پاس کچھ مال ہے۔

جمہور کے نزدیک غلام جو کچھ بھی کمائی کرتا ہے وہ اس کی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ مولیٰ کی ملکیت ہوتی ہے لیکن غلام کے قبضے میں ہوتی ہے۔ اب مولیٰ نے غلام بیچا اور اس کے قبضے میں کچھ مال یا نقد پیسے ہیں جو تجارت سے حاصل ہوئے ہاں نے کوئی عالیشان لباس یا کوئی قیمتی ٹوپنی پہنی ہوئی ہے اور اگر جاریہ ہے تو اس کے اوپر زیور ہے، یہ سارا مال بیچ کی صورت میں بائع کا ہوگا البتہ اگر مشتری یہ شرط لگالے کہ میں اس غلام کو اس مال سمیت خرید رہا ہوں جو اس کے قبضے میں ہے تو پھر عبد کی بیچ مال کے ساتھ ہو جائے گی۔

عبد کی بیچ میں عبد کے مال کی شرط کے بارے میں اختلاف ائمہ مالکیہ کا قول

امام مالک رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام ہے یعنی اس عبد کے قبضے میں جس قسم کا مال بھی ہے۔ اگر مشتری نے بیچ میں شرط لگالی کہ وہ میرا ہوگا تو یہ بغیر قید کے یہ شرط لگانا جائز ہے یعنی امام مالک اس حدیث کے ظاہر پر اس کے عموم کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔

۹ رقی صحیح مسلم ، کتاب البیوع ، باب من باع نخلا علیہا ثمر ، رقم : ۲۸۵۱ - ۲۸۵۳ ، وسنن الترمذی ، کتاب البیوع عن رسول اللہ ، باب ما جاء فی ابتیاع النخل بعد التأبیر والبد وله مال ، رقم : ۱۱۶۵ ، وسنن النسائی ، کتاب البیوع ، باب النخل یباع أصلها ویستثنى المشتري ثمرها ، رقم : ۳۵۵۶ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب البیوع ، باب فی العبد یباع وله مال ، رقم : ۲۹۷۷ ، وسنن ابن ماجة ، کتاب التجارات ، باب ما جاء فیمن باع نخلا مؤبراً أو عبداً له مال ، رقم : ۲۲۰۲ ، وسنن أحمد ، مسند المکثرین من الصحابة ، باب مسند عبد اللہ بن عمر بن الخطاب ، رقم : ۳۳۲۳ ، ۵۲۸۱ ، ۶۰۹۱ ، وسنن الدارمی ، کتاب البیوع ، باب فیمن باع عبداً وله مال ، رقم : ۲۳۳۸ .

شافعیہ کا قول

شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ شرط اس صورت میں جائز ہے کہ جب ثمن اس جنس سے نہ ہو جس جنس کا عہد کے پاس مال ہے یعنی اگر عہد کے پاس سونا ہے اور قیمت درانہم یا چاندی سے مقرر کی ہے تو یہ عقد جائز ہے لیکن اگر قیمت سونے سے مقرر کی ہے تو پھر یہ عقد جائز ہی نہیں ہوگا۔

حنفیہ کا مسلک

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ثمن خلاف جنس سے ہے جیسے عہد کے پاس سونا ہے اور ثمن چاندی ہے تب تو امام مالک رحمہ اللہ والی بات ہے کہ مطلقاً جائز ہے بشرطیکہ پدائید ہو، نسیخانہ ہو۔ لیکن اگر ثمن بھی اسی جنس سے ہو جس جنس کا عہد کے پاس مال ہے مثلاً عہد کے قبضے میں سونا ہے اور قیمت دینار سے مقرر کی گئی تو حنفیہ کے نزدیک اس بیع کے جواز کی شرط یہ ہے کہ ثمن میں جو سونا ہے اس کی مقدار عہد کے قبضے میں موجود سونے سے زیادہ ہو۔ مثلاً عہد کے پاس دس تولہ سونا ہے تو قیمت گیارہ تولہ سونا مقرر کی۔ اس صورت میں قیمت کے دس تولہ سونا، عہد کے پاس موجود دس تولہ سونے کے مقابلے میں ہو جائیں گے اور ایک تولہ سونا عہد کے مقابلے میں ہو جائے گا۔

اور اگر ثمن کا سونا عہد کے قبضے میں موجود سونے کے ذرا مساوی ہو تو پھر یہ بیع جائز نہیں، مثلاً اس کے پاس دس تولہ سونا ہے اور قیمت بھی دس تولہ مقرر کی تو یہ بیع جائز نہیں۔ اس لئے کہ دس تولہ، دس تولہ سونا کے مقابلے میں آگیا اور عہد کے مقابلے میں کچھ نہ رہا، لہذا بیع جائز نہیں۔ اور اگر قیمت میں جو سونا ہے وہ عہد کے قبضے میں موجود سونے سے کم ہے تو یہ بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔ ان شرائط کے بغیر بیع جائز نہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ حدیث باب کے غموم سے استدلال کرتے ہیں کہ "إلا أن يشترط المبتاع". حنفیہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے یہاں صرف اتنا بتایا کہ اس کی بیع جائز ہے لیکن ظاہر ہے کہ بیع شرائط معبودہ کے ساتھ جائز ہوگی۔ یہ مطلب نہیں کہ جو شرائط ہیں ان کو نظر انداز کر کے بھی بیع جائز ہو جائے گی۔ اگر عہد کے پاس جو مال ہے وہ مال ربویہ میں سے ہے تو اس پر اموال ربویہ کے احکام جاری ہوں گے اور اگر سونا چاندی ہے تو صرف کے احکام جاری ہوں گے، لہذا تقابض فی المجلس شرط ہوگا۔^۱

۱۔ والنفسیل فی: کتاب الفقہ علی المذاهب الأربعة، ج: ۲، ص: ۲۹۳، وتکملة فتح الملہم، ج: ۱، ص: ۳۲۶، وفتح الباری، ج: ۵، ص: ۳۸، واعلاء السنن، ج: ۱۳، ص: ۳۹، والممینی، ج: ۲، ص: ۱۹۰ - ۱۹۱، وعمدة القاری، ج: ۸، ص: ۵۰۹، ۵۱۰.

کمپنی کے شیئرز کا مسئلہ

اس مسئلہ سے ہمارے دور کا ایک مسئلہ متعلق ہے اور وہ ہے کمپنی کے شیئرز کا مسئلہ۔

کمپنی اور شیئرز

کمپنی اسے کہتے ہیں کہ بہت سارے لوگ مل کر کوئی کاروبار شروع کرتے ہیں۔ ایک کاروبار کے اندر ہزار ہا افراد پیسے لگاتے ہیں اور جو کوئی پیسہ لگاتا ہے اس کو ایک شریکیت دیدیا جاتا ہے کہ تمہارا اس کاروبار میں اتنا حصہ ہے اس کو شیئر کہتے ہیں۔ اردو میں حصہ اور عربی میں سہم کہتے ہیں۔

بعد میں ان شیئرز کی بازار میں خرید و فروخت ہوتی ہے۔ اس خرید و فروخت پر یہ احکام منطبق ہوتے ہیں، اس لئے کہ کسی بھی کمپنی کا جو شیئر ہوتا ہے وہ درحقیقت حامل حصہ کی کمپنی کے اثاثوں میں متناسب ملکیت سے عبارت ہے۔ فرض کریں پی آئی اے کا ایک شیئر دس روپے کا ہے، میرے پاس سو روپے کے دس شیئرز ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پی آئی اے کی جتنی املاک ہیں، جتنے اثاثے ہیں، ان کا جو بھی سو روپے کا حصہ بنتا ہے مثلاً اگر اس کی املاک ایک ارب کی ہیں تو کروڑوں حصہ سو روپے کا بنے گا، تو معنی یہ ہے کہ میں پی آئی اے کے تمام اثاثوں اور املاک کے کروڑوں حصہ کا مالک ہوں اور یہ ملکیت مشاع ہوتی ہے، ”علی سہیل الشیوع“ ہوتی ہے۔

اب املاک مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔ مثلاً جہاز، عمارتیں اور فرنیچر وغیرہ، یہ تو عروض کے قبض میں سے ہیں۔ اسی طرح پی آئی اے کی املاک میں نقد پیسہ بھی ہے جو اس نے بینک میں رکھا ہوا ہے۔ اس کے دیون بھی ہیں جو دوسروں سے واجب الوصول ہیں اور دیون کا حکم بھی وہی ہے جو نقد کا ہے۔

اس طرح ہر حصے کے اندر کچھ اجزاء عروض ہوتے ہیں، کچھ نقد اور کچھ دیون۔ جب میں کوئی حصہ بیچوں گا تو اس کا مطلب ہوگا کہ پی آئی اے کے جو عروض ہیں، ان کا بھی ایک کروڑوں حصہ بیچ رہا ہوں جو نقد و دیون ہیں۔ ان کا بھی کروڑوں حصہ بیچ رہا ہوں۔ اور جو اس مجموعہ کو خرید رہا ہے تو اس کے اوپر بھی وہی احکام عائد ہوں گے ہیں جو ”من باع عبداً ولہ مال“ کے ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب حصہ بیچ تو اس میں عروض، نقد اور دیون سب شامل ہیں، تو دیون اور نقد متبع اور ضمناً سے ہیں، اصلاً نہیں ہیں، لہذا اس میں یہ تدقیق کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ نقد کتنے ہیں اور دیون کتنے ہیں اور قیمت کیا مقرر ہو رہی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے اصول کا مقتضی یہ ہے کہ شیئرز کو نقد کے معاوضے میں خریدنا جائز ہی نہیں ہونا

چاہئے۔ اس واسطے کہ ہر کمپنی کے اندر کچھ نہ کچھ نقد بھی ہوتے ہیں۔ اب اگر روپے موجود ہیں تو روپے کو روپے کے بدلے خریدنا جائز نہیں ہوتا جب کہ وہ مرکب ہو۔

اگر کوئی چیز اموال ربویہ اور اموال غیر ربویہ سے مرکب ہے تو اس کو ہم جنس سے خریدنا جائز نہیں ہوتا، لہذا ان کے نزدیک شیئرز کو نقد سے خریدنا جائز نہیں ہوگا۔ ہاں کسی اور چیز سے خرید سکتا ہے، مثلاً کپڑے سے لیکن گندم سے ممکن نہیں۔

حنفیہ کے اصول کے مطابق یہ دیکھا جائے گا کہ ان شیئرز میں نقد دونوں کے حصے کا کیا تناسب ہے؟ یعنی ان شیئرز کے حصے میں کتنے نقد آئیں گے۔

قرض کریں کہ ہم نے جو تقسیم کیا تو پتہ چلا کہ سو روپے کے حصے میں پچاس روپے عروض کے مقابل ہیں اور پچاس روپے نقد دیون کے مقابل ہیں۔ اب اس حصے کو کم از کم اکیاون روپے میں خریدنا جائز ہوگا۔ اگر اکیاون روپے میں خرید تو یہ کہیں گے کہ ایک روپیہ عروض کے مقابلے میں ہے، پچاس روپے نقد دیون کے مقابلے میں ہیں اگر اس حصے کو پچاس روپے میں خریدیں تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ پچاس سے زائد میں جائز ہوگا۔ واللہ اعلم۔

عموماً شیئرز کی خرید و فروخت میں یہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ قیمت اس کمپنی میں موجود دیون اور نقد سے کم مقرر کی جائے۔ عام طور سے زیادہ ہی ہوتی ہے۔ کمپنی بہت ہی دیوالیہ ہو جائے تب بھی جتنے نقد دیون ہیں اتنی قیمت تو لگ ہی جاتی ہے۔ اس لئے یہ بہت ہی شاذ صورت ہے کہ سو روپے کا حصہ انچاس روپے میں فروخت ہو جب کہ اس میں نقد دیون پچاس روپے ہیں۔

كتاب الإستقراض وأداء الديون
والحبر والتفليس

٢٤٠٩ - ٢٣٨٥

۳۳۔ کتاب الاستقراض وأداء الديون والحجر والتفليس

(۱) باب من اشترى بالدين وليس عنده ثمنه

أو ليس بحضرة

۲۳۸۵۔ حدثنا محمد بن يوسف هو البهكندی : أخبرنا جرير، عن المغيرة ، عن الشعبي، عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما قال : غزوت مع النبي ﷺ فقال : كيف ترى بعيرك ؟ أتبيعه ؟ قلت : نعم ، فبعته إياه فلما قدم المدينة غدوت إليه بالبعير فأعطاني ثمنه . [راجع : ۳۳۳]

کوئی شخص کوئی چیز خریدے اور ثمن کو اپنی ذمہ دین بنا لے یعنی ثمن مؤجل ہو، اور اس وقت اس کے پاس ثمن نہ ہو "لیس عنده ثمنه أو ليس بحضرة" یعنی اس کے پاس ثمن ہے ہی نہیں یا اس وقت موجود نہیں ہے، ماک تو ہے لیکن بیچ کے وقت اپنے پاس موجود نہیں ہے۔ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ یعنی بیچ بیچے وقت بائع کی مملوک ہونا تو ضروری ہے لیکن مشتری کے لئے خریدتے وقت ثمن کا مملوک ہونا ضروری نہیں ہے۔

۲۳۸۶۔ حدثنا معلى بن أسد : حدثنا عبد الواحد : حدثنا الأعمش قال : تذاكرنا عند ابراهيم الرهن في السلم فقال : حدثني الأسود ، عن عائشة رضي الله عنها : أن النبي ﷺ اشترى طعاما من يهودى إلى أجل ورهنه درعا من حديد . [راجع : ۲۰۸۶]

"سلم" سے یہاں اصطلاحی سلم مراد نہیں ہے بلکہ اس سے قرض اور دین مراد ہے۔ تو سوال کیا گیا تھا کہ "تذاكرنا عند ابراهيم الرهن في السلم" ہم نے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے پاس مذاکرہ کیا کہ سلم کے اندر رہن رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی قرض کے اندر۔

انہوں نے یہ حدیث سنائی کہ حضور اقدس ﷺ نے یہودی کے پاس ایک زرہ رہن رکھی تھی۔ یہ عام دین تھا۔

(۳) باب أداء الديون

وقول الله تعالى :

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا
وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ
بِعِظْمِ يَعِظُكُمْ بِهِ ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ ﴾

۲۳۸۸۔ حدثنا أحمد بن يونس : حدثنا أبو شهاب ، عن الأعمش ، عن زيد بن وهب ، عن أبي ذر : قال : كنت مع النبي ﷺ فلما ابصر - يعني أحدا قال : ما أحب أنه يحول لي ذهابا يمكث عندي منه دينار فوق ثلاث الا دينارا ارضده لدين ، ثم قال : ان الأكثرين هم الأقلون ، الا من قال بالمال هكذا وهكذا ، وأشار أبو شهاب بين يديه وعن يمينه وعن شماله وقليل ما هم وقال : "مكانك" وتقدم غير بعيد فسمعت صوتا فأردت أن آتبه ثم ذكرت قوله : "مكانك حتى آتيك" فلما جاء قلت : يا رسول الله ، الذي سمعت او قال . الصوت الذي سمعت ؟ قال : وهل سمعت ؟ قلت : نعم ، قال : أتاني جبرائيل ﷺ فقال : من مات من أمتك لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة ، قلت : و من فعل كذا وكذا ؟ قال : نعم ، [راجع : ۲۳۷ ا] .

ترجمہ و مختصر تشریح

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔ "فلما ابصر۔ یعنی احدا" جب آپ ﷺ نے احد کی طرف دیکھا (کسی سفر سے واپسی کی بات معلوم ہوتی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ میرے لئے اس احد کو سنانے میں تبدیلی کر دیا جائے اور اس میں سے میرے پاس ایک دینار بھی تین دن سے زیادہ باقی رہے۔ "الا دیسارا" سوائے اس دینار کے جو میں دین کی ادائیگی کے لئے محفوظ رکھوں۔

یہی موضع ترجمہ ہے کہ دین کی ادائیگی کا اتنا اہتمام تھا کہ ویسے تو آپ ﷺ کو منظور نہیں تھا کہ آپ ﷺ کے پاس کوئی دولت رہے لیکن فرمایا کہ کسی دین کی ادائیگی کے لئے رکھوں۔ پھر فرمایا "ان الاكثرين هم الاقلون" جو لوگ مبالغہ میں یعنی جن کے پاس مال بہت زیادہ ہے وہ قیامت کے دن بہت کم نعمتوں والے ہوں

گے۔ ”ہم الاقلون، اقلون النعمة فی الجنة“ ان کو کم ثواب ملے گا ”الا من قال بالمال هكذا وهكذا“ سوائے اس شخص کے جو مال کو لے کر آیا یہ کرے یعنی لوگوں کو مٹھی بھر بھر کر دے۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

”وقال : مکاذک“ کہنے کے بعد حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ اور یہ کہہ کر آپ ﷺ تھوڑی دور تک تشریف لے گئے۔ ”فسمعت صوتا فاردت أن آتیہ“ اتنے میں مجھے ایک آواز سنائی دی۔ میرا ارادہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس جاؤں لیکن پھر مجھے یاد آیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اپنی جگہ پر ٹھہرنا۔ ”فلما جاء“ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو میں نے کہا یا رسول اللہ! وہ کیا بات تھی جو میں نے سنی؟

”قال : وهل سمعت ؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو نے سنی تھی، ”قلت نعم“ میں نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام تشریف آئے تھے اور یہ فرمایا ”من مات من أمتک لا یشرک باللہ شیئا دخل الجنة قلت ومن فعل کذا وکذا؟ قال : نعم“ میں نے کہا جو یہ اور وہ کریں؟ مطلب ہے کہ گناہ کریں۔ فرمایا وہ بھی جنت میں جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ بالآخر اپنے اعمال کی سزا بھگت کر جنت میں جائے گا۔

۲۳۸۹۔ حدیثی احمد بن شیبہ بن سعید : حدیثنا ابی ، عن یونس ، قال ابن شہاب : حدیثی عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ قال : قال أبو ہریرة رضی اللہ عنہ : قال رسول اللہ ﷺ : لو کان لی مثل أحد ذهباً ما بصرنی أن لا یمر علی ثلاث وعندی منه شیئ إلا شیئ ارصدہ لدین رواہ صالح و عقیل عن الزہری . [أنظر : ۶۴۴۵ ، ۲۲۲۸] ”ان لا یمر“ میں لازماً کہہ رہے ”ان یمر“ ہونا چاہئے تھا۔

(۴) باب إستقراض الإبل

۲۳۹۰۔ حدیثنا أبو الولید : حدیثنا : شعبة : أخبرنا سلمة بن كهیل قال : سمعت أبا سلمة بنی یحدث عن أبی ہریرة رضی اللہ عنہ : أن رجلاً نقضی رسول اللہ ﷺ فاغلظ له به فہم أصحابہ فقال : ”دعوه فان لصاحب الحق مقالا واشتروا له بعیرا فاعطوه إیاءه“ وقالوا : لا نجد الا أفضل من سنہ قال : اشتروه فاعطوه إیاءه فان خیرکم أحسنکم قضاء“ . [راجع : ۲۳۰۵]

(۵) باب حسن التقاضی

۲۳۹۱۔ حدیثنا مسلم: حدیثنا شعبۂ، عن عبد الملک، عن ربیع، عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ۔
 قال: سمعت النبی ﷺ یقول: ”مات رجل فقیل له: ما کنت تقول؟ قال: کنت أبايع
 الناس لما تجوز عن المومس، واحفف عن المعبر، فغفر له“ قال أبو مسعود: سمعته عن
 النبی ﷺ. [راجع: ۲۰۷۷]

معاملات میں نرمی کی وجہ سے مغفرت ہوگی

اللہ ﷻ نے ایک شخص کی مغفرت کر دی، اس کا معاملہ یہ تھا کہ مثلاً کوئی شخص اس سے کوئی چیز خریدنے آتا
 اور وہ اس سے کہتا کہ اتنے پیسے کم کرو، یہ کہتا اچھا چلو کم دے دو۔ یا اس کا کوئی مقروض ہے تو اس سے کہتا کہ اچھا تم
 اتنا ادا کر دو۔ باقی تمہارے لئے معاف ہے۔ تو وہ اس طرح کیا کرتا تھا تو اللہ ﷻ نے اس کے اس عمل کے صلے
 میں اس کی مغفرت فرمادی۔

(۶) باب هل يعطى أكبر من سنه؟

۲۳۹۲۔ حدیثنا مسدد: عن یحییٰ، عن سفیان، عن حذیفۃ بن کھیل، عن ابی
 سلمۃ، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ: أن رجلاً أتى النبی ﷺ یقاضاه بعیراً، قال: قال رسول اللہ ﷺ
 ”اعطوه“ فقالوا: لا نجد الا سناً افضل من سنه، فقال الرجل: أو فیتنی أو فاک اللہ،
 فقال رسول اللہ ﷺ ”اعطوه فان من خيار الناس احسنهم قضاء“ . [راجع: ۲۳۰۵]

(۷) باب حسن القضاء

۲۳۹۳۔ حدیثنا ابو نعیم: حدیثنا سفیان، عن سلمۃ، عن ابی سلمۃ، عن ابی
 ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: کان لرجل علی النبی ﷺ سن من الإبل فجأه یقاضاه فقال ﷺ ”اعطوه“
 فطلبوا سنه فلم يجدوا له الا سناً فوقها، فقال: ”اعطوه“ فقال: أو فیتنی أو فی اللہ بک:
 قال النبی ﷺ ”أن خيارکم احسنکم قضاء“ . [راجع: ۲۳۰۵]

۲۳۹۳۔ حدیثنا خلاد: حدیثنا مسعر: حدیثنا محارب بن دثار، عن جابر بن عبد اللہ
 رضی اللہ عنہما قال: أتیت النبی ﷺ وهو فی المسجد. قال مسعر: أراه قال: ضحی فقال:
 ”صلی رکعتین“ وكان لی علیہ دین فقضانی وزادنی. [راجع: ۲۳۲۳]

یہ ساری حدیثیں حسن قضا کی ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ ”دین“ کے عقد کے اندر تو زیادہ کی شرط نہیں تھی، لیکن جب دینے کا وقت آیا تو دیون نے اس کے حق سے زیادہ دے دیا۔ یہ حسن قضا ہے اور جائز ہے، بلکہ مستحب ہے۔

(۸) باب اذا قضی دون حقه أو حمله فهو جائز

۲۳۹۵۔ حدثنا عبدان : أخبرنا عبد الله : أخبرنا يونس ، عن الزهري قال : حدثني ابن كعب بن مالك أن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما أخبره أن أباه قتل يوم أحد شهيداً وعليه دين فاشتد الغرماء في حقوقهم ، فأبى النبي ﷺ لسألهم أن يقبلوا تمر حائطي ويحملوا أبي فأبوا ، فلم يعطهم النبي ﷺ حائطي وقال : ”سغدو عليكم“ ففدا علينا حين أصبح لطاف في النخل ودعا لي تمرها بالبركة فجددتها فقضيتهم وبقى لنا من تمرها. [راجع : ۲۱۲۷]

(۹) باب اذا قاص أو جاز له في الدين تمر أو غيره

۲۳۹۶۔ حدثني ابراهيم بن المنذر : حدثنا ألس ، عن هشام ، عن وهب بن كيسان عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما أنه أخبره أن أباه توفي وترك عليه ثلاثين وسقاً لرجل من اليهود ، فاستنظره جابر فأبى أن ينظره ، فكلم جابر رسول الله ﷺ ليشفع له إليه فجاء رسول الله ﷺ وكلم اليهودي لياً أخذ تمر نخله بالتي له فأبى فدخّل رسول الله ﷺ النخل فمشى فيها ثم قال لجابر : ”جد له فأوف له الذي له“ فجده بعد ما رجع رسول الله ﷺ فأوفاه ثلاثين وسقاً وفضلت له سبعة عشر وسقاً فجاء جابر رسول الله ﷺ ليخبره بالذي كان فوجده يصلّي العصر ، فلما انصرف أخبره بالفضل فقال : ”أخبر ذلك ابن الخطاب“ فذهب جابر إلى عمر فأخبره ، فقال له عمر : لقد علمت حين مشى فيها رسول الله ﷺ ليباركن فيها. [راجع : ۲۱۲۷]

ع وفي سنن النسائي، كتاب الوصايا، باب الوصية بالثلث، رقم ۳۵۷۶، و سنن أبي داود، كتاب الوصايا، باب ما جاء في الرجل يموت عليه دين وله ولاء يستنظر، رقم ۲۳۹۸، و سنن ابن ماجه، كتاب الاحكام، باب أداء الدين عن الميت، رقم ۲۳۲۵، و مسند احمد، بابي مسند المكثرين، باب باقي المسند السابق، رقم ۱۳۸۳۹، ۱۳۴۷۴.

حدیث باب کا مطلب

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے لیکن یہاں ذرا تفصیل کے ساتھ آئی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد کی شہادت غزوہ احد میں ہوئی تھی۔ ”وترك عليه ثلاثين وسقاً لرجل من اليهود“ اور ان کے ذمہ کسی یہودی کا تیس وسق دین تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ان سے مہلت طلب کی۔ ”انظر“ کے معنی ہیں مہلت دینا اور ”استنظر“ کے معنی ہیں مہلت صبر کرنا۔ ”فاسی ان ينظره“ اس یہودی نے مہلت دینے سے انکار کر دیا۔

”فكلمه جابر“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ سفارش کریں ”فجاء رسول الله ﷺ“ رسول اللہ ﷺ اس یہودی کے پاس آئے اور اس سے بات کی اور یہ پیشکش کی کہ جتنا ان کے تختہ ن میں پھل یا ہے وہ لے لو اور اس سے اپنا دین وصول کر لو اور باقی دین ساقط کر لو۔ ”فاسی“ اس نے انکار کیا۔

یہی جملہ ہے جس پر ترجمہ الباب قائم کیا ہے۔ ”باب اذا قاص او جازفه... او غيره“ کہ اگر کوئی شخص دین کا مقصد کرنا چاہے یا مجازت دین ادا کرنا چاہے تو وہ جائز ہے۔ خواہ وہ تمر کے بدلے تریوں نہ ہو۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ بظاہر تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ذمہ تیس وسق کھجور کا دین تھا اور حضور اکرم ﷺ نے پیشکش بھی فرمائی کہ جابر رضی اللہ عنہ کے درخت میں جو پھل ہے وہ اس دین کے بدلے میں لے لو۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں مجازت ہے کیونکہ درخت پر جو پھل لگا ہوا ہے اس کی مقدار معلوم نہیں اور ساتھ یہ مقصد ہے کہ جتنا دین تمہارے ذمہ ہے اس کھجور تیس کا مقصد کر لو، جو کھجور تمہیں یہاں سے حاصل ہوگی۔ عا مقادیر یہ ہوتا ہے کہ اموال ربویہ میں کوئی معاوضہ مجازت کے ساتھ جائز نہیں ہوتا کیونکہ اس میں کمی بیشی کا احتمال ہوتا ہے۔ جب تمر کو تمر کے عوض میں بیادیا جا رہا ہے تو دونوں کو مماثل اور برابر ہونا چاہئے، مجازت بھی جائز نہیں اور کمی بیشی بھی جائز نہیں۔ لیکن یہاں حضور اکرم ﷺ نے یہ پیشکش کی کہ تمہارا جتنا دین ہے اس کے بدلے جتنی کھجوریں لگی ہوئی ہیں وہ لے لو اور ان کی مقدار معلوم نہیں، مجازت ہے۔

مجازت اور مفاضلت کب ناجائز ہے؟

مجازت یا مفاضلت اس وقت ناجائز ہوتی ہے جب صل عقد میں شرط ہو، اس صل عقد میں یہ شرط ہو کہ ہم تمہیں جو معاوضہ دیں۔ وہ مجازت یا کم بیش دیں گے تو یہ ناجائز ہے۔

لیکن اگر صل عقد میں مجازت اور مفاضلت کی شرط نہیں تھی بلکہ صل عقد یہ تھا کہ تیس وسق دے رہا ہوں اور

تیس وقت ہی لوں گا اور ادائیگی کے وقت اگر یہ کہہ دیا جائے کہ اپنے دین کے عوض یہ ڈھیر لے لو، یہ مجازفت ہے۔ اگر وہ قبول کر لے تو درست ہو جائے گا، اس لئے کہ دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا تو کھجور کا ڈھیر مجازفتہ دیا جا رہا ہے وہ اصل دین سے کم ہو گیا یا اصل دین سے زائد ہوگا۔

اگر اصل دین سے کم ہوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دابن نے ادائیگی کے وقت کچھ حصہ اپنی رضا سے چھوڑ دیا اور اگر اصل دین سے کچھ زائد ہوا تو اس کا معنی یہ ہے کہ مدیون نے دیتے وقت حسن قضا سے کام لیا، تو ادائیگی کے وقت باہمی رضامندی سے کم لینا یا زیادہ لینا دونوں صورتیں جائز ہیں۔ مجازفتہ اس وقت منع ہے جب اصل عقد میں شرط ہو، یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی مقصد ہے۔

آگے پھر وہ قہر یہ بیان کیا کہ حضور آرام ﷺ نے پیشکش کی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ ”فدخل رسول اللہ ﷺ السخل“ آپ ﷺ خود تشریف لے گئے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کھجور کا ٹاش شروع کر لو اور اس کا جو دین ہے وہ پورا کر لو اور دو۔

حضور ﷺ کا ایک معجزہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کھجور کا ٹاشنا اور اس یہودی کے تیس وقت تھے، وہ اس کو ادا کر دیئے اور سترہ وقت پھر بھی باقی بچ گئے۔ ”فجاء جابر رضی اللہ عنہ“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا وہ بتانے کے لئے آئے۔ آپ ﷺ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو بتایا گیا کہ سترہ وقت باقی رہ گئے ہیں۔ ”فقال اخبر ذلك ابن الخطاب“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جابر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات بتا دو کہ تاکہ ان کے ایمان اور یقین میں اور زیادہ اضافہ ہو۔

”فذهب جابر الى عمر. فاخبره“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات بتائی تو انہوں نے کہا کہ مجھے پیر ہی پتہ تھا کہ جب آپ ﷺ تشریف لے جا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پھل کے اندر ضرور برکت عطا فرمائیں گے۔

(۱۱) باب الصلوة علی من ترک دینا

۲۳۹۸ - حدثنا أبو الوليد : حدثنا شعبة عن عدي بن ثابت ، عم أبي حازم ، عن أبي هريرة ؓ عن النبي ﷺ قال : ((من ترك مالا فلورثته ، ومن ترك كلاً فإلينا)) . [راجع : ۲۲۹۸]

۲۳۹۹ - حدثني عبد الله بن محمد : حدثنا أبو عامر : حدثنا فليح ، عن هلال بن

علی ، عن عبد الرحمن بن عمرة ، عن ابي هريرة ؓ : ان النبي ﷺ قال : ((ما من مؤمن إلا و
انا أولى به في الدنيا والآخرة اقرؤوا ان شئتم : «النَّبِيُّ اَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ»^۱
فايما مؤمن مات وترك مالا فليرثه عصبته من كانوا ، ومن ترك ديناً او ضياعاً فليأتني
فانا مولاه)) . [راجع : ۲۲۹۸]

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ شروع میں آپ ﷺ نے مدیون کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کیا تھا لیکن بعد
میں جب اللہ ﷻ نے فتوحات عطا فرمادیں تو یہ فرمایا کہ جو شخص کوئی مال چھوڑ جائے تو وہ ورثہ کا ہے اور اگر کوئی محتاج
چھوڑ کے جائے یعنی جس کے ذمہ دین وغیرہ ہو تو وہ اسے پاس آجائے ، ہم اس کا دین ادا کریں گے۔
معنی یہ ہے کہ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اپنی طرز عمل چھوڑ دیا تھا کہ مدیون کی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔
اس لئے ”باب الصلوة علی من ترک دیناً“ سے یہ بتایا کہ جو دین چھوڑ کر گیا ہو اس کی نماز
جنازہ پڑھنا درست ہے اور خود مقتداء کے لئے بھی پڑھنا درست ہے ، کیونکہ اب حضور اقدس ﷺ نے یہ اعلان
فرمادیا تھا۔

(۱۳) باب لصاحب الحق مقال

و يذكر عن النبي ﷺ : ((لى الواجد يحل عرضه وعقوبته)) قال سفیان :
”عرضه“ يقول : مطلعتى ”وعقوبته“ : العبس
۲۳۰۱ - حدثنا مسدد : حدثنا يحيى ، عن شعبة ، عن سلمة ، عن ابي سلمة ، عن
ابى هريرة ؓ قال : اتى النبي ﷺ رجل يتقاضاه فاطلظ له لهم به اصحابه فقال : ((دعوه
فان لصاحب الحق مقالا)) . [راجع : ۲۳۰۵]

مالدار کا مال مٹول کرنا ظلم ہے

”باب لصاحب حق مقال“ یعنی جو صاحب حق ہے اس کو کچھ کہنے کا حق حاصل ہے یہ پہلے بھی
گزر چکا ہے۔

”و يذكر عن النبي ﷺ“ اور نبی کریم ﷺ سے مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی ”لى
الواجد يحل عرضه وعقوبته“۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو یہاں تعلقاً ذکر کیا ہے جبکہ مسند احمد وغیرہ میں یہ حدیث موصولاً آئی ہے
کہ ”لى الواجد يحل عرضه وعقوبته“^۲

۱ (الاحزاب : ۶)

۲ مسند احمد ، ہالی مسند المکتوبین ، رقم : ۸۵۳۲ ، ۹۰۲۱

”لمی“ کے معنی میں نال منول کرنا اور ”واجذ“ کے معنی ہیں غنی، جس کے پاس مال ہو۔ اگر ایسا شخص کسی کا مدیون ہو اور اس کے پاس مال موجود ہو مگر وہ پھر بھی ادائیگی میں نال منول کرے تو اس کا یہ عمل اس کی آبرو کو اور اس کی سزا کو حلال کر دیتا ہے یعنی ایسا شخص سزا کا مستوجب ہے۔ عرصہ یعنی اس کی آبرو بڑی بھی کی جاسکتی ہے، اس کو برا بھلا بھی کہا جاسکتا ہے۔

آگے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کی ہے کہ ”ھو ھب“ کے معنی یہ ہیں کہ ذمّٰن اس سے کہہ سکتا ہے کہ تو نے مجھ سے نال منول کی اس لئے تو بڑا گڑبڑ آدمی ہے۔ اس کی برائی کر سکتا ہے۔

”وعقوبہ“ کا معنی یہ ہے کہ اس کو قید کر سکتا ہے کہ جب تک وہ پیسے نہ دے اس کو قید کیا جائے۔ اس میں حضور اقدس ﷺ نے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ اگر ایک شخص مدیون ہے اور ادائیگی پر توجہ دے تو پہلی حدیث میں فرمایا تھا کہ ”مطل العسی ظلم“ اب جو یہ دیر کر رہا ہے تو یہ مدیون پر غلط ہے، اس ظلم کی وجہ سے اس کو سزا بھی دی جاسکتی ہے، اس کی آبرو پر بھی حملہ کیا جاسکتا ہے۔

دین کی ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ عائد کرنا

اس حدیث کی وجہ سے بعض معاصرین نے یہ کہا ہے کہ اگر کوئی مدیون ادائیگی پر قادر ہونے کے باوجود نال منول کرے تو دائن اس پر کوئی جرمانہ بھی عائد کر سکتا ہے اور وہ جرمانہ اس کے ضرر کے معاوضے کے مطابق ہو سکتا ہے۔ اس کو ”تعویض عن الضرر“ کہتے ہیں کہ تم نے میرا دین وقت پر ادا نہیں کیا۔ اس کی وجہ سے مجھے فلاں ضرر لاحق ہوا۔ اس ضرر کے معاوضے میں مجھے تم اتنے پیسے دو۔

علماء عصر میں سے جن علماء نے یہ بات کہی ہے وہ کہتے ہیں کہ آج کل ہمارے زمانے میں مطل الغنی کی بہت کثرت ہو گئی ہے اور اس طرح لوگ بہت کثرت سے دوسروں کے حقوق غصب کرتے ہیں کہ وقت پر پیسوں کی ادائیگی نہیں کرتے۔ سودی نظام میں اس کا ایک خود کار حل یہ ہے کہ جتنی دیر کرتا جائے گا اس کا سود بڑھتا جائے گا۔ اس واسطے لوگ ڈرتے ہیں کہ اگر بروقت ادائیگی نہ کی تو ہمارا سود بڑھ جائے گا تو وہ جلدی ادائیگی کی کوشش کرتے ہیں۔

لیکن اسلامی نظام میں چونکہ سود کی گنجائش نہیں ہے، لہذا ممالکین کو کھلی بھوری میں باقی رہتا ہے کہ وہ نال منول کرتے جائیں اور اس سے اصحاب حقوق کے حقوق پامال ہوں، لہذا وہ کہتے ہیں کہ اگر منظر کی صورت میں ان پر کوئی معاوضہ عائد کیا جائے تو یہ جائز ہے اور خاص طور سے بینکوں کے معاملات میں کہ سارے کے سارے بینک اس بنیاد پر چلتے ہیں کہ اس کو بروقت پیسے مل جائیں۔ اگر بینکوں کو پیسے بروقت نہ ملیں تو ان کو بڑا سخت نقصان ہو۔ ممالکین کی ان ساری کاروائی کو ختم کر سکتے ہیں، لہذا انہوں نے خاص طور پر بینک کے نظام کے بارے میں

کہا کہ اگر بینک کی طرف سے مثل کوئی چیز مراہجہ مؤجلہ کے ساتھ بیچی گئی اور پابند کر دیا گیا کہ اتنی مدت کے بعد اس کی قیمت ادا کرنا لازمی ہے، باوجود قدرت کے اگر وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کی تو اس صورت میں بینک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کہے کہ تم نے اتنے دنوں تک ہمراہیہ ادا نہیں کیا، اتنے دن تک جو استسما رات ہیں ان پر جتن کچھ کیا ہے اتنا ہی تم بھی ادا کرو۔

مثلاً اس ادائیگی میں چھ مہینے تک اسلامی بینک میں کوئی شخص پیسے رکھتا ہے تو ان مہینوں میں اس کو جتن نفع ہوگا اتنی ہی وہ مدیون اپنے دائرے کو ادا کر دے۔ بعض لوگوں نے یہ تجویز پیش کی ہے، اور اس پر اس سے استدلال کیا ہے کہ ”للی الواجد عرضہ و عقوبتہ“ کہ غنی کا مال منول کرنا اس کی آبرو کو بھی حلال کر دیتا ہے اور اس کی عقوبت کو بھی حلال کر دیتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عقوبت میں عقوبت ہلماں بھی داخل ہے۔

عقوبت مالہ اگرچہ بہت سے فقہاء کے نزدیک جائز نہیں ہے لیکن بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔ یہ بعض معاصرین کا موقف ہے۔

لیکن مجھے یہ موقف صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس واسطے کہ یہ طریقہ ربوایہ بیہ کے مشابہ ہے۔ اور ربوایہ بیہ میں یہ ہوتا تھا کہ اگر کوئی مدیون اپنے وقت پر دین کی ادائیگی سے قاصر رہا تو دائرے اس سے کہتے تھے ”امان نقضی او تزدلی“ پیسے ادا کرو یا اپنے مقدر دین کے اندر اضافہ کرو۔ تو یہ وہی چیز ہوگئی کہ تم وقت پر نہیں دے سکتے ہو، لہذا زیادہ دو، اس کے مشابہ ہو گیا۔ اس واسطے یہ صورت درست معلوم نہیں ہوتی۔

اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جہاں تک ممالک کا تعلق ہے تو وہ ہر دور میں رہے ہیں۔ ہمارے دور کی خصوصیت نہیں ہے۔ اگر نہ ہوتے تو حضور اکرم ﷺ یہ ارشاد نہ فرماتے۔ ”للی الواجد عرضہ و عقوبتہ“ تو پہلے دن سے ہی اس کا تصور موجود ہے لیکن کہیں اس کی نظیر نہیں ہے کہ کسی ممالک سے اس کے مطلق کی وجہ سے زیادہ پیسے وصول کئے گئے ہوں۔ آپ ﷺ نے یہ تو فرمایا کہ ”بحل عرضہ و عقوبتہ“ جس کی تفسیر سفیان ثوری نے رحمہ اللہ ”الحبس“ سے فرمائی تو یہاں ”بحل عرضہ و مالہ“ نہیں فرمایا اور پوری تاریخ اسلام میں کہیں ایک بھی مثال نہیں ہے کہ جہاں ممالک (مال منول) کرنے والے کے اوپر پیسے عائد کئے گئے ہوں۔ زیادہ سے زیادہ اس کو غاصب کہیں گے اور غاصب سے زیادہ سخت درجہ سارق کا ہوتا ہے۔ سارق کا ہاتھ ضرور کاٹ دیا جاتا ہے لیکن ایسا کہیں نہیں کہا گیا کہ تم نے اتنے دنوں تک مجھے اپنے مال سے محروم کیا، لہذا مجھے اتنے پیسے دو۔ سارق سے کبھی یہ مطالبہ نہیں کیا گیا۔

منافع مغضوب مضمون ہوتے ہیں یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہوا ہے کہ آیا منافع مغضوب مضمون ہوتے ہیں یا نہیں؟

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک منافع مضمون ہوتے ہیں، یعنی فرض کریں کسی نے کسی کی زمین غصب کی تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اتنے دن کا کرایہ ادا کرے، لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر نقد لیا ہے تو اس صورت میں منافع مضمون نہیں ہوں گے۔ ۵

اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت کے نظام میں اور موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں فرق یہ ہے کہ موجودہ نظام میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ روپیہ یا نقد ہر روز کے حساب سے نفع دینے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی طبیعت یہ ہے کہ اس سے سود کے ذریعے روزانہ کوئی نہ کوئی نفع نکلے۔

اس واسطے اگر کسی نے کسی شخص کے پیسے غصب کر لئے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے اس سے اتنے دنوں کا سود غصب کر لیا، بخلاف اسام کے کہ اسلام کے احکام کے مطابق نقد بذات خود یومیہ کے حساب سے نفع بخش نہیں ہے۔ اس کا جو اصل کام ہے وہ یہ ہے کہ اس کو کسی تجارت میں لگایا جائے جس میں نفع کا احتمال بھی ہے اور نقصان کا بھی ہے، تو یومیہ حساب سے روپے کا نفع پیدا کرنا یہ اصول شریعت میں مسلم نہیں ہے۔ لہذا جو منافع مضمون کو مضمون کہتے ہیں یعنی شافیہ، ان کے نزدیک بھی نقد میں نہیں ہے، حنفیہ کے ہاں اور اوروں میں بھی نہیں ہے۔

آج کل کی معاشی اصطلاح میں ایک اصول ہوتا ہے جس کو انگریزی میں (Oppourtunity Cost) کہتے ہیں اور عربی میں اس کا ترجمہ "الفرصة الضائعة" کہا جاتا ہے۔ یعنی آپ نے میرے ایک موقع کو ضائع کر دیا۔

میرے پاس نفع کمانے کا ایک موقع تھا آپ نے اس کو ضائع کر دیا، لہذا اس کے بدلے مجھے پیسے دو۔ یہ سودی نظام کا اصول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے پیسے کو نفع کمانے کے سلسلے میں ضائع کر دے تو اس کے ذمہ واجب ہے کہ اس موقع کے ضائع کرنے کا معاوضہ اس کو ادا کرے، لیکن اسلام میں یہ صورت نہیں ہے۔ اس کے اوپر مالی جرمانہ عائد کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ دائن مدیون سے زائد وصول کر رہا ہے جو سود کی ایک شکل ہے، لہذا یہ بات مسلم نہیں ہوتی۔

ایک مشکل اور اس کا حل

البتہ مسئلہ یہ ہے کہ لوگ پیسے لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور ادائیگی نہیں کرتے، اس سے اسلامی طریقے کے

۵ قال ولا یضمن الغاصب منافع ما غصبه إلا أن ینقص باستعماله فیعزم القصاص وقال الشافعی رحمہ اللہ یضمنها لیحب أحر المثل ولا فرق فی المذہبین بین ما ادا عقلها أو سکھا . (الهدایة شرح البدایة ، ج ۳ : ص ۲۰ ، مطبوعہ المكتبة الاسلامیة، بیروت).

مطابق کام کرنے والوں کا بڑا نقصان ہوتا ہے تو اس کا کوئی حل ہونا چاہئے؟

اس کا ایک حل امام مالک رحمہ اللہ نے تجویز کیا ہے۔ وہ یہ کہ جس وقت دائن، دین کا عقد کرے، اس وقت اس میں مدیون سے اس کے سامنے ایک وعدہ کرے کہ اگر میں نے بروقت پیسے ادا نہ کئے تو میں صدقہ کروں گا۔ گویا امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق یہ یحییٰ ہو جاتی ہے کہ اگر میں نے بروقت پیسے ادا نہ کئے تو میں صدقہ کروں گا۔

اکثر مالکیہ کے ہاں اس یحییٰ کا ایفاء دینا واجب ہے، قضاء واجب نہیں ہے اور بعض مالکیہ نے اس کو قضاء بھی لازم قرار دیا ہے، تو ضرورت کے تحت ان مالکیہ کا قول اختیار کیا جاسکتا ہے جو قضاء اس کو لازم کرتے ہیں، لہذا عقد دین میں اگر یہ شرط لگا دیں، بلکہ مدیون یہ عہد کر لے کہ اگر میں نے بروقت ادائیگی نہ کی تو اتنے پیسے صدقہ کروں گا اور تمہارے ذریعے کروں گا۔ تمیں دوں گا تم اس کو میری طرف سے صدقہ کرو۔

اس صورت میں اگر وہ ادائیگی بروقت نہیں کرے گا تو وہ دائن کو صدقہ کرنے کیلئے ذمے گا اور دائن ان پیسوں کو اپنے استعمال میں نہیں لے سکتا بلکہ صدقہ کرے گا۔ اس سے دائن کے نفع میں تو کوئی اضافہ نہیں ہوگا لیکن یہ چیز اس کے لئے بطور دباؤ کے ضرور کام کرے گی۔ مدیون کو یہ دباؤ ہے گا کہ اگر میں نے بروقت ادائیگی نہ کی تو مجھے اور پیسے خرچ کرنے پڑیں گے۔ اس طرح غنی آدمی بدو جب تک اس کے پاس پیسے موجود ہوں گے وہ زیادہ نار مشور نہیں کرے گا۔

(۱۴) باب اذا وجد ماله عند مفلس

فی البیع والقرض والودیعة فهو أحق بہ،

”وقال الحسن: إذا أفلس وتبين لم يجز عنقه ولا بيعه ولا شراؤه. وقال سعيد بن المسيب: قضی عثمان: من اقتضى من حقه قبل أن يفلس فهو له، و من عرف متاعه بعينه فهو أحق به“.

۲۴۰۲۔ حدثنا أحمد بن یونس: حدثنا زهير حدثنا يحيى بن سعيد قال: أخبرني أبو بكر بن محمد بن عمرو بن حزم: أن عمر بن عبد العزيز أخبره أن أبا بكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام أخبره: أنه سمع أبا هريرة رضي الله عنه يقول: قال رسول الله ﷺ أو قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((من أدرک ماله بعينه عند رجل أو إنسان قد أفلس

فہو أحق بہ من غیرہ“۔^۱

کوئی شخص بیع میں اپنا مال کسی مفلس کے پاس پالے یعنی وہ مال بیع کے ذریعے ہوا ہو یا قرض کے ذریعے یا ودیعت کے ذریعے تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

ایک اختلافی مسئلہ

فقہائے کرام کے درمیان مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو اپنا کوئی سامان فروخت کیا۔ اس کے ذمہ پیسے واجب ہو گئے۔ مشتری نے سامان پر قبضہ کر لیا اور اس کے ذمہ ثمن واجب ہو گئی۔ ابھی اس نے ثمن ادا نہیں کیا اور بیع اس کے قبضے میں تھی کہ اتنے میں قرضی نے مشتری کو مفلس (دیوالیہ) قرار دیدیا۔ اور دیوالیہ کا حکم یہ ہوتا ہے کہ اس کی اپنی ضرورت کے مطابق کچھ سامان اس کے پاس چھوڑ کر باقی سارے سامان کی کرکری ہو جاتی ہے اور سارے سامان کو فروخت کر کے جتنے بھی پیسے حاصل ہوں وہ سارے اس کے جتنے غرماء اور دائن ہیں ان کے درمیان تقسیم ہو جاتے ہیں۔^۲

عام طور سے اس میں یہ ہوتا ہے کہ اس میں دائن کا پورا حق نہیں ملتا بلکہ سامان بیع کر جو قیمت حاصل کی جاتی ہے، وہ اتنی ہوتی ہے کہ بس تھوڑا تھوڑا سب کو مل جائے۔ سب کا دین کچھ نہ کچھ رہ جاتا ہے۔ تو مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص نے اپنا سامان بیچا تھا اور وہ سامان ابھی مفلس کے قبضے میں موجود ہے، اس نے خرچ نہیں کیا تو کیا بائع کو حق حاصل ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں نے اس مفلس کو جو سامان بیچا تھا وہ تو پورا کا پورا میں لے لوں گا، کیونکہ اس نے میرے پیسے ادا نہیں کئے اور یہ سامان کرکی میں شامل نہیں ہوگا اور دوسرے غرماء کا اس پر حق نہیں ہے، میں ہی تھا اس کا حقدار ہوں۔

۱۔ وقی صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب من ادرك ما باعه عند المشتري وقد أفلس فيه الرجوع، رقم: ۲۹۱۳، وسنن الترمذی، کتاب البیوع من رسول اللہ، باب ما جاء اذا أفلس فلرجل غريم، فبیع عندہ متاعہ، رقم: ۱۱۸۳، وسنن النسائی، کتاب البیوع، باب الرجل یبتاع البیع ففلس ویوجد المتاع بعینه، رقم: ۳۵۹۷، وسنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی الرجل یفلس فبیع عند الرجل متاعہ بعینه عندہ، رقم: ۳۰۵۳، ۳۰۵۹، وسنن ابن ماجہ، کتاب الأحکام، باب من وجد متاعه بعینه عند رجل قد أفلس، رقم: ۲۳۴۹، ومسنند احمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند ابی هريرة، رقم: ۲۸۲۷، ۷۱۹۳، ۸۶۳۳، وموظا مالک، کتاب البیوع، باب ما جاء فی الفلاس الغريم، رقم: ۱۱۸۳، وسنن الدارمی، کتاب البیوع، باب فیمن وجد متاعه عند لمفلس، رقم: ۲۳۷۷۔

۲۔ قولہ (فہو أحق بہ من غیرہ) ای کائنا من کمان وارثا وغریماً وبہذا قال جمهور العلماء وخالف الحنفیة فتأولوه لکونه خبر واحد خالف الأصول، لان السلعة صارت بالبائع ملکا للمشتري ومن ضمانته واستحقاق البائع أصلها من نض ملکة، وحملوا الحديث على صورة وهي ما إذا كان المتاع ودیعة أو عارية أو لقطه الخ (فتح الباری، ج ۵، ص ۶۳۰)

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا قول

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ ہاں اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی بیٹی ہوئی چیز اٹھ کر لے جائے اور کہے کہ میں لے جاتا ہوں، کیونکہ اس نے میرے پیسے بھی تک ادا نہیں کئے۔ گویا بیع فسخ کرتا ہوں۔^۵

امام بخاری رحمہ اللہ کا قول مختار

امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور یعنی ائمہ ثلاثہ کا مذہب اختیار کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بائع کو یہ حق حاصل نہیں ہے، بائع نے جب کوئی چیز بیچ دی تو بیع مشتری کی ملکیت میں آگئی، اب یہ اس کی دوسری ادا کے مساوی ہے۔ بائع کا حق ہے کہ وہ ثمن وصول کرے، اب بیع پر اس کا کوئی حق نہیں رہا، ثمن وصول کر سکتا ہے۔ جب ثمن وصول کر سکتا ہے تو اس میں اور دوسرے دائرے میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح وہ پیسے وصول کر سکتے ہیں اسی طرح یہ بھی پیسے وصول کر سکتا ہے، ان میں اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

لہذا وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری بیع واپس کرو اور میں تنہا اس کا حقدار ہوں بلکہ وہ بیع بھی مفلس کے دوسرے سامان کے ساتھ فروخت ہوگی اور فروخت ہونے کے بعد حصہ رسد میں سے اس کو جتنا حصہ ملے گا اتنا مل جائے گا۔ اس کو کہتے ہیں کہ ”اسنوة للغرماء“ ہوگا یعنی دوسرے غرماء کے ساتھ برابر کا حقدار ہوگا۔ ان سے زیادہ اپنی بیع کو وصول نہیں کر سکتا۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔^۶

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا استدلال

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث یہاں ذکر کی ہے کہ ”من ادرك ماله بعينه“ کہ جو شخص اپنا مال بیعت کسی انسان کے پاس پالے جو مفلس ہوگی، تو وہ دوسروں کے مقابلے میں اس کا زیادہ حقدار ہوگا۔

۵۔ قوله فهو احب له من غيره اي كانه من كان وارثا وغريما وبهذا قال جمهور العلماء وخالف الحنفية فتناولوه لكونه حيرا وحده خالف لاسنوة لان السلعة صادت بالبيع ملكا للمشتري ومن ضمانه واستحقاق البائع احدثها منه نقص لملكه ، وحملوا النسب من غيره وهي ما اذا كان لمتاع ودبعة او عارية او لقطعة الح (فتح الباری ج ۵ ص ۶۳)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال مصنف عبدالرزاق کی ایک حدیث سے ہے جس میں یہ آیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص تھا جو حاجیوں کو کرایہ پر سفر کرایا کرتا تھا، ایک مرتبہ اس نے اونٹنیاں خریدیں اور خریدنے کے بعد اس کو اجرت پوری نہیں ملی، چنانچہ اس کو ملنے کی توقع تھی۔ اس کے نتیجے میں وہ مفلس ہو گیا اور قرضی نے اس کو مفلس قرار دے دیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس فیصلہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ جتنی بھی اس کی اونٹنیاں ہیں ان کو فروخت کر کے جتنے دینیں ہیں ان کے درمیان برابر تقسیم کریں۔^۱

اس کے پاس دو چھ مال تھا وہی اونٹنیاں تھیں جو اس نے بائع سے خرید رکھی تھیں اور ابھی قیمت ادا نہیں کی تھی۔ ان کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ”أسوة للغرماء“ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بائع بھی ان غراء کے ساتھ برابر کا شریک ہے۔ اس کو یہ نہیں کہا کہ تم اپنی اونٹنیاں لے جاؤ بلکہ اس کو ”أسوة للغرماء“ قرار دیا۔

اس سے حنفیہ کا استدلال ہے اور یہ اصل استدلال اصول کلیہ سے ہے۔ وہ یہ کہ بیع ہوتے ہی بیع بائع کے ضمان سے نکل جاتی ہے اور مشتری کی ملکیت میں آ جاتی ہے اور بائع کا کوئی حق سوائے معاہدہ شکن کے بیع پر قائم نہیں رہتا۔ اور یہ اصول ”الخبراج بالضمان“ والی حدیث سے بھی ثابت ہے کہ وہ بیع اب مشتری کے ضمان میں آگئی اور بیع کے تمام حقوق مشتری کی طرف منتقل ہو گئے۔ بائع کے لئے صرف اتنا ہے کہ وہ بیعے کا مطابہ کرے، لہذا اب وہ اس میں دوسرے دینیں کے مساوی ہے۔

حدیث باب کا جواب

جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے اس کے بارے میں حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ بیع پر نہیں ہی نہیں بلکہ اس سے مقصود یعنی کسی نے کوئی چیز غصب کر لی، عاریت رکھوائی، عاریت لے لی ”یا مقبوض علی سوم الشراء“ وغیرہ مراد ہے یعنی اس مفلس شخص نے کسی کا مال غصب کر کے رکھا ہوا تھا تو اب مقصود منہ کو حق حاصل ہے کہ اگر بعینہ وہ مال مل گیا تو اٹھا کے لے جائے۔ کسی نے مفلس کے پاس عاریت رکھا ہوا تھا تو منہ کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی چیز کو اٹھا کے لے جائے۔ کسی نے منس و عاریت کوئی چیز عاریت لے کر منہ کو حق حاصل ہے کہ وہ اٹھا کر لے جائے ”یا مقبوض علی سوم الشراء“ تھی (”مقبوض علی سوم الشراء“ اس کو کہتے ہیں کہ ابھی سودا نہیں ہوا، بیع منعقد نہیں ہوئی تھی۔ بائع نے اس کو چیز دی کہ اس کو دیکھ لو اگر چاہو تو خرید لینا ورنہ واپس کر دینا) وہ ابھی رکھی ہوئی تھی کہ وہ مفلس ہو گیا تو اب تک حق ادا ہے کہ وہ اسے کہ

۱۔ تکملہ فتح الملہم، ج ۱، ص: ۴۹۳، و حرج عبدالرزاق فی مصنفہ، ح ۸، ص: ۲۶۶، رقم: ۱۵۱۶۹

ابھی سے جاتا ہوں اس لئے کہ ابھی تک بیع نہیں ہوئی۔ تو حدیث میں یہ مراد ہے، اور یہی بات بعینہ مستدرک حاکم میں سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مصرح ہے، اس میں الفاظ یہ ہیں کہ اگر کسی کا مال چوری یا غصب ہو گیا، پھر اسے اپنا مال بعینہ مفلس کے پاس مل گیا تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔^{۱۱}

آپ دیکھیں گے حدیث باب میں کہ اس میں ”من أدرك ماله بعينه“ کے الفاظ ہیں اس میں بیع کا ذکر نہیں۔ کوئی شخص بعینہ اپنا مال کسی شخص کے پاس پالے اور بعینہ مال کے پالنے کی صورت یہی ہے کہ کسی نے غصب کر لیا، عاریت یا ودیعت رکھوائی تب تو کہیں گے مالہ بعینہ لیکن اگر بیع کر دی تو وہ مال اب ہائج کا تو نہ رہا اور یہاں صرف مالہ نہیں ہے بلکہ بعینہ کا لفظ موجود ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ تبدل ملک سے تبدل عین ہو جاتا ہے تو اگر ملک تبدیل ہو گئی تو بعینہ اس کا نہیں کہہ سکتے، لہذا اس حدیث کو غصب، ودیعت، عاریت اور مقصوب ”علی سوم الشراء“ پر محمول کیا جائے گا۔

اعتراض

بعض شافعیہ اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے بعض طرق میں لفظ بیع کی صراحت ہے کہ کسی شخص نے بیع کی اور وہ بیع بعینہ اس نے پالی تو پھر اس کا بھی یہی حکم ہوگا؟

احناف کی طرف سے جواب

احناف اس کے دو جواب دیتے ہیں:

ایک جواب تو یہ ہے کہ اس حدیث کے اکثر طرق میں بیع کا لفظ نہیں ہے۔ میں نے ”تکملة فتح الملہم“ میں اس حدیث کے سارے طرق جمع کئے ہیں کہ کن کن حضرات نے یہ حدیث روایت کی ہے سوائے چند طرق کے سارے کے سارے طرق ایسے ہیں جن میں بیع کا لفظ نہیں ہے اور اس میں احتمال کی گنجائش بھی ہے کہ اصل حدیث میں بیع کا لفظ نہیں تھا کسی راوی نے اپنی فہم پر اس کو بیع پر محمول کیا اور بالمتنی روایت کرتے ہوئے اس میں لفظ بیع کا اضافہ کر دیا۔^{۱۲}

دوسرا جواب بعض حضرات یہ دیتے ہیں کہ اگر لفظ بیع والی حدیث کو تسلیم کر لیا جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ بیع استعمال فرمایا تھا تب بھی اس کی دو توجیہات ہو سکتی ہیں:

ایک توجیہ یہ ہے کہ اس سے مراد ”مقبوض علی سوم الشراء“ ہے اور اس پر لفظ بیع کا اطلاق

۱۱۔ إذ ضاع لاحدكم متاع أو سرق له متاع فلو حده في يد رجل بعينه فهو أحق به ويرجع المشتري على البائع باليمن (سنن

الکبریٰ للبیہقی، فی کتاب التفلیس، باب العہد ورجوع المشتري بالدرک، ج ۲، ص ۵۱، رقم ۱۱۰۵۸)

۱۲۔ تکملة فتح الملہم ج ۱، ص ۳۹۷

کر دیا گیا۔

دوسری توجیہ جو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اختیار کی ہے کہ یہ حکم آنحضرت ﷺ نے دیانت کا دیا ہے، قضا کا نہیں دیا۔ دیناً ایسی صورت میں مشتری پر واجب ہے کہ جب پیسے نہیں دے سکا تو بیع واپس کر دے اور دیناً بائع کو حق حاصل ہے کہ مشتری سے جا کر کہے کہ تم مجھے اپنی چیز دے دو پھر لوگ تمہارے پاس آجائیں گے اور غرماء بھی آجائیں گے تو میرا مال ضائع ہو جائے گا۔ لہذا تم مجھے پہلے دے دو۔ دیناً اس سے پہلے مطالبہ کر لے اور آپس میں ان کے لئے جائز ہے کہ یہ معاملہ کر لیں۔

اور اگر معاملہ قاضی کے پاس پہنچ گیا تو قاضی وہی فیصلہ کرے گا جو اصول کے مطابق ہے اور وہ ”امسوة للغرماء“ ہوگا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بھی یہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا۔^{۳۱}

حنفیہ کی قابل استدلال روایت

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یہ مسئلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا ”امسوة للغرماء“ مگر ساتھ ہی ابن حزم رحمہ اللہ اعترض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس روایت کو بیان کرنے والے خلاص کا سامع حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہیں ہے، لہذا یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں حالانکہ خود علامہ ابن حزم نے بہت سی جگہوں میں خلاص عن علی رضی اللہ عنہ کی روایتوں سے استدلال کیا ہے، لہذا یہ حنفیہ کے ہاں قابل استدلال ہے۔^{۳۲}

سوال:

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ دیناً مشتری کو چاہئے کہ وہ بیع کو بائع کے پاس لوثا دے تو یہ دیناً بھی کیسے جائز ہوگا جبکہ دوسرے ”غرماء“ کا حق بھی اس متعلق ہو گیا تو پھر اس کا دیناً بھی جائز نہ ہونا چاہئے کیونکہ اپنی ملک میں ہو تو دیدے جب دوسرے ”غرماء“ کا حق متعلق ہو گیا تو بائع کو کیسے دے گا؟

جواب:

جواب یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے قول کے مطابق دوسرے غرماء کا حق قضاء قاضی کے بعد متعلق ہوگا۔ قضاء قاضی سے پہلے ”غرماء“ کا حق متعلق نہیں ہوتا، لہذا دیناً دینے کی گنجائش ہے۔ حضرت شاہ

^{۳۱} حمدۃ القاری، ج: ۹، ص: ۱۲۰.

^{۳۲} فالجواب عندی أن مافی الحدیث مسئلۃ الدیانۃ دون القضاء، ویجب علی المشتري دیالۃ أن یأدر بسلعته فیردها إلی

البائع قبل أن یرفع أمره إلی القضاء، فبحکم بالامسوة، (لمض الباری، ج: ۲، ص: ۳۱۳).

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا یہی حاصل ہے۔

غرماء میں تقسیم کا طریقہ

تقسیم میں تناسب کا خیال رکھا جائے گا۔ پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ لوگوں کے ستنے قرضے ہیں۔ کسی کا قرضہ ایک لاکھ، کسی کا پچاس ہزار اور کسی کا قرضہ پچیس ہزار ہے تو اب جو مستقرض کی املاک کی قیمت حاصل ہوگی اس میں تناسب کا خیال رکھیں گے۔ پچیس ہزار والے کو سب (ساتواں حصہ) پچاس ہزار والے کو دو سب (ساتویں کا ڈبل) اور ایک لاکھ والے کو چار سب نہیں گے۔

”وقال الحسن : إذا أفلس وتبين لم يجز عتقه ولا بيعه ولا شراؤه . وقال سعيد بن المسبب : لفضى عثمان : من اقتضى من حقه قبل أن يفلس فهو له ومن عرف معاہه بعينه فهو أحق به“.

حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب کوئی آدمی مفلس ہو جائے اور پتہ چل جائے کہ یہ مفلس ہو گیا ہے تو اب اس کا حقیق کرنا بھی جائز نہیں یعنی خود اس کا کوئی غلام ہے تو اس کو آزاد کرنا چاہے تو آزاد نہیں کر سکتا اور اسی طرح وہ کسی سے بیع و شراہ بھی نہیں کر سکتا۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ جو شخص مدیون کے مفلس ہونے سے پہلے اپنا حق وصول کر لے یعنی ابھی مفلس ہونے کا اعلان نہیں ہوا تھا، اس سے پہلے کوئی آدمی اپنا حق وصول کر کے لے گیا تو وہ اس کا ہے اور اگر کوئی آدمی چا کر اپنا مال بیع نہ پہچان لے تو وہ زیادہ حق دار ہوگا۔ ہم (احناف) کہتے ہیں کہ عقود و دائع، عواری وغیرہ میں یہ بات درست ہے لیکن بیع میں درست نہیں۔

”وقال أبو عبد الله هذا الإسناد كلهم كانوا على القضاء يحيى بن سعيد وأبو بكر بن محمد وهم بن عبد العزيز وأبو بكر بن عبد الرحمن وأبو هريرة كانوا كلهم على المدينة“

هذا الإسناد كلهم كانوا على القضاء

آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند میں سب قاضی ہیں یعنی زہیر سے اوپر جتنے

۱۔ فان قتادة روى عن حلاس بن عمرو عن علي أنه قال هو أسوة الغرماء إذا وحدها بعينها الخ . واعلم أن الحنفية

قد اعتمدوا عن العمل بأحاديث الباب باعتبار كلها وأهمية الخ . (تحفة الأحمدي بشرح جامع الترمذی کتاب

البيوع عن رسول الله ، رقم ۱۱۸۳، وعون المعبود شرح سنن أبي داود ، كتاب البيوع ، رقم ۳۰۵۳)

۲۔ تکملة فتح الملمہ ، ج ۱ ص ۴۹۶

ہیں۔ یحییٰ بن سعید انصاری، ابو بکر بن محمد بن عمر بن حزم، عمر بن عبدالعزیز، ابو بکر بن عبد الرحمن بن الی رث اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ سب قاضی ہیں، سب نے قضا کے فیصلے کئے ہیں۔ یہ ایسی اسناد ہیں کہ جس میں سب قاضی ہی قاضی ہیں۔

(۱۵) باب من آخر الغريم إلى الغد أو نحوه ولم ير ذلك مطلا

”وقال جابر: اشتد الغرماء في حقوقهم في دين أبي فسألهم النبي ﷺ أن يقبلوا ائتمرا حائطي لئلا يفلتم يعطهم الحائط ولم يكسره لهم، وقال: ”ساغدو عليكم غدا“ فغدا علينا حين أصبح فدعا في ثمرها بالبركة فقتضيتهم“

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی مدیون کو یہ کہنا کہ آج کے بجائے کل لے جا تا کسی حاجت کی وجہ سے، تو یہ مظل میں داخل نہیں۔ اگر دینے کا ارادہ ہی نہیں ہے، ویسے ہی ٹاں منول کر رہا ہے، تو اس صورت میں یہ مظل میں داخل ہوگا۔

(۱۶) باب من باع مال المفلس أو المعدم فقسمه

بين الغرماء أو أعطاه حتى ينفق على نفسه

۲۴۰۳۔ حدثنا مسدد: حدثنا يزيد بن زريع: حدثنا حسين المعلم: حدثنا عطاء بن أبي رباح عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما قال: اعترق رجل غلاما له عن دبر، فقال النبي ﷺ ”من يشتره مني؟“ فاشتراه نعيم بن عبد الله فأخذ منه فدفعه إليه.“ [راجع: ۲۱۴۲]

یہ ترجمہ الباب قائم کیا کہ جو مفلس کا مال فروخت کرے وہ قیمت کو یا تو غرماء میں تقسیم کر دے، یا اسی مدیون مفلس کو دیدے تاکہ اپنی ذات پر خرچ کرے، اس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو مدبر بنایا تھا تو نبی کریم ﷺ ”من يشتره مني“ کہہ کر اس کا غلام خرید لیا اور اس کا ثمن لے کر اسی (مدیون) کو لوٹا دیا۔

اپنا اور بیوی بچوں کا حق غرماء سے مقدم ہے

دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان صاحب نے جو غلام مدبر بنایا تھا ان کے پاس سوائے اس غلام کے اور مال تھا ہی نہیں اور اس کو مدبر بنا دیا جس سے اپنے نفس اور اپنے اہل کا حق فوت ہو گیا۔
ب کوئی اور مال نہیں ہے تو کھائے گا کہاں سے؟ اپنے بچوں کو کھلائے گا کہاں سے؟ اس واسطے حضور

اکرم ﷺ نے اس مدبر کو فروخت کر دیا ورفروخت کرنے میں ان کو لونادی کہ یہ خود کھیا اور اپنے گھر والوں کو کھلاؤ تو یہاں ان کا اپنا نفس اور ان کے گھر والے غرماء کے قائم مقام تھے، کیونکہ ان کا حق مقدم تھا۔ اس واسطے نبی کریم ﷺ نے وہ مال لے کر بیچا اور اس کا ثمن ان کو لونادیا۔

وجہ استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسا کام کرے کہ جس سے بچے نفس یا اپنے اہل و عیال کا حق فوت ہو رہا ہو تو امام کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کو فروخت کر کے اس کا ثمن واپس اسی کو دیدے تاکہ یہ اپنے نفس اور اپنے اہل و عیال کا حق ادا کر سکے۔ لہذا جب اپنے نفس اور اہل عیال کے حق کو ادا کرنے کے لئے کسی کے مال کو بیچا جا سکتا ہے تو اگر غرماء دوسرے ہوں تو بطریق اولیٰ دوسرے کا مال بیچا جا سکے گا۔ علیٰ ترجمۃ الباب میں ”من باع مال المفلس“ کہا اور یہ بظاہر تقسیم غرماء میں نہیں ہے بلکہ تقسیم غرماء بطور دلالت النص ہے۔

”او اعطاه حتی یسفق علی نفسه“ یا اس کو دیدے تاکہ اپنے اوپر خرچ کرے۔ یہاں اصل میں ہوا یہ تھا کہ اس شخص نے جو غلام مدبر بنایا تھا، تو اس سے انہوں نے اپنا اور گھر والوں کا حق فوت کیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے مال بیچ کر انہی کو لونادیا کہ اپنا حق ادا کرو۔ تو جب اپنا حق ادا کرنے کے لئے بیچنے کی اجازت ہے تو باہر کے غرماء کا حق ادا کرنے کے لئے بیچنے کی بطریق اولیٰ اجازت ہوگی۔

(۱۷) باب إذا أقرضه إلى أجل مسمى أو أجله في البيع

”وقال ابن عمر لى القرض إلى أجل : لأبأس به ، وإن أعطى الفضل من دراهمه مالم يشترط وقال عطاء وعمرو بن دينار : هو إلى أجله في القرض“

۲۳۰۳۔ وقال الليث : حدثني جعفر بن ربيعة ، عن عبد الرحمن بن هرمز ، عن أبي هريرة ؓ عن رسول الله ﷺ أنه ذكر رجلا من بني إسرائيل سأل بعض بني إسرائيل أن يسلفه فدفعها إليه إلى أجل مسمى ، فلذكر الحديث . [راجع : ۱۲۹۸]

اگر کوئی معین مدت کے لئے قرض دے یا بیچ میں ثمن مؤجل کر دے تو جہاں تک ثمن مؤجل کرنے کا تعلق ہے اس کا جواز تو مجمع علیہ ہے لیکن جو پہلا جز ہے ”اذا أقرضه إلى أجل مسمى“ یعنی قرض کے

اندر کوئی اجل متعین کرنے کا اس بارے میں فقہاء کے اندر اختلاف ہے۔^{۱۸}

امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا مسلک

امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تینوں بزرگوں کے نزدیک قرض تا جیل کو قبول نہیں کرتا جس کے معنی یہ ہیں کہ قرض اگر کسی معین مدت تک کے لئے دیا گیا ہو تب بھی مقرض کو قضاء یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس مدت سے پہلے جب چاہے قرض وصول کر لے یعنی پہلے قرض کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرض تا جیل کو قبول کرتا ہے جس طرح بیع مؤجل ہو سکتی ہے۔ اسی طرح قرض بھی مؤجل ہو سکتا ہے اور اگر قرض میں کوئی مدت مقرر کر دی تو اس سے پہلے مقرض کو مطالبہ کا حق نہیں، نہ قضاء نہ دیا جاتا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی تائید

امام بخاری رحمہ اللہ اس مسئلہ میں امام مالک کی تائید کرنا چاہتے ہیں اور امام مالک کے مذہب کو اختیار کر رہے ہیں کہ قرض مؤجل ہوتا ہے۔

”وقال ابن عمر في القروض إلى أجل: لا بأس به، وإن أعطى الفضل من دراهم ما لم يشعروا“.

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا قرض الی اجل کے بارے میں، فرمایا کہ چاہے بعد میں وہ اچھے دراہم اور بہتر دراہم دیدے اس میں کوئی حرج نہیں جب تک عقد قرض میں زیادتی کی شرط نہ ہو۔ اب یہ جو فرمایا ”لا بأس بہ“ ہو سکتا ہے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مذہب وہی ہے جو امام مالک اور امام بخاری کا ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر قرض میں کوئی اجل کا ذکر کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں وہ ایک وعدہ کی طرح ہوگا کہ بھیجی میں تمہیں ایک مہینہ کے لئے ادھار دیتا ہوں، قرض دیتا ہوں تو یہ ایک وعدہ ہوگا۔ قضاء تو دائن ہر وقت مطالبہ کر سکتا ہے لیکن وعدہ کر لیا کہ میں ایک مہینہ تک مطالبہ نہیں کروں گا تو دیا جاتا اس کو چاہئے کہ وہ ایک مہینہ سے پہلے مطالبہ نہ کرے اگر اس سے پہلے مطالبہ کرے تو وعدہ خلافی ہوگی اور ہم بھی

۱۸. وهذا لازم بالاتفاق، فإنه من المعارضات، بخلاف الأول، فإنه كان من باب المعروضات. (فيض

کہتے ہیں کہ وعدہ خلافی ہوگی۔ اس واسطے مطالبہ کرنا دیا تا مناسب نہیں ہے، جائز نہیں ہے لیکن قضاء اسے مطالبہ کا حق حاصل ہے ہو سکتا ہے ”لاباس بہ“ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مطلب بھی یہی ہو۔

”وقال عطاء وعمر بن دینار: هو الی أجله فی القرض“

عطاء بن ابی رباح اور عمر بن دینار کا کہنا یہ ہے کہ جب قرض میں اجل لگائی ہے، تو اس سے قبل مطالبہ کا حق نہیں ”وقال الملیث: حدثنی جعفر بن ربیعہ.....“

یہ وہی کبڑی بہانے والا واقعہ ہے اس میں جو قرضہ دیا تھا وہ ”الی أجل مسمی“ دیا تھا۔ تو امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ اجل شرط تھی، مقبول تھی قضاء معتبر تھی اور حنفیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ وعدہ تھا نہ کہ بطور شرط۔

سوال: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اجل بطور وعدہ ہونے کی دلیل کیا ہے؟

جواب: دلیل ایک تو یہ آثار ہیں اور دوسرا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی نفع نہیں ہے، کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جو یہ کہے کہ قرض میں دیتے وقت وعدہ نہیں کر سکتا۔ اور جمہور کا کہنا یہ ہے کہ قرض جو ہے ایک تبرع ہے عقد معاوضہ نہیں اور اجل جو قرض میں ہوتی ہے وہ عقد معاوضہ میں ہوتی ہے نہ کہ عقد تبرع میں۔

۲۴۰۸۔ حدثنی عثمان: حدثننا جریر، عن منصور، عن الشعبي، عن وراذ مولی

المغيرة بن شعبة، عن المغيرة بن شعبة قال: قال النبی ﷺ ان الله حرم عليكم حقوق الامهات، وواد البنات، ومنع رهات وكره لكم قيل وقال، وكثرة السؤال، واضاعة المال [راجع: ۸۴۳]

اس حدیث میں جو ”منع وهات“ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کے حقوق کو منع کریں ادا نہ کریں اور جب اپنا حق لینے کا معاملہ آئے تو کہتے ہیں کہ لاؤ یعنی یہ وہی بات ہے جو قرآن کریم میں بیان کی گئی ہے ﴿الَّذِينَ إِذَا اُتُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَاِذَا سَأَلُوهُمْ اَوْوَدُّوْهُمْ يُنْحَسِرُوْنَ ۝﴾

”وكره لكم قيل وقال وكثرة السؤال“

اور ”قيل وقال“ سے بھی منع فرمایا، بلا وجہ کا مباحثہ جس میں ساری قوم جھٹلا ہے۔ بلا وجہ کا بحث و مباحثہ جس کا کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلتا، ایسے معاملات میں بحث و مباحثہ کرنا جس کے اندر شریعت نے آپ کو کسی چیز کا پابند نہیں کیا، آپ سے آخرت میں سوال نہیں ہوگا اس میں قیل وقال سے منع فرمایا۔ اور کثرت سے سوال کرنا یعنی ایسے سوال جن کا آپ کی عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں تو ان فضولیات میں وقت ضائع کرنے سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا۔

موضوع ترجمہ واضاعة المال

یہاں اس حدیث کو لانے کا منشاء یہی آخری لفظ ہے اور اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات

پر استدلال کیا ہے کہ سفیہ پر حجر (روک) کیا گیا جاسکتا ہے۔ قاضی ایسے شخصوں کو جو سفیہ ہوا ذرا مال ضائع کرتا پھرتا ہو اس پر حجر کیا جاسکتا ہے کہ آئندہ تم فلاں سے پوچھے بغیر خریداری نہیں کرو گے وغیرہ وغیرہ۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ عاقل بالغ پر حجر نہیں ہوتا۔

صاحبین رحمہما اللہ کا قول

صاحبین رحمہما اللہ کا قول یہ ہے کہ حجر ہو سکتا ہے۔

جمہور کا قول

جمہور کا بھی یہی قول ہے اور فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا قول مختار

اسی کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے اور اضاحت مال کی حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں اضاحت مال سے منع یا ایسا ہے اور قاضی ولایت رکھتا ہے اور وہ حجر عائد کر سکتا ہے۔ قرآن کریم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے یتامی کے امواں کے بارے میں فرمایا کہ:

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ
اللَّهُ لَكُمْ قِيَمًا. وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ
وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا وَابْتَلُوا الَّتِي
حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ
رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۗ﴾

ترجمہ: اور مت پکڑو بے عقولوں کو اپنے وہ مال جن کو بنایا ہے اللہ نے تمہارے گزران کا سبب اور ان کو اس میں سے کھلاتے اور پہناتے رہو اور کہو ان سے بات معقول اور سدھاتے رہو یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر کو پھر اگر دیکھو ان میں ہوشیاری تو حوالہ کر دو۔

یعنی صرف بالغ ہونے پر ان کو مت دو پہاں تک کہ ان سے رشد معصوم ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ رشد معلوم ہونے کے بعد دیا جائے گا۔ لہذا یہ قول واضح ہے۔

كتاب الخطوط

٢٤٢٥ - ٢٤١٠

تشریح

یہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان گالہ گلوچ ہو گئی یعنی ایک دوسرے کو برا بھلا مننے لگے۔ ان میں سے ایک صاحب مسلمان تھے اور دوسرے یہودی تھے۔ مسلمان نے کہا کہ قسم اس ذات کی جس سے نبی کریم ﷺ کو تمام عالموں پر فوقیت عطا فرمائی تو یہ یہودی نے کہا قسم اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام عالموں پر فوقیت عطا فرمائی تو مسلمان نے تھپہ مار دیا تو یہودی معاملہ لے کر حضور اکرم ﷺ کے پاس چلا گیا، یہاں پر اشخاص سے یہی مقصود ہے۔

”لاتخیرونی علی موسیٰ“

آپ ﷺ نے مسلمان کو بدیا اور پوچھا کیا قصہ ہے؟ تو انہوں نے واقعہ بتایا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”لاتخیرونی علی موسیٰ علیہ السلام“ مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فوقیت نہ دو۔ اس واسطے کہ قیامت کے دن سب صاعقہ کا شکار ہوں گے یعنی بے ہوش کا، میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہوں گا اور سب سے پہلے ہوش میں آنے والا میں ہوں گا۔ جب میں ہوش میں آؤں گا تو اچانک موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑنے بکھڑے نظر آئیں گے۔ مجھے پتہ نہیں کہ وہ بھی بے ہوش ہونے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ جل جلالہ نے بے ہوش سے مستثنیٰ کر دیا اور بے ہوش نہیں ہوئے تو اس واسطے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ ایک فضیلت حاصل ہے تو مجھے ان پر فوقیت نہ دو۔

۲۴۱۲ - حدثنا موسى بن إسماعيل : حدثنا وهيب : حدثنا عمرو بن يحيى عن أبيه ، عن أبي سعيد الخدري ، قال : بينا رسول الله ﷺ جالس جاء يهودي فقال : يا أبا القاسم ، ضرب وجهي رجل من أصحابك ، فقال : من ؟ قال رجل من الأنصار . قال : ادعوه ، فقال : أضرِبته ؟ قال : سمعته بالسوق يحلف والذي اصطفي موسى علي البشر قلت : أي خبيث علي محمد ﷺ ؟ فأخذتني غضبة ضربت وجهه . فقال النبي ﷺ : ((لاتخيروا بين الأنبياء إن الناس يصعقون يوم القيامة فأكون أول من تنشق عنه الأرض فإذا أنا بموسى أخذ بقائمة من قوائم العرش ، فلا أدري أكان فيمن صعق ، أم حوسب بصعقة الأولى)) . [أنظر : ۳۳۹۸ ، ۳۶۳۸ ، ۶۹۱۶ ، ۶۹۱۷ ، ۷۴۲۷] ۴

۴ - و صحیح مسلم ، کتاب الفضائل ، باب من فضائل موسی ، رقم ۴۳۷۸ ، و سنن ابی داؤد ، کتاب السنۃ ، باب فی التحییر بین الأنبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ، رقم ۴۰۳۸ ، و مسند أحمد ، باب مسند ابی سعید الخدري ، رقم ۱۰۸۳۵ ، ۱۰۸۵۶ ، ۱۰۹۳۸ .

یہاں دو مسئلے ہیں

ایک مسئلہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک روایت میں فرمایا کہ ”لا تخبرونی“ حالانکہ دوسری روایت میں خود ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”انا سید ولد آدم“ اور یہ واقعہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت حاصل ہے، جب فضیلت حاصل ہے تو آپ ﷺ نے اس فضیلت کو بیان کرنے سے منع کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض نے کہا کہ تو اضعاف آپ ﷺ نے ایسا فرمایا لیکن زیادہ صحیح بات مجھے یہ معلوم ہوتی ہے کہ مقصود درحقیقت یہ ہے کہ فی نفسہ نبی کریم ﷺ کو تمام انبیاء پر فضیلت حاصل ہے لیکن اس فضیلت کا بکثرت ذکر کرتے رہنا بسا اوقات دوسرے انبیاء علیہم السلام کے احترام کے منافی ہو جاتا ہے۔

جب دو چیزوں میں تفصیل دی جاتی ہے تو جو مفضول ہوتا ہے اس کے احترام کے خلاف کوئی بات زبان سے نکل ہی جاتی ہے جیسے واعظین کی عادت ہے کہ بڑی لمبی چوڑی تقریریں کرتے ہیں کہ دیکھو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ”لا تحزن ان اللہ معنا“ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ”ان معی رہی سیہدین“ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا نام سیا اور نبی کریم ﷺ نے معنا فرمایا یعنی امت کو شامل کیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کیا، تو یہ سب واعظین اس طرح کی باتیں کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس نبی کے بارے میں مفضولیت کا دعویٰ کیا جا رہا ہے اس کے احترام کے خلاف ہے، اس واسطے خواہ مخواہ اس بحث میں پڑنے کی ضرورت کیا ہے!

”التطبیق بین لا تخبروا وانا سید ولد آدم“

ٹھیک ہے یہ بات مسلم ہے کہ عقیدے کے مطابق نبی کریم ﷺ افضل المخلوق اور افضل الانبیاء ہیں۔ اب تفصیلات حضور اکرم ﷺ فرما رہے ہیں کہ تم میرا دوسرے انبیاء کرام سے موازنہ اس انداز سے نہ کرو کہ دوسرے انبیاء کی معاذ اللہ تحقیر کا شائبہ پیدا ہو، یا اس میں جھگڑے نہ کرو یہ ایسی جھگڑنے والی بات نہیں ہے کیونکہ کسی نہ کسی نبی کو بعض اوقات کوئی جزوی فضیلت حاصل ہوتی ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے۔ اس واسطے خواہ مخواہ اس موضوع کو موضوع بحث بنانا جسے کسی نبی کی شان میں احترام کی کمی کا شائبہ ہو یہ مناسب نہیں، یہ مقصد ہے ”لا تخبرونی علی ان لا تفضلونی علی الانبیاء“ کا۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا ”لا یقول: انا خیر من یونس بن متی“ مجھے یونس بن متی سے بھی بہتر مت کہو کیونکہ جب تم کہو گے تو حد و درمیں قائم نہ رہ سکو گے۔ اور اس میں اندیشہ ہے کہ کسی نبی کی شان میں کوئی بات اس کے خلاف نکل جائے۔^۱

”فان الناس یصعقون یوم القیامة فا کون اول من تنشق عنه الارض فاذا انا

بموسیٰ.....“

دوسرا مسئلہ جس میں شراح حدیث بڑے پریشان اور سرگرداں ہوئے وہ صعقہ والا مسئلہ ہے۔ قیامت کے دن یہ صعقہ ہوگا اور سب پر طاری ہوگا اور مجھ پر بھی طاری ہوگا پھر سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔ قیامت کے دن جب صور پھونکا جائے گا تو جتنے لوگ اس وقت زندہ ہوں گے سب پر صعقہ طاری ہوگا جس پر ان کو موت آجائے گی اور ”افاقہ“ سے مراد ہے کہ جب دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

اشکال:

اس تقدیر پر اشکال ہوتا ہے کہ جس وقت قیامت کے دن صعقہ آئے گا تو وہ سب زندوں پر ہوگا اور جن کے اوپر موت طاری ہو چکی (دنیا میں) وہ تو پہلے ہی سے میت ہیں ان پر دوبارہ صعقہ آنے کے کیا معنی اور پھر حضور اکرم ﷺ کا یہ کہنا کہ میں سب سے پہلے زندہ ہوں گا یا سب سے پہلے افاقہ مجھے ہوگا اس کا کیا مطلب ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر موت ہی طاری نہیں ہوئی تو پھر موسیٰ علیہ السلام کو مستثنیٰ کہنے کا کیا معنی؟

جواب:

شرح نے اس میں لمبی چوڑی بحثیں کی ہیں لیکن حقیقت میں کوئی اشکال کامل نہیں، حقیقت حال یوں ہے کہ اس صعقہ سے مراد وہ صعقہ ہے جو کہ احیاء پر بھی آئے گا اور اموات پر بھی آئے گا۔ احیاء پر اس طرح آئے گا کہ ان پر موت طاری ہو جائے گی اور اموات پر اس طرح کہ ان کی حیات برزخیہ جو کچھ بھی ہے یعنی ان کی جو ارواح ہیں ان پر بھی صعقہ طاری ہوگا کہ عالم برزخ میں ان کو جس درجہ کی حیات حاصل تھی وہ بھی سلب کر لی جائے گی۔

حیات برزخیہ کے بھی کئی درجات ہوتے ہیں:

عام مسلمانوں کے، شہداء کے اور انبیاء، ائمه علیہم السلام کے الگ الگ لیکن فی الجملہ حیات برزخیہ موجود ہے، روح فنا نہیں ہوتی، لہذا جن کو حیات برزخیہ حاصل ہے ان کی روح بھی سلب کر لی جائے گی اور پھر جو افاقہ ہوگا وہ بھی اسی حساب سے ہوگا کہ جو احیاء تھے اور موت طاری ہوئی تھی وہ دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور جن کو حیات برزخیہ حاصل تھی اور وہ سلب کر لی گئی تھی ان کو پھر دوبارہ حیات عطا فرمادی جائے گی اور حیات اب مع اجسم ہوگی۔ اس لئے کوئی اشکال کی بات نہیں۔

بعض لوگ اس حدیث کی بناء پر کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام پر موت طاری ہی نہیں ہوئی یہ بات خلاف ہدایت اور خلاف واقعہ ہے۔

اب جو حضور اکرم ﷺ فرما رہے ہیں کہ میں سب سے پہلے افاقہ پانے وال ہوں گا لیکن موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوئے نظر آئیں گے۔

اس کی توجیہ یہ ہے کہ یا تو ان پر صعقہ طاری ہی نہیں ہوا یعنی ان کی حیات برزخیہ بدستور باقی رکھی گئی

یا طاری ہوا لیکن مجھ سے پہلے افاقہ ہوگی۔ یہ فضیلت جزئیہ ان کو حاصل ہے۔

اس روایت میں جو سب ”بصعقته الاولى“ کا مطلب علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ کوہ طور پر صعقہ آپ پر ہوگی تھی تو اللہ ﷻ نے اس کا بدلہ ان کو یہ عطا فرمایا (واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم) باقی اس کی حقیقت کیا ہے کئی بات تو یہ ہے کہ ہم ادراک کرنے کے اہل ہی نہیں ہیں کہ صعقہ کیسا ہوگا اور اس کے افاقے کی کیا کیفیت ہوگی اور اس کی زیادہ تحقیق میں پڑنے کی ضرورت بھی نہیں، ہماری محدود عقل اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔

یہ جو کہا کہ مجھے سب سے پہلے افاقہ ہوگا، مطلب یہ ہے کہ میرے گمان کے مطابق میں سب سے پہلے کھڑا ہوں گا لیکن جہ کے دیکھا تو وہ موسیٰ علیہ السلام کھڑے تھے تو معلوم ہوا کہ وہ پہلے ہیں۔

۲۴۱۳۔ حدثنا موسیٰ : حدثنا حمام ، عن قتادة ، عن انس بن مالك : ان يهود يارض رأس جارية بين حجرين ، قيل : من فعل هذا بك ؟ أفلان أفلان ؟ حتى سمى اليهودي فأومات برأسها ، فأخذ اليهودي فأعترف فأمر به النبي ﷺ فرض رأسه بين حجرين . [انظر: ۲۷۳۶ ، ۵۲۹۵ ، ۶۸۷۶ ، ۶۸۷۷ ، ۶۸۷۹ ، ۶۸۸۳ ، ۶۸۸۵] ۵

یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے ایک جاریہ کا سر پتھروں میں پھینک دیا، پھر آپ ﷺ نے بھی قصاص اس کا سر پھینکا۔ اس میں جو قصاص سے متعلق موضوعات ہیں ان کا بیان ان شاء اللہ حدود و قصاص میں آئے گا۔ یہاں مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمان اور یہودی کے درمیان خصومت جس کا ذکر ترجمۃ الباب میں ہے وہ یہاں پائی گئی۔

(۲) باب من رد أمر السفیه والضعیف العقل ،

وإن لم یکن حجر علیہ الإمام

”وإذا كفر عن جابر رضي الله عنه أن النبي ﷺ رد على المتصدق قبل النهي ثم نهاه. وقال

مالك : إذا كان لرجل على رجل مال وله عبد ولا شيء له غيره فاعتقه لم يجز عتقه“.

۵۔ وفي صحيح مسلم ، كتاب القسامة والمحاربه والقصاص والديات ، باب ثبوت القصاص في القتل بالحجر وغيره من النحدودات ، رقم ۳۱۶۷ ، ۳۱۶۵ ، وسنن الترمذی ، كتاب الدیات عن رسول الله ، باب ماجاء فيمن رمخ رأسه بصخرة ، رقم ۱۳۱۳ ، وسنن النسائي ، كتاب القسامة ، باب القود من الرجل للمرأة ، رقم ۳۷۵۹ ، ۳۷۶۰ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الدیات ، باب يقاد من القاتل ، رقم ۳۹۲۳ ، ۳۹۲۶ ، ۳۹۳۱ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الدیات ، باب يقاد من القاتل كما قتل ، رقم ۲۶۵۵ ، ۲۶۵۶ ، ومسند أحمد ، باب مسند انس بن مالك ، رقم ۱۲۴۸۷ ، ۱۲۴۸۸ ، ۱۲۵۳۶ ، ۱۲۶۳۳ ، ۱۳۲۵۹ ، ۱۳۳۳۷ ، وسنن الدارمی ، كتاب الدیات ، باب كيف العمل في القود ، رقم ۲۲۳۹

۶۔ والجواب عن الرض أنه كان تعزيراً ، وسبابة (فيض الباری ، ج ۳ ، ص ۳۲۰)

ترجمہ الباب میں سفیہ کے معاملات کا حکم بیان کرنا مقصود ہے (سفیہ کے متقی ہیں بیوقوف) جو آدمی سفیہ جو معاملات غلط کرتا ہے تو اس کے بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب

امام ابوحنیفہ اور فقہاء کرام کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ خواہ آدمی سفیہ ہی کیوں نہ ہو امام اس کے اوپر حجر عائد نہیں کر سکتا۔ برصورت میں اس کے جو تصرفات ہیں نافذ ہوں گے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حجر کے اسباب یہ ہیں کہ کوئی آدمی صبی یا مجنون ہو تب تو اس پر حجر عائد ہو سکتا ہے باقی اور کسی سبب سے حاکم بھی حجر عائد نہیں کر سکتا۔ اور یہی مسلک بعض مالکیہ کا بھی ہے۔

صاحبین اور امام شافعی رحمہم اللہ کا مذہب

امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ سفاہت کی بنا پر بھی حجر عائد کرنے کا اختیار امام نو ہے، لیکن ان تصرفات میں حجر ہو سکتا ہے جو ہزل کے ساتھ صحیح نہیں ہوتے۔ بعض تصرفات ایسے ہیں جو ہزل (ندق) میں بھی صحیح ہوتے ہیں جیسے طلاق، نکاح اور رجعت مگر "جدھن جدو ہزلہن جد" ان میں تو وہ بھی کہتے ہیں کہ حجر عائد نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے علاوہ ان تصرفات جیسے ہزل والی بیع صحیح نہیں ہوتی اس میں تصرف کے پر حجر عائد کیا جا سکتا ہے۔ صاحبین کا مسلک ہے۔

بعض مالکیہ کا مذہب

بعض مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ حجر مطلقاً عائد ہو سکتا ہے، ہر چیز میں چاہے وہ تصرفات ہزل والے ہوں یا جدو سے ہوں ہر قسم کے تصرفات پر حجر عائد ہو سکتا ہے۔

یہ تینوں مذاہب تو امام کی طرف سے حجر عائد کرنے کے ہیں۔

ایک چوتھا مذہب یہ ہے کہ چاہے امام نے حجر عائد نہ کیا ہو لیکن اگر آدمی کا سفیہ ہونا ثابت ہے اور سفیہ ہونے کی حالت میں اس نے کوئی معاملہ کر لیا جو بالکل بدیہہ البطلان ہے۔ مثلاً ایک روپے کی چیز ایک ہزار روپے میں خرید لی تو یہ بالکل بدیہہ طور پر غلط ہے اور نقصان دہ ہے۔ اس لئے امام کے حجر عائد نہ کرنے کے باوجود وہ

۱۔ وحید سحری، لسفاہة ایضاً من سباب الحجر، كما هو مذهب الصحابین، ويمكن أن يكون مذهبه أوسع

مذهب من ... (بحر عنقه) زلف مالک، خلافاً للمحنفة (فہم الباری) ج ۴، ص ۳۲۱، وفتح الباری،

ج ۴، ص ۲۲۰، وکتاب سبوع باب بیع المملوہ

صرف بھی نافذ نہیں ہوگا اور تصرف نافذ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ولی یا اس تصرف کو منع کر سکتا ہے۔
 حنا بلہ اس کو خیر مسترسل کہتے ہیں۔ خیر مسترسل یہ ہے کہ کوئی ضعیف یا بھولا بھالا، بیوقوف آدمی اگر عقد کر لے
 تو پھر اس (ولی) کو منع کا اختیار ملتا ہے چاہے امام نے اس پر حجر عام کیا یا نہ کیا۔

”باب من رد أمر السفیه.....“ سے امام بخاری اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ یہ ان
 لوگوں کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سفیہ اور ضعیف العقل کے معاملات رد کئے جائیں گے اگرچہ امام نے حجر عام نہ کیا ہو۔
 آگے اسی کی دلیل میں ”ویدکرهن جابوہ: النبی ﷺ رد علی المتصدق قبل النهی ثم
 نہاہ“ کہہ کر اس واقعہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو حضرت جابر نے روایت کیا کہ ایک شخص نے اپنے مدبر
 غلام کو آزاد کر دیا، اس شخص کے پاس سوائے اس مدبر غلام کے کوئی اور ماں نہیں تھا، اب وہی مدبر بنا یا جس کے معنی
 یہ ہوئے کہ اس نے خود اپنے نفس کا حق بھی ضائع کیا اور اپنے گھر والوں کا حق بھی ضائع کیا تو باوجود یہ کہ حضور ارم
 ﷺ نے اس شخص پر باقاعدہ حجر کا حکم نہیں لگایا تھا لیکن چونکہ اس نے تصرف یہ کیا جو بیوقوفی کا تصرف تھا اور اس
 تصرف کی وجہ سے اس نے اپنا اور اپنے گھر والوں کا حق ضائع کیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کے تصرف کو باطل کر کے
 مدبر بنانے کے باوجود اس کے غلام کو فروخت کر دیا اور متصدق پر واپس بونا دیا۔ پھر بعد میں اس کو منع کر دیا کہ آئندہ
 ایسا کام مت کرنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حجر کرنے سے پہلے بھی امام اس کے تصرفات کو ختم کر سکتا ہے۔^۵

بیع مدبر کے عدم جواز پر حنفیہ کا استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ کی اس تشریح سے بیع المدبر کے مسئلہ میں حنفیہ کی تائید ہوتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے۔
 نبی کریم ﷺ نے اس کے عقد مدبر کو ختم کر دیا، جب عقد مدبر ختم کر دیا تو اب وہ مدبر نہ رہا جب مدبر نہ رہا تو بیع
 مدبر کی نہ ہوگی بلکہ عام غلام کی بیع ہوگی۔

لہذا اشواغ وغیرہ جو مدبر کی بیع کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں ان کا استدلال اس
 وقت تام ہوگا جبکہ غلام کا مدبر ہونا ثابت ہو اور پھر بیع کی جائے لیکن یہاں امام بخاری رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ
 اس کے عقد مدبر کو ختم کر دیا۔ اس کو یہ اختیار ہی نہیں تھا کہ وہ ایسا کرے کیونکہ اول تو اس کے پاس کوئی اور ماں
 نہیں تھا، اس کے ذمہ دیون بھی اور گھر والوں کے حقوق بھی تھے تو ایسی صورت میں اس کو تہذیب کا حق
 تھا نہیں اور اس نے تہذیب کر دی تو آپ ﷺ نے اس کی تہذیب کو باطل کر کے پھر بیچا۔ تو گویا مدبر کو نہیں بیچا بلکہ عام
 غلام کو بیچا۔ لہذا اس سے شافعیہ کا بیع مدبر کے جواز پر استدلال تام نہیں ہوتا۔^۶

”وقال مالک: إذا كان لرجل علی رجل مال و له عبد و لاشئ له غیرہ

۵ تکملہ فتح الملہم، ج ۱، ص ۳۷۹

۶ وان والجوار مطلقاً ملتب الشافعی وأهل الحديث (فتح الساری ج ۵، ص ۱۶۶، کتاب لعنہ)

فاعتقه لم یجز عتقه“.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص کا دوہرے شخص کے ذمہ مال ہو اور اس کے پاس ایک غلام کے سوا کوئی اور مال نہ ہو اور وہ اس کو آزاد کر دے تو اس کا آزاد کرنا جائز نہ ہوگا، اس سے وہ استدلال کر رہے ہیں کہ باوجود یہ کہ وہ مجبور نہیں ہے لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ اس کی آزادی درست نہ ہوگی۔ ہم (احناف) اس کے اوپر ایک اضافہ کرتے ہیں کہ وہ یہ تصرف مرض الموت میں کر رہا ہو تو یہ تصرف کلی طور پر نافذ نہیں ہوگا کیونکہ اس سے ورثہ اور دائین کا حق متعلق ہو گیا لیکن اگر مرض الموت کی حالت نہیں ہے تو پھر اس کا تصرف نافذ ہو جائے گا۔

(۳) باب من باع علی الضعیف ونحوہ فدفع ثمنہ إلیہ وأمرہ

بالإصلاح والقیام بشأنہ فان المسد بعد منعه

”لان النبی ﷺ لہی عن إضاعة المال“.

فرمایا کہ جس شخص نے کسی ضعیف اہل یعنی بیوقوف وغیرہ کا مال بیچ کر اس کی قیمت اس کو ادا کر دی اور حکم دیا کہ بھی اپنا خیال رکھنا، اپنے مفادات کا خیال رکھو اور آئندہ اگر فساد پھیلے گا تو بعد میں اس کو روک دے گا اس سے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرف اشارہ ہے کہ ایک شخص کا غلام تھا مدبر آپ ﷺ نے اس کو بیچ کر قیمت اسی کو دیدی اور حکم دیا کہ آئندہ اپنے معاملات کا خیال رکھنا اگر اس کے بعد فساد پھیلے گا تو پھر روک دیں گے، تو یہ جو حجر بعد میں عائد کرنے کا حکم دیا وہ اس واسطے کہ آپ نے اضاۃ المال سے منع فرمایا ہے۔

”وقال للذی یخدع فی البیع : إذا بعت فقل : لا إخلابة ولم یأخذ النبی ﷺ ماله“.

یہ حضرت حبان بن مسلم رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ آپ نے ان سے کہا تھا کہ جب بیچ کیا کرو تو یہ کہہ دیا کرو کہ دھوکہ نہیں ہوگا، تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں جب مدبر غلام کو بیچا تو اس کا مال بیچ کر اپنے قبضے میں نہیں لیا بلکہ اسی کو واپس کر دیا اسی طرح حضرت حبان بن مسلم رضی اللہ عنہ سے مال لینے کے بجائے انہی کے تصرف میں باقی رکھا، تو معلوم ہوا کہ امام خود اپنے پاس پیسے نہیں رکھے گا بلکہ واپس کر دے گا اور اس کو نصیحت کرے گا کہ آئندہ خیال رکھے۔

(۴) باب کلام الخصوم بعضهم فی بعض

۲۴۱۹ - حدثنا عبد اللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ، عن ابن شہاب ، عن عروۃ

بن الزبیر ، عن عبد الرحمن بن عبد القاری أنه قال : سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

يقول: سمعت هشام بن حكيم بن حزام يقرأ سورة الفرقان على غير ما أقرؤها، و كان رسول الله ﷺ أقرانها وكادت أن أعجل عليه ثم أمهلته حتى انصرف ثم لبثته بردائه فجننت به رسول الله ﷺ فقلت: إني سمعت هذا يقرأ على غير ما أقرانها، فقال لي: "أرسله" ثم قال له: "أقرا" فقرأ قال: "هكذا أنزلت"، ثم قال لي: "أقرا" فقرأت فقال: "هكذا أنزلت" إن القرآن أنزل على سبعة أحرف فأقرؤوا منه ما تيسر. [أنظر: ۳۹۹۲، ۵۰۳۱، ۶۹۳۶، ۷۵۵۰] ۱

یہاں پر حدیث لانے کا منشاء یہ ہے کہ خصوم کا ایک دوسرے پر اعتراض کرنا کہ یہاں پر بھی حضرت عمرؓ اور حضرت ہشام بن حکیمؓ کے درمیان مناقشہ ہوا۔

(۵) باب إخراج أهل المعاصي والخصوم

من البيوت بعد المعرفة

"وقد أخرج عمر أخت أبي بكر حين ناحت"

۲۳۲۰۔ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا محمد بن أبي عدي، عن شعبة، عن سعد بن إبراهيم عن حميد بن عبد الرحمن، عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: ((لقد هممت أن أمر بالصلاة فتقام، ثم أخالف إلى منازل قوم لا يشهدون الصلاة فأحرق عليهم)) [راجع: ۶۳۳]

اہل معاصی کو تادیباً گھروں سے نکالنے کا حکم

یہ باب قائم کیا کہ معلونات حاصل کر لینے کے بعد اہل معاصی اور خصوم کو گھر سے نکال دینا یعنی اگر کسی شخص کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ اس نے کسی معصیت کا ارتکاب کیا ہے تو ان کو علی سبیل التادیب گھروں سے نکالا جاسکتا ہے اور اس واقعہ سے استدلال کیا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد ان کی

۱۰۔ وفي صحيح مسلم، كتاب صلوة المسافرين وقصرها، باب بيان ان القرآن على سبعة أحرف وبيان معناه، رقم: ۱۳۵۳، وسنن الترمذی، كتاب القراءة عن رسول الله، باب ماجاء ان القرآن انزل على سبعة أحرف، رقم: ۲۸۶۷، وسنن النسائی، كتاب الافتتاح، باب جامع ماجاء في القرآن، رقم: ۹۲۷ - ۹۲۹، وسنن ابی داؤد، كتاب الصلوة، باب انزل القرآن على سبعة أحرف، رقم: ۱۲۶۱، ومسند احمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب اول مسند عمر الخطاب، رقم: ۱۵۳، ۲۸۰، ۲۲۵۵، وموطأ مالك، كتاب الداء للصلوة، باب ماجاء في القرآن، رقم: ۳۲۳

ہن نوہ کر رہی تھیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو پہلے منع کر دیا جب وہ نہ مانی تو کہا کہ ان کو گھر سے نکال دو۔ تو تادیباً انہوں نے گھر سے نکالا اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شریعت کے خلاف کام کر رہا ہو اور تنبیہ کے باوجود نہ مانے تو پھر اس کو گھر سے تادیباً نکال سکتے ہیں۔

اس حدیث میں فرمایا کہ جو نمازوں میں نہیں آتے میرا دل چاہتا ہے کہ ان کے گھر جلا دوں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب جلا دیں گے تو اپنے گھروں سے نکل جائیں گے، معلوم ہوا کہ اہل معاصی کو گھروں سے نکالنا تادیباً جائز ہے۔

(۶) باب دعوی الوسی للمیت

۲۴۲۱ - حدثنا عبد الله بن محمد : حدثنا سفيان ، عن الزهري ، عن عروة ، عن عائشة رضي الله عنها : أن عبد بن زمة وسعد بن أبي وقاص اختصما إلى النبي ﷺ في ابن أمة زمة . فقال سعد : يا رسول الله ، أو صالني أخي : إذا قدمت انظر ابن أمة زمة فاقبضه فإنه ابني . وقال عبد بن زمة : أخي وابن أمة أبي ، ولد علي فراش أبي فرأى النبي ﷺ شيئا بيننا بعتبة ، فقال : "مولك يا عبد بن زمة ، الولد للفراش ، واحتجبي منه يا سودة" [راجع: ۲۰۵۳]

میت کی طرف سے وصی کا دعویٰ جائز ہے

وصی بھی میت کی طرف سے دعویٰ کر سکتا ہے۔ دعویٰ دار تو مر گیا اگر اس نے کسی کو اپنا وصی بنایا ہے تو وہ اس کی طرف سے دعویٰ کر سکتا ہے۔ یہاں اس واقعہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ان کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے وصیت کی تھی کہ تم جا کر اس عورت کے بچے کا دعویٰ کر دینا اور سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کی طرف سے دعویٰ کیا تھا جبکہ بھائی کا انتقال ہو چکا تھا۔ معلوم ہوا کہ وصی کا دعویٰ بھی معتبر ہے، باقی حدیث پیسے گزری ہے۔ تفصیل ان شاء اللہ کتاب الطلاق میں آئے گی۔

(۷) باب التوثق ممن تخشى معرفته

"وقيل ابن عباس عكرمة على تعلم القرآن والسنن والفرائض"

فساد پھیلانے والے کو قید کیا جا سکتا ہے

"معرہ کے معنی فساد؛ جس شخص سے فساد کا اندیشہ ہو اگر اس کو کھلا چھوڑا جائے تو فساد چمکائے گا تو امام

کے لئے اس کو باندھنا جائز ہے۔

اس میں اثر نفل کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قرآن کی تعلیم کے سلسلے میں حضرت عکرمہ کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی تھی۔ عکرمہ غلام تھے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آگئے تھے، انہوں نے ان کو پڑھانا شروع کیا۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ وہ میرے پاؤں میں زنجیر ڈال دیتے تھے پڑھانے کے لئے تاکہ بھاگوں نہیں۔ یہ بچے اور غلام تھے اندیشہ تھا کہ بھاگ کر اپنے آپ کو نقصان پہنچائیں گے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی نقصان ہوگا، اس واسطے زنجیر ڈال دی تھی، اسی حالت میں مجھے پڑھایا کرتے تھے معلوم ہوا کہ جس سے فساد کا اندیشہ ہو اس کو باندھنا بھی جائز ہے۔

لیکن معمول بنالینا اور ذرا سی بات پر بچوں کو باندھ، باندھ کے پڑھانا یہ ٹھیک نہیں، ہاں جہاں بہت ہی اشد حاجت ہو تو ایسا کر سکتے ہیں۔

۲۴۲۲ - حدثنا قتيبة: حدثنا الليث عن سعيد بن أبي سعيد: أنه سمع أبا هريرة رضی اللہ عنہ يقول: بعث رسول الله ﷺ غيلاً قبل نجد فجاءت برجل من بني حنيفة يقال له: ثمامة بن أثال، سيد أهل البصامة فربطوه بسارية من سواري المسجد فخرج إليه رسول الله ﷺ فقال: ((هندك يا ثمامة؟)) قال: عندى يا محمد خير، فذكر الحديث فقال: ((اطلقوا ثمامة)) (راجع: ۴۶۲)

یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے یہاں پر مقصود اس کا یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس (ثمامہ بن اثال) کو ستون سے باندھ دیا تھا اور اسی باندھنے کی وجہ سے اللہ ﷻ نے ان کے دل میں اسلام ڈالا۔

(۸) باب الربط والجس فی الحرم

واضحری نافع بن عبد الحارث داراً للسجن بمكة من صفوان بن أمية على أن عمر رضی اللہ عنہ فالبيع ببعه، وإن لم يرهن عمر فلصفوان أربع مائة دينار: وسجن ابن الزبير بمكة: ۱۱

حرم مکہ میں قید کرنے کا حکم

مکہ مکرمہ کے اندر کسی کو قید کرنا اور باندھنا، یہ باب اس لئے قائم کیا کہ بعض فقہاء کرام مثلاً طاؤس بن

۱۱ - وفی صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب ربط الاسیر وحبسه وجواز المن علیہ، رقم: ۳۳۱۰، وسنن

النسائی، کتاب المساجد، باب ربط الاسیر بسارية المسجد، رقم: ۷۰۵، وسنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی

الاسیر بوق، رقم: ۲۳۰۴، ومسند احمد، باب بالی المسند السابق، رقم: ۹۳۵۷

کیسان سے منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ مکہ مکرمہ میں کسی کو بھی قید کرنا جائز نہیں ہے ”من دخله کان امناً“ اس واسطے یہاں نہ کوئی قید خانہ ہو سکتا ہے اور نہ کسی کو قید کیا جاسکتا ہے۔ اگر کسی کو قید کرنا ہو تو حرم سے باہر لیجئے۔

جمہور فقہاء کرام کی رائے

جمہور کا قول یہ ہے کہ حرم کے اندر قتل تو جائز نہیں البتہ قید کرنے میں کوئی حرج نہیں، جب کسی کے فساد کا اندیشہ ہو تو حرم مکہ میں بھی قید کیا جاسکتا ہے۔

قید خانہ کی بنیاد

جمہور کے مذہب کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاری نے یہ اثر لے کر آئے ہیں کہ نافع بن عبد الحارث رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکہ مکرمہ میں گورنر تھے انہوں نے صفوان بن امیہ سے مکہ مکرمہ میں قید خانہ بنانے کے لئے ایک گھر خریدا تھا اس شرط پر کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بیع پر راضی ہوئے تب تو یہ بیع نافذ ہو جائے گی اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بیع پر راضی نہ ہوئے تو صفوان کو چار سو دینار دیئے جائیں گے۔

یہاں مقصود اتنی بات ہے کہ جب نافع بن عبد الحارث رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے لئے قید خانہ باقاعدہ بنانے کے لئے گھر خریدا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ مکہ مکرمہ میں قید کرنا جائز تھا، تب ہی قید خانہ بنایا جا رہا ہے اگر جائز نہ ہوتا تو پھر مکہ میں قید خانہ بنانے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

بیعانہ کی شرعی حیثیت

”بیع العربان یا بیعانہ“: بیع العربان اس بیع کو کہتے ہیں جس میں مشتری بیعانہ کے طور پر کچھ رقم بائع کو دیتا ہے اور اس میں یہ شرط ہوتی ہے کہ دیکھو میں یہ پیسے دے رہا ہوں اور ساتھ میں اپنے لئے خیاریت ہوں کہ چاہوں تو اس بیع کو قلم رکھوں اور چاہوں تو اس بیع کو قلم کر دوں۔

مگر بیع کو قلم رکھو اور نافذ نہ کرنا یا تب تو یہ رقم جس کو عربوں یا بیعانہ کی رقم کہتے ہیں جزو ذمہ بن جائے گی۔ فرض کرو کہ دس ہزار روپے کا سودا کیا اور پانچ سو روپے بیعانہ کے دیدیئے تو اس میں یہ شرط ہوتی ہے کہ اگر میں نے بیع کو نافذ کر دیا تو یہ پانچ سو روپے جزو ذمہ بن جائیں گے اور باقی ساڑھے نو ہزار روپے بعد میں ادا کروں گا اور اگر میں نے بیع کو نافذ نہ کیا تو پانچ سو روپے بیعانہ کے مشتری کے پاس سے گئے، بائع اس کا مالک ہو گیا۔ اس کو بیع العربان کہتے ہیں۔

جمہور کا مذہب

امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک یہ شرط لگانا جائز نہیں کہ اگر بیع تام نہ ہوئی

تو بائع یہ پیسے ضبط کر لے گا کیونکہ یہ پانچ سو روپے بغیر کسی عوض کے بائع کے پاس چلے گئے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب میں بیع اعرابوں جائز ہے، لہذا وہ کہتے ہیں کہ بائع جو پیسے ضبط کر رہا ہے اس کا یہ پیسے ضبط کرنا درست ہے۔

جمہور کا استدلال

جمہور کا استدلال اس حدیث سے ہے جو امام مالک نے موطا میں روایت کی کہ ”نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع العربان او العربون“ اس میں نبی کریم ﷺ کی بھی منقول ہے^{۱۲} اور پھر یہ روایت بیہقی وغیرہ کے اندر بھی آئی ہے۔ اس وجہ سے جمہور کہتے ہیں کہ یہ بیع منع ہے، نبی بھی موجود ہے اور قواعد شرعیہ کا متقاضی بھی ہے کہ یہ بیع جائز نہ ہو کیونکہ بائع بجا و جب پانچ سو روپے پر قبضہ کر رہا ہے اس کا کوئی عوض نہیں دے رہا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا استدلال

امام احمد بن حنبل کا ایک استدلال مصنف عبدالرازق کی ایک حدیث سے ہے جس میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے عربان کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کو حلال قرار دیا۔ اس حدیث کی سند بہت کمزور ہے اور اتنی کمزور ہے کہ اس سے استدلال کرنا مشکل ہے، کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن ابی یحییٰ اسلمی ہیں، یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو پشتر محدثین نے متروک قرار دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ وہ رافضی تھے۔ اس واسطے ان کی حدیثیں قابل استدلال نہیں ہیں۔^{۱۳}

لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے ان سے بہت سی روایتیں نقل کی ہیں، فرماتے ہیں کہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ابراہیم بن یحییٰ کو پہاڑ کی چوٹی سے گر کر مر جانا زیادہ پسند ہے نسبت اس کے کہ وہ جھوٹ بولیں۔ لہذا میں ان کی روایتوں کو قبول کرتا ہوں، اور یہ میرے استاد بھی ہیں۔ چنانچہ امام شافعی کی جو ”کتاب الام“ ہے اس میں ابراہیم بن ابی یحییٰ کی حدیثیں بھرنی پری ہیں اور ان سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں اور اگر کبھی اس خیال سے کہ نام لینے سے لوگ بدگمانی میں مبتلا ہوں گے ان کا نام لئے بغیر ”حدیثی من ہولقة عندی“ کہہ کر گزر جاتے ہیں کہ مجھے ایسے شخص نے حدیث سنائی جو میرے نزدیک ثقہ ہیں۔ باقی سارے محدثین نے ان کی حدیثوں کو رد کیا ہے۔ اس واسطے وہ

۱۲۔ ان رسول اللہ ﷺ نہی عن بیع العربان. (موطا مالک، ج: ۲، ص: ۶۰۹).

۱۳۔ وسنن البیہقی الکبریٰ، ج: ۵، ص: ۳۳۲، باب النہی عن بیع العربان، رقم: ۱۰۶۵۶.

۱۴۔ المحرر وحین لابی حاتم محمد بن حبان البستی، ج: ۱، ص: ۱۰۵-۱۰۷.

حدیث جمہور کے نزدیک قابل استدلال نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا دوسرا استدلال اس حدیث کے واقعہ سے ہے کہ نافع بن عبد الحارث نے صفوان بن امیہ سے حضرت عمرؓ کے لئے قید خانہ بنانے کی خاطر ایک گھر خریدا اور معاملہ یہ کیا کہ اگر حضرت عمرؓ راضی ہو گئے تب تو یہ بیع نافذ ہو جائے گی اور اگر حضرت عمرؓ راضی نہ ہوئے تو میں تمہیں چار سو دینار دیدوں گا۔ یعنی چار سو دینار تو دیدیئے تھے لیکن حضرت عمرؓ کی رضامندی پر موقوف رکھا کہ اگر راضی ہو گئے تو ٹھیک ورنہ یہ چار سو تمہارے۔ یہ وہی بیع العربون ہوئی یہ چار سو دینار جو دیئے تھے یہ بیعانہ کے طور پر تھے، امام احمد بن حنبل نے اس حدیث سے عربوں کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

جمہور فقہاء کا استدلال

جمہور کہتے ہیں کہ ان کو بطور بیعانہ کے چار سو دینار اس لئے نہیں دیئے گئے تھے کہ بیع نافذ نہ ہونے کی صورت میں ضبط ہو جائیں گے، بلکہ چار سو دینار دینے کا منشا یہ تھا کہ بیع ہی چار سو دینار کی تھی، چار سو پورا ثمن تھا لیکن یہ کہا تھا کہ اگر حضرت عمرؓ راضی ہو گئے تب تو یہ بیع حضرت عمرؓ کے لئے ہوگی اور اگر وہ راضی نہ ہوئے تو اس صورت میں یہ بیع میرے (نافع بن الحارث کے) لئے ہوگی اس چار سو کے بدلہ میں یہ گھر تم مجھے دے دینا چنانچہ آپ یہاں پر دیکھیں کہ ”فلسفوان اربع مائة دينار“ کے الفاظ ہیں کہ صفوان کو چار سو دینار ملیں گے۔

بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیمت ہی چار سو دینار مقرر ہوئی تھی کہ اگر وہ راضی نہ ہوئے تو چار سو دینار صفوان بن امیہ کو ملیں گے، اور یہ مجزوف ہے کہ اس کے بدلہ میں نافع بن الحارث اس مکان کو اپنے لئے لے لیں گے۔^{۱۵} اصل میں اس مسئلہ کے اندر روایات میں بڑا اختلاف ہے کہ اصل قیمت کیا تھی اور یہ رقم جو صفوان کو دی گئی تھی وہ کتنی تھی۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چار سو دینار قیمت تھی وہی دیدیئے گئے۔ اس صورت میں اس کو عربوں قرار دینا ممکن نہیں۔ لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ قیمت چار ہزار دینار تھی اور صفوان کو جو رقم دی گئی تھی وہ چار سو درہم تھی اس کے بارے میں معقول طور پر تصور کیا جاسکتا ہے کہ چار ہزار دینار کے مقابلے میں چار سو درہم بطور بیعانہ کے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو جو روایت پہنچی ہے وہ یہی تھی کہ اصل قیمت چار ہزار دینار تھی اور صفوان کو جو رقم دی گئی وہ چار سو درہم تھی، اور اس کی توجیہ انہوں نے یہ فرمائی کہ یہ بیعانہ تھا اور بیعانہ ضبط کرنے کی جو شرط لگائی یہ جائز ہے۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ چار سو دینار ہی قیمت تھی جو اسی وقت دیئے گئے اور بعض روایتوں میں ہے کہ چار ہزار درہم قیمت تھی اور چار سو دینار دیئے گئے، حاصل وہی ہوا کیونکہ چار ہزار درہم اور چار سو دینار ایک ہی چیز ہے، اس واسطے ہمارے پاس جو روایات ہیں ان میں بکثرت روایات جمہور کی تائید کرتی ہیں نہ کہ امام احمد بن حنبل کی لیکن امام احمد بن حنبل کے پاس غالباً ایسی روایت پہنچی کہ جس میں چار ہزار دینار قیمت تھی اور چار سو دینار بیعانہ کے دیئے گئے، اس کی بناء پر انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی۔

موجودہ حالات میں بیعانہ کا حکم

چونکہ معاملہ مجتہد فیہ ہے اس لئے عربوں کو بالکل یہ باطل نہیں کہہ سکتے اور بسا اوقات اس قسم کے معاملہ کی ضرورت پیش آتی ہے، بالخصوص ہمارے زمانے میں جہاں ایک ملک سے دوسرے ملک میں بین الاقوامی تجارت ہوتی ہے وہاں یہ انہیں معاملہ نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے۔ لہذا فقہاء عصر کو اس پر غور کرنا چاہئے۔ اور اگر کوئی شخص دوسرے سے معاملہ کر لے کہ میں تم سے سامان منگوا رہا ہوں۔ بائع نے اس کے لئے سامان اکٹھا کیا سب کچھ کیا، لاکھوں روپے خرچ کئے بعد میں وہ مگر جائے کہ میں بیع نہیں کرتا تو اس صورت میں بائع کا بڑا سخت نقصان ہوتا ہے، ایسی صورت میں بائع اگر عربوں کی شرط لگا لے تاکہ مشتری پابند ہو جائے تو اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ اس صورت میں امام احمد بن حنبل کے قول پر عمل کیا جائے، باقی جہاں ضرورت نہ ہو ایسے ہی لوگوں نے پیسے کمانے کا ذریعہ بنا لیا تو وہ جائز نہیں۔

بیع تعلیق کو قبول نہیں کرتی

سوال: جمہور کے قول کے مطابق نافع بن عبد الحارث اور صفوان کا جو معاملہ ہوا تھا یہ بیعانہ کا نہیں تھا، بلکہ جمہور کا خیال یہ ہے کہ معاملہ اس طرح تھا کہ اگر حضرت عمر رضی ہو گئے تو بیع حضرت عمر رضی کے لئے ہوگی اور اگر وہ راضی نہ ہوئے تو بیع میرے (نافع بن عبد الحارث کے) لئے ہوگی تو کیا اس طرح بیع کرنا جائز ہے؟ یہ تو تعلیق ہوئی اور بیع تعلیق کو قبول نہیں کرتی کہ اگر ایسا ہو گیا تو بیع ہوگی ورنہ نہیں۔

اور دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ باطل معاملہ ہے تو حضرت نافع عبد الحارث نے یہ معاملہ کیوں کیا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بیع معلق نہیں ہوئی، بیع تو مجزی ہی ہے کہ میں حضرت عمر رضی کے لئے خرید رہا ہوں البتہ خیار شرط رکھا تھا کہ اگر حضرت عمر رضی ہو گئے تو بیع کو نافذ کر دوں گا ورنہ نافذ نہیں کر دوں گا۔ لیکن اگر نافذ نہ کیا تو اپنی طرف سے ایک منفصل (علیحدہ سے) وعدہ کر لیا جس کا عقد سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ اس

صورت میں میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں خریدوں گا۔

ایک تو شکل یہ ہے کہ عقد ہی کے اندر بیع کو دونوں شقوں میں داخل کر دیا جائے کہ اگر وہ راضی ہو گئے تو ان کی اور اگر وہ راضی نہ ہوئے تو میری یہ عقد تو فاسد ہے لیکن اگر یہ کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے بیع کر رہا ہوں اور مجھے خیال ہے کہ اگر وہ راضی ہو گئے تب تو یہ بیع نافذ ہوگی اور اگر وہ راضی نہ ہوئے تو نافذ نہیں ہوگی یہ الگ معاملہ ہے۔

اب ایک مفصلاً وعدہ کیا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ راضی نہ ہوئے اور مجھے بیع کو فسخ کرنا پڑا تو اس صورت میں میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں خرید لوں گا یہ وعدہ مفصل ہے، عقد سے اس کا کوئی تعلق نہیں، لہذا یہ بیع با تردید (معلق بیع) نہیں بلکہ بیع مجز ہے۔

موضع ترجمہ

”وسجن ابن الزبير بمكة“

فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں لوگوں کو قید کیا، لہذا ترجمہ الباب ثابت ہو گیا کہ مکہ مکرمہ میں بھی لوگوں کو قید کرنا جائز ہے اور پھر حضرت ثمامہ کی حدیث دوبارہ نقل کی کہ ثمامہ کو مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں قید کیا تھا۔

اور بہت سے فقہاء کرام کے نزدیک مسجد نبوی حرم میں داخل ہے، اگرچہ حنفیہ کے نزدیک حرم میں داخل نہیں لیکن بہت سے فقہاء کرام اس کے اوپر حرم کے احکام جاری فرماتے ہیں، جب اس میں باندھا تو اس سے معلوم ہوا کہ حرم میں قید کرنا جائز ہے۔

(۹) باب فی الملازمة

۲۴۲۳۔ حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن جعفر بن ربيعة، وقال غيره.

حدثني الليث قال: حدثني جعفر بن ربيعة، عن عبد الرحمن بن هرمز، عن عبد الله بن كعب بن مالك الأنصاري، عن كعب بن مالك رضي الله عنه: أنه كان له علي بن عبد الله بن أبي حذرد الأسلمي دين، فلقبه فلزمه فتكلما حتى ارتفعت أصواتهما فمر بهما النبي صلى الله عليه وسلم فقال: ”يا كعب“ وأشار بيده كأنه يقول: النص، فأخذ نصف ما عليه وترك نصفاً. [راجع: ۳۵۷]

ملزمہ کا مطلب یہ ہے کہ دائن کو حق حاصل ہے کہ وہ مدیون کی جان کو آجائے یعنی جہاں بھی جائے وہ بھی ساتھ ساتھ جائے اس سے چمٹا رہے یہ بھی جائز ہے۔

یہاں ترجمہ ابا ب کا موضوع ”فلنومہ“ کا لفظ ہے کہ حضرت کعب بن مالک ۔۔ وہ حضرت عبداللہ ابن ابی حدرد الاسلمی کے ساتھ چمٹ کے رہ گئے تھے وہ جہاں جا رہے تھے ساتھ ساتھ یہ بھی جا رہے ہیں یہاں تک کہ مسجد نبوی میں بھی آ گئے۔

كتاب في القصة

٢٤٢٦ - ٢٤٣٩

۳۵۔ کتاب فی اللقطة

(۱) باب إذا أخبره رب اللقطة بالعلامة دفع إليه

۲۴۲۶ — حدثنا آدم: حدثنا شعبة، وحدثني محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة، عن سلمة: سمعت سويد بن غفلة قال: لقيت أبي بن كعب رضي الله عنه فقال: أصببت صرة فيها مائة دينار فأتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقال: "عرفها حولاً" فعرفتها، فلم أجد من يعرفها ثم أتبعه فقال: "عرفها حولاً" فعرفتها فلم أجد، ثم أتبعه ثلاثاً، فقال: "أحفظ وعاءها وعددها ووكاءها: فإن جاء صاحبها وإلا فاستمتع بها"، فاستمعت فلقيته بعد بمكة فقال: لا أدري ثلاثة أحوال أو حولاً واحداً. [أنظر: ۲۴۳۷] ۱

حدیث باب کی تشریح

"کتاب اللقطة" لفظ قف کے فتح اور سکون کے ساتھ دونوں لغتیں ہیں۔ اس میں پہلا باب قائم کیا کہ جب لقمے کا مالک ملقظ کو علامتیں بتا دے تو ملقظ کو چاہئے کہ وہ اس کو دیدے۔

اس میں حضرت سويد بن غفلة کی حدیث نقل کی جو مخضرمین میں سے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میری ملاقات کعب بن مالک رضي الله عنه سے ہوئی تو انہوں نے یہ واقعہ سنایا کہ مجھے ایک تھیل ملی تھی جس میں سو دینار تھے، میں نبی کریم صلى الله عليه وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلى الله عليه وسلم نے فرمایا کہ اس لقمہ کی سال بھر تک تعریف (اعلان) کرو، فرمایا کہ سال بھر تک لوگوں کے اندر اعلان کرو اور اس کے مالک کو تلاش کرو۔ میں نے سال بھر اس کی تعریف کی لیکن کوئی آدمی نہیں ملا جو اسے پہچانتا ہو پھر میں دوبارہ آیا تو آپ صلى الله عليه وسلم نے پھر فرمایا کہ سال بھر تک تعریف کرو تو پھر میں نے تعریف کی، لیکن کوئی آدمی نہ ملا۔ تیسری بار آیا تو آپ صلى الله عليه وسلم نے فرمایا کہ اس کا وعاء

۱۔ وفي صحيح مسلم، كتاب اللقطة، رقم ۳۲۵۱، وسنن أبي داود، كتاب اللقطة، باب التعريف باللقطة، رقم:

۱۳۵۸، ۱۳۵۹، وسنن الترمذی، كتاب الأحكام عن رسول الله، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی، رقم:

۱۲۳۹، وسنن ابن ماجه، كتاب الأحكام، باب اللقطة، رقم: ۲۳۹۷، ومسند أحمد، مسند الأنصار، باب حدیث

سويد بن غفلة عن أبي بن كعب، رقم: ۲۰۲۳۲، ۲۰۲۳۳، ۲۰۲۳۴.

یاد رکھو یعنی تھیلی کی ہیئت وغیرہ اور اس کی کتنی اور رسی یاد رکھو۔ اگر اس کا مالک آجائے تو ٹھیک ورنہ تم خود اس سے فائدہ اٹھا لو، چنانچہ میں نے ان دنائیر سے فائدہ اٹھایا۔ بعد میں دو بارہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مکہ مکرمہ میں میری ملاقات ہوئی تو کہا کہ مجھے پتہ نہیں کہ انہوں نے تین سال تک تعریف کی تھی یا ایک سال تک تعریف کی تھی۔

لقطہ سے متعلق بحث کا خلاصہ

اس حدیث میں لقطہ سے متعلق تین بنیادی مباحث ہیں، جن کے لئے امام بخاری نے آگے چل کر الگ الگ باب قائم کئے ہیں، خلاصہ ان مباحث کا یہ ہے کہ اگر کسی کو لقطہ مل جائے تو سب سے پہلے اس کے ذمہ تعریف واجب ہے، تعریف کتنی مدت تک ہونی چاہئے؟ اور اس چیز کا کیا حکم ہے؟

تعریف کا مدار لقطہ کی نوعیت پر ہے

بعض حضرات نے اس کی مدت ایک سال مقرر کی اور بعض نے زیادہ اور بعض نے کم لیکن قبول فیصل اس باب میں یہ ہے کہ اس کا مدار لقطہ کی نوعیت پر ہے کہ کیا چیز ہے، اسی سے روایت میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے، اور بنیادی حکم یہ ہے کہ اس وقت تک تعریف کرنا جب تک یہ گمان ہو کہ اس کا مالک اس کو تلاش کر رہا ہوگا۔ اگر معمولی سی چیز ہے تو ہو سکتا ہے مالک آٹھ دس دن تلاش کر کے مایوس ہو جائے اس کو امید نہ رہے اور اس کی ضرورت محسوس نہ کرے، تب تو اس میں آٹھ دس دن کی تعریف کافی ہے لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں تین ماہ، چھ ماہ یا ایک سال تک تلاش کرنے کا احتمال ہوتا ہے اور بعض میں اس سے بھی زیادہ، تو نوعیت پر منحصر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب تک یہ خیال ہو کہ اس کا مالک اس کو تلاش کرتا ہوگا تب تک تو تعریف واجب ہے، یہی حنفیہ کا مسلک ہے اور اس سے روایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ جن میں ایک سال یا تین سال کا ذکر آیا کہ وہ لقطہ کی نوعیت پر محمول ہے۔

مالک کو لقطہ کب دیا جائے؟

دوسرا مسئلہ جس کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں باب قائم فرمایا وہ یہ ہے کہ لقطہ کا مالک اگر اس کی علامتیں صحیح صحیح بتا دے تو کیا مطلق کے ذمہ اس کا دینا واجب ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں فرمایا کہ جب علامتیں بتا دے تو مطلق کے ذمہ واجب ہے کہ وہ اس کو دیدے۔

جمہور کا مسلک

حنفیہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ محض علامتیں بتا دینا کافی نہیں بلکہ اس وقت دینا واجب ہے کہ جب اس کے دل میں غالب گمان پیدا ہو جائے کہ ہاں یہی شخص اس کا مالک ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے شخص کو ان علامتوں کا علم ہو گیا ہو اور وہ آکر بتا دے اس لئے محض علامتیں بتا دینا کافی نہیں، بلکہ ملقط کے دل میں غالب گمان ہو جائے کہ یہ اس کی چیز ہے تو پھر اس کو دیا جائے دینا واجب ہے۔ لیکن قہراً اس وقت واجب ہوگا جب صاحب مال پتہ پیش کرے۔ اگر بینہ پیش کر دے گا تو واجب ہوگا لیکن اگر بینہ پیش نہ کرے گا تو وہ دعویٰ کر کے نہیں لے سکتا۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ جو استدلال فرما رہے ہیں، وہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس کا مالک آکر بتا دے کہ دعاء کیا ہے، گنتی کتنی ہے، برسی کیسی ہے تو دیدو۔ جمہور کے نزدیک یہ دیانت کا حکم ہے اور یہ اس تقدیر پر ہے کہ اس سے گمان غالب پیدا ہو جائے ورنہ دینا ضروری نہیں۔^۳

مالک نہ ملنے کی صورت میں لقطہ کا مصرف

تیسرا مسئلہ جو زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ اگر مالک نہ آئے تو اس صورت میں اس لقطہ کا کیا کیا جائے؟ اس میں ائمہ ثلاثہ اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ملقط کے لئے استعمال کرنا جائز ہے چاہے وہ ملقط فنی ہو یا فقیر ہو۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر فقیر ہے تب تو استعمال کر سکتا ہے اور اگر غنی ہے تو خود استعمال نہیں کرے گا بلکہ ملقط کی طرف سے صدقہ کر دے گا۔ اس کے بعد اگر ملقط آجائے تو پھر ملقط کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ صدقہ کو نافذ کر دے اور اس کا ثواب اس کے لئے ہو جائے گا۔ اور اگر نافذ نہ کرے تو ملقط (بکسر القاف) کے ذمہ اس کا ضمان دینا واجب ہوگا۔ اور جب ضمان دیدے گا تو صدقہ کا ثواب ملقط کی طرف منتقل ہو جائے گا۔^۴

۳ (وہذا علی الذی یانہ عندنا، فان وثق بہ وغلب علی ظہ صدقہ دفع الیہ، ولا یجب علیہ قضاء، نعم یجب الأداء

عند البینة. (فیض الباری، ج: ۳، ص ۳۲۳، وفتح الباری، ج ۵، ص ۷۹)

۴ (وتفصیل مذہبنا ان الملقط ان کان فقیراً یستمع بہا بعد التعریف الخ (فیض الباری، ج ۳، ص ۳۲۳)

ائمہ ثلاثہ کا استدلال

ائمہ ثلاثہ حدیث باب سے استدلال فرماتے ہیں جہاں حضور اقدس ﷺ نے حضرت کعب بن عجرہ سے فرمایا کہ ”فاستمع بہا“ تم اس سے نفع اٹھو۔ ائمہ ثلاثہ کا کہنا یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے صحابہ میں سے تھے، ائمہ ثلاثہ میں سے نہیں تھے ان کو جو نفع اٹھانے کا حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ غنی کے لئے بھی ”استمع باللقطہ“ جائز ہے۔^۱

احناف کا استدلال روایتاً

حنفیہ کا استدلال ایک تو اس روایت سے ہے جو سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ میں بھی آئی ہے، اس میں نبی کریم ﷺ نے لفظ کو ”مال اللہ“ سے تعبیر فرمایا، کہ اگر مالک نہ آئے تو ”مال اللہ یؤتہ من یشاء“ وہ اللہ کا مال ہے جس طرح چاہے اس کو خرچ کرے۔ ویسے تو سارا مال اللہ ہی کا ہوتا ہے لیکن یہ لفظ عام طور پر اس مال کے لئے استعمال ہوتا ہے جو واجب الصدق ہو تو مال اللہ کے لفظ سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ کا مال ہے اور واجب الصدق ہے اور لفظ ”مسک“ استعمال ہوا ہے اس کا لفظ عام طور پر فی سبیل اللہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

دوسرا استدلال ابن ماجہ کی حدیث سے ہے جو حضرت عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے ”ضالة المسلم حرق النار“ مسلمانوں کا ذبح یعنی لفظ یہ آگ کا انگارہ ہے۔ مطلب یہ کہ اگر کسی کو لفظ مل جائے تو اس کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں اس لئے کہ یہ آگ کا انگارہ ہے، اس سے بھی حنفیہ کا استدلال ہے کہ اس کو آدمی خود استعمال نہیں کر سکتا۔^۲

ان دونوں حدیث سے حنفیہ نے استنباط کیا ہے، یہ اگرچہ قطعی الدلالة تو نہیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بہت سے آثار میں کہ ان سب نے قیل کو صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

میں نے یہ آثار ”تکملة فتح الملہم“ میں جمع کر دیئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حدیثوں کا یہی مطلب ہے۔ اس صدقہ پر ایسا پابندی ہے۔ ایک حدیث بھی مروی ہے جس میں براہ راست صدقہ کرنے

۱۔ والمسک للفقہ المصنف، ج ۱، ص ۳، ص ۲۲۳۔

۲۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللقطة، باب اللقطة، رقم ۱۳۵۳۔

۳۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب لقطہ، رقم ۲۳۹۶۔

۴۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاحکام، باب ضالة المؤمن، والبقرة والعنق، رقم ۲۳۹۳۔

۵۔ تکملة فتح الملہم، ج ۲، ص ۶۱۰۔

کا حکم ہے لیکن وہ سند کے اعتبار سے کمزور ہے، اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن آثار صحابہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ”ضالة المسلم حرق النار“ سے مقصود یہ ہے کہ اس کو صدقہ کر دیا جائے۔

احناف کا استدلال درایتاً

اور قیاس کا مقتضی بھی یہی ہے کیونکہ کسی آدمی کے ہاتھ سے ایک چیز گر گئی تو محض اس کے گر جانے سے اس کی ملکیت تو ختم نہیں ہو جاتی، اس کی ملکیت برقرار رہتی ہے، اب اس تک پہنچانا ممکن نہیں تو اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ اس کو دنیا میں اگر نفع نہ ملے تو کم از کم آخرت میں ملے اور آخرت میں ملنے کا راستہ یہی ہے کہ وہ فقراء پر صدقہ کیا جائے۔ غنی پر صدقہ کرنے سے صدقہ نہیں ہوتا وہ توجہ ہوتا ہے اور کیا پتہ وہ غنی پر بہہ کرنے پر راضی ہو یا نہ ہو لیکن صدقہ کرنے پر راضی ضرور ہو گا اس لئے کہ آخرت میں ثواب مل جائے گا۔

ایک بڑھیا کا واقعہ

شہور ہے کہ ایک بڑھیا کی پوٹلی کم ہو گئی تھی اور وہ بیٹھی ہوئی یہ دعا کر رہی تھی کہ یا اللہ! کسی مولوی کو نہ ملے۔ لوگوں نے کہا کہ مولوی کو ملنے یا نہ ملنے سے تیرا کیا فائدہ؟ کیا نقصان؟

کہنے لگی کسی اور کو مل گئی تو دنیا میں نہیں تو کم از کم آخرت میں ثواب وصول کر لوں گی لیکن اگر کسی مولوی کو ملی تو وہ اس کو کسی نہ کسی طرح حلال کر کے کھائے گا تو اس لئے آخرت میں ملنے کی بھی توقع نہیں۔

تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ کم از کم اس کو آخرت میں صدقہ کا ثواب مل جائے، لہذا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے اس سے استدلال اس بات پر موقوف ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو غنی سمجھا جائے اور یہ درست ہے کہ آخر زمانے میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اغنیاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے تھے لیکن ابتدائی زمانہ ان پر غنا کا نہیں گزرا بلکہ وہ ابتدائی زمانے میں فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے، جس کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے کنوئیں کے بارے میں کہا تھا کہ میرے سب سے محبوب مالوں میں سے ہے۔ اسے میں اللہ کے راستے میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں تو حضور اقدس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اس کو اپنے اقارب میں صدقہ کر دو۔ انہوں نے جن لوگوں پر صدقہ کیا ان میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی داخل ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ ہر دور میں غنی نہیں تھے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اس دور کا واقعہ ہو جب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ غنی نہیں تھے تو اس سے بھی استدلال درست نہیں۔

حضرت علیؓ کے واقعہ سے استدلال

ہام ترمذی نے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو ایک مرتبہ ایک دینار مل گیا تھا اور حضور اقدسؐ نے حضرت علیؓ کو انتفاع کی اجازت دی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ جو ہاشم میں سے تھے اور ہاشم کے لئے صدقہ حلال نہیں ہوتا۔ معلوم ہو کہ اس کا مصرف زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے بلکہ اس سے عام لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔^۱

اس کا جو ب یہ ہے کہ حضرت علیؓ کا جو واقعہ ہے وہ ابوداؤد میں تفصیل سے آیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق قطب کا نفع اٹھانے سے ہے ہی نہیں۔^۲

واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے گھر میں کھانا نہیں تھا اور فرقہ گزر رہا تھا۔ حضرت حسنؓ اور حسینؓ دونوں بچے بچوک سے بے تاب تھے۔ حضرت علیؓ کو راستے میں پڑا ہوا ایک دینار مل گیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے انہوں نے ذکر کیا کہ ایک دینار مل گیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ اس دینار کو صرف اہل یہودی کے پاس جائیں اور اس سے آٹا لے لیں۔

حضرت علیؓ اس یہودی کے پاس چلے گئے اور آٹا لیا۔ اس یہودی نے کہا کیا تم انہی صاحب کے لئے جا رہے ہو؟ حضرت علیؓ نے کہا جی ہاں یہودی نے کہا کہ پھر میں پیسے نہیں لیتا، آٹا لیتے جاؤ۔ حضرت علیؓ نے آٹا لیا اور دینار بھی واپس لے آئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ دینار فقیر یا ہے۔ آپ یہاں رہیں کہ اس سے دشت لے لیں۔ حضرت علیؓ نے گوشت بینے گئے اور گوشت لانے سے کہ مجھے ایک درہم کا دشت لے لے اور یہ دینار رہن رکھ لو، جب پیسے ہوں گے ایک درہم دے کر یہ دینار لے جاؤ گا۔ تو دینار رہن رکھا اور ایک درہم کا گوشت لے گئے۔

اتنے میں محمد اقدس تشریف لے آئے تو سوچا کہ میں پوچھ لوں کہ یہ واقعہ پیش آیا ہے اور ہمارے لئے کھانا حلال ہے یا نہیں؟

ابھی یہ بیان کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک آدمی آواز لگاتا ہوا کہ میرا دینار گم ہو گیا، میرا دینار گم ہو گیا، یہ بے شک ہے۔ یا تمہارے؟ ان نے کہا کہ میرا دینار کہیں گم گیا ہے اور میں اسے تلاش کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا تمہارا دینار میرے پاس سے دور فرخ حضور اقدسؐ کو بتایا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم گوشت

۱۔ مس ترمذی کتاب الأحکام عن رسول اللہ ص ۱۲۹۲ باب ماجاء فی اللقطة الح . رقم ۱۲۹۲

۲۔ مس ابی داؤد کتاب اللقطة ، باب لتعريف باللقطة . رقم ۱۳۵۸

والے کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ درہم میرے یعنی حضور اقدس ﷺ کے ذمہ ہے اور دینار دے دو۔ حضرت علیؓ وہ دینار لے کر آئے اور ماکر اس شخص کو دے دیا۔

یہ واقعہ ہے، اس میں کہاں ہے کہ حضرت علیؓ نے اس دینار کو کھایا؟ زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ اس کو رہن رکھا اور رہن بھی بشرط ضمان اور پھر بعد میں ضمان ادا کر دیا۔ اس سے یہ کہنا کہ حضرت علیؓ نے دینار کو استعمال کیا درست نہیں۔ صرف یہ ہوا کہ دینار کو رہن رکھا اور اس کے ذریعے گوشت خرید لیا اور ظاہر ہے کہ جب کسی مسلمان کو یہ پتہ چلے کہ حضرت علیؓ کے گھر میں فاقہ ہے اور حضرت حسنؓ و حسینؓ بھوک سے بیتاب ہیں تو کون شقی القلب ایسا ہوگا جو اس بات کی اجازت نہ دے کہ ہمارے دینار رہن رکھ کر بعد میں ضمان ادا کر دینا۔ اس واسطے اس سے استدلال کا کوئی محل نہیں۔

لقطہ اور زکوٰۃ کے حکم میں فرق

یہاں یہ مسئلہ بھی عرض کر دوں کہ فقہاء کرام نے یہ فرمایا ہے کہ لقطہ اور زکوٰۃ کے حکم میں تھوڑا سا فرق ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کے اندر یہ حکم ہے کہ شوہر، بیوی، بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا اور بیوی، شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔ باپ، بیٹے کو نہیں دے سکتا۔ بیٹا، باپ کو نہیں دے سکتا، لیکن لقطہ کا صدقہ شوہر، بیوی کو بھی کر سکتا ہے اور بیوی، شوہر کو بھی کر سکتی ہے۔ اس لئے کہ وہ صدقہ اس کی طرف سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ جس کا مال ہے اس کی طرف سے ہو رہا ہے اور اس کے ساتھ یہ رشتہ موجود نہیں ہے۔

اسی بنا پر بعض فقہاء نے یہ فرمایا ہے کہ بنو ہاشم پر لقطہ کا صدقہ کر سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے کیونکہ بنو ہاشم کے لئے صدقات واجبہ تو ناجائز ہیں لیکن صدقات ناقلہ جائز ہیں۔^{۱۱}

۲۴۲۹۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف : قال : فضالة الغنم ؟ قال : هي

لك اولاخيك اوللذئب " فضالة الإبل ؟ قال : " مالک ولها؟ معها سقاؤها وحذاؤها، ترد الماء تاكل الشجر حتى يلقاها ربها " [راجع : ۹۱]

فضالة الغنم کے بارے میں فرمایا کہ "لك اولاخيك اوللذئب" یا تمہاری ہوگی یا تمہارے بھائی کی ہوگی یا بھیڑیے کی۔ ظاہر ہے اس کو نہیں اٹھاؤ گے تو کوئی بھیڑ یا کھا جائے گا۔

بخلاف ضالة الإبل کے " مالک ولها؟ معها سقاؤها وحذاؤها " اس کو اللہ نے

^{۱۱} وقد أخذها على بن أبي طالب، وهو يجوز له أخذ الفلن دون الفرض، (كما ذكر في قبض الباری و

پاؤں دیئے ہیں اور پانی کا مشینزہ دیا ہے، لہذا اس کے اندر ہلکتے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، اس لئے اس کو پکڑنے کی ضرورت نہیں۔

(۵) باب إذا وجد خشبة في البحر أو سطاء أو نحوه

۲۳۳۰۔ وقال الليث: لأمله حطبا فلما نشرها وجد المال و

الصحيفة. [راجع: ۱۴۹۸]

یہ پوری حدیث پہلے گزری ہے۔ یہاں لانے کا منشاء یہ ہے کہ جب وہ لکڑی تیرتی ہوئی آرہی تھی تو اس نے وہ لکڑی لے لی تاکہ اپنے گھر میں ایندھن کے طور پر استعمال کرے حالانکہ وہ لفظ تھا۔ اس نے کہا کہ یہ میرے لئے آرہی ہے۔ اس میں تو پیسے بھر کے بھیجے تھے لیکن اس کو پتہ نہیں تھا کہ اس میں پیسے ہیں۔ اس واسطے وہ لفظ تھا یہ اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔

اس سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر سمندر کے اندر ایسی چیز مل جائے جو ایسی معمولی ہو جس کے بارے میں خیال ہو کہ اب اس کا مالک اس کو تلاش نہیں کرتا ہوگا اور کوئی اتنی زیادہ قیمتی چیز نہیں ہے تو پھر تعریف کے بغیر بھی استعمال کرینا جائز ہے۔

ہمارے ہاں بھی یہی مذہب ہے کہ اگر وہ چیز معمولی ہے مثلاً ایک دو کھجوریں ہیں جیسے اگلا باب آرہا ہے، ایک کھجور پڑی مل گئی یا کوئی ایسی معمولی چیز جس کے بارے میں اس کو خیال ہے کہ اس کے مالک کو اس کی پرواہ نہیں ہوگی تو اس کو بغیر تعریف کے استعمال کرنا جائز ہے۔

(۶) باب إذا وجد تمر في الطريق

۲۳۳۱۔ حدثنا محمد بن يوسف: حدثنا سليمان، عن منصور، عن طلحة، عن

انس رضی اللہ عنہ قال: مر النبي ﷺ بتمر في الطريق قال: لولا أني أخاف أن تكون من الصدقة أكلتها [راجع: ۲۰۵۵]

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی کھجور ہے تو میں اس کو کھا لیتا۔ تو آپ ﷺ نے کھانے سے پرہیز کیا۔ اس اندیشہ سے کہ اگر یہ صدقہ کی ہوگی تو آپ ﷺ کے لئے کھانا حلال نہیں لیکن اگر صدقہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو فرمایا کہ میں اس کو کھا لیتا۔ معوم ہوا کہ اس کی تعریف کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۷) باب تعريف لقطة أهل مكة؟

”وقال طاؤس: عن ابن عباس رضي الله عنهما، عن النبي ﷺ قال: ”لا يلقط لقطتها

إلا من عرفها“ وقال خالد ، عن عكرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ قال :
”لا يلتقط لقطتها إلا معرف“ .

۲۳۳۳۔ وقال أحمد بن سعيد: حدثنا روح: حدثنا زكريا: حدثنا عمرو بن دينار،
عن عكرمة ، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما: أن رسول اللہ ﷺ قال : ((لا يعصد عضاهها ،
ولا ينفر صيدها ، ولا تحل لقطتها إلا لمنشد، ولا يختلي خلأها)). فقال عباس : يا رسول
اللہ إلا الإذخر، فقال : ((الإذخر)). [راجع: ۱۳۴۹]

۲۳۳۴۔ حدثنا يحيى بن موسى قال: حدثنا الوليد بن مسلم: حدثنا الأوزاعي:
حدثني يحيى بن أبي كثير قال: حدثنا أبو سلمة بن عبد الرحمن قال: حدثني أبو هريرة ؓ
قال: لما فتح الله على رسوله ﷺ مكة قام في الناس فحمد الله وأثنى عليه ثم قال: ((إن
الله حبس عن مكة الفيل وسلط عليها رسوله والمؤمنين فإنها لا تحل لأحد كان قبلي ،
وإنها أحلت لي ساعة من نهار، وإنما لن تحل لأحد من بعدي فلا ينفر صيدها ولا يختلي
شوكها ولا تحل ساقطها إلا لمنشد. ومن قتل له قتل فهو بخير النظرين: إما أن يفدى
وإما أن يقيد)). فقال العباس: إلا الإذخر فانا نجعله لقبورنا وبيوتنا ، فقال رسول اللہ ﷺ :
((إلا الإذخر)) فقام أبو شاه. رجل من أهل اليمن. فقال : أكتبوا لي يا رسول اللہ ، فقال
رسول اللہ ﷺ : ((اكتبوا أبي شاه)). قلت للأوزاعي : ما قوله: اكتبوا لي يا رسول اللہ ؟
قال : هذه الخطبة التي سمعها من رسول اللہ ﷺ . [راجع: ۱۱۲۰]

یہ لفظ اہل مکہ کا ذکر ہے، اس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”لا يلتقط لقطتها إلا من عرفها“ حرم
کا لفظ اٹھانا جائز ہے گروہ شخص اللہ کے جو اس کی تعریف کرے۔
آگے فرمایا ”لا تحل لقطتها إلا لمنشد“ اس کا لفظ حلال نہیں ہے مگر تعریف یعنی اعلان کرنے
والے کے لئے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حکم تو غیر حرم میں بھی ہے یعنی غیر حرم میں بھی یہی حکم ہے کہ لفظ تعریف
کے بعد حلال ہوتا ہے۔ پھر حرم کی کی خصوصیت ہوئی ”لا تحل لقطتها إلا لمنشد“ .

لقط حرم اور غیر حرم میں فرق؟

اس میں امام شافعی رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ حرم میں اور غیر حرم میں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کے
نزدیک غیر حرم کے اندر اگر تعریف کے بعد مالک نہ سے تو ملتقط کے لئے اس کا استعمال جائز ہے لیکن حرم کے

بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ حرم کے اندر نہ تعریف کی مدت مقرر ہے اور نہ ملتقط کے لئے کسی بھی حالت میں اس سے انتفاع جائز ہے بلکہ ساری عمر اس کی تعریف کراتا ہی رہے جب تک اس کا مالک نہ آئے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ہے ”لا تحل لقطتها إلا لمنشد“ کا یہی مطلب ہے۔^{۳۳}

وہ کہتے ہیں کہ غیر حرم کا لقطہ جب تعریف کرنے کے بعد مالک نہ مے تو اس کے لئے کسی نہ کسی وقت حلال ہو جاتا ہے۔ لیکن حرم کا لقطہ کسی وقت بھی حلال نہیں ہوتا ساری عمر تعریف کراتا ہی رہے اور وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

ائمہ خلافاً (مالکیہ، حنفیہ اور حنبلیہ) تینوں یہ کہتے ہیں کہ حرم اور غیر حرم کے لقطہ میں حکم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، لہذا جو لوگ ملتقط کے لئے لقطہ کو جائز قرار دیتے ہیں جیسے مالکیہ اور حنبلیہ وہ کہتے ہیں کہ حرم میں بھی یہی حکم ہے کہ تعریف کرے اور تعریف کرنے کے بعد جب مایوسی ہو جائے تو خود استعمال کر سکتا ہے۔^{۳۴}

حنفیہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں صدقہ کرے گا گویا ان تینوں کے نزدیک حرم کے لقطہ اور غیر حرم کے لقطہ میں کوئی فرق نہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حرم کے لقطہ کی تخصیص کیوں کی گئی کہ فرمایا: ”لا تحل لقطتها إلا لمنشد؟“ اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ اس کو حرم کے اندر خاص طور سے تاکید کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے کہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ حرم کے اندر تعریف ضروری نہیں، کیونکہ کسی کو یہ گمان ہو سکتا ہے کہ یہاں تو ہر وقت لوگ آتے جاتے رہتے ہیں کہ آج آیا اور کل چلا گیا تو تعریف کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، لہذا تعریف نہ کرو تو کسی کو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ یہاں پر تعریف کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس واسطے خاص طور پر حرم کی تاکید فرمادی کہ حرم کے اندر بھی اسی طرح تعریف کرنا ضروری ہے جس طرح غیر حرم میں ضروری ہے۔

اور اس بات کی بھی تاکید فرمادی کہ اور جگہوں پر آدمی تساہل بھی برتے تو کوئی حرج نہیں کہ اٹھا تو لیا لیکن تعریف تین، چار دن یا ایک ہفتہ کے بعد شروع کریں لیکن حرم میں جب آدمی کوئی چیز اٹھائے تو فوراً تعریف کرنا ضروری ہے کیونکہ وہاں پر لوگ آتے جاتے رہتے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ جس کا مال گرا ہو وہ دو چار دن میں چلا جائے اس واسطے خاص طور پر یہ کہا گیا۔

یہ اس حدیث کی تشریح ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ”لا تحل لقطتها إلا لمنشد“ لیکن بعض روایات میں ”الا لمنشد“ کا استثناء بھی نہیں آیا بلکہ مسلم شریف میں جو حدیث ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ ”لا تلتقط لقطۃ الحاج“ حرج کا لقطہ اٹھایا ہی نہ جائے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کہیں لقطہ مل گیا ہے تو اس

۳۳ فیض الباری، ج ۳، ص ۳۲۸.

۳۴ فیض الباری، ج ۳، ص ۳۲۸.

کوچ کے زمانے میں پڑا رہنے دے۔

اس کی حکمت یہ ہے کہ درحقیقت حجاج بے چارے ایسے ہوتے ہیں کہ صرف ضرورت کا سامان ساتھ رکھتے ہیں۔ ان کی ہر چیز چاہے وہ چھوٹی ہو ضرورت کی ہوتی ہے۔

ایک بات تو یہ ہے کہ فرض کریں اگر ایک سوئی گر گئی ہے تو سوئی بھی بے چارہ نے ضرورت کے تحت رکھی ہوئی ہے۔ اگر اس کو نہیں مے گی تو بہت سخت تکلیف ہوگی۔ اگرچہ اس کی قیمت زیادہ نہیں کیونکہ سفر میں ضرورت کی چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ خاص طور پر سفر حج میں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حاجی عام طور سے باہر جاتا ہے۔ وہ راستوں سے ناواقف ہوتا ہے۔ اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ حرم گیا اور حرم سے واپس اپنی قیام گاہ آگیا۔ اب اگر آپ چیز اٹھا کر بازاروں میں اس کی تعریف کرنا شروع کریں گے یا کہیں، اور تو عین ممکن ہے کہ آپ مکہ میں تعریف کر رہے ہوں اور وہ منی میں گھوم رہا ہوں اور آپ منی میں تعریف کر رہے ہوں اور وہ مکہ میں گھوم رہا ہو تو ہر انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ چیزوں کو وہیں تلاش کرتا ہے جہاں سے وہ ہو کر گزرا ہے، لہذا اگر آپ وہیں چھوڑ دیں گے تو وہ چیز اس کو مل جائے گی۔ تو بجائے اس کے کہ آپ اٹھائیں اور تعریف کریں۔ اس سے اندیشہ ہے کہ اس کو نہ ملے اس لئے وہیں پڑے رہنے دیں تاکہ جب وہ لوٹ کر آئے تو اس کو وہاں پائے۔ اس واسطے یہ حکم دیا گیا کہ حاجی کا لفظ نہ اٹھایا جائے۔^{۱۵}

(۸) باب لا تحتلب ماشیة أحد بغیر اذنه

۲۴۳۵۔ حدیثنا عبد اللہ بن یوسف: أخبرنا مالک، عن نافع، عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: أن رسول اللہ ﷺ قال: ((لا یحلبن أحد ماشیة امرئ بغیر اذنه، ایحب أحدکم أن توتی مبربته لتکسر خزانه فینقل طعامه؟ فإنما تخزن لهم ضرور مواشیهم اطعماتهم، فلا یحلبن أحد إلا بإذنه)).

حدیث باب کا مفہوم

فرمایا کہ کوئی شخص دوسرے کے مویشی، بکریاں وغیرہ کا دودھ بغیر، لک کی اجازت کے نہ دوھے اور پھر اس کی مثل دیتے ہوئے فرمایا کہ ”ایحب أحدکم أن توتی مبربته“ کی تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اس کے مشربہ میں کوئی گھس جائے۔ مشربہ بال خانہ کو کہتے ہیں۔ پہلے زمانہ میں عام طور پر حنی قیتی چیزیں ہوتی تھیں ان کو کمرے میں اوپر چھت کے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ اس کو اردو میں کوٹھا بولتے ہیں، تو کوٹھے میں قیتی اناج وغیرہ

ذخیرہ کر کے رکھ دیتے تھے۔ تو مراد یہ کہ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ کوئی تمہارے بالا خانہ جہاں قیمتی اشیاء رکھی ہوئی ہیں وہاں گھس جائے ”فتکسر خزائعه“ اور اس کی اماری تو زدی جائے ”لینتقل طعامه“ اور اس کا کھانا وہاں سے اٹھا کے لے جائے؟ کیا کوئی یہ پسند کرے گا؟

کہا کہ پسند نہیں کرے گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مویشیوں کے جوتھن ہیں یہ بھی خزانے ہوتے ہیں۔ ان کے کھانے کا یعنی دودھ بے چاروں کی غذا ہوتی ہے اور وہ تھنوں کے اندر محفوظ رہتی ہے۔ تو ان کے تھنوں سے دودھ نکال کر لے جانا ایسا ہی ہے جیسا کہ گھروں کے مشربہ سے کوئی چیز اٹھا کر لے جانا۔

(۱۱) باب من عرف اللقطة ولم يدفعها إلى السلطان

۲۳۳۸۔ حدثنا محمد بن يوسف: حدثنا سفيان، عن ربيعة، عن يزيد مولی المنبث، عن زيد بن خالد رضی اللہ عنہ: أن أعرابياً سأل النبي ﷺ عن اللقطة قال: ((عرفها سنة فإن جاء أحد يخبرك بعفا صهاوركاها وإلا فاستنق بها)). وسأله عن ضالة الإبل فتمصر وجهه وقال: ((مالك ولها؟ معها سقاؤها وحذاؤها، ترد الماء، وتأكل الشجر، دعها حتى يجدها رها)). وسأله عن ضالة الغنم فقال: ((هي لك أو لأخيك أول للذئب)). [راجع: ۹۱]

باب قائم کیا ہے ”من عرف اللقطة ولم يدفعها إلى السلطان“.

مسئلہ امام اوزاعی رحمہ اللہ کی تردید

امام اوزاعی رحمہ اللہ کی تردید میں یہ باب قائم کیا ہے۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ چیز جو ملقط کوئی ہے، معمولی ہے تب تو تعریف کرے اور تعریف کا وہی حکم ہے جو پہلے گزرا ہے۔ لیکن اگر وہ چیز زیادہ ہے، زیادہ بڑا مال ہے تو خود تعریف نہ کرے، بلکہ سلطان کو دیدے اور بیت المال میں داخل کرے۔ سلطان اس کی تعریف کرے یا پھر سارا کا سارا مال بیت المال میں جائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس کی تردید کر رہے ہیں کہ حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ حدیث میں یہ ہے کہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی ملقط خود اس کی تعریف کرے اور تعریف کے بعد فقیر ہے تو استعمال کرے۔

(۱۲) باب:

۲۳۳۹۔ حدثني إسحاق بن إبراهيم: أخبرنا النضر: أخبرنا إسرائيل، عن أبي

إسحاق قال: أخبرني البراء، عن أبي بكر رضي الله عنهما، ح.

حدثنا عبد الله بن رجاء : حدثنا إسرائيل ، عن أبي إسحاق عن البراء ، عن أبي بكر رضي الله عنهما قال : ((انطلقت فإذا أنا براعى غنم يسوق غنمه فقلت : ممن أنت ؟ قال : لرجل من قريش ، فسماه فعرفته ، فقلت : هل فى غنمك من لبن ؟ فقال : نعم ، فقلت : هل أنت حالب لى ؟ قال : نعم ، فأمرته فاعتقل شاة من غنمه ثم أمرته أن ينفذ ضرعها من الغبار ، ثم أمرته أن ينفذ كفيه فقال هكذا ، ضرب إحدى كفيه بالأخرى فحلب كئبة من لبن وقد جعلت لرسول الله ﷺ إداوة على فيها خرقة فصبت على اللبن حتى برد أسفله ، فالتهمت إلى النبي ﷺ فقلت : اشرب يا رسول الله ، فشرب حتى رضيت . [أنظر : ۳۶۱۵ ، ۳۶۵۲ ، ۳۹۰۸ ، ۳۹۱۷ ، ۵۶۰۷] ك

حدیث باب کا مفہوم

یہ ہجرت کا واقعہ ہے جب حضور ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جارہے تھے، راستے میں ایک آدمی ملا جس کے ساتھ بکریاں تھیں۔ حضور ﷺ نے کوئی کھا نا نہیں کھا یا اس لئے بھوک تھی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس سے اجازت لی اور کہا کہ اگر تم اجازت دو تو تھوڑا سا دودھ نکال لوں۔ دودھ نکالا اور اس کو صاف کیا اس میں یہ کہتے ہیں کہ "وقد جعلت لرسول الله" پہلے میں نے ایک پیالہ سالیہ اور اس کے اوپر ایک کپڑا باندھا "فصبت على اللبن" میں نے اس کے اوپر ذرا پانی ڈالا تاکہ نیچے کا حصہ ٹھنڈا ہو جائے۔ "فالتهمت إلى النبي ﷺ فقلت : اشرب يا رسول الله ، فشرب حتى رضيت" یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کہہ سکتے ہیں "فشرب حتى رضيت" اتنا پیا کہ میں خوش ہو گیا۔

امام بخاریؒ نے یہ روایت لائے ہیں، شراح حضرات پریشان ہیں کہ اس کا لفظ سے کیا تعلق اور بڑی لمبی چوڑی کھینچ تان کر کے اس کی مطابقت ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے کہ اس روایت کو لفظ پر کیسے منطبق کیا جائے۔ لیکن بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اس کا تعلق پچھلے باب سے ہے۔ "باب لا تحلب ماشية أحد لغير إلفه" جس میں یہ فرمایا کہ کسی کی ماہیت سے بغیر اس کی اجازت کے نہ دودھا جائے۔ یہاں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی پہلے اجازت لی اور پھر دودھ دودھا تو معلوم ہوا کہ بغیر اجازت جائز نہیں تھا۔

قسط کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ وہاں تو مالک تھا اجازت سے لی۔ اگر مالک موجود نہ ہوتا تو چینا جائز نہ ہوتا۔

۱۱ وفی صحیح مسلم ، کتاب الاشربة ، باب جواز شرب اللبن ، رقم . ۳۷۳۹ ، و کتاب الزهد والرفائق ، باب فی

حدیث الهجرة ويقال له حدیث الرجن ، رقم : ۵۳۲۹ ، و مسند احمد ، کتاب مسند العشرة المبشرين بالجنة ، باب

مسند ابی بکر الصديق ، رقم : ۳۸۰۳

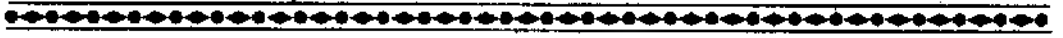
لقطہ امانت میں داخل ہے

لقطے کا جو مال ہے وہ مدتِ تعریف میں ملقط کے پاس امانت ہوتا ہے۔ اس کے پاس جتنے دن رہے گا بطور امانت ہوگا۔ تو اگر کسی کے پاس گائے، بکری یا اونٹنی امانت رکھوادی ہو تو اس کے لئے اس کا دودھ پینا جائز نہیں ہوتا۔ اگر دودھ نکالا تو اس کو نکالنے کے بعد فروخت کرے اور قیمت اپنے پاس رکھے۔ جب مالک آجائے تو اس کو دے اور اگر استعمال کیا ہے تو اس کے پیسے ادا کرے۔

سوال: سیلاب کے اندر جو سامان بہتا ہوا آتا ہے، لوگ اس کو پکڑتے ہیں، کیا یہ بھی لقطہ کے حکم میں ہے؟
جواب: یہ بھی لقطہ کے حکم میں ہے، اس کو استعمال کرنا جائز نہیں تعریف کرنا ضروری ہے۔ لقطہ کے سارے احکام اس پر جاری ہوں گے۔

سوال: لقطہ کے لئے کتنے پیسے ہوں تو تعریف کرنا ضروری ہے؟

جواب: اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی جس کے بارے میں یہ خیال ہو کہ کوئی بیچارہ اس کو تلاش کرتا ہوگا، اس کی ضرورت کا ہے، اس کی تعریف کرنا ضروری ہے۔ ایک آنہ یا ایک پیسہ ہو تو عام طور سے لوگ اس کو تلاش نہیں کرتے، تو تعریف نہ کرے۔



كتاب المطالع

٢٤٤٠ - ٢٤٨٢



۴۶۔ کتاب المظالم

فی المظالم والغصب

وقول الله تعالى :

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَفْعَلُ الظَّالِمُونَ ،
إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ مُهْطِعِينَ
مُقْبِعِينَ رُؤُوسِهِمْ ﴾

رافعی رؤوسہم . المقنع والمقمح واحد .

قال مجاهد : مُهْطِعِينَ : مديمی النظر . وقال غيره : مُسْرِهِينَ ﴿ لَا يَرْتَدُّ
إِلَيْهِمْ ظَرْفُهُمْ وَأَلْفِدْتُهُمْ هَوَاءَ ﴾ یعنی جو فو لاقول لہم ﴿ وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ
الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نَجِبْ دَعْوَتَكَ وَتَتَّبِعِ الرَّسُولَ
أَوْ لَمْ نَكُونُوا أَفْسَعْتُمْ مِنْ قَبْلِ مَا لَكُمْ مِنْ ذَوَالِ ، وَسَكُنْتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا
أَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ لَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمْ الْأَمْثَالَ . وَقَدْ مَكَرُوا مَكَرَهُمْ وَ
عِنْدَ اللَّهِ مَكَرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكَرُهُمْ لِيَنْزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ، فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُغْلِبًا وَغَدِيهِ
رُسُلَهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿

﴿ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ مُهْطِعِينَ مُقْبِعِينَ رُؤُوسِهِمْ ﴾

”مُهْطِعِينَ“ کی تشریح کی کہ ایک معنی تو ہیں تیز چلنے والے، جلدی جلدی چلنے والے۔ بعض لوگوں نے
اس کے معنی ”آکھیں پھاڑ کر دیکھنے والے“ کے کئے ہیں۔

(۱) باب قصاص المظالم

۲۴۴۰۔ حدثنا اسحاق بن ابراهيم : أخبرنا معاذ بن هشام : أبى ، عن قتادة ، عن
أبى المتوكل الناجى ، عن أبى سعيد الخدرى ؓ . عن رسول الله ﷺ قال : إذا اخلص
المؤمنون من النار حبسوا بقنطرة بين الجنة والنار فيتقاصون مظالم كانت بينهم فى الدنيا .

حتى إذا نقروا وهذبوا أذن لهم بدخول الجنة فوالذي نفس محمد ﷺ بيده ، لأحد هم بمسكنة في الجنة أدل بمنزله كان في الدنيا وقال يونس بن محمد : حدثنا شيبان ، عن قتادة : حدثنا أبو المتوكل . [أنظر : ۶۵۳۵]^۱

حدیث کی تشریح

جب مومن آگ سے نکال دیئے جائیں گے تو جنت اور نار کے درمیان کے ایک پل کے پاس روک دیئے جائیں گے۔ "فیتقاصون مظالم" وہاں ایک دوسرے سے ان مظالم کا بدلہ لیں گے جو دنیا میں ہوئے تھے۔ مقصد یہ ہے کہ جہنم میں جو کچھ بھگتا ہے وہ حقوق اللہ کے سبب بھگتا ہے۔ جو مظالم آپس میں ہوئے ان کا بدلہ وہاں سے نکلنے کے بعد لیا جائے گا۔

"حتى إذا نقروا" جب پاک صاف کر دیئے جائیں گے تو اس وقت جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی۔

"فوالذي نفس محمد بيده" جب جنت میں داخل ہوں گے تو وہاں جنت میں ہر اتان کا گھر ہوگا، ہر آدمی اس کا راستہ بہ نسبت دنیا کے گھر زیادہ پہچاننے والا ہوگا۔ یعنی جس طرح آدمی دنیا میں اپنے گھر کو پہچانتا ہے، جنت میں بنے ہوئے گھر کو اس سے زیادہ پہچانے گا۔

(۲) باب قول الله تعالى: ﴿أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ [هود: ۱۸]

۲۴۴۱۔ حدثنا موسى بن اسماعيل : حدثني قتادة ، عن صفوان بن محرز المازني قال : بينما أنا أمشي مع ابن عمر رضي الله عنهما أخذ بيده ، إذ عرض رجل لقال : كيف سمعت رسول الله ﷺ في السجوى ؟ فقال : سمعت رسول الله ﷺ يقول : ((إن الله يذني المؤمن ليضع عليه كنفه ويسره فيقول : أتعرف ذنب كذا ؟ أتعرف ذنب كذا ؟ فيقول : نعم أي رب ، حتى قرره بذنوبه ورأى في نفسه أنه هلك قال : سعتها عليه في الدنيا ، وأنا أغفرها لك اليوم)) . فيعطي كتاب حسنته . وأما الكافر والمنافقون فيقول الأشهاد : ﴿ هُوَ الَّذِي كَذَّبُوا عَلَى رَبِّهِمْ آلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴾^۲ [أنظر : ۴۶۸۵ ، ۶۰۷۰ ، ۷۵۱۴]

۱۔ مسند احمد كتاب بالي مسند المعكرين، باب مسد أبي سعيد الخدري، رقم ۱۰۶۷۳، ۱۱۱۲۳، ۱۱۱۲۵، ۱۱۱۲۸۱

۲۔ [هود: ۱۸]

۳۔ وفي صحيح مسلم ، كتاب التوبة ، باب قبول توبة القاتل وان كفره ، رقم ۴۹۷۲ ، وسن ابن ماجه ، كتاب المقدمة ، باب في مانكرت الجهمية ، رقم ۱۷۹ ، ومسند احمد ، رقم ۵۱۷۹۰ ، ۵۵۶۲

ترجمہ اور تشریح

حضرت صفوان بن محرز فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ان کا ہاتھ پکڑے ہوئے چل رہا تھا۔ اتنے میں ایک شخص سامنے آیا۔ اس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ”کیف سمعت رسول اللہ ﷺ فی النجوی؟“ آپ نے نبوی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کیا بات سنی ہے؟
نبوی کے معنی سرگوشی کے ہیں۔ یعنی اللہ ﷻ کسی بندے سے سرگوشی فرمائیں گے، اس بارے میں آپ نے کیا بات سنی ہے؟

”يقول ان الله يدني“ اللہ ﷻ مومن کو قریب کریں گے۔ ”المؤمن“ میں الف لام عہدہ یعنی کا ہے یعنی ایک مومن کو قریب کریں گے۔ ”فيضع عليه كفه“ اس پر اپنا پہلو رکھیں گے ”كما يليق بشانه تعالیٰ“۔

”ويستره“ اور اس کے نفس سے اس کو چھپالیں گے ”فيقول اتعرف ذنبك؟ اتعرف ذنبك كذا؟“ چپکے سے پوچھیں گے کہ وہ گناہ جانتا ہے جو تو نے کیا تھا ”فيقول نعم أي رب“ وہ کہے گا اے رب! میں جانتا ہوں، یہاں تک کہ اللہ ﷻ اس کو اس کے سارے گنہ دکھادیں گے۔

”ورأى في نفسه انه هلك“ وہ دل میں سوچے گا کہ آج، را گیا کیونکہ واقعی اتنے گناہ کئے ہیں اور اللہ تعالیٰ مجھے بتا رہے ہیں۔ اس وقت اللہ ﷻ فرمائیں گے ”سرتها عليك في الدنيا وانا اغفر هالك اليوم“ دنیا میں بھی تیری پردہ پوشی کی اور آج بھی یہاں تیری مغفرت کر دیتے ہیں۔

اللہ ﷻ سے مغفرت کی امید پر گناہ کا ارتکاب کرنا

یہ ان کا فضل و کرم ہے کہ جو ان ہی کے شایان شان ہے لیکن بندے کا یہ کام نہیں کہ اس فضل و کرم کو مد نظر رکھتے ہوئے معاصی کا ارتکاب کرے اور جرأت کرے کہ چلو کر لوں بعد میں میرا بھی یہی انجام ہوگا۔ اس قسم کی احادیث میں بیان کردہ رحمت کی بنیاد پر معاصی پر جرأت کرنا یہ بندے کا کام نہیں ہے، اس واسطے کہ قانون وہی ہے کہ گناہ کی سزا ملے گی، عذاب ہوگا اور پتہ نہیں کس بندے کی عمل کی وجہ سے یہ معاملہ ہو رہا ہے اور پتہ نہیں کہ تم اس میں داخل ہو یا نہیں۔ اس واسطے اس قسم کی احادیث کی وجہ سے گناہوں پر جرأت نہ ہونی چاہئے العیاذ باللہ تعالیٰ۔ یہ ان گناہوں کا ذکر ہے جو غلطی و بھول چوک سے ہو گئے تو اللہ ﷻ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ ﷻ ان کو معاف فرمادیں گے لیکن جان بوجھ کر گناہ کرنا یہ بہت بری بات ہے۔ اللہ ﷻ ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ آمین۔

(۳) باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمه

۲۴۴۲۔ حدثنا ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيامة [أنظر : ۶۹۵۱]
 ”اسلم یسلم اسلم رجلاً“ یعنی اس کو بغیر مدد کے چھوڑ دیا۔

(۱۰) باب من كانت له مظلمة عند الرجل فحلها له ،

هل یبین مظلمته؟

۲۴۴۹۔ حدثنا آدم بن أبي إياس : حدثنا ابن أبي ذئب : حدثنا سعيد المقبري عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله ﷺ ((من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شيء فليتحلله منه اليوم قبل أن لا يكون دينار ولا درهم ، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته وإن لم يكن له حسنات أخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه)) .

قال أبو عبد الله : قال اسماعيل بن أبي أويس : إنما سمي المقبري لأنه كان ينزل ناحية المقابر ، قال أبو عبد الله : وسعيد المقبري هو مولی بنی لیث وهو سعيد بن أبي سعيد ، وإسم أبي سعيد كيسان . [أنظر : ۶۵۳۴] .^۳

ظلم کی تلافی

یہ ترجمہ اس بات پر قائم کیا ہے کہ ”من كانت له مظلمة عند الرجل“ اگر کسی آدمی کی طرف سے کسی آدمی پر کوئی ظلم ہوا ہو ”فحلها له“ اور اس مظلوم نے اس کو معاف کر دیا ہو۔ ”حلها“، حلال کر دیا یعنی معاف کر دیا ”هل یبین مظلمته؟“ تو یہ معافی طلب کرنے والا اپنے اس ظلم کو پسے بیان کرے کہ میں نے یہ ظلم کیا تھا تب معافی طلب کرے یا اجمالاً اتنا معافی کرنا ہی کافی ہے کہ اگر میرا تمہارے ذمہ کوئی حق ہو یا میری طرف سے کوئی زیادتی ہوئی ہو، اس کو معاف کر دو۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا اور اس کا حکم نہیں بتایا، اس لئے کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے یعنی اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کے ساتھ زیادتی کی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک صورت تو یہ ہے کہ زیادتی کو بیان کرے یعنی یہ کہے کہ میں نے فلاں زیادتی کی تھی تم مجھے موقوف کر دو۔ اس صورت میں بالاتفاق معافی ہو جاتی ہے۔

دوسری صورت یہ کہ اگر وہ بیان نہ کرے صرف اتنا کہہ دے کہ مجھ سے تمہاری کوئی حق تلفی ہوئی ہو تو معاف کر دو، یہ نہیں بتایا کہ حق تلفی کیا ہے؟

زیادتی پر معافی اور اختلاف ائمہ

اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس طرح معافی نہیں ہوتی بلکہ حق تلفی بیان کرنا ضروری ہے۔
بعض حضرات کہتے ہیں کہ مطلقاً بھی معاف کر دے تو معافی ہو جاتی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ اس واسطے اس باب کے تحت وہ مائے ہیں:
”من كانت له مظلمة لاجيه“ کہ جس شخص کے ذمہ اپنے بھائی کا کوئی ظلم ہو اس کی آبرو کے متعلق یا کوئی اور حق ہو، ”فليصله“ تو اس سے آج صلت یعنی معافی طلب کر لے۔ ”قبل ان لا يكون دينار ولا درهم“ قبل اس کے کہ دینار، درہم نہ ہوں گے یعنی آخرت میں اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو جتنی زیادتیوں اس نے کی ہیں اس سے اتنی نیکیاں لے کر مظلوم کو دیدی جائیں گی۔ ”فان لم يكن له حسنات“ اگر نیکیاں نہ ہوں تو مظلوم کی سببات لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی تو اس وقت سے پہلے پہلے معافی طلب کرو۔
یہاں حضور ﷺ نے کوئی قید نہیں لگائی کہ ہرزیادتی کو بیان کر کے پھر معافی مانگ لو بلکہ تم نے جو بھی ظلم کیا ہے یا تم پر کسی کا حق ہے، اس سے معاف کراؤ۔ آپ ﷺ نے یہ بات مطلقاً ارشاد فرمائی۔ معلوم ہوا کہ مطلقاً معاف کر دینا بھی جائز ہے۔

یہ اس وقت ہے جب مظلوم بیان کرنے کا مطالبہ نہ کرے لیکن اگر مظلوم مطالبہ کرے کہ تم مجھ سے جو معافی مانگ رہے ہو، بتاؤ وہ حق تلفی کیا ہے؟ پہلے غلطی بتاؤ پھر معاف کروں گا۔ اگر وہ یہ کہے تو اس کو یہ حق ہے، لیکن اگر وہ یہ کہے کہ چلو معاف کیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ معاف ہوگا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ کا طرز عمل

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مجھ سے کوئی معافی مانگتا ہے تو میں اس سے کہتا ہوں کہ پہلے غلطی بتاؤ۔ وہ کہتا ہے میں نے آپ کی غیبت کی تھی۔ بتاؤ غیبت کیا تھی؟ پھر معاف کروں گا۔ کہتے ہیں کہ دل میں یہ نیت ہوتی تھی کہ ہو سکتا ہے یہ جو بات بتائے اس سے اپنی کوئی اصلاح ہو جائے۔ اس نے جو غیبت کی تھی بظاہر اس نے برائی بیان کی تھی۔ بہت سے لوگ سامنے تو برائی نہیں کرتے لیکن پیچھے بیان کرتے ہیں۔ جب پیچھے بیان کرتے ہیں تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ میرے بارے میں کیا سمجھتے ہیں اور کیا

برائی بیان کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کوئی برائی ایسی بیان کریں جو واقعی موجود ہو تو اس سے اصلاح ہو جائے گی۔ اس نیت سے پوچھتا ہوں کہ بتاؤ، کیا غیبت کی تھی؟ پھر معاف کروں گا۔

کہنا سنا معاف کرنا

ہاں بزرگوں کا ایک جملہ قدیم سے چلا آتا ہے کہ جب آپس میں جدا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ”کہنا سنا معاف کرنا“ یہ وہی عمومی معافی طلب کرنا ہے یعنی اگر میں نے کوئی ایسی بات کہہ دی ہو جو غیبت کے زمرے میں آتی ہے یا برائی میں شامل ہے تو معاف کر دینا، اس سے بھی معافی ہو جاتی ہے بشرطیکہ مظلوم بیان کرنے کی شرط نہ لگائے۔

حقوق العباد کا خیال رکھنا چاہئے

حقوق العباد کا معاملہ بڑا خطرناک ہے۔ حقوق اللہ تو تمہارا توبہ کر لینے سے معاف ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک کہ صاحب حق معاف نہ کرے۔

اول تو اس کا اہتمام ہونا چاہئے کہ اپنی ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ زبان، ہاتھ یا کسی بھی عمل سے تکلیف نہ پہنچے اور اگر کبھی ایسا ہو جائے تو فوراً معافی مانگنے کا اہتمام کرے، اللہ تعالیٰ توفیق دے فرض کریں اگر کسی نے دوسرے سے یہ کہا کہ مجھ سے کوئی حق تلفی ہوئی ہو تو معاف کرنا مثلاً غیبت وغیرہ اور دل میں یہ خیال ہے کہ مالی حق بھی معاف کر دے تو اس طرح مالی حق کی معافی نہیں ہوگی۔

سوال: اگر کسی نے کسی شخص کی غیبت کی اور وہ شخص کہیں دور دراز علاقے میں چلا گیا اور ربط ممکن نہ ہو سکے یا اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے حقوق کی تلافی کیسے ہوگی؟

جواب: اگر ان کا انتقال ہو گیا ہے تو ان کا حق یہ ہے کہ ان کے حق میں دعا کرے۔ ان کی طرف سے صدقہ و ایصال ثواب کر دے اور اگر وہ زندہ ہیں تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے کہ یا اللہ ان کے دل میں ڈال دیجئے کہ وہ مجھے معاف کر دیں۔

سوال: کیا ظالم کی غیبت کرنا جائز ہے؟

جواب: ظالم کی غیبت اس حد تک جائز ہے جس حد تک آدمی پر ظلم ہوا ہے۔ اس کا تدارک کرنے کے لئے بتائے کہ مجھ سے کس حد تک ظلم ہوا ہے۔ ظلم نے مجھ پر فداں ظلم کیا ہے یا کم از کم اپنی مظلومیت کا اظہار کرنے کے لئے اتنی بات کی اجازت ہے کہ ظالم کے ظلم کو لوگوں کے سامنے بیان کرے کہ مجھ پر یہ ظلم ہوا ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن بطور مشغلہ کے نہ کرے بلکہ یہ تو ظلم کا تدارک کرنے کے لئے یا جو تکلیف پہنچی ہے اس پر لوگوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے بیان کرے تو ٹھیک ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوِّءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا
 مَنْ ظَلَمَ ط وَ كَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ۝ ﴾^۱
 ترجمہ: ”اللہ کو پسند نہیں کسی کی بری بات کا ظہر کرنا مگر جس
 پر ظلم ہوا ہو اور اللہ ہے سنے والا جاننے والا“۔

فاسق کی غیبت کا حکم

یہ جو مشہور ہے کہ فاسق کی غیبت جائز ہے، یہ بات علی الاطلاق درست نہیں ہے نہ فاسق اور معفن کی غیبت
 اس حد تک جائز ہے جو وہ خود اعلانیہ کرتا ہو۔

فرض کریں ایک آدمی اعلانیہ شراب پیتا ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ فلاں شراب پیتا ہے تو اس میں کوئی
 مضائقہ نہیں کیونکہ وہ فاسق ہے خود اعلانیہ شراب پیتا ہے۔ اس واسطے اگر لوگوں کے سامنے ذکر کر دیا گیا تو وہ
 ناپسند نہیں کرے گا۔

لیکن جس کام کو وہ اعلانیہ نہیں کرتا اور چھپا چھپا جاتا ہے اس کے بارے میں غیبت کرنا فاسق کی بھی جائز نہیں۔
 ”سعيد المقبري“ سعيد المقبري روایتوں میں بکثرت آتا رہتا ہے۔ ان کا نام مقبری اس لئے رکھ
 دیا گیا تھا کہ ”انہ کان ينزل ناحية المقابر“ کہ یہ قبرستان کے پاس رہا کرتے تھے۔ آگے یہ بتایا کہ یہ بنو
 لیث کے مولیٰ ہیں۔ سعید ابن ابی سعید ان کا نام ہے اور ابو سعید کا نام کیسان ہے۔

(۱۱) باب إذا حمله من ظلمه فلا رجوع فيه

۲۴۵۰۔ حدثنا محمد: أخبرنا عبد الله: أخبرنا هشام بن عروة، عن أبيه، عن
 عائشة رضي الله عنها: ﴿ وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا ﴾ [النساء: ۱۲۸]
 قالت: الرجل تكون عنده المرأة ليس بمستكثر منها يريد أن يفرقها فنقول: أجعلك
 من شأني في حل، فنزلت هذه الآية في ذلك. [انظر: ۲۶۹۳، ۴۶۰۱، ۵۲۰۶] ع
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آیت کریمہ ﴿ وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ
 إِعْرَاضًا ﴾ یہ اس طرح نازل ہوئی کہ ایک شخص کے پاس کوئی عورت ہے یعنی اس کی بیوی ”لیس بمستكثر منها“

ع [النساء: ۱۲۸]

ع وفی صحیح مسلم، کتاب التفسیر، رقم ۵۳۴۲، ۵۳۴۳، وسنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی القسم
 بین النساء، رقم ۱۸۴۳.

اور وہ اس کے ساتھ کچھ زیادہ نہیں رہتا۔

”امسکر“ کے معنی زیادتی کرنا کہ اس کی زیادہ صحبت نہیں اٹھاتا، آپس میں زیادہ محبت نہیں ہے، شوہر کو بیوی سے محبت نہیں ہے، اس واسطے اس کے ساتھ زیادہ نہیں رہتا۔ ”یوید ان یفا رقیھا“ اس کا ارادہ ہے کہ میں اس کو چھوڑ دوں ”فتقول“ وہ عورت کہتی ہے کہ ”اجعلک من شانی فی حل“ کہ میں تمہیں اپنے معاملے میں آزادی دیتی ہوں۔ اپنے حقوق معاف کرتی ہوں کہ تم میرے پاس شب باشی نہ کرو یا میرا نفقہ نہ دو۔ تم مجھے طلاق نہ دو، نکاح میں برقرار رکھو، میں تمہیں اپنے حقوق معاف کرتی ہوں۔ اگر وہ اس طرح معاف کر دے اور شوہر اس کی وجہ سے اس کو طلاق نہ دے تو جائز ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَإِنْ امْرَأَةٌ خَالَتْ مِنْ بَغْلَيْهَا نَشُوزًا أَوْ
إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا
صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ط﴾

ترجمہ: ”اور اگر کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا جتنی پھر جانے سے تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر کہ کر لیں آپس میں کسی طرح صلح اور صلح خوب چیز ہے۔“

کہ اگر عورت کو اپنے شوہر سے نشوز کا اندیشہ ہو کہ وہ اس کے ساتھ نشوز کرنے لگا۔ نشوز کا مطلب ہے نافرمانی کرے گا۔ مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک نہیں کرے گا یا اعراض کا برتاؤ کرے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آپس میں مصالحت کر لیں۔

مصالحت یہ ہے کہ بیوی کہے کہ میں اپنے حقوق سے دستبردار ہوتی ہوں مجھے چھوڑ نہیں، تو ایسا کرنا جائز ہے۔

”والصلح خیر“ اس طرح صلح کرنا بہ نسبت اس کے بہتر کہ وہ عورت کو طلاق دے دے اور عورت

مطلقہ قرار پائے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو ”ترجمۃ الباب“ قائم کیا ہے کہا ”فاحلله من ظلمه فلا رجوع لیه“ کہ اگر کوئی مظلوم شخص ظالم کو ایک مرتبہ معاف کر دے تو اب بعد میں رجوع نہیں کر سکتا۔ ایک مرتبہ جس کو معاف کر دیا وہ معاف ہو گیا۔ اس حدیث سے اس طرح استدلال کیا کہ بیوی کہتی ہے میں اپنے معاملات میں آپ کو آزاد کرتی ہوں۔ اسی بنیاد پر صلح ہوئی اور اسی بنیاد پر وہ طلاق دینے سے باز رہا۔ اب بعد میں بیوی کہے کہ میں معاف نہیں کرتی تو اس صلح کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ اس واسطے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ معاف کر دینے کے بعد معافی ہو جاتی ہے اور اس میں رجوع نہیں ہوتا۔

(۱۳) باب اثم من ظلم شیئاً من الارض

۲۴۵۲ — حدثنا أبو الیمان : أخبرنا شعیب ، عن الزهري قال : حدثني طلحة بن عبد الله : أن عبد الرحمن بن عمرو بن سهل : أخبره أن سعيد بن زيد رضي الله عنه قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول : من ظلم من الأرض شيئاً ، طوقه من سبع أرضين . [انظر: ۳۱۹۸] ۹

۲۴۵۳ — حدثنا مسلم بن إبراهيم : قال الفربري : قال أبو جعفر بن أبي حاتم : قال أبو عبد الله : هذا الحديث ليس بخراسان في كتب ابن المبارك أملي عليهم بالبصرة . [انظر: ۳۱۹۶]

پہلی حدیث میں ہے کہ جو شخص ظلماً کسی کی زمین لے گا تو اس کے گلے میں سات زمیںیں طوق بنا کر ڈال دی جائیں گی۔ زمیںیں کیسے طوق بنائی جائیں گی؟ اس کی تفسیر بیان کی کہ قیامت کے دن اس کو سات زمینوں تک زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ تو گویا وہ زمیںیں اس کے گلے کا طوق بن جائیں گی۔

”قال الفربري“

یعنی یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن مبارک نے خراسان میں نہیں بیان کی بلکہ بصرہ میں بیان کی تھی۔ اس کا مطلب تضعیف نہیں ہے صرف واقعہ کا بیان ہے کہ خراسان میں عبد اللہ بن مبارک نے جو حدیثیں بیان کی تھیں ان میں یہ شامل نہیں بلکہ یہ بصرہ میں بیان کی تھی۔

(۱۴) باب إذا أذن انسان لآخر شيئاً جاز

۲۴۵۵ — حدثنا حفص بن عمرو : حدثنا شعبة ، عن جبلة : كنا بالمدينة في بعض أهل العراق فأصابنا سنة ، فكان ابن الزبير يرزقنا التمر ، فكان ابن عمرو رضي الله عنهما يمرينا فيقول : إن رسول الله ﷺ نهى عن الإقران إلا أن يستأذن الرجل منكم أخاه .

۹ رقی صحیح مسلم ، کتاب المسافدة ، باب تحریم الظلم و غصب الارض و غیرها ، رقم : ۳۰۲۰ ، و سنن الترمذی ، کتاب البیات عن رسول الله ، باب ماجاء فیمن قفل دون ماله فهو شهید ، رقم : ۳۳۸ ، و مسند أحمد ، رقم : ۱۵۳۲ ، ۱۵۳۷ ، و سنن الدارمی ، کتاب البیوع ، باب من اخذ شیئاً من الارض ، رقم : ۲۴۹۲

[انظر: ۲۳۸۹، ۲۳۹۰، ۵۳۳۶] ۷

حدیث باب کی تشریح

حضرت جبلة فرماتے ہیں کہ ہم عراق کے ایک شہر میں تھے۔ ”فأصابنا سنة“ کہ ہمیں قحط پڑ گیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہمیں کھجوریں دیا کرتے تھے یعنی قحط کے زمانے میں کھجوریں تقسیم کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہم سے گزرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اقران سے منع فرمایا ہے۔ اقران کے معنی یہ ہیں کہ ایک تھال میں کھجوریں رکھی ہیں اور مختلف مشترک لوگ بیٹھ کر کھا رہے ہیں۔ کوئی ایک آدمی ایک مرتبہ میں دو کھجوریں کھانے کے لئے اٹھالے، اس کو اقران کہتے ہیں۔ ایک ثمر کو دوسری ثمر کے ساتھ ملا کر کھائے۔ سب ایک ایک کھا رہے ہیں اور ایک شخص نے دو اٹھالیں، اس سے منع فرمایا۔ لیکن اگر کوئی شخص حاضرین سے اجازت لے لے کہ میں دو کھانا چاہ رہا ہوں اور وہ اجازت دے دیں تو یہ دوسری بات ہے لیکن خود سے اس کا اقدام نہیں کرنا چاہئے۔

یہ حکم خاص نہیں

اور یہ کھجور کی خصوصیت نہیں بلکہ جہاں پر بھی کچھ لوگ کوئی مشترک چیز استعمال کر رہے ہوں وہاں دوسروں سے زیادہ لینا ٹھیک نہیں۔ اس کا اطلاق دعوتوں پر بھی ہوتا ہے کہ دعوتوں میں کھانا سامنے رکھا ہوا ہے۔ اب دس آدمی بیٹھے ہیں تو آدمی کو لیتے وقت یہ خیال کرنا چاہئے کہ میرے علاوہ نو آدمی اور بھی ہیں۔ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ سارا اپنے برتن میں لے لیا تو یہ بھی اقران میں داخل ہے بلکہ اس سے زیادہ ہے کہ کھجور میں تو ایک ہی بات ہے کہ زیادتی ہوئی اور یہاں اچھا اچھا کھانا سارا اپنے برتن میں ڈال لیا، یہ بد تمیزی، بد تہذیبی اور ناجائز ہے کیونکہ اپنے ۱۰ سے ساتھیوں کا خیال نہیں کیا۔ ان کی رعایت نہیں رکھی۔

تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خاص طور پر قحط کے زمانے میں یہ فرمایا کیونکہ قحط کے زمانے میں لوگ بھوک سے بے تاب ہوتے ہیں، ہمیں بھوک کی وجہ سے زیادہ نہ لے لیں تو حضور اکرم ﷺ کا فرمان سنایا کہ آپ ﷺ

۱۰۔ ولی صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب نهی الأكل مع جماعة عن قران تمرتين ونحوهما لقمة الا باذن اصحابه، رقم: ۳۸۰۹۰، وسنن الترمذی، کتاب الاطعمة عن رسول الله، باب ماجاء فی كراهية القران بین التمرتين، رقم: ۱۷۳۶، وسنن أبی داؤد، کتاب الاطعمة، باب الاقران فی التمر عند الأكل، رقم: ۳۳۳۷، وسنن ابن ماجه كتاب الاطعمة، رقم: ۳۳۲۲، وسنن احمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن

نے بغیر اجازت قرآن سے منع فرمایا۔

۲۳۵۶۔ حدثنا أبو النعمان : حدثنا أبو عوانة عن الأعمش عن أبي وائل ، عن أبي مسعود : أن رجلا من الأنصار يقال له : أبو شعيب ، كان له غلام لحام فقال له أبو شعيب : اصنع لي طعام خمسة لعلی أدعو النبي ﷺ خامس خمسة ، وأبصر في وجه النبي ﷺ نعم الجوع فدعاه فتبعهم رجل لم يدع فقال النبي ﷺ : إن هذا قد أتبعنا أذن له؟ قال نعم . [راجع : ۲۰۸۱] ۱۱

ابو شعیب کا غلام لحام تھا یعنی گوشت فروش تھا۔ ابو شعیب نے ان سے کہا کہ میرے لئے پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کر دو کیونکہ شاید میں حضور ﷺ کو دعوت دوں۔ خامس شمسہ کہ پانچ میں پانچویں ہوں گے یعنی حضور اکرم ﷺ سیت کل پانچ آدمی ہوں گے۔

”وابصر فی وجه النبی ﷺ نعم الجوع“ اور ابو شعیب نے حضور اکرم ﷺ کے چہرہ انور پر بھوک کے آثار دیکھے تھے تو جا کر یہ کھانا بنا دیا۔ ”فدعاه“ حضور ﷺ کو دعوت دی تو ساتھ ایک شخص لگ گیا جس کو دعوت نہیں دی گئی تھی۔

نبی کریم ﷺ جب ان کے دروازے پر پہنچے تو آپ ﷺ نے صراحتاً اس کے لئے اجازت طلب کی پھر لے گئے۔

بن بلائے مہمان کا حکم

معلوم ہوا کہ جس کو دعوت نہیں دی گئی اس کو بغیر اجازت ساتھ لے کر جانا جائز نہیں جب تک کہ صاحب طعام اجازت نہ دے۔ اجازت بھی خوش دلی سے ہو، یہ نہیں کہ شرما شرمی سے مروتا اس نے اجازت دے دی ہو۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص بغیر دعوت کے کہیں جائے تو چور بن کر داخل ہوا اور شیرا بن کر نکلا۔ سلمس عمل پر کتنی سخت وعید ہے۔ بعض پیر صاحب مقتدا یا پیر اس معصیت کبریٰ کا سبب بن جاتے ہیں، دعوت صرف پیر صاحب کی ہوتی ہے اور پیر صاحب مریدین کا لاد و لشکر لے کر پہنچ جاتے ہیں، میزبان بیچارہ مروت کے مارے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔ یہ بہت خطرناک بات ہے۔

۱۱۔ وفقی صحیح مسلم ، کتاب الاشریة ، باب ما یفعل الضیف اذا تبعه غیر من دعاه صاحب الطعام ، رقم : ۳۷۹۷ ،

وسنن الترمذی ، کتاب النکاح عن رسول اللہ ، رقم : ۱۰۱۸ .

۱۲۔ سنن البیہقی الکبری ، ج ۷ ، ص ۶۸ ، باب طعام الفحاة قال أبو العباس ونہی عن طعام ، رقم :

۱۳۱۹۰ ، ۱۳۲۲۳ ، وسنن أبی داؤد ، ج ۳ ، ص : ۳۲۱ ، کتاب الاطعمہ ، باب ما جاء فی اجابة الدعوة ،

(۱۵) باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَهُوَ أَلَدُ الْخِصَامِ﴾ ۳

۲۴۵۷۔ حدثنا أبو عاصم ، عن ابن جريج ، عن ابن أبي مليكة عن عائشة رضي الله عنها ، عن النبي ﷺ قال : إن ابغض الرجال إلى الله وهو الألد الخصم .
[أنظر: ۴۵۲۳، ۷۱۸۸]

الألد الخصم

اللہ ﷻ کو وہ شخص بہت بغض ہے جو جھگڑا کرنے والے کے معنی میں جھگڑا کرنے والا۔ بات بات پر جھگڑا کر رہا ہے، بات بات پر بحث و مباحثہ کرنے کے لئے تیار ہے۔ تو ایسا آدمی اللہ ﷻ کو سخت بغض ہے۔ اللہ ﷻ کو وہ شخص پسند ہے جو نرم خو ہے، لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہو، اچھا برتاؤ کرنے والا ہو۔

(۱۶) باب إثم من خصم في باطل وهو يعلمه

۲۴۵۸۔ حدثنا عبد العزيز بن عبد الله قال : حدثني ابراهيم بن سعد ، عن صالح ، عن ابن شهاب قال : أخبرني عروة بن الزبير : أن زينب بنت أم سلمة أخبرته أن أمها أم سلمة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ أخبرتها عن رسول الله ﷺ : أنه سمع خصومة بين أم حجرة فخرج إليهم فقال : إنما أنا بشر ، وأنه يأتيني الخصم لعل بعضكم أن يكون أبلع من بعض فاحسب أنه صدق فاقضى له بذلك ، فمن قضيت له بحق مسلم فإنما هي قطعة من النار فليأخذها أولئك بها . [أنظر: ۶۶۸۰، ۶۹۶۷، ۷۱۶۹، ۷۱۸۱، ۷۱۸۵] ۳

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خصومت کی آواز سنی۔ دو آدمی آپ ﷺ کے حجرہ مبارکہ کے دروازے پر جھگڑ رہے تھے۔ آپ ﷺ ان کی طرف نکل گئے اور فرمایا ”ایما انا بشر و انه یأتینی الخصم“ کہ میں ایک بشر ہوں۔ بعض اوقات کوئی خصم آتا ہے یعنی کوئی فریق آتا ہے کہ ہمارا جھگڑا ہے

۳ [البقرة: ۲۰۳]

۳ وفي صحيح مسلم ، كتاب الأضية ، باب الحكم بالظاهر واللحن بالحجة ، رقم : ۳۲۳۱ ، ۳۲۳۲ ، وسنن النسائي ، كتاب آداب القضاة ، باب الحكم بالظاهر ، رقم : ۵۳۰۶ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الأضية ، باب في قضاء القاضي اذا احتطأ ، رقم : ۳۱۱۲ ، وسنن ابن ماجة ، كتاب الاحكام ، باب قضية الحاكم لا تحل حراماً ولا تحرم حراماً ، رقم : ۲۳۰۸ ، ومسند احمد ، باقي مسند الأنصار ، باب حديث أم سلمة زوج النبي ، رقم : ۲۵۲۸۶ ، ۲۵۳۰۲ ، ۲۵۳۰۹ ، ۲۵۳۹۲ ، و موطا مالك ، كتاب الأضية ، باب الترغيب في القضاة بالحق ، رقم : ۱۲۰۵ .

فیصلہ فرمادیں۔ ”فلعل بعضکم أن یکون ابلغ من بعض“ تو ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص دوسرے کے مقابلہ میں بہت زیادہ بلیغ ہو یعنی اس کے اندر فصاحت و بلاغت زیادہ ہو۔ بعض روایتوں میں ہے ”أن یکون الحق بحجته“ کہ اپنی حجت کو زیادہ جرب لسانی سے بیان کرنے پر قادر ہو۔ ”فاحسب أنه صدق“ میں یہ گمان کر لوں کہ اس نے سچ بولا ہے ”فأقضى له بذلك“ اور اس کے لئے فیصلہ کر دوں ”من قضیت له بحق مسلم فانما هی قطعة من النار“ میرے فیصلے کے باوجود جو حق چیز اس کو مل گئی اور وہ جانتا ہے کہ یہ ناحق ہے تو یہ چیز اس کے لئے جہنم کا ٹکڑا ہے۔ ”فلیأخذها أو لیترکها“ جب یہ جانتا ہے کہ جہنم کا ٹکڑا ہے تو چاہے تو لے لے اور نہیں لینا چاہتا تو چھوڑ دے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر میں نے کسی شخص کے حق میں اس کے ظاہری دلائل کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کر دیا جبکہ نفس الامر میں وہ اس کا حق نہیں تھا تب بھی اس شخص کے لئے اس چیز کو ناحق استعمال کرنا جائز نہیں، سخت گناہ ہوگا۔

اگر قاضی نے ناحق فیصلہ کیا تو اس کا حکم

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مسلک

اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ ”یعنی شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ تینوں اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ ناحق دعویٰ کی صورت میں قضاء صرف ظاہر نافذ ہوتی ہے، باطن نافذ نہیں ہوتی۔^{۱۵}

مثلاً قاضی نے کوئی فیصلہ کر دیا کہ یہ مکان زید کا ہے تو ظاہر اس کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ ظاہر کے معنی ہیں دنیا کے احکام میں، دنیا کے اعتبار سے کسی کو یہ حق نہیں ہوگا کہ اس مکان کو اپنا کہے لیکن باطن نافذ نہیں ہوگا۔ یعنی اگر وہ مکان فی الواقع نفس الامر میں اس کا نہیں ہے تو اس کے لئے اس مکان سے انتفاع حلال نہیں ہوگا۔

اسی طرح مثلاً ایک شخص نے کسی عورت پر دعویٰ کر دیا کہ یہ میری بیوی ہے اور اس پر چھوٹا بیٹہ قائم کر دیا، اس بیٹہ کی بنیاد پر قاضی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ اس کی بیوی ہے جبکہ نفس الامر میں نکاح نہیں ہوا تھا تو قاضی کا یہ فیصلہ ظاہر نافذ ہوگا یعنی دنیا کے اندر اس کے ساتھ بیوی والا معاملہ کرنے سے کوئی نہیں روک سکے گا لیکن آخرت کے احکام کے اعتبار سے باطن نافذ نہیں ہوگا، لہذا اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ اس کے ساتھ بیوی والا معاملہ کرے۔

یہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مذہب ہے اور اس کو اس طرح تعبیر کیا جاتا ہے کہ قضا قاضی ظاہر نافذ ہوتی ہے باطن نافذ نہیں ہوتی۔^{۱۶}

۱۵۔ بہ استدلال الائمة الثلاثہ علی أن قضاء القاضی إنما یفعل فی الظاهر، ولا یفعل فی الباطن الخ تکملة فتح

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی صورت میں قضاء قاضی کے نافذ ہونے کے لئے چند شرائط ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ معاملہ عقود یا فسوخ کا ہو، مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ اس نے یہ کتاب مجھے بیچ دی تھی۔ دوسرا کہتا ہے کہ میں نے نہیں بیچی، یہ عقد کا معاملہ ہوا۔

ایک شخص کہتا ہے کہ اس عورت نے میرے ساتھ نکاح کیا ہے اور نکاح کو قبول کیا ہے۔ عورت کہتی ہے کہ میں نے اس کے ساتھ نکاح نہیں کیا، یہ معاملہ بھی عقد کا ہے۔

یا فسخ کا معاملہ ہو کہ ایک شخص کہتا ہے کہ اس نے میرے ساتھ اقالہ کر لیا۔ دوسرا کہتا ہے میں نے اقالہ نہیں کیا۔ عورت کہتی ہے کہ مجھے شوہر نے طلاق دے دی اور مرد کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی، یہ فسخ کا معاملہ ہوا تو معاملہ عقود اور فسوخ کا ہو، تب قضاء قاضی ظاہر او باطن نافذ ہوتی ہے لیکن اگر معاملہ عقود و فسوخ کا نہیں ہے بلکہ املاک مرسلہ کا ہے تو قضاء قاضی صرف ظاہر نافذ ہوگی، باطن نہیں ہوگی۔

املاک مرسلہ کا مطلب

املاک مرسلہ کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص نے کسی چیز کا دعویٰ کیا کہ یہ میری ہے۔ میری ملکیت ہے، لیکن کا سبب نہیں بتایا مثلاً کہا کہ یہ مکان میرا ہے اور یہ کہاں سے آیا؟ اس کا ذکر نہیں ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ حیرا نہیں، میرا ہے تو یہ قضیہ املاک مرسلہ کا ہوا کیونکہ کسی عقد اور فسخ کا ذکر نہیں بلکہ مطلق ملک کا ذکر ہے۔ اس کو املاک مرسلہ کہتے ہیں۔

یا کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ یہ گھر میرا ہے، مجھے میرے باپ کی طرف سے میراث میں ملا تھا تو اس میں بھی عقد اور فسخ کا دعویٰ کوئی نہیں کر رہا ہے بلکہ ملک مرسل کا دعویٰ کر رہا ہے۔

تو املاک مرسلہ میں حنفیہ بھی اسی مسلک کے قائل ہیں جس کے ائمہ ثلاثہ قائل ہیں یعنی قضاء قاضی صرف ظاہر نافذ ہوگی، باطن نہیں ہوگی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ قاضی نے فیصلہ بینہ کی بنیاد پر کیا ہو، مدعی نے بینہ پیش کیا کہ میری اس فلاں کے ساتھ بیچ ہوئی تھی یا فلاں کے ساتھ نکاح ہوا تھا اور قاضی نے اس بینہ کی بنیاد پر فیصلہ کیا تب وہ ظاہر او باطن دونوں طرح نافذ ہو جائے گا۔ لیکن اگر قاضی نے فیصلہ بینہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ بیین کی بنیاد پر کیا تو پھر وہ فیصلہ صرف ظاہر نافذ ہوگا باطن نہیں ہوگا۔

حنفیہ کا استدلال

حنفیہ اس بات میں ایک واقعہ سے استدلال کرتے ہیں جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کتاب الخراج میں ذکر کی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا۔ مرد دعویٰ کر رہا تھا کہ یہ عورت میری منکوحہ ہے، میں نے اس سے نکاح کیا ہے۔ عورت کہتی ہے کہ مجھ سے نکاح نہیں ہوا۔

حضرت علیؑ نے مرد سے کہا کہ تم گواہ پیش کرو کہ نکاح ہوا ہے۔ اس نے دو گواہ پیش کر دیئے۔ جب دو گواہ پیش کئے تو حضرت علیؑ نے مرد کے حق میں فیصلہ کر دیا کہ یہ تیری منکوحہ ہے۔ جب فیصلہ ہو گیا تو اس عورت نے حضرت علیؑ سے کہا کہ حضرت! آپ نے فیصلہ تو کر دیا، اب مجھے اس کے ساتھ رہنا پڑے گا جبکہ میں خوب اچھی طرح جانتی ہوں کہ میرا اس کے ساتھ نکاح نہیں ہوا۔ اس واسطے آپ میرا اس کے ساتھ باقاعدہ نکاح کر دیجئے تاکہ میری زندگی حرام میں نہ گزرے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ”شاہداک زوجاک“ تیرے دو گواہوں نے تیرا نکاح کر دیا یعنی اب مجھے نیا نکاح کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ کے نکاح سے انکار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ کا فیصلہ ظاہر و باطناً نافذ ہو گیا۔ اب اس عورت کے لئے اس مرد کے ساتھ رہنا خود بخود حل ہو گیا۔ اس کے لئے نیا عقد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ کا یہ فیصلہ بڑا حکیمانہ فیصلہ ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قاضی بنایا ”دافع خصومات“ اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب قاضی کی طرف سے کوئی فیصلہ ہو جائے، جھگڑا منٹ جائے، اس کے بعد پھر کوئی اجمال، ابہام اور اشتباہ باقی نہ رہے۔ لہذا جہاں تک ممکن ہو قاضی کے فیصلے کو دنیا اور آخرت دونوں کے اعتبار سے فیصلہ کن قرار دینا چاہئے ورنہ سناری عمر جھگڑا باقی رہے گا۔^{۱۸}

مثلاً اگر ہم یہ کہیں کہ یہ نکاح ظاہر تو ہوا لیکن باطن نہیں ہوا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ استمتاع شوہر کے لئے ظاہر تو حلال ہے باطناً حلال نہیں، لہذا عورت کے لئے ظاہراً تمکین واجب ہے باطناً واجب نہیں۔ اگر کوئی اولاد ہوگی تو وہ ظاہراً ثابت النسب ہے باطناً ثابت النسب نہیں۔

اور اگر وہ عورت یہ دیکھ کر کہ باطناً میرا نکاح نہیں ہوا، بھگ کھڑی ہو تو ظاہر اس کو پھر نیا جانے گا کہ

اس کے پاس جا، لیکن باطناً پکڑنا جائز نہ ہوگا اور اگر جا کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے تو ظاہراً وہ مستوجب حد ہوگی اور باطناً نہیں ہوگی اور اگر اس دوسرے مرد سے اور پیدا ہوگی تو وہ ظاہر غیر ثابت النسب ہوگی اور باطناً ثابت النسب ہوگی۔ اگر یہ موقف اختیار کیا جائے کہ ظاہراً نافذ ہے اور باطناً نہیں ہے تو جھگڑے کا یہ! متناہی سلسلہ ہے۔ قاضی کا فیصلہ جھگڑا ختم کرنے کا ذریعہ بننے کے بجائے ان غیر متناہی جھگڑا کھڑا کرنے کا ذریعہ بن گیا۔

تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ جب قاضی کو اللہ تعالیٰ نے رافع خصوصیت بتایا ہے تو جب تک ممکن ہو اس کے فیصلے کو انتہائی قرار دینا ہوگا اور جہاں بینہ کے ذریعے معاملہ طے ہو وہاں یہ ممکن ہے کہ جب شوہر نے بینہ پیش کر دیا اور قاضی نے فیصلہ کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پہلے نکاح نہیں بھی تھا تو اب ہو گیا، کیونکہ قاضی کو ولایت بھی حاصل ہے۔ اب اس نکاح کو ظاہراً و باطناً معتبر ماننا ہوگا، اس سے جھگڑا ختم ہوگا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر اعتراض

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف اس مسئلے میں بڑا زبردست ہنگامہ ہوا کہ دیکھو انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اگر کوئی دھوکہ سے جھوٹا گواہ بنا کر نکاح کر لے تو وہ عورت اس کے لئے حلال ہوگی۔

درحقیقت امام صاحب رحمہ اللہ نے یہ اس لئے فرمایا تا کہ آئندہ کے لئے خصوصیت بند ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوگوں کو لائسنس دے دیا جائے کہ دودھ گواہ پیش کر کے نکاح ثابت کر لیا کرو۔ اس لئے کہ جھوٹے گواہ پیش کرنے کا گناہ اس پر ہر حال میں ہوگا۔ جھوٹا دعویٰ کرنے اور جھوٹے گواہ پیش کرنے کے گناہ کے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ منکر نہیں ہیں۔

تو جھوٹے گواہ پیش کرنے کا گناہ ہے۔ جھوٹا دعویٰ کرنے کا گناہ ہے، ایک عورت کو اس کی مرضی کے خلاف گھر میں رکھنے کا گناہ ہے، پتہ نہیں کتنے گناہ ہیں اور حضرت شاہ صاحب ”العروف الشمدی“ میں فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ نہیں ہے کہ ایک مرتبہ یہ گناہ ہو کر ختم ہو گیا بلکہ وہ گناہ ساری عمر جاری رہے گا اگرچہ اس نکاح کو ظاہراً و باطناً نافذ کر دیا گیا، اس کی اولاد کو ثابت النسب کہیں گے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن چونکہ اس عورت کو نکاح میں لانے کے لئے اس نے حرام طریقہ استعمال کیا، لہذا یہ خبث ساری عمر باقی رہے گا تا وقتیکہ اس نکاح کو فسخ کر کے مشروع طریقہ سے نکاح نہ کرے۔ جیسے کوئی شخص جھوٹ بول کر، دھوکہ دے کر کسی سے بیع کر لے تو بیع ظاہراً بھی ہوگی اور باطناً بھی لیکن چونکہ اس نے حرام طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس واسطے اس حرمت کا خبث جاری اور باقی رہے گا تا وقتیکہ اس بیع کو فسخ نہ کرے اور فسخ کر کے پھر دوبارہ از سر نو عقد نہ کرے۔

حضرت علیؑ کے واقعہ پر ایک شبہ اور اس کا جواب

سوال: کتاب الخراج میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ اس عورت نے کہا کہ آپ میرا باقاعدہ نکاح کر دیجئے۔ حضرت علیؑ نے انکار کیا اور یہ کہا کہ ”شاہداک زوجاک“۔

جواب: حضرت علیؑ نے انکار اس لئے کیا کہ حضرت علیؑ خود قاضی تھے۔ اگر وہ نکاح کرتے تو اس کا یہ مطلب ہوتا کہ انہوں نے پہلے جو فیصلہ کیا تھا اس کو کالعدم قرار دے رہے ہیں، فسخ کر رہے ہیں اور قاضی کے لئے کوئی بھی اپنا فیصلہ فسخ نہیں کرتا، لیکن اسی حدیث میں یہ ہے کہ بعد میں میاں بیوی نے کسی اور ذریعے سے عقد جدید کر لیا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے ”کتاب الخراج“ میں یہ بات بھی ذکر فرمائی ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عقد جدید کے بغیر جث ساری عمر برقرار رہے گا۔^{۱۹}

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو کتب حدیث میں کیوں نہیں؟

یہاں اعتراض کیا جاتا ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے حضرت علیؑ کا جو واقعہ نقل کیا ہے، وہ کتب حدیث میں کہیں نہیں ہے۔ حافظ رحمہ اللہ نے کہہ دیا کہ ”لا اصل لہ“ اس کی کوئی اصل ہی نہیں کیونکہ یہ کتب حدیث میں کہیں نہیں ملتا۔^{۲۰}

جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ امام ابو یوسفؑ نے نقل کیا ہے اور امام ابو یوسفؑ ان مجتہدین میں سے ہیں کہ حنفیہ کے مخالفین جو امام ابو حنیفہؑ اور امام محمدؑ پر طعن کرتے ہیں وہ بھی امام ابو یوسفؑ کو حدیث میں ثقہ کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ امام ابن حبانؑ جنہوں نے امام ابو حنیفہؑ کے بارے میں العیاذ باللہ بڑے غصے کا اظہار کیا لیکن ساتھ لکھا ہے کہ ان کے اصحاب میں ابو یوسفؑ ایسے ہیں جو حدیث کے اندر بھی قوی و ثقہ ہیں۔

تو امام ابو یوسفؑ کو وہ بھی ثقہ اور قوی مانتے ہیں جو امام ابو حنیفہؑ پر طعن کرنے والے ہیں، لہذا ان کا اس حدیث کو اپنی کتاب الخراج میں لکھنا اور اس سے استدلال کرنا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے پاس صحیح سند سے پہنچی تھی، لہذا اس سے استدلال درست ہو گیا۔

حدیث باب کا جواب

حدیث باب جس سے ائمہ ثماثہ نے استدلال کیا ہے اس کی مختلف توجیہات ہیں

۱۹ حاشیہ ابن عابدین، ج ۵، ص ۴۰۶، دار الفکر، بیروت

۲۰ روایت حدیث میں امام ابو یوسفؑ کا مقام۔

پہلی بات یہ ہے کہ یہ قضیہ، عقود یا فسوخ کا نہیں تھا بلکہ یہ املاک مرسلہ کا قضیہ ہے۔ اس واسطے یہ محل نزاع میں داخل ہی نہیں۔ بعض روایتوں میں اس کی صراحت آئی ہے کہ یہ میراث کا جھگڑا تھا اور میراث عقود و فسوخ میں نہیں آتا بلکہ املاک مرسلہ میں آتا ہے، اس لئے حنفیہ کا مذہب سرے سے اس سے متعلق ہی نہیں ہے اور اگر بالفرض اس کو عقود و فسوخ سے متعلق بھی مان لیا جائے تب بھی حضور اکرم ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ اس کے لئے حلال نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اس کو اسی طرح رکھے اور ہم بھی عرض کر چکے ہیں کہ اس کا بحث مستمر ہے گا اس لئے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کو ختم کر کے از سر نو عقد صحیح کرے۔ تو اس وعید کو بحث پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے۔

سوال: نکاح میں ایجاب و قبول ضروری ہے۔ اگر وہ عورت ایجاب و قبول نہ کرے تو دو گواہوں کی گواہی سے نکاح کیسے درست ہوگا؟ یعنی سوال کا منشاء یہ ہے کہ ہم نے کہا تھا کہ اگر پہلے نکاح نہیں بھی تھا تو اب گواہوں کے ذریعے نکاح ہو گیا۔ سوال یہ ہے کہ نکاح جب ہی ہوگا جب عورت قبول کرے اور گواہ اس عورت کے قبول کی گواہی دے۔ جب عورت نے قبول ہی نہیں کیا تو محض گواہ سے نکاح کیسے ہوگا؟

جواب: یہ ہے کہ یہاں پر قاضی عورت کا قائم مقام ہو گیا ہے جیسا کہ ہم جو نکاح پڑھاتے ہیں اس میں قاضی عورت کا وکیل اور قائم مقام ہوتا ہے۔ تو قاضی اپنی ولایت عامہ کے ذریعے عورت کا قائم مقام ہو گیا۔ مرد تو پہلے سے راضی ہے، قاضی عورت کی طرف سے راضی ہو گیا اور دو گواہ موجود ہیں۔ اس طرح نکاح منعقد ہو گیا۔

(۱۸) باب قصاص المظلوم إذا وجد مال ظالمه

وقال ابن سيرين: يقاصه، وقرأ: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوذْتُمْ بِهِ﴾^۱

۲۴۶۰۔ حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال حدثني عروة بن عائشة رضي الله عنها قالت: جاءت هند بنت عتبة بن ربيعة فقالت: يا رسول الله إن أبا سليمان رجل مسيك فهل على حرج أطعم من الذي له عيالنا؟ فقال: "لا حرج عليك أن تطعمهم بالمعروف". [راجع: ۲۲۱۱] ^۲

"باب قصاص المظلوم"

یہ باب ہے مظلوم کے مقاضہ کرنے کے بارے میں (قصاص یہاں مقاصد کے معنی میں ہے) جب

[النحل: ۱۲۶]

۱۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب قضیة ہند، رقم ۳۲۴۳ - ۳۲۴۵، وسنن النسائی، کتاب آداب القضاة، باب قضاء الحاکم علی الغائب اذا عرفه، رقم ۵۳۲۵، وسنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی الرجل يأخذ حقه من تحت یدہ، رقم: ۳۰۶۵، وسنن ابن ماجہ، کتاب التجارة، باب مال المرأة من مال زوجها، رقم: ۲۲۸۳، ومسنند احمد، باقی مسند الأنصار، باب حدیث السيدة عائشة، رقم: ۲۲۹۸۸، وسنن الدارمی، کتاب النکاح، باب فی وجوب نفقة الرجل علی أهله، رقم ۲۱۵۹۔

مظلوم کو ظالم کا کوئی مال مل جائے تو کیا اس کو قصاص یعنی مقاصد کا حق ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ کچھ مال واجب ہے اور وہ نہیں دیتا تو نہ دینے کی وجہ سے وہ ظالم ہو گیا اور جس کا مال ہے یعنی دائن وہ مظلوم ہو گیا کیونکہ وہ اس کا مال نہیں دے رہا ہے۔ اب اگر فرض کریں کہ اگر اس مدیون کا کوئی مال کسی اور طریقہ سے دائن کے پاس آجائے تو کیا دائن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مدیون کا جو مال ہاتھ آیا ہے اس سے اپنا قرضہ وصول کرے جیسے زید کا دین مثل دو ہزار روپے عمرو کے ذمہ واجب تھا اور عمرو ادا نہیں کر رہا تھا۔ بعد میں ایسا ہوا کہ خالد آیا اور اس نے آکر زید سے کہا کہ مجھے عمر کو دو ہزار روپے دینے ہیں۔ میں تمہیں یہ بطور امانت دیتا ہوں، لے جا کر عمرو کو دیدینا۔ اب زید کو یہ رقم بطور امانت ملی ہے تاکہ عمرو کو پہنچائے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ زید کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ رقم عمرو کو پہنچانے کے بجائے اپنا دین دو ہزار روپے وصول کرنے یا کسی اور طریقے سے وصول کر لے؟ مثلاً زید کو عمرو کا لفظ مل گیا تو کیا اس سے اپنا دین وصول کر سکتا ہے؟

”مسئلة الظفر“ اور ظفر کی وجہ تسمیہ

اس مسئلہ کو فقہاء کرام ”مسئلة الظفر“ کہتے ہیں کہ ”إن الدائن ظفر بمد یونہ“ کہ دائن کو مدیون کا مال ہاتھ آ گیا، اس کا مال پانے میں کامیاب ہو گیا۔

”مسئلة الظفر“ میں اختلاف فقہاء

اس بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے اور اس میں تین مذاہب ہیں:

امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک

ایک مذہب امام مالک رحمہ اللہ کا ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ دائن کو مال مظلوم رہے، جو اس کے ہاتھ آیا ہے اس کے مطابق زید پر واجب ہے کہ وہ دو ہزار روپے لے جا کر عمرو کو دے کہ یہ فلاں نے مجھے امانت دی تھی، تم تک پہنچ رہا ہوں۔ اور جب وہ لے لے تو کہے کہ لاؤ میرا دین فوراً اپنے دین کا مٹا لہ کرے لیکن اسے خود مال رکھ لینے کا حق نہیں ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل

امام مالک رحمہ اللہ اپنے مسلک پر اس حدیث سے استدلال فرماتے ہیں جو ترمذی میں آئی ہے کہ

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا "أدالامانة إلى من التمنك ولا تخن من خانك" امانت اس کو دو جس نے تجھے امین بنایا اور جس نے تمہارے ساتھ خیانت کی، اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔ تو فرماتے ہیں اگر مدیون نے خیانت کی ہے، ذمہ نہیں ادا کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے مال میں خیانت کر لے اور خود اپنا دین نہ دے۔^{۳۳}

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک

دوسرا مذہب شافعیہ کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دائن کو مطلقاً حق حاصل ہے کہ اپنے دین کے بقدر اپنا حق وصول کر لے اور اس میں ان کے نزدیک یہ تفصیل بھی نہیں ہے کہ دین کس جس کا تھا اور جو مال ہے وہ کس جس کا ہے؟ فرض کریں دین دس ہزار روپے تھا اور اس کو دس ہزار روپے کی کتابیں مل گئیں تو وہ یہ کتابیں بیچ کر اپنا دین وصول کر سکتا ہے اور اگر دس ہزار روپے یا کوئی اور چیز مل جائے وہ تب بھی وصول کر سکتا ہے۔^{۳۴}

یہی مسلک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ چنانچہ ترجمۃ الباب میں انہوں نے محمد بن سیرین کا اثر نقل کیا ہے کہ "وقال ابن سيرين بقا صه" امام محمد بن سیرین نے فرمایا کہ یہ مقصود ہے کہ لے گا یعنی جو مال ملا ہے اس سے اپنا حق وصول کر لے گا۔

ابن سیرین کا استدلال

انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: ﴿وَأَنْ عَاقِبْتُمْ لِعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عَاقِبْتُمْ بِهِ﴾^{۳۵} کہ اگر تمہیں سزا دینی ہو تو جتنی سزا تمہیں دی گئی تھی اس کے مثل دو۔ اس نے تمہارے دین پر ناحق قبضہ کر لیا تھا تو تمہیں بھی حق حاصل ہے کہ اپنے دین کے بقدر اس کے مال پر قبضہ کر لو۔ امام ابن سیرین کا مذہب بھی یہی ہے۔ آگے امام بخاری رحمہ اللہ نے ہندہ بنت عتبہ کے واقعہ والی حدیث روایت کی ہے۔ ہندہ بنت عتبہ ابوسفیان کی بیوی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ آئی اور انہوں نے آ کر عرض کیا یا رسول اللہ! "ان اباسفیان وجعل مسيک" کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہے۔

۳۳ استدلال الحناہلہ و المالکیۃ علی مع الظفر من أخذ حقه لما وجده، بما أخرجہ الترمذی فی البیوع، باب ۳۸، رقم ۱۲۶۳، ومسند ابی داؤد فی البیوع، باب فی الرجل يأخذ حقه من تحت یدہ، رقم ۳۰۲۵، كما ذكره فی تکملة فتح الملهم، ج ۲، ص ۵۷۹.

۳۴ تکملة فتح الملهم، ج ۲، ص ۵۷۸.

۳۵ [سورة النحل، ۱۲۶.]

”مسبک“ کے معنی ہیں بہت زیادہ روک کر رکھنے والا یعنی بخیل۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اتنا مسبک ہے کہ وہ میرا حق بھی نہیں دیتے۔ بیوی اور اولاد کا جو نفعہ واجب ہے وہ بھی نہیں دیتے۔

”لہل علی حرج“ تو میرے اوپر اس بارے میں کوئی حرج ہے کہ میں اپنے عمل کو اس کے مال سے کھڑوں یعنی ان کا جو مال میرے پاس آتا جاتا رہتا ہے، کیا میں اس سے ان کو کھلا سکتی ہوں؟ ”فقال لا حرج“ فرمایا کہ تمہارے اوپر کوئی حرج نہیں اگر تم ان کو عرف کے مطابق کھلا دو جتنا بچہ کو کھلانے کا عرف ہے ان کو اتنا کھلانے سے کوئی حرج نہیں۔

یہاں ایک طرح سے بندہ بنت عتبہ کا ابوسفیان پر حق واجب تھا اور وہ نہیں دے رہے تھے۔ پھر ان کا مال ان کے قبضے میں تھا اور وہ نہیں دے رہے تھے آنحضرت ﷺ نے حق وصول کرنے کی اجازت دی۔ معصوم ہوا کہ دائن اپنا حق وصول کر سکتا ہے اور امانہ شافعی کا مسلک اور اہتمام لیبی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

تیسرا مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مال مظفور بہ میں تھوڑی سی تفصیل ہے۔ اگر ظافر یعنی دائن کو جو مال ملا ہے مظفور بہ اگر وہ اس کے دین کی جنس سے ہے تب تو حق لے کر رکھے اور اگر وہ دین کی جنس سے نہیں ہے تو پھر رکھنے کا حق نہیں وہ واپس کرنا ہوگا۔ بعد میں اپنا دین وصول کرے۔

گویا اگر مال مظفور بہ دین کی جنس سے ہے تو حنفیہ کا بھی وہی مذہب ہے جو شافعیہ کا ہے اور اگر مال مظفور بہ دوسری جنس ہے تو حنفیہ کا وہی مذہب ہے جو مالکیہ کا ہے یعنی اگر جنس ایک ہو تو حنفیہ کا مذہب شافعیہ کے مذہب کی طرح ہے اور استدلال بھی وہی ہے کہ یہاں نفعہ کا جنس مل گیا، لہذا آنحضرت ﷺ نے اجازت دیدی لیکن اگر اس جنس سے نہیں ملا، دوسری جنس سے ملا تو دائن کو اپنا دین وصول کرنے کے لئے مال کو فروخت کرنا پڑے گا اور فروخت کر کے جو پیسے حاصل ہوں گے اس سے اپنا حق وصول کرنا ہوگا۔

میں نے جو مثال دی تھی کہ پیسے کے بجائے کتابیں مل گئیں تو اس کو کتابیں فروخت کرنی پڑیں گی اور فروخت کر کے اپنا دین وصول کرنا ہوگا۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس صورت میں دوسرے کی ملکیت کو اس کی اجازت کے بغیر بازار میں بیچنا لازم آئے گا اور دوسرے کی ملکیت کو اس کی اجازت کے بغیر بازار میں نہیں بیچا جاسکتا، ہذا یہ عمل جائز نہیں۔

مناخرین حنفیہ کا فتویٰ

امام ابوحنیفہ کا اصل مذہب یہ ہے لیکن مناخرین حنفیہ نے اس مسئلے میں امام شافعی کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ اب لوگوں میں بددیانتی پھیل گئی ہے۔ لوگ ایک دوسرے کا حق دبا کر بیٹھ جاتے

ہیں۔ جس کی وجہ سے لوگوں کو اپنا حق وصول کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، پہلے زمانے میں تو قاضی کی عدالت میں جا کر مقدمہ دائر کر دیا جاتا تھا اور پورا حق وصول ہو جاتا تھا، لیکن آج کل کی عدالت کے ذریعہ اپنا حق وصول کرنا لوگوں کے اوقات و حقوق ضائع ہونے کا اندیشہ یقینی ہے اس لئے اگر دائن کو یہ گنجائش نہ دی جائے تو لوگوں کے حقوق پامال ہوں گے اور شافیہ کے مذہب پر لوگوں کے حقوق کی ضمانت ہے۔ اس واسطے متاخرین حنفیہ نے امام شافعی کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اب حنفیہ کا عمل وہی ہے جو امام شافعی کا ہے۔

۲۳۶۱۔ حدثنا عبد اللہ بن یوسف : حدثنا الليث قال : حدثني يزيد ، عن أبي الخير ،

عن عقبه بن عامر قال : قلنا للنبي ﷺ : إنك تبعنا فننزل بقوم لا يقرؤنا ، فما تری فيه ؟ فقال لنا : ((إن نزلتم بقوم فأمر لكم ببغى للضيف فأقبلوا ، فإن لم يفعلوا فخذوا منهم حق الضيف)) . [انظر : ۶۱۳۷]

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ ہمیں کبھی جہاد وغیرہ کے لئے بھیجتے ہیں تو ہم ایسی قوم پر جا کر اترتے ہیں جو ہماری مہمانی نہیں کرتے۔ "قوی" بقوی کے معنی ہیں مہمانی کرنا یعنی لشکر جا کر اترتا ہے وہ لوگ کھانا وغیرہ کھلانے سے انکار کرتے ہیں۔ "فما تری فیہ؟" تو آپ کی کیا رائے ہے؟ ہم بگایا کریں؟ "فقال لنا ان نزلتم.... منهم حق الضعیف"

ولكن ألقى المتأخرون من الحنفية بقول الشافعية: يقول ابن عابدين في كتاب الحجر من الرد المحتار ، ۱۰۵:۵ : ((قال الحموي في شرح الكنز ، نقله عن العلامة المقدسي ، عن جده الأشقر ، عن شرح القدوري للأخصب : إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم ، لا سيما في ديارنا ، لمدادهم العفوي)) .

وكذلك نقل ابن عابدين في كتاب الحدود ۳: ۲۱۹ و ۲۲۰ ، عن القهستاني في مله الشافعي : ((وهذا أوسع ، فيجوز الأخذ به ، وإن لم يكن مذهبنا ، لأن الإنسان يعدل في العمل به عند الضرورة ، كما في الزاهدي)) ثم نقل عبارة الحموي المذكورة ، وإليه يظهر ميلان صاحب الدر المختار حيث قال في الحظر والإباحة : ((ليس لدى الحق أن يأخذ غير حسن حقه ، وحرره الشافعي ، وهو الأوسع)) ، وعاد ابن عابدين رحمه الله تحت ۵ : ۳۰۰ ، فقال : ((أما اليوم ، فالفتوى على الجواز)) (هذا ملخص ما في : تكملة فتح الملهم للشيخ القاضي محمد نقي العثماني حفظه الله ، ۲ : ۵۸۰ .

۲۸ وفي صحيح مسلم ، كتاب اللقطة ، باب الضيافة ونحوها ، رقم ۳۲۵۷ ، ومس الترمذی ، كتاب السير عن رسول الله ، باب ما يجعل من اموال اهل الذمة ، رقم ۱۵۱۵ ، ومس أبي دؤد ، كتاب الأطعمة ، باب ما جاء في الضيافة ، رقم : ۳۲۶۰ ، ومس ابن ماجه ، كتاب الأدب ، باب حق الضيافة ، رقم ۳۶۲۶ ، ومسند أحمد ، مسند الشاميين ، باب حديث عقبه بن عامر الجهني عن النبي ﷺ ، رقم ۱۶۷۰۶ .

فخذوا“ ان سے مہمان کا حق لے لو یعنی زبردستی بھی لے سکتے ہو۔

حق الضیف کا حکم

اس حدیث کی بنا پر بعض حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی کے گھر مہمان آجائے تو اس مہمان کو کھانا کھلانا گھر والے کے ذمہ شرعاً واجب ہے اور اس کی مدت کم از کم ایک دن اور ایک رات ہے۔
فقہاء کرام فرماتے ہیں یہ ان حقوق میں سے ہے جو انسان پر زکوٰۃ کے علاوہ واجب ہوتے ہیں جیسے حدیث میں ہے ”ان فی المال حقاً سوى الزکوٰۃ“ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں، ان میں سے ایک حق، حق الضیف بھی ہے کہ مہمان کو ایک دن اور ایک رات کھانا کھلانا اور اسے رکھنا واجب ہے۔ یہ لیث بن سعد کا مذہب ہے۔

دوسرے حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ ضیافت ایک امر مستحب ہے۔ حقوق واجبہ میں سے تو نہیں ہے لیکن مکارم اخلاق میں سے ہے کہ مہمان کو کھانا کھلایا جائے۔

جمہور کا یہی مذہب ہے، ائمہ اربعہ بھی اسی کے قائل ہیں اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔^{۲۹}

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں اس حدیث کو لیث بن سعد کے مذہب کی بنیاد پر لائے ہیں۔ لیث بن سعد حق الضیف کو واجب کہتے ہیں، شاید امام بخاری بھی واجب کہتے ہوں۔

لیث بن سعد کے مذہب کے مطابق جب یہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کسی بستی میں جا کر قیام کرتے تو ان بستی والوں پر حق الضیف واجب ہوتا تھا کہ ان کی ضیافت کریں، انہیں کھانا کھلائیں لیکن وہ کھانا کھلانے سے انکار کرتے تھے گویا کہ جو حق ان کے ذمے واجب تھا وہ اس کو ادا کرنے سے منکر تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”خذوا منهم حق الضیف“ کہ ان سے ”حق الضیف“ جس طرح بھی ہاتھ آجائے لے لو۔

اس سے پتہ چلا کہ مسئلہ الظفر میں امام شافعی کا مذہب درست ہے۔ امام بخاری نے امام شافعی کے مذہب پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اس سے بھی امام شافعی کا مذہب ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ کھانا دینے سے انکار کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لینے کی اجازت دی۔

لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو شاید یہ استدلال نہیں بنتا، اس لئے کہ یہاں ایسا نہیں کہ ان کے ہاتھ کوئی مال آجائے اور پھر وہ اس سے لے لیں بلکہ یہاں جو بات دوسری روایات سے معلوم ہوتی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ زبردستی لینے کا ذکر ہے اور مسئلہ الظفر میں زبردستی لے لینا کسی مذہب میں بھی جائز نہیں۔ نہ چوری کر کے لینا جائز ہے، نہ ڈاکہ مار کر لینا جائز ہے کہ پستول سر پر رکھ کر کہا جائے، ”دو اور نہ گولی مار دوں گا“

پھر جائز کیا ہے؟

جائز یہ ہے کہ کسی جائز طریقہ سے اس کا مال خود بخود اس کے پاس آ گیا۔ پھر وہ اس سے اپنا حق وصول کر سکتا ہے لیکن زبردستی کرنے اور اکراہ کا حق نہیں ہے اور حدیث باب میں اکراہ کا حکم دیا گیا ہے، لہذا اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ مسئلہ الظفر کے باب سے متعلق نہیں ہے، لہذا اس سے پورا استدلال نہیں بنتا۔

جمہور کے مذہب پر اعتراض

حدیث باب میں آنحضرت ﷺ نے اجازت دی ہے کہ تم زبردستی لے لو۔ اب جو حضرات حق الصیغ کو واجب نہیں کہتے یعنی جمہور، اس لئے کہ جمہور کہتے ہیں یہ مکارم اخلاق میں سے ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر لوگ کہیں جا کر اتر جائیں کہ۔

تو مان، نہ مان، میں حیرا مہمان
یہ کوئی شریعت کی بات تو نہ ہوئی کہ اگر تو میری مہمانی نہیں کرتا تو میں زبردستی لوں گا جب واجب نہیں ہے تو آپ ﷺ نے زبردستی لینے کی اجازت کیسے دی؟

اعتراض کا جواب

بعض حضرات نے اس کے جواب میں یہ فرمایا کہ درحقیقت یہ ان بستیوں کا ذکر کر رہے ہیں جن سے یہ معاہدہ تھا کہ جب کبھی مسلمانوں کا لشکر ان کے پاس سے گزرے گا یہ ان کی مدد کریں گے اور ان کی مہمانی کریں گے۔ لہذا اگرچہ اصلاً یہ حق واجب نہ ہو لیکن معاہدہ کی رو سے ان کے ذمہ واجب تھا کہ مسلمانوں کے لشکر کی مہمانی کریں چونکہ انہوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور انکار کیا اس واسطے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لے لو۔

میرے خیال میں اس توجیہ کی ضرورت نہیں ہے، اس واقعہ کی جو تفصیل امام ترمذی نے جامع ترمذی میں روایت کی ہے، اس سے حقیقت حال واضح ہو جاتی ہے۔

وہ یہ ہے کہ اگرچہ ان سے معاہدہ نہیں تھا لیکن جب مسلمانوں کا لشکر آتا تو مسلمان یہ چاہتے تھے کہ اگر یہ لوگ ہماری مہمانی نہیں کرتے تو کم از کم ہمیں اپنا سامان خوراک بیچ دیں، پیسوں کے عوض ہمیں دیدیں۔

لیکن ہوتا یہ تھا کہ جب انہیں پتہ چلتا کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے تو یہ انہیں تکلیف پہنچانے کی خاطر اپنی دوکانوں کو تالا لگا کر بھاگ جاتے تھے تا کہ مسلمان آ کر ان سے سامان نہ خرید سکیں۔

چنانچہ روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ نہ تو وہ ہماری مہمانی کرتے ہیں اور نہ ہمیں سامان فروخت کرتے ہیں۔

اب لشکر کو خوراک کی ضرورت ہے اور ان سے کوئی ٹرائی بھی نہیں لیکن یہ صرف اس وجہ سے بیچ سے انکار کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کے لشکر کو نقصان پہنچائیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”ان ابو الا ان تاخذوا کرھا فخذوا“ اُروہ انکار کریں سوائے اس کے کہ تم ان سے زبردستی لو، تو لے لو۔ زبردستی لینے کے معنی یہ ہیں کہ ان کو زبردستی بیچ پر مجبور کرو اور پیسے دے کر اشیاء صرف لو۔ زبردستی مفت بینا مراد نہیں ہے بلکہ زبردستی یہ ہے کہ تم ہمیں اپنا سامان فروخت کرو تاکہ مسلمانوں کی ضروریات پوری ہو سکیں اور بیچ میں اگرچہ اصل یہ ہے کہ وہ کرہاتیں ہوتی بلکہ تراخی سے ہوتی ہے:

”الان تکون تجارة عن تراض منکم“

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم
بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾^۱

ترجمہ: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ والا یہ کہ وہ کوئی تجارت ہو جو تمہاری باہمی رضامندی سے ہوئی ہو۔

لیکن جہاں مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت داعی ہو خاص طور پر اگر مسلمانوں کے امیر کو دفاع کے لئے ضرورت ہے تو وہاں کسی شخص کو بیچ پر مجبور کیا جاسکتا ہے کہ بیچ اور پیسے لو۔ وہاں چاہے تراخی نہ ہو، خوش دلی نہ ہو تب بھی ضرورت کے مطابق جائز ہے۔^۲

اجتماعی ضرورت کی وجہ سے کسی کو بیچ پر مجبور کیا جاسکتا ہے؟

اسی حدیث سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستط کیا ہے کہ جہاں مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت داعی ہو وہاں مالک کو اپنی ملکیت فروخت کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے مثلاً کسی جگہ راستہ تنگ پڑ گیا، اب حکومت یہ چاہتی ہے کہ راستہ کو وسیع کرے یعنی اس کی توسیع کرنے لیکن توسیع کرنے کے نتیجے میں بیچ میں کسی کا گھر آ رہا ہے۔

اس صورت میں فقہاء کرام کہتے ہیں کہ معاوضہ دے کر وہ گھر لے سکتے ہیں اور اگر گھر والا انکار کر دے کہ میں نہیں دیتا تو حکومت اس کو بیچ پر مجبور رکھتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ معاوضہ انصاف کے ساتھ بازاری قیمت کے مطابق ادا کیا جائے اور فوراً ادا کیا جائے۔ یہ نہیں کہ من مانی قیمت مقرر کر لی جو بازاری قیمت سے بہت کم

۱۔ [النساء: ۲۹]

۲۔ سنن الترمذی، کتاب السیر عن رسول اللہ، باب ما یعمل من اموال اهل الذمة، رقم: ۱۵۱۵، و تکملة فتح الملہم، ج ۲، ص ۶۳۰

ہے، اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے۔

یہ جو قومی ملکیت میں لینے کا سوال پیدا ہوتا ہے تو جب ایسی شدید قسم کی ضرورت ہو تو معاوضہ دے کر لینے کی اجازت ہے۔

ایک بات اور سمجھ لیں کہ اس حدیث سے جو حکم نکل رہا ہے وہ حضرت عمر ؓ کے ایک واقعہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے، جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم ؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں مسجد نبوی کی توسیع کا ارادہ فرمایا۔ اس توسیع میں بہت سے گھر آ رہے تھے، حضرت فاروق اعظم ؓ نے لوگوں کو پیسے دیدے کر ان کے گھر مسجد کے لئے لے لئے۔ ان میں حضرت عباس بن عبدالمطلب ؓ کا گھر بھی آ رہا تھا جو حضور اکرم ؐ کے چچا بھی تھے۔ حضرت عمر ؓ نے ان کو بھی نوٹس بھیج دیا کہ آپ اپنا گھر مسجد کے لئے بیچ کر پیسے لے لیجئے۔

حضرت عباس ؓ نے کہا کہ میں تو نہیں دیتا۔ حضرت عمر ؓ نے کہا کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے ضرورت ہے اور بحیثیت امیر المؤمنین مجھے یہ حق حاصل ہے کہ میں آپ کو کہوں کہ یہ گھر آپ مجھے مسجد کے لئے دیدیں اور پیسے لے لیں حضرت عباس ؓ نے کہا نہیں "لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ" اور آپ جو یہ کہہ رہے ہیں کہ مجھے حق حاصل ہے۔ تو آپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی کی ملکیت پر دست درازی کریں اور اس کی ملکیت اپنے قبضے میں لے لیں۔ چاہے معاوضہ دے کر ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عمر ؓ نے کہا کہ مجھے حق حاصل ہے۔ حضرت عباس ؓ نے کہا کہ کسی کو حکم بنا لو جو ہمارے درمیان فیصلہ کرے۔ انہوں نے حضرت ابی بن کعب ؓ کو حکم بنا لیا۔

اب یہ امیر المؤمنین ہیں لیکن ایک تیسرے شخص ابی بن کعب ؓ کو اپنا ثالث بنا لیا، ان کے پاس جا کر مسئلہ پیش کیا کہ حضرت فاروق اعظم ؓ یہ کہتے ہیں اور حضرت عباس ؓ یہ کہتے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب ؓ نے ان دونوں حضرات کی بات سنی اور سننے کے بعد کہا کہ عباس ؓ ٹھیک کہتے ہیں اور اس کی دلیل میں انہوں نے کہا کہ حضور اقدس ؐ نے بیت المقدس کی تعمیر کا واقعہ سنایا تھا۔^{۵۲}

بیت المقدس کی تعمیر کے واقعہ سے استدلال

بیت المقدس کی تعمیر کے موقع پر حضرت سلیمان ؑ نے ایک لڑکے کی زمین زبردستی لے لی تھی، جس کے نتیجے میں حضرت سلیمان ؑ پر عتاب ہوا۔ اس واسطے امیر المؤمنین! آپ کو یہ زمین لینے کا حق حاصل

۵۲ سنن البیہقی الکبری، باب إیضاذ المسجد والسقایات وغیرھا، ج: ۶، ص: ۱۶۸، رقم: ۱۱۷۱۷، مکتبہ

نہیں ہے آپ پیسے دے کر بھی نہیں لے سکتے۔

حضرت فاروق اعظم ؓ ان کو حکم بنا چکے تھے، اس لئے فرمایا ٹھیک ہے، آپ نے فیصلہ کر دیا ہے تو میں نہیں لوں گا لہذا انہوں نے یہ فیصلہ مان لیا۔

حضرت عباس ؓ نے کہا دیکھو میری بات ٹھیک ثابت ہو گئی ہے یا نہیں؟ آپ کو حق ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا حق نہیں ہے، حضرت عباس ؓ نے کہا جب یہ بات ثابت ہو گئی ہے تو اب میں اپنا گھر بغیر کسی قیمت کے دیتا ہوں۔ میں نے یہ سارا جھگڑا اس لئے کھڑا کیا تھا تاکہ مسئلہ کی وضاحت ہو جائے ورنہ میں اپنا گھر مسجد نبوی کے لئے بے قیمت دینے کو تیار ہوں۔ امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں یہ واقعہ روایت کیا ہے۔^{۳۳}

اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کسی سے زبردستی زمین نہیں لے سکتی، چاہے معاوضہ دے کر ہو پھر بھی نہیں لے سکتی، مسجد نبوی جیسی عبادت گاہ کی تعمیر و توسیع کے لئے بھی نہیں لے سکتی جب اس کے لئے نہیں لے سکتی تو کسی اور کام کے لئے کیسے لے سکتی ہے؟

لہذا یہ واقعہ حدیث باب سے نکلنے والے مسئلہ کے خلاف و منافی ہے۔

مسجد حرام کی توسیع کے واقعہ سے استدلال

ایک واقعہ اور بھی ہے جو حضرت عثمان ؓ کے زمانے میں مسجد حرام کی توسیع کا واقعہ ہے۔

حضرت عثمان ؓ نے اپنے زمانے میں مسجد حرام کی توسیع کا ارادہ کیا۔ اس زمانے میں مسجد حرام ایسی تھی کہ بیچ میں کعبہ تھا، ارد گرد مسجد حرام کی تھوڑی سی جگہ تھی۔ مسجد حرام کی کوئی چار دیواری نہیں تھی بلکہ اس کی حد مختلف لوگوں کے مکانات تھے، لوگ اپنے مکانوں سے نیچے اتر کر حرم میں آتے اور طواف کر کے واپس اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔ اس طرح چاروں طرف مکانات تھے، مشکل یہ تھی کہ کہاں سے توسیع کریں؟ کیونکہ چاروں طرف تو مکانات ہیں۔

لہذا حضرت عثمان ؓ نے اعلان کر دیا کہ مسجد حرام کی توسیع کی ضرورت ہے، اس لئے چاروں طرف کے مکانات ڈھائے جائیں گے اور جس جس کا گھر ہو وہ آکر اس کی قیمت لے جائے، کچھ لوگ تو اس پر راضی ہو گئے اور کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم تو آپ کو مکانات نہیں دیں گے۔

حضرت عثمان بن عفان ؓ نے ایک دن خطبہ دیا اور کہا کہ بعض لوگ مسجد حرام کی توسیع کے لئے مکانات دینے سے منکر ہیں۔

۳۳ سنن البیہقی الکبری، کتاب أحیاء الموات، باب اتخاذ المسجد والمساقبات وغیرھا، ج: ۶، ص:

یاد رکھو! تم لوگوں نے میری نرمی سے بڑا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے، اب میں سختی کروں گا، حجاج اور معتمرین کے لئے مسجد حرام کی توسیع کی ضرورت ہے، اس واسطے اب میں زبردستی تم لوگوں کے گھر ڈھاؤں گا اور جس کا گھر ڈھایا جائے گا اس کے گھر کی قیمت بیت اللہ کے دروازے پر رکھ دی جائے گی، اگر لینا چاہے تو وہاں آکر لے لے۔

لہذا گھر ڈھانے شروع کر دیئے اور قیمت بیت اللہ کے دروازے پر لے جا کر رکھنا شروع کر دی۔ لوگوں نے آکر کہا کہ حضرت! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ دوسروں کی اماں پر قبضہ کر رہے ہیں چاہے پیسے دے کر ہی سہی لیکن بہر حال یہ زبردستی ہے اور لوگوں کی مرضی کے بغیر ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں یہ اس لئے کر رہا ہوں کہ تم کعبہ کے پاس آکر اترے ہو، کعبہ تمہارے پاس آکر نہیں اترتا۔ مطلب یہ ہے کہ اصل تو یہ جگہ کعبہ شریف کی ہے اور کعبہ کے زائرین کی ہے اور اصل بات یہ ہے کہ یہاں کسی کا ذاتی مکان ہونا ہی نہیں چاہئے تھا، اس واسطے تم نے جو مکانات بنائے ہیں مجھے ان کے لینے کا حق حاصل ہے اور انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کی موجودگی میں یہ کام کیا، کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا، یہ دوسرا واقعہ ہے۔^{۳۳}

واقعات میں تعارض

وہاں مسجد نبوی کی تعمیر میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا اور اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی راضی ہو گئے اور یہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے برعکس کیا تو یہ اس کے مخالف ہیں؟

حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے واقعات میں تطبیق

حقیقت حال یوں ہے کہ اصل دین کا مسئلہ یہی ہے کہ کسی بھی شخص کی ملکیت اس کی مرضی کے بغیر لینا جائز نہیں، نہ معاوضہ اور نہ بلا معاوضہ جیسا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا تھا چونکہ بیع کے اندر قرآن کی نص کے مطابق تراشی بھی ضروری ہے، تراشی کے فقدان کی صورت میں بیع درست نہیں ہوتی، اصل مسئلہ یہی ہے، لیکن ضرورت کے تحت حکومت اسلامیہ کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ مفاد عامہ کی خاطر زبردستی بھی لے سکتی ہے۔

آج مفاد عامہ کی اصطلاح بہت استعمال ہوتی ہے لیکن شریعت میں یہ معتبر نہیں ہے بلکہ جہاں حاجت شدیدہ ہو عام مسلمانوں کو بہت زیادہ تنگی ہو اور اس تنگی کو دور کرنے کے لئے ایسا کیا جا رہا ہو تو پھر جائز ہے۔ حاجت شدیدہ محقق ہے یا نہیں؟ اس میں دورائے ہو سکتی ہیں۔

مسجد نبوی کے واقعہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ فرمایا اس کا حاصل یہ تھا کہ وہ حاجت

^{۳۳} سنن البیہقی الکبریٰ، کتاب احیاء الموات، باب اتخاذ المسجد والسقایات وغیرہا، ج: ۶، ص: ۱۶۸،

شدیدہ جس کی بنا پر دوسرے کی جائیداد لینے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ وہ یہاں پر متحقق نہیں، لہذا انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ کے لئے جائز نہیں ہے کہ آپ زبردستی لیں۔

حضرت عثمانؓ کے واقعہ میں حاجت شدیدہ متحقق تھی کہ حجاج کی آمد و رفت کی کثرت ہو گئی تھی اور دوسرا یہ کہ انہوں نے فرمایا کہ کعبہ تمہارے پاس آ کر نہیں اترتا، تم کعبہ کے پاس اترے ہو۔ اصل تو یہ ساری جگہ کعبہ کے لئے وقف ہونی چاہئے تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ”کتاب الحج“ میں اس پر باب قائم کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں کوئی گھریا زمین کسی کی ملکیت ہو سکتی ہے یا نہیں؟

بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ مکہ مکرمہ میں کوئی شخص کسی گھر کا مالک نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ جگہ مباح عام ہے، یہ حجاج، زائرین اور مستقرین کے لئے ہے۔

جب لوگوں نے آ کر گھر بنائے، تو جگہ تنگ ہو گئی، لہذا وہاں حاجت شدیدہ متحقق تھی اس لئے حضرت عثمانؓ نے زبردستی کی۔

حدیث باب میں جو اجازت دی گئی ہے وہ حاجت شدیدہ کی بنا پر دی گئی ہے کہ جہاد کی حاجت ہے، دفاعی ضرورت ہے اس کے بغیر مسلمان جہاد نہیں کر سکتے۔ اس واسطے یہاں زبردستی بیع کرانے کی اجازت دی گئی۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ قومی ملکیت اور مفاد عامہ کے خاطر جس چیز کی ضرورت ہو اس میں حاجت شدیدہ کا ہونا ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ حکومت ویسے ہی فیصلہ کر لے کہ ہمیں اس جگہ کی ضرورت ہے، یہ جائز نہیں بلکہ حاجت شدیدہ ہو، میں ضرورت کا لفظ استعمال نہیں کرنا ہوں، بلکہ حاجت کا لفظ، کہ حاجت شدیدہ ہو جس کے بغیر عام مسلمانوں کو سخت تنگی پیش آئے جیسے راستہ تنگ ہو گیا ہو اور اس کو چوڑا کرنا ہو، مسجد تنگ ہو گئی ہو اس کو چوڑا کرنا ہو یا کوئی ڈیم بنانا ہو، تو پھر حکومت لے سکتی ہے کیونکہ اجتماعی حاجت ہے۔

لیکن اگر کوئی جگہ فلاں سرکاری افسر کو پسند آ گئی ہے اور وہ وہاں پر اپنا محل تعمیر کرنا چاہتا ہے، اس کے لئے لے لی جائے اور اس کو مفاد عامہ کا نام دیا جائے تو یہ درست نہیں ہے۔ اگر لے تو رضامندی اور بازاری قیمت سے لے اور قیمت فوری طور پر ادا کرے چنانچہ اس صورت میں لینا جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔^{۳۵}

سوال: بعض علاقے جیسے افغانستان، مجاہدین جب تعاقب کے لئے جاتے ہیں تو راستہ میں مخالفین کی جو بستیاں خالی ہوتی ہیں ان کے گھروں میں خورد و نوش، اوڑھنے بچھونے اور دیگر ضروریات کا سامان پڑا ہوتا ہے۔ کیا مجاہدین اس کے مالک کی اجازت کے بغیر متاع حاصل کر سکتے ہیں جبکہ یہ مال اکثر مسلمانوں کا ہوتا ہے؟

جواب: یہ سامان لفظ ہے، لہذا اس پر لفظ کے احکام جاری ہوں گے، اگر چھوٹی موٹی چیزیں ہیں جن کے بارے میں خیال ہے کہ مالک تلاش نہیں کریں گے تو مجاہدین چونکہ عام طور سے ابن السبیل ہوتے ہیں اس لئے ان کے لئے استعمال کرنا جائز ہے لیکن اگر کوئی زیادہ قیمتی چیز ہو تو اس کو مالک تک پہنچا دینا ضروری ہے۔

سوال: بعض لوگ اس حدیث سے بجلی کے ناجائز استعمال کو دلیل چرتے ہیں، ”مسئلة الظفر“ کی بنیاد پر کہ حکومت ظالم ہے کیا یہ دلیل صحیح ہے؟

جواب: یہ دلیل صحیح نہیں، فرض کریں اگر یہ بھی ہو کہ حکومت نے ہمارا حق غصب کر رکھا ہے، تب بھی چوری جائز نہیں، ”مسئلة الظفر“ میں چوری داخل نہیں ہوتی، لہذا بجلی کی چوری جائز نہیں۔

ظالم کسے کہتے ہیں؟

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے جو میں روایت ذکر کی ہے تو کیا اس میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر ظالم ہونے کا اطلاق نہیں ہوگا؟ اگر ہوتا ہے تو پھر یہاں ظلم کے کیا معنی ہیں؟

جواب: ظلم بڑا عام لفظ ہے اس کے معنی ہیں ”وضع النفس ولسی غیر محلہ“ یا کسی حقدار کو اس کا حق نہ دینا۔ بیوی کو اگر کوئی حق نہیں دے رہا ہے تو یہ واقعی ظلم ہے اس لئے اگر اس کو ظلم سے تعبیر کیا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۱۹) باب ماجاء فی السقائف،

وجلس النبی ﷺ وأصحابہ ، فی سقیفة بنی ساعدة .

۲۳۶۲۔ حدثنا يحيى بن سليمان قال : حدثني ابن وهب قال حدثني مالك ح .
وأخبرني يونس عن ابن شهاب قال : أخبرني عبيد الله بن عبد الله بن عتبة : أن ابن عباس
أخبره عن عمر رضي الله عنه قال : حين توفي الله نبيه ﷺ ، إن الأنصار اجتمعوا في سقيفة بنی ساعدة
فقلت لأبي بكر : إنطلق بنا ، فجنناهم في سقيفة بنی ساعدة . [أنظر : ۳۳۳۵ ، ۳۹۲۸ ،
۳۰۲۱ ، ۶۸۲۹ ، ۶۸۳۰ ، ۷۳۲۳]

سقائف، سقیفہ کی جمع ہے، سقیفہ چھپر کو کہتے ہیں یعنی سائبان، عام طور سے اس زمانے میں اور دیہات وغیرہ میں اب بھی ہوتا ہے کہ کسی عام جگہ پر کوئی سائبان ڈال لیتے ہیں اور سائبان کے نیچے سب لوگ بیٹھ کر گفتگو کرتے ہیں۔ کوئی مشورہ کرنا ہو تو مشورہ کرتے ہیں، اس سائبان کو سقیفہ کہتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ باب قائم کرنے کا منشاء یہ ہے کہ ایسی عام جگہیں جو کسی فرد واحد کی ملکیت نہیں ہیں، وہاں بیٹھنا اور بیٹھ کر باتیں کرنا جائز ہے اور یہ ظلم نہیں ہے۔ ۲۶

اس میں دلیل یہ پیش کی کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سقیفہ بنی ساعدہ میں تشریف فرما ہوئے۔ بنو ساعدہ، بنو خزرج کی ایک چھوٹی سی شاخ تھی اور یہ سقیفہ ان کا تھا۔ پندرہ بیس سال پہلے تک یہ جگہ واقع تھی وہاں بعض لوگوں نے ویسا ہی چھپر وہاں ڈال رکھا تھا۔ یہ وہی سقیفہ بنی ساعدہ ہے جہاں صدیق اکبر ﷺ سے بیعت بھی لی گئی، تو یہ ابھی تک موجود تھا اب مسجد نبوی کے اندر آ گیا ہے۔

سوال: حاجت عامہ کے لئے مسجد کو شہید کیا جاسکتا ہے مثلاً نہر کھودی جا رہی ہے اور راستہ میں مسجد ہے تو مسجد کو شہید کرنا کیسا ہے؟

جواب: حنفیہ کے مذہب میں یہ کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے جو جگہ ایک مرتبہ مسجد بن گئی ہے وہ قیمت تک مسجد ہی رہے گی۔ اگر نہر کھودی ہے تو اس کا راستہ بدل دو، اس کو موڑ کر لے جاؤ، البتہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب میں ضرورت شدیدہ کی صورت میں گنجائش ہے۔

(۲۰) باب لا یمنع جار جارہ ان یغرز خشبہ فی جدارہ

۲۴۶۳ - حدثنا عبد اللہ بن مسلمة ، عن مالک ، عن ابن شہاب عن الأعرج ، عن ابی ہریرۃ ؓ أن رسول اللہ ﷺ قال : ((لا یمنع جار جارہ أن یغرز خشبہ فی جدارہ)) ، ثم یقول أبو ہریرۃ : مالی أراکم عنہا معرضین ؟ واللہ لأرمینہا بہا بین أکتافکم . [أنظر : ۵۶۲۷ ، ۵۶۲۸]

حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں شہتیر رکھنے سے منع نہ کرے یعنی اگر تمہاری دیوار ہے اور پڑوسی یہ چاہتا ہے کہ اپنا شہتیر تمہاری دیوار پر رکھ دے تو اس کو منع نہ کرو۔
”ثم یقول أبو ہریرۃ“ جب حضرت ابو ہریرہ ؓ نے یہ حدیث سنائی تو دوسری روایت میں آتا ہے کہ جو لوگ سن رہے تھے انہوں نے اپنے سر جھکا لئے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ نے فرمایا ”مالی أراکم عنہا معرضین؟“ کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم شہتیر رکھنے کے عمل سے اعراض کر رہے ہو یعنی ایسا لگ رہا ہے کہ یہ سن کر تمہارے چہرے لٹک گئے ہیں کہ اب ہمیں ضرور اجازت دینی پڑے گی۔

”واللہ لأرمینہا بہا بین أکتافکم“ اللہ کی قسم! میں نے شہتیر کا حکم تمہارے درمیان پھینک

کر رہوں گا۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب مردان نے ان کو اپنی غیر موجودگی میں مدینہ منورہ کا گورنر بنا دیا تھا، یہ بے چارے صوفی اور ملا آدمی تھے۔ جب گورنر بن گئے تو سر پر کٹڑیوں کا گٹھارکھ کر بیچ بازار میں نکلا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہنو، امیر المؤمنین آرہے ہیں، ہنو، امیر المؤمنین آرہے ہیں۔ یہ اعلان کرتے جاتے تھے تاکہ سب دیکھیں، تو یہ حدیث اس زمانے میں سنا رہے کہ میں یہ حکم تمہارے کندھوں کے درمیان پھینک کر رہوں گا چاہے تمہیں ناگوار ہو کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو منع نہ کرے۔

اختلاف فقہاء

بعض حضرات نے کہا کہ یہ منع نہ کرنے کا حکم وجوبی ہے، لہذا اگر کوئی پڑوسی تمہاری دیوار پر اپنا ہتیر رکھنا چاہتا ہے تو تمہارے ذمہ واجب ہے کہ اس کو جگہ فراہم کرو اور منع نہ کرو۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حکم استحبابی ہے، جمہور کا یہی قول ہے کیونکہ کوئی شخص بھی دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

البتہ اگر کوئی آپ سے اجازت مانگے تو پھر حکم یہ ہے کہ اسے اجازت دیدیں آپ کے مکارم اخلاق کا بھی یہی تقاضہ ہے، اگر آپ اجازت دیدیں گے تو اس سے آپ کا کیا نقصان ہوگا؟ تو یہ ارشاد بطور مشورہ اور استحباب ہے، لیکن وجوب نہیں ہے، جمہور کا یہی قول ہے۔

سوال: بعض لوگ اپنی مارکیٹ بچانے کے لئے روڈ کے کنارے پر مسجد بناتے ہیں تاکہ دکانیں محفوظ رہیں، کیا اس کو حتم کیا جاسکتا ہے؟

جواب: اگر لوگوں نے مملوکہ غیر میں بغیر اجازت مسجد بنالی، ایک جگہ پر قبضہ کر کے ویسے ہی مسجد بنالی، تو شرعاً وہ مسجد نہیں ہے اس کو سمار کیا جاسکتا ہے، کیونکہ مسجدیت ثابت ہی نہیں ہے، یہ گفتگو تو ہو رہی ہے جہاں مسجدیت ثابت ہو جائے۔

(۲۱) باب صب الخمر فی الطريق

۲۴۶۳۔ حدثنی محمد بن عبد الرحیم ابو یحییٰ: أخبرنا عفان: حدثنا حماد بن زید: حدثنا ثابت، عن انس ؓ: كنت ساقی القوم فی منزل ابی طلحة، وكان خمرهم

لان امتنع تم یجبر وهو قول الحنفیة وحملوا الأمر فی الحدیث علی التذب والنهی علی التنزیہ جمعاً بینہ و

بین الاحابث الدالۃ علی تحریم مال المسلم الا برضا الخ (فتح الباری . ج ۵، ص ۱۱۰)۔

یومئذ الفضیخ ، فأمر رسول الله ﷺ مناديا ينادى: ألا ان الخمر قد حرمت، قال : فقال لى أبو طلحة : أخرج فأهرقها ، فخرجت فهرقتها فجرت فى سلك المدينة، فقال بعض القوم : قد قتل قوم وهى فى بطونهم ، فانزل الله: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا﴾^{۴۸} [أنظر: ۴۶۱۷، ۴۶۲۰، ۵۵۸۰، ۵۵۸۲، ۵۵۸۳، ۵۵۸۴، ۵۶۰۰، ۵۶۲۲، ۷۲۵۳] ^{۴۹}

حدیث باب کی تشریح

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ابو طلحہ کے گھر میں قوم کا ساقی بنا ہوا تھا، لوگوں کو شراب پلا رہا تھا، ”وکان خمیر ہم بو منذ الفضیخ“ اور اس دن جو شراب پلائی جا رہی تھی وہ کچی کھجور کی شراب تھی ”لفضیخ“ کچی کھجور کی شراب کو کہتے ہیں۔

”فأمر رسول الله ﷺ مناديا ينادى: ألا ان الخمر قد حرمت، قال : فقال لى أبو طلحة: أخرج فأهرقها“ ابو طلحہ نے مجھ سے کہا کہ جاؤ اور اس کو فوراً پھر بہا دو ”فخرجت فهرقتها فجرت فى سلك المدينة“ وہ شراب مدینہ کی گلیوں میں بہتی رہی۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس سے استدلال کر رہے ہیں کہ ”صب الخمر فى الطريق“ یعنی راستے میں شراب کا بہا دینا جائز ہے حالانکہ راستہ مباح عام ہوتا ہے، اس سے عامتہ الناس کے حقوق متعلق ہوتے ہیں لیکن ضرورت کے وقت ایسا کرنا جائز ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ شراب سڑکوں کے اوپر نہیں، بلکہ کنارے کی تالیوں میں بہائی گئی ہوگی۔

البتہ یہ گنجائش اس وقت ہے جب لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے، نیز اس وقت خاص طور پر اس لئے گوارا کیا گیا کہ یہ منظر دکھانا مقصود تھا کہ لوگ شراب سے اس طرح دستبردار ہو رہے ہیں لیکن اگر آج کوئی اس طرح سڑکوں پر بہا دے تو یہ جائز نہیں ہے۔

۴۸ [المائدہ: ۹۳]

۴۹ وفى صحيح مسلم ، كتاب الأشربة ، باب تحريم الخمر وبيان انها تكون من عصير العنب ومن الخمر والبسر والزبيب وغيرها مما يكسر ، رقم : ۳۶۶۲ - ۳۶۶۵ ، وسنن النسائي ، كتاب الأشربة ، باب ذكر الشراب الذى هريق بتحريم الخمر ، رقم : ۵۴۴۷ ، وسنن أبى داؤد ، كتاب الأشربة ، باب فى تحريم الخمر ، رقم : ۳۱۸۸ ، ومسند احمد ، باقى مسند المكثرين ، باب مسند أنس بن مالك ، رقم : ۱۲۳۰۳ ، ۱۲۸۹۷ ، وموطأ مالك ، كتاب الأشربة ، باب جامع تحريم الخمر ، رقم : ۱۳۳۵ ، وسنن الدارمي ، كتاب الأشربة ، باب فى تحريم الخمر كيف كان ، رقم : ۱۹۹۷ .

(۲۲) باب أفنية الدور والجلوس فيها، والجلوس على الصعدا

”وقالت عائشة: فابتنى أبو بكر مسجدا بفناء داره يصلى فيه ويقراء القرآن

فيتقصف عليه نساء المشركين وأبناءهم يعجبون منه والنبي ﷺ يومئذ بمكة“

۲۳۶۵۔ حدثنا معاذ بن فضالة أبو عمر حفص بن ميسرة، عن زيد بن أسلم، عن

عطاء بن يسار عن أبي سعيد الخدري ﷺ عن النبي ﷺ قال: ((إياكم والجلوس على

الطرقا)) فقالوا: ما لنا بذلك، إنما هي مجالسنا نتحدث فيها، قال: ((فإذا أتيتم إلى

المجالس فأعطوا الطريق حقها)) قالوا: وما حق الطريق؟ قال: ((غض البصر، وكف

الأذى، ورد السلام، وأمر بالمعروف، ونهي عن المنكر)) [أنظر: ۶۲۲۹] ۵

حدیث باب کی تشریح

”أفنية الدور“ یعنی گھروں کے فناء، چبوترہ یا بیٹھنے کی جگہ، جو محور پر لوگ گھر کے باہر بنا لیتے ہیں جو

ان کی اپنی ملکیت میں نہیں ہوتا، اس کو فنا کہتے ہیں۔ اور وہ گھر کی جز نہیں ہوتا، حقوق عامہ میں سے ہے لیکن اس میں بیٹھنا جائز ہے۔

”والجلوس على الصعدا“ اور راستوں میں بیٹھنا ”الصعدا، صعداء“ کی جمع ہے جس

کے معنی ہیں راستہ، عموماً لوگ راستہ کے کنارے بیٹھ کر گپ شپ لگاتے ہیں اس کو ”جلوس على الصعدا“ کہہ رہے ہیں۔

”وقالت عائشة: فابتنى أبو بكر مسجدا بفناء داره“

یہ وہ واقعہ ہے جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ابن الدغنه واپس نے کر آئے تو انہوں نے اپنے گھر کے فناء میں

ایک مسجد بنا لی تھی۔ ”یصلى فيه ويقراء القرآن فيتقصف عليه نساء المشركين وأبناءهم“

يعجبون منه والنبي ﷺ يومئذ بمكة“

حضور ﷺ مکہ میں داخل تھے اور آپ ﷺ نے فناء دار میں مسجد بنانے سے منع نہیں فرمایا۔

معلوم ہوا کہ گھر کے برابر والے حصہ سے اگر کوئی شخص کچھ حصہ اپنی حاجات کے لئے استعمال کرے تو

۵۰۔ فی صحیح مسلم، کتاب اللباس والربیة، باب النهی عن الجلوس فی الطرق واعطاء الطريق حقه، رقم:

۳۹۶۰، وکتاب السلام، باب من حق الجلوس علی الطريق رد السلام، رقم: ۴۰۲۰، ۴۰۳۱، وسنن ابی داؤد،

کتاب الأدب، باب فی الجلوس فی الطرق، رقم: ۴۱۸۱، ومسند احمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند ابی

سعيد الخدري، رقم: ۱۰۸۸۳، ۱۱۰۱۲، ۱۱۱۵۷۔

جائز ہے۔ اس کا مد اعرف پر ہے، جس جگہ جیسا عرف ہو، بعض جگہ عرف ایسا ہوتا ہے کہ اس حصہ پر کوئی پھول، پھلوری لگا دی تو یہ جائز ہے یا کچھ حصہ اپنے بیٹھنے کے لئے مخصوص کر لیا تو اگر عرف ہے تو جائز ہے، عرف نہیں ہے تو جائز نہیں ہے۔

”لما إذا أتيتهم إلى المجالس“ اول تو راستوں پر بیٹھنا پسندیدہ نہیں ہے ”ایاکم والجلوس علی الطرقات“ پہلے تو راستوں پر بیٹھنے سے منع فرمایا کہ اگر بیٹھنا ہی ہے تو پھر راستوں کا حق ادا کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راستہ کا سب سے پہلا حق یہ ہے کہ ”غض بصر“ سے کام لو ”وکف الأذى“ اور دوسرے کو تکلیف سے بچاؤ۔ ”ورد السلام، وأمر بالمعروف، ونہی عن المنکر“ اگر ان حقوق کی رعایت کر سکتے ہو تو بیٹھو ورنہ نہیں۔

(۲۳) باب الآبار علی الطرق إذا لم يتأذ بها

اگر راستے میں کنواں بنا ہو اور لوگوں کو گزرنے میں کوئی تکلیف نہ ہو، تو جائز ہے۔

(۲۵) باب الغرفة والعلیة المشرفة وغير المشرفة فی السطوح وغیرها

روشن دان و بالا خانہ کی تفصیل

”الغرفة“ اصل میں بالا خانہ کے لئے وضع ہوا تھا یعنی چھت کے اوپر کوئی کمرہ بنا لیا جائے، بعد میں اس کا اطلاق عام کمرہ پر ہونے لگا لیکن یہاں بالا خانہ ہی مراد ہے۔

”مشرفة“ کے لفظی معنی ہیں جھانکنے والا اشرف یشرف اشرفا کے معنی جھانکنے کے ہوتے ہیں۔

”العلیة المشرفة“ کے معنی ہیں اوپر کا وہ کمرہ جو کسی دوسرے کے گھر میں جھانکتا ہو یعنی جہاں کھڑے ہو کر دوسرے کے گھر کا منظر نظر آتا ہو۔

”و غیر المشرفة“ ہے یعنی وہ کمرہ جو دوسرے کے گھر میں جھانکتا نہ ہو یعنی جہاں سے دوسرے کا گھر نہ نظر آتا ہو۔

ترجمہ الباب قائم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ غرفہ، بالا خانہ اور چھت وغیرہ پر ایسا کمرہ بنانا جس سے

دوسرے کا گھر نظر آتا ہو یا نہ نظر آتا ہو یہ جائز ہے یا نہیں؟

اگر غیر مشرفہ ہے یعنی وہاں سے دوسرے کے گھر پر نظر نہیں پڑتی تب تو اس کے جواز میں کوئی اشکال ہی

نہیں، سب کے نزدیک جائز ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسا کمرہ بناتا ہے جس سے کسی دوسرے کا نظر آتا ہو تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ ایسا کمرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟
امام بخاری رحمہ اللہ اسی اختلاف کی طرف اشارہ کرنا چاہ رہے ہیں کہ بعض فقہاء اس کو جائز کہتے ہیں اور بعض ناجائز کہتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اس انداز میں بالا خانہ بنانا جس سے دوسرے کی خلوت میں خلل اندازی نہ ہو تو یہ جائز ہے لیکن اگر دوسروں کی خلوت میں خلل اندازی ہوتی ہے تو اس صورت میں اس کے لئے بنانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کوئی بنا لے گا تو قاضی اس کو منہدم کرنے پر مجبور نہیں کرے گا، یہ کہے گا کہ تم نے یہ بنا لیا ہے لیکن اب اس بات کا خیال رکھنا کہ یہاں سے دوسروں کی بے پردگی نہ ہو۔

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ سے اس باب میں دو قول مروی ہیں:

ایک قول ظاہر الروایۃ کا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی ملک میں تصرف کا حق حاصل ہے، اس واسطے اگر وہ بنانا چاہتا ہے تو اس کو روکا نہیں جائے گا، البتہ اگر وہ اس کو دوسروں کی بے پردگی میں استعمال کرنے کی کوشش کرے تو اس بے پردگی سے اس کو منع کیا جائے گا۔

بعض متاخرین نے ظاہر الروایۃ کے خلاف فتویٰ دیا ہے کہ ہر انسان کو اپنی ملک میں اس وقت تک تصرف کا حق حاصل ہے۔ جب تک اس سے دوسرے کا حق پامال نہ ہو۔ اگر وہاں سے دوسرے آدمی کی بے پردگی ہو رہی ہے تو دوسرے کا حق پامال ہوگا، لہذا اس کو منع کیا جائے گا۔ اگر اس نے بنا لیا ہے تو اس کو حق حاصل ہے کہ اس کو ڈھا دے، مہندم کر دے۔ حنفیہ کے دونوں قولوں میں بظاہر تضاد ہے، ظاہر الروایۃ میں اور اس فتویٰ میں، لیکن علماء کرام نے فرمایا کہ دونوں قسم کے حکم مختلف حالات پر مبنی ہیں۔ اگر وہ شخص بالا خانہ یا روشندان اس طرف کھول رہا ہے، جہاں سے بے پردگی کا اندیشہ ہے لیکن یہ کھولنا خود اسکی اپنی ضرورت کے تحت ہے مثلاً اس کو رہائش کے لئے بالا خانہ کی ضرورت ہے، اس کے بغیر اس کا گزارا نہیں ہے، تب تو منع نہیں کیا جائے گا، صرف اس سے اتنا کہا جائے گا کہ ذرا خیال رکھنا کہ بے پردگی نہ ہو۔

لیکن اگر محض تفریحاً کھول رہا ہے، کوئی خاص ضرورت داعی نہیں ہے تو پھر متاخرین کے فتویٰ پر عمل کیا جائے گا کہ اس کو روکا جائے، یہ تفصیل ہے۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے چند حدیثیں اس بات کے جواز کے لئے پیش کی ہیں کہ غرفہ بنایا گیا اور آپ ﷺ نے اس کی اجازت دی۔

پہلی حدیث جو روایت کی وہ یہ ہے

۲۴۶۷۔ حدثني عبد الله بن محمد : حدثنا ابن عيينة، عن الزهري ، عن عروة من أسامة بن زيد رضي الله عنهما قال : أشرف النبي ﷺ على أطعم من أطام المدينة ، ثم قال : ((هل ترون ما أرى ؟ إني أرى مواقع الفتن خلال بيوتكم كمواقع القطر)) . [راجع : ۱۸۷۸] ^۱
 حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کے قلعوں میں سے ایک قلعہ سے جھانکا اور پھر فرمایا ”هل ترون ما أرى؟“ کیا تم وہ دیکھتے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ میں ”مواقع الفتن“ دیکھ رہا ہوں۔

”مواقع الفتن، ما أرى“ سے بدل ہے کہ میں قتلوں کے گرنے کی جگہیں دیکھ رہا ہوں۔ ”مخالل بیوتکم“ تمہارے گھروں کے درمیان ”مواقع القطر“ فتنے اس طرح گریں گے جیسے بارش کے قطرے گرتے ہیں یعنی تمہارے گھروں میں فتنے بارش نے قتلوں کی طرح گریں گے، ”فتنہ حورہ“ وغیرہ کی طرف ارشاد تھا۔
 یہاں امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو یہ بتانے کے لئے لائے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ قلعے پر چڑھے اور وہاں سے مدینہ منورہ کے گھروں کی طرف دیکھ کر آپ ﷺ نے بات ارشاد فرمائی۔

جب عارضی طور پر ایک قلعہ پر چڑھنا اور گھروں کو دیکھنا جائز ہو اور آپ ﷺ نے اس پر عمل فرمایا تو اسی پر یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ کوئی شخص ایسا کمرہ بنائے جس سے نیچے کی طرف دیکھا جاسکتا ہو تو یہ جائز ہوگا۔
 دوسری حدیث جو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت فرمائی ہے وہ حدیث تخریر ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔

۲۴۶۸۔ حدثنا يحيى بن بكير : حدثنا الليث ، عن عقيل ، عن ابن شهاب ، قال : أخبرني عبد الله بن عبد الله بن أبي ثور ، عن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما قال : لم أزل حريصا على أن أسأل عمر . عن المرأتين من أزواج النبي ﷺ التين قال الله لهما : ﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾ ^۲ . فحسجت معه فعدل وعدلت معه بالإداوة فبرز حتى جاء فسكبت علي يديه من الإداوة فتوضا فقلت : يا أمير المؤمنين ، من

۱۔ ولی صحیح مسلم، کتاب الفتن و أشراط الساعة، باب رسول الفتن كمواقع القطر، رقم ۵۱۳۵، و مسند احمد،

مسند الأنصار، باب حدیث اسامة بن زيد حب رسول الله ﷺ، رقم ۲۰۷۵۳، ۲۰۸۰۹.

المرأتان من أزواج النبي ﷺ اللتان قال الله عز وجل لهما : ﴿ إِنَّ تَوْبًا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۗ ﴾ فقال : واجبا لك يا ابن عباس ، عائشة وحفصة . ثم استقبل عمر الحديث يسوقه . فقال : إني كنت وجار لي من الأنصار في بني أمية بن زيد ، وهي من عوالي المدينة ، وكنا نتأوب النزول على النبي ﷺ ، فينزل هو يوما . فإذا نزلت جنته من خبر ذلك اليوم من الأمور وغيره وإذا نزل فعل مثله ، وكنا معشر قريش نغلب النساء ، فلما قدمنا على الأنصار إذ هم قوم تغلبهم نساؤنا فطفق نساؤنا يأخذن من أدب نساء الأنصار ، فصحت على امرأتي فراجعني فأنكرت أن تراجعني فقالت : ولم تنكر أن أراجعك ؟ فوالله إن أزواج النبي ﷺ ليسراجعنه ، وإن احداهن لتهجره اليوم حتى الليل ، فألزعتني فقلت : خابت من فعلت منهن بعظيم ، ثم جمعت على ثيابي فدخلت على حفصة ، فقلت : أي حفصة ، أتغاضب إحداكن رسول الله ﷺ اليوم حتى الليل ؟ فقالت : نعم ، فقالت : خابت وخسرت ، أفأمن أن يغضب الله لغضب رسوله ﷺ فهلكين ؟ لا تستكثري على رسول الله ﷺ ولا تراجعيه في شيء ولا تهجره ، وسليني ما بدالك ولا يفرنك أن كانت جارتك هي أوضأ منك وأحب إلى رسول الله ﷺ - يريد عائشة - وكنا نحدثنا أن غسان تسعل النعال لغزونا فنزل صاحبي يوم نوبته فرجع عشاء فضرب بابي ضربا شديدا ، وقال : أئتم هو فخرجت فخرجت إليه . وقال : حدث أمر عظيم ، قلت : ما هو ؟ اجاءت غسان ؟ قال : لا بل أعظم منه وأطول ، طلق رسول الله ﷺ نساءه . قال : قد خابت حفصة وخسرت ، كنت أظن أن هذا يوشك أن يكون فجمعت على ثيابي فصليت صلاة الفجر مع النبي ﷺ فدخل مشربة له فاعتزل فيها ، فدخلت على حفصة ، فإذا هي تبكي ، قلت : ما يبكيك ؟ أولم أكن غذرتك ؟ أطلقكن رسول الله ﷺ ؟ قالت : لا أدري ، هو ذا في المشربة . فخرجت فجئت المنبر فإذا حوله رط يبكي بعضهم فجلست معهم قليلا ، ثم غلبني ما أجده فجئت المشربة التي هو فيها فقلت للغلام أسود : استأذن لعمر . فدخل فكلم النبي ﷺ ثم خرج فقال : ذكرتك له فصمت . فأنصرفت حتى جلست مع الرهط الذين عند المنبر . ثم غلبني ما أجده ، فجئت فقلت للغلام - فذكر مثله - فجلست مع الرهط الذين عند المنبر . ثم غلبني ما أجده ، فجئت الغلام فقلت : استأذن لعمر - فذكر مثله - فلما وليت منصرفا فإذا الغلام يدعوني قال : أذن لك رسول الله ﷺ ، فدخلت عليه ، فإذا هو مضطجع على رمال حصير ليس بينه وبينه فراش ، قد أثر الرمال بحنجه .

متکئی علی وسادة من آدم حشوها ليف فسلمت عليه ، ثم قلت وأنا قائم : طلقت نساك ؟ فرفع بصره إلي ، فقال : لا ، ثم قلت وأنا قائم أستانس : يا رسول الله ، لو رأيتني وكنا معشر قريش نغلب النساء ، فلما قدمنا على قوم تغلبهم نساؤهم ۰۰۰ فذكره فتبسم النبي ﷺ . ثم قلت : لو رأيتني ودخلت على حفصة فقلت : لا يفرنك أن كانت جارتك هي أروضا منك وأحب إلي النبي ﷺ - يريد عائشة - فتبسم أخرى . فجلست حين رأته تبسم ثم رفعت بصرى في بيته فوالله ما رأيت فيه شيئا يرد البصر غير أهبة ثلاث ، فقلت : أذع الله فليوسع على أمك ، فإن فارس والروم وسع عليهم وأعطوا الدنيا وهم لا يعبدون الله . وكان متكئا فقال : ((أو في شك أنت يا ابن الخطاب ؟ أولئك قوم عجلت لهم طيبا لهم في الحياة الدنيا)) . فقلت : يا رسول الله ، استغفر لي ، فاعتزل النبي ﷺ من أجل ذلك الحديث حين أفضته حفصة إلى عائشة وكان قد قال : ((ما أنا بداخل عليهن شهرا)) من شدة موجدته عليهن حين عاتبه الله ، فلما مضت تسع وعشرون دخل علي عائشة فبدأ بها فقالت له عائشة : إنك أقسمت أن لا تدخل علينا شهرا وإنا أصبحنا بتسع وعشرون ليلة أعدها عبدا . فقال النبي ﷺ : ((الشهر تسع عشرون)) ، وكان ذلك الشهر تسع وعشرون . قالت عائشة : فأنزلت آية التخيير فبدأ بي أول امرأة فقال : ((اني ذاكر لك أمرا ولا عليك أن لا تعجلي حتى تستامري أبويك)) . قالت : قد أعلم أن أبوي لم يكونا يا مراني بفراقك . ثم قال : ((إن الله قال : ﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأَزْوَاجِكُمْ ﴾ إلى قوله : ﴿ عَظِيمًا ﴾ [الأحزاب : ۲۸- ۲۹] قلت : أفى هذا استامر أبوي ؟ فإني أريد الله ورسوله والدار الآخرة . ثم خبر نساءه فقلن مثل ما قالت عائشة . [راجع : ۸۹] ۳

تشریح

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اس بات پر بہت حریص رہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان دو عورتوں کے بارے میں پوچھوں جو نبی کریم ﷺ کی ازواج میں سے تھیں اور ان کا قصہ کیا تھا جن کے

۳ صحیح مسلم ، کتاب الطلاق ، باب فی الایلاء واعتزال النساء وتخییر من وقوله تعالیٰ وان تظاہرا علیہ ، رقم :

۴۷۰۳ - ۴۷۰۷ ، وسنن الترمذی ، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ، باب ومن سورۃ النجم ، رقم : ۳۲۳۰ ، وسنن

النسائی ، کتاب الصیام ، باب کم اشہر وذكر الاختلاف علیا لرهري فی الخبر عن عائشة ، رقم : ۲۱۰۳ ، ومسنند احمد ،

مسند العشرة المبشرين بالجنة ، باب اول مسند عمر بن الخطاب ، رقم : ۲۱۷

بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿إِنْ تَوْبَانِإِلَى اللَّهِ لَقَدْ صَفَتْ قُلُوبُكُمْ﴾ کہ اگر تم اللہ ﷻ کی طرف توبہ کر لو تو اچھا ہے کیونکہ تمہارے دل سبزھے ہو چکے ہیں اور بعض مفسرین نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ تمہارے دل توبہ کی طرف مائل ہو ہی چکے ہیں، یہ تفسیر ازواج مطہرات کے مجموعی مزاج سے قریب تر ہے۔

”فحججت معہ“ ایک دفع حج کے دوران، میں حضرت عمرؓ کے ساتھ تھا ”فعدلت معہ بالاداءة“ کسی موقع پر وہ راستہ سے ہٹے، میں بھی ایک چھوٹا سا لوٹالے کر راستے سے ہٹ گیا۔

”فبـرز“ حضرت عمرؓ براز کے لئے جنگل میں تشریف لے گئے۔ پھر وہ واپس تشریف لائے تو ”لسکت علی یدیدہ من الاداءة“ میں نے اس برتن سے ان کے ہاتھوں پر پانی ڈالا ”فلتوضا“ انہوں نے وضو فرمایا تو میں نے کہا ”یا امیر المؤمنین من الم اتا من ازواج النبی ﷺ اللتان قال اللہ عزوجل لهما إِنْ تَوْبَانِإِلَى اللَّهِ لَقَدْ صَفَتْ قُلُوبُكُمْ لَقَالَ: وَأَعْجَبَالِك يَا ابْنِ عَبَّاسِ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ“ حضرت عمرؓ نے فرمایا تعجب ہے تمہیں ابھی تک پتہ نہیں ہے، جن کے بارے میں یہ فرمایا گیا وہ عائشہ اور حفصہ تھیں۔

”ثم استقبل عمر الحدیث بسوقہ“ پھر حضرت عمرؓ نے واقعہ سنانا شروع کیا۔

”جارلی من الانصار لی بنی امیة..... النزول علی النبی ﷺ“ فرماتے ہیں کہ:

میں بنی امیہ بن زید کے محلے میں اپنے ایک انصاری پڑوسی کے ساتھ مدینہ کے عوالی میں تھا یعنی ان کے انصاری ساتھی اور یہ دونوں عوالی مدینہ کے ایک محلے میں مقیم تھے جو بنو امیہ بن زید سے تعلق رکھتا تھا۔

چونکہ ہم مدینہ سے دور تھے اس لئے ہم نبی کریم ﷺ کے پاس روزانہ دونوں اپنی مصروفیات کی وجہ سے نہیں جاسکتے تھے، لہذا ہم باریاں مقرر کرتے تھے تو ہم نے طے کر رکھا تھا کہ ایک دن تم جاؤ گے اور ایک دن میں جاؤں۔ ”فهنزل هو یوما والنزل یوما“ ایک دن وہ جائے اور ایک دن میں جاتا۔

”فما انزلت جننہ من غیر ذلک الیوم من الامر“ وغیرہ۔ جس دن میں جاتا تو اس دن کی خبر لے کر آتا۔ نبی کریم ﷺ نے کوئی بات ارشاد فرمائی ہو یا کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہو تو اس کی خبر اپنے انصاری صاحب کو پہنچاتا کہ آج نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے ”وإذا انزل فعل مثله“ اور جب وہ جاتے تو وہ بھی ایسا ہی کرتے کہ آکر اس دن کے واقعات مجھے سناتے۔

آگے فرماتے ہیں ”وکنا معشر فریش نغلب النساء“ کہ ہم قریش لوگ اپنی عورتوں پر حاوی اور غالب تھے یعنی یہ بالادست تھے اور عورتیں زیر دست تھیں۔

”فلما قدمنا علی الأنصار“ جب ہم مدینہ منورہ میں انصاری صحابہؓ کے پاس آئے۔ ”اذا ہم قوم تغلبہم نساء ہم“ تو ہم نے دیکھا کہ ان کی عورتیں ان پر غالب آئی ہوئی ہیں یعنی عورتیں اپنے شوہروں پر زیادہ حاوی ہیں۔

”فطفق نساؤنا یاخذن من أدب نساء الأنصار“ جب ہماری قریشی عورتوں نے یہ دیکھا کہ یہاں کی عورتیں بڑی غالب اور حاوی ہیں تو انہوں نے بھی انصار کا طریقہ اختیار کرنا شروع کر دیا۔

”فصحت علی امرائی“ ایک مرتبہ میں اپنی بیوی پر چیخا یعنی کسی بات پر اس کو غصہ کیا

”فراجعتنی“ اس نے مجھے جواب دیا قریش کے زمانے میں کبھی نوبت نہیں آئی تھی کہ وہ مجھے چمت کر جواب دے لیکن وہاں اس نے جواب دیا۔

”فانکرت ان تراجمنی“ مجھے یہ بات بری لگی کہ اس طرح جواب دے رہی ہے ”فقللت ولم تنکر ان أراجعک فواللہ ان أزواج النبی ﷺ لیراجعنه“۔

انہوں نے کہا کہ آپ میرے اس جواب دینے کو کیوں برا سمجھ رہے ہیں جبکہ اللہ کی قسم بعض اوقات نبی کریم ﷺ کی ازواج بھی آپ کے سامنے جواب دے دیتی ہیں۔ ”وان أحداهن لتہجرہ الیوم حتی اللیل“ اور بعض اوقات کوئی زوجہ مطہرہ ایسا بھی کرتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو چھوڑ دیتی ہیں یعنی بات چیت کرنا چھوڑ دیتی ہیں سارا دن اور رات تک، کسی بات پر ناراضگی ہو گئی تو شام تک حضور اکرم ﷺ سے بات بھی نہیں کرتی۔ وہاں تو یہ ہوتا ہے اور آپ میرے جواب دینے پر ناراض ہو رہے ہیں ”فانفزعنی“ اس واقعہ نے مجھے گھبرا دیا۔

”قللت“ میں نے دل میں کہا ”خباہت من لعلت منہن بعظیم“ ازواج میں سے جو عورت ایسا کرتی ہو کہ سارا دن حضور اکرم ﷺ سے بات نہ کرے وہ تو بڑی ناکام ہو گئی۔ یعنی وہ ایک بہت ہی سخت قسم کی بات کی وجہ سے ناکام ہو گئی یہ میں نے اپنے دل میں سوچا۔ ”ثم جمعت علی فیابی“ پھر میں نے اپنے کپڑے جمع کئے ”فدخلت علی حفصة“ اور اپنی صاحبزادی حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچا اور چاکر کہا ”ای حفصة انفاضب احداکن رسول اللہ ﷺ الیوم حتی اللیلة؟“ کیا تم میں سے کوئی حضور اکرم ﷺ سے رات بھر کے لئے ناراض ہوتی ہے؟ ”فقللت: نعم“ انہوں نے کہا ہاں! کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔ ”قللت: خباہت و خسرت“ ناکام اور نامراد ہو جو ایسا کرے ”الغامن ان یغضب اللہ لغضب رسولہ ﷺ فتلکین؟“ کیا تم اور وہ عورت جو ایسا کرتی ہے اس بات سے بے خوف ہو کہ اللہ ﷻ کا غضب اس کے رسول ﷺ کی وجہ سے نازل ہو؟ کہ حضور ﷺ ناراض ہو جائیں اور ان کے ناراض ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔

”فتلکین“ تم اللہ کے غضب سے برباد ہو جاؤ ”لا تستکفیری علی رسول اللہ“ یعنی حد سے زیادہ نہ بڑھو زیادہ باتیں مت کیا کرو حضور اکرم ﷺ کے مقابلہ میں۔

”ولا تراجمہ فی شی ولا تہجرہ“۔

اور حضور ﷺ کے سامنے کسی بھی معاملے میں جواب مت دینا "ولاتہجریہ" اور کبھی بھی بات چیت مت چھوڑنا "وسلینی ماہد لک" اور تمہیں جو کچھ چاہئے وہ مجھ سے مانگ لیا کہ تمہاری جو خواہش ہو مجھ سے کہہ دیا کرنا لیکن ایسی حرکت کبھی نہ کرنا کہ حضور اکرم ﷺ سے اس طرح ناراض ہو کر بیٹھ جاؤ۔

امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ تمہیں پتہ نہیں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے تو تمہیں طلاق دے دی تھی اس وقت میں نے تمہیں چھڑایا اور میری وجہ سے آپ ﷺ نے دوبارہ رجوع فرمایا۔ ۳۲

طبقات بن سعد کی روایت میں آ ۳ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تھی۔ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سفارش کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آئندہ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی، آپ ان سے رجوع فرمائیں۔ جبریل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور کہا کہ "راجع حفصۃ لخصہ سے رجوع کرو" فانہا صوامۃ لوامۃ" کیونکہ وہ روزے بہت رکھتی ہیں اور نمازیں بہت پڑھتی ہیں اس واسطے حضور اکرم ﷺ نے دوبارہ رجوع فرمایا۔

یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے والا حوالہ دے کر فرمایا کہ اس طرح پہلے بھی تمہارے ساتھ ہو چکا ہے اور اگر آئندہ کبھی ہوا تو بہت غلط بات ہوگی۔

"ولا یفرنک ان کانت جارنک ہی ارضا منک واحب الی رسول اللہ ﷺ یرید عائشۃ رضی اللہ عنہا" اور تمہیں یہ بات دھوکہ میں نہ ڈالے کہ تمہاری پڑوسن (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) تم سے زیادہ خوبصورت ہے اور رسول اللہ ﷺ کو تم سے زیادہ محبوب ہے یعنی کبھی ان کا (حضرت عائشہ) مقابلہ کرنے کی کوشش نہ کرنا یعنی یہ سوچ کر کہ حضور اقدس ﷺ ان سے زیادہ محبت کرتے ہیں تو تم بھی ویسے ہی مطالبات کرو تا کہ تمہارے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ کیا جائے، تو اس قسم کے چکر میں مت پڑنا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقام اور ہے اور تمہارا مقام اور ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حفصہ کو یہ نصیحت کر کے چلے آئے۔

"وکنا نجد لنا ان ہسان نلعل النعال لغزونا" ہم آپس میں یہ باتیں کیا کرتے تھے کہ غسان کا بادشاہ (جو عرب کے اندر نصرانی بادشاہ تھا) وہ ہم سے جنگ کرنے کے لئے گھوڑوں کے فعل لگا رہا ہے یعنی جنگ کرنے کی تیاری کر رہا ہے، مدینہ منورہ میں یہ خبریں مشہور ہو رہی تھیں۔

"فنزول صاحبی یوم نوبتہ" میرا انصاری پڑوسی اپنی باری کے دن حضور اقدس ﷺ کے پاس گیا "فرجع عشاء" عشاء کے وقت واپس آیا۔ "فضرب بابی ضربا شدیداً" اور میرے دروازے پر زور سے دستک دی۔ "وقال: ائم ہو؟" جب زیادہ دیر تک جواب نہ ملا تو کہا کیا سو رہا ہے؟ "ففزع" میں گھبرایا "فخرجت الیہ" میں نکلا "وقال حدث امر عظیم" اس نے کہا کہ بڑا مسئلہ ہو گیا، بڑا

زبردست واقعہ پیش آ گیا ”قلت : ماہو ؟ اجاءت غسان ؟“ میں نے کہا، کیا قصہ ہوا؟ کیا غسان کے بادشاہ نے حملہ کر دیا ”قال : لابل اعظم منه واطول“ اس نے کہا نہیں، اس سے بھی زیادہ لمبا چوڑا واقعہ ہو گیا، اور اس سے زیادہ خطرناک معاملہ ہو گیا ”طلق رسول الله ﷺ نساء“ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ ”قال : قد خابت حفصة و غسرت“ میں نے اسی وقت دل میں کہا یا میری زبان سے نکلا کہ حفصہ تو ناکام، نامراد ہو گئی۔

”كنت اظن ان هذا يوشك ان يكون“ مجھے اُس بات کا خطرہ تھا کہ یہ واقعہ پیش آنے والا ہے یعنی عنقریب پیش آئے گا ”فجمعت على ثيابي“ میں نے کپڑے بدلے ”فصلبت صلاة الفجر مع رسول الله ﷺ“ میں نے فجر کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی۔

”فدخل مشرفة له“ (یہ ترجمہ اسباب کی جگہ ہے) آپ ﷺ اپنے مشرف یعنی بالا خانہ میں داخل ہو گئے۔ ”فاعتزل فيها“ اور وہاں کنارہ کش ہو کر بیٹھ گئے۔ ”فدخلت على حفصة“ میں حفصہ کے پاس گیا، ”فاذا هي تبكي“ وہ رو رہی تھی۔ ”قلت ما يبكيك؟“ میں نے کہا، کیا بات ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟ ”اولم اكن حدرتك“ کیا میں نے تمہیں پہلے اس بات سے خبردار نہیں کیا تھا کہ تم خیال رکھنا، کہیں ایسا نہ ہو جائے۔

”اطلقك رسول الله ﷺ؟“ کیا رسول اللہ ﷺ نے تم لوگوں کو طلاق دے دی ہے؟

”قالت : لا ادري هو ذافى المشربة“ انہوں نے کہا کہ مجھے پتہ نہیں ہے لیکن آپ ﷺ اپنے مشرف میں تشریف فرما ہیں۔

”فخرجت لجنات المنبر، فاذا حول رهط يبكي بعضهم“ میں منبر کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہاں بھی بعض لوگ بیٹھے رو رہے تھے ”فجلست معهم قليلا“ تھوڑی دیر وہاں میں ان کے ساتھ بیٹھا ”ثم غلبني ما اجد“ پھر میرے دل میں جو احساسات پیدا ہو رہے تھے وہ مجھ پر غالب آئے کہ میں جا کر حضور ﷺ سے بات کروں۔

”فجلست المشربة التي هو فيها“ تو میں آپ کے بالا خانہ میں داخل ہوا۔ ”فقلت لسلام اسود“ آپ ﷺ کے ایک یہ فام غلام تھے، دوسری روایت میں ان کا نام حضرت رافع ﷺ آیا ہے ان سے جا کر کہا ”استاذن لعمر“ جا کر عمر کے لئے اجازت لے لو کہ میں حضور اقدس ﷺ کے پاس جانا چاہتا ہوں۔

”لكلم النبي ﷺ ثم خرج“ وہ بات کر کے واپس آئے۔ ”فقال ذكر نك له فصمت“ کہ میں نے جا کر آپ کا ذکر کیا تھا کہ آپ آنا چاہتے ہیں تو آپ ﷺ خاموش رہے، کوئی جواب نہیں دیا، یہ نہیں کہا کہ بلاؤ، ”فانصرفت“ میں واپس چلا گیا ”حتى جلست مع رهط الذين هند المنبر“ دوبارہ ان

ہی لوگوں کے ساتھ منبر کے پاس جا کر بیٹھ گیا ”ثم غلبنی ما اجد“ پھر دل میں جو خیال پیدا ہو رہے تھے وہ غالب آئے۔ ”فجنت الغلام فقلت: استاذن لعمر“ میں نے غلام سے کہا کہ پھر جا کر اجازت لے لو کہ عمر آیا ہے۔ ”فذکر مثله“ غلام نے وہی بات دہرائی کہ حضور اقدس ﷺ سے آپ کا نام لے کر ذکر کیا تھا، آپ ﷺ خاموش رہے۔

”فذکر مثله“ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا، جب میں پیٹھ پھیر کر واپس جانے لگا، ”فاذا الغلام یدعونی“ تو اچانک دیکھا کہ مجھے غلام پکار رہا ہے ”قال: اذن لک رسول اللہ ﷺ“ شروع میں آپ ﷺ نے اجازت نہیں دی، بعد میں اجازت دی۔

علماء کرام نے فرمایا کہ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ شروع میں یہ سمجھے کہ یہ سفارش کرنے کے لئے آئے ہیں، اس لئے آپ ﷺ نے فوری طور پر بات چیت کرنا پسند نہیں فرمایا۔

اور جب دو تین مرتبہ انکار کر دیا گیا تو حضور اقدس ﷺ نے محسوس فرمایا کہ اب بلانے میں اس لئے مضائقہ نہیں کہ ان کو سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ آ کر ایسی کوئی بات نہ کریں جو ازواج مطہرات کی حمایت کی ہوگی، اب جب یہ آئیں گے تو ایسی کوئی بات نہ کریں گے، اس واسطے آپ ﷺ نے تین مرتبہ کے بعد اجازت دی۔

”فدخلت علیہ“ میں حاضر ہوا۔ ”فاذا هو مضطجع علی رمال حصیر“ تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ چٹائی کے بان پر تشریف فرما ہیں۔ رمال کے معنی ہیں بان۔

”لمس بینه و بینه لراش“ آپ ﷺ کے اور بان کے درمیان کوئی بستر نہیں تھا۔ ”قد اثر الرمال بجنبہ“ اور بانوں کے نشان آپ ﷺ کے پہلو پر نظر آرہے تھے۔ ”متکسی علی و سادة من آدم حشوها لیف“ آپ ﷺ نے چمڑے کے ایک ٹکٹے کے ساتھ ٹیک لگائی ہوئی تھی جس کے اندر کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

”فسلمت علیہ“ میں نے آ کر سلام کیا ”ثم قلت وانا قائم“ پھر میں نے کھڑے کھڑے ہی عرض کیا ”طلقت نساءک؟ یا رسول اللہ“ کیا آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے؟ ”لرفع بصرا الی فقال: لا“ آپ ﷺ نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور کہا کہ نہیں! ”ثم قلت وانا قائم“ میں نے پھر کھڑے کھڑے ہی حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ ”استانس یا رسول اللہ ﷺ“ کہ کیا میں آپ ﷺ کا دل بہلانے کے لئے کچھ انس یعنی دل بہلانے والی باتیں کروں؟ استیناس کے معنی ہیں دل بہلانا۔

”لورایتنی وکنا معشر قریش نغلب النساء فلما قدمنا علی قوم تغلبہم نساؤہم“ یا رسول اللہ ﷺ ہم قریشی لوگ عورتوں پر غالب ہوا کرتے تھے اور جب یہاں آئے تو ایسی قوم کے پاس آئے جن کی عورتیں ان پر غالب ہیں۔ ”فذکرہ“ اور وہی بات ذکر کی کہ میری بیوی کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔

”فتبسم النبی ﷺ“ آپ ﷺ نے تبسم فرمایا ”ثم قلت: لورایتنی و دخلت حفصة“

فلقلت : لا یفرنک ان کالت جارنک ہی اوضامنک و احب الی النبی ﷺ یرید عائشة رضی اللہ عنہا۔“

پھر میں نے کہا کاش! آپ اس واقعہ کو دیکھتے جب میں حصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تھا اور اسے کہا تھا کہ تمہیں یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ تمہاری پڑوسن یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کو زیادہ محبوب ہے اور تم سے زیادہ خوب صورت ہے۔

یہ جملہ کہہ کر یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ میں ان کی حمایت کرنے نہیں آیا ہوں۔ ”لعبسما آخری“ آپ ﷺ نے دوبارہ تبسم فرمایا۔ ”فجلست حين رأته تبسم“ جب میں نے آپ کو تبسم فرماتے ہوئے دیکھا تو میں بیٹھ گیا۔ ”لم رفعت بصری فی بعتہ“ پھر میں نے آپ کے گھر کی طرف نگاہ اٹھائی۔

”فواللہ ما رأیت فیہ شیئا یو دا لبصر غیر اہبة ثلاث“ اللہ کی قسم میں نے اس گھر میں ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی جو نگاہ کو لوٹا سکے، یعنی جس پر نگاہ جا کر ٹھہر جائے کہ یہ چیز قابل ذکر ہے سوائے تین کھالوں کے کہ تین کھالیں پڑی ہوئی تھیں۔ باقی دنیا کی کوئی چیز نہیں پڑی ہوئی تھی۔

”اہاب“ کی جمع ”اہبة“ ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ میرے دل میں خیال آیا کہ قیصرہ کسری تو کتنے عیش و آرام میں ہیں اور صمم کی زندگی گزر رہے ہیں اور یہ دونوں جہانوں کے سردار اس حالت میں ہیں کہ چار پائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور اس کے اثرات کے نشان، آپ ﷺ کے پہلو پر نظر آ رہے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ ”ادع اللہ فلیوسع علی امتک“ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر کشادگی کرے اور فقر و افلاس کا دور ختم ہو جائے۔ ”فانا فارس والروم وسع علیہم“ کہ فارس اور روم کے اوپر تو بڑی وسعت ہے اور وہ بڑے مالدار لوگ ہیں۔ ”واعطوا الدنیا“ ان کو دنیا دی گئی ہے ”وہم لا یعبدون اللہ“ جبکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ ”وکان معکنا“ آپ ﷺ اس وقت تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ ”لقال اولی شک أنت یا ابن الخطاب“ اے خطاب کے بیٹے کیا تم اجمعی شک میں ہو کہ ان کو نعمتیں ملی ہوئی ہیں اور ہم کو نہیں ملی ہوئی ہیں۔

”اولشک قوم عجلت لہم طیباتہم فی الحیاة الدنیا“ وہ لوگ ہیں جن کی اچھی چیزیں اللہ نے ان کو دنیا ہی میں دے دی ہیں، اور ان کی طبیعت ان کو دنیا میں ہی مل گئی ہیں اور آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ یہ بڑا خطرناک جملہ ہے ”اولشک قوم عجلت لہم طیبات فی الحیاة الدنیا“ سے پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ ہماری طبیعت کو حیاة دنیا میں جلدی نہ عطا فرمائے جو ہمیں آخرت میں محروم کر دے۔

”ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة“ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر رکھے۔

”لقللت یا رسول اللہ استغفرلی“ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے استغفار کریں کہ میرے دل میں یہ خیال کیوں پیدا ہوا کہ ان کے پاس دنیا ہے اور ہمارے پاس نہیں ہے۔

”فاعتزل النبی ﷺ من اجل ذلك الحدیث حين افشعه حفصة إلى عائشة“ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج سے اس بات کی وجہ سے کنارہ کشی اختیار فرمائی جو حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے ظاہر کر دی تھی۔

”وكان قد قال: ما انا بداخل عليهن شهر أمن شده موجودته عليهن“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک مہینہ تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا۔ یہ قسم کھائی تھی ”من شده موجودته عليهن“ ان پر ناراضگی کی شدت کی وجہ سے آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمادی تھی۔ ”موجدة“ کے معنی ہیں ناراضگی ”حين عاتبه الله فلما مضت تسع و عشرون“ جب انیس دن گزر گئے، تو ”دخل على عائشة“ آپ ﷺ عائشہ کے پاس تشریف لائے اور سب سے پہلے انہی سے بات کرنے کا آغاز کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ آپ ایک مہینہ نہیں آئیں گے اور آج ہمیں انیس دن ہوئے ہیں، میں تو ایک ایک دن گن گن کر گزار رہی ہوں، اس لئے مجھے یاد ہے کہ ابھی تیس دن پورے نہیں ہوئے۔

”لقال النبی ﷺ الشهر تسع و عشرون“ کہ یہ مہینہ انیس دن کا ہے۔ ”وكان ذلك أشهر تسع و عشرون قالت عائشة فانزلت آية التخيير“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر بعد میں آیت تخيير نازل ہوئی۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأُزَوِّجَكُمُ إِن كُنتُمْ تُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَرَبُّنَا فَتَعَالَى أَمْتَعَكُمُ وَأَسْرَحَكُمُ سَرَّاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِن كُنتُمْ تُرِيدُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنِينَ مِنكُمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۝﴾^{۵۵}

ترجمہ: اے نبی! کہہ دے اپنی عورتوں کو، اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگی اور یہاں کی رونق، تو آؤ کچھ فائدہ پہنچی دوں تم کو اور رخصت کر دوں بھلی طرح سے رخصت کرنا اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور پچھے گھر کو تو اللہ نے

رکھ چھوڑا ہے ان کے لئے جو تم میں نیکی پر ہے بڑا ثواب۔

یہ آیتیں نازل ہوئیں تو حضور اقدس ﷺ سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے اور کہا کہ میں تم سے ایک بات کا ذکر کرنے والا ہوں۔ اگر تم جلدی جواب نہ دو تو تمہارے اوپر کوئی حرج نہیں ہے، یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کر لو۔

حضور اکرم ﷺ کو پتہ تھا کہ میرے والدین مجھے کبھی بھی حضور اکرم ﷺ سے جدائی کا اختیار نہیں دیں گے۔ یہاں پر فرق کا لفظ ہے جبکہ صحیح نسخہ بفرقہ ہے۔

میں نے کہا، کیا میں اس معاملے میں والدین سے مشورہ کروں؟ یہ کوئی ایسی بات تو نہیں ہے جس میں والدین سے مشورہ کرنے کی ضرورت ہو۔ "فانسی أريد الله ورسوله والدار الآخرة" میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"ثم خبر نساء" پھر آپ ﷺ نے اپنی اور ازواج کو بھی اختیار دیا۔ "فلئن ملته ماقلت عائشة" تو انہوں نے بھی وہی بات کہی جو حضرت عائشہ صدیقہ نے کہی تھی۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا، یہ آیت تخریر ہے۔

یہ ایلاء نہیں تھا

یہاں پہلی بات تو یہ سمجھ لیں کہ حضور ﷺ نے ایک مہینہ ازواج سے عیحدگی کی قسم کھائی تھی۔ یہ ایلاء شرعی فقہی نہیں تھا اگرچہ بعض روایات میں اس کو ایلاء سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن جن روایتوں میں ایلاء کا لفظ آیا ہے وہاں ایلاء لغوی مراد ہے بمعنی قسم کے کیونکہ ایلاء فقہی اس وقت متحقق ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کم از کم چار مہینے تک اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائے۔

اس نتیجے میں اگر چار مہینے تک رجوع کر لیا تو ٹھیک ہے ورنہ طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ ایلاء شرعی ایلاء حقیقی نہیں تھا بلکہ یہ آپ ﷺ نے محض قسم کھائی تھی کہ میں ایک مہینہ تک اپنی ازواج کے پاس نہیں جاؤں گا۔^{۴۶}

اعتزال اور آیت تخریر کا سبب نزول

دوسرا مسئلہ یہ کہ اس اعتزال اور بعد میں اللہ ﷻ کی طرف سے آیت تخریر کے نزول کا سبب کیا تھا۔ اس میں مختلف روایات ہیں۔

۱۔ م طور سے اس بارے میں تین روایتیں بیان کی جاتی ہیں:

ایک روایت تو وہ ہے جس میں شہد کھانے کا مشہور واقعہ ہے۔

شہد کا واقعہ

حضور اقدس ﷺ عصر کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت زینبؓ کے پاس کچھ شہد آیا ہوا تھا وہ آپ ﷺ کو دے دیتی تھیں۔ اس واسطے حضور اقدس ﷺ کو وہاں اپنی عام عادت سے کچھ زیادہ دیر لگ جاتی تھی۔

آپ ﷺ کا روزانہ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد تمام ازواج مطہرات کے گھروں میں تشریف لے جاتے۔ اور ہر ایک کے پاس تھوڑی دیر ٹھہرتے تھے۔ حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے کچھ زیادہ دیر ہو جاتی تھی، ازواج مطہرات میں سے ہر ایک اس انتظار میں ہوتی تھیں کہ ہر رے پاس تشریف لائیں گے، ان کے لئے ایک ایک لمحہ اور ایک ایک پل گراں ہوتا تھا۔

اب پوچھنے کی ہمت نہ ہوتی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی کنیز سے کہا کہ کل جب حضور اقدس ﷺ حضرت زینبؓ کے گھر جائیں تو ذرا چھپ کر دیکھنا کہ کیا بات ہو رہی ہے؟ مطلب یہ کہ کس وجہ سے دیر لگ رہی ہے۔ اس نے دیکھا اور آ کر حضرت عائشہؓ سے کہا کہ حضرت زینبؓ کے پاس کہیں سے شہد آیا ہوا ہے اور وہ حضور اقدس ﷺ کو شہد پلاتی ہیں۔

حضرت عائشہؓ نے کہا اچھا ہم انتظام کر لیں گی چنانچہ وہ حضرت سودہؓ کے پاس گئیں اور ان سے کہا کہ حضرت زینبؓ کے ہاں دیر اس وجہ سے لگتی ہے کہ وہ شہد پلاتی ہیں تم ایسا کرو کہ اب جب ان سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے پاس آئیں تو آپ ان سے یہ ظاہر کریں کہ آپ کے منہ سے مغفیر کی بو آ رہی ہے۔

”مغفیر“ ایک گھاس ہوتی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ کو یہ بات بہت ناپسند تھی کہ آپ کے منہ سے کسی قسم کی بو آئے تو جب آپ حضور اقدس ﷺ دیکھیں گے کہ شہد کے نتیجے میں بو آ رہی ہے تو یہ قصہ ختم ہو جائے گا۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے خود سے تو یہ کام کرنے کی جرأت نہ ہوتی لیکن عائشہؓ میرے اوپر حاوی تھیں کہ گویا ان کی بات رد کرنا مجھے گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے یہ کیا کہ جا کر حضرت ام سلمہؓ سے یہ بات کہہ دی کہ جب ان کے پاس جائیں تو وہ بھی یہ بات کہیں۔

حضرت سودہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد جب میرے گھر تشریف مائے تو مجھ پر حضرت عائشہؓ کا اتنا ڈر تھا کہ آپ ﷺ نے گھر میں قدم رکھا ہی تھا، ابھی میرے قریب تشریف بھی نہیں لائے تھے، دل چاہا کہ فوراً کہہ دوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ بھول جاؤں اور بعد میں حضرت عائشہؓ مجھ پر ناراض ہوں۔ لیکن ایک دم سے میں سنبھل گئی اور سنبھلنے کے بعد جب آپ ﷺ تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے مغفیر کھایا ہے؟

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میں تو ابھی زینب رضی اللہ عنہا کے پاس سے شہد کھا کر آ رہا ہوں اور شہد میں تو مغفیر کی بو نہیں ہوتی۔

س پر میں نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ شہد کی مکھی اس درخت پر بیٹھی ہوگی اور اس کا رس چوسا ہوگا جس کی وجہ سے اس میں بو پیدا ہوگئی۔ اس پر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اچھا میں آئندہ نہیں کھاؤں گا۔ اس کے بعد جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہی بات کہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا آئندہ میں یہ شہد نہیں کھاؤں گا۔ اللہ ﷻ نے یہ سارا واقعہ بذریعہ وحی نبی کریم ﷺ کو بتا دیا جو سورہ تحریم میں نازل ہوا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۗ تَبْتَغِي

مُؤْهِنَاتِ زُجَّاجٍ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۷۱﴾

ترجمہ: اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ نے

تجھ پر، چاہتا ہے تو رضا بندی اپنی عورتوں کی، اور اللہ بخشنے

والا ہے مہربان۔

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو اس سازش کا راز فاش ہو گیا۔ حضرت عائشہؓ، حضرت سوڈہ اور حضرت زینب کا معاملہ واضح ہو گیا۔

اس وجہ سے آنحضرت ﷺ کے دل میں رنج پیدا ہوا اور اس کے نتیجے میں آپ ﷺ نے کنارہ کشی اختیار فرمائی اور اسی نتیجے میں اختیار بھی دیا گیا۔ ایک واقعہ یہ ہے۔

دوسری روایت یہ ہے جو سند کے اعتبار سے کچی نہیں، لیکن بہر حال روایتیں ہیں کہ حضور ﷺ، حضرت ماریہ قبطیہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اتفاق سے حضرت حفصہ نے دیکھ لیا۔ اس کے نتیجے میں حضرت ماریہ قبطیہ کی طرف سے ان کے دل میں کچھ گرانی آگئی۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے حضرت ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر دیا کہ اب آئندہ میں ماریہ کے پاس نہیں جاؤں گا، پھر آپ نے ان سے اعتزال فرمایا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اس کے نتیجے میں آیت تنجیر نازل ہوئی۔

تیسری روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ تمام ازواج مل کر حضور ﷺ سے نفقہ میں زیادتی کا مطالبہ کیا اور یہ خیبر کی فتح کے بعد کا واقعہ ہے کیونکہ خیبر کی فتح سے پہلے جو کچھ نگلی ترشی کا عالم تھا، اس میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے نبی کریم ﷺ کا بھرپور ساتھ دیا اور پورا تعاون کیا۔ ہر قسم کے حالت کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ لیکن خیبر کی فتوحات کے بعد ائمہ اللہ وسعت پیدا ہوئی تھی اس واسطے انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ساری دنیا

کے اوپر وسعت ہو رہی ہے، اس لئے ہم بھی حضور ﷺ سے نفقہ میں کچھ زیادتی کا مطالبہ کریں۔ سب نے مل کر جو مطالبہ کیا وہ اُسرچہ کوئی گناہ نہیں تھا لیکن نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے شایان و شان نہ تھا، اس وجہ سے آنحضرت ﷺ نے یہ سوچ کر کہ یہ دنیا کی فکر میں پڑ گئی ہیں ان سے اعتزال اختیار فرمایا اور آخر میں آیت تخییر نازل ہوئی۔

یہ تین مختلف قسم روایات ہیں ان میں سے پہلی اور تیسری روایت لا پکی ہیں لیکن حضرت ماریہؓ والی سند میں اتنی مضبوط نہیں ہے۔^{۳۸}

روایات میں تطبیق

عہاء کرام نے ان روایات میں تطبیق دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ یہ سب واقعات تخییر کا سبب بنے۔ پہلے غسل کا واقعہ پیش آیا، پھر حضرت ماریہؓ کا واقعہ پیش آیا، پھر نفقہ کی زیادتی والا واقعہ پیش آیا۔ جب یہ تین چار چیزیں اکٹھی ہو گئیں اور ان سے نبی کریم ﷺ کی طبیعت پر گرانی ہوئی تو آپ ﷺ نے اس گرانی کا اظہار اعتزال کر کے فرمایا اور جس کی انتہاء اس پر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ازواج مطہرات کو اختیار روے دیا اور آیات تخییر نازل ہوئی۔

ازواج مطہرات پر اعتراض کرنا حماقت ہے

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ہر ایک ہمارے سر کا تاج ہیں، ان میں سے کسی کے بارے میں بھی کوئی کلمہ زبان سے نکالتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے لیکن یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کجگوئی طور پر اس واقعہ کے ذریعہ یہ بتا دیا کہ بشری طبیعت اعلیٰ سے اعلیٰ تقویٰ کے مقام پر پہنچنے کے باوجود بشریت ختم نہیں ہوتی اور بشریت کے تقاضے برقرار رہتے ہیں۔

ازواج مطہرات اعلیٰ ترین مقام تک پہنچنے کے باوجود بشری تقاضوں سے بالکلہ خالی نہیں تھیں، وہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں تھیں، لہذا کبھی کبھی اس کی جھلک ان کے کسی عمل میں بھی آ جاتی تھی۔

صحابہ کرامؓ کے بارے میں صحیح بات تو یہ ہے کہ وہ معصوم نہیں ہوتے، لیکن عام طور سے اللہ تعالیٰ گناہوں سے ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔ کبھی کبھی تقاضے بشریت کسی غلطی کا سرزد ہو جاتا ان کی مجموعی فضیلت و عدالت کے خلاف نہیں ہے، بشرطیکہ اس غلطی پر اصرار نہ ہو بلکہ ندامت ہو، اس پر توبہ و استغفار ہو۔

حضرت ماعزہؓ آخر صحابہ ہی میں سے تھے اور غامد یہ رضی اللہ عنہا بھی صحابہ تھیں لیکن غلطی کے بعد توبہ کی اور ایسی توبہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سارے مدینہ کے لئے کافی ہو جائے۔

اسی طرح ازواج مطہرات سے بے شک غلطی ہوئی، اور غلطی کے بعد فوراً تائب ہوئی، اس پر توبہ کی، استغفار کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے توبہ قبول ہوئی۔ لیکن اگر پھر بھی کوئی اس بنیاد پر اعتراض کرے کہ غلطی کیوں ہوئی تھی تو یہ غلط بات ہے۔ اس واسطے کہ معصوم تو کسی نے نہیں کہا کہ معصوم تھیں۔ لہذا اگر غلطی ہوئی تو اس کی تلافی مشروع طریقہ کے مطابق ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ نے معاف کر دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے معاف کر دیا، اب کون بے وقوف ہے جو یہ کہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے تو معاف کر دیا لیکن میں معاف نہیں کرتا، میں تو اعتراض کروں گا؟

خلاصہ یہ ہے کہ بعض مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ازواج مطہرات سے غلطیوں کا صدور ہوا لیکن اس غلطی پر اصرار نہیں ہوا اور حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اپنے کسی بھی بھائی کو اس کے کسی گناہ کی بنا پر عار دلانے جس سے وہ تائب ہو چکا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت تک موت نہیں دیں گے جب تک اسی گناہ میں مبتلا نہ کر دیں۔ العیاذ باللہ یہ اتنی خطرناک بات ہے۔^{۳۹}

جب توبہ ہوگئی اللہ اور اس کے رسول نے معاف کر دیا، معاملہ صاف ہو گیا، اب اس کو لے کر بیٹھے رہنا یہ حماقت ہے اور کسی مسلمان کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔

۲۴۶۹۔ حدیثی ابن سلام : أخبرنا للفرزاري ، عن حميد الطويل ، عن انس ؓ قال : آلی رسول الله ﷺ من نساءه شهر أو كانت الفکت لدمه ، فجلس فی علیه له ، فجاء عمر فقال : اطلقت نساءک ؟ فقال : ((لا ولكنی آلیت منهن شهرا)) لمکت تسعاً وعشرين ثم نزل فدخل علی نساءه . [راجع : ۳۷۸]

ایلاء سے نفی معنی مراد ہیں "و کانت الفکت لدمه" یعنی ایک اور واقعہ میں آپ ﷺ کا پاؤں اتر گیا تھا، جس کے وجہ سے آپ ﷺ بالا خانہ میں مقیم رہے تھے۔

(۲۶) باب من عقل بعیره علی البلاط أو باب المسجد

۲۴۷۰۔ حدیثنا مسلم حدیثنا أبو عقیل : حدیثنا أبو المعوکل الناجی قال : آلیت جابر ابن عبد الله رضی الله عنهما قال : دخل النبی ﷺ المسجد فدخلت إلیه و عقلت الجممل فی ناحية البلاط فقلت : هذا جملک ، فخرج فجعل یطیف بلجمل ، قال : ((الثمن و الجممل لک)) . [راجع : ۳۳۳]

۳۹ من غیر احیاء بذنب قد تاب ما لم یمت حتی یعمله ، تفسیر القرطبی ، ج : ۵ ، ص ۹۳ ، و فیض القدر ، ج ۶ ، ص ۸۳ و المنجور حین ، ج ۲ ، ص ۲۷۷ .

یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے، یہاں صرف اتنا تصود ہے کہ جب وہ اونٹ لے کر آئے تو اس بوچھڑے کو نے پر باندھ دیا۔

بلاط، پتھروں والی زمین کو کہتے ہیں، جہاں پتھر نصب کر دئے گئے ہوں۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر تھوڑی سی جگہ ایسی تھی جہاں پر پتھر لگے ہوئے تھے جیسے چبوترہ بنا دیا جائے، اس قسم کے پتھر تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہاں جا کر اونٹ باندھا، وہ بلاط کسی فرد واحد کی ملکیت نہیں ہے نہ مسجد کا جز ہے بلکہ عام لوگوں کے بیٹھنے، کھڑے ہونے اور نماز پڑھنے کی جگہ ہے، اس جگہ اونٹ کو باندھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔

امام بخاری نے اس سے استدلال کیا ہے کہ "من عقل بعیرہ علی البلاط أو باب المسجد" مسجد کے دروازے پر کوئی جانور لاکر باندھ دے تو یہ جائز ہے، اس میں ظلم کی کوئی بات نہیں ہے۔

(۲۷) باب الوقوف و البول عند سباطة قوم

۲۴۷۱۔ حدثنا سليمان بن حرب ، عن شعبة ، عن منصور ، عن أبي وائل ، عن حذيفة رضی اللہ عنہ قال : لقد رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أو قال : لقد أتى النبي صلی اللہ علیہ وسلم سباطة قوم فبال لنا . [راجع : ۲۴۴]

یہ حدیث کتاب الطہارۃ میں بار بار گزر چکی ہے، اس کو یہاں لانے کا منشاء یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سباطہ پر پیشاب فرمایا، وہ کسی اور قوم کی تھی۔

سوال یہ پیدا ہوا کہ کسی اور کی ملوک سباطہ پر پیشاب کرنا جائز ہے یا نہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ جائز ہے، اس لئے کہ اجازت متعارفہ ہے۔ سباطہ ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں گندگی وغیرہ ڈالی جاتی ہے، اس واسطے اس میں پیشاب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ معلوم ہوا جہاں اجازت متعارفہ ہو وہاں تصرف کرنا جائز ہے۔

(۲۹) باب إذا اختلفوا فی الطريق المیتاء. وفي الرحبة تكون بين

الطريق. ثم يريد أهلها البنیان فترك منها للطريق سبعة أذرع

۲۴۷۳۔ حدثنا موسى بن إسماعيل : حدثنا جرير بن حازم ، عن الزبير بن خريبت ، عن عكرمة ، سمعت أبا هريرة رضی اللہ عنہ قال : قضى النبي صلی اللہ علیہ وسلم إذا نشاجروا فی الطريق

المیتاء بسبعة أذرع. ۵۰

یہ حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب لوگوں کا آپس میں راستہ کے بارے میں جھگڑا ہو جائے یا اختلاف ہو جائے تو سات ذراع کے برابر راستہ قرار دیا جائے گا۔

سات ذراع سے کیا مراد ہے؟

یہ حدیث جو راستہ کی مقدار سات ذراع بیان کرتی ہے، اس کے متعدد معنی ہو سکتے ہیں اور علماء میں سے مختلف حضرات نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں:

پہلی توجیہ یہ ہے کہ ایک بہت بڑا میدان خالی پڑا ہوا ہے۔ لوگوں کو اجازت ہے کہ جو چاہیں اس میں اپنی تعمیر کریں، لوگ آکر اس میں عمارتیں تعمیر کر رہے ہیں اور اس کے مالک بن رہے ہیں تو کس حد تک لوگوں کو عمارت تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

فرض کریں ایک پورا رقبہ ہے اور لوگوں کو اجازت دی گئی ہے کہ جس طرح چاہو گھر بناؤ، اب کوئی یہاں بنا رہا ہے، کوئی وہاں بنا رہا ہے تو لوگ اس طرح بنا لیں کہ پورے میدان میں گھر ہوں اور چلنے کا راستہ بھی نہ رہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ سمجھایا جائے کہ بیچ میں ایک راستہ رکھو اور دائیں، بائیں عمارت تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے۔

ب یک شخص کہے کہ میں اور آگے تک بناؤں گا، دوسرا کہے کہ آگے نہ بڑھو کیونکہ راستہ کے لئے جگہ چھوڑنی ہے، اس نے کہا کہ راستہ کے لئے چار ذراع بھی کافی ہے۔ دوسرے نے کہا، نہیں! دس ذراع ہونا چاہئے تو آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ اس جھگڑے کی صورت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایسا جھگڑا ہو جائے تو پھر معتدل بات یہ ہے کہ راستہ کی مقدار سات ذراع رکھی جائے، اگر اس کے بعد لوگ دائیں بائیں عمارتیں تعمیر کرنا چاہیں تو کر لیں یہ معنی ہیں جو امام بخاری نے ترجمہ الباب میں بیان کئے ہیں کہ "إذا اختلفوا فی الطريقة المیتاء"۔

میتاء کے معنی ہیں وہ راستہ جس میں لوگ کثرت سے آتے جاتے ہوں، یہ "اتنی پائی" سے نکلا ہے جس کو شاہراہ بھی کہتے ہیں۔

۵۰۔ وفی صحیح مسلم، کتاب المسافاة، باب قدر الطريق اذا اختلفوا فیہ، رقم ۳۰۲۶، وسنن الترمذی، کتاب الأحکام عن رسول اللہ، باب ما حاء فی الطريق اذا اختلف فیہ کم یحمل، رقم ۱۲۷۶، وسنن أبی داؤد، کتاب الاقضیة، باب فی الحسن فی الدین وغیرہ، رقم ۳۱۳۹، وسنن ابن ماجہ، کتاب الأحکام، باب اذا تشاجرُوا فی قدر الطريق، رقم ۲۳۴۹، ومسند احمد، بابی مسند المکتوبین، باب مسند أبی ہریرہ، رقم ۲۸۲۹، ۹۰۷۲، ۹۶۳۱، ۹۷۵۱، ۹۰۱۳۔

اگر اس میں اختلاف ہو جائے وہ اس طرح کہ ”ولسی الرحبة“ کہ ایک بڑا رعبہ ہے ”تکون بین الطريق“ جو راستہ کے درمیان آ رہا ہے ”ثم یرید اهلها البیان“ لوگ عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں ”فترک منها للطریق سبعة اذرع“ تو راستہ کے لئے جو جگہ چھوڑی جائے گی وہ سات ذراع ہونی چاہئے نہ کم نہ زیادہ۔ اس کی ایک تفسیر یہ ہے جو امام بخاریؒ نے اختیار فرمائی ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے ایک زمین دو یا زیادہ آدمیوں کے درمیان مشاع ہے، مشترک ہے اور وہ اس زمین کو آپس میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں، حدود طے ہو جائیں کہ یہاں تک تمہاری ہے اور یہاں تک میری ہے، تو اس میں ایک راستہ تو یہ ہے کہ سب زمین تقسیم کر لیں اور گزرنے کی جگہ کسی کے لئے نہ رہے۔

اب ظاہر ہے کہ کوئی حصہ ایسا بھی رکھ جائے جس کو مشترک راستہ قرار دیا جائے۔ اگر تمام شراکاء مشترک راستہ کے لئے کسی مقدار پر متفق ہو جائیں تو ٹھیک ہے، بڑی اچھی بات ہے۔ سب مل کر طے کر لیں کہ دس ذراع ہم راستہ کے لئے چھوڑ دیں گے اور اس پر سب راضی ہو گئے تو اس میں کوئی جھگڑے کی بات ہی نہیں۔ دس ذراع راستہ چھوڑ دیا جائے گا۔

لیکن اگر آپس میں کوئی راضی نامہ نہ ہو سکا اور اختلاف برقرار رہا کہ کوئی کہہ رہا ہے چھوٹا راستہ چھوڑو، کوئی کہہ رہا ہے بڑا راستہ چھوڑو، تو اس وقت حضور اقدس ﷺ نے یہ فرمادیا کہ سات ذراع کا راستہ چھوڑ دو اور یہ معتدلات بات ہے۔ یہ اس حدیث کی دوسری توجیہ کی گئی ہے۔

تیسری توجیہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ بالکل ابتدائی آباد کاری کی بات ہے کہ جب کوئی گاؤں ابتداء میں آباد کیا جا رہا ہو اور لوگ عورتیں تعمیر کر رہے ہوں، اس وقت یہ طے کرنا ہے کہ ہم کتنا راستہ چھوڑیں اور کتنی جگہ پر عمارتیں تعمیر کریں۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک معتدل معیار بتا دیا کہ سات ذراع راستہ چھوڑ دو۔

چوتھی توجیہ علامہ ابن جوزیؒ نے فرمائی۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ ایک راستہ ہے، لمبی چوڑی سڑک ہے۔ اس کے کناروں پر بیٹھ کر بعض لوگ اپنا سودا فروخت کرنا چاہتے ہیں جیسے ہا کر لوگ کہتے ہیں کہ یہاں مت بیٹھو کیونکہ یہ راستہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگوں کے گزرنے کے لئے اچھی خاصی جگہ موجود ہے، ہم اس لئے بیٹھے ہیں۔ تو کتنی جگہ راستہ کے لئے چھوڑی جائے اور کتنی جگہ سامان بیچنے والوں کے لئے چھوڑی جائے اس جھگڑے کا تعفیہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سات ذراع راستہ چھوڑ دو اگر اس کے بعد کوئی کنارہ پر بیٹھنا چاہتا ہے تو بیٹھ جائے۔^۵

یہ کوئی تحدید شرعی نہیں

لیکن چاروں حیہات میں یہ بات یاد رکھیں کہ حضور اکرم ﷺ کا سات ذراع کی تحدید فرمانا یہ کوئی تحدید شرعی اہدی نہیں ہے بلکہ مصلحت پر مبنی ہے اور زمان و مکان کے اختلاف سے اس کی مقدار میں اضافہ اور کمی ہو سکتی ہے اور اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

۲۳۷۵۔ حدثنا سعید بن عقیل قال : حدثنا الليث : حدثنا عقيل ، عن ابن شهاب عن أبي بكر بن عبد الرحمن ، عن أبي هريرة ؓ قال : قال رسول الله ﷺ : ((لا يئزى الزانى حين يئزى وهو مؤمن ، ولا يشرب الخمر حين يشرب وهو مؤمن ، ولا يسرق حين يسرق وهو مؤمن ولا ينتهب نهبه يرفع الناس إليه فيها أبصارهم ، حين ينتهبها وهو مؤمن))

وعن سعيد و أبي سلمة ، عن أبي هريرة عن النبي ﷺ مقله إلا النبهة .

قال الفريرى : وجدت بخط أبي جعفر : قال أبو عبد الله : تفسيره أن ينزع منه ،

بريد الإيمان . [أنظر : ۵۵۷۸ ، ۶۷۷۲ ، ۶۸۱۰]

حدیث میں یہ تشریح کر دی کہ ایمان نہیں ہوتا اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے اندر ایمان کا نور نہیں ہوتا۔

(۳۱) باب كسر الصليب وقتل الخنزير

۲۳۸۶۔ حدثنا علي بن عبد الله : حدثنا سفیان : حدثنا الزهري قال : أخبرني .

سعيد ابن المسيب سمع أبا هريرة ؓ عن رسول الله ﷺ قال : ((لا تقوم الساعة حتى ينزل فيكم ابن مريم حكما مقسطا فيكسر الصليب ويقتل الخنزير ويضع الجزية و يفيض المال حتى لا يقبله أحد)) [راجع : ۲۲۲۲]

تشریح

حضرت ابہریرہ ؓ نے فرمایا کہ ”لا تقوم الساعة حتى ينزل فيكم ابن مريم“ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تمہارے درمیان عیسیٰ ابن مریم حکم بن کر اور انصاف کرنے والا بن کر نازل نہ ہوں

”فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر“ وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے۔

”یکسر الصلیب“ سے کیا مراد ہے؟

’صلیب کو توڑ دیں گے‘، بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جہاں جہاں صلیبیں ہیں ان کے قلمرو کے اندر وہ توڑ دی جائیں گی۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ عیسائی مذہب کے ختم ہونے سے کنایہ ہے کہ سارے عیسائی، مسلمان ہو جائیں گے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود تشریف لے آئیں گے۔

”ویضع الجزیة“ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس وقت تو کافروں کے لئے تین اختیار ہیں یا اسلام لائیں یا جزیہ ادا کریں۔ ان سے قول ہو۔ لیکن اس وقت جزیہ ختم ہو جائے گا۔ بس دو ہی باتیں رہ جائیں گی، ”إما الاسلام وإما السیف“۔

”ویفیهن المال“ اور وہ لوگوں میں مال کو پانی کی طرح بہا دیں گے، یہاں تک کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔

سوال: کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکومت ساری دنیا پر ہوگی؟

جواب: روایات میں اس بات کی صراحت نہیں ہے۔ البتہ ظاہر روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا پر ہوگی۔

(۳۲) باب هل تکسر الدنان التي فيها الخمر أو تخرق الزقاق؟

فإن كسر صنما أو صلیبا أو طنورا أو مالا ينتفع به شبه

”وَأَنى شَرِیح فی طنور کسر فلم یقض لیه بشیء“۔

اگر کہیں منکوں میں شراب رکھی ہے تو کیا ان کو توڑا جائے؟ یا منکوں میں شراب رکھی ہے تو ان کو پھاڑ دیا جائے؟ ”هل تکسر؟“ ”هل“ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

اختلاف فقہاء

۱۔ کی تھوڑی سے تفصیل یہ ہے کہ اگر یہ منکا یا مشکیزہ جس میں شراب ہے خدانہ کرے کسی مسلمان کا ہوتو اس میں فتنہ کا اختلاف ہے۔

امام یوسف رحمہ اللہ کا مسلک

امام ابو یوسفؒ سے نزدیک اگر کوئی شخص مسلمان کی شراب کا منکا توڑ دے یا مشکیزہ پھڑ دے تو وہ ضامن

نہیں ہوگا۔ اس واسطے کہ اس نے ایک مشکیزہ یا مٹکے کو ضبط چیز رکھنے کے لئے استعمال کیا تو دوسرے کے لئے جائز ہے کہ وہ نبی عن المنکر کے طور پر اس کو پھاڑ دے یا توڑ دے اور اس کی وجہ سے وہ ضامن بھی نہیں ہوگا۔ ۵۲۔

امام محمد رحمہ اللہ کا مسلک

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ضامن ہوگا، اس لئے کہ خرابی مٹکے یا مشکیزے میں نہیں تھی بلکہ شراب میں تھی اور شراب کو مٹکے توڑے اور مشکیزے پھاڑے بغیر بھی بہادینا ممکن تھا۔ اس نے خواہ مخواہ مٹکا توڑا اور مشکیزہ پھاڑا، ہذا وہ ضامن ہوگا۔ ۵۳۔

اگر مٹکے ذمی کے ہوں تو؟

اور اگر یہ شراب کسی ذمی، غیر مسلم کی تھی یعنی اہل کتاب میں سے مثلاً توہارے (احناف) نزدیک اگر کوئی شخص ذمی کی شراب کا مٹکا توڑ دے تو وہ مٹکے کا بھی ضامن ہوگا اور شراب کا بھی یعنی اس کی قیمت کا، کیونکہ اہل کتاب کے حق میں شراب منقوم ہے تو ان کے نقطہ نظر سے اس شخص نے ان کا مال ضائع کیا، ہذا وہ ضامن ہوگا۔ ۵۴۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ضامن نہیں ہوگا، اس واسطے کہ اگرچہ شراب ان کے حق میں منقوم ہے لیکن توڑنے والے کے حق میں منقوم نہیں۔ تو امام شافعی نے توڑنے والے کا اعتبار کیا اور حنفیہ نے مالک کا اعتبار کیا۔ اس طرح سے اختلاف پیدا ہوا۔ ۵۵۔

۵۲۔ فان كان الدين علم فيه الخلاف : فعند أبي يوسف و أحمد في رواية : لا يضمن ، ويسدل مہما في ذلك بما رواه العرمذی الخ (عمدة القاری، ج : ۹، ص : ۲۳۱)۔

۵۳۔ وقال محمد بن الحسن : يضمن ، وبه قال أحمد في رواية ، لان الاراقة بدون الكسر ممكنة الخ (عمدة القاری، ج : ۹، ص : ۲۳۱)۔

۵۴۔ وان كان الدين لذمی فعندنا يضمن بلا خلاف بين اصحابنا ، لان مال منقوم في حقهم ، وعند الشافعی و احمد لا يضمن لانه غير منقوم في حق المسلم ، وقال جمهور العلماء ، منهم الشافعی : إن الأمر يكسر الدين محمول على الندب (عمدة القاری، ج : ۹، ص : ۲۳۲، ۲۳۳)۔

۵۵۔ وان كان الدين لذمی فعندنا يضمن بلا خلاف بين اصحابنا ، لان مال منقوم في حقهم ، وعند الشافعی و احمد : لا يضمن لانه غير منقوم في حق المسلم ، وقال جمهور العلماء ، منهم الشافعی : إن الأمر يكسر الدين محمول على الندب (عمدة القاری، ج : ۹، ص : ۲۳۲، ۲۳۳)۔

”کسر صنما أو صلیبا“

آگے فرمایا کہ کسی نے اپنے گھر میں بت رکھا ہوا ہے اور کوئی شخص جا کر اس کو توڑ دے یا صلیب رکھی ہوئی ہے جا کر اس کو توڑ دے یا ضبور یعنی آلات موسیقی رکھے ہوئے ہیں ان کو توڑ دے یا کوئی ایسی معصیت کی چیز ہے جو لکڑی سے بنی ہوئی ہے اگر اس کو توڑ دیا جائے تو اس کی لکڑی قابل انتفاع نہ رہے گی۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟ ضامن ہو گا یا نہیں؟

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا حکم بیان نہیں کیا لیکن ایک اثر نقل کیا ہے کہ ”و اتسی شریح فی طنبور“ حضرت شریح ؓ کے پاس مسئلہ لایا گیا کہ ایک شخص نے کسی کا ضبور توڑ دیا تھا تو انہوں نے اس پر ضامن کا حکم کیا۔

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضامن نہیں ہوگا۔

حنفیہ کا اصول

حنفیہ کے ہاں اصول یہ ہے کہ اگر وہ معصیت کی چیز ایسی ہے کہ اس کے مادے سے انتفاع کیا جاسکتا ہے مثلاً لکڑی کا بت ہے اور لکڑی سے انتفاع کیا جاسکتا ہے یا پتیل کا ہے اور پتیل سے انتفاع کیا جاسکتا ہے تو ایسی صورت میں اس کا توڑ کر اس کے مادہ کو اگر ضائع کر دے گا مثلاً لکڑی چونکہ قابل انتفاع ہے اگر کوئی شخص اس کو توڑ کر ضائع کر دے گا تو اس کا ضامن ہوگا۔^{۵۶}

واضح رہے کہ ضامن بت کا نہیں ہوگا بلکہ مادے کا ضامن ہوگا۔ بت میں جتنی لکڑی یا پتیل لگا ہوا ہے وہ اس کا ضامن ہوگا۔

۲۴۷۷۔ حدثنا أبو عاصم الضحاك بن مخلد، عن يزيد بن أبي عبيد، عن سلمة بن الأكوع ؓ : أن النبي ﷺ رأى نيراناً توقد يوم عيبر. قال: ((علام توقد هذه النيران؟)) قالوا: على الحمر الإنسية، قال: ((اكسروها وهرقوها))، قالوا: ألا نهريقها ونفسلها؟ قال: ((اغسلوا)) قال أبو عبد الله: كان ابن أبي أويس يقول: الحمر الإنسية. [أنظر: ۴۱۹۶، ۵۲۹۷، ۶۱۳۸، ۶۳۳۱، ۶۸۹۱] ^{۵۷}

۵۶ عمدۃ القاری، ج: ۹، ص: ۲۴۳، ۲۴۴.

۵۷ صحیح مسلم، کتاب الصيد والذباح وما یزکل من الحيوان، باب تحريم اكل لحم الحمر الانسية، رقم: ۳۵۹۲، وسنن ابن ماجه، کتاب الذباح، باب لحوم الحمر الوحشية، رقم: ۳۱۸۶، ومسند احمد، أول مسند المدنیین اجمعین،

باب حدیث سلمة بن الاكوع، رقم: ۱۵۹۱۶، ۱۵۹۲۸

ترجمہ و تشریح

یہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی خیبر کے واقعہ کی حدیث نقل کی ہے کہ خیبر کے موقع پر جو آگ جلائی جا رہی تھی آنحضرت ﷺ نے اس کے بارے میں پوچھا کہ کس چیز پر آگ جلائی جا رہی ہے یعنی کیا پک رہا ہے؟ کھانا وغیرہ پک رہا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ جو پالتو گدھے ہوتے ہیں ان کو ذبح کر کے پکایا جا رہا ہے "قال اکتسروها وھربقوھا" آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دیکھیں جن کے اندر یہ پک رہا ہے ان کو توڑ دو اور جو کچھ کھانا پکایا جا رہا ہے اس کو بہادو۔

"قالو" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ کیا ایسا نہ کریں کہ اصل خرابی تو گوشت میں ہے، گوشت کا جو سالن ہے ہم دہ بہادیں اور جو برتن ہیں ان کو بجائے توڑنے کے دھو کر استعمال کریں؟ "قال" آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! دھولو اور دھو کر استعمال کرو۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا منشاء

امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث کو لانے کا منشاء امام محمد رحمہ اللہ کے مذہب کی تائید ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا شراب کا مٹکا توڑ دے تو مٹکے کا ضامن ہوگا کیونکہ اس کے لئے ممکن تھا کہ جس طرح اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اجازت دی کہ جو چیز ناجائز ہے اس کو بہادیا جائے اور برتن کو باقی رکھا جائے اور دھو کر استعمال کر لیا جائے تو یہ بات شراب کے مٹکوں میں بھی ممکن ہے، اس واسطے اس کو توڑنا درست نہ ہوا۔^{۵۸}

شاید امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جو چیز فی نفسہ معصیت والی ہو اسے توڑنے پر رضمان نہیں، چنانچہ ظہور پر رضمان نہیں اور جس چیز میں فی نفسہ معصیت نہیں مگر معصیت کی چیز کے لئے ظرف بن رہی ہے اسے توڑنے پر رضمان ہے۔

۲۴۷۸۔ حدثنا علي بن عبد الله : حدثنا سفیان : حدثنا ابن ابی نجیح ، عن مجاهد ، عن ابی معمر ، عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ . قال : دخل النبی ﷺ مكة وحول البيت ثلاثمائة وستون نصبا ، فجعل يطعنها بعدو فی یدہ ، وجعل يقول : ﴿ جَاءَ الْحَقُّ وَرَهَقَ الْبَاطِلُ ﴾ (الإسراء : ۸۱) [أنظر : ۴۲۸۷ ، ۴۷۲۰]

اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا کہ حضور اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو بت توڑ دیئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کے بت توڑنا جائز ہے۔

یہ استدلال محل نظر ہے

اس حدیث سے استدلال محل نظر ہے کیونکہ جس وقت حضور اکرم ﷺ نے بت توڑے، اس وقت جنگ کن حالت تھی اور جنگ کی حالت میں حربیوں کا ہر مل مباح ہو جاتا ہے۔ اس سے کسی شخص کے حالت امن میں بت توڑنے کی اجازت ثابت نہیں ہوتی، لہذا یہ استدلال محل نظر ہے۔

۲۳۷۹- حدثنا إبراهيم بن المنذر : حدثنا انس بن عياض ، عن عبيد الله بن عمر ، عن عبد الرحمن بن القاسم ، عن أبيه القاسم ، عن عائشة رضي الله عنها : أنها كانت اتخذت على سهوة لها سترا فيه تماثيل فنهكها النبي ﷺ فالتخذت منه نمر فعين فكانت في البيت يجلس عليهما ، [انظر : ۵۹۵۳ ، ۵۹۵۵ ، ۶۱۰۹] ۵۹

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی معروف حدیث ہے کہ انہوں نے اپنے چوتھے پریا اندرونی کمرے پر ایسا پردہ لٹکالیا تھا جس میں تمثال یعنی تصویریں تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو پھاڑ دیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے دو ٹیکے بنائے جو گھر میں رکھے ہوئے تھے اور آنحضرت ﷺ ان پر ٹیک لگاتے تھے۔ اس سے استدلال کر رہے ہیں کہ کسی شخص نے کوئی تصویر رکھی ہوئی ہے تو دوسرے کے لئے اس کو پھاڑ دینا جائز ہے یہ ظلم نہیں ہے اور بظاہر یہ حدیث یہاں لانے کا نشاء یہی ہے۔

لیکن یہاں بظاہر استدلال منطقی نہیں ہوتا، اس واسطے کہ حضور اکرم ﷺ نے جو پردہ پھاڑا تھا وہ دراصل حضور اکرم ﷺ کی ہی ملکیت تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کرا آئی تھیں لیکن حضور اکرم ﷺ کے گھر کا پردہ تھا تو اگر اس کو پھاڑ دیا تو یہ اپنی ملک کو پھاڑنا ہوا نہ کہ دوسرے کی ملک کو۔

(۳۴) باب إذا كسر قصعة أو شيئا لغيره

۲۳۸۱- حدثنا مسدد : حدثنا يحيى بن سعيد ، عن حميد ، عن انس بن مالك : أن النبي ﷺ كان عند بعض نسائه ، فأرسلت إحدى أمهات المؤمنين مع خادم بقصعة فيها طعام فضربت بيدها فكسرت القصعة فضمها وجعل فيها الطعام . وقال : "كلوا" وحبس الرسول والقصعة حتى فرغوا فدفع القصعة الصحيحة وحبس المكسورة وقال ابن أبي

۵۹۔ سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة والرفائق والورع عن رسول اللہ، باب منہ، رقم ۲۳۹۲، و سنن النسائی،

کتاب الزینة، رقم ۵۳۵۹، و سنن ابن ماجة، کتاب اللباس، باب الصور فيما يوطأ، رقم ۳۶۳۳، و مسند أحمد،

باقی مسند الأنصار، باب حدیث السيدة عائشة، رقم ۲۲۹۵۲، ۲۳۰۸۵، ۲۳۱۳۲، ۲۳۵۷۶۱.

مریم: أخبرنا يحيى بن أيوب: حدثنا حميد: حدثنا أنس عن النبي ﷺ. [أنظر: ۵۲۲۵] *
 حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی بعض ازواج کے پاس تھے کہ دوسری امہات المؤمنین میں سے کسی نے اپنے خادم کے ہاتھ ایک پیالہ بھیجا جس میں کچھ کھا تھا۔
 ”فضربت بيدها“ تو جن کے گھر آپ ﷺ قیام فرماتے انہوں نے اس کے اوپر اپنے ہاتھ مار دیا اور پیالہ توڑ دیا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آپ ﷺ تشریف فرما تھے اور جنہوں نے کھانا بھیجا تھا وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

بعض دوسری روایات سے اس کی تفصیل یوں معصوم ہوتی ہے کہ ہوا یوں تھا کہ آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے حضرت عائشہ نے کچھ کھانا بنا کر بھیجا تو جیسے دو دوستوں کے اندر آپس میں چیقلش ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ نے ان سے کہا کہ میں نے کھانا بنایا تھا اور میں اس بات کی زیادہ حقدار ہوں کہ نبی کریم ﷺ میرا کھانا تناول فرمائیں، لہذا تم نے جو کھانا بھیجا ہے، اب میں بھی لے کر آتی ہوں۔ تم بھی لا رہی ہو، میں بھی لا رہی ہوں، اگر میں نے پہلے کھانا رکھ دیا اور پھر تم لے کر آئیں تو تمہارا کھانا میں پھینک دوں گی یعنی اگر تم پہلے لے کر آگئیں تو ٹھیک ہے لیکن اگر میں پہلے لے آئی تو پھر اس کے بعد تمہیں حق نہیں ہوگا کہ تم کھا کر رکھو، اگر لاؤ گی تو میں پھینک دوں گی۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ماکر رکھ دیا بعد میں جب انہوں نے لاکر رکھا تو حضرت عائشہ نے ہاتھ مار کر اسے بٹا دیا۔ جیسا انہوں نے کہا تھا اس کے مطابق عمل کیا۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے جو خدوہ کھانا لے کر آ رہی تھی اس نے یہ دیکھا کہ اگر میرا کھانا پہلے نہ پہنچے تو حضرت عائشہ دھمکی دے چکی ہیں کہ میں کھانا پھینک دوں گی تو یہ کھانا پھینک دیا جائے گا۔ اس نے دور سے ہی پیالہ دسترخوان پر پھینک دیا چونکہ وہ دور سے پھینکا تھا اس لئے وہ ٹوٹ گیا۔ حضرت عائشہ نے نہیں توڑا بلکہ خود اس کے پھینکنے کی وجہ سے ٹوٹا۔ روایتوں میں یہ اختلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۔ سنن الترمذی، کتاب الأحکام عن رسول اللہ، باب ماجاء فیمن یکسر له الشئی ما یحکم له من مال، رقم ۱۲۷۹،
 و سنن السنائی، کتاب عشرة النساء، باب الغيرة، رقم ۳۸۹۳، و سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فیمن یسد
 شیت یعوم مثله، رقم ۳۰۹۶، و سنن ابن ماجه، کتاب الأحکام، باب الحکم فیمن کسر شیتا، رقم ۲۳۲۵، و مسند
 أحمد، باقی مسند المکتوبین، باب مسند انس بن مالک، رقم ۱۱۵۸۹، ۱۳۲۷۳، و سنن الدارمی، کتاب البیوع،
 باب من کسر شیاء فعليه مثله، رقم ۲۳۸۵۔

آنحضرت ﷺ نے ان ٹکڑوں کو جوڑا اور جو کھانا گر گیا تھا اس کو دوبارہ اٹھا کر کھا "وقال کلوا" اور فرمایا کہ کھاؤ اور جو کھانا لے کر آئی تھی آپ ﷺ نے اس کو کچھ دیر روکا اور پیالہ کو بھی، یہاں تک کہ جب کھانا کھا چکے تو حضرت عائشہؓ کے گھر میں جو صحیح پیالہ تھا وہ حضرت حفصہؓ کے گھر لے جانے کے لئے دیا کہ تم یہ واپس لے جاؤ اور جو پیالہ ٹوٹ گیا تھا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رکھ لیا تو یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

اس سے بعض حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ جو اشیاء مثلی نہیں ہوتیں بعض اوقات ان کا ضمان بھی بالمثل ہو سکتا ہے کیونکہ اس زمانے میں پیالے ذوات الامثال میں سے نہیں تھے۔ ہر پیالہ دوسرے سے مختلف ہوتا تھا۔ اب تو سب ایک جیسے ہوتے ہیں، تفاوت نہیں ہوتا کیونکہ مشین کے ذریعہ بنے ہوئے ہیں، لہذا سب مثلی ہو گئے۔ تو یہاں آپ ﷺ نے ضمان بالمثل دلویا اس استدلال کا جواب یہ ہے اولاً تو مسئلہ یہ ہے کہ دونوں پیالے حضور اقدس ﷺ کے تھے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرہومہ بھی حضور ﷺ کی ملکیت تھا لیکن یہاں تبدیلی یہ فرمائی ہے کہ ایک جگہ رکھے ہوئے پیالہ کے بدلے ۱۰۰ پیالے دیا۔ یہاں دوسرے کے ضمان کا سوا ہی نہیں بلکہ اپنی ملوک اشیاء کی جگہ تبدیل کرنا ہے۔^{۱۱}

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا قول

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی فرمایا کہ پرانے زمانے کے بارے میں یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں کپڑے اور برتن قیمتی ہوا کرتے تھے، ذوات الامثال میں سے نہیں تھے یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ اکثر بے شک ایسا ہی ہوتا تھا لیکن عین ممکن ہے کہ بعض برتن بالکل ایک دوسرے کے مثل ہوں یا کپڑے کے تھان میں دو تین گز بالکل ایک جیسے ہوں تو ایسی صورت میں ان کو مثلی میں شمار کیا جائے گا تو ہو سکتا ہے کہ وہ پیالہ اس پیالہ کے بالکل مثل ہو۔ ایسی صورت میں وہ مثلیات میں شمار ہوگا۔^{۱۲}

(۳۵) باب إذا هدم حائطاً فلبین مثله

۲۴۸۲۔ حدثنا مسلم بن إبراهيم : حدثنا جرير بن حازم ، عن محمد بن سيرين ، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ ((كان رجل في بني إسرائيل يقال له :

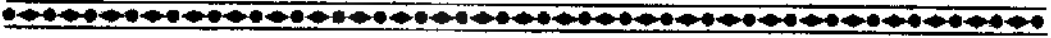
ان احتج بهذا الحديث من قال . يقضى في العروض بالأمثال ، وهو مذهب أبي حنيفة والشافعي ورواية عن مالك أن الظاهر ما يحويه بيته ﷺ ، أنه ملكه فقل من منكه الى منكه لا على وجه الفرامة بالقيمة .

الخ (عمدة القاری ، ج ۹ ، ص : ۲۵۳)

۱۲ فیض الباری ، ج : ۳ ، ص : ۳۲۱

جریج، یصلی فجاءتہ أمہ فدعتہ فأبی أن یجیبہا فقال: أجیبہا أو أصلی؟ ثم أکتہ فقالت: اللهم لا تمته حتی ترہ وجوہ المومسات. وكان جریج فی صومعته فقالت امرأة لا فتین جریجا، فتعرضت له فکلمته، فأبى فانت راعیا فأمکنته من نفسها فولدت غلاماً فقالت: هو من جریج، فأتوه وكسروا صومعته فأزلوه وسبوه، فتوضأ وصلی ثم أتى الغلام فقال: من أبوک یا غلام؟ قال: الراعی، قالوا: نبنی صومعک من ذهب. قال: لا، إلا من طین)) [راجع: ۱۲۰۶].

یہ حدیث پہلے بھی گزری ہے۔ یہاں لانے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں نے جوش اور غصے میں آکر ان کی عبادت گاہ، ان کے مندر کو گرا دیا تھا۔ بعد میں ضحان میں ادا کیا اور اس کو پھر دوبارہ تعمیر کیا۔ وہ سونے سے تعمیر کرنا چاہ رہے تھے انہوں نے کہا کہ طین (مٹی) سے ہی بناؤ جیسا کہ پہلے تھا۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کی دیوار یا عمارت گرا دے تو اس کا ضحان یہ ہے کہ اس کو دوبارہ تعمیر کرے۔



كتاب الشركة

٢٤٨٣ - ٧٠٥٨



۴۷۔ کتاب الشریکۃ

(۱) باب الشریکۃ فی الطعام والنہد و العروض،

”و کیف لیسۃ ما یکال و یوزن مجازفۃ ، أو لبضۃ لبضۃ لما لم یر المسلمون فی النہد باسا ان یأکل هذا بعضا و هذا بعضا ، و كذلك مجازفۃ الذهب و الفضة ، و القران فی التمر“ .

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ شریکۃ کے متعلق مختلف ابواب قائم فرما رہے ہیں۔

پہلا باب کھانے میں شریکۃ کے بارے میں ہے۔

”النہد“۔ ”نہد“ [بفتح النون و بکسرھا] کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ مختلف ساتھی اپنا اپنا کھانا کھانا

کر کے بیٹھ جائیں اور کھانا شروع کر دیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر بہت سے لوگ آپس میں اپنا کھانا کھانا کر لیں اور سب بیٹھ کر کھائیں تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اس میں اس بات کا کوئی اعتبار نہیں کہ کس نے کتنا کھایا، ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جتن کھانا لے کر آیا مجموعہ میں سے اس سے زیادہ کھالیا ہو اور دوسرا شخص کھانا زیادہ لیا ہو اور اس نے خود کم کھایا ہو، تو اگر چہ کھانا لانے والے نے اپنے لئے ہونے کی مقدار سے زیادہ کھایا ہو اس کے باوجود اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے، کیونکہ آپس میں بیٹھ کر کھانا، یہ شریکۃ باہمی تسامح کی بنیاد پر ہے اور اس کے نتیجے میں ایک دوسرے کو کھانا کھا رہے ہیں، یہ سب آپس کی رضامندی سے ہو رہا ہے۔

اس کا تعلق باہمی تسامح سے ہے، ورنہ اگر اس میں دقیق تقسیم کی منطقی موشگافی شروع کر دیں اور یہ کہیں کہہ دیکھو بھائی اس نے اپنے کھانے کا وہ حصہ جو دوسرے نے کھایا ہے وہ اس کھانے کے مقابلے میں بیچا ہے جو اس نے اس کا کھایا تو یہ معاملہ جائز نہ ہونا چاہئے، اس لئے کہ کھانا عام طور سے مکملات اور موزونات میں سے ہوتا ہے جو اموال ربوہ میں سے ہے۔ اگر کوئی کہے کہ میں نے اپنا کھانا دوسرے کے کھانے کے معاوضے میں بیچا ہے تو دونوں میں تفاضل کی وجہ سے حرام ہونا چاہئے۔ اس واسطے یہ معاملہ بھی ناجائز ہونا چاہئے، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے جس کی دلیل میں کئی حدیثیں روایت کی ہیں اور یہ جائز ہے بر بنائے تسامح یہ عقد معاوضہ نہیں ہے اور اموال

رہو یہ کے احکام وہاں جا چکی ہوتے ہیں جہاں عقد معاوضہ ہو۔

لہذا جہاں عقد معاوضہ نہ ہو بلکہ باہمی مواسات اور مسامحہ ہو وہاں اموال رہو یہ کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

کمپنی جائز ہے (مروجہ کمپنی بی سی کا حکم؟)

اسی سے مسئلہ لکھتا ہے کہ لوگ کمپنی ڈالتے ہیں۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ یہ حرام ہے اس میں ایک آدمی کو زیادہ رقم دے دی جاتی ہے۔

اس میں اگر وہی منطقی موشگافی کی جائے کہ یہ قرض ہے بشرط القرض مثلاً میں نے آج سو روپے دیئے اور جس کے نام کمپنی نکلی اس نے دوسروں سے قرض لیا تو قید یہ لگائی کہ میں تمہیں سو روپے اس شرط پر قرض دوں گا کہ تم سب مل کر پانچ ہزار روپے قرض دو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ”قرضی جو نفعاً“ میں داخل ہو گیا اس واسطے ناجائز ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ یہ سرے سے عقد معاوضہ ہے ہی نہیں بلکہ عقد مواسات اور عقد تسامح ہے، لہذا اس میں منطقی موشگافی کی ضرورت نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ یہاں پر یہی بات فرمانا چاہتے ہیں۔

یہاں تک تو امام بخاری رحمہ اللہ کی بات سولہ آنے درست ہے۔ آگے فرماتے ہیں ”کیف قسمۃ“ کہ جو مکیلات و موزونات ہوتی ہیں ان کی تقسیم مجاز لفظ بھی جائز ہے اور ”قبضۃ قبضۃ“ بھی جائز ہے۔ یعنی باقاعدہ کیل اور وزن کر کے۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اگر اشیاء مکیلہ اور موزونہ مشاع طور پر بہت سارے افراد کے درمیان مشترک ہوں۔ بعد میں اگر لوگ تقسیم کرنا چاہیں تو تقسیم مجاز لفظ بھی جائز ہے اور اگر باقاعدہ کیل اور وزن کر کے کرنا چاہیں تو کیل اور وزن کر کے بھی تقسیم کرنا جائز ہے۔

کیل اور وزن کر کے اگر چاہیں تو اس کا جواب تو واضح ہے اور اگر مجاز لفظ کرنا چاہیں تو اس پر امام بخاری ان واقعات سے استدلال کر رہے ہیں جن میں سب نے مل کر کھانا جمع کر لیا اور پھر اکٹھا کھا یا تو جس طرح وہاں پر باوجود تفاضل کے کھانا جائز ہو گیا اسی طرح اگر مکیلات اور موزونات کی باقاعدہ تقسیم کی جائے تو یہ بھی جائز ہے لیکن یہ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے خلاف ہے۔

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ مکیلات اور موزونات اگر مشاع ہوں تو مشاع ہونے کی صورت میں اگر ان کی تقسیم کی جائے تو تقسیم کے اندر کیل اور وزن ضروری ہے۔ مجاز لفظ تقسیم کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک تقسیم بیع ہے۔ اگر ایک شے دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے مثلاً ایک من گندم، دو آدمیوں کے درمیان نصف نصفاً مشترک ہے۔ بعد میں نصف، نصف تقسیم کرتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہو کہ ہر ایک اپنا حصہ دوسرے کے حصے کے عوض

بیچ رہا ہے کیونکہ گندم کے بردانہ میں دونوں کی شرکت ہے۔ تو گندم کے بردانے میں جو حصہ ہے اس کو اسی دانے کے اس حصے کے عوض فروخت کرتا ہے جو دوسرے کا ہے۔ تو حنفیہ کے نزدیک قسمت بحکم بیع ہے اور اموال ربویہ کی بیع مجازتہ جائز نہیں کیونکہ اس میں تقاضل کا احتمال ہے۔ ۱

قربانی کا گوشت مجازتہ تقسیم کرنا جائز نہیں

اسی بنا پر یہ مسئلہ ہے کہ قربانی کا گوشت اگر گائے میں سات حصے ہیں تو وہ سات حصے سات آدمیوں میں مجازتہ تقسیم کرنا جائز نہیں بلکہ وزن کر کے تقسیم کرنا ضروری ہے اور حنفیہ کے ہاں یہ مسئلہ تمام کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اگرچہ تمام ساتھی راضی ہوں تب بھی مجازتہ تقسیم کرنا جائز نہیں، وزن کر کے تقسیم کرنا ضروری ہے۔
وجہ اس کی یہ ہے قسمت ہے اور قسمت بحکم بیع ہوتی ہے اور بیع کے حکم میں ہونے کی وجہ سے ہر شخص اپنا حصہ دوسرے کے حصے کے مقابلے میں بیچتا ہے۔ تو بیع مجازتہ درست نہ ہوگی۔ اب اگر مجازتہ کریں گے تو ربوا لازم آئے گا اور ربوا تراخی سے بھی جائز نہیں ہوتا۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔ ۲

امام بخاری اور امام احمد رحمہما اللہ کا مسلک

امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر مجازتہ بھی تقسیم کر لیں گے تو جائز ہو جائے گا اور یہی امام احمد حنبل کا مسلک بھی ہے۔ امام احمد حنبل یہ فرماتے ہیں کہ تقسیم بحکم بیع نہیں، لہذا تقسیم پر بیع کے احکام جاری نہیں ہوں گے بلکہ تقسیم کے معنی ہیں افراز۔ لہذا اگر باہمی رضامندی سے لوگ مجازتہ اپنے اپنے حصے مقرر کر لیں اور سب راضی ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں اور اس میں ربوا لازم نہیں آتا۔ ۳

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا قول

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ حنفیہ کی کتابوں میں جو یہ بات لکھی ہے کہ گوشت کی تقسیم تول کر کرنا ضروری ہے، اس میں دقت ہوتی ہے تو اس کے حلے بھی نکالے جاتے ہیں۔
مثلاً سری پائے الگ کر لیتے ہیں، کلیجہ الگ کر دیا جاتا ہے، پھر کسی کے حصے میں کلیجہ ڈال دیا، کسی کے حصے میں سری پایہ ڈال دیا۔ کہتے ہیں کہ یہ جنس مختلف ہوگی اس لئے مجازتہ جائز ہوگا اور تقاضل جائز ہوگا۔
حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس حیلے کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ باہمی

۱۔ ۲۔ بعض الباری، ج ۳ ص ۳۳۲، ۳۳۳

۳۔ عمدۃ القاری، ج ۹، ص ۲۵۸

رضا مندی اگر ہو تو مجازتہ تقسیم کر لینا بھی جائز ہے۔ اس حیلے کی ضرورت نہیں۔ البتہ جہاں نزاع کا اندیشہ ہو وہاں تول کر تقسیم کرنا ضروری ہے۔ وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تقسیم میں منطقی موشگافی کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ تسامح پر مبنی ہے، عقد معاوضہ پر نہیں۔ کوئی شخص بھی اس کو عقد معاوضہ نہیں سمجھتا بلکہ تسامح اور باہمی مواسات کے طور پر یہ کام ہوتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ ”شریک فی النہد“ کر رہے ہیں تو اسی طریقے سے اس میں بھی ہو سکتی ہے۔ البتہ جہاں مہمون سے نزاع کا بھی اندیشہ ہو وہاں یہ عقد معاوضہ بن جانے کا اور عقد معاوضہ بن جانے کے نتیجے میں وزن تقسیم کرنا ضروری ہوگا۔

یہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنا خیال ظاہر فرمایا اگرچہ ہماری ساری کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ مجازتہ ناجائز ہے، وزن کر کے دینا ضروری ہے۔

آگے فرماتے ہیں میں جو یہ کہہ رہا ہوں کہ تقسیم کیلی اور وزن بھی مجازتہ ہو سکتی ہے۔ وہ اس وجہ سے کہہ رہا ہوں کہ مسلمانوں نے نہد کے اندر کوئی حرج نہیں دیکھا۔

(نہد سے مراد وہی ہے کہ لوگ اپنے اپنے کھانے لے آئے اور اکٹھے کر کے سب نے مل کر کھا لیا۔)

”ان یا کمل هذا بعضا و هذا بعضا“ کہ یہ کچھ کھالے اور دوسرا کچھ کھالے اس پر بھی کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ”و کذلک مجازتہ“ کہتے ہیں کہ سونے اور چاندی کے اندر بھی مجازتہ جائز ہے۔

سونا، چاندی کا معنی یہ ہے کہ ایک طرف سونا ہو اور ایک طرف چاندی ہو کیونکہ جنس مختلف ہوگی اور جنس کے مختلف ہونے کی وجہ سے تقاض بھی جائز ہوگی اور مجازتہ بھی ہوگی۔

لیکن اگر ذہب کا تبادلہ ذہب سے ہو یا فضہ سے ہو تو ہم جنس ہونے کی صورت میں مجازتہ جائز نہیں۔ ”والقران فی التمر“ اور کھجوروں کے اندر قران کے سطلے میں یعنی بہت ساری کھجوریں رکھی ہوئی ہیں اور بہت سارے لوگ بیٹھ کر کھا رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ایک کھجور کھاؤ ایک ساتھ دو مت کھاؤ۔

اس کے بارے میں فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جب دوسرے کی دل شکنی کا اندیشہ ہو لیکن جہاں دوسرے کی طرف سے اجازت ہو، وہاں قران بھی جائز ہے۔ معلوم ہوا کہ ان معاملات میں تسامح ہے، یہ عقود معاوضہ نہیں ہیں۔ اس واسطے ان کے اندر تسامح کرنا ضروری ہے۔

۲۳۸۳۔ حدثنا عبد اللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ، عن وهب بن كيسان ، عن جابر ابن عبد الله رضی اللہ عنہما أنه قال : بعث رسول اللہ ﷺ بعثا قبل الساحل ، فأمر عليهم أبا عبيدة بن الجراح وهم ثلاثمائة وألأفيهم ، فخرجنا حتى إذا كنا ببعض الطريق فبني الزاد .

فامر أبو عبیدة بأزواد ذلك الجيش فجمع ذلك كله ، فكان مزودي تمر . فكان يقوتها كل يوم قليلا قليلا حتى فنى ، فلم يكن يصيبنا إلا تمرة تمرة . فقلت : وما تغني تمرة؟ فقال : لقد وجدنا حين فنيتم . قال : ثم انتهينا إلى البحر فإذا حوت مثل الطرب فأكل منه ذلك الجيش ثمانى عشرة ليلة ثم أمر أبو عبیدة بضلعين من أضلعه فنصبا ثم أمر برحلة فرحلت ثم مرت تحتها فلم تصيبهما . [۲۹۸۳ ، ۳۳۶۰ - ۳۳۶۲ ، ۵۳۹۳ ، ۵۳۹۴] ۵

یہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے ، اس میں وہی مواسات کا مسئلہ ہے یعنی یہ عقد معاوضہ نہیں تھا ، کوئی ایسا حکم نہیں تھا کہ جو راضی ہو یا ناراض ہو ضرور کیا جائے ، وہ تو سب ایک مشکل میں مبتلا ہیں ، فقر و فاقہ میں ہیں ، تو حکم دیا کہ سب جمع کر لو اور تھوڑا تھوڑا کر کے کھاؤ ، یہ باہمی رضامندی سے ایک انتظام کیا گیا۔

امام بعض اوقات جبری فریضہ عائد کر سکتا ہے

مسئلہ یہ ہے کہ اگر ملک میں آدھے آدھے بھوکے ہیں تو امام لازم کر سکتا ہے کہ ہر آدمی اپنے ساتھ ایک آدمی کو کھائے ، یعنی لازمی اور تاگزیر حالات جس میں لوگوں کی جان جانے کا اندیشہ ہو ، وہاں امام جبری طور پر بھی کوئی فریضہ عائد کر سکتا ہے۔

۲۳۸۳۔ حدثنا ابن مرحوم : حدثنا حاتم بن إسماعيل ، عن يزيد بن أبي عبيد ، عن سلمة رضى الله عنها قال : خفت أزواد القوم وأملقوا فاتوا النبي ﷺ في نحر إبلهم فأذن لهم ، فلقبهم عمر فأخبروه فقال : ما بقاؤكم بعد إبلكم؟ فدخل على النبي ﷺ فقال : يا رسول الله ، ما بقاؤهم بعد إبلهم؟ فقال رسول الله ﷺ : ((ناد في الناس يأتون بفضل أزوادهم)) . فبسط لذلك نطع و جعلوه على النطع فقام رسول الله ﷺ فدعا و برک عليه ، ثم دعا هم بأوعيتهم فاحصى الناس حتى فرغوا ثم قال رسول الله ﷺ : ((أشهد أن لا إله إلا الله وأنى رسول الله ﷺ)). [أنظر : ۲۹۸۲] ۶

۵۔ وفي صحيح مسلم ، كتاب الصيد والذبائح وما يؤكل من الحيوان ، باب اباحة ميتات البحر ، رقم : ۳۵۷۶ ، ۳۵۸۰ ، وسنن الترمذی ، كتاب صفة القيامة والرفاق والورع من رسول الله ، باب منه ، رقم : ۲۳۹۹ ، وسنن النسائی ، كتاب الصيد والذبائح ، باب ميتة البحر ، رقم : ۳۲۷۶ ، ۳۲۷۹ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الزهد ، باب معيشة أصحاب النبي ﷺ ، رقم : ۴۱۳۹ ، ومسند احمد ، بابي مسند المكثرين ، باب مسند جابر بن عبد الله ، رقم : ۱۳۷۳۸ ، ۱۳۷۶۸ ، ۱۳۷۹۵ ، ۱۳۸۱۷ ، ۱۳۵۱۷ ، وموطأ مالك ، كتاب الجامع ، باب جامع ماجاء في الطعام والشراب ، رقم : ۱۳۵۶ ، وسنن الدارمی ، كتاب الصيد ، باب في صيد البحر ، رقم : ۱۹۲۷

۶۔ وفي صحيح مسلم ، كتاب اللقطة ، باب استحباب خلط الأرواد إذا قلت والمؤاساة فيها ، رقم : ۳۲۵۹ .

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”خفت ازواذ القوم“ ایک مرتبہ ایک سفر میں قوم کے پاس جو زور اور راہ تھا وہ ختم ہو گیا اور لوگ مفسد ہو گئے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ یا رسول اللہ! کھانے کو کچھ نہیں تو کیا جن اونٹوں پر سوار ہو کے جا رہے ہیں ان میں سے ایک ایک اونٹ رفتہ رفتہ قربان کریں اور کھائیں؟ ”فأذن لهم“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجبوری ہے کھالو ”فلقیہم عمر رضی اللہ عنہ“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو لوگوں نے بتایا کہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت لے لی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب سارے اونٹ ذبح کر کے کھا جاؤ گے تو دنیا میں کیسے رہو گے؟ جب اونٹ ختم ہو گئے تو تم کیسے باقی رہو گے؟ ”فدخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس سارے اونٹ کٹ گئے تو ہم کیسے رہیں گے؟

ایک معجزہ کا تذکرہ (کھانے میں برکت ہونا)

”فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ جس کے پاس جو کچھ بھی تھوڑا بہت پی بو وہ سب لے آئے ایک دسترخوان بچھا دیا گیا۔

”فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدعا وبرک علیہ“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی اور کہا کہ اپنے اپنے برتن لے آؤ۔ لوگوں نے مٹھیاں بھر بھر کے لینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سب فارغ ہو گئے تھوڑے سے زار راہ میں اتنی برکت ہو گئی کہ وہ پورے لشکر کے لئے کافی ہو گیا۔

تو یہاں پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکٹھے جمع کرنے کا حکم دیا۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے ہمد پر استدلال کر رہے ہیں۔

۲۴۸۵۔ حدثنا محمد بن یوسف : حدثنا الأوزاعي : حدثنا أبو النجاشي قال :

سمعت رافع بن خديج رضی اللہ عنہ قال : ((كنا نعتلي مع النبي صلی اللہ علیہ وسلم العصر فنخبر جزوراً . فلقم

عشر قسم ، فناكل لحماً نضيجاً قبل أن تغرب الشمس)) .

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم عصر کی نماز پڑھتے۔ پھر ایک اونٹ ذبح کر کے اس کے دس حصے کرتے اور پھر ہم اس کا پکا پکا گوشت فردب سے پیسے کھاتے۔

شافعیہ کا استدلال

اس سے شافعیہ عصر کے مثل اول پر ہونے پر استدلال کرتے ہیں کہ اگر عصر مثل ثانی پر ہو تو پھر اتنا وقت نہیں

ہو سکتا کہ اس میں یہ سارا دھندہ کیا جاسکے۔

۷ صحیح مسلم ، کتاب المساجد و مواضع الصلوة ، باب استحباب التکبیر بالعصر ، رقم ۹۹۰۰

۸ رعد الشافعی ، من حدیثہ عن ابراہیم : لم نخرح الخ . . . عمدۃ القاری ، ج ۳ ، ص ۷۸ .

حنفیہ کی طرف سے جواب

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر وقت میں برکت ہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے اور بے برکتی ہو تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔^۱

۲۴۸۶۔ حدثنا محمد بن العلاء: حدثنا حماد بن أسامة، عن بريد، عن أبي بردة، عن أبي موسى قال: قال النبي ﷺ: ((إن الأشعريين إذا أرملوا في الغزو أو قل طعام عيالهم بالمدينة جمعوا ما كان عندهم في ثوب واحد ثم اقتسموه بينهم في إناء واحد بالسوية، فهم مني وأنا منهم))۔^۲

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اشعری لوگ جب جہاد کے دوران مفلس ہو جاتے ہیں اور مدینہ منورہ میں جب ان کے گھر والوں کے لئے کھانا کم ہو جاتا ہے تو جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے سب ایک کپڑے میں جمع کر لیتے ہیں اور پھر اس میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔

آپ ﷺ نے ان کے طریقے کو پسند کرتے ہوئے فرمایا ”فہم منی وأنا منهم“ کہ وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ یعنی یہ بڑا اچھا طریقہ ہے اور مسلمانوں کو ضرورت کے وقت ایسا ہی کرنا چاہئے، تو یہ بھی ٹھہر ہوا۔

(۳) باب قسمة الغنم

۲۴۸۸۔ حدثنا علي بن الحكم الأنصاري: حدثنا أبو عوانة، عن سعيد بن مسروق، عن عباية بن رفاعة بن رافع بن خديج، عن جده قال: كنا مع النبي ﷺ بذي الحليفة. فأصاب الناس جوع فأصابوا إبلًا و غنما. قال: وكان النبي ﷺ في أخريات القوم فعجلوا و ذبحوا و نصبوا القدور، فأمر النبي ﷺ به لقدور فأكفئت. ثم قسم لعدل عشرة من الغنم ببعير فند منها بعير فطلبوه فأعياهم. وكان في القوم خيل يسيرة فأهوى رجل منهم بسهم فعبسه الله. ثم قال: ((إن لهذه البهائم أو ابد كأز ابد الوحش فما غلبكم منها فاصنعوا به هكذا))، فقال جدی: إنا نرجو۔ أو نخاف۔ العدو غدا وليست معنا مدى، أفندبح بالقصب؟ قال: ((ما أنهر الدم، و ذكر اسم الله عليه فكلوه، ليس السن والظفر، وما حدثكم عن ذلك: أما السن فعظم وأما الظفر فمدى الحبشة))۔ [انظر: ۲۵۰۷،

۱۔ للث۔ هذه لبيان حوازي التأخير، (عمدة القاري، ج: ۳، ص: ۷۸۰)

۲۔ وفي صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل الأشعريين، رقم: ۳۵۵۶

۳۰۷۵، ۵۳۹۸، ۵۵۰۳، ۵۵۰۹، ۵۵۳۳، ۵۵۳۴] ۱۱

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذوالحلیفہ میں تھے (یہ ذوالحلیفہ میقات نہیں ہے بلکہ کوئی اور جگہ ہے) لوگوں کو بھوک لگ گئی۔ مال غنیمت ملا جس میں کچھ اونٹ اور کچھ بکریاں تھیں۔
 ”وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی آخریات القوم“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے رہ گئے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو یہ اونٹ وغیرہ ملے تھے وہ آگے تھے انہوں نے جلدی جلدی ان اونٹوں اور بکریوں کو ذبح کر دیا اور پکانے کے لئے دیگ چڑھادیئے۔

اب یہ مال غنیمت تھا اور مال غنیمت میں بغیر تقسیم کے کسی کے لئے بھی تصرف کرنا جائز نہیں ہوتا۔ چاہئے یہ تھا کہ جمع کرتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرماتے اس کے بعد جو چاہتے کرتے، پکاتے لیکن یہ سب کارروائی پہلے کرنی گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جتنی دیکھیں پکائیں سب انڈیں دو۔

۱۱ فرماتے ہیں کہ ”اکففت“ سے مراد یہ ہے کہ اس کا گوشت الگ الگ کر کے پھر اس کی تقسیم کیجئے ورنہ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جمید ہے کہ اتنی بڑی مقدار میں اتنے سارے گوشت کو ضائع کر دیں۔ لہذا اس کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ اونٹنی کر دی گئیں تاکہ گوشت جمع ہو جائے اور جمع ہونے کے بعد شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ ۱۲
 ”ثم قسم“ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا۔

امام اسحاق رحمہ اللہ کا استدلال

اس سے امام اسحاق رحمہ اللہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اونٹ میں دس حصے ہو سکتے ہیں۔ ۱۳

لیکن جمہور کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم غنائم کے اندر برابر قرار دیا۔ تقسیم اضحیہ میں یہ بات نہیں ہے۔ ۱۴

۱۱۔ فی صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب جواز الذبح بکن ما الہر الدم الالانس والظفر وناثر العظام، رقم: ۳۶۳۸، و سنن الترمذی، کتاب الاحکام والفوائد، باب ماجاء فی الذکاة بالقصب وغیرہ، رقم: ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، و سنن النسائی، کتاب الصيد والذبائح، باب الانسیۃ تسدوحش، رقم: ۳۲۲۳، و کتاب الضحایا، باب الہی عن الذبح بالظفر، رقم: ۳۳۲۷، ۳۳۲۸، ۳۳۳۳، ۳۳۳۴، و سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب فی الذبیحة بالمروۃ، رقم: ۲۳۳۸، و سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، باب کم تحزی من الدم عن البدنة، رقم: ۳۱۲۸، و کتاب الذبائح، باب ذکاة الناد من الہائم، رقم: ۳۱۷۳، و مسند احمد، مسند المکئیس، باب حدیث رافع بن خدیج، رقم: ۱۵۲۳۵، ۱۵۲۵۲، ۱۶۶۲۴، ۱۶۶۳۵، و سنن الدارمی، کتاب الاضاحی، باب فی البھیمة اذا نذت، رقم: ۱۸۹۵۰.

۱۲۔ فیض الباری، ج: ۳، ص: ۳۳۳

۱۳، ۱۴۔ فیض الباری، ج: ۳، ص: ۳۳۳

”فندمنها بعیر“ ان میں سے ایک (بڑے میاں) اونٹ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ”فطلبوه“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی تلاش کی۔ اس نے ان کو تھکا مارا (تھکا دیا) یعنی وہ ہاتھ نہ آیا۔ ”وکان فی القوم“ کچھ گھوڑے بھی تھے۔ ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے پیچھے گیا اور دور سے ایک تیر مارا۔ اللہ تعالیٰ نے اس اونٹ کو مار دیا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو تیر لگا اور وہ وہیں گر گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”إن هذه البہائم“ ان بہائم میں بعض اس طرح بھگوڑے قسم کے ہوتے ہیں جو یہ کام کریں ان کے حق میں یہی کر سکتے ہو۔

اس سے فقہاء کرام نے استدلال کیا ہے کہ جن جانوروں کی ذکاۃ اختیاری ہوتی ہے اگر وہ قابو سے باہر ہو جائیں تو ذکاۃ اضطراری بھی جائز ہوتی ہے۔ ان شاء اللہ یہ حدیث ”کتاب الذبائح والصيد“ میں آئے گی، وہاں کلام ہوگا۔

(۴) باب القرآن فی التمر بین الشریکاء حتی یستأذن أصحابہ

۲۳۸۹۔ حدثنا غلام بن یحییٰ : حدثنا سفیان : حدثنا جبلة بن سحیم قال : سمعت ابن عمر رضی اللہ عنہما یقول : ((لہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم أن یقرن الرجل بین التمرین جمیعاً حتی یستأذن أصحابہ)). [راجع : ۲۳۵۵]

۲۳۹۰۔ حدثنا أبو الولید : حدثنا شعبۃ عن جبلة قال : کنا بالمدينة فأصابنا سنة فکان ابن الزبیر یرزقنا التمر. وکان ابن عمر یمربنا فیقول : لا تقرنوا فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لہی عن الأفران إلا أن یستأذن الرجل منکم أمخاہ. [راجع : ۲۳۵۵]

دسترخوان پر بدتہذیبی نہ ہو

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص دو کھجوروں کے درمیان جمع کرے، یہاں تک کہ وہ اپنے اصحاب سے اجازت نہ لے لے۔

مقصد یہ ہے کہ اگر ایک برتن میں بہت ساری کھجوریں رکھی ہوئی ہیں اور کھانے والے ایک سے زیادہ ہیں تو ہر ایک کو چاہئے کہ ایک ایک اٹھا کر کھائے۔ درد، مین مین اٹھا کر کھانے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کیونکہ اس پلیٹ میں جو کھجوریں ہیں وہ سارے حاضرین کے لئے ہیں تو دوسروں کا خیال نہ کر کے زیادہ خود کھا لینا یہ ادب کے خلاف ہے اور جائز نہیں۔

یہ حکم اگرچہ صرف کھجوروں کے بارے میں دیا گیا ہے لیکن اس عموم میں بردہ چیز داخل ہے جو بہت سے

آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور بہت سے لوگوں کے لئے رکھی گئی ہو اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک شخص اس میں سے بہت چیز لے لے اور دوسرے کے لئے کچھ نہ بچے یا بچے تو بہت کم بچے۔ یہ معاملہ آج کل ان دعوتوں میں بہت پیش آتا ہے جہاں کھانا اکٹھا رکھا ہوتا ہے اور سب لوگ خود اپنا اپنا کھانا لے رکھتے ہیں۔ وہاں پر بھی بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ بہت سارا کھانا اپنے برتن میں انڈیل لیتے ہیں۔ یہ دیکھے بغیر کہ باقی ماندہ دوسرے لوگوں کے لئے کچھ بچے گا یا نہیں بچے گا؟ اور کتنا بچے گا؟ تو یہ بھی قرآن کے اندر داخل ہے اور ناجائز ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ دیکھے کہ دسترخوان پر کتنے آدمی بیٹھے ہیں اور کھانا کتنا ہے اور اسی تناسب سے لیں تاکہ کھانا سب کو مل جائے اور اگر اپنی اپنی پلیٹ بھر لیں اور دوسروں کے لئے نہ چھوڑیں تو یہ بدترہذیبی کی بات ہے۔ اس سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔^۵

(۵) باب تقویم الأشياء بین الشركاء بقیمة عدل

۲۴۹۱۔ حدثنا عمران بن میسرۃ : حدثنا عبد الوارث : حدثنا أبو یوب ، عن نافع ، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال : قال رسول اللہ ﷺ : ((من أعتق شقیصا له من عبد - أو شرک أو قال : نصیبا . وكان له ما یبلغ ثمنه بقیمة العدل فهو عتیق وإلا فقد عتق منه ما عتق)) . قال : لا أدری لولہ : ((عتق منه ما عتق)) قول من نافع أو فی الحدیث عن النبی ﷺ . ؟ . [الظہر : ۲۵۰۳ ، ۲۵۲۱ - ۲۵۲۵]

۲۴۹۲۔ حدثنا بشر بن محمد : أخبرنا عبد اللہ : أخبرنا سعید بن ابی ہریرۃ ، عن قتادة ، عن النضر بن أنس ، عن بشیر بن لہیک ، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال : ((من أعتق شقیصا من مملوك فعلیه خلاصہ فی مالہ . فإن لم یکن له مال ، فُؤم المملوك قیمة عدل ، ثم استسمی غیر مشقوق علیہ)) . [أنظر : ۲۵۰۳ ، ۲۵۲۶ ، ۲۵۲۷]

(۶) باب هل یقرع فی القسمة والاسْتھام فیہ؟

۲۴۹۳۔ حدثنا أبو نعیم : حدثنا زکریا قال : سمعت عامرا یقول : سمعت النعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ قال : ((مثل القائم علی حرد اللہ و الواقع فیہا کمثل قوم استھموا علی سفینة ، فاصاب بعضهم أعلاها و بعضهم أسفلها ، فكان الذین لیبی أسفلها إذا استقوا من الماء مروا علی من فوقهم فقالوا : لو آنا خرقتنا فی نصیبنا خرقتنا ولم

نُؤذَمِن فَوْقِنَا، فَبِأَن يَتَرَ كُؤهُم وَ مَا أَرَادُوا هَلَكُوا جَمِيعاً، وَ إِن أَخَذُوا عَلٰى أَيْدِيهِم نَجْوَا وَ نَجَوَا جَمِيعاً))۔ [انظر: ۲۶۸۶]

کیا تقسیم کے دوران قرعہ اندازی کرنا جائز ہے؟ اور استہام کے معنی بھی قرعہ اندازی کے ہیں۔ اگر تیر کے ذریعے کی جائے تو اس کو استہام کہتے ہیں۔

قرعہ اندازی اور حنفیہ

حنفیہ کے نزدیک اس میں حکم شرعی یہ ہے کہ قرعہ حقوق کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے یعنی یہ ثابت کرنے کے لئے کہ آیا فلاں حصص حقدار ہے یا نہیں؟ اس معاملے میں قرعہ اندازی جائز نہیں اور قرعہ سے کسی کا حق ثابت یا ساقط نہیں ہوتا۔

البتہ اگر حقوق ثابت ہوں اور صرف تعیین کا سوال ہو، کئی حصے ہیں اور قیمت میں مساوی ہیں، صرف اتنا طے کرنا ہے کہ کون سا حصہ کس کو دیا جائے؟ اس وقت قرعہ اندازی جائز ہے۔

جیسے ایک گھر تقسیم کر رہے ہیں اس میں چار شرکاء ہیں، چار مساوی حصے بنا دیئے اور شرکاء بھی مساوی حصہ دار ہیں۔ اب کون سے شریک کو کون سا حصہ دیا جائے؟ اس میں اگر وہ باہمی رضامندی سے خود طے کر لیں تو ٹھیک ہے لیکن اگر باہمی رضامندی نہ ہو سکے تو قرعہ اندازی کر سکتے ہیں تعیین حصہ کے لئے نہ کہ حقوق کے اثبات کے لئے۔ بخدا

”لہی عن المنکر“ کی اہمیت

یہ حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”مثل القائم علی حدود اللہ“۔

اس شخص کی مثال جو اللہ کی حدود پر قائم ہو یعنی معصیتوں سے اجتناب کرتا ہو اور اس شخص کی مثال جو حدود اللہ میں واقع ہو جائے یعنی معصیتوں کا ارتکاب کرے، ان کی مثال ایسی ہے ”کمثل قوم“ کہ ایک قوم کو کشتی میں بیٹھنا تھا۔ اب کون کشتی کے اوپر والے حصے میں بیٹھے اور کون نیچے والے حصے میں بیٹھے اس پر قرعہ اندازی کی۔

”فما صاب“ بعض کے حصے میں اوپر والا حصہ آیا اور بعض کے حصے میں نیچے والا حصہ آیا۔ تو نیچے والے لوگ جب پیئے وغیرہ کے لئے پانی لینا چاہتے تو اوپر جاتے اور سمندر سے پانی لیتے۔

۱۔ ولی سنن الترمذی، کتاب الفتن عن رسول اللہ، باب منہ، رقم: ۲۰۹۹، ومسند احمد، اول مسند الکوفین، باب

حدیث النعمان بن بشیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۱۷۶۳۸، ۱۷۶۳۷، ۱۷۶۵۳، ۱۷۶۸۵۔

۲۔ عمدة القاری، ج: ۹، ص: ۲۷۹، ۲۸۰۔

”فقالوا لوانا خرقنا فی نصیبنا“ انہوں نے سوچا کہ ہمارے، اُوپر جانے سے اُوپر والوں کو تکلیف ہوتی ہے ان کو ہم تکلیف نہ پہنچائیں بلکہ نیچے سے سوراخ کر کے وہاں سے پانی لے لیں، تو اگر اُوپر والے ان کو اپنے ارادہ پر عمل کرنے دیں یعنی کشتی کے اندر سوراخ کرنے دیں تو اس طرح سب ہلک ہو جائیں گے اور اگر ان کے ہاتھ پکڑ لیں کہ بھائی ایسی حرکت نہ کرنا، نیچے سوراخ مت کرنا تو وہ بھی نجات پالیں گے اور اُوپر والے بھی۔

تو مثال دینے کا مقصد یہ ہے کہ اگر غلط کام کا ارادہ نیچے والوں نے کیا اور اُوپر والوں نے نہیں کیا وہ تو قائم علی حدود اللہ ہیں لیکن اگر اُوپر والے ان کا ہاتھ نہیں پکڑیں گے ان کو غلط کام سے نہیں روکیں گے تو یہ بھی غرق ہو جائیں گے حالانکہ انہوں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔

معلوم ہوا کہ اگر دوسرے لوگ معصیت کر رہے ہوں تو جو لوگ معصیت نہیں کر رہے ہیں ان کو چاہئے کہ ان کا ہاتھ پکڑیں یا ان کو سمجھائیں کیونکہ ان کی معصیت کی وجہ سے خود سے ان پر بھی عذاب آسکتا ہے۔ جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو صرف ظالم پر نہیں آتا بلکہ ان لوگوں پر بھی آتا ہے جنہوں نے ان کو ظلم سے نہیں روکا۔

ترجمہ الباب سے مناسبت

چونکہ یہاں قرعہ اندازی کا ذکر تھا کہ قرعہ اندازی کے ذریعے کشتی کے اُوپر اور نیچے والے حصے لئے۔ اس لئے امام بخاری نے یہ حدیث یہاں لائے ہیں۔

(۷) باب شریکۃ الیتیم وأهل المیراث

۲۴۹۴۔ حدثنا عبد العزيز بن عبد الله العامري الأويسی : حدثنا إبراهيم بن سعد ، عن صالح ، عن ابن شهاب قال : أخبرني عروة أنه سأل عائشة رضی اللہ عنہا . وقال الليث : حدثني يونس عن ابن شهاب قال : أخبرني عروة بن الزبير أنه سأل عائشة رضی اللہ عنہا عن قول الله تعالى ﴿ وَإِنْ حِفْتُمْ أَنْ لَا تَقْسُطُوا ﴾ إلى قوله : ﴿ وَرُبَاعَ ﴾ ۱۵ فقالت : يا ابن أخي ، هي الیتیمۃ تكون فی حجر وليها تشار کہ فی مالہ ليعجبہ مالها وجمالها ليريد و ليها أن يتزوجها بغير أن يقسط في صداقها ليعطيها مثل ما يعطيها غيره ، فنهوا أن ينكحوا من إلا أن يقسطوا لهن ويلغوا بهن أعلى سنتهن من الصداق ، وأمروا أن ينكحوا ما طاب لهم من النساء سواهن . قال عروة : قالت عائشة : ثم إن الناس استفتوا رسول الله ﷺ بعد هذه الآية فأنزل الله : ﴿ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ﴾ إلى قوله : ﴿ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ ﴾ ۱۶ والذي ذكر الله أنه يتلى عليكم في الكتاب الآية الأولى

النسی قال لہا: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ قالت عائشة: وقول الله في الآية الأخرى: ﴿وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ هي رغبة أحدكم يتيمته التي تكون في حجره حين تكون قليلة المال والجمال، فنهوا أن ينكحوا ما رغبوا في مالها وجمالها من يتامى النساء إلا بالقسط من أجل رغبتهم عنهن. [أنظر: ۲۷۶۳، ۳۵۷۳، ۳۶۰۰، ۵۰۶۳، ۵۰۹۲، ۵۰۹۸، ۵۱۲۸، ۵۱۳۱، ۶۹۶۵، ۵۱۴۰] ت

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے اس میں انہوں نے قرآن کریم کی ایک آیت کی تفسیر بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا
طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَفْنَىٰ وَتِلْكَ وَرَبَّاعٌ ۝۱۰
ترجمہ: اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کر سکو گے یتیم لڑکیوں کے حق
میں تو نکاح کر لو جو اور عورتیں تم کو خوش آویں دو دو، تین
- تین، چار چار

”لانکحوا ما طاب لکم“ کے معنی تو واضح ہیں کہ چار عورتوں سے نکاح جائز ہے لیکن اس کے شروع میں جو الفاظ ہیں ”وان خفتم“ اس کا ایک خاص پس منظر ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں بیان فرمایا۔ یعنی یہ جو کہا گیا ہے کہ اگر تمہیں یتیمی کے بارے میں اندیشہ ہو کہ انصاف نہیں کرو گے تو پھر نکاح کرو، دو، دو، تین تین، چار چار عورتوں سے۔ حضرت عائشہؓ اس کا پس منظر بتا رہی ہیں۔

آیت کریمہ کا مطلب

بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ ایک لڑکی کے والدین کا انتقال ہو گیا۔ نہ اس لڑکی کا والد ہے، نہ دادا ہے، نہ بھائی ہے اور نہ چچا۔ تو اس صورت میں اس لڑکی کا ولی ابن العم یعنی چچا زاد بھائی بنتا ہے۔ جب چچا زاد بھائی ولی بن گیا تو وہ اس کے مال کا بھی ولی ہے اور اس کے نفس کا بھی ولی ہے۔ لڑکی کے ماں باپ سنے اچھا خاصا مال چھوڑا ہے اور لڑکی خوبصورت بھی ہے تو بعض اوقات یہ ابن عم ایسا کرتے کہ دیکھتے تھے کہ یہ لڑکی جو ہمارے زیر ولایت ہے یہ خوبصورت بھی ہے اور اس کے پاس مال بھی زیادہ۔ تو وہ یہ چاہتے کہ اس سے نکاح کریں۔ اس کی خوبصورتی اور اس

۱۰۔ ولی صحیح مسلم، کتاب التفسیر، رقم ۳۳۵-۵۳۳۸، وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب القسط فی الاصلفة، رقم: ۳۲۹۲، وسنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب ما یکره ان یجمع بینہن من النساء، رقم ۱۷۷۱۔ ۱۱۔ [النساء: ۳۰]

کے مال کی گنج سے بھی اور چونکہ وہ خود اپنے زیر ولایت ہوتی تھی تو مہر مقرر کرنے کا حق ولی کو ہوتا ہے اس کا مہر کم مقرر کریتے تھے یعنی اپنے سے نکاح کیا اور مہر کم مقرر کیا۔ اگر اس جیسی لڑکی کا کسی دوسرے سے نکاح کیا جاتا تو اس صورت میں جتنا مہر مقرر ہوتا اس سے کم مہر مقرر کر کے اپنے آپ سے نکاح کریتے۔

قرآن کریم نے اس طریقہ کار پر نسیہ فرمائی اور فرمایا کہ اگر تمہیں ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں اندیشہ ہو کہ انصاف سے کام نہیں لو گے یعنی ان کا مناسب مہر مقرر نہیں کر دو گے تو پھر ان سے نکاح نہ کرو بلکہ دوسری عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لئے حلال ہیں۔ دودو، تین تین اور چار چار سے بھی نکاح حلال ہے تو تقدیری عبارت یوں ہے:

”وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَفْسِدُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا
مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَعْنَىٰ وَتِلْكَ وَرَبَّاعٌ“

تشریح حدیث

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے قول ”وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَفْسِدُوا“ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا یا ابن ابی اخی میرے بھتیجے اس کا پس منظر یہ ہے کہ بچہ جو اپنے ولی کے زیر سرپرستی ہوتی تھی اور اس کے مال میں شریک ہوتی تھی اس کا اپنا مال بھی ہوتا تھا جو اس کو اپنے والدین سے ورثے میں ملا اور ولی کا مال بھی ہوتا تھا تو دونوں مل کر اس میں شریک ہو جاتے تھے۔ دلی کو لڑکی کا مال و جمال پسند آتا تھا ”فیوید“ اب اس سے شادی کرنا چاہتا تھا بغیر اس کے کہ انصاف کرے مہر کے معاملے میں ”فیعطیہا“ اور مہر جتنا کہ دوسرے دیتے ”فہو ان ینکحوہن“ ان کو ایسی یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا۔ ”إِلَّا أَنْ يَفْسِدُوا“ مگر وہ ان سے انصاف کریں اور ان کو کہا گیا کہ ”صدائق“ کا جو اعلیٰ طریقہ ہے وہ ان کے ساتھ اختیار کریں جتنا مہر دوسرے دیتے ہیں اتنا مہر دیں۔

”وَأَمْرٌ“ اور حکم دیا ان کے علاوہ جو عورتیں ہیں وہ ان کے لئے حلال ہیں ان سے نکاح کریں، ان یتیم لڑکیوں سے نکاح نہ کریں۔

”قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت کریمہ کے بعد لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو دوسری آیت نازل ہوئی ”وَيَسْتَفْتُوا نِكَاحَ فِي النِّسَاءِ“ لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے بارے میں جواب دیتے ہیں ”وَمَا يَتْلَىٰ عَلَيْكُمْ“ اور تمہارے اوپر جو حکم، بتائی النساء کے بارے میں نازل کیا گیا ”السی قولہ وترغبون أن تنكحوهن“

”قَالَتْ عَائِشَةُ وَقَوْلُ اللَّهِ“ اور آگے جو یہ فرمایا ”وترغبون أن تنكحوهن ہی رغبہ“ یہاں تر

غیون اعراض کرنے کے معنی میں ہے کہ تم ان سے نکاح کرنے سے اعراض کرتے ہو۔

مراد یہ ہے کسی شخص کا اپنی یتامی کے بارے میں اعراض کرنا جو اس کی زیر تربیت ہو اس کا مال و جمال کم ہونے کی صورت میں یعنی مال و جمال کم ہو تو اس سے اعراض کرتے تھے اور اگر مال و جمال زیادہ ہوتا تو اس کی طرف رغبت کرتے تھے۔ ”فلهوا“ تو یتامی النساء سے مال و جمال کی رغبت کرتے ہوئے نکاح کرنے سے منع کیا گیا۔
”الابالقسط.....صهن“۔

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیر نے آیت کریمہ کا مطلب بالکل واضح کر دیا کہ ”فان خفتم“ یہ اس پس منظر میں نازل ہوئی اور آگے ”وان خفتم“ ہے اس کی جزاء ”فانکحوا ما طاب“ نہیں ہے بلکہ یہ جملہ دال بر جزاء ہے یعنی ”ان خفتم“ کی جزاء اصلا محذوف ہے۔

اسلام میں تعددِ ازواج کا مسئلہ

آج کل بہت سے لوگ تعددِ ازواج کے خلاف ہیں کہ ایک سے زائد شریوں کو اسلام نے جائز قرار نہیں دیا اس کی اجازت نہیں دی، وہ یہ کہتے ہیں کہ ”ان خفتم ان لا تقسطوا“ کے معنی یہ ہیں کہ دودو، تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح صرف اس صورت میں جائز ہے جب یتامی کے ساتھ بے انصافی کا اندیشہ ہو کیونکہ ”فانکحوا اما طاب لکم“ کو ”ان خفتم ان لا تقسطوا“ کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ ایک سے زائد عورتوں سے نکاح اسی وقت جائز ہے جبکہ یتیموں کے ساتھ نا انصافی کا اندیشہ ہو اور اس کا مطلب وہ لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ یتیموں سے بے انصافی کا معنی یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں چونکہ بہت غزوات ہوئے اور اس میں بہت سے لوگ شہید ہو گئے۔ اس کی وجہ سے یتیم عورتیں زیادہ ہو گئی تھیں، مردوں کی تعداد کم اور عورتوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی تو اس کی طرف اشارہ ہے کہ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ مردوں کی تعداد کم ہے اور عورتوں کی تعداد زیادہ ہے اور تم انصاف نہیں کر سکو گے یعنی ہر عورت کے لئے کوئی مرد نہیں تلاش کر سکو گے تو پھر دودو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔

گویا انہوں نے تعددِ ازواج کی اجازت کو اس حالت کے ساتھ مخصوص کیا جب معاشرے میں مردوں کی تعداد عورتوں کے مقابلے میں کم ہو۔ آیت تعددِ ازواج میں بعض متجددین نے یہ تفسیر کی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث ان کے اس تاویل کی صراحتاً تردید کر رہی ہے کہ نہ تو ”تقسطوا فی الیتامی“ سے عورتوں کا زیادہ ہو جانا مراد ہے اور نہ ”ان خفتم“ کی جزاء ”فانکحوا ما طاب لکم“ ہے بلکہ اس کی اصل جزاء ”فلا تنکحواھن“ ہے اور ”فانکحوا“ کا جملہ آگے دال بر جزاء

ہے۔ لہذا اس سے ان کی تاویل کا ابطال ہو جاتا ہے۔

(۱۰) باب الاشتراک فی الذهب والفضة وما یکون فیہ الصرف

۲۳۹۸، ۲۳۹۷۔ حدثنی عمرو بن علی: حدثنا أبو عاصم، عن عثمان یعنی ابن الامسود قال: أخبرنی سلیمان بن ابی مسلم قال: سألت أبا المنهال عن الصرف یدأ بید فقال: اشتريت أنا وشريك لی شیئا یدأ بید ونسینة فجاءنا البراء بن عازب فسألناه فقال: فعلت أنا وشريکی زيد بن أرقم وسألنا النبی ﷺ عن ذلك، فقال: ((ما كان یدأ بید فخلوه، وما كان نسینة فردوه)). [راجع: ۲۰۶۰، ۲۰۶۱]

حدیث کی تشریح

ابو المنہال سے صرف یدأ بید کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے واقعہ سنیا کہ میں نے اور میرے شریک نے کوئی چیز ”یدأ، بید“ خریدی تھی اور کچھ چیزیں نسیناً خریدی تھیں۔

ہمارے پاس حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما آئے۔ ہم نے ان سے مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اور میرے شریک زید بن ارقم رضی اللہ عنہما نے اس طرح سونے، چاندی کی کچھ چیزیں یدأ بید خریدی تھیں اور کچھ نسینا، تو ہم نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو یدأ بید ہے وہ لے لو اور جو نسینہ ہے وہ ادا کر دو کیونکہ سونے، چاندی کے باہم تبادلے میں نسینہ جائز نہیں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا منشاء

اس حدیث کو یہاں لانے کا منشاء یہ ہے کہ سونے، چاندی کی تجارت میں بھی شرکت ہو سکتی ہے، جیسے ان دونوں حضرات نے تجارت میں مشارکت کی۔

(۱۱) باب مشاركة الدمي والمشرکین فی المزارعة

۲۳۹۹۔ حدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا جويرية بن أسماء، عن نافع، عن عبد الله ﷺ قال: أعطی رسول الله ﷺ خبير اليهود أن يعملوها ويزرعوها ولهم شطر ما يخرج منها. [راجع: ۲۲۸۵]

حدیث باب کا مطلب

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ دیکھو وہ لوگ اگرچہ یہودی تھے لیکن آپ ﷺ نے ان سے مزارعت کا معاملہ فرمایا جو ایک طرح سے مشارکت ہے اگرچہ اصطلاحی مشارکت نہیں ہے لیکن فی المعنی شرکت ہے۔ یعنی فی الجملہ جو پیداوار ہے وہ آدھی تقسیم ہوتی ہے جب غیر مسلم کے ساتھ مزارعت جائز ہے تو مشارکت بھی جائز ہوگی۔

(۱۲) باب قسمة الغنم والعدل فیہا

۲۵۰۰۔ حدثنا عقبہ بن سعید : حدثنا اللیث ، عن یزید بن ابی حبیب ، عن ابی الخیر ، عن عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ : أن رسول اللہ ﷺ أعطاه غنما یقسمها علی صحابته ضحایا فبقی عتود فذکرہ لرسول اللہ ﷺ فقال : ((ضح بہ انت)) . [راجع : ۲۳۰۰]

یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے مگر حضور اکرم ﷺ نے ان کو تقسیم کرنے کے لئے بکریاں دی تھیں۔ اس پر ترجمہ الباب قائم کیا کہ بکریوں کی تقسیم اور اس میں عدل سے کام لینا۔

یہاں یہ صورت حال نہیں تھی کہ بکریاں پیسے سے بہت سارے آدمیوں کے درمیان مشترک ہوں بلکہ آپ ﷺ نے اکٹھی دیدی تھیں کہ تقسیم کر دو۔ اس طرح تقسیم کرو کہ ہر ایک کو ایک بکری دے دو۔ اب یہ ان کی صوابدید پر چھوڑ دیا کہ جس شخص کو جو بکری چاہیں دیدیں۔ انہوں نے عدل سے کام لیا کہ اپنے سوا جو دوسرے لوگ تھے، ان کو اچھی اچھی بکریاں دیدیں اور ان کے پاس صرف عتود یعنی بکری کا چھوٹا سا بچہ رہ گیا۔

مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو تقسیم پر مامور کیا جائے اس کو چاہئے کہ اپنے اوپر دوسروں کا ایثار کرے، دوسروں کو ترجیح دے۔

(۱۳) باب الشریکۃ فی الطعام وغیرہ

”و یذکر أن رجلا ساءم شینا فغمزه آخر فرأى عمر أن له شریکة“.

۲۵۰۱، ۲۵۰۲۔ حدثنا أصبغ بن الفرغ قال : أخبرنی عبد اللہ بن وہب قال : أخبرنی سعید ، عن زهرة بن معبد ، عن جده عبد اللہ بن هشام و كان قد أدرك النبی ﷺ و ذهبت بہ أمہ زینب حمید إلی رسول اللہ ﷺ قالت : یا رسول اللہ ، ہایعہ ، فقال : ((هو صلیبر)) ، فمسح رأسہ ودعاه . وعن زهرة بن معبد انه كان یخرج بہ جده عبد اللہ بن

ہشام إلی السوق فیشتري الطعام فیلقاه ابن عمر وابن الزبیر فیقولان له: أشركنا، فإن النبی ﷺ قد دعا لك بالبركة فیشرکهم، فربما أصاب الراحلة كما هي فیبعث بها إلی المنزل. [الحديث: ۲۵۰۱، أنظر: ۷۲۱۰]؛ [الحديث: ۲۵۰۲، أنظر: ۶۳۵۳] ۳۳

کیا شرکت کے عقد کیلئے شرکت کا لفظ ضروری ہے؟

یہ ترجمہ الباب قائم ہے کہ شرکت طعام وغیرہ کے اندر بھی ہو سکتی ہے اور آگے تعلیقاً ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کے ساتھ مساومت کی یعنی کسی چیز کو خریدنے کے لئے کسی معاملے کا سود کرنا چاہا۔ بات چیت چل رہی تھی "للمزہ آخو" دوسرے نے اس کو غمز کیا جو آدمی ۳۲ جر سے معامد کر رہا تھا کسی نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔ غمز کے معنی ہاتھ دبانے کے ہوتے ہیں یا بعض دفعہ آنکھ کے اشارے کو بھی غمز کہتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال

حضرت عمرؓ نے اس بارے میں یہ رائے دی کہ جس شخص نے ہاتھ دبا دیا وہ اس شخص کے ساتھ اس شئی کی خریداری میں شریک ہو گیا۔ یعنی ہاتھ دبانے کا منشا یہ تھا کہ لے لو ہم دونوں مل کر اس کی قیمت ادا کر دیں گے اور ہم شریک ہو جائیں گے۔

تو زہب سے نہیں کہا کہ میں بھی تمہارے ساتھ مل کر یہ چیز خریدنا چاہتا ہوں لیکن اشارہ دیدیا کہ تم یہ خرید لو اور میں بھی شریک ہو جاؤں گا۔ حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ اس کا غمز کرنا یہ شرکت قائم کرنے کے مترادف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس سے اس بات پر استدلال فرما رہے ہیں کہ شرکت کے عقد کے لئے شرکت کا تلفظ ضروری نہیں بلکہ اشارہ اور کنایہ سے جس میں شرکت کا مفہوم ہو شرکت قائم ہو جاتی ہے۔ ۳۳

حنفیہ کا استدلال

حنفیہ کا کہنا ہے کہ محض اشارہ سے شرکت قائم نہیں ہوتی بلکہ واضح اور صریح لفظ ہونا چاہئے تب شرکت متحقق ہوگی۔ اور حضرت عمرؓ کا جو اثر نقل کیا ہے کہ انہوں نے اشارہ کو شرکت قرار دیا۔ حنفیہ اس کو شرکت بالتعویطی پر محمول کرتے ہیں کہ اگرچہ اشارہ سے شرکت نہیں ہوتی لیکن جہد میں دونوں نے کچھ کبے غیر چسپے ملا لئے یا اس شئی کو

۳۳ وفی سنن آسی داؤد، کتاب الخراج والإمارة والقی، باب ماجاء فی البیعة، رقم ۲۵۵۳، ومسنند احمد، مسند

الشامیین، باب حدیث رحل، رقم ۱۷۳۵۳.

۳۴ عمدة القاری، ج ۹، ص ۲۹۱.

آپس میں تقسیم کر لیا تو چونکہ عملاً تقسیم کر لیا اس لئے یہ عملی شریک ہو گئی، محض اشارہ نہیں۔

آگے روایت ہے کہ عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا یعنی صحابی ہیں۔
 ”وذهب بہ أمہ“ ان کی والدہ زینب بنت حمید ان کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئی اور لے جا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ان کو بیعت کر لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بچہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی۔

اب اس برکت کا نتیجہ یہ نکلا کہ زہرہ بنت معبد کہتے ہیں ”ان كان يخرج“ زہرہ بنت معبد یہ عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں جن کے سر پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیرا تھا۔
 تو کہتے ہیں کہ ان کے دادا، عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ ان کو بازار کی طرف لے کر جایا کرتے تھے اور بازار سے کھانا وغیرہ خریدتے تھے۔

”فبلقاہ“ تو عبد اللہ بن زہرہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہاں بازار میں ان سے ملتے اور کہتے ”اشرکنا“ ہمیں بھی اپنے کاروبار میں شریک کر لو اور یہ اس لئے کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برکت کی دعا دی تھی۔ جب یہ بازار میں تجارت کرتے تھے تو ان کی تجارت میں بہت نفع ہوتا تھا اور برکت ہوتی۔ تو کہتے تھے کہ ہمیں بھی شریک کر لو۔ کیونکہ تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا دی تھی تو یہ ان کو شریک کر لیتے تھے۔
 ”فربما اصاب“ بعض دفع نفع میں پوری پوری اونٹنی حاصل کر لیتے تھے یعنی ایک معاملہ میں اتنا نفع ہوتا کہ ایک ہی سووے میں ان کو پوری پوری اونٹنی نفع میں مل جاتی اور اسے اپنے گھر بھیج دیتے۔ اتنی برکت حاصل ہوتی تھی۔

حدیث لانے کا منشاء

یہاں یہ حدیث لانے کا منشاء یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن زہرہ۔ کہتے تھے اشرکنا ہمیں شریک کر لو اور یہ منقول نہیں ہے کہ وہ جواب میں قبلت کہتے ہوں کہ اس شریک کو میں نے قبول کیا بلکہ صرف یہ ہے کہ ”فیشروکم“۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس سے استدلال کر رہے ہیں کہ ”اذا قال الرجل لرجل اشركني“ کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہے کہ مجھے شریک کر لو اور دوسرا خاموش ہو جائے تو خاموشی کو قبول سمجھا جائے گا اور اس سے شریک متحقق ہو جائے گی اور وہ شریک ہو جائے گا۔

حنفیہ کا جواب

حنفیہ کا مسلک اور اصول یہ ہے کہ ”لا ينسب الي ساكت قول“ یعنی سکت کی طرف کسی قول کو منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ محض سکوت سے قبول متحقق نہیں ہوتا، جب تک زبان سے نہ کہے کہ میں قبول کرتا ہوں یا

عمل سے نہ کہے۔ محض سکوت سے شریک متحقق نہیں ہوگی۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ جو استدلال فرما رہے ہیں وہ اس لئے پورا نہیں ہوتا کہ آگے لکھا ہوا ہے ”فیشرکہم“ وہ ان کو شریک کر لیتے تھے۔

اب شریک کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں یا تو یوں کہہ دیتے تھے کہ ہاں بھائی! شریک کر گیا، زبان سے کہہ دیتے تھے یا اس کو عملاً شریک کر لیتے تھے۔ دونوں صورتوں میں ہمارے ہاں شریک متحقق ہو جاتی ہے۔ تو شریک جو متحقق ہوئی وہ ان کے فعل یا قول سے ہوئی نہ کہ محض سکوت سے۔ ۵۹

(۱۵) باب الاشتراک فی الہدی و البدن،

و إذا أشرك الرجل رجلا فی ہدیہ بعد ما أهدی

۲۵۰۶، ۲۵۰۵۔ حدثنا أبو النعمان: حدثنا حماد بن زيد: أخبرنا عبد الملك بن جريج، عن عطاء، عن جابر وعن طاؤس، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قالا: قدم النبی ﷺ صبح رابعة من ذی الحججة مہلین بالحج لا یخلطہم شیء، فلما قدمنا أمرنا فجعلنا ہا عمرة و أن نحل إلى نساننا ففشت فی ذلک القالة. قال عطاء فقال جابر: - فیروح أحدنا إلى منی و ذکرہ یفطر منیاء، - فقال جابر بكفه - فبلغ ذلک النبی ﷺ فقام خطیبا فقال: ((بلغی أن أقواما یقولون کذا و کذا، واللہ لانا أہر و اتقی اللہ منهم، ولو أنى استقبلت من أمری ما استدبرت، ما أهدیت و لولا أن معی الہدی لا حللت. فقام سرافة بن مالک بن جعشم فقال: یا رسول اللہ، ہی لنا أو للأبد؟ فقال: ((لا، بل للأبد)). قال: وجاء علی بن أبی طالب فقال: أحدهما یقول: لیبیک بما أهل به رسول اللہ ﷺ، و قال الا آخر: لیبیک بحجة رسول اللہ ﷺ، فأمر النبی ﷺ أن یقیم علی إحرامه و أشركه فی الہدی. [راجع: ۱۰۸۵، ۱۵۵۷]

حدیث باب کا پس منظر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام ﷺ ذی الحجج کی چوتھی تاریخ کی صبح کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ انہوں نے حج کا احرام باندھا ہوا تھا اور ان کے ساتھ کسی اور چیز کا قطع نہیں تھا یعنی انہوں نے تہاجج کا احرام باندھا ہوا تھا، اس کے ساتھ عمرے کا احرام نہیں باندھا تھا۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم افراد کا احرام باندھ کر گئے تھے، یعنی صرف حج کا احرام تھا لیکن وہاں مکہ مکرمہ پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوا کہ جاہلیت کے زمانے سے یہ عقیدہ چلا آتا ہے کہ اشہر حج میں عمرہ کرنا ناجائز ہے۔ وہ لوگ اشہر حج میں عمرہ کرنے کو بالکل ہی ناجائز سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جب تک حج کا زمانہ پورا نہ گزر جائے، اس وقت تک عمرہ جائز نہیں ہوتا، ان کا مقولہ بڑا مشہور تھا کہ ”اذابرات“ کہ جس اونٹ پر آدمی حج کرتا ہے جب اس کی پشت کا زخم ٹھیک ہو جائے اور حج کے آثار مٹ جائیں اور صفر کا مہینہ نہ گزر جائے تو جو عمرہ کرنا چاہے اس کے لئے عمرہ کرنا حلال ہوگا۔

تو عاشرہ میں عمرہ کرنے کو ناجائز سمجھتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں پہنچ کر یہ خیال ہوا کہ اہل جاہلیت کے اس عقیدہ کی عملی تردید ضروری ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے جو حج کا احرام باندھ کر آئے تھے فرمایا کہ اب تم اس حج کے احرام کو عمرہ کا احرام بنا لو اور عمرہ کر کے حلال ہو جاؤ۔ پھر جب حج کے ایام آئیں گے تو پھر حج کا احرام باندھنا۔

گویا اس افراد کو تمتع میں تبدیل کرنا اور حج کے احرام کو عمرہ کے احرام سے بدل دیا اور عمرہ کر کے حلال ہو جاؤ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اس نئے ایسا نہیں کر سکتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ بدی لے کر آئے تھے۔ جو شخص اپنے ساتھ ہدی لے کر آئے وہ قارن ہو یا متمتع، عمرہ کر کے حدل نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود تو حلال نہیں ہوئے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حلال ہونے کا حکم دیا۔

تو فرماتے ہیں کہ جب ہم مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے تو ہمیں حکم دیا۔ ہم نے اس احرام کو عمرہ کا بنا دیا اور یہ بھی جائز قرار دیا کہ ہم عمرہ کر کے حلال ہونے کے بعد اپنی خواتین سے ستمناہ بھی کر سکتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے نتیجے میں لوگوں کے اندر چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ ”قال عطاء: لقال جابر رضی اللہ عنہ“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہاں تک کہہ دیا کہ ”البروح“ کیا ہم میں سے ایک شخص اس حالت میں منی جائے گا کہ اس کے ذکر سے منی ٹپک رہی ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ منی جانے سے ذرا پہلے تک جب وہ حلال ہوگا تو بیوی سے جماع بھی کر سکتا ہے اور جب جماع کرے گا منی ٹپکے گی۔ تو اس حالت میں ہم منی جائیں گے۔ یہ کہتے ہوئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے بھی اشارہ کیا۔ ”فبلغ ذلک“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا فرمایا کہ ”بلغنی“ یہ جو لوگ کہہ رہے ہیں کہ جب ابھی منی ٹپک رہی ہے، اس حالت میں جانا برا لگ رہا ہے۔ ان کی یہ بات صحیح نہیں ہے۔ میں اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔

”ولو انی“ اگر میری رائے پہلے وہ ہوتی جو بعد میں ہوئی۔ یعنی اگر شروع سے ہی میری وہ رائے

ہو جاتی جو بعد میں ہوئی ہے تو میں اپنے ساتھ ہدی لے کر نہ آتا اور اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں بھی حلال ہو جاتا۔
”فقام سراقۃ“ حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے پوچھا کہ آپ جو حکم دے رہے ہیں کہ اشہر حرم میں عمرہ کرنا جائز ہو گیا ہے۔ یہ صرف ہمارے لئے ہے یا ہمیشہ لئے ہے؟
”لقال لا بل للأبد“ فرمایا ہمیشہ کے لئے اشہر حرم میں عمرہ کرنا حلال ہے۔

”قال: وجاء علی ابن ابی طالب“ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن میں تھے، وہاں سے آئے **”وقال احدہما“** تو انہوں نے جو احرام باندھا تھا، باندھتے ہوئے یہ کہا تھا کہ جو احرام رسول ﷺ نے باندھا ہوگا میں بھی وہی باندھنے کی نیت کرتا ہوں کیونکہ ان کو پتہ نہیں تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے کون سا احرام باندھا ہے۔ صرف یہ کہا کہ ہم حضور ﷺ کے حج کا احرام باندھتے ہیں۔

”فامر النبی ﷺ“ آپ ﷺ نے ان کو احرام پر باقی رہنے کا حکم دیا۔ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو تو حلال ہونے کا حکم دیا تھا لیکن انہوں نے چونکہ وہی احرام باندھا تھا جو نبی کریم ﷺ کا تھا اور حضور ﷺ ہدی لے کر آئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہدی لے کر آئے تھے۔ اس واسطے آپ ﷺ نے ان کو حرام پہ باقی رہنے کا حکم دیا۔

مقصد امام بخاری رحمہ اللہ

”وإشراک فی الہدی“ اور ہدی میں ان کو شریک کرنا۔ یہ وہ جملہ ہے جس کی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو یہاں لائے ہیں۔ اس کو **”اشراک فی الہدی“** سے تعبیر کیا ہے کہ ایک آدمی ہدی کے اندر کئی آدمیوں کو شریک کر سکتا ہے۔

حنفیہ کا جواب

یہاں یہ بات صحیح نہیں بنتی کیونکہ اشراک فی الہدی وہ ہوتا ہے کہ ایک ہی جانور میں کئی افراد شریک ہوں اور یہاں ایسا نہیں ہوا تھا، کیونکہ حضور اقدس ﷺ جو ہدی لے کر آئے تھے وہ ان کی اپنی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جو ہدی لے کر آئے تھے وہ ان کی اپنی تھی۔

تو ایک جانور میں دونوں شریک نہیں تھے بلکہ دونوں کے الگ الگ جانور تھے، لہذا اس کو اشراک فی الہدی سے تعبیر کرنا یہ محل نظر ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ استنباط درست نہیں معلوم ہوتا۔^{۱۲}

۱۲ باب ”الاشتراک فی الہدی والبدن الح هذا، یصل من الشریکۃ فی شیء، فان النبی ﷺ جاء ببدنہ علی حدة، وجاء بہا علی علی حدة، ثم لایدری ان تلك البدن لمن كانت، علی ان الشریکۃ فی العین لا یصور عند الحنفیة، إلا ان ینبع الخ (فیض الباری، ج ۳، ص ۳۳۵)

(۱۶) باب من عدل عشرة من الغنم بجزور فی القسم

۲۵۰۷۔ حدیثی محمد: أخبرنا وکیع ، .. قال: اعجل أو أرنی ما أنهر الدم.
یعنی اگر پانس ہے ذبح کرنا ہے تو چونکہ پانس ذرا سخت ہوتا ہے، اس سے اگر دیر لگاؤ گے تو جانور کو
تکلیف ہوگی اس لئے جلدی سے کر لو۔

كتاب الرهن

٢٥١٦ - ٢٥٠٨

۳۸۔ کتاب الرهن

(۱) باب فی الرهن فی الحضرو قول اللہ عز و جل:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانًا مَقْبُوضَةً﴾ ۱

۲۵۰۸۔ حدثنا مسلم بن إبراهيم، حدثنا هشام، حدثنا قتادة، عن أنس رضی اللہ عنہ قال: ولقد رهن رسول الله ادرعه بشعير ومثيت إلى النبي ﷺ بخبز شعير وإهالة سنخة، ولقد سمعته يقول: ((ما أصبح لآل محمد ﷺ إلا صاع ولا أمسى، وإنهم لسنعة أبيات))، [راجع: ۲۰۶۹]

نشاء یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں جہاں رہن کا ذکر آیا ہے اس میں سفر کا بھی ذکر ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا
فَرِهَانًا مَقْبُوضَةً﴾ ۲

ترجمہ: اور اگر تم سفر پر ہو اور تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو (ادائیگی کی ضمانت کے طور پر) رہن قبضے میں رکھ لے جائیں۔

کیا رہن صرف سفر میں جائز ہے؟

اس سے بعض لوگوں کا یہ خیال ہوا کہ شاید رہن رکھنا صرف سفر کی حالت میں جائز ہے اور حضر کے اندر نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ان کی تردید کرنا چاہتے ہیں کہ رہن جس طرح سفر میں جائز ہے اسی طرح حضر میں بھی جائز ہے۔

اور آیت کریمہ میں جو ”وان کنتم علی سفر“ کا لفظ آیا ہے اس کا مفہوم مخالف باجماع معتبر نہیں۔ اور اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ حضرت عائشہ عمراتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی زرہ رہن رکھی تھی اور یہ مدینہ منورہ کا واقعہ ہے جو حضر کا واقعہ ہے سفر کا نہیں۔

معلوم ہوا کہ رہن رکھنا جس طرح حالت سفر میں جائز ہے، اسی طرح حضر میں بھی جائز ہے اور یہی حنفیہ کی دلیل ہے کہ مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے۔

(۲) باب من رهن درعه

۲۵۰۹۔ حدثنا مسدد: حدثنا عبد الواحد: حدثنا الأعمش قال: تذاكرنا عند إبراهيم الرهن والقبيل في السلف، فقال: إبراهيم: حدثنا الأسود عن عائشة رضي الله عنها: أن النبي ﷺ اشترى من يهودي طعاما إلى أجل ورهنه درعه. [راجع: ۲۰۳۸] ہے حضرت اعمش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارا ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے پاس اس مسکے میں مذاکرہ ہوا کہ آیا سلم کے اندر رہن رکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟

مثلاً آج پیسے دے دیئے اور مسلم الیہ سے کہا کہ تم چھ مہینے کے بعد ہمیں اتنا گندم دے دینا تو وہ جو چھ مہینے کے بعد گندم دے گا، وہ گندم اس کے ذمہ دین ہے۔ اس دین کے عوض میں کچھ رہن رکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ابراہیم نخعی کے پاس اس مسئلہ کا ذکر ہوا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول

یہ ذکر اس لئے ہوا کہ بعض فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ سلم کے اندر رہن نہیں ہے اور امام احمد حنبل رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے کہ سلم میں رہن نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ رہن چھ مہینے کے عوض ہوتا ہے اور سلم میں جو چیز ذمہ میں دین ہوتی ہے وہ پیسہ نہیں ہوتا بلکہ بیع ہوتی ہے۔ عرض ہوتا ہے تو عرض کے بدلہ کیا رہن ہوگا؟ کیونکہ رہن کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی مدیون پیسے ادا نہ کر سکے تو دائن اس رہن کو بیچ کر اپنا قرض وصول کر لے اور یہاں قرض نقد پیسہ نہیں ہے، بلکہ گندم ہے اور رہن کے طور پر کپڑا دیا ہے تو کپڑا بیچ کے کہاں سے گندم لے گا؟ تو ذیل ذیل بیع کرنے پڑے گی کہ پہلے کپڑا بیچ کر پیسے حاصل کرے اور پھر پیسے حاصل کرے

ج۔ جمیع الفقہاء یجوزون الرهن فی السفر، ومنہ مجاہد وداؤد فی الحضرم، ونقل الطبری عن مجاہد والضحاك الهمما قالاً: لا یشرع الرهن إلا فی السفر حیث لا یوجد الکاتب، وبہ قال داؤد (عمدة القاری، ج ۹، ص ۲۹۶، وتکملة فتح الملهم، ج ۱، ص ۲۵۰)

ج۔ وفی صحیح مسلم، کتاب المسافاة، باب الرهن وجوزاً فی الحضرم والسفر، رقم ۳۰۰۷، ۳۰۰۹، ورسن النسائی، کتاب البیوع، باب الرجل یشترى الطعام الی أهل ویشتره البائع منه، رقم ۳۵۳۰، ۳۵۷۱، ورسن ابن ماجہ، کتاب الأحکام، باب الرهن، رقم ۲۳۲۷، ورسن احمد، ہالی مسند الأنصار، باب حدیث السیدة عائشة، رقم ۲۳۰۱۷

بیسوں سے گندم خریدے۔ تو یہ دبل دبل ربل کام کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔
اس واسطے وہ کہتے ہیں کہ سلم میں رہن نہیں ہوتا۔ ۵

جمہور کا مسلک

یہ مسند امام نخعی سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا ”حدیثنا الأسود عن عائشة رضی اللہ
عنها ابن النبی ﷺ“ کہ آپ ﷺ نے ایک خاص مدت تک غلہ خرید اٹھا اور پھر زرہ رہن میں رکھی تھی۔
مراد یہ ہے کہ اگرچہ یہاں رہن قیمت کی توثیق کے لئے رکھا گیا لیکن جس طرح قیمت کی توثیق یا ثمن کی
توثیق کے لئے رہن رکھا جا سکتا ہے، اسی طرح بیع کی توثیق کے لئے رہن رکھنے میں کوئی مضائقہ اور کوئی مانع
موجود نہیں ہے۔

لہذا انہوں نے ثمن کی توثیق پر سلم کی توثیق کے رہن کو قیاس کیا اور کہا کہ وہ بھی جائز ہے۔ چنانچہ جمہور کا
مسلک یہ ہے کہ سلم کے اندر بھی رہن رکھا جا سکتا ہے۔ ۶

(۲) باب رهن السلاح

۲۵۱۰۔ حدثنا علی بن عبد اللہ : حدثنا سفیان : قال عمرو : سمعت جابر
بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما یقول : قال رسول اللہ ﷺ : ((من لکعب بن الأشرف ؟
فإنہ آذی اللہ ورسولہ ﷺ)) . فقال محمد بن مسلمة : أنا ، فأتاہ فقال : أردنا أن
تسلفنا وسقا أو وسقین ، فقال : ارهنونی نساء کم . قالوا : کیف نرهنک
نساء ما وأنت أجمل العرب ؟ قال : فارهنونی أبناء کم ، قالوا : کیف نرهنک
أبناء ما لیسب أحدهم لبقال : رهن بوسق أو وسقین ؟ هذا عار علینا ، ولکننا نرهنک
الأمۃ ۔ قال سفیان : یعنی السلاح . فوعده أن یأتیہ فقتلوه ثم أتوا النبی ﷺ فأخبروه .
[أنظر : ۳۰۳۱ ، ۳۰۳۲ ، ۳۰۳۷] . ۷

یہ حدیث مغازی میں گزر چکی ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ ہتھیار کا رہن رکھنا بھی جائز ہے۔

۷۔ ۱۔ راجع ، تکملة فتح الملهم ، ج ۱ ، ص ۲۵۱ .

۸۔ وفی صحیح مسلم ، کتاب الجهاد والسير ، باب قتل کعب بن الأشرف طاغوت الیہود ، رقم ۲۳۵۹ ، سنن أبی

داؤد ، کتاب الجهاد ، باب فی العدو یؤتی عنی غرة ویتشبه بهم ، رقم ۲۳۸۷

(۴) باب الرهن مرکوب و محلوب

”وقال مغيرة عن إبراهيم : تركب الضالة بقدر علفها ، و تحلب بقدر علفها ، و الرهن مثله“.

۲۵۱۱۔ حدثنا أبو نعیم : حدثنا زكريا ، عن عامر ، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ أنه كان يقول : ((الرهن يركب بنفقته ، ويشرب لبن الدر إذا كان مرهونا)) . [أنظر : ۲۵۱۲] . ۷
 ۲۵۱۲۔ حدثنا محمد بن مقاتل : أخبرنا عبد الله بن المبارك : أخبرنا زكريا ، عن الشعبي ، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله ﷺ : (الظهر يركب بنفقته إذا كان مرهونا ، ولبن الدر يشرب بنفقته إذا كان مرهونا وعلى الذي يركب ويشرب النفقة) [راجع : ۲۵۱۱]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ”الرهن يركب بنفقته“ رہن اگر کوئی سواری ہو تو اس پر نفقہ کے بدلے میں سواری کی چاکتی ہے۔ ”و يشرب لبن الدر“ اور دودھ دینے والے جانور کا دودھ پیا جاسکتا ہے۔

اس حدیث کے ظاہر پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا عمل ہے۔

پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس بات پر تو سب حضرات فقہاء شفق ہیں کہ جب مرہن کے پاس کوئی چیز رہن رکھ دی گئی تو مرہن کے لئے اس رہن کو بطور وثیقہ رکھنا تو جائز ہے لیکن اس رہن سے انتفاع جائز نہیں کیونکہ اگر اس سے انتفاع کرے گا تو کل ”قروض جرنفعاً“ کے تحت آکر رہاں میں داخل ہو جائے گا۔

شیء مرہون سے انتفاع کی جائز صورت

اہتہ جو چیز رہن رکھ دی گئی ہے اگر وہ منافع والی ہے تو وہ ان منافع کو راہن کی اجازت سے اجرت دے کر استعمال کرے یا اجازت راہن سے قیمت دے کر استعمال کرے تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔

مثلاً گھوڑا رہن رکھا ہے اور مرہن نے راہن سے یہ شرط کر لیا کہ جب تک گھوڑا میرے پاس رہے گا اس پر سواری کروں گا اور اس کی اجرت مثل ادا کروں گا اور راہن اس کی اجازت دے دے تو یہ بالاتفاق جائز ہے یا

۷ وفی سنن الترمذی ، کتاب البیوع عن رسول اللہ ، باب الإنفاق بالرهن ، رقم ۱۱۷۵ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب البیوع ،

باب قی الرهن ، رقم ۳۰۵۹ ، وسنن ابن ماجہ ، کتاب الأحکام ، رقم ۲۴۳۱ ، ومسند احمد ، باقی مسند المکثرین ، باب

مسند أبی هريرة ، رقم ۶۸۲۸ ، ۹۷۲۹ .

ایک بکری رہن رکھی ہے اور مرتہن نے راہن کے ساتھ یہ طے کر لیا کہ جب اس کا دودھ نکلے گا تو وہ میں خود استعمال کروں گا اور اس کا جو شمن مثل ہوگا وہ ادا کروں گا یا قرضے میں محسوب کر لوں گا، تو یہ بھی اگر راہن کی اجازت سے ہو تو بالاتفاق جائز ہے اس میں کسی کو کلام نہیں ہے۔

راہن کی اجازت کے بغیر شئی مرہون سے انتفاع میں اختلاف فقہاء

ائمہ ثلاثہ کا قول

کلام اس صورت میں ہے کہ جب راہن نے اجازت نہیں دی۔ راہن سے اس قسم کا معاملہ نہیں ہوا لیکن گھوڑا یا بکری رہن رکھی، اس کے بارے میں ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ تینوں حضرات یہ کہتے ہیں کہ اب مرتہن کے لئے انتفاع جائز نہیں ہے۔ اگر بکری کا دودھ نکلے گا تو وہ راہن کے پاس پہنچائے، اگر راہن تک پہنچانا ممکن نہیں ہے تو فروخت کرے اور اس کی قیمت اپنے پاس بطور امانت رکھے خود اس سے انتفاع نہیں کر سکتا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا عمل

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ حدیث باب پر عمل کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں انتفاع کر سکتا ہے، جب اس کا خرچ بھی وہ برداشت کر رہا ہے مثلاً گھوڑا یا بکری ہے اس کو چارہ کھلانا ہوتا ہے اور چارہ کھلانا راہن کی ذمہ داری ہے کیونکہ وہ اس کی ملکیت ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مرتہن اس کو اپنی جیب سے چارہ دے اور جتنا چارہ دیا ہے اس کی مقدار کا دودھ استعمال کرے جیسے دس روپے کا چارہ دیا ہے تو دس روپے کا دودھ پی لے یا گھوڑے کو دس روپے کا چارہ کھلایا ہے اس پر دس روپے کی مقدار سواری کر لے، تو جتنا نفقہ دیا ہے اس کے لئے اتنے نفقہ کی مقدار انتفاع جائز ہے بشرطیکہ اس میں انصاف سے کام لے یعنی جتنا چارہ دیا ہے اس سے زیادہ انتفاع نہ کرے، اسی حد تک منفعت حاصل کرے۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ بغیر اجازت یہ کام نہیں ہو سکتا اور مستدرک حاکم کی ایک حدیث سے

۹ فیض الباری، ج: ۳، ص: ۳۲۶۔

۱۰ عمدۃ القاری، ج: ۹، ص: ۳۰۳، و فیض الباری، ج: ۳، ص: ۳۲۶۔

۱۱ فیض الباری، ج: ۳، ص: ۳۲۶۔

استدلال فرماتے ہیں کہ جس میں ہے ”لا یغلق الرهن من الراهن له غنمه و علیہ غرمہ“ کہ راہن کو راہن سے بند کر کے نہیں رکھا جا سکتا ”لہ غنمہ“ راہن کو ہی اس کے فائدے ملیں گے ”وعلیہ غرمہ“ اور اسی پر اس کے فرائض و عہدوں گے یعنی جو کچھ خرچ ہو گا وہ راہن برداشت کرے گا اور جو کچھ منفع ہوں گے ان سے بھی راہن ہی فائدہ اٹھائے گا۔

”لہ غنمہ“ یہ تقدیم ”ما حقہ التأخیر“ ہے جو حصر کا فائدہ دیتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ غرم اور غنم دونوں راہن کے ہیں۔ مرہن کا نہ غرم میں حصہ ہے اور نہ غنم میں۔^{۱۱}

ائمہ ثلاثہ کی طرف سے حدیث باب کی توجیہات

حدیث باب میں جو فرمایا کہ ”الرهن یسركب بنفقته“ یہ بظاہر امام احمد کے مذہب پر صریح ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی طرف سے اس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔

بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ یہاں مجہول کا صیغہ استعمال ہوا ہے ”الرهن یسركب“ راہن پر سواری کی جائے گی۔ اب یہ سواری کون کرے گا حدیث میں اس کی صراحت نہیں ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ یہاں سواری کرنے والے سے مقصود یہ ہے کہ راہن سواری کرے گا ”الرهن یسركب“ یعنی راہن سواری کر سکتا ہے ”بنفقته“، نفقہ ادا کر کے ”ویشرب لبن الدو“ اس میں بھی راہن مراد ہے کہ راہن کو دودھ دیا جائے۔ لیکن یہ توجیہ بالکل ظاہر کے خلاف ہے اور بعض روایتوں میں جو صراحت آئی ہے یہ اس کے بھی خلاف ہے۔ بعض روایتوں میں مجہول کا صیغہ نہیں استعمال ہوا بلکہ مرہن کی تشریح کی گئی ہے کہ مرہن سواری کرے گا، لہذا یہ توجیہ صحیح نہیں ہے۔

دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ ”ویشرب لبن الدو“ یہ اس صورت پر مجہول ہے جو ما قبل میں ذکر کی گئی کہ راہن کی اجازت کے ساتھ ہو۔ راہن کے ساتھ یہ معاملہ ہو گیا کہ میں بکری رہن رکھ رہا ہوں۔ یہ دودھ دے گی اور متعین کیا کہ دودھ میں پیوں گا اور اس کے بدلے اس کا چارہ فراہم کروں گا اور اگر اس سے کچھ زیادہ ہوگا تو اس کا ضامن ہوں گا یعنی جتنا چارہ فراہم کیا ہے، اتنا دودھ پیوں گا اور اس سے زیادہ کی قیمت دوں گا۔ اگر دونوں کے درمیان باقاعدہ یہ معاملہ طے پا گیا ہو تو یہ جائز ہے اور اس حدیث سے یہی مراد ہے۔^{۱۲}

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی توجیہ

تیسری توجیہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری صاحب نے فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ فرض کریں اگر

^{۱۱} رقم الحلین، ۲۳، ۵، ۱۸۶، ۲۳۲، ۱۹۴، المستدرک علی الصحیحین، ج ۲، ص ۵۸-۶۰، مطبع دارالکتب العلمیہ

^{۱۲} عمدۃ القاری، ج ۹، ص ۳۰۳.

رائہن کی طرف سے اجازت نہیں ہے اور رائہن ملتا بھی نہیں ہے، اس سے اجازت لینا ممکن نہیں اور یہ دونوں یعنی بکری کا دودھ اور گھوڑے کی سواری یہ ایسی چیزیں ہیں کہ اگر بکری دودھ دے رہی ہے اور اسے بچپنا بھی ممکن نہیں تو دودھ ایسی چیز ہے کہ اسے قیامت تک محفوظ نہیں رکھا جاسکتا۔ اب اگر اسے پیئے گا نہیں تو وہ سزے گا، خراب ہوگا۔ تو ایسی مجبوری کی صورت میں دودھ پی سکتا ہے اور رائہن سے کہے کہ چونکہ دودھ کے خراب ہونے کا اندیشہ تھا اس لئے میں نے جتنا نفقہ دیا تھا اس کے عوض جو دودھ آتا تھا وہ میں نے پی لیا ہے اور جو باقی ہے اس کا ضمان ادا کر دے، یہ جائز ہے۔

اسی طرح گھوڑا ایسی چیز ہے کہ اسے گھر میں کھڑا کر دیا اور چلا یا پھرایا نہیں تو خراب ہو جائے گا۔ وہ گھوڑا بیمار ہو جائے گا تو اس کو چلانا پھرانا بھی ضروری ہے۔ اب رائہن موجود نہیں ہے کہ اس سے اجازت لے، لہذا اس مجبوری کی حالت میں امام احمد کے مسلک پر عمل کرے اور اس نفقہ کے بدلے گھوڑے پر سواری کرے تو یہ جائز ہے۔ یہ اس مسئلہ کی مختصر تفصیل ہے۔ ۳۷

یہاں ایک مسئلہ اور مختصر آ ذکر کروں کہ ائمہ ثلاثہ جو حدیث ذکر کرتے ہیں کہ ”لا یغلق الرهن له غنمه وعلیہ غرمہ“ اس حدیث میں یہ بات اصول کے طور پر بتائی گئی ہے کہ شئی مرہون کے غنم اور غرم (فائدہ اور ذمہ داری) دونوں مالک کے اوپر ہیں۔

فلوٹنگ چارج (Charge Floating) کا حکم

اس سے ہمارے زمانے کا ایک مسئلہ نکل آیا ہے کہ آج کل بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ بڑی بڑی تجارتوں میں رہن کی ایک نئی صورت متعارف ہوئی اور وہ یہ ہے کہ رہن میں شئی مرہون پر مرہن قبضہ نہیں کرتا بلکہ اس کے بجائے اس کی ملکیت کے کاغذات قبضہ میں رکھتا ہے جیسے گھر رہن رکھا تو گھر اپنے قبضہ میں نہیں لیا بلکہ اس کی ملکیت کے کاغذات اپنے پاس رکھ لئے۔

یا بعض اوقات ملکیت کے کاغذات اپنے پاس نہیں رکھتے لیکن آج کل کے قانون میں ایک طریقہ ہے کہ اس پر اپنا حق ثابت کیا جاتا ہے جس کو اصطلاح میں چارج کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس مکان یا اس گاڑی پر چارج ہے۔

چارج کا مطلب یہ ہے کہ اس کو رائہن استعمال کرتا رہے گا اور وہ رائہن ہی کے قبضہ میں رہے گی لیکن مرہن کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر وقت مقررہ پر اس کا دین وصول نہ ہو تو وہ اس چیز کو فروخت کر دے اور اپنا دین وصول کرے۔

آج کل کی اصطلاح میں اس کو ”فلوٹنگ چارج“ کہتے ہیں یعنی اس کے اوپر چارج عائد کر دیا گیا۔ اردو میں اس کا کوئی مناسب ترجمہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس کو غیر متبوض رہن کہا جائے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس پر چارج عائد کیا گیا ہے، راہن کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اس چیز کو بیچ دے، اس لئے کہ اس سے مرہن کا حق وابستہ ہے۔

اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر راہن اس کو بیچے گا تو بیچنے کے بعد وہ چارج اس جیسی قیمت کی کسی دوسری چیز کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اس کو فلوٹنگ چارج کہتے ہیں۔ ”الرهن السائل“ یعنی بہتا ہوا رہن ہے جو کسی چیز سے دوسری چیز کی طرف اور دوسری چیز سے تیسری چیز کی طرف منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔ آج کل رہن کا یہ طریقہ بہت زیادہ متعارف ہے اور تمام قانونی حلقوں میں اسے معتبر سمجھا جاتا ہے۔

بعض معاصرین کا قول

بعض حضرات معاصرین کہتے ہیں کہ اس صورت میں شرعی طور پر رہن مکمل نہیں ہوا کیونکہ قرآن کریم میں رہن کے ساتھ ”مقبوضۃ“ کی قید ہے ”فرهان مقبوضۃ“ معلوم ہوا کہ رہن کے اندر ضروری ہے کہ اس پر مرہن قبضہ کر لے۔

لیکن یہ نقطہ نظر درست نہیں، اس لئے کہ جس طرح قرآن مجید میں ”وان کنتم علی سفر“ کا مفہوم مخالف معتبر نہیں۔ اسی طرح ”فرهان مقبوضۃ“ کا مفہوم مخالف بھی معتبر نہیں کیونکہ رہن کا اصل مقصد یہ ہے کہ کسی طرح دین کی توثیق ہو جائے۔ وہ توثیق اگر قبضہ سے ہوتی ہے تو قبضہ کر لیں اور اس کو اس کے اندر تصرف کرنے سے روک دے جب تک کہ دین وصول نہ ہو جائے۔ اور اگر قبضہ سے نہیں حاصل ہوتی اور یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ اسے یہ حق ہے کہ اپنے دین کو وصول کرنے کے لئے اسے بیچ دے تو اس میں شرعی اعتبار سے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔^{۱۵}

اور جو حدیث ذکر کی ہے ”لہ غنمہ وعلیہ غرمہ“ اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب راہن کو اس کا غنم حاصل ہے اگر وہ اس کے منافع کو بھی استعمال کرنا چاہے تو کر سکتا ہے کیونکہ اسی پر اس کی ذمہ داری بھی ہے، لہذا اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ البتہ اس صورت میں ضمان راہن پر ہوگا، مرہن پر نہیں ہوگا اور اس میں دونوں کا فائدہ ہے۔

مرہن کا فائدہ یہ ہے کہ وہ شئی اس کے ضمان میں نہیں رہتی اور راہن کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اسے استعمال کرتا رہتا ہے اور خاص طور پر بین الاقوامی تجارت میں، جہاں پانچ اور مشتری دونوں مختلف شہروں میں رہتے ہوں وہاں اس چارج کے علاوہ رہن کا دوسرا طریقہ مقرر کرنا بڑا مشکل اور دشوار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ شئی مرہن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں بڑے اخراجات ہوتے ہیں ایسی صورت میں دین کی توثیق کی ”رهن سائل“ کے علاوہ کوئی دوسری صورت نظر نہیں آئی۔ لہذا اس کے اندر حصر اور تصبیح کی ضرورت نہیں اور ظاہر آ رہا ہے۔^{۱۶}

۱۵، تفصیل کے لئے دیکھئے (رفی الہدایۃ شرح البدایۃ، ج: ۳، ص: ۱۳۸، وهدایۃ المبتدی، ج: ۱، ص: ۲۳۵، ۲۳۶، والبحر الموائج، ج: ۸، ص: ۲۷۱، والہندیۃ، ج: ۳، ص: ۱۵، والمبسوط للسرخسی، ج: ۲۱، ص: ۱۵۸،



كتاب السنو

٢٠١٧ - ٢٠٠٩



۳۹۔ کتاب العتق

(۱) باب فی العتق وفضله

وقوله تعالى:

﴿لَكَ رَقَبَةٌ أَوْ إِبْتِغَاءٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْئَةٍ يَتِيمًا
ذَا مَقْرَبَةٍ﴾

۲۵۱۷۔ حدثنا أحمد بن یونس: حدثنا عاصم بن محمد، قال: حدثني والقد بن محمد قال: حدثني سعيد بن مرجانة صاحب علي بن الحسين قال: قال لي أبو هريرة رضي الله عنه: قال النبي ﷺ: ((أيما رجل أعتق امرءاً مسلماً استغنى الله بكل عضو منه عضو من النار)). قال سعيد بن مرجانة: فانتقلت به إلى علي بن الحسين فعمد علي بن الحسين رضي الله تعالى عنهما إلى عبد له قد أعطاه به عبد الله بن جعفر عشرة آلاف درهم، أو ألف دينار فاعتقه. [أنظر: ۶۷۱۵] ^۱

اعتاق کی فضیلت

یعنی وہ غلام ایسا تھا کہ اس کے بدلے میں عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم کی پیشکش کی تھی کہ یہ لے لو اور وہ غلام مجھے دے دو۔ وہ اتنا مہنگا غلام تھا لیکن اس حدیث میں اعتاق کی فضیلت

۱ [البلد ۱۳-۱۵] ج ۱ وفی صحیح مسلم، کتاب العتق، باب فصل العتق، رقم ۲۷۷۵-۲۷۷۸،

وسنی الترمذی، کتاب النذور والایمان عن رسول اللہ، باب ما جاء فی ثواب اعتق رقبة، رقم ۱۴۶۱، ومسند احمد

، بالفی مسند المکثرین، باب باقی المسند السابق، رقم ۹۰۷۲، ۹۱۷۵، ۹۳۹۷، ۱۰۳۸۲،

سننے کی وجہ سے اس کو آزا کر دیا۔

(۲) باب: ای الرقاب افضل ؟

۲۵۱۸۔ حدثنا عبید اللہ بن موسیٰ، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن أبي مرواح، عن أبي زر، قال: سألت النبي ﷺ: أي العمل افضل؟ قال: ((إيمان بالله وجهاد في سبيله)). قلت: فأى الرقاب افضل؟ قال: ((أعلاها ثمنا وأنفسها عند أهلها)). قلت: فإن لم أعمل؟ قال: ((تعين ضائعا أو تصنع لأخرق)). قال: فإن لم أعمل؟ قال: ((تدع الناس من الشر فإنها صدقة تصدق بها على نفسك)).^۱

فرمایا کہ سب سے زیادہ اس کا اعتناق افضل ہے "اعلاها ثمنا وانفسها عند اهلها" جو زیادہ قیمتی ہو اور اپنے مالک سے بائ نہیں ہو۔

"قلت: فإن لم أعمل؟" میں نے پوچھا کہ اگر میں یہ نہ کر سکوں تو پھر کون سا عمل افضل ہے؟

"قال تعين ضائعا أو تصنع لأخرق" آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کسی کا ریڑھی کر دو۔

بعض روایتوں میں "صائعا" کی جگہ "ضائعا" کا لفظ آیا ہے۔ یعنی وہ آدمی جو ضائع ہو یعنی کوئی اس کا پرمان حال نہ ہو تو اس کی مدد کرو اور صائعا سے تو اس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز بنا رہا ہے اور تم اس میں اس کی مدد کرو تو یہ بھی تمہارے سے ہے؛ اب کا کام ہے "وتصنع لأخرق" یا کسی ناری کے لئے کوئی چیز بنا دو۔ راوی میں اناڑی س کو کہتے ہیں جو کوئی کام نہیں جانتا۔ اب وہ بے چارہ کسی کام کا نہیں ہے اور روزی کمانے کے لئے کوئی کام کرنا چاہتا ہے لیکن بے وقوف ہے تو تم اسے کوئی چیز بنا دو اور اس کی مدد کرو تاکہ اسے روزی حاصل ہو جائے یہ بھی صدقہ ہے۔

"قلت: فإن لم أعمل؟ قال تدع الناس" میں نے کہا اگر یہ بھی نہ کر سکوں؟ تو فرمایا کم از کم ایسا کرو کہ لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھو۔ لوگوں کو شر سے محفوظ رکھنے کا معنی یہ ہے کہ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچو۔

آداب معاشرت کا لحاظ بہت ضروری ہے

آداب معاشرت کی اصل یہ ہے کہ اپنی ذات سے کسی کو اپنی تکلیف نہ پہنچے نہ جسمانی، نہ ذہنی اور نہ

۳ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون الایمان باللہ تعالیٰ الفصل الاعمال، رقم ۱۹، وسنن النسائی،

کتاب الجهاد، باب ما یعدل الجهاد فی سبیل اللہ عروجل، رقم ۳۰۷۸، وسنن ابن ماجہ، کتاب الأحکام، باب

العتق، رقم ۲۵۱۳، ومسند احمد، مسند الأنصار، باب حدیث ابی ذر الفزاری، رقم ۲۰۳۶۸، ۲۰۳۷۶،

۲۰۵۲۳، وسنن الدارمی، کتاب الرقاق، رقم ۲۶۲۱.

نفسیاتی۔ کسی بھی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

یہ دین کا وہ باب ہے جس کو دین کا حصہ ہی نہیں سمجھا جاتا، اپنے زعم میں کچھ رسمیں بنائی ہوئی ہیں، ان رسموں کی پابندی کو ضروری سمجھ لیا ہے۔ احکام شریعت اور آداب شریعت سے ناواقف ہو گئے ہیں اور خاص طور پر ہمارے طبقوں میں تو یہ بات زیادہ ہو گئی ہے (اللہ بچائے) معاشرت کے احکام، دوسروں کو تکلیف سے بچانے کی فکر بالکل ختم ہو گئی ہے۔

موقعہ دیکھ کر مصافحہ کرنا چاہئے

ابھی کل میں جارہا تھا، صحاح ستہ جو کسی نے ایک جلد میں شائع کی ہے بڑی اچھی کتاب ہے۔ یہ اتنی موٹی سی کتاب میرے ایک ہاتھ میں تھی، دوسرے ہاتھ میں دوسری کتاب تھی۔

ایک صاحب آئے اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھادیئے۔ اب ان سے مصافحہ کرنے کا راستہ یہ تھا کہ یا تو کتابوں کو نیچے پھینک دوں اور پھر ان سے مصافحہ کروں یا کسی طرح کتابوں کو سر پر رکھوں پھر مصافحہ کروں۔ مصافحہ کرنے کا کوئی اور راستہ نہیں تھا اور انہوں نے مستقل ہاتھ بڑھایا ہوا ہے۔

میں نے کہا، میں تم سے کیسے مصافحہ کروں؟ انہوں نے کہا جی آپ سے مصافحہ کرنے کی خواہش ہے۔ تو مصافحہ کرنے کی خواہش اتنی زبردست ہے کہ اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ مصافحہ کا وقت ہے یا نہیں؟ موقعہ ہے یا نہیں؟ لیکن مصافحہ کرنا ہے۔ اب میں نے اس کی خواہش پوری کرنے کی خاطر کسی طرح اس کتاب کو بغل میں دبایا اور مصافحہ کیا، جب اس سے جان چھوٹی۔

ابھی آگے چلا تھا کہ دوسرا آ گیا اور ہاتھ بڑھایا ہمارے دماغ سے یہ بات نکل گئی ہے کہ آداب کیا ہیں؟

شریعت کے احکام کیا ہیں؟

مصافحہ کرنے اور سلام کرنے کی بے شک فضیلت ہے لیکن اس کے بھی کچھ آداب ہیں، اس کا بھی کچھ وقت ہے۔ کوئی راستہ میں جارہا ہے اور کسی کام کی وجہ سے جلدی میں ہے، آپ آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کریں تو یہ سب باتیں آداب کے خلاف ہیں اور یہ سب کچھ اس لئے ہیں کہ معاشرت کے احکام کو دین سے خارج سمجھ لیا ہے جو بہت ہی افسوس ناک بات ہے۔

تو "مدع الناس من الشر" کہ لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھو۔ شر کا مطلب یہی ہے کہ لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

(۴) باب إذا اعتق عبدا بین النین أو أمة بین الشركاء

۲۵۲۱۔ حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا سفیان، عن عمرو، عن سالم، عن أبیہ

عن النبی ﷺ قال: ((من أعتق عبداً بین النینین لئان کان موسراً أقوم علیه ثم یعتق))۔ [راجع: ۲۳۹۱] ع

یہ حدیث مختلف طریقوں سے پہلے بھی کئی ابواب میں آئی ہے۔ خاص طور سے شرکت کے باب میں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے۔ اور دونوں اس کے مساوی مالک ہیں۔ ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو دوسرے آدمی کا کیا بنے گا، اس میں فقہاء کا کافی لہذا چوڑا اختلاف ہے۔ علامہ یعنی رحمہ اللہ نے اس میں بہت سارے مذاہب بیان کئے ہیں لیکن مشہور مذاہب تین ہیں:

عبد مشترک کو آزاد کرنے کے بارے میں اختلاف ائمہ

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے آزاد کیا یعنی معتق کو دیکھا جائے گا کہ وہ مالدار ہے یا تنگ دست ہے۔

۱۔ اگر وہ مالدار ہے تو دوسرے شریک کو تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔
۱۔ وہ بھی اپنا حصہ آزاد کرے جس طرح اس نے ثواب کمایا یہ بھی ثواب کمالے۔

۲۔ یا اس شریک کو اپنے حصے کا ضامن قرار دے یعنی یہ کہے کہ تم نے ادھا آزاد کر دیا لیکن ادھا آزاد نہیں ہوتا بلکہ پورا ہی آزاد ہوگا، لہذا تم نے میرا حصہ بھی ضائع کر دیا۔ مجھے اپنے حصے کی ملکیت سے محروم کر دیا، اس لئے اس کا ضمان ادا کرو، میرے حصے کی قیمت ادا کرو۔ اگر وہ غلام ایک ہزار کا تھا تو پانچ سو روپے ضمان کے طور پر مجھے ادا کرو۔

۳۔ اور تیسری شکل یہ ہے کہ وہ عبد سے سچا یہ کرائے کہ تم جا کر محنت مزدوری کرو اور پیسے کماؤ اور مجھے میرے حصے کی قیمت لا کرو۔ جب وہ لا کر دیدے گا تو مکمل طور پر آزاد ہو جائے گا۔

۱۔ ولی صحیح مسلم، کتاب العتق، رقم: ۳۷۵۸، و کتاب الایمان، باب من أعتق شركاً له في عبد، رقم: ۳۱۳۷-۳۱۵۱، وسنن
الترمذی، کتاب الأحکام عن رسول اللہ، باب ما جاء في العبد يکون بين الرجلین فیعتق احدهما، رقم: ۱۲۶۶، وسنن النسائی، کتاب
البیوع، باب اشركة بغير مال، رقم: ۳۶۱۹، ۳۶۲۰، وسنن ابی داود، کتاب العتق، باب لیمن روی انه لا یتسمی، رقم: ۳۳۳۵،
وسنن ابن ماجه، کتاب الأحکام، باب من أعتق شركاً له في عبد، رقم: ۲۵۱۹، وسنن احمد، مسند العشرة المبشرین بالجنة، رقم:
۳۷۱۳، مسند المکثرین من الصحابة باب مسند عبد اللہ بن عمر الخطاب، رقم: ۳۲۱۹، ۳۳۶۱، ۳۳۰۶، ۳۲۶۶، ۳۹۰۳،
۵۲۱۷، ۵۵۵۸، ۵۶۵۰، ۵۷۶۵، و موطا مالک، کتاب العتق والولاء، باب من أعتق شركاً له في مملوک، رقم: ۱۲۶۳

یہ اس وقت ہے جب معتق موسر یعنی مالدار ہو۔ اگر معتق معسر ہو تو پھر رمضان عائد نہیں ہوتا کیونکہ بے چارہ خود تنگ دست ہے، وہ ضمان کہاں سے دے گا۔ باقی دونوں کاموں میں سے ایک کام کرے یا خود بھی آزاد کر دے یا پھر غلام سے سعایہ کرائے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔^۷

صاحبین رحمہم اللہ کا مسلک

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ موسر ہے تب تو ایک ہی صورت متعین ہے کہ اس پر ضمان عائد کرے۔

اور اگر معسر ہے تو ایک ہی صورت متعین ہے کہ سعی کرائے یعنی امام صاحب نے تو کہا تھا کہ اگر چاہے تو یہ بھی اپنا حصہ آزاد کر لے لیکن صاحبین کہتے ہیں کہ یہ آزاد نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ جب شریک نے آدھا حصہ آزاد کر دیا تو خود بخود پورا غلام آزاد ہو گیا کیونکہ ان کے نزدیک اعتاق تجزی کو قبول نہیں کرتا اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اعتاق تجزی کو قبول کرتا ہے، لہذا ان کے نزدیک آدھا اعتاق ہوا اور آدھا نہیں ہوا جس کی وجہ سے وہ اعتاق کر سکتا ہے اور صاحبین کے نزدیک چونکہ اعتاق تجزی کو قبول نہیں کرتا اس لئے جو ہی ایک نے آزاد کیا وہ پورا آزاد ہو گیا۔ جب پورا آزاد ہو گیا تو اب دوسرا آزاد نہیں کرے گا بلکہ وہی راستے ہیں اگر موسر ہے تو اس کو ضامن بنائے اور اگر معسر ہے تو غلام سے سعی کرائے۔^۸

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک

تیسرا مسلک امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ سعی کسی صورت میں نہیں ہے۔ اگر موسر ہے تو اس صورت میں ضامن بنائے گا جیسے صاحبین کہتے ہیں اور اگر معسر ہے تو اس صورت میں غلام آدھا غلام رہے گا اور آدھا آزاد رہے گا۔

۷ وانما ابوحنیفۃ فیانہ کان یقول : إذا کان المعتق موسراً فالشریک بالخیار ، إن شاء أعتق والولاء بینہما نصفان ، وإن شاء استسعى العبد فی نصف القیمۃ ، فإذا أدها والولاء بینہما نصفان ، وإن شاء ضمن المعتق نصف القیمۃ فإذا أدها عتق ورجع بہا المضمن علی العبد فاستسعه فیہا ، وإن کان الولاء للمعتق ، وإن کان المعتق معسراً فالشریک بالخیار إن شاء أعتق وإن شاء استسعى العبد فی نصف قیمته ، فأیہما فعل فالولاء بیہما نصفان . عمدة القاری ، ج ۹ ، ص ۳۱۸ ، ولبیض الباری ، ج ۳ ، ص ۳۳۸ ، وتکملة فتح الملہم ، ج ۱ ، ص ۲۷۳ .

۸ وعدہ ابی یوسف ومحمد : یرعی العبد فی نصیب شریکہ الذی لم یعتق إذا کان معسراً ، ولا یرجع علی العبد بشئ ، عمدة القاری ، ج ۹ ، ص ۳۱۸ ، ولبیض الباری ، ج ۳ ، ص ۳۳۹ ، وتکملة فتح الملہم ، ج ۱ ، ص ۲۷۳ .

ایک دن تو آرام کرے گا کہ میں آزاد ہوں اور دوسرے دن اس کی خدمت کرے گا تو ”یعشق یوما ویخدم یوما“ کے نزدیک سعی کسی طرح بھی نہیں ہے۔

اختلاف کی دوسری تعبیر

اس اختلاف کو اس طرح بھی تعبیر کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتاق علی الاطلاق تجزی کو قبول کرتا ہے۔ صاحبین کے نزدیک علی الاطلاق تجزی کو قبول نہیں کرتا اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ سیر کی صورت میں تجزی کو قبول نہیں کرتا۔

غلام فہمی کا ازالہ

لیکن اس مسئلہ میں ایک غلط فہمی ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ امام ابوحنیفہؒ رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ کے درمیان جو اختلاف ہے کہ اعتاق تجزی قبول کرتا ہے یا نہیں۔ امام صاحبؒ کہتے ہیں کہ اعتاق تجزی کو قبول کرتا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کے نزدیک کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ آدھا غلام آزاد ہو اور آدھا آزاد نہ ہو بلکہ جب بھی غلام آزاد ہوگا تو پورا آزاد ہوگا۔

اور صاحبینؒ جو کہتے ہیں کہ وہ اعتاق تجزی کو قبول کرتا اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ جب بھی غلام آزاد ہوگا تو پورا آزاد ہوگا۔

امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کے قول میں فرق

دونوں میں باریک سا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ رحمہ اللہ کے نزدیک اعتاق تجزی کو قبول کرتا ہے، لہذا اگر ایک شریک نے غلام آزاد کیا ہے تو ابھی غلام آزاد ہوا ہی نہیں، مکمل غلام ہے، البتہ جس نے آزاد کیا تھا اس کی ملکیت ختم ہوگئی۔ اعتاق کے تجزی قبول کرنے کے یہ معنی ہیں کہ آدھا اعتاق ہو گیا اور آدھا نہیں ہوا لیکن جہاں تک عتق کا تعلق ہے تو عتق ابھی ہوا ہی نہیں۔ عتق اس وقت ہوگا جب معتق ضمان دیدے یا غلام سعی کرے

یہ وہی الحدیث احتج الشافعی واحمد واسحاق وقالوا: إذا كان العبد بين النین فاعتقه أحدھما لوم علیہ حصۃ شریکہ، ويعتق العبد كله ولا یجب الضمان علیہ إلا إذا كان موسرا، وتقریر مذهب الشافعی ما قاله فی الحدید: إنه إذا كان الممتع لخصته من العبد موسرا عتق جميعه حين اعتقه، وهو حر من یومئذیرث ویورث عنه، وله ولاؤہ ولا سبیل للشریک علی العبد، وعلیہ لیمۃ نصیب شریکہ، كما لو قتلہ، فإن كان معسرا فالشریک علی ملکہ یقاسمه كسبه أو یخدمه یوما ینخلی لنفسه یوما، ولا مسعا یعلیہ لظاهر الحدیث. (عمدة القاری، ج: ۹، ص: ۳۱۸، و فیض الباری، ج: ۳، ص: ۳۵۰، و تکملة فتح الملهم، ج: ۱، ص: ۲۷۳-۲۷۵).

یاد دوسرا شریک بھی آزاد کر دے۔^۵

اور صاحبین کے نزدیک تجزی قبول نہ کرنے کے معنی یہ ہیں وہ عتق بھی تجزی قبول نہیں کرتا اور اعتاق بھی تجزی قبول نہیں کرتا، لہذا جب ایک مرتبہ آدمی نے آزاد کیا تو اسی وقت پورا آزاد ہو گیا اور دوسرے کو یہ حق حاصل ہے کہ یا تو وہ ضمان دے یا سستی کرائے۔^۶

مختلف حدیثیں آرہی ہیں، ان میں اگر آپ دیکھیں تو زیادہ تر امام ابوحنیفہ کی تائید ملے گی۔ اس واسطے کہ جگہ جگہ سعایہ کا ذکر ہے اور امام شافعی سعایہ کے قائل نہیں۔

بعض شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ جہاں "سعایہ" کا لفظ آیا ہے اس سے مراد "ضمان دینا" ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد خدمت لینا ہے، آدھا دن خدمت لینا لیکن یہ تاویلات بالکل بعید ہیں اور الفاظ حدیث اس کی تردید کرتے ہیں۔

۲۵۲۲۔ حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال: أخبرنا مالک، عن نافع، عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما: أن رسول اللہ ﷺ قال: ((من أعتق شركا له في عبد فكان له مال يبلغ ثمن العبد قوم العبد عليه قيمة عدل فأعطى شركاءه حصصهم وعتق عليه العبد، وإلا فقد عتق منه ما عتق)). [راجع: ۲۳۹۱]

"لقد عتق منه ما عتق" امام شافعی رحمہ اللہ اس سے استدلال کرتے ہیں اور اس کا دوسرا حصہ لائے ہیں۔ "ورق منه مارق" کہ آدھا آزاد ہو گیا، آدھا باقی رہا۔^۷

لیکن حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ دوسری حدیث میں اس کی صراحت آئی ہے کہ "عتق منه ما عتق" کے معنی ہیں جتنا آزاد ہو گیا تو ہو گیا باقی میں سعایہ کرے جیسا کہ اگلی حدیثوں میں آرہا ہے۔

۲۵۲۳۔ حدثنا عبد بن إسماعيل، عن أبي أسامة، عن عبيد اللہ، عن نافع، عن ابن عمرو رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ: ((من أعتق شركا له في مملوك فعليه عتقه

۵ وحاصل مذهب اہی حنیفہ: انه یرى بتجزی العتق، وأن یسار الممتق لا یمنع السعایة، واجتبع ابوحنیفہ فیما ذهب الیه بما رواه البخاری عن عبد اللہ بن یوسف عن مالک عن نافع عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، علی ما یجوز عقباً الحدیث المذكور، وبما رواه البخاری ایضاً بإسنادہ عن ابي هريرة علی ما یجوز بعد هذا الباب، فإنهما یدلان علی تجزی الاعتاق وعلی ثبوت السعایة ایضاً، (عمدة القاری، ج ۹، ص ۳۱۸).

۶ والفصل عندی أن مذهب الصحابین أقرب بإعتبار النطق، ومذهب الإمام أقرب بحسب التفقه، وأما مذهب الشافعی، فبعید عن النطق، وبعید عن التفقه، ولذا لم یختره البخاری، ووافق الإمام الأعظم الخ. (فیض الباری، ج ۳، ص ۳۵۱).

۷ عمدة القاری، ج ۹، ص ۳۱۹.

كله إن كان له مال يبلغ ثمنه، فإن لم يكن له مال يقوم عليه قيمة عدل على المعتق فأعتق منه ما أعتق)). [راجع: ۲۳۹۱]

حدثنا مسدد: حدثنا بشر، عن عبيد الله اختصره.

۲۵۲۳۔ حدثنا أبو النعمان: حدثنا حماد، عن أيوب، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي ﷺ قال: ((من أعتق نصيباً له في مملوك أو شركاً له في عبد فكان له من المال ما يبلغ قيمته بقيمة العدل فهو عتق)). قال نافع: وإلا فقد عتق منه ما أعتق. قال أيوب: لا أدرى أشي فإله نافع، أو شيء في الحديث.

یہاں خود امام بخاری کہتے ہیں کہ نافع نے کہا "وإلا فقد عتق ما عتق" ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ مجھے پتہ نہیں کہ "فقد عتق منه ما حق"؛ یہ نافع نے اپنی طرف سے کہا یا حدیث کا مرفوع حصہ ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ "فقد عتق منه ما عتق" کا رسول کریم ﷺ کی طرف منسوب ہونا یقینی نہیں، مشکوک ہے۔

(۵) باب إذا عتق نصيباً في عبد وليس له مال استسعى العبد

غير مشقوق عليه نحو الكتابة

۲۵۲۶۔ حدثني أحمد بن أبي رجا، حدثنا يحيى بن آدم: حدثنا جرير بن أبي حازم قال: سمعت قتادة قال: حدثني النضر بن انس بن مالك، عن بشير بن نهيك، عن أبي هريرة ؓ قال: قال النبي ﷺ: ((من أعتق شقيصاً من عبد.....)). [راجع: ۲۳۹۲].

۲۵۲۷۔ وحدثنا مسدد: حدثنا يزيد بن زريع: حدثنا سعيد، عن قتادة، عن النضر بن أنس، عن بشير بن نهيك، عن أبي هريرة ؓ: أن النبي ﷺ قال: ((من أعتق نصيباً أو شقيصاً في مملوك فخلصه عليه في ماله إن كان له مال، وإلا قوم عليه فاستسعى به غير مشقوق عليه)). [راجع: ۲۳۹۲].

"تابعه حجاج بن حجاج وأبان وموسى بن خلف عن قتادة، اختصره شعبة".
دیکھیں یہاں حدیث میں بغایا کا ذکر ہے۔

(۶) باب الخطأ والنسيان في العتاقة والطلاق ونحوه،

ولا عتاقة إلا لوجه الله تعالى

"وقال النبي ﷺ: ((كل امرئ ما نوى))، ولا نية للناسي والمخطئ".

یہاں یہ اس باب کا منشاء یہ ہے کہ امام بخاریؒ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر کسی کے منہ سے خطاً یا نسیاناً اعتقاق یا طلاق کے الفاظ نکل جائیں تو ان سے اعتقاق یا طلاق منعقد نہیں ہوگی۔

اگر کسی کے منہ سے خطاً طلاق کا لفظ نکل گیا تو اس سے طلاق واقع ہونی نہیں چاہئے یا خطاً اعتقاق کا لفظ نکل گیا تو اس سے عتق نہیں متحقق ہونا چاہئے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے اس امت سے خطا اور نسیان کو مرتفع قرار دیا ہے۔ نسیان کی حد تک تو حنفیہ بھی امام بخاریؒ کے ساتھ ہیں اس معنی میں کہ بعض جگہ حنفیہ نے نسیان کو معتبر مانا ہے یعنی نسیان سے کوئی حکم ثابت نہیں کیا جیسے نسیاناً اگر کوئی روزے میں کھالے تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور طلاق اور اعتقاق میں نسیان کا کوئی تصور نہیں ہے، بھول کر طلاق کیسے دے گا؟ یا بھول کر اعتقاق کیسے کرے گا؟

اگر خطاً بھی طلاق دے تو طلاق ہو جائے گی

خطاً میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر خطاً بھی طلاق دے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور خطاً بھی اگر زبان سے اعتقاق کا لفظ نکال دے تو اعتقاق ہو جائے گا۔

چنانچہ ہمارے فقہاء نے مسئلہ لکھا ہے کہ الحمد للہ کہنا چاہتا تھا اور منہ سے ”انت طالق“ نکل گیا۔ کہتے ہیں کہ پھر بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔

”ثَلَاثُ جِدْهِن جِدْ وَهَزَلْنَهِن جِدْ“

حنفیہ نے اس بارے میں اس حدیث کو مدار بنا لیا ہے جس میں کہا گیا ہے ”ثَلَاثُ جِدْهِن جِدْ وَهَزَلْنَهِن جِدْ النِّكَاحِ، وَالطَّلَاقِ وَالرَّجْعِ“۔

اس میں چونکہ مذاق کو بھی جد قرار دیا گیا اور مذاق کے معنی یہ ہیں کہ ایقاع مقصود نہیں تھا لیکن تلفظ کر لیا تو اس کو معتبر مانا ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ خطا میں بھی یہی ہوتا ہے کہ ایقاع مقصود نہیں؟ لیکن تلفظ ہو گیا، اس لئے طلاق واقع ہو جائے گی۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”وَلَا عَسَاةَ إِلَّا لِرُوحِهِ اللَّهُ تَعَالَى“ کہ اعتقاق تو وہی معتبر ہے جو اللہ کی رضا کے لئے ہو اور اللہ کی رضا کے لئے اسی وقت ہوگا جب آدمی جان بوجھ کر کرے۔ اگر خطاً کر لیا تو وہ اعتقاق لوجہ اللہ نہ ہو، جب وجہ اللہ نہ ہو تو اس کے اثرات بھی مرتب نہیں ہوں گے۔

آگے حدیث پیش کر رہے ہیں ”لِكُلِّ امْرِيٍّ مَالُوِيٌّ“ کہ نیت کا اعتبار ہے، اس لئے وہ کہتے ہیں جب طلاق دینے کی نیت نہیں ہوگی تو طلاق واقع نہیں ہوگی، لہذا محض خطاً طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لیکن یہ استدلال بڑا کمزور ہے، اس لئے کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خطاً نہیں بلکہ عمداً تلفظ بالطلاق الصریح کرے، پھر بھی بغیر نیت معتبر نہ ہو حالانکہ طلاق صریح کا معتبر ہونا چاہئے نیت ہو یا نہ ہو، اس پر فقہاء کا اجماع ہے، لہذا یہ استدلال بڑا کمزور ہے۔

۲۵۲۸۔ حدثنا الحمیدی: حدثنا سفیان: حدثنا مسعر، عن قتادة، عن زرارة بن اوفی، عن ابي هريرة ؓ، قال: قال النبي ﷺ: ((ان الله تجاوز لي عن امتي ما وسوست به صدورها ما لم تعمل او تكلم)). [النظر: ۵۲۶۹، ۶۶۶۳]۔
یہ حدیث خود اس پر دلالت کر رہی ہے کہ اگر تکلم ہو گیا تو پھر اس پر احکام جاری ہو جاتے ہیں۔ محض وسوسے سے کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا، لیکن جب زبان سے تکلم ہو گیا تو پھر احکام جاری ہوں گے۔
”ما لم تعمل او تكلم“ تو اگر تکلم ہو گیا چاہے خطاً ہی سہی تو حنفیہ کہتے ہیں کہ طلاق واقع ہو جائے گی، اگرچہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کاش! حنفیہ ایسا نہ کہتے اور خطاء کے باب میں اتنی شدت نہ کرتے۔^۱

(۷) باب إذا قال لعبدہ: هو لله، ونوی العتق، والإشهاد بالعتق

۲۵۳۰۔ حدثنا محمد بن عبد الله بن لمير، عن محمد بن بشر، عن إسماعيل بن قيس، عن ابي هريرة ؓ: أنه لما قبل يورث الإسلام ومعه غلامه ضل كل واحد منهما من صاحبه فاقبل بعد ذلك وأبو هريرة جالس مع النبي ﷺ فقال النبي ﷺ: ((يا أبا هريرة، هذا غلامك قد أتاك)). فقال: أمانني أشهدك أنه حر، قال فهو حين يقول:
بالينة من طولها وعنايتها
على أنها من دائرة الكفر نجت
[النظر: ۲۵۳۱، ۲۵۳۲، ۳۳۹۳]۔^۲

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تکاروز اللہ عن حدیث النفس والخواطر بالقلب اذا لم تستقر، رقم: ۱۸۱، وسنن الصرمذی، کتاب الطلاق واللعان عن رسول اللہ، باب ما جاء فیمن یحدث نفسه بطلاق امرائه، رقم: ۱۱۰۳، وسنن النسائی، کتاب الطلاق، باب من طلق فی نفسه، رقم: ۳۳۷۹، ۳۳۸۱، وسنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی ومروسة بالطلاق، رقم: ۱۸۸۸، سنن ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب من طلق فی نفسه ولم يتكلم به، رقم: ۲۰۳۰، ومسند احمد، بابی مسند المکثرین، باب بابی المسند السابق، رقم: ۸۷۳۵، ۹۱۳۳، ۹۷۵۲، ۹۸۳۸، ۹۹۶۸۔

۲۔ نظر: فی فیض الباری، ج: ۳، ص: ۳۵۳، باب الخطا والنسيان فی العتاقة۔

۳۔ مسند احمد، بابی مسند المکثرین، باب مسند ابي هريرة، رقم: ۷۵۰۹۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب اپنے قبیلے سے اسلام کے ارادے سے چلے تھے تو ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا۔ ”ضل کل واحد منهما من صاحبه“ راستے میں ایک دوسرے سے پھٹ گئے۔ غلام کہیں اور چلا گیا اور یہ کہیں اور چلے گئے۔

”فأقبل بعد ذلك“ بعد میں وہ غلام آیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔
 ”فقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم یا اباہریرة“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہ! یہ تمہارا غلام آ گیا ہے جو پھٹا ہوا تھا۔ ”فقال اما انی“ کہا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس کو آزاد کر دیا ہے۔
 ”قال لہو حین یقول“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت یہ شعر پڑھ رہے تھے:

یا لیلۃ من طولها وعنائها علی انہا من دارۃ الکفر نجت

کہ وہ کیسی رات تھی اپنی لمبائی اور مشقت کی وجہ سے جو انہوں نے حالت کفر میں اسلام کی طرف آنے میں گزاری، وہ بڑی مشقت والی رات تھی اور اس میں یہ مشکل بھی پیش آ گئی کہ غلام گم ہو گیا۔ ”علی انہا من دارۃ الکفر نجت“ لیکن اس نے مجھے کفر کے گھر سے نجات عطا کر دی۔

مطلب یہ ہے کہ مشقت تو اٹھائی لیکن اس کا نتیجہ بہت اچھا ملا کہ دارالکفر سے نجات حاصل کر کے دارالاسلام میں پہنچ گئے۔ تو مطلب یہ ہے کہ اللہ نے نعمت عطا فرمائی ہے تو میں اس غلام کو آزاد کرتا ہوں۔

(۸) باب أم الولد

قال أبو ہریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ((من اشراط الساعة أن تلد الأمة ربها)).

اس باب میں امام بخاری نے جمہور سے تفرداً اختیار کیا ہے کہ ان کے نزدیک ام ولد کی بیچ جائز ہے۔
 ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ جب ایک مرتبہ جاریہ ام ولد بن گئی، اب اس کی بیچ نہیں ہو سکتی۔
 مدبر کے بارے میں اختلاف ہے جو آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ شافیہ کے نزدیک مدبر کی بیچ ہو سکتی ہے، حنفیہ کے نزدیک نہیں ہو سکتی لیکن ام ولد کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں، سب کے نزدیک ام ولد کی بیچ جائز نہیں۔
 امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ام ولد کی بیچ جائز ہے، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے بظاہر تفرداً اختیار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ام ولد کی بیچ بھی جائز ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال

امام بخاری نے اس سے استدلال کیا ہے کہ ”من اشراط الساعة أن تلد الأمة ربها“ کتاب الایمان میں یہ حدیث گزری ہے کہ کنیز اپنے سید کو جنے گی۔ وہ کہتے ہیں کہ کنیز اپنے سید کو جنے گی اس کا معنی یہ ہے کہ کنیز کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو وہ ام ولد بن گئی۔ اس کے بعد اس کنیز کی بیچ ہوتی رہی۔ مختلف افراد خریدتے رہے

یہاں تک کہ بالآخر تاوانستگی میں اس کنیز کو اس کے بیٹے نے ہی خرید لیا تو یہ ہوا "تولد الامتربہا"۔
کہتے ہیں کہ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب ام ولد کی بیع جائز ہو۔ اگر بیع جائز نہ ہوتی تو پھر بالآخر یہ
کنیز اپنے بیٹے یا بیٹی کی طرف منتقل نہ ہوتی۔

جمہور کے ہاں ام ولد کا حکم

جمہور کہتے ہیں کہ ام ولد کی بیع جائز نہیں۔

امام بخاری کی دلیل کا جواب

جمہور کہتے ہیں کہ یہ تو گویا اس معاملہ ہے کہ علامات قیامت بیان ہو رہی ہیں، اس میں جائز و ناجائز
حلال و حرام کی کوئی تحقیق نہیں ہوگی۔

مگر باغرض یہی صورت سمجھی جائے جو امام بخاری نے بیان کی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ علامات قیامت
میں سے سے کہ مولد کی بیعت ہوئے۔ لگے گی اور بیع کے نتیجے میں وہ اپنے بیٹے یا بیٹی کی ملکیت میں آجائے گی۔ تو یہ
بیعت کے بعد پر اس وقت تک کہ اس کے عدم جواز کو بیان کیا جا رہا ہے کہ لوگوں میں حلال و حرام کا فرق
..... ہوا۔ یہاں تک کہ اور اپنی ماں کی مالک بن جائے گی۔ اس سے ام ولد کی بیعت پر استدلال نہیں ہو سکتا
اور سچی بات یہ ہے کہ یہ تو علامات قیامت کا بیان ہے۔ علامات قیامت میں سے بہت سی باتیں حلال ہو رہی ہیں
اور بہت سی حرام ہو رہی ہیں۔

اور یہ گزر چکا ہے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اول دن فرمان ہو جائے گی اور ماں کے ساتھ ایسا
سلوک کرے گی جیسا کہ آقا اپنے غلام کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ اس کا زیادہ واضح مفہوم ہے، لہذا اس سے ام ولد کی
بیعت پر استدلال کرنا کمزور ہے۔

۲۵۳۳۔ حدثنا أبو الیمان..... وکالت سودة زوج النبی ﷺ. [راجع: ۲۰۵۳].

یہ وہی واقعہ ہے جو کئی مرتبہ گزر چکا ہے، اس کی تفصیل "کتاب الطلاق" میں آئے گی۔ یہاں امام بخاری رحمۃ
اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ مذکورہ کی جارہی تھی۔ ذمہ کا انتقال ہو گیا اس کے باوجود اس پر ولیدہ کے لڑکے کا اطلاق کیا گیا۔
معلوم ہوا کہ ام ولد کے مولیٰ کے مرنے کے بعد ضروری نہیں ہے کہ وہ آزاد ہی ہو جائے بلکہ اس کی
بیعت بھی جائز ہوگی۔

۱۴ والذی یترشح منه أن بیع أم الولد جائز عند المصنف کبیع المدبر عند الشافعی، قلت: أما بیع أم الولد، فلم
یذهب إليه أحد من الفقهاء الا زبعة الخ. (فیض الباری، ج ۳، ص ۳۵۷، وعمدة القاری، ج ۹، ص: ۳۳۱)

لیکن یہ استدلال بڑا کمزور ہے، اس میں آزادی اور غلامی کا کوئی ذکر نہیں ہے، صرف یہ ہے کہ ولیدہ زمعد اس کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ لہذا اس سے ام ولد کی بیچ کے جواز پر استدلال درست نہیں۔

(۱۰) باب بیع الولاء و ہبتہ

۲۵۳۵۔ حدثنا أبو الولید: حدثنا شعبۃ قال: أخبرني عبد الله بن دينار قال: سمعت ابن

عمر رضي الله عنهما يقول: نهى النبي ﷺ عن بيع الولاء وعن هبته. [أنظر: ۶۷۵۶] ۱۵
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ولاء کی بیچ اور اس کے ہبہ سے منع فرمایا۔

عقد موالاة کی تعریف

”ولاء“ یہ ایک رشتہ ہوتا ہے جو معتق اور معتق کے درمیان قائم ہو جاتا ہے جس کو ولاء عتاقہ کہتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ”آخر العصباء مولی العتاق آخر العصباء“ بن جاتا ہے اگرچہ اس کے دوسرے عصباء نہ ہوں تو یہ اس کا عصبہ ہو کر وارث ہوتا ہے۔

ایک اور ولاء ابتداء اسلام میں ولواء الموالاة کے نام سے ہوا کرتی تھی، یعنی جب کوئی مسلمان ہوتا اور اس کے قبیلے کے لوگ وہاں نہ ہوتے تو وہ کسی کے ساتھ ولواء الموالاة قائم کر لیتا تھا کہ اگر مجھ سے کوئی جنایت ہوئی تو تم دیت ادا کرنا اور میں مر گیا تو تم میرے وارث ہو گے۔

یہ ولواء الموالاة وہی رشتہ ہوتا تھا جو ذوی الارحام کے بعد حصہ پاتا تھا۔ دونوں میں میراث کا یہ فرق ہے کہ ولواء عتاق آخر العصباء ہوتا ہے، ذوی الارحام پر مقدم ہوتا ہے اور ولواء الموالاة ذوی الارحام سے مؤخر ہوتا ہے۔

بہر حال یہ ایک رشتہ ہے اور اس سے ایک حق قائم ہوتا ہے کہ غلام اپنے مولیٰ کا وارث بنے۔ تو جاہلیت

۱۵۔ ولسی تصحیح مسلم، کتاب العتق، رقم: ۲۶۷۰، وسنن العرمذی، کتاب البیوع عن رسول اللہ، باب ماجاء فی گمراہیۃ بیع الولاء و ہبتہ، رقم: ۱۱۵۷، وکتاب الموالاة والہبۃ عن رسول اللہ، باب ماجاء فی النهی عن بیع الاولیاء و ہبتہ، رقم: ۲۰۵۲، وسنن الترمذی، کتاب البیوع، باب بیع الولاء، رقم: ۳۵۷۸، وسنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، رقم: ۲۵۳۰، وسنن ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب النهی عن بیع الولاء وعن ہبتہ، رقم: ۲۷۳۷، ومسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، باب مسند عبد اللہ بن عمر الخطاب، رقم: ۳۳۳۲، ۵۲۳۹، ۵۵۸۶، وموطا مالک، کتاب العتق والولاء، باب مصیر الولاء عن اہلق، رقم: ۱۲۷۹، وسنن الدارمی، کتاب البیوع، باب فی النهی عن بیع الولاء، رقم: ۲۳۵۹، وکتاب الفرائض، باب بیع الولاء، رقم: ۳۰۲۷۔

میں بعض دفعہ یہ رواج تھا کہ لوگ اپنی دوا بیچ دیتے تھے۔ کسی سے کہتے ہیں کہ مجھے جو میراث کا حق حاصل ہے وہ میں تمہیں فروخت کرتا ہوں۔ اس کو بیچ اولا کہتے ہیں تو پیسے لے کر اس کے عوض میں دوا بیچ دی کہ مجھے جو حق ملے تھے وہ تم وصول کرنا مشتری اسے وصول کرتا تھا۔

یا بعض اوقات ایک دوسرے کو بہہ کر دیتے تھے تو حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ فرمایا کہ بیچ بھی جائز نہیں اور اس کا بہہ بھی جائز نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنا میراث کا حق دوسرے کو فروخت کرنا چاہے اور یہ جائز نہیں۔

حقوق مجردہ کی خرید و فروخت

اس حدیث کی وجہ سے بعض فقہاء کرام نے یہ فرمایا ہے کہ اس سے یہ بات معوم ہوتی ہے کہ مجرد حقوق قابل بیع و شراء اور قابل انتفاع نہیں ہوتے بلکہ بیع کے لئے ضروری ہے کہ جس چیز کو بیچا جا رہا ہے وہ چیز مال ہو، محض تہا حق بیع کا محل نہیں ہوتا۔

اس حدیث کی بنا پر بیع الحقوق کے عدم جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔

لیکن ہمارے دور میں بے شمار ایسے حقوق ہیں جن کی بیع ہوتی ہے اور ان کی بیع متعارف ہے جیسے حق تالیف، جس میں مؤلف کو حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی کتب شائع کرے اور اس سے نفع کمائے۔ وہ اپنا یہ حق کسی کو فروخت کر دیتا ہے جس کو کاپی رائٹ (Copy Right) کہتے ہیں۔

یا کسی نے کوئی چیز ایجاد کی ہے اس کا حق، فروخت کر دیتا ہے یا کوئی خاص چیز اور اس کا نقشہ (Design) بنایا ہے وہ نقشہ فروخت کر دیتا ہے۔

آج کل ایمپورٹ ریسنس ہوتے ہیں کہ کسی کو باہر سے سامان درآمد کرنے کا لائسنس ملا ہے وہ آگے فروخت کر دیتا ہے۔ ایکسپورٹ لائسنس ہوتا ہے، اس کی بیع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کے بے شمار حقوق کی بیع آج کل بازار میں متعارف ہے۔ ان کے حکم کے سلسلے میں جب کتب فقہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو نظر آتا ہے کہ حقوق کی بیع سے فقہاء کرام نے منع فرمایا ہے اور اس کا بنیادی ماخذ یہ حدیث ہے۔

دوسری طرف بعض حقوق ایسے ہیں جن کی بیع کی اجازت فقہاء نے دی ہے۔ مثلاً راستے کی بیع کہ کسی شخص کو کسی راستے پر چلنے کا حق ہو اس کی بیع کی فقہاء حنفیہ میں سے بعض نے اجازت دی ہے۔

اسی طرح شرب کی بیع یعنی پپاشی کا حق اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض فقہاء نے اس کی بھی اجازت دی ہے۔ تو یہ مسئلہ کہ کون سے حقوق کی بیع جائز ہے اور کون سے حقوق کی بیع ناجائز ہے، یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ

ہے اور اس میں جو فقہاء کرام کی عبارتیں ہیں بعض اوقات ان میں تعارض معلوم ہوتا ہے کہ بعض جگہ بیع الحقوق سے بالکل منع کیا گیا ہے اور بعض جگہ خاص خاص حقوق کی بیع کی اجازت دی گئی ہے تو یہ مسئلہ کافی پیچیدہ ہے۔

اس مسئلے پر میں نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے ”بیع الحقوق المجردة“ کے عنوان سے جس میں اس مسئلے کی تحقیق کی گئی ہے۔

حقوق کی متعدد قسمیں

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حقوق کی متعدد قسمیں ہیں۔

یک حقوق وہ ہیں جو شرعی ہیں۔

دوسرے وہ حقوق ہیں جو عرفی ہیں۔

حقوق شرعیہ کی بیع جائز نہیں

جو حقوق شریعت نے دیئے ہیں اگر شریعت نہ ہوتی تو وہ حق نہ ہوتا۔ ان کی بیع جائز نہیں مثلاً میراث وشفعہ کا حق یہ سب حقوق شرعیہ ہیں۔

حقوق شرعیہ سے میری مراد وہ حقوق ہیں جن کو پیدا ہی شریعت نے کیا ہے، شریعت کے بغیر عرف میں وہ حقوق موجود نہیں تھے، ان کی بیع جائز نہیں ان میں یہ سب آجاتے ہیں۔ ولاء، میراث، شفعہ اسی طرح خیال خیرہ کہ عورت کو طلاق کا اختیار دے دیا تو اس کو طلاق کا حق حاصل ہو گیا وہ اس کو فردخت نہیں کر سکتی۔

بعض حقوق کی صلح ہو سکتی ہے

البتہ ان میں سے بعض حقوق ایسے ہیں جن میں صلح ہو سکتی ہے یعنی صاحب حق یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں اور اس کا اتنا معاوضہ لوں گا۔ مثلاً مرد کو حق وصل ہے کہ جب تک چاہے بیوی کو اپنے نکاح میں رکھے۔ وہ بیوی سے کہہ سکتا ہے کہ میں اپنے اس حق سے دستبردار ہوتا ہوں اور اتنے مال کے عوض صلح کر لیتا ہوں، تو یہ صلح ہو گیا۔ اسی طرح کسی کو قتل عمد کا قصاص لینے کا حق ہے وہ صلح کر سکتا ہے کہ میں اپنے اس حق سے دستبردار ہوتا ہوں۔ مجھے اس حق کا معاوضہ دے دو۔ تو جو حقوق قابل صلح ہیں ان کے اندر صلح ہو سکتی ہے لیکن حقوق شرعیہ میں سے کسی بھی حق کی بیع نہیں ہو سکتی۔

دوسری قسم حقوق عرفیہ

حقوق عرفیہ سے یہ مراد ہے کہ وہ حقوق ایسے نہیں ہیں جو شریعت نے پیدا کئے ہوں بلکہ عرف میں پیدا

ہوئے ہیں یعنی لوگوں کو وہ حقوق عرفاً حاصل ہو گئے ہیں۔ ان حقوق کی بھی مختلف اقسام ہیں۔

حقوق عرفیہ کی اقسام

ان میں بعض اقسام وہ ہیں جن کا تعلق کسی عین کی منفعت سے ہو، جیسے راستے پر چلنے کا حق یا پانی سیراب کرنے کا حق، ان کا تعلق حقیقت میں منفعت سے ہے اور منفعت کا تعلق کسی عین سے ہے تو ان کی بیع شرعاً جائز ہے۔ جیسے راستے کا حق دے کر اس پر عوض لے سکتے ہیں۔ اسی طرح شرب کے اندر بیع و شراء ہو سکتی ہے۔

اسی میں حق اسبقیت بھی جاتا ہے کہ کسی مباح عام جگہ پر پہلے جا کر قبضہ کر لے تو دوسروں کے مقابلے میں وہ زیادہ حقدار ہو جاتا ہے۔ جیسے ارض موات کے اندر کسی نے حجر کھری، پتھر لگا دیئے تو وہ اس کے احیاء کا بہ نسبت دوسروں کے زیادہ حقدار بن گیا۔ اس کو حق اسبقیت کہتے ہیں۔ حنفیہ کے یہاں اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں جیسے مثلاً احیاء کی حجر کا معاوضہ لینا جائز نہیں۔

لیکن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب میں اس کی اجازت ہے کہ اس کے بدلے میں معاوضہ لے لے۔ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر مسجد میں بھی کوئی شخص پہلے سے صف اول میں جا کر بیٹھ گیا تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہو گیا۔ اب اگر وہ دوسرے کے حق میں پیسے لے کر دستبردار ہو جائے تو یہ جائز ہے۔ یعنی یہ کہہ دے کہ تم مجھے اتنے پیسے دے دو، میں تمہیں یہ جگہ دینے کے لئے تیار ہوں۔ وہ کہتے ہیں یہ بھی جائز ہے۔

بعض وہ حقوق ہیں جن کا تعلق کسی عقد کے انشاء سے ہے یعنی یہ کہے کہ میں تم کو یہ حق دیتا ہوں، تم اس حق کو استعمال کر کے فلاں عقد کرو۔ اس قسم کے بہت سے حقوق ہیں جیسا کہ ابھی گزرا کہ درآمد کال سنس، یہ بھی ایسا ہی حق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں پاکستان سے سامان منگوانے کی اجازت ہے، باہر کے بیچنے والے سے شرکاء کا حقدار نے کا حق حاصل ہے تو اس کی بیع تو نہیں ہو سکتی لیکن اس کا معاوضہ ان سے بطریق صلح لیا جاسکتا ہے۔ صاحب حق یہ کہے کہ میں تمہارے حق میں اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں، تم استعمال کر لو، ایسا کرنا جائز ہے۔

اور سننِ ظہیر میں فقہاء کرام نے ذکر کیا ہے کہ "نزول عن وظائف ہمال" کہ کسی شخص کو تا زندگی حق ملازمت حاصل ہے، اب وہ دوسرے کے حق میں دستبردار ہو جاتا ہے کہ میں اپنی ملازمت سے تمہارے حق میں دستبردار ہوتا ہوں، تم کو بخش کر کے یہاں ملازمت حاصل کر لو، تو "نزول عن وظائف ہمال" فقہاء کرام نے جائز قرار دیا ہے، تو جس طرح یہ جائز ہے اس طرح وہ بھی جائز ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو حقوق شرعی نہیں ہیں ورنہ قبل انشاء میں اور ان کے انتقال میں یا تو ان کا تعلق کسی عین سے ہے یا کسی عقد کے انشاء سے ہے تو ایسے حقوق کا معاوضہ لینے کی فی الجملہ گنجائش ہے۔ لہذا اس تحقیق کی رو سے حق طباعت، کاپی رائٹ وغیرہ پر معاوضہ لینے کی گنجائش نکلتی ہے۔

پنشن کی فروخت کا مسئلہ

ہمارے زمانے میں ایک طریقہ اور معروف ہے اور وہ ہے پنشن کی فروخت۔ مثلاً ایک شخص کسی ملازمت سے ریٹائر ہوا اور ریٹائر ہونے کی وجہ سے اس کو پنشن کا حق مل جاتا ہے۔ تاہم عمر محکمے سے اپنی پنشن حاصل کرتا رہے۔ بعض اوقات وہ اپنی پنشن کسی کو فروخت کر دیتا ہے کہ میرے بجائے تم پنشن وصول کرو اور اس کے عوض مجھے اتنی رقم دے دو۔

یہ بالکل جائز نہیں ہے۔ اس میں غرر شدید ہے اور رہا ہے کیونکہ جو رقم لے گا اس کے معاوضے میں جو پنشن ملے گی، اس کی مقدار معلوم نہیں کہ کتنی ملے گی؟ کب تک ملے گی؟ جب اس کی مقدار معلوم نہیں تو غرر شدید ہے اور رہا کا بھی احتمال ہے، لہذا وہ جائز نہیں۔

البتہ بعض اوقات محکمہ جو پنشن جاری کرتا ہے اس سے صلح ہو جاتی ہے کہ میں اپنے اس حق سے دستبردار ہوتا ہوں آپ مجھے مختلف اوقات میں پیسے دینے کے بجائے اکٹھے پیسے دے دیجئے تو اس کی اجازت ہے۔ اس لئے کہ پنشن اس کا حق تھا اس نے خود اس پر صلح کر لی کہ مجھے اتنی مقدار دے دو، باقی کی بیشی معاف ہے۔ مصالحت کے حساب سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے لیکن تیسرے آدمی کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

(۱۱) باب إذا أسرا أخو الرجل أو عمه هل يفادی إذا كان مشركاً؟

”وقال أنس: قال العباس للنبی ﷺ: فادیت لفسی وفادیت عقیلاً، وکان علیہ

لصب لبی نلک الغنیمۃ النی اصاب من أخیه عقیل وعمہ عباس“

قیدی کا فدیہ

اگر کسی شخص کا بھائی یا چچا قید ہو جائے تو کیا اس کا فدیہ لیا جاسکتا ہے جبکہ وہ مشرک ہو؟

اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ایک فقہی مسئلہ میں حنفیہ کی تردید کرنا ہے۔

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی ذورحم محرم غلام کا مالک بن جائے تو مالک بنتے ہی وہ ذورحم

محرم غلام آزاد ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی اپنے باپ کو خرید لے، یا باپ بیٹے کو خرید لے، یا بھتیجا، چچا کو خرید لے تو جتنے

بھی ذورحم محرم ہیں ان میں سے کسی کو خریدتے ہی وہ غلام آزاد ہو جاتا ہے۔^{۱۸}

امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک

امام بخاری رحمہ اللہ اس مسلک کے قائل نہیں ہیں، ان کے نزدیک مطلق مالک ہونے سے آزادی متحقق

نہیں ہوتی جب تک وہ خود آزاد نہ کرے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی دلیل

اپنے مسلک پر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے۔ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ بدر میں قید ہو کر آئے تھے، بدر کے ستر قیدی تھے، ان میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہ بن ابی طالب بھی داخل تھے۔ حضرت عباس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے۔

روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دیگر قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑا، اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی فدیہ لیا گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خود اپنا فدیہ بھی ادا کیا اور عقیل بن ابی طالب کا فدیہ بھی ادا کیا۔ پھر ان کو رہائی ملی۔

امام بخاری رضی اللہ عنہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جب قید ہو کر آئے تو گویا غلام ہو گئے۔ اسی طرح عقیل رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب بھی جب قید ہو کر آئے تو وہ بھی غلام ہو گئے۔ اب یہ دونوں تمام مسلمانوں کے غلام ہو گئے۔ ان تمام مسلمانوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے کیونکہ مال غنیمت میں ان کا بھی حصہ تھا، لہذا اپنے حصے کے بقدر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملکیت بھی ثابت ہوئی۔ چاہے وہ تھوڑی ہو، تین سو تیرہ سو بدین تھے، لہذا تین سو تیرہ سو حصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تین سو تیرہ سو حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں ان کے اوپر ثابت ہو گیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ اصول درست ہوتا کہ ذر ذر محرم کے مالک ہونے سے مملوک آزاد ہو جاتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کے تین سو تیرہ سو حصے کے مالک بن گئے۔ تو پھر فدیہ لینا درست نہ ہوتا کیونکہ فدیہ تو تب لیا جائے جب وہ آزاد نہ ہوں۔ تو فدیہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو غلام قرار دیا گیا۔

معلوم ہوا کہ مجرد ذر ذر محرم کا مالک ہونے سے وہ آزاد نہیں ہوتا، یہ امام بخاری رضی اللہ عنہ کا استدلال ہے۔ فرمایا "إذا أسر أحوال الرجل أو عمه" جب کسی کا بھائی یا اس کا چچا قید ہو جائے "هل يفادي إذا كان مشركاً؟" تو کیا اس کا فدیہ ادا کیا جائے جبکہ وہ مشرک ہو یعنی غلام سمجھ کر اس کا فدیہ لیا جائے۔ "وقال انس" حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ میں نے اپنا فدیہ بھی دیا اور اپنے چچا زاد بھائی عقیل رضی اللہ عنہ کا فدیہ بھی دیا۔ یہ حدیث کتاب لصوۃ میں بھی گزر چکی ہے۔

"وكان على له نصيب في تلك الغنيمة" اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی اس مال غنیمت میں ایک

حصہ تھا، اور عقیل ؓ اور عباس ؓ کی طرف سے جو غنیمت ملی، اس میں ان کا بھی حصہ تھا، لہذا یہ مشاع طور پر حضرت عباس ؓ اور عقیل ؓ کے مالک تھے۔ اس کے باوجود ان کو آزاد نہیں قرار دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ ذر رحم محرم کے مالک ہونے سے آزادی تحقق نہیں ہوتی۔ یہ لمبا چوڑا امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے استدلال کا جواب

امام بخاری رحمہ اللہ کے اس لمبے چوڑے استدلال کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ وہاں ملکیت ثابت نہیں ہوئی تھی، اس لئے کہ ملکیت ثابت ہونے کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے۔

ایک یہ کہ امام فیصلہ کرے کہ جو قیدی ہیں ان کو رقیق بنایا جائے گا یعنی استرقاق کا فیصلہ کرے۔ پہلی بات یعنی استرقاق کا فیصلہ کرنا اس لئے ضروری ہے کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ امام کو چار اختیار ہیں:

- ۱ چاہے جنگی قیدیوں کو قتل کر دے۔
- ۲ چاہے ان کو ویسے ہی بغیر فدیہ لئے چھوڑ دے۔
- ۳ چاہے فدیہ لے کر چھوڑ دے۔
- ۴ اور چاہے غلام بنائے۔

تو پہلے امام کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ ان میں سے کون سا کام کرنا ہے، اس لئے صحابہ کرام ؓ کی محفل منعقد ہوئی۔ آپ ؐ نے ان قیدیوں کا مسئلہ رکھا۔ کسی نے کہا قتل کریں، کسی نے کہا فدیہ لے کر چھوڑ دیں تو ابھی تک استرقاق کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔

دوسرا یہ کہ غلام بنا کر لوگوں میں تقسیم کر دے کہ یہ فلاں کا ہے اور یہ فلاں کا ہے تب ملکیت ثابت ہوگی، اگر استرقاق کا فیصلہ ہو بھی جائے پھر بھی اس وقت تک ملکیت ثابت نہیں ہوتی، جب تک کہ تقسیم کا عمل نہ ہو اور یہاں تقسیم نہیں ہوئی تھی۔

لہذا یہ کہنا کہ حضور ؐ اور حضرت علی، حضرت عباس اور حضرت عقیل ؓ کے مالک بن گئے تھے۔ یہ درست نہیں، لہذا اس کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں کہ ”قال رسول اللہ ؐ ثم من ملک ذار رحم محرم فهو حر“ یہ حدیث میں صراحتاً موجود ہے۔^{۱۹}

۱۹ واحب . بان الکافر لا یملک بالغنیمۃ ابتداء ، بل یتخیر فیہ بین القتل والاسترقاق والفداء ، فلا یلزم العتق بمجرد الغنیمۃ . عمدۃ القاری ، ج ۹ ، ص : ۳۳۹ ، وتکملة فتح الملمہ ، ج ۱ ، ص : ۲۹۸ ، والمستدرک علی الصحیحین ، ج ۲ ، ص : ۲۳۳ ، وسس الترمذی ، باب ماجاء فیمن ملک ذار رحم محرم ، رقم : ۱۳۶۵ ، ج : ۳ ، ص : ۶۳۶ ، بیروت .

۲۵۳۷۔ حدثنا إسماعيل بن عبد الله: حدثنا إسماعيل بن إبراهيم بن عقبة، عن موسى بن عقبة عن ابن شهاب قال: حدثني أنس رضي الله عنه أن رجلا من الأنصار استأذنا رسول الله ﷺ فقالوا: ائذن لنا فلنترك لأبن أختنا عباس فداءه، فقال: ((لا تدعون منه درهما)). (أنظر: ۳۰۱۸، ۳۰۲۸).

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ پیشکش کی تھی کہ یا رسول اللہ ﷺ اجازت دیجئے ہم اپنے بھتیجے عباس رضی اللہ عنہ کے فدیہ کو چھوڑ دیں یعنی اور قیدیوں سے تو فدیہ وصول کر لیں لیکن عباس رضی اللہ عنہ سے فدیہ وصول نہ کریں کیونکہ انصار نے کہا تھا کہ یہ ہمارے بھانجے ہیں، بھانجے اس اعتبار سے کہ ہونجار قریش کے نضیال تھے۔ اس واسطے انہوں نے بھانجے کہا۔
”القال لا تدعون منه درهما“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک درہم بھی مت چھوڑنا۔ پورا فدیہ لو تا کہ کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رشتہ دار کی رعایت کی۔

(۱۳) باب من ملک من العرب رقیقا فوہب

وباع وجامع وفدی وسبی الذریۃ

وقول الله تعالى ﴿عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَا يُقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَمَنْ رَزَقْنَاهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا هَلْ يَسْعَوْنَ إِلَّا الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْفَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾^۱
 یہ باب عرب کے لوگوں کو غلام بنانے کے بارے میں قائم کیا ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ عربوں کو غلام بنا نا جائز ہے یا نہیں؟

عربوں کو غلام بنانے کے بارے میں اقوال

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ عرب میں جو بالغ مرد ہیں ان کو غلام نہیں بنایا جا سکتا۔^۲ ان میں تو دودی باتیں ہیں یا تو وہ اسلام لائیں یا قتل ہو جائیں ان کو غلام نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ جزیرہ عرب میں جزیرہ قبول نہیں۔ جزیرہ عرب کو اللہ تعالیٰ نے اسام اور مسلمانوں کا قلعہ بنایا ہے، لہذا اس میں ”إمّا الإسلام إمّا السیف“ جزیرہ کا ذکر نہیں، اس طرح جو گرفتار ہوں وہ یا تو اسلام لائیں یا قتل ہو جائیں استرقاق کی گنجائش نہیں لیکن یہ حکم بالغ مردوں کے لئے ہے، بچوں اور عورتوں کو غلام بنایا جا سکتا ہے۔

۲۰ ألفرد بہ البخاری. ۱ [النحل: ۷۵]

۲۲ فیض الباری، ج: ۳، ص: ۳۵۸، وفتح الباری، ج: ۵، ص: ۱۷۰.

امام شافعی اور امام بخاری رحمہما اللہ کا مسلک

امام شافعی اور امام بخاری رحمہما اللہ کا بھی مسلک ہے کہ عرب ہوں یا غنم، سب کو غلام بنانا جائز ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں ترجمۃ الباب قائم کیا ہے ”باب من ملک من العرب رقیقاً“ کہ عرب میں سے کوئی کسی غلام کا مالک ہو جائے پھر وہ کسی کو بہہ کر دے یا بیچ کرے اگر کسی کنیز کا مالک ہو اے تو اس کے ساتھ جماع کرے یا فدیہ کرے یا اس کی اولاد کو غلام بنائے، یہ سب جائز ہے۔

یہاں مختلف باتیں ذکر کی ہیں، بہہ، جماع، فدیہ، سب ان میں سے ہر ایک پر آگے ایک ایک حدیث لے کر آ رہے ہیں، کہیں عرب کو رقیق بنا کر بہہ کرنے کا ذکر ہے، کہیں بیچ کا ذکر ہے، کہیں فدیہ اور جماع کا ذکر ہے لیکن ان میں سے ہر ایک کا جواب حنفیہ کے پاس موجود ہے۔

جہاں بہہ کا ذکر ہے وہ ہوازن کا واقعہ ہے اول تو وہ بہہ ہی نہیں تھا، لیکن اگر بہہ بھی ہو تو وہاں اس بات کی تصریح ہے کہ عورتیں قید ہوئی تھیں، کوئی مرد قید نہیں ہوا تھا۔

اسی طرح آگے ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے بنو المصطلق پر حملہ کیا اور ان کے لوگوں کو ان کی ذرتوں کو قید کیا۔ اس میں بھی کہیں صراحت نہیں ہے کہ بالغ مرد قید کئے گئے، عورتوں کا ذکر آیا ہے بچوں کا ذکر آیا ہے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ان میں شامل تھیں لیکن بالغ مردوں کا ذکر نہیں ہے۔

آگے واقعہ ذکر کیا ہے کہ بنو تمیم کی ایک لڑکی حضرت عائشہ کے پاس کنیز تھی۔ آپ ﷺ نے اس کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔ یہاں پر بھی لڑکی کا ذکر ہے بالغ مرد کا ذکر موجود نہیں۔

خلاصہ یہ کہ جتنی بھی احادیث آئی ہیں ان سب میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس میں اس بات کی صراحت ہو کہ عرب کے بالغ مرد کو قید کیا گیا۔

آگے امام بخاری رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی آیت ”حُرِّبَ اللَّهُ مَلَائِدًا..... لَا يَعْلَمُونَ“ سے استدلال کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عبد مملوک کی مثال دی جو کسی چیز پر قادر نہیں اور دوسری طرف وہ ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے رزق دیا ہے۔ رزق حسن اور وہ اسے کھلے عام اور پوشیدہ طریقے سے اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے تو وہ برابر نہیں ہوتے۔ یہاں عربوں کو مثال دی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ عبد مملوک کی مثال دیتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس میں گنجی، عربی کی تفریق نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ عرب ہو یا غنم، ہر ایک کو غلام بنایا جاسکتا ہے۔

لیکن یہ استدلال بڑا کمزور ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال دی ہے کہ ایک غلام آدمی ہو تو اس

کی ملکیت میں کچھ بھی نہیں ہوتا اور آزاد ہوتا ہے تو اس کے پاس مال و دولت ہے اور وہ اس میں سے خرچ کرتا ہے، تو اس میں یہ بات کہ عرب ہے یا عجم ہے اس کا ذکر ہونے کا کوئی موقع نہیں، کوئی محل نہیں، لہذا اس سے یہ استدلال کرنا کہ عرب کے بالغ لوگ بھی غلام بن سکتے ہیں، یہ بہت ہی بعید استدلال ہے۔ ۳۲

۲۵۳۹، ۲۵۴۰۔ حدثنا..... فادیت نفسی وفادیت عقیلا. [راجع: ۲۳۰۷، ۲۳۰۸]

اس حدیث میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے فد یہ کا معاملہ دوبارہ لائے ہیں کہ وہ غلام بن گئے تھے، ان کا فد یہ دیا گیا تھا اگر غلام نہ بنتے تو فد یہ کیوں دیا جاتا؟

اس کا جواب پہلے بھی دیا جا چکا ہے کہ استرقاق کا فیصلہ نہیں ہوا تھا اور تقسیم غل میں نہیں آئی تھی۔

۲۵۴۱۔ حدثنا علی بن الحسن: أخبرنا عبد اللہ: أخبرنا ابن عون، قال: کتبت إلی

نافع لکعب إلی أن النبی ﷺ أغار علی بنی المصطلق وهم غارون وأنعامهم تسقی علی الماء فقتل مقاتلهم وسبی ذرارہم، وأصاب یومئذ جویریة، حدثنی بہ عبد اللہ ابن عمرو کان فی ذلک الجیش.

نبی کریم ﷺ نے بنو المصطلق پر حملہ کیا ”وہم غارون“ اس حالت میں کہ وہ غفلت میں تھے ”ای علی غرہ منہم“ یعنی ان کو پتہ نہیں تھا کہ ان پر کوئی حملہ آور ہونے والا ہے۔

(۱۵) باب قول النبی ﷺ: ((العبيد إخوانکم فاطعموہم مما تأکلون))،

وقول اللہ تعالیٰ: ﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالَّذِينَ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنْ اللَّهُ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا﴾ ۳۳

قال ابو عبد اللہ: ﴿ذی القربی﴾: القریب، ﴿الصاحب بالجنب﴾: الغریب.

۲۵۴۵۔ حدثنا آدم بن أبی ایاس: حدثنا شعبہ: حدثنا واصل الأحمد قال:

سمعت المعروف بن سويد قال: رأيت أباذر الغفاري رضی اللہ عنہ وعليه حلة وعلي غلامه حلة، فسألناه عن ذلك فقال: إني سأبت رجلا فشكاني إلی النبی ﷺ فقال النبی ﷺ: ((أعيرته بامه؟)) ثم قال: ((إن إخوانکم خولکم جعلهم اللہ تحت أیدیکم، فمن کان أخوه تحت یدہ فلیطعمه مما یا کل ولیلبسہ مما یلبس، ولا تکلفوہم ما یغلبہم، فإن کلفتموہم ما یغلبہم فاعینوہم))۔ [راجع: ۳۰]

”إن اخوانكم خولكم“۔ ”خول“ خدام کو کہتے ہیں یعنی خدام تمہارے بھائی ہیں۔ عبارت کا تقاضا یہ تھا کہ یوں کہا جاتا ”إن خولكم اخوانكم“ لیکن فرمایا ”إن اخوانكم خولكم“ ”اخوان“ کو مبتدا بنایا خول کو خبر بنایا، یہ اس بات کی مزید تاکید ہے کہ ان کا بھائی ہونا، ان کے خدام ہونے پر مقدم ہے۔ گویا اصلاً وہ تمہارے بھائی ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو تمہارا خدام بنایا ہے تو بظاہر یہ بتانے کے لئے کہ اخوت کا رشتہ خادمیت کے رشتے پر مقدم ہے، ”اخوانکم“ کو مقدم فرمایا ”خولکم“ مؤخر فرمایا۔

(۱۶) باب العبد إذا أحسن عبادة ربه ونصح سيده

۲۵۴۶۔ حدثنا عبد الله بن مسلمة، عن مالك، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ قال: ((العبد إذا نصح سيده وأحسن عبادة ربه كان له أجره مرتين)). [أنظر: ۲۵۵۰]. ۲۵

۲۵۴۷۔ حدثنا محمد بن كثير: أخبرنا سفيان، عن صالح، عن الشعبي، عن أبي بردة عن أبي موسى الأشعري رضي الله عنهما قال: قال النبي ﷺ: ((أبما رجل كانت له جارية أديبها فأحسن تعليمها وأعتقها وتزوجها فله أجران، وأبما عبد أدى حق الله وحق مواليه فله أجران)). [راجع: ۹۷].

یعنی جو غلام ہو اور صالح ہو تو اس کے سب سے دو اجر ہیں۔ ایک صالح ہونے کا اور ایک خادم ہونے کی وجہ سے مالک کی خدمت کرنے کا دہرا اجر ہے۔

۲۵۴۸۔ حدثنا بشر بن محمد: أخبرنا عبد الله: أخبرنا يونس، عن الزهري سمعت سعيد بن المسيب يقول: قال أبو هريرة: قال رسول الله ﷺ: ((للعبد المملوك الصالح أجران))، والذي نفسى بيده لو لا الجهاد في سبيل الله والحج وبر أمي لأحببت أن أموت وأنا مملوك.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر جہاد فی سبیل اللہ، حج اور ولدہ کی اطاعت یہ اعمال نہ ہوتے تو میں اس بات کو پسند کرتا کہ غلام ہو کر مروں، کیونکہ آپ ﷺ نے اس کی یہ فضیلت بیان فرمائی ہے کہ اس کو دہرا اجر ملے گا۔

۵۷۔ ولی صحیح مسلم، کتاب الايمان، باب ثواب العبد وأجره إذا نصح لسيده وأحسن عبادة الله، رقم: ۳۱۳۳، وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب ماجاء في المملوك إذا نصح، رقم: ۴۵۰۱، ومسند احمد، مسند المكثوبين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر الخطاب، رقم: ۴۴۴۴، ۴۳۷۶، ۵۵۲۳، ۹۹۱، وموطأ مالك، كتاب الجامع، باب ماجاء في المملوك وربة، رقم: ۱۵۵۳.

(۷۱) باب کراهیة التطاول علی الرقیق، وقوله: عبدی او امتی

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ﴾^{۲۶} وقال ﴿عبداً مملو کاً﴾ [النحل: ۷۵] ﴿وَأَلْفِيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ﴾^{۲۷} وقال: ﴿مِنْ قَتِيَابِكُمْ الْمُؤْمِنَاتِ﴾^{۲۸} وقال النبی ﷺ: ((قوموا إلی سیدکم))، ﴿وَإِذْ كُنْتُمْ عِنْدَ رَبِّكَ﴾^{۲۹} عند سیدک. ((من سیدکم؟))

۲۵۵۲۔ حدثنا محمد: حدثنا عبد الرزاق: أخبرنا معمر، عن همام بن منبه: أنه سمع أبا هريرة ؓ يحدث عن النبي ﷺ قال: ((لا يقل أحدكم: أطعم ربك، وضي ربك أسق ربك. ول يقل: سیدی مولای. ولا يقل أحدكم: عبدی امتی، ول يقل: فتای وفتاتی وغلای)).^{۳۰}

”عبدی“ یا ”امتی“ سے خطاب کا حکم

غلام کے ساتھ تکبر کے ساتھ پیش آنا جس سے اس کی توہین ہو ”قوله عبدی و امتی“ اور غلام کو میرا غلام، میری امت (ہندی) کہنا پسندیدہ نہیں اگرچہ جائز ہے لیکن اس میں کراہت تشریحی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عبدی اور امتی مت کہو بلکہ فتای وفتاتی کہو۔

کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک طرح سے ترفع اور تکبر پایا جاتا ہے کہ یہ میرا غلام ہے اور یہ بات پسندیدہ نہیں۔ معاملات میں تو ”إخوانکم عموکم“ کہہ کر بھائی بنا دیا، اب نام کا غلام رہ گیا تھا، آپ ﷺ نے اس نام کو بھی پسند نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ فتای وفتاتی کہو۔

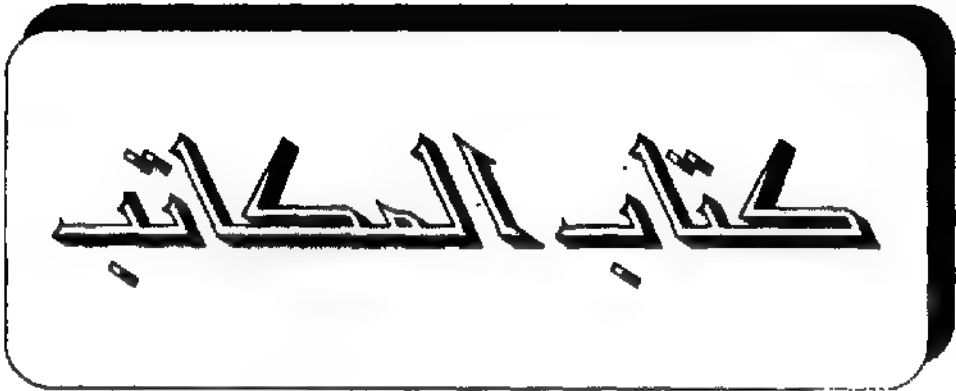
البتہ اہم بخاری کچھ ایسی آیات اور احادیث بھی لائے ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ منع تو فرمایا گیا ہے لیکن وہ ممانعت تحریمی نہیں، تشریحی ہے اور عبد اور امت کہنا بھی جائز ہے اور مولیٰ کو سید کہنا بھی جائز ہے۔ البتہ مولیٰ کو رب کہنے سے منع کیا گیا ہے کہ مولیٰ کے لئے رب کا لفظ استعمال نہ کرو لیکن قرآن کریم نے رب کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ سورہ یوسف میں ہے ”وَإِذْ كُنْتُمْ عِنْدَ رَبِّكَ“ معلوم ہوا کہ فی نفسہ کہنا جائز ہے لیکن عوام کے لئے پسندیدہ نہیں، کراہت تشریحی ہے۔

۲۶ [المود: ۳۲] ۲۷ [یوسف: ۲۵] ۲۸ [النساء: ۲۵] ۲۹ [یوسف: ۳۲]

۳۰ ولسی صحیح مسلم، کتاب الاغلاظ من الادب وغیرہا، باب حکم اطلاق لفظة العبد والامه والمولى والسيد، رقم:

۴۱۷۷، وسنن أبی داؤد، کتاب الادب، باب لا یقول المملوک ربی وریبی، رقم: ۴۳۲۳، ومسند احمد، باقی مسند

المکثرین، باب باقی المسند السابق، رقم: ۷۸۵۰، ۹۱۰۵، ۹۳۵۲، ۹۵۸۵، ۹۸۹۱، ۱۰۰۳۲، ۱۰۰۱۹۶، ۱۰۰



2009 - 2017

۵۰۔ کتاب المکاتب

باب اِثْمٍ مِنْ قَذْفٍ مَمْلُوكَةٍ

(۱) باب المکاتب ونجومه، فی کل سنة نجم

وقوله: ﴿وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْكِتَابَ بِمَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا فَاَوْتُوا
هُم مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِي اٰتٰكُمْ﴾ ۱

وقال روح، عن ابن جريج: قلت لعطاء: أواجب علي إذا علمت له ما لا أن آكاتبه؟
قال: ما أراه إلا واجبا. وقال عمرو بن دينار: قلت لعطاء: أتأثره عن أحد؟ قال: لا. ثم
أخبرني أن موسى بن أنس أخبره أن سيرين سأل النساء المكاتبه وكان كثير المال فأبى،
فانطلق إلى عمر رضي الله عنه فقال: كاتبه فأبى فضر به بالدره ويملو عمر رضي الله عنه فكاتبوهم رضي الله عنه إن علمتم
فيهم خيرا رضي الله عنه فكاتبه.

”نجم“ کے معنی ”قط“ کے ہیں۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح مکاتب بدل عقد کتابت سے ہو سکتی
ہے، اسی طرح قط وار بھی ہو سکتی ہے کہ مکاتب قط وار ادائیگی کرے۔

آیت کی تشریح

آیت کریمہ میں فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْكِتَابَ بِمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
فَكَاتِبُوهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا فَاَوْتُوهُمْ مِّنْ
مَّالِ اللّٰهِ الَّذِي اٰتٰكُمْ﴾ ۱

ترجمہ: ”اور تمہاری ملکیت کے غلام پانديوں میں سے جو

مکاتبت کا معاہدہ کرنا چاہیں، اگر ان میں بھلائی دیکھو تو ان سے مکاتبت کا معاہدہ کر لیا کرو، اور (مسلمانو!) اللہ نے تمہیں جو مال دے رکھا ہے، اُس میں سے ایسے غلام باندیوں کو بھی دیا کر دو۔“

اس کے معنی یہ ہیں کہ ایمان جن کے مالک ہیں یعنی غلام ان میں سے جو لوگ مکاتبت طلب کریں ”یتغون المکاتب“ یعنی تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتبت بننا چاہیں، مکاتبت کا عقد کرنا چاہیں ”فکاتبوہم“ تو تم ان سے مکاتبت کر لو، اگر تم ان میں خیر دیکھو خیر پاؤ۔

خیر سے کیا مراد ہے؟

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہاں خیر سے مراد مال ہے کہ اگر تم یہ دیکھو کہ یہ اچھے قابل غلام ہیں اور پیسہ کما سکتے ہیں اور کما کر دے سکتے ہیں تو ان سے مکاتبت کر لو۔
بعض نے کہا کہ خیر سے مراد یہ ہے کہ اگر ان کے اندر صلاحیت کے آثار دیکھو تو اس صورت میں بہتر ہے کہ ان کو مکاتبت بنا کر آزاد کر دو۔

”وَآتَوْهُمْ مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتٰكُمْ“ پھر دو مروتوں کو حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو مال دیا ہے وہ ان کو دو تاکہ یہ اپنا بدل مکاتبت ادا کر کے آزاد ہو سکیں۔

آگے فرماتے ہیں ”وقال رُوِحُ عَنِ ابْنِ جَسْرٍ قُلْتُ لِعَطَاءٍ“ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا کہ جب مجھے پتہ ہو کہ اس کے پاس مال ہے تو کیا مجھ پر واجب ہے کہ اس سے مکاتبت کر لوں؟ ”فکاتبوہم“ امر کا صیغہ ہے تو کیا میرے لئے مکاتبت بنانا واجب ہے۔

”قال ما اراه الا واجبا“ عطاء نے کہا کہ میرا تو گمان یہ ہے کہ واجب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عطا کا مسلک یہ تھا کہ اگر غلام کے پاس مال ہو تو مولیٰ کے ذمہ واجب ہے کہ اس کو مکاتبت بنائے اور اس سے عقد مکاتبت کرے۔

”وقال عمرو بن دينار“ عمرو بن دينار کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے کہا ”انا نراه عن احد“ کہ کیا آپ اپنا یہ مسلک کسی سے روایت کرتے ہیں، اثر کے معنی ہیں روایت کرنا یعنی کیا آپ اپنا مسلک کسی صحابی سے روایت کرتے ہیں؟ ”قال لا“ انہوں نے کہا کسی سے روایت نہیں کرتا۔

”ثم اخبرني“ بعد میں انہوں نے مجھے یہ روایت سنائی کہ موسیٰ بن انس رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ خبر دی کہ سیرین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مکاتبت طلب کی تھی۔ سیرین، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ مجھے مکاتبت بنا دیجیے ”وکان كثير المال“ اور وہ بڑے مالدار تھے ”فابى“ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مکاتبت بنانے سے انکار کیا۔

سیرین نے تجارت سے بہت مال کما لیا تھا۔ انہوں نے چاہا کہ میں مکاتب بن جاؤں اور پیسے ادا کر کے آزاد ہو جاؤں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا کہ میں مکاتب نہیں بناتا۔

”فانطلق إلی عمر رضی اللہ عنہ“ سیرین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ تم سے کتابت کرنا چاہ رہے ہیں ان سے مکاتبت کر لو۔ ”فابی“ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مکاتب بنانے سے انکار کیا۔ ”فضربه الدرۃ“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے درہ لگایا ”ویتلو عمر رضی اللہ عنہ“ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ **﴿لَکَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَيْرًا﴾** تلاوت کر رہے تھے۔ بعد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سیرین سے مکاتبت کر لی۔

اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی اگر غلام ایسا مطالبہ کرے تو مکاتب بنالینا چاہئے۔ گویا حضرت عطاء رضی اللہ عنہ نے اپنی تائید میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر پیش کیا۔

بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ نہیں تھا بلکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بے تکلفی میں محض انہوں نے مشورہ دیا اور جب انہوں نے مشورہ قبول نہ کیا تو جو درہ لگایا وہ بھی بے تکلفی میں لگایا۔

(۴) باب بیع المکاتب إذا رضی

”وقالت عائشة: هو عبد ما بقی علیہ شیء. وقال زید بن ثابت: ما بقی علیہ درهم.

وقال ابن عمر: هو عبد إن عاش وإن مات وإن جنی ما بقی علیہ شیء.“

۲۵۶۴۔ حدثنا عبد اللہ بن یوسف: أخبرنا مالک، عن یحییٰ بن سعید، عن

عمرة بنت عبد الرحمن: أن بريرة جاءت تسعين عائشة أم المؤمنين رضی اللہ عنہا،

فقللت لها: إن أحب أهلک أن أصب لهم ثمنک صبة واحدة وأعتقک فعلت. فذکرت

بريرة ذلك لأهلها فقالوا: لا، إلا أن یكون الولاء لنا، قال مالک: قال یحیی:

لزمعت عمرة أن عائشة ذکرت ذلك لرسول اللہ ﷺ: ((اشتریها وأعتقها، فإنما

الولاء لمن أعتق)). [راجع: ۴۵۶]

یہ مکاتب کی بیع پر باب قائم کیا ہے، جس میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مکاتب کی بیع جائز ہے۔

مکاتب کی بیع میں فقہاء کا اختلاف

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مکاتب کی بیع ہو سکتی ہے یعنی ایک شخص نے اپنے غلام کو مکاتب بنایا،

بعد میں کسی وقت اسے کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دے تو جب تک مکاتب نے بدل کتابت دا نہیں کیا، فروخت کر سکتا ہے۔

حنفیہ کا منسلک

حنفیہ کہتے ہیں کہ جب تک وہ اپنے عجز کا اعلان نہ کر دے کہ جناب میں یہ پیسہ نہیں دے سکتا اس وقت تک اس کی بیع جائز نہیں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ ایک تو حضرت عائشہ و بریرہ رضی اللہ عنہما کے واقعہ سے استدلال فرماتے ہیں کہ حضرت بریرہ کو ان کی اولیاء نے مکاتب بنایا تھا۔ پھر ان سے حضرت عائشہ نے خرید لیا تو یہ مکاتب کی بیع ہوئی۔

حنفیہ کی جانب سے جواب

حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ بیع اس وقت ہوئی جب حضرت بریرہ عاجز ہو گئی تھیں۔ پیچھے روایت میں گزر چکا ہے کہ ایک پیسہ بھی نہیں ادا کر پائیں اور خود ہی آکر کہہ کہ آپ خرید لیجئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے اعلان کر دیا کہ میں بدل کتابت ادا کرنے کی حالت میں نہیں ہوں۔ لہذا آپ مجھے خرید لیجئے تو جب انہوں نے عجز کا اعلان کر دیا تب بیع ہوئی، لہذا اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔

آگے استدلال فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”هو عبد ما بقى عليه شيء“ مکاتب عبد رہتا ہے جب تک کہ اسکے ذمہ ایک پیسہ بھی باقی ہو۔ سارا بدل کتابت ادا کر دیا۔ صرف ایک روپیہ رہ گیا، تب بھی وہ عبد ہی ہے، اس سے استدلال کرتے ہیں کہ جب عبد ہے تو اس کی بیع بھی جائز ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”ما بقى عليه درهم“ جب تک ایک درہم بھی باقی ہو وہ عبد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ”هو عبد إن عاش وإن مات وإن جنى ما بقى عليه شيء“ جب تک اس پر ایک پیسہ بھی باقی ہے اگر زندہ رہے تو عبد بن کر رہے گا جس کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک شاید اس کی بیع بھی جائز ہو ”وإن مات“ اور اگر مر گیا تو غلامی کی حالت میں مرے گا۔

حنفیہ کا منسلک یہ ہے کہ اگر مکاتب مر جائے اور پیچھے اپنا مال چھوڑ کر گیا ہو تو اس کا مال اتنا ہے جس سے بدل کتابت ادا کیا جاسکے تو اس کو زندگی کے آخری جزی میں سزا و تصور کیا جائے گا و اگر ماں بدل کتابت سے

زیادہ ہے تو وہ اس کے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔ ”وإن جنسی“ اور گروہ کوئی جنائیت کرے تب بھی اس کے اوپر عبد کے احکام جاری ہوں گے، جب تک کہ اس کے ذمہ ایک پیسہ بھی باقی ہے۔

(۵) باب إذا قال المکاتب: إشترنی وأعتقنی، فاشتره لذلك

۲۵۶۵۔ حدثنا أبو نعیم: حدثنا عبد الواحد بن ایمن عن أبیه قال: دخلت علی عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقلت: کنت غلاما لعبة بن أبی لهب ومات وورثنی بنوه، وإنهم باعونی من ابن أبی عمرو فاعتقنی ابن أبی عمرو، واشترط بنو عبة الولاة فقلت: دخلت بربرة وهی مکاتبه فقلت: اشتربنی فأعتقنی. قالت: نعم، قالت: لا یبعونی حتی یشرطوا ولائی. فقلت: لا حاجة لی بذلك، فسمع بذلك النبی ﷺ. أو بلغه. فذکر ذلك لعائشة، فذکرت عائشة ما قالت لها، فقال: ((اشتریها فأعتقها ودعهم یشرطوا ما شاؤا)) فاشترتها عائشة فأعتقها واشترط أهلها الولاة. فقال النبی ﷺ: ((الولاة لمن أعتق وإن اشترطوا مائة شرط)).

یہ ایمن کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا میں نے کہا میں عتبہ بن ابولہب کا غلام تھا، وہ مر گیا اور اس کے بیٹے میرے وارث بن گئے۔ پھر انہوں نے مجھے ابن ابی عمرو الخزرمی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس نے مجھے آزاد کر لیا۔

بنو عتبہ نے جب ان کے ہاتھ بیچا تھا۔ تو یہ شرط لگائی تھی کہ اس کی ورثہ ہمیں ملے گی۔ اب ابن ابی عمرو نے مجھے آزاد کر دیا ہے تو عتبہ بن ابولہب کے بیٹے میری ولاء کا مطالبہ کر رہے ہیں، کیا ان کا یہ مطالبہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا واقعہ سنایا جو کئی بار گزر چکا ہے)

مكتاب العفة وفضلها والتحرير عليها

٢٥٦٦ - ٢٦٣٦

۵۱۔ کتاب الہبة وفضلها والتحریض علیها

(۱) باب فضل الہبة

۲۵۶۶۔ حدثنا عاصم بن علی: حدثنا ابن أبي ذئب، عن المقبري، عن أبيه، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((بإساءة المسلمات، لا تحقن جارة لجاراتها ولو لمسن شاء)). [أنظر: ۶۰۱۷] ^۱

کوئی پڑوسن اپنی کسی پڑوسن کے ہدیے کی تحقیر نہ کرے چاہے وہ ہدیہ بکری کا ایک کھر ہی کیوں نہ ہو یعنی اگر کسی پڑوسن نے ہدیے کے طور پر بکری کا کھر بھیجا ہے تو جس کے پاس بھیجا گیا ہے وہ اس کی تحقیر نہ کرے کہ میرے پاس کیا بھیجا ہے بلکہ اگر کوئی مسلمان ہدیہ بھیجے تو چاہے وہ مقدار میں تھوڑا ہی کیوں نہ ہو محبت سے اس کی قدر کرنی چاہئے۔

(۲) باب القليل من الہبة

۲۵۶۸۔ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا ابن أبي عدي، عن شعبة، عن سليمان، عن أبي حازم، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((لو دعيت إلى ذراع أو كراع لأجبت، ولو أهدى إلى ذراع أو كراع لقبلت)). [أنظر: ۵۱۷۸] ^۱

مطلب یہ ہے کہ یہ نہ دیکھنا چاہئے کہ ہدیہ اور دعوت شائبہ دار ہے تو جائیں اور معمولی ہے تو نہ جائیں بلکہ اصل چیز دعوت دینے والے کا جذبہ اور خلوص ہے۔ اگر وہ جذبہ اور خلوص سے دعوت دے رہا ہے یا ہدیہ پیش کر رہا ہے تو اس کی قدر کرنی چاہئے، چاہے اس کی مقدار معمولی کیوں نہ ہو۔

^۱ وفي صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب البحث على الصدقة ولو بالقليل ولا تمتنع من القليل، رقم ۱۷۱۱، وصح
الترمذي، كتاب الولاية والهبة عن رسول الله، باب في حث النبي على النهادي، رقم ۲۰۵۶، ومسند احمد، بالي مسند
المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم ۷۲۷۳، ۷۲۷۴، ۹۲۱۰، ۹۲۱۱، ۱۰۱۷۰.

^۲ وفي مسند احمد، بالي مسند المكثرين، باب بالي المسند السابق، رقم: ۹۱۲۱، ۹۸۲۲، ۹۸۵۳، ۱۰۲۳۹.

(۳) باب من استوہب من أصحابہ شیئا

”وقال أبو سعید: قال النبی ﷺ: ((اضربوا لی معکم سہما)).“

ہد یہ کب طلب کیا جاسکتا ہے

فرمایا کہ جو شخص اپنے ساتھیوں سے بہہ طلب کرے۔

بعض حالات میں ساتھیوں سے بہہ طلب کرنا جائز ہے اور وہ حالت یہ ہے کہ جب بے تکلفی ہو اور معلوم ہو کہ اگر میں اس سے بہہ طلب کروں گا تو خوش ہوگا اور اس میں اپنی تذلیل کا بھی کوئی پہلو نہ ہو، ایسے میں بے تکلف دوست سے بہہ مانگ لینا بھی جائز ہے لیکن جہاں ان شرطوں میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو، اس آدمی کی طیب نفس نہ ہو یا اپنی تذلیل و تحقیر کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں بہہ طلب کرنا حرام ہے، وہ سوال کے حکم میں آجاتا ہے، لہذا صرف اس جگہ بہہ طلب کرنا چاہئے، جہاں ان دو باتوں کا اطمینان ہو کہ دوسرا آدمی خوش ہوگا اور مجھے کوئی ذلت نہیں اٹھانی پڑے گی۔

آئے بہہ طلب کرنے کی اجازت کی دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ”اضربوا لی معکم سہما“۔

یہ ۱۰۰۰ قعدہ ہے جب حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے سانپ کے کانے کا دم کیا تھا اور پھر بکریاں لیکر آئے تھے، آپ ﷺ سے مسئلہ پوچھا تھا کہ یہ میرے لئے حلال ہیں یا نہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ حلال ہیں اور میرا حصہ بھی لگاؤ تو ایک طرح سے ان سے بہہ طلب کیا۔

۲۵۶۹۔ حدثنا ابن ابی مریم: حدثنا أبو عسان قال: حدثنی أبو حازم، عن سہل رضی اللہ عنہ:

أن ابیہ: أرسل إلی امرأة من المهاجرین وکان لها غلام نجار، قال لها: ((مری عبدک فلیعمل لنا أعواد المنبر)) فأمرت عبدہا فذهب لقطع من الطرفاء فصنع له منبراً. فلما قضاه أرسلت إلی النبی ﷺ أنه قد قضاه، قال ﷺ: ((أرسلنی بہ إلی))، فجاءہ فاحتملہ النبی ﷺ فوضعه حیث ترون. [راجع: ۳۷۷]

”قصہ“ کے متنی میں ۱۰۰۰۰۔ یہاں آپ ﷺ نے جو منبر بنوایا تھا وہ بغیر قیمت کے تھا اور پیچھے ”کتاب النجاشی“ میں نزر چکا ہے کہ شرمین میں عورت نے خود کہا تھا کہ میں خواتی ہوں۔ جب دیر ہوئی تو آپ ﷺ نے ان سے پاس پیغام بھیجی۔

یہ پیغام بھیجنا بہ طلب کرنا ہوا کہ یہ طلب کیا جاسکتا ہے۔

۲۵۷۰۔۔۔ حدثنا عبد العزيز بن عبد الله :..... فقلت : نعم ، فنارلته العضد

فأكلها حتى نفذها وهو محرم . فحدثني به زيد بن أسلم ، عن عطاء بن يسار ، عن أبي قتادة عن النبي ﷺ . [راجع : ۱۸۲۱]

یہ حدیث تفصیل کے ساتھ کتاب الحج میں آئی ہے۔ یہاں پر اس سے صرف اتنا حصہ مقصود ہے کہ جب حضور ﷺ سے صحابہ کرام نے پوچھا کہ ہمارے لئے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ اجازت دی بلکہ فرمایا کہ ”معکم منہ شیء؟“ کیا اس کا کچھ حصہ تمہارے پاس باقی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اگر ہو تو مجھے بھی دے دو۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس جو بازو تھا وہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو پیش کیا۔ آپ ﷺ نے وہ تناول فرمایا۔ اب یہاں خود مانگنا منقول ہے۔

(۴) باب من استسقى

۲۵۷۱۔۔۔..... قال : ((الأيمنون الأيمنون ، الأيسنوا)) قال انس : لہی سنة ،

لہی سنة ، ثلاث مرات . [راجع : ۲۳۵۲]

یمن کے معنی یہ ہیں کہ ہمیشہ دائیں طرف سے شروع کرو۔

(۵) باب قبول هدية الصيد

”وقبل النبي ﷺ من أبي قتادة عضد الصيد“.

۲۵۷۲۔۔۔ حدثنا سليمان بن حرب : حدثنا شعبة ، عن هشام بن زيد بن أنس بن مالك ،

عن أنس ﷺ قال : أنفجنا أرنبا بمر الظهران فسمى القوم فلغوا فأدرکتها فأخذتها فأتيت بها أبا طلحة فذبحها ، وبعث إلى رسول الله ﷺ : بورکھا أو فخذیھا . قال : فخذیھا لا شک فیہ .

فقبلہ . قلت : وأکل منه؟ قال : وأکل منه ، ثم قال بعد : قبلہ . [أنظر : ۵۴۸۹ ، ۵۵۳۵]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”انفجنا أرنبا بمر الظهران“ ہم نے مر الظهران میں ایک

خرگوش بھگایا، یہ جگہ کا نام ہے، وہاں جھاڑیوں میں ایک خرگوش بیٹھا تھا، ہم نے پیچھے سے جا کر اس کو بھگایا۔

”انفج“ کے معنی ہوتے ہیں برا بیچتے کرنا، بھگانا، ”فسمى القوم“ لوگوں نے اس کو شکار کرنے کی

کوشش کی۔ ”فلغوا“ تو تھک بار کے بیٹھ گئے چونکہ خرگوش بہت تیز بھرتا ہے اس لئے لوگوں کو پتہ نہیں چلا کہ

وہ کہاں گھس گیا تو تلاش کر کے سب تھک گئے ”فأدرکتها“ میں نے اس جا کر پکڑ لیا ”فأخذتها فأتيت بها

ابا طلحةؓ اور اٹھا کر ابو طلحہؓ کو دیا، حضرت ابو طلحہؓ نے اس کو ذبح کیا۔ ”وبعث الی رسول اللہ ﷺ“ حضور اقدس ﷺ کے پاس اس کا ورک یا اس کے ٹخڑے بھیجے۔

”قال فخذیہا لا شک فیہ“ یہاں قال کا قائل شعبہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ ٹخڑے میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ وہ بھیجے تھے لیکن ورک میں شک ہے کہ بھیجا تھا یا نہیں؟

آپ ﷺ نے وہ ہدیہ قبول فرمایا ”قلت واکل منہ؟“ میں نے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ نے وہ خرگوش کا گوشت تناول بھی فرمایا ”قال فاکل منہ“ پہلے تو شعبہ نے کہا کہ کھایا بھی لیکن پھر بعد میں کہا ”قبلہ“ کہ کھانے کی بات میں نہیں کر سکتا، روایت میں اتنا ہے کہ قبول فرمایا۔

کیا حضور ﷺ سے خرگوش کھانا ثابت ہے؟

اس سوال و جواب کی اہمیت اس لئے زیادہ ہوئی کہ خرگوش کی حلت و حرمت میں اختلاف ہے اور حضور اقدس ﷺ سے خرگوش کھانا ثابت ہے یا نہیں، اس بارے میں بڑا کلام ہوا ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا خرگوش کے گوشت کو قبول کرنا اور آپ ﷺ کے دسترخوان پر اس کا کھایا جانا تو ثابت ہے لیکن خود آپ ﷺ کا اس کو کھانا ثابت نہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری قوم کے اندر یہ نہیں ہوتا تھا، اس لئے مجھے یہ کھانے کی عادت نہیں۔ یعنی حرام تو نہیں ہے لیکن میں اس لئے نہیں کھاتا کہ مجھے یہ کھانے کی عادت نہیں، اس واسطے خرگوش کا گوشت حلال ہے۔ یہاں یہ مقصود ہے کہ کسی نے شکار کیا ہوا گوشت ہدیہ کیا تو اس کا قبول کرنا جائز ہے۔

(۲) باب قبول الہدیة

۲۵۷۳۔ حدثنا إسماعیل قال : حدثنی مالک ، عن ابن شہاب ، عن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبة بن مسعود عن عبد اللہ بن عباس ، عن الصعب بن جفامة : أنه أهدى لرسول اللہ ﷺ حمارا وحشیا وهو بالأبواء أو بؤدان فرد علیہ ، فلما رأى ما فی وجہہ قال : ((أما إنا لم نردہ علیک إلا أنا حرم)) . [راجع: ۱۸۲۵]

صعب بن جفامةؓ نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک حمار وحشی ہدیہ کے طور پر پیش کیا تھا جبکہ آپ ﷺ ابواء یا بؤدان کے مقام پر حالت احرام میں تھے۔ ”فرد علیہ“ آپ ﷺ نے وہ واپس کر دیا۔ جب آپ ﷺ نے حضرت صعبؓ کے چہرہ پر رنجیدگی کے آثار دیکھے کہ رد کر دینے کی وجہ سے یہ رنجیدہ ہو رہے

ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اما انما لم نردہ علیک إلا انا حرم“ ہم نے اس کو صرف اس وجہ سے رد کیا ہے کہ ہم حالت احرام میں ہیں، کسی اور وجہ سے رد نہیں کیا۔ اگر حالت احرام میں ہم شکار کا بد یہ قبول کر لیں گے تو لوگ اس سے حالت احرام میں شکار کی حلت پر استدلال کر لیں گے۔ اس واسطے ہم نے انکار کر دیا ورنہ فی نفسہ آپ کے بد یہ کو قبول کرنے میں کوئی انکار نہیں۔

(۷) باب قبول الہدیة

۲۵۷۴۔ حدثنا ابراہیم بن موسیٰ: حدثنا عبدة: حدثنا هشام، عن ابيہ، عن عائشة رضی اللہ عنہا: أن الناس كانوا يعحرون بهداياهم يوم عائشة يبتغون بها، أو يبتغون بذلك مرضاة رسول اللہ ﷺ. [انظر: ۲۵۸۰، ۲۵۸۱، ۳۷۷۵] ۵
لوگ اپنا ہدیہ پیش کرنے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری تلاش کیا کرتے تھے۔ یعنی اگر کوئی صحابی یہ چاہتے کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں اپنا ہدیہ پیش کریں۔ وہ ایسے دن پیش کرنے کی کوشش کرتے تھے جس دن آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما ہوں، اس لئے کہ لوگوں کو پتہ تھا کہ آپ ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت و تعلق زیادہ ہے۔

۲۵۷۵۔ حدثنا آدم: حدثنا شعبة: حدثنا جعفر بن إياس قال: سمعت سعید بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: أهدت أم حفيد خالة ابن عباس إلى النبي ﷺ الطما وسمناً وأضياً، فأكل النبي ﷺ من الأقط والسمن وترك الأضب تقدرأ. قال ابن عباس: فأكل على مائدة رسول الله ﷺ ولو كان حراماً ما أكل على مائدة رسول الله ﷺ. [انظر: ۵۳۸۹، ۵۴۰۲، ۷۳۵۸]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ام حفید، جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ ہیں، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں تین چیزوں کا ہدیہ پیش کیا، وہ تین چیزیں یہ ہیں: پنیر، گھی اور گوہ، و اضب یہ ضب کی جمع ہے بمعنی گوہ۔

”فاكله النبي ﷺ“ آپ ﷺ نے پنیر تناول فرمایا اور گھی بھی استعمال فرمایا ”وترك الاضب“ ضب، لیکن گوہ کو چھوڑ دیا۔ تقدرأ، اس سے گھن کرتے ہوئے یعنی آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔

۵۔ وفي صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب في فضل عائشة، رقم: ۴۴۷۱، وسنن الترمذی، كتاب المناقب عن رسول الله، باب من فضل عائشة، رقم: ۳۸۱۳، وسنن النسائي، كتاب عشرة النساء، باب حب الرجل بعض نساہ اكثر من بعض، رقم: ۳۸۸۸، ۳۸۸۹، ومسند احمد، باقی مسند الأتصار، باب حديث أم سلمة روج النبي ﷺ، رقم: ۲۵۳۰۳.

”قال ابن عباس من فاكل على مائدة“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور قدس ﷺ کے دسترخوان پر کھائی گئی اگر حرام ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کے دسترخوان پر نہ کھائی جاتی۔
مطلب یہ ہے کہ اگرچہ حضور اقدس ﷺ نے خود تناول نہیں فرمائی لیکن آپ ﷺ کے دسترخوان پر کھائی گئی معلوم ہوا کہ جائز ہے۔

کیا گوہ (ضب) حلال ہے؟

عربوں کے ہاں گوہ کھانے کا بہت رواج تھا۔ بڑے ذوق و شوق سے کھاتے تھے۔ اس واسطے فردوسی شاعر نے رستم کی زبانی شعر کہا ہے۔ جب مسلمانوں نے ایران پر حملہ کیا تو ایرانی بڑے ناراض ہوئے کہ عرب کے یہ صحرا نشین ہمارے اوپر حملہ کرنے آگئے ہیں، وہاں یہ شعر کہا۔

ز شیر شتر خوردن وسو سار

عرب را بجانے رسید است کار

کہ تفتت کیماں را کنند آرزو

تفو بسر تو اے چرخ گردان تفو

یعنی اونٹنی کا دودھ پی کر اور گوہ کا گوشت کھا کر عربوں کی جرأت یہاں تک ہو گئی ہے کہ کسریٰ کے تخت کی آرزو کرنے لگے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے دسترخوان پر گوہ کھائی گئی اگر حرام ہوتی تو نہ کھائی جاتی۔ اس سے ان حضرت نے استدلال کیا ہے جو گوہ کو حلال کہتے ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک گوہ حلال نہیں اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ بتداء کی بات تھی۔ بعد میں اس کی حلت کے شیخ کا حکم آ گیا تھا۔

(۸) باب من اهدى إلى صاحبه ، وتحري بعض نساءه دون بعض

۲۵۸۰۔ حدثنا سليمان بن حرب : حدثنا حماد بن زيد ، عن هشام ، عن أبيه ، عن عائشة رضي الله عنها قالت : كان الناس يتحرون بهداياهم يومية ، وقالت أم سلمة : إن صواحبى اجتمعن فذكرت له فأعرض عنها . [راجع : ۲۵۷۴]

٢٥٨١ - حدثنا إسماعيل : قال حدثني أخى ، عن سليمان ، عن هشام بن عروة ، عن أبيه ، عن عائشة رضى الله عنها : أن نساء رسول الله ﷺ كن حزبيين : فحزب فيه عائشة وحفصة وصفية وسودة . والحزب الآخر : أم سلمة وسائر نساء رسول الله ﷺ . وكان المسلمون قد علموا حب رسول الله ﷺ عائشة ، فإذا كانت عند أحدهم هدية يريد أن يهديها إلى رسول الله ﷺ أخرها حتى إذا كان رسول الله ﷺ فى بيت عائشة بعث صاحبة الهدية إلى رسول الله ﷺ فى بيت عائشة ، فكلم حزب أم سلمة فقلن لها : كلمى رسول الله ﷺ يكلم الناس فيقول : من أراد أن يهدى إلى رسول الله ﷺ هدية فليهدها حيث كان من نساءه ، فكلمته أم سلمة بما قلن فلم يقل لها شيئاً ، فسألته فقالت : ما قال لى شيئاً فقلن لها : فكلميه . قالت : فكلمته حين دار إليها أيضاً فلم يقل لها شيئاً . فسألته فقالت : ما قال لى شيئاً ، فقلن لها : كلميه حتى يكلمك . فدار إليها فكلمته فقال لها : ((لا تزدينى فى عائشة ، فإن الرحى لم يأتنى وأنا فى ثوب امرأة إلا عائشة)) . قالت : فقلت : أتوب إلى الله من أذاك يا رسول الله . ثم إنهن دعون فاطمة بنت رسول الله ﷺ فأرسلت إلى رسول الله ﷺ تقول : إن نساءك ينشدنك الله العدل فى بنت أبى بكر ، فكلمته فقال : ((يا بنية ألا تحبين ما أحب ؟)) قالت : بلى ، فرجعت إليهن فأخبرتهن . فقلن : إرجعى إليه فأبت أن ترجع . فأرسلن زينب بنت جحش فاتته فأخلطت وقالت : إن نساءك ينشدنك العدل فى بنت ابن أبى لهالة ؛ فرفعت صوتها حتى تناولت عائشة وهى قاعده فسبها حتى إن رسول الله ﷺ لينظر إلى عائشة : هل تكلم ؟ قال : فكلمته عائشة ترد على زينب حتى أسكتها ، قالت : فنظر النبى ﷺ إلى عائشة فقال : ((إنها بنت أبى بكر)) . [راجع : ٢٥٤٣]

”قال البخارى : الكلام الأخير قصة لفاطمة ، يذكر عن هشام بن عروة ، عن رجل : عن الزهرى ، عن محمد بن عبد الرحمن . وقال أبو مروان ، عن هشام ، عن عروة : كان الناس يتحرون بهدايا هم يوم عائشة . وعن هشام ، عن رجل من قریش ، ورجل من الموالى ، عن الزهرى ، عن محمد بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام ، قالت عائشة : كنت عند النبى ﷺ فاستأذنت فاطمة“ . ٤

٤ وفى صحيح مسلم ، كتاب فضائل الصحابة ، باب فى فضل عائشة ، رقم : ٣٣٤١٠ ، وسنن الترمذى ، كتاب المناقب عن رسول الله ، باب من فضل عائشة ، رقم : ٣٨١٣ ، وسنن النسائى ، كتاب عشرة النساء ، باب حب الرجل بعض نساءه أكثر من بعض ، رقم : ٣٨٨٨ ، ٣٨٨٩ ، ومسنند احمد ، بالفى مسند الأوصار ، باب حديث أم سلمة زوج النبى ﷺ ، رقم : ٢٥٣٠٣

ترجمہ و تشریح حدیث عائشہؓ

ام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے یہ حدیث مختصر اذکر فرمائی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”کان الناس“ لوگ ہدیہ پیش کرنے کے لئے میرے دن کو تلاش کیا کرتے تھے یعنی جس دن آپ ﷺ میرے گھر میں ہوں اس دن ہدیہ پیش کرتے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس مسئلہ کے لئے میرے ساتھ بقیہ ازواج مطہرات جمع ہوئیں۔

”فلذکرت لہ“ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات حضور ﷺ سے ذکر کی کہ آپ ﷺ کے صحابہؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والے دن ہدایا پیش کرتے ہیں۔ ”فأعرض عنہا“ حضور اقدس ﷺ نے ان کی اس بات سے اعراض فرمایا اور اس کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

آگے دوسری حدیث میں حضرت عائشہؓ نے اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ ”ان نساء رسول اللہ ﷺ کن حزیبین“ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات دو گروہوں میں بٹی ہوئی تھیں۔ ایک گروہ حضرت عائشہؓ، حفصہ و صفیہ اور سوداء رضی اللہ عنہن کا تھا۔ دوسرا گروہ حضرت ام سلمہ اور دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا تھا۔ ان گروہوں میں گویا آپس میں تھوڑی سی رقابت چلتی تھی۔

”وکان المسلمون قد علموا“ مسلمانوں کو پتہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت فرماتے ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گروہ نے بات کی۔ ”فلقلن لہا“ ان کے گروہ کی خواتین نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا ”کلمی رسول اللہ ﷺ یکلم الناس“ کہ آپ حضور اقدس ﷺ سے بات کریں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں سے کہیں کہ جب میں ایک ہی جگہ پر ہوتا ہوں تو ہدایا مانتے ہیں یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ اور لوگوں سے یہ کہیں کہ ”أراد أن یهدی الی رسول اللہ ﷺ ہدیة فلیہدھا حیث کان من نسائه“ جو ہدیہ پیش کرنے کا ارادہ کرے تو وہ پیش کر دے میں جہاں بھی ہوں۔ ”فکلمتہا سلمة بما فلن“ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس ﷺ سے وہ بات کہی جو خواتین نے کہی تھی۔ ”فلسلم یقل لہا شیئا“ تو آپ ﷺ نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا ”فسالہا“ دوسری خواتین نے پوچھا کہ کیا ہوا۔

”فقالت ما قال لی شیئا“ انہوں نے کہا کہ مجھے کچھ نہیں کہا ”فلقلن لہا فکلمیہ“ انہوں نے کہا کہ آپ دوبارہ بات کریں۔ ”فقالت : فکلمتہ حین دار إلیہا“ جب آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو حضرت ام سلمہؓ نے آپ سے بات کی۔ ”فللم یقل لہا شیئا“ آپ ﷺ نے دوبارہ کچھ نہیں فرمایا۔

”فدار إلیہا فکلمتہ“ پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے تیسری دفعہ بات کی ”فقالت لہا

لا تؤول ذہنی فی عائشة“ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھے عائشہ کے بارے میں تکلیف نہ پہنچاؤ ” فان الوحی لم یأتنی و أنا فی ثوب امرأة إلا عائشة“ کیونکہ میرے پاس وحی نہیں آتی جبکہ میں کسی خاتون کے کپڑوں میں ہوں مگر عائشہ کے کپڑوں میں، تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ان کی مقبولیت ہے۔ اس واسطے اس بارے میں زیادہ رنجیدہ نہ ہوں۔

”قالت : فقلت : أتوب إلى الله من اذاک يا رسول الله ثم إنهن دعون فاطمة بنت رسول الله ﷺ“

ان خواتین نے پھر بھی بس نہیں کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا، حضرت فاطمہ نے بھی بات کی اور کہا کہ آپ ﷺ کی ازواج اللہ کی قسم دیتی ہیں کہ آپ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے بارے میں انصاف سے کام لیں۔ بیویوں نے کہا، دو بارہ جائے حضرت فاطمہ نے جانے سے انکار کر دیا۔

”فارسن : زینت بنت حش“ آخر انہوں نے مجبور ہو کر حضرت زینب بنت حش کو بھیجا۔ یہ حضور ﷺ سے زیادہ بے تکلف تھیں اس واسطے کہ ان کی حضور اقدس ﷺ سے رشتہ داری تھی، یہ آئیں اور سخت انداز میں گفتگو کی۔

”وقالت ان نسالك بئس دنك العدل فی بنت ابن ابي قحاف“ آپ کی ازواج آپ کو اللہ کی قسم دیتی ہیں کہ بنت ابن ابی قحافہ کی بیٹی کے بارے میں انصاف سے کام لیں۔ یہ جملہ بظاہر بڑا خطرناک ہے کہ نبی کریم ﷺ سے یہ کہنا کہ آپ انصاف سے کام لیں۔ اس کا مفہوم مخالف بڑا خطرناک ہے۔ اگر کوئی دوسرا شخص اس طرح، جملہ کہے (اللہ بچائے) اور قائل کے اختلاف سے ان کے معافی بھی بدل جاتے ہیں۔ ۷

یہ زوجہ کا اپنے شوہر کے ساتھ معاملہ ہے، خدا نہ کرے کہ مقصود یہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ ظلم فرما رہے ہیں بلکہ یہ ایک نازکا انداز تھا۔ ”لم فعت صوتها حتى تناولت عائشة وهي قاعدة فسبها“ ان کی آواز بلند ہو گئی اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ حضرت عائشہ بیٹھی ہوئی تھیں، یہاں تک کہ حضور اقدس ﷺ حضرت عائشہ کی طرف دیکھنے لگے کہ یہ بھی کوئی بات کرتی ہیں یا نہیں؟ حضرت عائشہ نے گفتگو شروع کی اور حضرت زینب کو جواب دینا شروع کیا یہاں تک کہ حضرت زینب کو خاموش کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابو بکر کی بیٹی ہے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نصاحت و بلاغت میں معروف تھے اور یہ بھی ان کی بیٹی ہے، اس لئے انہوں نے ان کو خاموش کر دیا۔

اس قسم کے واقعات سے غلط استدلال کرنا

بعض لوگ اس قسم کے واقعات سے دوسو سو اور شہوں میں پڑ جاتے ہیں کہ ازواج مطہرات کا مقام تو بہت بلند ہے ان میں گروہ بندی اور آپس میں رنجش اور اشتعال کا پیدا ہونا اور آپس میں اس طرح سخت بیانی کرنا ان کی شان کے لائق نہیں۔ لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے ازواج مطہرات کی شان پر کوئی حرف آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ازواج مطہرات بشر تھیں اور بشریت کے تقاضے ان میں بھی اپنی جگہ موجود تھے اور یہ بات عورت کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ اپنے شوہر کے بارے میں غیرت مند ہوتی ہے، لہذا یہ باتیں اسی غیرت کا مقتضا تھیں۔

البتہ یہ غیرت کبھی بھی حدود شرعیہ سے آگے نہیں بڑھی، اس لئے اگر ازواج مطہرات میں بشری تقاضے یا غیرت کے تقاضے بھرے ہیں تو یہ ان کی عظمت کی مزید دلیل ہے کہ ان بشری تقاضوں کے باوجود انہوں نے کسی بھی مرحلے میں حدود شرعیہ سے تجاوز نہیں کیا، اگر انسان میں بشری تقاضے نہ ہوں اور پھر وہ حدود شرعیہ کی پابندی کرے تو یہ کوئی کمال نہیں، کمال یہ کہ بشری تقاضے موجود ہوں اور ان بشری تقاضوں کا جوش بھی دل میں پیدا ہوتا ہو، لیکن اس کے باوجود انسان اپنی حدود میں سر ہے اور حدود شریعت سے تجاوز نہ کرے، یہ زیادہ کمال کی بات ہے۔ لہذا ان باتوں کی وجہ سے ازواج مطہرات کے بارے میں کسی بدگمانی میں مبتلا ہونا درست نہیں۔

(۱۰) باب من رأى الہبة الغائبة جائزة

۲۵۸۲، ۲۵۸۳۔ حدثنا سعید بن ابی مریم : حدثنا اللیث قال : حدثنا عقیل ، عن ابن شہاب قال : ذکر عروة أن المسور بن مخرمة رضی اللہ عنہما و مروان أخبرنا : أن النبی ﷺ حين جاءه وفد هو ازن قام فی الناس فأتی علی اللہ بما هو أهله ، ثم قال : ((أما بعد ، فإن إخوانکم جازاننا لئین وإنی وراہت أن أرد إليہم سبہم ، فمن أحب منکم أن یطیب ذلک فلیفعل ، ومن أحب أن یكون علی حظه حتی نعطیه إیاء من أول ما یفییء اللہ علینا . فقال الناس : طیبنا لک)). [راجع : ۲۳۰۷، ۲۳۰۸]

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے کہ ”باب من رأى الہبة الغائبة جائزة“۔ مطلب یہ ہے کہ جو شئی موجود نہ ہو اس کا بہہ درست ہے یعنی کوئی شخص کسی کو ایسی چیز بہہ کر دے جو بہہ کے وقت موجود نہیں ہے یہ بھی جائز ہے۔ تو فی نفسہ اس مسئلہ میں تو کوئی کلام نہیں کہ غائب شئی کا بہہ بھی ہو سکتا ہے لیکن آگے اس میں کلام ہے بہہ تاہم ہوگا یا نہیں؟

شئی غائب کا ہبہ کب تام ہوگا؟

جمہور کے نزدیک ہبہ قبضے سے تام ہوتا ہے بغیر قبضے کے تام نہیں ہوتا۔ اس واسطے غائب شئی کا ہبہ جائز تو ہے لیکن تام قبضہ سے ہوگا اور قبضہ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

امام بخاریؒ نے یہاں شئی غائبہ کے ہبہ پر ہوازن کے واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہوازن کے لوگوں کو ان کی عورتیں واپس کر دیں۔

امام بخاریؒ ہبہ کے باب میں جگہ جگہ اس واقعہ کو لے کر آئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا ہبہ سے تعلق نہیں بنتا۔ اس واسطے کہ اس کا حاصل تو یہ تھا کہ صحابہ کرام ﷺ کے درمیان کینٹریں تقسیم ہو گئی تھیں۔ بعد میں یہ طے ہوا کہ ان کو واپس کیا جائے گا۔ یہاں واپس کرنے کے معنی یہ ہیں کہ سب نے آزاد کر دیا اور آزاد کرنے کے بعد ان کو ان کے اولیاء کی طرف لوٹا دیا تو اس میں کسی مرحلے پر ہبہ نہیں آتا۔

(۱۱) باب المكافاة فی الہبة

۲۵۸۵۔ حدثنا مسدد : حدثنا عيسى بن يونس ، عن هشام ، عن أبيه ، عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت : كان رسول اللہ ﷺ يقبل الهدية و يشب علیہا . لم يذكر و كعب و محاضر ، عن هشام ، عن أبيه ، عن عائشة .

رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کے بدلے بھی دیتے تھے۔ یعنی اگر کوئی ہدیہ لے کر آتا تو آپ ﷺ کسی مناسب موقع پر اس کی مکافات بھی فرما دیتے تھے کہ اسی جیسا ہدیہ کسی وقت دیدیتے۔ یہ آپ ﷺ کی سنت تھی۔ معلوم ہوا کہ جب کوئی ہدیہ لے کر آئے تو اس کی مکافات مسنون ہے اگرچہ واجب نہیں۔

اگر ہبہ کے ساتھ عوض مشروط ہو جیسے ہبہ بشرط العوض کہتے ہیں تو یہ بیع کے حکم میں ہوتا ہے لیکن اگر عوض مشروط نہ ہو ویسے ہی عوض دے دے تو ایک سنت ہے اور مکارم اخلاق سے ہے۔

(۱۲) باب الہبة للولد

”وإذا أعطى بعض ولده شيئاً لم يجز حتى يعدل بينهم و يعطى الآخر مثله ولا يشهد علیہ . وقال النبی ﷺ : ((اعدلوا بین اولادکم فی العطية)) . وهل للوالد أن يرجع فی عطیته ؟ وما یأکل من مال ولده بالمعروف ولا یعتدی . واشتری النبی ﷺ من عمر بعیر اثم اعطاه ابن عمر وقال : ((اصنع به ماشئت)) .

۲۵۸۶۔ حدثنا عبد اللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ، عن ابن شہاب ، عن حمید بن عبد الرحمن ، ومحمد بن النعمان بن بشیر : أنهما حدثاه عن النعمان بن بشیر : أن أباه أتى به إلى رسول الله ﷺ فقال : إنني نحلته ابني هذا غلاماً ، فقال : ((أكل ولدك نحلته مثله؟)) قال ، لا ، قال : ((فارجعه)) . [أنظر : ۲۵۸۷ ، ۲۶۰۵] ۷

(۱۳) باب الاشهاد في الہبة

۲۵۸۷۔ حدثنا حامد بن عمر : حدثنا أبو عوانة ، عن حصين ، عن عامر قال : سمعت النعمان بن بشير رضي الله تعالى عنهما وهو المنبر يقول : اعطاني أبي عطية ، فقالت عمرة بنت رواحة : لا أرضى حتى تشهد رسول الله ﷺ ، فأتى رسول الله ﷺ ، فقال : إنني اعطيت ابني من عمرة بنت رواحة عطية فأمرتني أن أشهدك يا رسول الله ، قال : ((اعطيت سائر ولد مثل هذا؟)) قال : لا ، قال : ((فأتقوا الله وأعدوا بين أولادكم)) . قال : فرجع فرد عطية . [راجع : ۲۵۸۶] .

ظلم پر گواہ نہ بنے

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث آگے کئی طرح سے نکالی ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر کے والد بشیر ابن سعد نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آکر کہا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو غلام ہدیہ میں دیا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ آپ نے اپنے سارے بیٹوں کو اسی جیسا غلام دیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے یہ ہدیہ واپس لے لو۔ ہدیہ دینا درست نہیں اور اگلی روایت میں آرہا ہے کہ میں نے اپنے بیٹے کو یہ غلام دیا ہے اور میں آپ کو اس کا گواہ بنانے کے لئے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا ، لہذا اس کو واپس لے لو۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس واقعہ سے کئی مسئلے مستنبط کئے ہیں اور ان تمام مسائل کو ترجمۃ الہاب میں

۱۰۔ وفي صحيح مسلم ، كتاب الہبات ، باب كراهة تفصيل بعض الاولاد في الہبة ، رقم : ۳۰۵۲ ، وسنن الترمذی ، كتاب الأحكام عن رسول الله ، باب ماجاء في النحل والتسوية بين الولد ، رقم : ۲۸۸ ، وسنن النسائي ، كتاب النحل ، باب ذكر الاختلاف المماثل السابقين لخير النعمان بن بشير في النحل ، رقم : ۳۶۱۲-۳۶۲۵ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب البيوع ، باب في الرجل يفضل بعض ولده في النحل ، رقم : ۳۰۷۵ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الأحكام ، باب الرجل ينحل ولده ، رقم : ۲۳۶۶ ، ومسند احمد ، أول مسند الكوفيين ، باب حديث النعمان بن بشير عن النبي ، رقم : ۱۷۶۳۱ ، ۱۷۶۳۳ ، ۱۷۶۵۲ ، وموطأ مالك ، كتاب الألقية ، باب ما لا يجوز من النحل ، رقم : ۱۲۳۱

ذکر کیا ہے۔

پہلا مسئلہ ذکر کیا ہے ”باب الہبة للولد“ کہ ولد کو بیہ کرنا ”فی نفسه“ درست ہے۔

اس سے امام بخاریؒ اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ جو مشہور حدیث ہے کہ ”انت و مالک لابیك“ کے ظاہری معنی یہ نظر آتے ہیں کہ بیٹے کا تمام مال باپ کا ہوتا ہے یعنی باپ، بیٹے کے مال کا مالک ہوتا ہے۔ اگر یہ بات درست ہو کہ بیٹے کا سارا مال، باپ کا مملوک ہے تو پھر باپ کا بیٹے کو بیہ دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ جب باپ بیٹے کو بیہ کرے گا تو خود اس کی اپنی ملکیت میں آ جائے گا۔ تو ایسا ہوا جیسے آدمی اپنے آپ کو بیہ کر دے، لہذا امام بخاریؒ اس لفظ سے یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ ”انت و مالک لابیك“ والی حدیث سنداً کمزور ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند ایسی ہے کہ اس کو بالکل یہ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، بلکہ یہ مؤول ہے، اس کی تاویل یہ ہے کہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ بیٹے کا سارا مال باپ کا مملوک ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ ضرورت کے وقت بیٹے کے مال سے فائدہ اٹھائے۔^۱

دوسرا جملہ ”وإذا أهبطی بعض ولدہ شیئا لم یجز“ اگر اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو کچھ دے تو یہ جائز نہیں ہے جب تک کہ سب کے درمیان برابری نہ کرے اور دوسروں کو بھی اسی جیسا مال نہ دے، اور اگر ایسا کرے کہ کسی کو زیادہ دے رہا ہو تو ”ولا یشہد علیہ“ اس پر کسی کو گواہ بننا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ظلم کا گواہ بننا درست نہیں۔

اولاد کو بیہ کرتے وقت تساوی واجب ہے یا مستحب؟

اختلاف فقہاء

جاسدیات پر تو سب متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص اولاد کو بیہ کرے: چاہے تو بہتر یہی ہے کہ سب کے درمیان برابری کرے اور کسی اولاد کو دوسرے پر فوقیت یا ترجیح نہ دے۔ لیکن کیا ایسا کرنا واجب اور اس کے خلاف کرنا حرام ہے؟ یا ایسا کرنا مستحب ہے؟ اس بارے میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے۔

۱۔ فی الترجمة إشارة إلى ضعف الحدیث المذكور أو إلى تأویلہ، وهو حدیث أخرجه من حدیث جابر، أن رجلاً قال: یا رسول الله إن لی مالاً وولداً وإن ابی یرید أن یحتاج مالی فقال أنت و مالک لابیك. (سنن ابن ماجہ، باب مال الرجل من مال ولده ص: ۱۶۵، وفتح الباری، ج: ۵، ص: ۲۱۱، وعمدة القاری، ج: ۹، ص: ۳۰۰).

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ائمہ ثلاثہ کا مسلک

امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اواد کے ميان بنا عذر تقاضا کرنا مکروہ ہے، حرام نہیں۔ اور یہی قول امام شافعی اور امام مالک کی طرف بھی منسوب ہے۔ گویا یہ ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ سب کے درمیان مساوات سے کام لے، البتہ اگر کوئی شخص مفاضلت کرے گا تو ہبہ نافذ ہو جائے گا اور جس کو زیادہ دیا گیا وہ اس کا مالک بن جائے گا۔^{۱۲}

امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک

امام احمد فرماتے ہیں کہ تقاضا کرنا حرام ہے، اگر کوئی شخص تقاضا کرے تو ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے یہ ہبہ نافذ نہیں ہوگا۔ امام بخاری کا رجحان بھی امام احمد کے قول کی طرف معلوم ہوتا ہے۔^{۱۳}

امام احمد رحمہ اللہ کا استدلال

ان حضرات کا استدلال اسی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ میں نے سب کو اتنا نہیں دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ واپس کرو، میں اس ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال

ائمہ ثلاثہ کا استدلال حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے جو موطا، مسانک کی کتاب القضاء میں آئی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ کو اپنے باغ میں سے بیس سق کھجور کا ہبہ فرمایا تھا لیکن نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ اس ہبہ پر قبضہ نہیں کر پائی تھیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مرض اوفات ہو گیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: بیٹی! اگر تم نے وہ بیس سق وہاں سے کاٹ لئے ہوتے اور اپنے قبضے میں لے لے ہوتے تو وہ تہرہ ہوتے لیکن تم نے ابھی تک انہیں کاٹا نہیں، ان پر قبضہ نہیں آیا۔ یہاں تک کہ میرا مرض اوفات آ گیا، لہذا وہ ہبہ تم میں سے لے لے کہ اب یہ میرا اثاثہ ہے، تمہاری ملکیت نہیں ہے بلکہ میرے اثاثہ کے ہبہ ہونے کے لئے وہ تمہارے ہبہ میں تقسیم ہوں گے۔

اس کا حاصل یہ نکلا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دوسروں سے زیادہ عطا فرمایا تھا۔ اگر دوسروں کو زیادہ دیا جاتا، اور ہبہ تھا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس کا اقدوم کیسے کرتے؟^{۱۴}

۱۲ تکملة فتح المصلح ج ۲ ص ۶۸، وعمدة القاری، ج: ۹ ص: ۴۰۶، ۴۰۷، وفتح الباری ج ۵ ص ۴۰، ۴۱.

۱۳ موطا مالک، باب مایلا یحور من النحل، رقم ۱۲۴۱، وعمدة القاری، ج: ۹ ص: ۴۰۶، و تکملة فتح

المصلح، ج ۲ ص ۶۸، ۶۹، ج ۲ حوالہ بالا۔

اس کے علاوہ بھی متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسی روایتیں منقول ہیں کہ انہوں نے اپنے بعض بیٹوں کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ عطا فرمایا اور یہ روایتیں میں نے ”تکملة فتح الملہم“ میں جمع کر دی ہیں۔ ۵

خلاصہ کلام

ان روایتوں کی بنیاد پر ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں تفاضل مکروہ ہے اور مکروہ بھی اس وقت ہے کہ جب بلا عذر ہو، اگر کسی خاص سبب سے ہو کہ ایک بیٹا دوسروں کے مقابلے میں زیادہ محتاج ہے، ایک بیٹا والدین کا زیادہ خدمت گزار ہے یا ایک بیٹا دوسروں کے مقابلے میں زیادہ حدین ہے، اس وجہ سے اس کو زیادہ دیا جا رہا ہے تو اس صورت میں کراہت بھی نہیں ہے لیکن اگر تفاضل کی کوئی وجہ موجود نہ ہو تو پھر کراہت ہے، حرام پھر بھی نہیں اور بہہ پھر بھی ہو جائے گا۔ ۱

واقعہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے جوابات

جہاں تک حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ تعلق ہے۔ اس کے مختلف فقہاء کرام کی طرف سے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ راجح جواب یہ ہے کہ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ جو نعمان کے والد تھے، انہوں نے دو نکاح کئے تھے۔ کچھ اولاد پہلے نکاح سے تھی۔ دوسرا نکاح انہوں نے حضرت عمرہ بنت رواحہ سے کیا تھا۔

حضرت عمرہ بنت رواحہ یہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ بڑی شان و شوکت والی عورت تھیں، زبردست شاعرہ بھی تھیں۔ ان کے اشعار زبان زد خلائق تھے۔ ابوالفرج اصفہانی نے ”اللائعانی“ کے اندر ان کے اور ان کے بارے میں جو اشعار کہے گئے ہیں اس کی بڑی لمبی چوری تفصیل لکھی ہے اور ان کے بڑے عجیب قصے لکھے ہیں۔

ہوا یہ تھا کہ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا۔ جب پہلا بچہ پیدا ہوا یعنی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ان کے پیدا ہوتے ہی حضرت عمرہ بنت رواحہ نے اصرار کیا کہ یہ پہلا بچہ ہے ان پر آپ کوئی چیز بہہ کریں۔ اپنی جائیداد میں سے کوئی جائیداد ان کو دیں۔

انہوں نے کہا کہ میں اپنا باغ ان کے نام کر دیتا ہوں۔ بعد میں حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ یہ بڑا لمبا چوڑا باغ ہے اور میں چھوٹے سے بچے کو دے رہا ہوں۔ انہوں نے وہ باغ واپس لے لیا عمرہ بنت رواحہ پیچھے پڑ گئیں کہ واپس کیوں لیا۔ انہوں نے کہا کہ میں اسے باغ کے بجائے ایک نیا بیٹا سوں، عمرہ بنت رواحہ نے

کہہ کہ پہلے آپ نے باغ دیا تھا وہ واپس لے لیا۔ اب آپ غلام وے رہے ہیں، یہ بھی واپس نہ لے لیں، لہذا میں اس وقت مانوں گی جب آپ ﷺ کے پاس جا کر اس کا گواہ بناؤں گے۔ گواہ بنانے کے بعد پھر میں مطمئن ہوں گی۔ اس صورت میں یہ حضور اقدس ﷺ کے پاس آئے۔

اس ساری تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ یہاں جو دیا جا رہا تھا اس دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی اور اضرار مقصود تھا کہ ایک بیوی اپنے بچے کو زیادہ دلو کر دوسرے کو محروم کرنا چاہ رہی تھی اور جب اضرار مقصود ہو تو بالاتفاق حرام ہے، اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں۔

گویا بہہ کی تین حالتیں ہو گئیں۔

ایک یہ کہ بہہ کسی معقول وجہ سے ہو یہ بالاتفاق جائز ہے۔

دوسری یہ کہ دوسروں کا اضرار مقصود ہو، یہ بالاتفاق حرام ہے۔

اختلاف اس صورت میں ہے کہ نہ تو اضرار مقصود ہے اور نہ ترجیح کا کوئی خاص سبب ہے، وہاں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مکروہ ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک حرام ہے۔ اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں حضور اقدس ﷺ کو یہ بات معلوم تھی کہ اضرار مقصود ہے، اس لئے آپ ﷺ نے اس پر گواہ بننے سے انکار فرمایا اور کہا کہ واپس کرو۔

دوسرا اختلاف

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ فرض کریں، یہ عمل مکروہ یا ناجائز و حرام ہے۔ حرام ہونے کے باوجود ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ اگر باپ بہہ کرے اور معتقدہ زکا یا لڑکی اس پر قبضہ کر لیں گے تو بہہ تام ہو جائے گا، لہذا اب اس کو واپس نہیں کر سکتے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ بہہ ہوگا ہی نہیں، لہذا واپس کرنا ضروری ہے اور اس میں بھی وہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا "لما رجمہ" کہ واپس لو۔

جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے بہہ کیا ہی نہیں تھا بلکہ انہوں نے یہ کہا کہ میں حضور اکرم ﷺ کے پاس جاتا ہوں۔ حضور ﷺ نے اجازت دی تو میں بہہ کروں گا۔

جب وہ حضور اقدس ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ نے اجازت نہیں دی تو بہہ ہی نہیں ہوا، لہذا لوٹانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے کہا میں آپ کو اس بہہ

پر گواہ بنانے آیا ہوں تو گواہ اس وقت بنتا ہے جب کوئی عقد وجود میں لایا جا رہا ہو، تو معنی یہ ہوا کہ پہلے عقد وجود میں نہیں تھا حضور اکرم ﷺ کو گواہ بنا کر ہبہ کا عقد کرنا چاہ رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ ابھی تک ہبہ نہیں ہوا تھا۔ جب ہبہ نہیں ہوا تھا تو لوثانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ہبہ تام ہو چکا تھا اور پھر حضور اکرم ﷺ نے واپس کر دیا تو اس کی یہ توجیہ ممکن ہے کہ اگرچہ ہبہ باوجود ناجائز ہونے کے تام ہو جاتا ہے لیکن امام کو بحیثیت ولی الامر کے یہ حق حاصل ہے کہ ایسے موقع پر ہبہ کو رد کر دے تو آپ ﷺ نے جو رد کر دیا وہ بحیثیت ولی الامر کے فرمایا اور نہ فی نفسہ ہبہ تام ہو چکا تھا۔ تیسرا مسئلہ یہ ذکر کیا ہے کہ ”و هل للوالد ان يرجع فی عطیة ۹“ کیا والد کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے عطیہ سے رجوع کر لے؟

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کر رہے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ان سے فرمایا تم نے اپنے بیٹے کو جو کچھ دیا ہے وہ واپس لے لو، معلوم ہوا کہ باپ اپنے بیٹے کو دیا ہوا ہبہ واپس لے سکتا ہے۔ اگر نہیں لے سکتا ہے تو حضور اقدس ﷺ نے واپس لینے کا حکم کیوں فرماتے؟

والد بیٹے کو ہبہ کر کے رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے۔ اس کا ذکر آگے مستقل باب میں آرہا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک واپس نہیں لے سکتا اور شافعیہ وغیرہ کے نزدیک لے سکتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن اس کا جواب ابھی دیا کہ یہ رجوع درحقیقت رجوع نہیں تھا، کیونکہ ابھی تک ہبہ منعقد نہیں ہوا تھا، تام نہیں ہوا تھا اور اگر تام ہو گیا تھا تو واپس لینے کا حکم بحیثیت ولی الامر کے دیا گیا، لہذا اس سے اس بات پر استدلال نہیں ہو سکتا کہ باپ اپنے بیٹے کو دے ہوئے ہبہ کو عام حالات میں واپس لے سکتا ہے۔

چوتھا مسئلہ یہ بیان فرمایا کہ ”وما یأکل من مال ولده بالمعروف ولا یعدی“ باپ اپنے بیٹے کے مال سے عرف کے مطابق کھا سکتا ہے اور عرف سے تجاوز نہ کرے۔ یعنی اگر باپ کو اپنے بیٹے کا مال کھانے کی ضرورت پیش آئے تو عرف کے مطابق اس کو کھانا جائز ہے لیکن عرف سے بڑھ کر کھانا جائز نہیں۔^{۱۸} اس جملے کا تعلق بظاہر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے نظر نہیں آتا کیونکہ یہاں باپ کا اپنے بیٹے کے مال کو کھانے کا ذکر نہیں ہے۔

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ اس کو طرد اللباب لے کر آئے ہیں کہ جیسے باپ اپنے بیٹے کو دیا ہوا ہبہ

واپس لے سکتے ہے اسی پر اس مسئلے کو بھی قیاس کر دیا کہ بیٹے کے مال سے باپ کے لئے معروف طور پر کھانا بھی جائز ہے۔ آگے فرماتے ہیں "واشتری النبی ﷺ من عمرو بعیرا" کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرؓ سے ایک اونٹ خرید "ثم اعطاه ابن عمرو" پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دے دیا اور فرمایا کہ جو چاہو کرو۔ یہ واقعہ پہلے نزر چکا ہے۔

اس کو یہاں ماننے سے امام بخاری کا نثر، یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ سے اونٹ خرید کر ابن عمر کو ہبہ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عدل بن الاود کے خلاف کوئی معاملہ نہ ہو کیونکہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ آپ حضرت عمرؓ سے کہتے کہ تم ابن عمر کو ہبہ کر دو لیکن اگر ایسا کرتے یعنی حضرت عمرؓ اپنے بیٹے ابن عمر کو ہبہ کرتے تو یہ عدل سے صحابہ ہوتا کیونکہ حضرت عمرؓ کے اور بھی بیٹے تھے، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے پہلے خود خرید اور پھر اپنی طرف سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ہبہ کیا۔

اسی واسطے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو یہاں ذکر کیا، یہ بخاری کے مشکل تراجم میں سے ایک ترجمہ الباب ہے۔

(۱۴) باب ہبة الرجل لامراته والمرأة لزوجها

قال إبراہیم . جائزة ، وقال عمر بن عبد العزيز لا ير جعان . واستاذن النبی ﷺ نساءه فی أن یمرض فی بیت عائشة . وقال النبی ﷺ : ((العائد فی ہبته کما لکلب یعود لی قیئہ)) . وقال الزہری فیمن قال لامراته : ہبی لی بعض صدائک أو کله ، ثم لم یمکت إلا یسیراً حتی طلقها فرجعت فیہ ، قال : یرد إلیها إن کان غلبها ، وإن كانت أعطته عن طیب نفس لیس فی شیء من أمره خدیعة جاز ، قال اللہ تعالیٰ . ﴿ فَإِنْ طِبَّنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا ﴾ ۱

حدیث باب کی تشریح

"باب ہبة الرجل لامراته" یہ بھی آیت وچھیدہ قسم کا ترجمہ الباب ہے کہ شوہر اپنی بیوی یا بیوی اپنے شوہر کو ہبہ کرے تو یہ جائز ہے۔

"قال إبراہیم حائزۃ" : ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ ہبہ جائز ہے، جائز ہونے کے معنی یہ ہے کہ ہبہ نافذ ہے۔

بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ چونکہ یہ بیوی اور شوہر کے اداک میں باہم اتنی قرابت ہوتی ہے شاید

اس میں بہہ نافذ نہ ہوتا ہو، اس شبہ کو دور کرنے سے باب قائم کیا کہ شوہر اور بیوی کا آپس میں بہہ نافذ ہو جاتا ہے۔ ابراہیم نخعی کا قول ذکر کیا کہ ایسا بہہ جائز ہے۔

جائز ہونے کا معنی یہ ہی ہے کہ جب شوہر نے بیوی کو دے دیا تو اب اس کے لئے جائز نہیں کہ واپس لے لے اور بیوی نے شوہر کو دے دیا تو اس کے لئے بھی جائز نہیں کہ واپس لے۔ اور حنفیہ کا مذہب آگے آ رہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ذورحم محرم کو دے تو پھر اس کا واپس لینا جائز نہیں ہوتا تو حنفیہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ جو حکم ذورحم محرم کا ہے وہی شوہر اور بیوی کا بھی ہے یعنی اس کو واپس نہیں لے سکتا۔

”وقال عمر بن عبد العزيز لا یرجعان“ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے فرمایا کہ شوہر اور بیوی آپس میں ایک دوسرے کو بہہ کریں تو اس میں رجوع کرنا جائز نہیں۔

”واستأذن النبی ﷺ نساءه فی أن یرضی لہن یت عائشة“ حضور ﷺ نے ازواج مطہرات سے اس بات کی اجازت لی تھی کہ آپ ﷺ کی بیمار واریں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کی جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری زوان مطہرات نے پٹی باری کا بہہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کر دیا تھا بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ یہاں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ زوان مطہرات نے حضور ﷺ کو بہہ کر دیا تھا تو چونکہ یہ ازواج کی طرف سے بہہ تھا۔ معلوم ہوا کہ زہجہ زوج کو بہہ کر سکتی ہے۔

آگے فرمایا ”وقال النبی ﷺ العائد فی ہبتہ کا لکلب یعود فی قبضہ“ کہ جو شخص اپنے بہہ کو واپس لے وہ اس کے لئے کی طرح ہے جو قے کر کے اس کو دوبارہ چائے۔

بہہ کر کے دوبارہ رجوع کر سکتا ہے؟

یہاں دوسرا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے کہ اگر کوئی دوسرے کو بہہ کرے تو اس کے لئے بہہ کو رجوع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ بھی فقہاء کرام کے درمیان بڑا معرکہ آرا مسئلہ ہے، جس میں بڑا اختلاف ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مسلک

امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تینوں بزرگ یہ فرماتے ہیں کہ جب ایک مرتبہ بہہ کر دیا تو وہ بہہ نافذ ہو گیا۔ اب واپس کے لئے رجوع کرنا جائز نہیں۔ رجوع کرنا صرف ایک صورت میں جائز ہے کہ جب باپ نے بیٹے کو بہہ کیا ہو تو اگر باپ واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ”العائد فی ہبتہ“ اور ابو داؤد وغیرہ کی روایتوں میں ہے۔

”إلا الوالد یرجع فیما أعطاه لولده أو كما قال“ والد کا استثناء فرمایا۔ اس استثناء کی بنا پر یہ

تینوں حضرات کہتے ہیں کہ باپ، بیٹے کو جو بہہ کرے اس میں رجوع جائز ہے باقی کسی اور کے لئے جائز نہیں۔
حنفیہ کا مسلک

حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ جب واہب نے کسی دوسرے کو بہہ کر دیا ہو تو اب اس کے لئے واپس لینا مناسبت نہیں، خلاف مروت ہے لیکن اگر وہ لینا چاہے تو قضا لے سکتا ہے اور اس میں صرف اس بہہ کا استثناء ہے جو کسی شخص نے اپنے ذورحم محرم کو کیا ہو جیسے بھائی، بیٹا، ماں، خالہ وغیرہ اور اسی میں بیوی اور شوہر بھی داخل ہیں، تب تو کسی بھی صورت میں واپس لینے کی گنجائش نہیں لیکن اگر غیر ذی رحم محرم کو بہہ کیا گیا تو اس کا قضا واپس لینا درست ہے۔^۱

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال مستدرک حاکم کی ایک روایت سے ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے،^۲ اس میں نبی کریم ﷺ کا یہ قول منقول ہے کہ "الواہب احق بہتہ مالہ یشب منہا" کہ واہب اپنے بہہ کا زیادہ حق دار ہے جب تک کہ اس کو اس کا معاوضہ نہ دیا گیا ہو اور ذورحم محرم کا جو استثناء کیا گیا ہے مستدرک حاکم میں سمرہ بن جندبؓ کی روایت ہے اس میں یہ استثناء موجود ہے کہ سوائے اس بہہ کے جو اپنے کسی ذورحم محرم کو کیا باقی میں واہب زیادہ حقدار ہے۔^۳

اگرچہ اس کی سند پر کلام کیا گیا ہے لیکن میں نے "تکملة فتح الملہم" میں اس کی تحقیق کی ہے کہ یہ حدیث متعدد طرق سے ثابت ہے اور وہ طرق ایک دوسرے کی تقویت کرتے ہیں۔

یہ کلام تو مرفوع طریق میں ہے اور جو اس کا موقوف طریق ہے حضرت عمرؓ پر، وہ بالکل بے غبار اور صحیح طریق ہے۔ اس کے صحیح ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

جہاں تک "العائد فی ہبہ" کا تعلق ہے تو حنفیہ کی طرف سے اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں، جن میں سے بعض انتہائی رکیک ہیں مثلاً یہ کہا گیا کہ کتے کیلئے قحیٰ چار حرام تو نہیں، لہذا معلوم ہوا کہ یہ عمل بھی جائز ہے، حرام نہیں یہ بالکل بے ہودہ جواب ہے، اس لئے کہ محاورات میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ تو اس میں منطق و تدقیق نہیں چلتی کہ کتے کے لئے حلال ہے یا حرام ہے بلکہ اس کی شناعیت بتانا مقصود ہوتا ہے، اس کا جو مناسب جواب دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ، حدیث دیانت کا حکم بیان کر رہی ہے کہ دیناً واہب کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بہہ کو واپس لے۔ اس میں قضا کا حکم نہیں ہے۔ قضا کا حکم اس حدیث میں ہے کہ "الواہب احق بہتہ مالہ

۱۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب الرجوع فی الہبة، رقم ۳۰۷۲، وعمدة القاری، ج: ۹، ص: ۳۰۹، ۳۱۰، وتکملة فتح الملہم، ج: ۲، ص: ۵۷۔

۲۔ عمدة القاری، ج: ۹، ص: ۳۰۲، وتکملة فتح الملہم، ج: ۲، ص: ۵۸۔

۳۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما، عن النبی ﷺ قال: من وہب الخ، المستدرک رقم: ۱۹۳، ۲۳۲۳، ج: ۲، ص: ۶۰۔

۴۔ المستدرک، رقم ۲۳۲۳ / ۱۹۵، کتاب البیوع، ج: ۲، ص: ۶۰، وتکملة فتح الملہم، ج: ۲، ص: ۵۹، ۵۸۔

یاسب منها“ اس طرح دونوں روایتوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے یعنی واہب کے سنے واپس لینا جائز نہیں لیکن اگر قاضی کے پاس جائے گا تو قاضی واپسی کا فیصلہ کر دے گا۔

اب مسئلہ باپ، بیٹے کا رہ گیا۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر باپ، بیٹے کو بیہ کرے تو بیہ واپس لے سکتا ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نہیں لے سکتا، اس لئے کہ وہ ذرہ محرم میں داخل ہے۔

جس حدیث میں باپ، بیٹے کو کیا ہوا بیہ واپس لینے کا استثناء ہے اس کے پارے میں حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ ”انت و مالک لا ینک“ کے قبیل سے ہے یعنی کسی نے کسی کو بیہ کیا تو واپس نہیں لے سکتا۔ البتہ اگر باپ نے بیٹے کو بیہ کیا ہو اور بعد میں اس کو ضرورت لاحق ہو جائے تو بیٹے کا دل اگر بیہ نہ کیا ہو تو ویسے بھی لے سکتا تھا جب بیہ کیا ہو تو اس میں بظریق اولیٰ لے سکے گا۔

آگے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک اور مسئلہ بیان فرمایا ہے ”وقال الزہری فیمن قال لامرأته ہی لی بعض صداقک أو کلہ“۔

امام زہری رحمہ اللہ نے مسئلہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ مجھے اپنے مہر کا کچھ حصہ بیہ کر دو یا پھر امہر بیہ کر دو۔ اس عورت نے صبر کر دیا ”ثم لم یحکمت الا یسیرا حتی طلقها“ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ اس نے طلاق دے دی۔ ”فرجعت فیہ“ بیوی نے بھی اس بیہ پر رجوع کر لیا۔ ”قال: یرد الیہا ان کان علیہا“ امام زہری فرماتے ہیں کہ شوہر پر واجب ہوگا کہ وہ مہر لوٹائے اور اس نے اپنی بیوی کو دھوکہ دیا ہو۔

”وان کانت أعطتہ عن طیب نفس“ اور اگر اس نے خوش دلی سے دیا تھا، ”لیس فی امرہ شیء من غدیعة جاز“ اس میں، دھوکہ نہیں تھا تو بیہ نافذ ہو گیا۔ واپس لینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ”قال اللہ تعالیٰ، فان طبن لکم عن شیء منہ نفسا فکلوہ ہنیثا مرینا“۔

حنفیہ کا مسلک بھی اس کے قریب قریب ہے یعنی ابھی مذکور ہوا کہ بیوی، شوہر کو بیہ کرے یا شوہر بیوی کو بیہ کرے تو اس کا رجوع نہیں ہوتا لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب یہ بیہ بغیر کسی اکراہ یا کسی دھوکے کے ہوا ہو اور واہب نے طیب نفس کے ساتھ کیا ہو۔

لیکن اگر قرآن سے یہ بات معلوم ہو رہی ہو کہ بیوی نے دھوکے میں آکر بیہ کیا تھا۔ اصل میں اس کی مرضی تھی اس کے ساتھ دھوکہ ہوا، یا اکراہ ہوا، تو پھر بیہ ہوا ہی نہیں اور جب بیہ ہی نہیں ہوا تو رجوع کا سوال نہیں ہوتا، اس لئے وہ اس کی ملکیت ہے۔

(۱۵) باب

ہبة المرأة لغير زوجها ، وعتقها إذا كان لها زوج فهو جائز إذا لم تكن سفیہة . فإذا كانت سفیہة لم یجز ، وقال الله تعالى : ﴿ وَلَا تَوْتُوا السُّفَهَاةَ أَمْوَالَكُم ﴾^۱

۲۵۹۰۔ حدثنا أبو عاصم ، عن ابن جریر ابن ابی ملیکہ ، عن عباد بن عبد الله ، عن أسماء رضي الله عنهما قالت : قلت : يا رسول الله ، ما لي مال إلا ما أدخل علي الزبير ، فأصدق؟ قال : ((تصدقي ولا نوعي فيوعى الله عليك)) . [راجع : ۱۳۳۳]

۲۵۹۱۔ حدثنا عبید الله بن سعيد : حدثنا عبد الله بن نمير : حدثنا هشام بن عروة ، عن فاطمة ، عن أسماء : أن رسول الله ﷺ قال : ((أنفقي ولا تحصي ليحصي الله عليك ، ولا نوعي فيوعى الله عليك)) . [راجع : ۱۳۳۳]

حدیث باب کی تشریح

بیوی کوئی مال اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور کو ہبہ کرے یہ جائز ہے یا نہیں؟
بعض سلف کا مسلک یہ ہے کہ بیوی اگرچہ اپنے مال کی مالک ضرور ہے لیکن اگر وہ کسی کو ہبہ کرنا چاہے یا صدقہ دینا چاہے تو شوہر کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتی۔ وہ کہتے ہیں کہ عورت ناقصۃ العقل ہوتی ہے اور مرد کو اللہ تعالیٰ نے قوام بنا دیا ہے۔

كما قال الله تعالى :

﴿ الْرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ ﴾

ترجمہ: ”مرد حاکم ہے عورتوں پر“۔

تو ہو سکتا ہے کہ بیوی کسی ایسے شخص کو ہبہ کر رہی ہو جس کو ہبہ کرنا مناسب نہیں ہے مال ضائع کرنے کی طرح ہے تو شوہر اس کو روک سکتا ہے۔

عورت عاقل ، بالغ ہو لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مال میں ہبہ کا تصرف نہیں کر سکتی۔ یہ مسلک حضرت حسن بصریؒ اور حضرت طاؤس بن کيسانؒ اور حضرت اسحاقؒ کی طرف منسوب ہے۔

امام بخاریؒ ان کی تردید کرنا چاہتے ہیں کہ عورت اگر عاقل ، بالغ ، رشیدہ ہے اور اس میں کوئی بیوقوفی کے آثار نہیں ہیں تو وہ اپنی ملک میں تصرف کر سکتی ہے جیسے ہر انسان اپنی ملک میں تصرف کر سکتا ہے جس کو چاہے ہبہ کرے۔

”وعتقها“ اور اس کا حقیق کرنا بھی جائز ہے اور جو لوگ ناجائز کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شوہر کی اجازت کے بغیر غلام کو بھی آزاد نہیں کر سکتی تو اس کی تردید کر دی کہ حقیق کرنا بھی جائز ہے ”اذا كان لها زوج“ جبکہ اس کا شوہر موجود ہو، ”فہو جائز اذا لم تكن سفیہة“ لیکن جائز اس وقت ہے اگر وہ سفیہ نہ ہو، اور اگر وہ سفیہ ہو تو پھر شوہر کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ”قال الله تعالى لا تؤنوا السفہاء اموالکم“۔

اور ہمارے ہاں عورت سفیہ ہو یا نہ ہو اور سفیہ ہونے کا فیصلہ کرنا بڑا مشکل ہے۔ اس کو تہمی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ تہمی زیر ولایت ولی تھے اور ابھی نابالغ تھے، لہذا جب تک بلوغت کے بعد رشد کے آثار ان پر نمودار نہ ہو جائیں اس وقت تک ان کو دینے سے منع فرمایا لیکن یہاں تو بیچاری بالغ ہے، عاقلہ ہے، اور کون یہ فیصلہ کرے گا کہ یہ سفیہ ہے یا نہیں۔ ہر شوہر یہ کہے گا کہ میری بیوی بے وقوف ہے، لہذا میں اجازت نہیں دیتا۔ اس واسطے حنفیہ اس کے بھی قائل نہیں کہ اس کو ایسا کیا جائے۔

اس میں حضرت اسماء کی حدیث نقل کی ہے کہ ”مالی مال إلا ما ادخل علی الزبیر“ کہ میرے پاس اس مال کے سوا کوئی اور مال نہیں ہے جو میرے شوہر حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے دیا ہے۔ ”فانصدق؟“ کیا میں صدقہ کر سکتی ہوں؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تصدقی ولا توعی“ کہ صدقہ کرو اور برتن میں بند کر کے مت رکھو۔ تمہارے اوپر بھی برتن بند کر دیا جائے گا۔ بخیل آدمی جب برتن بند کر کے رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بخیل پر بھی بند کر دیتے ہیں۔ اس واسطے صدقہ کرو۔ یہاں آپ ﷺ نے صدقہ کرنے کی اجازت دی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے اجازت لینے کی شرط نہیں لگائی۔ معلوم ہوا کہ شوہر کی اجازت کے بغیر صدقہ کرنا جائز ہے۔

۲۵۹۲۔ حدثنا یحییٰ بن بکیر، عن اللیث عن یزید عن بکیر عن کریب مولیٰ ابن عباس : ان ميمونة بنت الحارث رضي الله عنها اخبرته انها اعتقت وليدة ولم تستاذن النبي ﷺ فلما كان يومها الذي يدور عليها فيه قالت : اشعرت يا رسول الله اني اعتقت وليدتي ؟ قال : ((أو فعلت ؟)) قالت : نعم . قال : ((أما إنك لو أعطيتها أخوالك ، كان أعظم لأجرک)). وقال بکر بن مضر : عن عمرو ، عن بکیر ، عن کریب : أن ميمونة اعتقت ، [أنظر : ۲۵۹۳] .

یہ امام المؤمنین حضرت ميمونة بنت الحارث رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنی جاریہ کو آزاد کر دیا

۱۔ وفی صحیح مسلم ، کتاب الزکاة ، باب فضل النفقة والصدقة علی الاقربین والزوج والاولاد ، رقم : ۱۶۶۶ ،
ومسنن ابی داؤد ، کتاب الزکاة ، باب فی صلة الرحم ، رقم : ۱۳۳۰ ، ومسنن احمد ، باقی مسند الأنصار ، باب حدیث
ميمونة بنت الحارث الهلالية روج النبي ، رقم : ۲۵۵۸۹۰ .

اور حضور اقدس ﷺ سے اجازت نہیں لی۔

ترجمہ الباب کا یہی مقصد ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر آزاد کر دیا۔

”فلما كان يومها الذي يدور عليها فيه“ جب ان کا وہ دن آیا جب حضور اقدس ﷺ ان کے

پاس آئے تو انہوں نے عرض کیا ”أشعرت يا رسول الله ﷺ إني أعتقت وليدتي؟“ کیا اے رسول اللہ ﷺ آپ کو پتہ ہے کہ میں نے اپنی جاریہ کو آزاد کر دیا ہے؟

”قال أو فعلت؟“ حضور ﷺ نے پوچھا کیا واقعی آزاد کر دیا؟ ”قالت نعم قال اما انك لو

أعطيتها احوالك كان اعظم لاجرك“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم یہ کثیر اپنے ماموں کو دے دیتیں تو زیادہ ثواب ہوتا۔

یہاں حضور ﷺ نے ان پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ میری اجازت کے بغیر کیوں آزاد کر دیا۔ البتہ ساتھ یہ بتا دیا کہ اگر تم اس کو اپنے مہیال میں دے دیتیں تو تمہارے لئے زیادہ ثواب کا سبب ہوتا۔ معلوم ہوا کہ صلہ رحمی کا ثواب اعتناق سے زیادہ ہے۔

۲۵۹۳۔ حدثنا حبان بن موسى: أخبرنا عبد الله: أخبرنا يونس، عن الزهري،

عن عروة، عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله ﷺ إذا أراد سفرًا أفرغ بين نسائه، فأبعتن عرج سهمًا خرج بها معه. وكان يقسم لكل امرأة منهن يومها وليعتها، غير أن سودة بنت زمعة وهبت يومها وليعتها لعائشة زوج النبي ﷺ تبغى بذلك رضا رسول الله ﷺ. [أنظر: ۲۶۳۷، ۲۶۶۱، ۲۶۸۸، ۲۸۷۹، ۳۰۲۵، ۳۱۴۱، ۳۶۹۰، ۳۷۳۹، ۳۷۵۰، ۵۲۱۲، ۶۶۶۲، ۶۶۷۹، ۷۳۷۰، ۷۵۰۰، ۷۵۴۵].

اس حدیث کو یہاں لے نے کا منشاء یہ ہے کہ حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو بہہ کر دی اور یہ منقول نہیں کہ حضور ﷺ سے اجازت لی۔ معلوم ہوا کہ شوہر کی اجازت کے بغیر بہہ کرنا جائز ہے۔

(۱۷) باب من لم يقبل الهدية لعلة

”وقال عمر بن عبد العزيز: كانت الهدية في زمن رسول الله ﷺ هدية، و

اليوم رشوة“.

۲۵۹۶۔ حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: أخبرني عبيد الله بن

عبد الله بن عتبة: أن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما: أخبره أنه سمع الصعب بن جثامة الليثي وكان من الأصحاب النبي ﷺ يخبر: أنه أهدى لرسول الله ﷺ حمار وحش وهو بالأبواء أو بؤدان وهو محرم فركه. فقال صعّب: فلما عرف في وجهي رده هديتي قال:

((لیس بنا رد علیک ولنکنا حرم))۔ [راجع: ۱۸۲۵]۔

۲۵۹۷۔ حدثنی عبداللہ بن محمد: حدثنا سفیان، عن الزہری، عن عروۃ بن الزبیر، عن ابي حمید الساعدی ؓ، قال: استعمل النبی ﷺ رجلاً من الأزد يقال له: ابن اللبابة على الصدقة، فلما قدم قال: هذا لكم وهذا أهدي لي. قال: ((فهلأجل جلس في بيت أبيه أو بيت أمه ينظر أبيهدي له أم لا؟ والذي نفسي بيده لا يأخذ أحد منه شيئاً إلا جاء به يوم القيامة يحمله على رقبة: إن كان بعيراً له رغاء، أو بقرة لها خوار، أو شاة تيعر))، ثم رفع بيده حتى رأينا عفرة إبطيه: ((اللهم هل بلغت، اللهم هل بلغت))، ثلاثاً. [راجع: ۹۲۵]۔

فرمایا کہ ویسے تو ہدیہ قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر کوئی مسلمان محبت سے ہدیہ دے تو قبول کر لینا چاہئے۔

مسلمان کے ہدیہ میں برکت ہے

میرے والد ماجد (حضرت مفتی محمد شفیع صاحب) قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان کا محبت سے پیش کیا ہوا ہدیہ، آمدنی کے تمام ذرائع میں سب سے زیادہ برکت والا اور حلال مال ہے۔ اگر وہ خلوص سے دے رہا ہے تو بہت ہی برکت والی چیز ہے۔ اس واسطے جب اخلاص ظاہر ہو تو قبول کر لینا چاہئے لیکن اگر کسی علت کی وجہ سے رد کرنا پڑے تو رد کرنا بھی جائز ہے۔ یہاں امام بخاری کا یہی مقصد ہے۔

چنانچہ پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول نقل کیا ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ایک مرتبہ سیب کھانے کا دل چاہا، مگر وسعت نہ تھی کہ خرید سکتے۔ اسی دوران کسی نے انہیں سیب سے بھرے ہوئے کئی طبق بھیجے، حضرت نے انہیں سونگھ کر واپس کر دیا اور وجہ یہ بتائی کہ اب حکومت کے عمال کو جو ہدیہ دیا جاتا ہے وہ عام طور پر رشوت ہوتی ہے۔ (ذکرہ العینی عن ابن سعد)

یہاں ایک واقعہ ذکر کیا ہے جو پہلے گزرا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو جو خوشی ہدیہ کے طور پر پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے رد کر دیا اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ ہم نے اس لئے رد نہیں کیا کہ آپ سے کوئی ناراضگی ہے بلکہ اس لئے رد کیا ہے کہ ہم حالت احرام میں ہیں۔

اور دوسرا واقعہ ابن اللبیب کا ذکر کیا ہے۔ ابن اللبیب کو آپ ﷺ نے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا اور وہ بہت سے صدقات وصول کر کے لائے۔

آ کر کہنے لگے کہ یہ تو صدقات ہیں اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”فہلأجل جلس فی بیت اہیہ او بیت امہ“ اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھ کر دیکھتا کہ کوئی ہدیہ دیتا ہے کہ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر لوگ مصدق یا کسی آفسر کو کوئی ہدیہ دے رہے ہیں تو اس میں رشوت کا غالب گمان ہے، اس لئے جہاں اس بات کا گمان ہو وہاں ہدیہ کو رد کر دینا درست ہوگا۔

(۱۸) باب إذا وهب هبة أو وعد ، ثم مات قبل أن تصل إليه

”وقال عبیدة: إن ماتا و كانت فصلت الہدیة والمہدی لہ حی فہی لورثتہ. وإن لم تکن فصلت فہی لورثة الذی اہدی. وقال الحسن: ایہما مات قبل فہی لورثة المہدی لہ إذا قبضہا الرسول.“

یہ ترجمہ الباب ہے ”باب إذا وهب هبة أو وعد“ اگر کسی شخص نے کوئی ہبہ کیا یا ہبہ کرنے کا وعدہ کیا ”ثم مات“ پھر وعدہ کرنے والے یا ہبہ کرنے والے کا انتقال ہو گیا۔ ”قبل أن تصل إليه“ ابھی ”مہدی لہ“ یا مویوب لہ کو وہ شیء مویوب نہیں دی گئی تھی۔ اس سے پہلے وہ ہب کا انتقال ہو گیا تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ اس ترجمہ سے اس مشہور مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ آیا ہبہ تام ہونے کے لئے قبضہ شرط ہے یا نہیں؟

ہبہ تام ہونے کے لئے قبضہ شرط ہے یا نہیں؟

جمہور کا مسلک

جمہور کا مسلک یہ ہے جس میں حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ داخل ہیں کہ ہبہ بغیر قبضہ کے تام نہیں ہوتا۔ اگر کسی شخص نے کہہ دیا کہ میں نے تمہیں فلاں چیز ہبہ کر دی تو ہبہ تو ہوا لیکن ابھی تام نہیں ہوا جب تک کہ مویوب لہ اس پر قبضہ نہ کرے۔^{۲۸}

امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہبہ تام ہونے کے لئے قبضہ شرط نہیں بلکہ جس طرح بیع مطلق ایجاب و قبول سے پوری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہبہ بھی مجرد ہبہ کا لفظ منہ سے نکال دینے سے یعنی ایجاب و قبول سے تام ہو جاتا ہے، اس کے لئے قبضہ شرط نہیں ہے، امام مالک ہبہ کو بیع پر قیاس کرتے ہیں۔^{۲۹}

جمہور کا استدلال

جمہور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں جو مؤطا امام مالک میں آیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو بیس وسق کھجور ہبہ فرمائی تھیں لیکن ساتھ ہی جب انتقال ہونے لگا تو فرمایا کہ اگر تم نے اس کو کاٹ لیا ہوتا اور قبضہ میں سے آئی ہوتیں تو تمہارا قبضہ ہو جاتا لیکن تم نے اس کو نہیں کاٹا لہذا اب یہ میری میراث ہے۔^{۳۰}

۲۸، ۲۹ عمدة القاری، ج: ۹، ص: ۳۲۰

۳۰ مؤطا مالک، کتاب الأفضیة، باب ما لا یجوز من النحل، رقم: ۱۲۳۲۰

اس بارے میں صریح ہے کہ ہبہ، قبضہ کے بغیر تام نہیں ہوتا۔ یہ تو ہبہ کا حکم ہے اور وعدہ ہبہ کا بطریق اولیٰ ہوگا۔ یعنی اگر کسی نے ہبہ کا وعدہ کیا ہے تو محض وعدہ کر لینے سے ملکیت موعودہ کی طرف منتقل نہیں ہوتی جب تک وہ اس وعدہ پر عمل نہ کرے۔

”وقال عبیدة: إن ماتا وكانت الهدية والمهدى له حتى فهى لورثته“ عبیدہ سلمانی جو مشہور فقہاء تابعین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں ”ان مات“ اور بعض نسخوں میں ”ان ماتا“ یہ زیادہ صحیح ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کو ہبہ کیا تھا یا ہبہ کا وعدہ کیا تھا، پھر دونوں یعنی ”مہدی“ اور ”المہدی“ لہ“ کا انتقال ہو گیا ”وكانت فصلت الهدية“ اور ہدیہ کو جدا کر دیا گیا تھا جبکہ ”المہدی لہ“ زندہ تھا۔ یعنی ”مہدی“ نے ”المہدی لہ“ کی زندگی میں اس کو اپنی ملکیت سے جدا کر دیا تھا۔ ”فہی لورثته“ تو وہ ہدیہ اس ”المہدی لہ“ کے ورثہ کو ملے گا۔

اب جدا کرنے کا کیا معنی ہے؟ اگر یہ معنی ہے کہ ”مہدی“ نے وہ ہدیہ اپنی ملکیت سے نکال کر ”المہدی لہ“ کے قبضہ میں دے دیا یا مہدی لہ کے کسی وکیل کے قبضے میں دے دیا جب تو حنفیہ بھی اس فتویٰ سے متفق ہیں کیونکہ یا ”المہدی لہ“ کا قبضہ ہو گیا یا اس کے وکیل کا قبضہ ہو گیا۔ دونوں صورتوں میں قبضہ تام ہو گیا اور اگر فصل سے مراد یہ ہو کہ ”مہدی“ نے اپنی وہ رقم دوسری رقم سے الگ کر کے رکھ دی جس کو افراز کہتے ہیں لیکن ابھی ”المہدی لہ“ یا اس کے وکیل کی تحویل میں نہیں دی تو اس صورت میں ہبہ کے تام ہونے میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک محض افراز سے عیحدہ کر لینے سے ”المہدی لہ“ کا قبضہ تحقق نہیں ہوتا اور ہبہ تام نہیں ہوتا، لہذا اگر اس صورت میں ”مہدی“ کا انتقال ہو جائے تو وہ رقم ”مہدی“ کی ہی رہے گی اور اس کے ورثے میں ترکہ کے طور پر تقسیم ہوگی۔

”وان لم تکن فصلت فهى لورثة الذى اهدى وقال الحسن ابهما مات قبل لورثة المهدى له اذا قبضها الرسول“.

حسن بصری نے فرمایا کہ ان میں سے جو پہلے مر جائے تو ”المہدی لہ“ کے ورثہ کو ملے گا جبکہ اس کو رسول نے قبضہ کر لیا ہو۔

یہاں اگر رسول سے ”المہدی لہ“ کا رسول مراد ہو تب تو حنفیہ بھی اس سے متفق ہیں کہ ”المہدی لہ“ کے رسول نے قبضہ کر لیا تو اس کا قبضہ گویا ”المہدی لہ“ کا قبضہ ہے تو ہبہ تام ہو گیا لیکن اگر رسول سے ”مہدی“ کا رسول مراد ہے تو پھر اس سے متفق نہیں کیونکہ ”مہدی“ کا رسول ”مہدی“ کا وکیل ہے، اس کے قبضے میں ہونا ایسا ہی جیسا کہ ”مہدی“ کے قبضے میں ہوتا چونکہ ابھی ”مہدی لہ“ کا قبضہ نہیں ہوا، لہذا ہبہ

تام نہیں ہوا۔

۲۵۹۸۔ حدثنا علی بن عبد اللہ : حدثنا سفیان : حدثنا ابن المنکدر : سمعت جابراً ؓ قال : لی النبی ﷺ : ((لو جاء مال البحرین أعطیتک هكذا)) ثلاثا . فلم یقدم حتی تو فی النبی ﷺ فأرسل أبو بکر منادیا فنادی : من كان له عند النبی ﷺ عدة أو دین فلیأینا ، فأتینة فقلت : إن النبی ﷺ وعدنی ، فحئی لی ثلاثا . [راجع : ۲۲۹۶] .

یہ واقعہ پہلے زور چکا ہے۔ یہاں لانے کا منشاء یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر ؓ نے یہ اعلان کیا تھا کہ جس کو حضور ﷺ نے کوئی بدیہ دینے کا وعدہ کیا ہو وہ میرے پاس آجائے، میں دوں گا۔

ترجمہ الباب میں یہ کہا ہے کہ ایک شخص بیہ کا وعدہ کر کے مر جائے تو اس کے ورثہ پر واجب ہے کہ اس وعدہ کو پورا کرے لیکن جمہور کے نزدیک یہ بات درست نہیں اور حضرت صدیق اکبر ؓ کے واقعہ سے اس لئے استدلال درست نہیں کہ حضرت صدیق اکبر ؓ نے جو کچھ کیا اس کا منشاء یہ نہیں تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے ورثہ پر وعدہ پورا کرنا واجب تھا کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی تو میراث ہی نہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے حضور اقدس ﷺ کے کئے ہوئے وعدہ کے احترام کے طور پر بیت امال سے دینے کا وعدہ کیا۔ بیت امال میں سب مسلمانوں کا حق ہوتا ہے لیکن فرمایا کہ جن کے لئے حضور اقدس ﷺ نے وعدہ کیا تھا میں ان کو پیسے دوں گا، لہذا اس کو عام لوگوں کے وعدہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

(۱۹) باب کیف یقبض العبد والمتاع؟

”وقال ابن عمر : كنت على بكر صعب فاشتراه النبي ﷺ“ وقال : ((هولك يا عبدالله)).

یہاں قبضہ کی کیفیت بتانا مقصود ہے کہ غلام یا متاع پر قبضہ کس طرح ہوتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی روایت ہے کہ میں ایک مشکل قسم کے اونٹ پر سوار تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے وہ خرید اور خرید کر مجھے دے دیا اور فرمایا ”ہولک یا عبداللہ“۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ پہلے سے اونٹ پر سوار تھے۔ آپ ﷺ نے اونٹ خرید کر بیہ کیا تو بیہ کرنے کے بعد قبضہ جدید کی ضرورت نہیں بلکہ پہلے جس طرح کا قبضہ تھا اسی کو بیہ کا قبضہ بھی تصور کر سیا گیا۔

معلوم ہوا کہ اگر اس طرح کر لیا جائے تو جائز ہے۔

۲۵۹۹۔ حدثنا فتية بن سعيد : حدثنا الليث ، عن ابن أبي مليكة ، عن المسور

بن مخرمہ رضی اللہ عنہما أنه قال: قسم رسول اللہ ﷺ أقببہ ولم یعط مخرمہ منها شیئا فقال مخرمہ: یا بنی انطلق بنا إلی رسول اللہ ﷺ، فأنطلقت مع فقال: ادخل فادعه لی، قال فدعوته له فخرج إلیه وعلیه قباء منها. فقال: ((خبانا هذا لک)). قال: فنظر إلیه فقال: رضی مخرمہ. ^۱

حضرت سعد بن مخرمہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ قبائیں تقسیم فرمائیں ”ولم یعط مخرمہ منها شیئا“ میرے والد مخرمہ کو کچھ نہیں دیا، یہ مخرمہ کچھ تدمزان تقسیم کے بزرگ تھے۔
”فقال مخرمہ: یا بنی انطلق بنا إلی رسول اللہ ﷺ“ بیٹے رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو۔
”فانطلقت معہ فقال: ادخل فادعه لی“

حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا جاؤ اندر جا کے حضور اکرم ﷺ کو بلا کے ماؤ۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضرت سعد بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ذرا ٹھٹکے یہ کیا بات ہوئی کہ میں حضور اکرم ﷺ کو بلا کے ماؤں، حضور اکرم ﷺ کو بلانا ادب کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ مخرمہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ بیٹے حضور اکرم ﷺ ان باتوں سے بالاتر ہیں یعنی وہ اس قسم کا کوئی خیال نہیں کرتے کہ مجھے کسی نے بلایا ”فدعوته له.....“ آپ ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ کے اوپر ایک قبائری ہوئی تھی۔ ”فقال خبانا هذا لک“ دیکھو ہم نے تمہارے لئے چھپا کر رکھی ہوئی تھی ”قال: فنظر إلیه“ فقال: رضی مخرمہ“ پھر ان کو دے دی۔

(۲۰) إذا وهب هبة فقبضها الآخر ولم يقل: قبلت

۲۶۰۰۔ حدثنا محمد بن محبوب: حدثنا عبد الواحد: حدثنا معمر، عن

الزهری، عن حمید بن عبد الرحمن، عن أبي هريرة ؓ قال: جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: هلكت. فقال: ((وما ذاك؟)) قال: وقعت بأهلي في رمضان. قال: ((أبجدء رلبة؟)) قال: لا، قال: ((فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين؟)) قال: لا، قال: ((فستطيع أن تطعم سبعين مسكينا؟)) قال: لا، قال: فجاء رجل من الأنصار بعرق، والعرق المكتل فيه تمر، فقال: ((أذهب بهذا فتصدق به)). قال: علي أحوج منا يا رسول

۱۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب اعطاس من سأل بفحش وغبطة، رقم ۷۵۰، وسنن الترمذی، كتاب الأدب عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في كراهية الحرير والديباغ، رقم ۲۷۳۳، وسنن النسائی، كتاب الزينة، باب لبس الأقبية، رقم: ۵۲۲۹، وسنن ابی داؤد، كتاب اللباس، باب ما جاء في الأقبية، رقم: ۳۵۱۰، ومسند احمد، أول مسند الكوليين، باب حديث المسور بن مخرمة الزهری ومروان بن الحكم، رقم: ۱۸۱۶۵.

اللہ؟ والذی بعثک بالحق مابین لا بتیہا اهل بیت أحوج منا، ثم قال: ((اذهب فاطمہ اهلک))۔ [راجع ۹۱۳۶]۔

یہ مشہور واقعہ ہے۔ یہاں امام بخاری کا منشاء یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کو دیا، انہوں نے لے لیا اور زبان سے قبہت نہیں کہنا۔

معلوم ہوا موہوب لہ بہہ پر قبضہ کر لے اور زبان سے قبہت نہ کہے تب بھی بہہ تام ہو جاتا ہے۔

(۲۱) باب إذا وهب دینا علی رجل

وقال: شعبة، عن الحكم: هو جائز. ووهب الحسن بن علی رضی اللہ عنہما دینہ لرجل. وقال النبی ﷺ: ((من كان له عليه حق فليعطه أوليت حلقه منه. وقال جابر: قتل أبي وعليه دين فسأل النبي ﷺ غرماء ه أن يقبلوا ثمر حائطي ويحللوا أبي.

۲۶۰۱۔ حدثنا عبدان: أخبرنا عبد الله: أخبرنا يونس. وقال الليث: حدثني يونس، عن ابن شهاب أنه قال: حدثني ابن كعب بن مالك: أن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہما أخبره: أن أباه قتل يوم أحد شهيدا فأشد الغرماء في حقوقهم فأتيت رسول الله ﷺ فكلمته فسألهم أن يقبلوا ثمر حائطي، ويحللوا أبي فأبوا. فلم يعطهم رسول الله ﷺ ولم يكسره لهم ولكن قال: ((سأعذو عليكم إن شاء الله تعالى فغدأ علينا حين أصبح فطاف في النخل فدعا في ثمره بالبركة، فجددتها فقضتهم حقهم وبقي لنا من ثمرها بقية. ثم جئت رسول الله ﷺ وهو جالس فأخبرته بذلك، فقال رسول الله ﷺ لعمر: ((اسمع - وهو جالس - يا عمر)). فقال عمر: ألا يكون قد علمنا أنك رسول الله، والله إنك لرسول الله. [راجع: ۲۱۲۷]۔

یہ ترجمہ الباب ہے کہ ایک شخص کا دوسرے پر دین واجب ہے کیا وہ اس شخص کو دین بہہ کر سکتا ہے؟

دین کے بہہ کی تفصیل

اس کی تفصیل یہ ہے کہ دین کے بہہ کی دو صورتیں ہیں:

ایک صورت تو یہ ہے کہ خود مدیون کو دین کا بہہ کر دیا جائے جس کا حاصل ابراء ہے، مثلاً دائن مدیون سے کہے کہ میں اپنا دین تم کو بہہ کرتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میں اپنے دین سے تم کو بری الذمہ قرار دیتا ہوں۔ یہ

صورت بالا جماع جائز ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں جو واقعات ذکر کئے ہیں وہ سب اسی سے متعلق ہیں کہ مدیون کو دین ہبہ کر دیا گیا، جس کا حاصل ”اہراء المدیون عن الدین“ ہے۔
 دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی شخص سے یوں کہے کہ میرا جو دین زید پر واجب ہے میں وہ تم کو ہبہ کرتا ہوں۔ یہ جائز ہے یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔
 فقہاء کرام میں سے بڑی جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ صورت جائز ہے۔

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ جائز نہیں کیونکہ یہ ”تملیک الدین من غیر من علیہ الدین“ ہے۔ یعنی اس شخص کو دین کا مالک بنانا جس پر دین واجب نہیں تھا جو غیر مدیون ہے، یہ نہ بطریق بیع جائز ہے اور نہ بطریق ہبہ جائز ہے ”عند الأحناف“۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہبہ کے تام ہونے کے لئے شرط ہے کہ موصوب کہ ہبہ پر قبضہ کر لے اور یہ تو دین ہے اس میں کسی قسم کے قبضے کا سوال ہی نہیں، لہذا محض یہ کہہ دینے سے کہ اپنا دین تمہیں ہبہ کر دیا، ہبہ منعقد نہیں ہوگا۔
 ہاں! اگر کسی وقت مدیون اس کو وہ دین دیدے اور وہ ہبہ یہ کہے کہ ٹھیک ہے رکھ لو، تو ہبہ ہو جائے گا۔^{۳۲}
 ”وقال شعبۃ عن الحکم ہو جائز و وہب الحسن بن علی دینہ لرجل“ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنا دین کسی شخص کو ہبہ کر دیا تھا مراد یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔

”وقال النبی ﷺ من كان له عليه حق فليعطه أو ليتحلله منه“ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جس کے اوپر کسی کا حق واجب ہو وہ دیا تو اس کا حق ادا کرے یا اس سے معاف کرائے، معاف کرانے کا مطلب یہ ہے کہ معاف کرنے والا اپنا دین اس کو ہبہ کر دے گا تو موقوف ہو جائے گا۔ اس سے ”ہبة الدین ممن علیہ الدین“ کا جائز ہونا معلوم ہوا۔

”وقال جابر رضی اللہ عنہ“ حضرت جابر۔۔ کا واقعہ دوبارہ ذکر کیا کہ میرے والد شہید ہو گئے تھے، ان پر دین تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے دائین سے کہا: وہ میرے باپ کا پھل قبول کر لیں اور میرے باپ کو معاف کر دیں، تو آپ ﷺ نے معاف کرنے کی فرمائش کی اور موقوف کر لے کا یہ معنی ہے کہ ان کے دائین ان کے والد کو یا ان کے ورثہ کو دین ہبہ کر دیں۔ معلوم ہوا کہ ”ہبة الدین ممن علیہ الدین“ جائز ہے۔

(۲۲) باب ہبة الواحد للجماعة

”وقالت أسماء للقاسم بن محمد وابن أبي عتيق: ورثت عن أختي عائشة

بالغابة، وقد أعطانی به معاویة مائة الف فهو لکما“.

۲۶۰۲۔ حدثنا یحییٰ بن قزعة : حدثنا مالک ، عن أبی حازم ، سهل بن سعد ؓ :
أن النبی ﷺ أتى بشراب فشرب و عن یمینہ غلام و عن یسارہ الأشیخ ، فقال للغلام :
((إن أدلت لی أعطیت هو لاء)) ، فقال : ما كنت لأؤثر بنصبی منک یارسول الله أحدا ،
فعله فی یدہ . [راجع : ۲۳۵۱]

یہاں دوسرا مسئلہ چھیڑ دیا ”باب ہبة الواحد للجماعة“ کہ اگر ایک آدمی ایک سے زائد آدمیوں
کو ہبہ کرے، جس کو اصطلاح میں ہبتہ المشاع کہتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟
ایک چیز ہو اور ایک سے زائد افراد کو ہبہ کر دی جائے جیسے باپ کے پاس ایک مکان ہے، اس نے کہا
میں یہ مکان تقسیم کئے بغیر مشاع حالت میں تمام بیٹوں کو ہبہ کرتا ہوں۔
امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہبتہ المشاع جائز نہیں اور امام شافعی کے نزدیک مشاع کا ہبہ جائز ہے۔

ہبتہ المشاع میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک تفصیل

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تفصیل یہ ہے کہ جو چیز ہبہ کی جارہی ہے اگر وہ قابل تقسیم نہیں ہے
یعنی ایسی چیز ہے کہ اگر اسے تقسیم کریں تو اس کا فائدہ ہی ختم ہو جائے گا جیسے کنواں، چنگی یا مشین، تو ان کے بارے
میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ مشاع ہیں اس لئے ان کا ہبہ جائز ہے۔
اور اگر وہ چیز قابل تقسیم ہے جیسے زمین ہے تو اس کا ہبہ حنفیہ کے نزدیک مشاع حالت میں جائز نہیں۔
حنفیہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب تک تقسیم نہ ہو اس وقت تک قبضہ تام نہیں ہو سکتا اور جب قبضہ تام نہ ہو
اس وقت تک ہبہ تام نہیں ہوتا۔

مسئلے میں بھی حنفیہ کا استدلال اس واقعے سے ہے جو موطا میں آیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر ؓ نے
حضرت عائشہ کو بیس وسق کھجور اپنے باغ سے ہبہ فرمائی تھیں مگر پھر وفات سے کچھ پہلے فرمایا:
”للو کنت جددتہ و احتزتیہ کان لک و الما هو الیوم مال و ارث“^{۳۳}

مطلب یہ ہے کہ وہ مشاع تھا، جب ان کو ہبہ کیا تو یہ مشاع کا ہبہ ہوا، اب فرمایا کہ اگر تم اس کو الگ
کر کے لیتیں تو تمہارے لئے جائز ہوتا لیکن چونکہ الگ کر کے نہیں لیا اس لئے جائز نہیں۔ معلوم ہوا کہ مشاع
کا ہبہ درست نہیں۔^{۳۳}

۳۳۔ موطا مالک، کتاب الأقصیة، باب مالا یحور من الحل، رقم ۱۲۳۸، ج ۲، ص ۵۲۰

۳۴۔ عمدۃ القاری، ج ۹، ص ۲۲۷

امام شافعیؒ ہبتہ المشاع کو جائز کہتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ اور ہبتہ المشاع کے جواز پر پہلا استدلال حضرت اسماءؓ کے واقعہ سے کر رہے ہیں۔

حضرت اسماءؓ نے اپنے بھائی قاسم بن محمد اور ابن ابی عتیق سے کہا کہ ”ورثت عن اختی عائشة بالعباءة“ مجھے اپنی بہن عائشہؓ سے غابہ میں میراث سے کوئی چیز حاصل ہوئی ہے۔

غابہ ایک جگہ کا نام ہے، وہاں کوئی جائیداد تھی، حضرت اسماءؓ کہہ رہی ہیں کہ مجھے وراثت میں کچھ جائیداد ملی ہے اور حضرت معاویہؓ نے اس کے عوض مجھے ایک لاکھ درہم دینے کی پیشکش کی ہے کہ میں ان کو ایک لاکھ درہم میں بیچ دوں ”لھولکما“ اے قاسم بن محمد اور اے ابن ابی عتیق! میں یہ جائیداد تم کو ہبتہ میں دیتی ہوں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے وہ جائیداد قاسم بن محمد اور ابن ابی عتیق دونوں کو اکٹھی ہبتہ میں دے دی تو یہ مشاع کا ہبتہ ہوا، لہذا امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہبتہ المشاع جائز ہے۔

حنفیہ کی جانب سے حضرت اسماءؓ کے واقعہ کی تاویل

حنفیہ نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ حنفیہ کے خلاف اس واقعہ کے حجت ہونے کے لئے پہلے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ جائیداد قابل تقسیم تھی۔ ہو سکتا ہے کسی وجہ سے قابل تقسیم نہ ہو، پھر اس صورت میں ہبتہ المشاع ہمارے نزدیک بھی جائز ہے۔

دوسرا یہ کہ اگر قابل تقسیم تھی اور یہ کہہ دیا کہ یہ تمہاری ہے، ہو سکتا ہے کہ جب عملاً دی ہو تو تقسیم کر دی ہو۔ پھر یہ ہبتہ المشاع نہیں ہوگا۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا قول

ہبتہ المشاع میں حنفیہ کے دلائل کچھ کمزور ہیں اس لئے فیض الباری میں حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ فرمایا ہے کہ ہبتہ المشاع کے مسئلے میں تشدد نہ کرنا چاہئے۔ کہتے ہیں کہ حنفیہ نے اس مسئلے میں بڑی سختی کی ہے اور امام بخاریؒ نے بہت توسع سے کام لیا ہے، حالانکہ معاملہ بین بین ہونا چاہئے۔^{۳۵}

وہ کہتے ہیں کہ اصل میں ہبتہ المشاع کی ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ آگے چل کر کوئی جھگڑا نہ کھڑا ہو لیکن جہاں جھگڑے کا احتمال نہ ہو تو وہاں ہبتہ المشاع ہو جائے تو چلنے دینا چاہئے۔ آج کل مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ باپ اپنی زندگی میں جائیداد تقسیم کرتے ہیں چونکہ مرنے کے بعد اکثر جھگڑے ہوتے ہیں۔ لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے۔ بہت سے باپ اپنی زندگی میں تقسیم اس طرح کرتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں کہ جو دکان ہے وہ لڑکوں کی ہے اور مکان لڑکیوں کا ہے اور یہ مسئلہ ان کو معلوم نہیں کہ ہبتہ المشاع نہیں ہوتا، چنانچہ کہتے ہیں کہ پوری دکان میرے

چاروں لڑکوں کی ہے۔ اس کے بعد جب باپ کا انتقال ہو گیا، اب سوال پیدا ہوا کہ ہبہ تام ہوا ہے یا نہیں؟ اگر خفیہ نے اصول پر دیکھا جائے تو ہبہ تام نہیں ہوا۔ اس کا تقاضا یہ ہوا کہ لڑکیوں کو والد کی زندگی میں مکان میں سے حصہ مل گیا۔ اب والد کے مرنے کے بعد دکان میں بھی ان کا حصہ ہونا چاہئے تو ناواقفیت کی وجہ سے کمزورت یہ صورتحال پیدا ہوتی ہے، اس لئے اس پر بہت زیادہ جمود بھی مناسب نہیں۔

اور جہاں تک اس بات کا تحقق ہے کہ مشاع پر قبضہ نہیں ہوتا تو قبضہ ”کمل شیء بحسبہ“ ہر چیز کا قبضہ اس کے حساب سے ہوتا ہے، چنانچہ غیر مقوم اشیاء کے بارے میں خفیہ بھی کہتے ہیں کہ درست ہو جائے گا حالانکہ وہاں بھی قبضہ نہیں ہوتا۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اتنا جمود نہ کرنا چاہئے، اس سے خرابی پیدا ہوتی ہے اور ایسے مواقع جہاں حاجت ہو وہاں ہبہ المشاع کو جاری کر دینا چاہئے۔

یہاں امام بناری نے ہبہ المشاع پر عجیب و غریب قسم کا استدلال کیا ہے کہ پانی پی رہے تھے دائیں طرف بڑکا بیٹا تھا بائیں طرف بڑے بوگ تھے، لڑکے سے کہا اگر تم اجازت دے دو تو میں ان کو دے دوں، اس نے انکار کر دیا۔ امام بناری یہ استدلال کر رہے ہیں کہ آپ نے اس لڑکے سے کہا کہ تم اپنا حصہ ان اشیاء کو ہبہ کر دو جو بیٹے ہوئے ہیں تو چونکہ یہ سب کی طرف ہبہ ہوتا اس لئے یہ ہبہ بالمشاع ہوتا۔

اب دیکھئے یہ سنا کمزور استدلال ہے اس لئے کہ یہ کوئی اس لڑکے کی طرف سے ہبہ تو نہیں تھا، پانی تو حضور ﷺ دے رہے تھے، واجب حضور ﷺ تھے۔ اس کو کہہ رہے ہیں کہ ادھر منتقل کر دو۔ لہذا اس سے ہبہ المشاع پر استدلال بہت ہی دور از کار استدلال ہے۔

(۲۳) باب الہبۃ المقبوضۃ و غیر المقبوضۃ ،

و المقسومۃ و غیر المقسومۃ

”وقد وہب النبی ﷺ و أصحابہ لہوازن ما غنموا منہم و هو غیر مقسوم“۔

یہ ہبہ مقبوضہ اور مقسومہ ہو یا نہ ہو چاہے قبضہ ہو یا نہ ہو مگر ہبہ درست ہو جاتا ہے اور مقسومہ ہو یا نہ ہو چاہے مشاع ہو، دونوں صورتوں میں ہو جاتا ہے۔

ہوازن کے واقعہ سے استدلال کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ وہ ساری باندیاں ہوازن کو ہبہ کر دیں تو یہ ہبہ المشاع غیر مقسوم ہوا۔

لیکن یہ استدلال بھی مزور ہے۔ معنی میں یہ ہے کہ یہ سب تقسیم کر دی گئیں تھیں اور ہر باندی ہر ایک کے حصہ میں آچکی تھی، اب اگر ان کو ہبہ کرنا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہر ایک نے آزاد کر دیا۔ لہذا ہبہ کا

کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲۶۰۳۔ حدثنی ثابت بن محمد : حدثنا مسعر ، عن محارب ، عن جابر رضی اللہ عنہ : آیت

النبي صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد فقضانی وزاہنی . [راجع : ۳۴۳]

۲۶۰۴۔ حدثنا محمد بن بشار : حدثنا غندر : حدثنا شعبة ، عن محارب : سمعت

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما یقول : بعث من النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعیرا فی سفر ، فلما أتینا
المدينة قال : ((انت المسجد لفصل رکعتین)) فوزن . قال شعبة : أراه : فوزن لی فأرجح ،
لما زال منها شیء حتی أصابها أهل الشام یوم الحرة . [راجع : ۳۴۳]

یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال ہے فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ دین
واجب تھا یعنی بعیر کی قیمت ، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس سے زیادہ دیا۔ تو کہتے ہیں جو زیادہ دیا، وہ اصل قیمت کے
ساتھ مل جاتا تھا، الگ نہیں تھا۔ مثلاً ایک اوقیہ چاندی قیمت تھی فرض کریں ایک قیراط آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ دیا۔ تو وہ
ایک قیراط ایک اوقیہ کے ساتھ مل گیا، تو مجموعہ مشاع ہو گیا، لہذا مشاع کا بہہ ہو گیا۔

لیکن یہ استدلال بھی بڑا بعید ہے، اس لئے کہ زیادتی الگ چیز تھی جو حضرت جابر نے اٹھا کر الگ رکھ لی تھی۔
مسند احمد کی حدیث میں آیا ہے کہتے ہیں کہ میرے پاس گھر میں رکھی رہی یہاں تک کہ فتنہ حرہ میں جا کر ضائع ہوئی۔
دوسری بات یہ ہے کہ اس کو بہتہ المشاع نہیں کہیں گے بلکہ یہ تو حسن قضاء ہے۔ اور زیادتی اس لئے دی
جا رہی ہے تاکہ دین میں کوئی کمی نہ رہے احتیاط کے طور پر دی جا رہی ہے۔ لہذا اس کا بہتہ المشاع سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲۴) باب إذا وهب جماعة لقوم .

۲۶۰۷، ۲۶۰۸۔ حدثنا یحییٰ بن بکیر : حدثنا اللیث ، عن ابن شہاب ، عن

عروة : أن مروان بن الحکم والمسور بن مخرمة أخبراه أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال حین جاءه وفد
ہوازن مسلمین ، فسألوه أن یرد إلیهم أموالهم سببهم فقال لهم : ((معی من ترون وأحب
الحدیث إلی أصدقہ ، فاختاروا إحدى الطائفتین : إما السبی وإما المال وقد كنت
استأنیت)) ، وكان النبی صلی اللہ علیہ وسلم التظرهم بضع عشرة لیلۃ حین قفل من الطائف ، فلما تبین
لهم أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر راد إلیهم إلا إحدى الطائفتین قالوا : فانا نختار سببنا ، فقام فی
المسلمین فأثنی علی اللہ بما هو أهلہ ، ثم قال : ((اما بعد ، فإن إخوانکم هؤلاء جاؤنا
تائبین وإنی رأیت أن أرد إلیهم سببهم : فمن أحب منکم أن یطیب ذلک فلیفعل ، ومن
أحب أن یکون علی حظه حتی تعطیه آیاہ من أول ما یفیء اللہ علینا فلیفعل)) ، فقال الناس :

طینا یا رسول اللہ لہم ، فقال لہم : ((إنا لاندري من أذن منكم فيه ممن لم يأذن فارجعوا حتى يرفع إلينا عرفاؤكم أمرکم)) ، فرجع الناس ، فكلّمهم عرفاؤہم ، ثم رجعوا إلى النبی ﷺ فأخبروه أنهم طیبوا وأذنوا . بهذا الذی بلغنا من سبى ہوازن ، هذا آخر قول الزہری . یعنی : فهذا الذی بلغنا . ۳۶

دو صورتیں بیان کی ہیں کہ بہت سارے آدمی مل کر کسی ایک کو بہہ دیں ، یہ صورت ہمارے نزدیک بھی جائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک آدمی بہت ساری جماعت کو ملکر دے تو یہ ہبتہ المشاع ہے جس کا حکم گزر گیا۔ یہاں پھر ہوازن کا واقعہ ذکر کیا ہے جس کا حقیقت میں بہہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۲۵) باب من أهدى له هدية وعندہ جلساؤہ فهو أحق بہا

”وہذا کر عن ابن عباس أن جلساءہ شرکاءہ ، ولم یصح“

جس شخص کو ہدیہ دیا جائے اور اسکے پاس کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ہوں تو جس کو ہدیہ دیا گیا ہے وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔

یہ باب اس لئے قائم کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ”من أهدى له هدية فجلساؤہ شرکاءہ أو کما قال“ کہ کسی کو ہدیہ دیا جائے تو جو اس کے جلساء ہیں ، اس کے پاس بیٹھے ہیں وہ بھی اس میں شریک ہیں۔ اسی کو بعض اوقات اس مقولہ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ ”الهدایا مشترکة“

امام بخاری رحمہ اللہ اس کی تردید کر رہے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے یعنی ”وہذا کر عن ابن عباس أن جلساءہ شرکاءہ“ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مروی ہے کہ اس کے جلساء اس کے ہدیہ میں شریک ہوں گے ، فرمایا ”و لم یصح“ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

چونکہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے لہذا اصل بات یہ ہے جس کو ہدیہ دیا گیا وہی اس کا حقدار ہے۔ البتہ بعض لوگوں نے اس کو عبداللہ بن عباسؓ سے بالکل صحیح قرار دیا ہے اگرچہ مرفوعاً یہ حدیث صحیح نہیں ہے ، تو اس کا مطلب بھی امام ابو یوسفؒ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی کھانے پینے کی چیز کسی مجلس میں بھیجی گئی اگرچہ وہ ایک آدمی کو

۳۶ وفی سنن أبی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی فداء الاسیر بالمال ، رقم : ۲۳۱۸ ، ومسنداحمد ، اول مسند

الکوفیین ، باب حدیث المسور بن مخرمة الرہری ومروان بن الحکم ، رقم : ۱۸۱۵۲

بھیجی گئی ہو، لیکن مروت کا تقاضا یہ ہے کہ دیگر جلساء کو بھی اس میں شریک کر لے مگر ایسا کرنا واجب نہیں ہے۔

(۲۶) باب إذا وہب بعیر الرجل وهو راكبہ فهو جائز

۲۶۱۱۔ وقال الحمیدی : حدثنا سفیان : حدثنا عمرو ، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال : کنا مع النبی ﷺ فی سفر وکنت علی بکر صعب فقال النبی ﷺ لعمر : ((بعینہ)) فابتاعہ ، فقال النبی ﷺ : ((ہولک یا عبد اللہ)) . [راجع : ۲۱۱۵]

یہ ساری حدیثیں پیچھے گزر چکی ہیں اور سب میں یہی ہے جس کو ہدیہ دیا گیا وہی مالک قرار پایا۔

(۲۷) باب ہدیۃ ما یکرہ لبسہا

۲۶۱۲۔ حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ ، عن مالک ، عن نافع ، عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال : رأی عمر بن الخطاب حلۃ سیراء عند باب المسجد فقال : یا رسول اللہ لو اشتربتها لبستہا یوم الجمعة وللود . قال : ((لما یلبسہا من لا خلاق لہ فی الآخرة)) . ثم جاءت حلل فأعطی رسول اللہ ﷺ عمر منها حلۃ فقال : أکسوتنیہا وقلت فی عطارید ما قلت ؟ فقال : ((انی لم أکسلہا لتلبسہا ، فکساہا عمر أھا لہ بمکۃ مشرکا)) . [راجع : ۸۸۶]

۲۶۱۳۔ حدثنا محمد بن جعفر أبو جعفر : حدثنا ابن فضیل ، عن أبیہ ، عن نافع ، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال : أتی النبی ﷺ بیت فاطمة فلم یدخل علیہا ، وجاء علی فذکرت لہ ذلک ، فذکر للنبی ﷺ قال : ((انی رأیت علی با بھا سترا موشیا)) ، فقال : ((مالی وللدنیا)) ، فأتاہا علی فذکر ذلک لہا فقالت : لیأمرنی فیہ بما شاء ، قال : ((ترسلی بہ إلی فلان ، أهل بیت بہم حاجۃ)) .

حدیث باب کی تشریح

آپ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے ، اندر داخل نہیں ہوئے ، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ذکر کیا کہ آپ ﷺ تشریف لائے تھے اور واپس چلے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات نبی کریم ﷺ سے ذکر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ان (حضرت

فاطمہؑ کے دروازہ پر ایک پردہ دیکھا تھا جس پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے، یہ مترفین کی عادت ہے۔
”فقال“ ((مالی وللدنیا)) فرمایا کہ میرا دنیا سے کیا کام، اس قسم کے پردے لگے ہوئے تھے اس لئے میں اچھا نہیں سمجھا۔

”فأتاہا علیؑ فذکر ذلک لہا“ حضرت علیؑ نے جا کر حضرت فاطمہؑ سے ذکر کیا۔ **”فقلت“** انہوں نے فرمایا **”لہا مونی فیہ ماشاء“** کہ حضور ﷺ اس کے بارے میں جو چاہیں حکم دے دیں کہ میں پردے کو ہٹا دوں یا کیا کروں؟

آپ ﷺ نے فرمایا ((توسلی بہ الی فلان اهل بیت بہم حاجة)) کہ فلاں اہل بیت کو بھیج دو، وہ حاجت مند ہیں، اس کو بھیج کر اپنا کام پورا کر لیں گے۔

معلوم ہوا کہ جس چیز کو خود استعمال کرنا مکروہ ہے وہ دوسرے کو بہ یہ وہی چا سکتی ہے اور امام بخاریؒ نے یہی ترجمہ الباب قائم فرمایا ہے۔

۲۶۱۴۔ حدثنا حجاج بن منہال : حدثنا شعبۃ قال : أخبرنی عبد الملک بن میسرۃ قال : سمعت زید بن وہب عن علیؑ قال : أهدی الی النبیؐ حلۃ سیراء فلبستہا فرأیت الغضب فی وجہہ فشققتہا بین نسائی . [انظر ۵۳۶۶ ، ۵۸۴۰] ^{۳۸}
 نسائی سے مراد ہے، میرے گھر کی عورتیں، بیوی ہونا ضروری نہیں، کیونکہ حضور اقدس ﷺ کی حیات میں ان کی حضرت علیؑ کی اہلیہ صرف حضرت فاطمہؑ ہی تھیں، تو نسائی سے خاندان کی اور عورتیں مراد ہیں۔

(۲۸) باب قبول الهدیۃ من المشرکین

وقال أبو ہریرۃ عن النبیؐ : ((ہاجر ابراہیمؑ بسارۃ فدخل قرية فیہا ملک أوجہار ، فقال : أعطوها أجر)). واهدیت للنبیؐ شاة فیہا سم . وقال أبو حمید : أهدی ملک أیلۃ للنبیؐ بغلۃ بیضاء فکساہ بردا وکتب الیہ ببہرہم .

۲۶۱۵۔ حدثنا عبد اللہ بن محمد : حدثنا یونس بن محمد : حدثنا شیبان عن قتادۃ : حدثنا أنسؓ قال : أهدی للنبیؐ جبة سندس ، وكان ینہی عن الحریر فعجب

۳۸۔ وفی صحیح مسلم ، کتاب اللباس والزینۃ ، باب تحریم استعمال الاء الذهب والعصۃ علی الرجال ، رقم ۳۸۶۲ ، وسنن النسائی ، کتاب الزینۃ ، باب ذکر الرخصة للنساء فی لبس السیراء ، رقم ۵۲۰۳ ، وسنن ابی داؤد ، کتاب اللباس ، باب ما جاء فی لبس الحریر ، رقم ۳۵۲۳ ، وسنن ابن ماجہ ، کتاب اللباس ، باب لبس الحریر واللہب للنساء ، رقم ۳۵۸۶ ، ومسند أحمد ، مسند العشرۃ المشرکین بالجمۃ ، باب من مسند علی بن ابی طالب ، رقم ۶۶۰ ، ۶۶۲ ، ۶۱۶ ، ۹۱۲ ، ۹۱۷ ، ۱۰۹۷ ، ۱۱۰۳ ، ۱۲ ، ۱۲۳۶ .

الناس منها ، فقال ﷺ : ((والذى نفس محمد بيده لمتاديل سعد بن معاذ فى الجنة أحسن من هذا)) . [أنظر: ۲۶۱۶، ۳۲۴۸].

۲۶۱۶۔ وقال سعيد عن قتادة عن أنس : إن أكيدر دومة أهدى إلى النبي ﷺ .

[راجع: ۲۶۱۵]

حدیث باب کی تشریح

یہاں پر امام بخاری رحمہ اللہ نے مشرکین سے ہدیہ طلب کرنے کی متعدد احادیث نقل کی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے مشرکین کا ہدیہ قبول کیا۔

یہ ترجمہ الباب قائم کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعض مشرکین کے ہدایا رد فرمائے تھے۔ اور ترمذی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے مشرکین کے ہدیہ قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

لیکن ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے۔^{۳۹}

روایات میں تطبیق

دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ جہاں مشرک سے ہدیہ قبول کرنے میں مسلمانوں کے خلاف، کسی خلاف مصلحت بات کا اندیشہ ہو کہ مشرکین دباؤ ڈالیں گے، یا ان کے ساتھ مداخلت کرنی پڑے گی۔ اس صورت میں ان سے ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں۔

لیکن جہاں اس قسم کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو پھر ہدیہ قبول کرنا جائز ہے اور جو احادیث ہیں ان سب میں حضور اقدس ﷺ نے ہدایا ایسی صورت میں قبول فرمائے ہیں، جب اس قسم کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔

۲۶۱۷۔ حدثنا عبد الله بن عبد الوهاب : حدثنا خالد بن الحارث : حدثنا شعبة ،

عن هشام بن زيد ، عن أنس بن مالك ﷺ : أن يهودية أتت النبي ﷺ بشاة مسمومة فأكل منها ، فحجى بها فقبل : ألا نقتلها ؟ قال : ((لا)) ، فمأزلت أعرفها فى لهوات رسول الله ﷺ .
یعنی اس زہر کا اثر حضور اقدس ﷺ کے لہوات میں محسوس ہوتا تھا۔

۳۹۔ اسی لہیت عن زيد المشركين ، سنن الترمذی ، کتاب السير عن رسول الله ، باب فی کراهية هدايا المشركين ،

رقم ۱۵۰۲ ، وسنن أبي داؤد ، کتاب الخراج والإمارة والفنى ، باب فی الإمام يقبل هدايا المشركين ، رقم : ۲۶۵۷ ،

ومسند احمد ، مسند الشاميين ، رقم : ۱۶۸۳۵ ، وعمدة القارى ، ج : ۹ ، ص : ۳۳۶ .

۲۶۱۸۔ حدثنا أبو النعمان : حدثنا المعتمر بن سليمان ، عن أبيه ، عن أبي عثمان ، عن عبد الرحمن أبي بكر رضى الله عنهما قال : كنا مع النبي ﷺ ثلاثين ومائة فقال النبي ﷺ : ((هل مع أحد منكم طعام؟)) فإذا مع رجل صاع من طعام أو نحوه ، فمعجن ثم جاء رجل ثم جاء رجل مشرك مشعان طويل بغنم يسوقها فقال النبي ﷺ : ((بيعا أم عطية؟)) أو قال : ((أم هبة؟)) قال : لا ، بل بيع . فاشترى منه شاة فصنعت وأمر النبي ﷺ بسواد البطن أن يشوى ، وأيم الله ما فى الثلاثين والمائة إلا وقد حز النبي ﷺ له حزمة من سواد بطنها إن كان شاهدا أعطاهما إياه وإن كان غائبا خبأه . فجعل منها قصعتين فأكلوا أجمعون و شبعنا ، ففضلت القصعتان فحملناه على البعير أو كما قال . [راجع : ۲۶۱۶].

یہ واقعہ کتاب البیوع میں زمر چکا ہے، وہاں مختصر تھا اور یہاں ذرا تفصیل سے ہے۔

حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ایک سو تیس افراد تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا، کیا کسی کے پاس کھانا ہے؟ تو کسی کے پاس ایک صاع کھانا تھا یا اس کے جیسا، آپ ﷺ نے اسی کو گوندھوایا۔ پھر ایک مشرک شخص آیا جو مشعان تھا۔ "مشعان" کے معنی بعض لوگوں نے "پراگندہ پال" کئے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس کے معنی ہیں "بہت لمبا، حویل"۔

"بغنم يسوقها ، فقال النبي ﷺ ((بيعا أم عطية؟)) نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ یہ بکری ہمیں بیچو گے یا ویسے عطیہ کے طور پر دو گے۔" "أو قال أم هبة؟" یہیں سے وہ بات ثابت ہے کہ جو ترجمہ میں ہے گویا آپ ﷺ نے پوچھا کہ اگر عطیہ دینا چاہتے ہو تو ہم لینے کو تیار ہیں۔

"أو قال أم هبة؟"

"قال لا ، بل بيعا" آپ ﷺ نے اس سے بکری خریدی ، وہ پکائی گئی ، آپ ﷺ نے اس کے سواد بطن یعنی کلبجی کو بھوننے کا حکم دیا کہ کلبجی بھونی جائے اور اللہ کی قسم ایک سو تیس میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا "إلا وقد حز النبي ﷺ له حزمة من سواد بطنها" کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی کلبجی کے گوشت کا ٹکڑا ہر ایک کو کات کر دیا۔ اگر وہ موجود تھا تو اسی وقت دسے دیا اور اگر وہ غائب تھا تو اس کے لئے بچا کے رکھا۔ پھر اس سے دو پیالے بنائے وہ سب نے کھائے اور سب سیر ہوئے ، پھر بھی دو پیالے بچ گئے۔ (سبحان اللہ)

(۲۹) باب الهدية للمشرکین

۲۶۲۰۔ حدثنا عبيد بن إسماعيل : حدثنا أبو أسامة ، عن هشام ، عن أبيه ، عن

أسماء بنت أبی بکر رضی اللہ عنہما قلت: قدمت علی امی وھی مشرکة فی عہد رسول اللہ ﷺ فاستفتیت رسول اللہ ﷺ، قلت: إن امی قدمت وھی راغبہ، أفأصل امی؟ قال: ((نعم . صلی أمک)). [النظر: ۳۱۸۳، ۵۹۷۸، ۵۹۷۹] ۱۰

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں میری والدہ آئیں وہ مشرکہ تھیں، میں نے آپ ﷺ سے مسئلہ پوچھا اور میں نے عرض کیا ((وہی راغبہ)) کہ وہ راغب ہیں۔ راغب ہونے کے معنی یا تو یہ ہیں کہ وہ کچھ بدیہ لینے میں راغب ہیں، مجھ سے کچھ لینا چاہتی ہیں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ”ہی راغبہ الاملام“ وہ اسلام قبول کرنے سے اعراض کرتی ہیں۔ ”افاصل امی؟“ کیا پھر بھی میں ان کے ساتھ صلہ رکھی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”نعم صلی أمک“۔ معلوم ہوا کہ ماں باپ اگر مشرک بھی ہوں تب بھی ان کے ساتھ صلہ رکھی کرنا اور ان کو بدیہ دینا مناسب ہے۔

(۳۱) باب:

۲۶۲۳ - حدیسی ابراہیم بن موسیٰ: أخبرنا هشام بن یوسف: أن ابن جریج أخبرہم قال: أخبرنی عبد اللہ بن عمید اللہ بن ابی ملکۃ: أن بنی صہیب مولیٰ ابن جدعان ادعوا بیتین وحجرۃ، أن رسول اللہ ﷺ أعطی ذلک صہیبا، فقال مروان: من یشہد لکما علی ذلک؟ قالوا: ابن عمر، فدعاہ فشهد: لا تعطی رسول اللہ ﷺ صہیبا بیتین وحجرۃ، فقضی مروان بشہادتہ لہم. ۱۱

عبد اللہ بن ملیکہ کہتے ہیں کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ (صہیب مولیٰ ابن جدعان، جن کو صہیب رومی بھی کہتے ہیں) کے بیٹوں نے دو کمروں اور ایک حجرہ کا دعویٰ کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے والد صہیب رضی اللہ عنہ کو دئے تھے۔ مروان کا زمانہ تھا مروان نے کہا ”من یشہد لکما علی ذلک؟“ اس پر تمہارا کون گواہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہ کمرے دئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ابن عمرؓ ہیں۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بلایا گیا ”فشهد“ انہوں نے گواہی دی ”لا تعطی رسول اللہ ﷺ صہیبا بیتین وحجرۃ“ کہ آپ ﷺ نے یہ دو کمرے اور حجرہ صہیب رومی رضی اللہ عنہ کو دیا تھا ”فقضی مروان

۱۰۔ رفی صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین والزوج والأولاد، رقم ۱۶۷۰، وسنن

ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقۃ علی اهل الذمۃ، رقم ۱۳۲۰، ومسند أحمد، بالفی مسند الأنصار، باب حدیث

اسماء بنت أبی بکر الصدیق، رقم: ۲۵۶۷۷، ۲۵۷۰۲، ۲۵۷۵۳، ۲۵۷۷۷.

۱۱۔ الفردبہ البخاری.

”بشہادتہ لہم“ مروان نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کر دیا کہ دونوں کمرے اور حجرہ ان کے بیٹوں کا ہے۔

سوال: یہاں سواں یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کی شہادت پر کیسے فیصلہ کر دیا، کم از کم دو گواہ ہونا چاہئیں؟
جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ مروان حاکم تھا اور حاکم کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ جس کو چاہے، مناسب سمجھے بیت المال میں سے کچھ دیدے۔

عبداللہ بن عمرؓ کی شہادت کی بنیاد پر اس نے دو کمرے اس لئے دے دئے کہ ان کی شہادت درست ہے اور واقعی ان کو حضور اقدس ﷺ نے دیئے تھے تب تو یہ بہہ حضور اقدس ﷺ کی طرف سے ہوگا۔
اور اگر شہادت درست نہیں اور حضور اقدس ﷺ نے بھی نہیں دیئے تھے تو اب وہ مروان نے اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے بیت المال سے دے دیئے، تو یہ ایک آدمی کی شہادت کی بناء پر فیصلہ نہیں ہے، بلکہ مستقلاً کسی کو عطیہ دینے کا معاملہ ہے۔

دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ مروان نے شاہد و یحییٰ کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہو اور وہ اس کے جوڑ کے قائل ہوں۔^{۳۲}

(۳۶) باب ما قیل فی العمری والرقی

”أعمرتہ الدار، فہی عمری، جعلتھا لہ. ﴿اسْتَعْمَرَکُمْ لِنِهَا﴾ [ہود: ۶۱]، جعلکم عماراً“.

۲۶۲۵۔ حدیثنا أبو نعیم: حدیثنا شیبان، عن یحییٰ، عن ابی سلمة، عن جابرؓ قال: قضی النبی ﷺ بالعمری: أنها لمن وهبت لہ.^{۳۳}

۲۶۲۶۔ حدیثنا حفص بن عمر حدیثنا ہمام: حدیثنا قتادة قال: حدیثنا النضر بن انس عن بشیر بن نہیک، عن ابی ہریرةؓ عن النبی ﷺ قال: ((العمری جائزة)). وقال عطاء: حدیثنا جابر عن النبی ﷺ مقلہ.

^{۳۲} عمدة القاری، ج: ۹، ص: ۳۵۰.

^{۳۳} وفي صحيح مسلم، كتاب الہبات، باب العمری، رقم: ۳۰۷۷، وسنن الترمذی كتاب الأحكام عن رسول اللہ، باب ما جاء فی العمری، رقم: ۱۷۷۰، وسنن النسائی، كتاب العمری، باب ذكر اختلاف الفاظ الناقلين لخبر جابر فی العمری، رقم: ۳۶۷۷، ۳۶۷۸، وسنن ابی داؤد، كتاب البيوع، باب فی العمری، رقم: ۳۰۸۲، وسنن ابن ماجة، كتاب الأحكام، باب ما یدهن به المحرم، رقم: ۲۳۷۳، ومسند احمد، بابی مسند المكثرين، باب مسند جابر بن عبد اللہ، رقم: ۱۳۶۱۲، ۱۳۶۵۶، ۱۳۸۲۱، ۱۳۸۸۶، ۱۳۶۹۵، وموطأ مالك، كتاب الأفضیة، باب القضاء فی العمری، رقم: ۱۲۳۵.

عمری کہتے ہیں کوئی شخص کسی سے کہے: "اعمر تک هذه الدار"۔
اس کے لفظی معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ گھر میں تمہیں عمر بھر کے لئے دیدیا۔

عمری کے بارے میں اختلاف ائمہ

جب کوئی شخص کسی کو یہ کہے تو جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اس سے بیہ ہو جاتا ہے۔
امام مالکؒ اس کو عاریۃ قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں جب کہا "اعمر تک هذه الدار" تو یہ عاریت ہوگی اور جب تک موصوب لہ یا معمر لہ زندہ ہیں اس وقت تک اس سے فائدہ اٹھا سکے گا اس کے انتقال کے بعد وہ پھر معمر کی طرف واپس لوٹ جائیگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ بھی کہہ دیا کہ "اعمر تک هذه الدار الخ ہی لک و لعقبک" یہ تمہارا ہے اور تمہارے ورثاء کا ہے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تب بھی عاریت ہے۔ جب تک اس کے ورثاء زندہ رہیں گے اس وقت تک فائدہ اٹھائیں گے، جب ورثاء بالکل ختم ہو جائیں گے پھر اگر معمر زندہ ہے تو اس کی طرف، ورنہ اس کے ورثاء کی طرف لوٹ جائیگا، وہ ہر حالت میں اس کو عاریۃ مانتے ہیں۔^{۴۴}

اور جمہور جن میں حنفیہ بھی داخل ہیں وہ کہتے ہیں یہ بیہ ہو جاتا ہے یعنی اب دوبارہ معمر کی طرف نہیں لوٹے گا، یہاں تک کہ اگر معمر نے یہ کہہ دیا کہ "اعمر تک هذه الدار فاذا مت فہی لی، فاذا مت فہی راجعة الی" تب بھی یہ بیہ ہوگا اور اس کا یہ کہنا "فاذا مت فہی راجعة الی" یہ شرط فاسد سمجھی جائیگی، جو لغو ہوگی۔

لیکن اگر عمری کے ساتھ لفظ سکنی استعمال کیا جیسے کہہ دیا کہ "داری لک عمری سکنی یا عمری" کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ کہا "اسکتک هذه الدار لمدة عمرک" اس صورت میں عاریۃ ہوگی، اور مرنے کے بعد پھر واپس معمر کی طرف چلا جائے گا۔ اور حدیث باب جو آ رہی ہے اس میں ہے "العمری جائزۃ" اس کے یہی معنی ہیں کہ عمرہ نافذ ہو جاتا ہے یعنی بیہ بن جاتا ہے۔^{۴۵}

مسند احمد کی روایت میں صراحت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جب کوئی عمرہ دے گا تو وہ سب اس کے سب ورثاء کو ملے گا یعنی اس کے اندر معمر لہ کی ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے۔^{۴۶}

^{۴۴} تکملة فتح الملہم، ج ۲، ص ۸۰، وموظا مالک، کتاب الإقضية، باب القضاء فی العمری، رقم ۱۲۳۶، ۱۲۳۵.

^{۴۵} تکملة فتح الملہم، ج ۲، ص ۸۱.

^{۴۶} أمسکوا علیکم اموالکم ولا تقسموها لئلا من اعمر عمری فہی الذی اعمرها حیوا میتاً ولعقبہ تقسموها مسند احمد، بالی مسند المکتوبین، رقم ۱۲۶۰۳.

”رقیبی“ اور اس کا حکم

رقیبی کے معنی ہیں کہ کوئی یوں کہے ”ارقبک هذه الدار“ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ میں نے تمہیں اس گھر کا رقبہ دے دیا۔ اگر یہی معنی لیا جائے تو رقبی سے یہہ ہو جاتا ہے۔ دوسرے معنی جو زیادہ معروف ہیں، یہ ہیں کہ کوئی شخص اس شرط کے ساتھ یہہ کرتا تھا کہ اگر موہوب لہ کا انتقال پہلے ہو گیا تو یہہ نسخ ہو جائے گا، یہ شرط فاسد تھی۔ مگر یہہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔ اس لئے یہہ تام ہو جاتا تھا اور شرط باطل ہو جاتی تھی، اسی کو حدیث میں ”الرقیبی جائزة لاهلہا“ فرمایا گیا۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زمانہ میں ”ارقبک هذه الدار“ کے یہ معنی ہوتے تھے کہ میں تم کو رقبی کے طور پر یہہ کر دیتا ہوں۔ اگر تم مجھ سے پہلے مر گئے تو یہہ گھر میرے پاس واپس آجائے گا اور اگر میں تم سے پہلے مر گیا تو یہہ گھر تمہارا ہو جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں یہہ کو اس شرط سے معلق کیا جاتا تھا کہ میں پہلے مر جاؤں اور یہہ تعین کو قبول نہیں کرتا، اس لئے امام ابوحنیفہ نے اس کو ناجائز قرار دیا۔ اس کو رقبی اس لئے کہتے تھے کہ ہر آدمی دوسرے کی موت کا انتہار کرتا رہتا تھا کہ یہہ میرے تو یہہ گھر میرا ہے۔

امام ابوحنیفہ نے اس کو باطل قرار دیا اور فرمایا کہ یہہ عقد صحیح نہیں ہے، بلکہ ”ارقبک هذه الدار“ اگر رقبہ کے طور پر کہے ”داری لک رقبہ“ اور معنی یہ ہوں کہ میں نے اس کا گھر کا رقبہ تم کو دے دیا۔ تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی یہہ اور ہدیہ ہو جاتا ہے۔

(۳۳) باب من استعار من الناس الفرس

۲۶۲۷۔ حدثنا آدم : حدثنا شعبة ، عن قاعدة قال : سمعت أنسا يقول : كان فزع بالمدينة فاستعار النبي ﷺ فرسا من أبي طلحة يقال له : المندوب ، فركبه . فلما رجع قال : ((مارأينا من شيء وإن وجدناه لمبحرا)). [أنظر : ۲۸۲۰ ، ۲۸۵۷ ، ۲۸۶۲ ، ۲۸۶۶ ، ۲۸۶۷ ، ۲۹۰۸ ، ۲۹۶۸ ، ۲۹۶۹ ، ۳۰۳۰ ، ۶۰۳۳ ، ۶۲۱۲] ۵۸

۵۷ فیض الباری ، ج ۳ : ص ۳۷۹ .

۵۸ ولی صحیح مسلم ، کتاب الفضائل ، باب فی شجاعة النبی علیہ والسلام وتقدمہ للحرب ، رقم : ۳۲۶۶ ، ۳۲۶۷ ، وسنن الترمذی ، کتاب الجهاد عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی الخروج عند الفزع ، رقم : ۱۶۰۸ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الأدب ، باب ماروی فی الرخصة فی ذلك ، رقم : ۳۳۳۶ ، وسنن ابن ماجة ، کتاب الجهاد ، باب الخروج فی التفسیر ، رقم : ۲۷۶۲ ، وسنن احمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند انس بن مالک ، رقم : ۱۲۰۳۷ ، ۱۲۲۸۳ ، ۱۲۳۸۶ ، ۱۲۳۵۵ ، ۱۲۳۶۲ ، ۱۳۳۹۷ ، ۱۳۵۸۶ .

مدینہ منورہ میں کچھ گھبراہٹ پیدا ہوئی یعنی کچھ شور سا ہوا، جس سے یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک گھوڑا عاریتہ لیا جس کا نام ”مندوب“ تھا۔ آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے، دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ بغیر زین کے سوار ہوئے۔

”فلما رجع“ جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو فرمایا ”مارا بنا من شیء“ کہ کچھ بھی نہیں تھا ”وان وجدناہ لبحرا“ اور ہم نے اس گھوڑے کو سمندر پایا، مطلب یہ ہے کہ بہت تیز رفتار گھوڑا ہے۔

(۳۴) باب الإستعارة للعروس عند البناء

۲۶۶۸۔ حدثنا أبو نعیم: حدثنا عبد الواحد بن ایمن: حدثنی أبی قال: دخلت علی عائشة رضی اللہ عنہا وعلیہا درع لطر ثمن خمسة دراهم، فقلت: ارفع بصرک الی جاریتی، انظر إلیہا فانہا تزہی أن تلبسہ فی البیت. وقد کان لی منہن درع علی عهد رسول اللہ ﷺ فما كانت امرأة تقین بالمدينة إلا أرسلت الی تسعیبرہ. ^۱

عبدالواحد بن ایمن، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کے پاس آیا ”وعلیہا درع لطر“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قطر کی ایک قمیص پہنی ہوئی تھی، یہ ایک خاص قسم کی قمیص ہوتی تھی۔ ”ثمن خمسة دراهم“ یعنی ثمن، پانچ درہم کی قیمت تھی۔ حضرت عائشہ نے فرمایا ”ارفع بصرک الی جاریتی انظر إلیہا“ ذرا میری جار یہ کی طرف منہ اٹھا کر دیکھو۔ ”فانہا تزہی أن تلبسہ فی البیت“ یہ جار یہ اس بات سے بڑا تکبر کرتی ہے کہ جو قمیص پہنے ہوئے ہوں یہ اس کو گھر میں بھی پہنے۔

”تزہی“ یہ ہمیشہ مجہول استعمال ہوتا ہے، اس کے معنی ہیں تکبر کرنا۔ تو یہ قمیص کو گھر میں پہننے سے بھی تکبر کرتی ہے یعنی اپنی شان سے اس قمیص کو گرا ہوا سمجھتی ہے۔

”وقد کان لی منہن درع“ جب کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں میری قمیص اسی کپڑے کی بنی ہوئی تھی، ”لما كانت امرأة تقین بالمدينة“ مدینہ منورہ میں جب کسی عورت کو تیار کیا جاتا تھا۔ اس کی ذہنت کی جاتی تھی ”تقین“ بمعنی ”تزوین“ اس کو دلہن بنایا جاتا تھا۔ ”الا أرسلت الی تسعیبرہ“ تو وہ مجھ سے عاریتہ لی جاتی تھی کہ ہم اپنی عورت کو دلہن بنا رہے ہیں اس لئے وہ قمیص بھیج دیجئے، ہم اس کو پہنائیں گے۔

تو ہمارے زمانہ میں تو دلہن اس کو عاریتہ لے کر پہنتی تھی اور اب یہ ہماری جار یہ اس کو گھر میں بھی پہننے سے انکار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ میرے لائق نہیں ہے، ایسا زمانہ آ گیا ہے، یہ جملہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت کہہ رہی ہیں کہ دیکھیں کیسا زمانہ آ گیا ہے۔

(۳۵) باب فضل المنیحة

۲۶۲۹۔ حدثنا یحییٰ بن بکیر : حدثنا مالک ، عن أبی الزناد ، عن الأعرج ، عن أبی ہریرة ؓ أن رسول اللہ ﷺ قال : ((نعم المنیحة اللقحة الصفی منحة ، والشاة الصفی تغدو باناء وتروح باناء)) .

حدثنا عبد اللہ بن یوسف وإسماعیل عن مالک قال : ((نعم الصدقة)) . [أنظر : ۵۶۰۸]
یعنی اچھا ہدیہ یہ ہے کہ کسی کو کوئی دودھ دیتی اونٹنی دی جائے۔ ”منیحة“ عاریت کے طور پر کہ تم اس سے دودھ پی لو ”والشاة الصفی“ یا ایک اچھی بکری دی جائے ، ”تغدو باناء وتروح باناء“ جو سچ کو ایک برتن دودھ دے اور شام کو ایک برتن دودھ دے۔

۲۶۳۰۔ حدثنا عبد اللہ بن یوسف : أخبرنا ابن وہب : حدثنا یونس ، عن ابن شہاب ، عن أنس بن مالک ؓ قال : لما قدم المهاجرون المدينة من مكة وليس بأیدیہم وكانت الأنصار أهل الأرض والعقار فقا سمهم الأنصار علی أن يعطوهم ثمار أموالهم کل عام ویکفوہم العمل والمؤنة . وكانت أمہ أم أنس أم سلیم كانت أم عبد اللہ بن أبی طلحة . فكانت أعطت أم أنس رسول اللہ ﷺ عذاقا فاعطا من النبی ﷺ أم ایمن مولانہ أم أسامة بن زید . قال ابن شہاب فأخبرنی أنس ابن مالک أن النبی ﷺ لما فرغ من قتل أهل خیبر فأنصرف إلى المدينة رد المهاجرون إلى الأنصار منا نحبهم التي كانوا مندوہم من ثمارہم ، فرد النبی ﷺ إلى أمہ عذاقها فاعطی رسول اللہ ﷺ أم ایمن مکانہن من حائطہ . وقال احمد بن شیبہ أخبرنا أبی ، عن یونس بهذا ، وقال : مکانہن من خالصہ . [أنظر : ۳۱۲۸ ، ۳۰۳۰ ، ۳۱۲۰]

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ جب مهاجرین مکہ سے مدینہ آئے تو ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا اور انصار زمین و جائیداد کے مالک تھے ، ”لما سمہم الأنصار“ تو انصار نے ان سے اس بات پر مقاسمت کی کہ وہ ان کو ہر سال اپنے اموال کے ٹرہ یعنی پھل دیا کریں گے۔ ”ویکفوہم العمل والمؤنة“ اور مهاجرین عمل کرنے اور مشقت اٹھانے میں ان سے کافی ہو جائیں گے۔ یعنی زمین ان کی ہوگی ، عمل مهاجرین کریں گے اور پھل دونوں کے درمیان مشترک ہوگا۔

”وكانت أم أنس أم سلیم كانت أم عبد اللہ بن أبی طلحة“ حضرت انس ؓ کی والدہ ام

انس ﷺ جن کو ام سلیم بھی کہتے ہیں، وہ عبد اللہ بن ابی طلحہ کی والدہ بھی تھیں، ”فكانت اعطت ام انس رسول ﷺ عداقا“ حضرت انس ﷺ کی والدہ نے رسول اللہ ﷺ کو کھجور کا ایک درخت دیا تھا۔ عداق کے معنی کھجور کا ایک درخت کے ہیں۔ یعنی تمام انصار نے مہاجرین کو اپنے پھل میں کچھ نہ کچھ حصہ دار بنایا تھا حضرت انس ﷺ کی والدہ نے حضور ﷺ کو ایک عداق دے دیا تھا۔

”فا عطا من النبی ﷺ ام ایمن مولاتہ ام اسامہ بن زید“ آپ ﷺ نے وہ درخت ام ایمن کو دے دیا جو آپ کی مولات اور اسامہ بن زید کی والدہ تھیں کہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

”قال ابن شہاب: فأخبرني انس بن مالك أن النبي ﷺ لما فرغ من قتل أهل خيبر فأنصرف إلى المدينة“ جب خیبر کے غزوہ کے بعد آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو مہاجرین نے انصار کو ان کے منافع واپس کر دیئے تھے یعنی جس نے کسی کے جو درخت لئے ہوئے تھے وہ واپس کر دیئے، کیونکہ خیبر کے غزوہ کے بعد مہاجرین کے پاس مال غنیمت کے طور پر کافی زمینیں آگئی تھیں اس لئے اب انہیں ضرورت نہیں رہی تھیں۔

”فرد النبي ﷺ إلى أمه عداقها“ آنحضرت ﷺ نے حضرت انس ﷺ کی والدہ کو وہ درخت واپس کر دیئے جو انہوں نے دئے تھے۔ ”فأعطى رسول الله ﷺ أم أيمن مكانهن من حائطه“ چونکہ آپ ﷺ وہ درخت ام ایمن کو دے چکے تھے اور اب وہ واپس کرنے پڑے تو آپ ﷺ نے ان کے بڑے ام ایمن کو اپنے باغ میں سے کچھ حصہ دے دیا تھا تاکہ ان کی تلافی ہو جائے۔

۲۶۳۱۔ حدثنا مسدد: حدثنا عيسى بن يونس: حدثنا الأوزاعي، عن حسان بن عطية، عن أبي كثة السلولي سمعت عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما يقول: قال رسول الله ﷺ: ((أربعون خصلة أعلاهن منيحة العنز ما من عامل يعمل بخصلة منها رجاء ثوابها وتصدق موعداها إلا أدخله الله بها الجنة)). قال حسان: فعددنا ما دون منيحة العنز من رد السلام، وتشميت العاطس، وإمالة الأذى عن الطريق ونحوه، فما استطعنا أن نبلغ خمس عشرة خصلة. ك

عاریت کی فضیلت

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ چالیس خصلتیں ہیں، ان

۱۵۔ وفی سنن ابی داؤد، کتاب الزکاة، باب فی المنیحة، رقم ۱۳۳۳، ومسند احمد، مسند المکثورین من الصحابة، باب

مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص، رقم ۶۲۰۰، ۶۲۰۱، ۶۵۵۷

میں سے سب سے اعلیٰ درجہ کی خصلت کسی کو بکری منیجہ کے طور پر دے دینا ہے۔ یعنی کسی کو عاریت کے طور پر دینا کہ تم اس سے دودھ استعمال کرو۔

ایسی چالیس خصلتیں ہیں کہ اگر ان پر عمل کرنے والا کسی ایک خصلت پر بھی ثواب کی امید اور اس پر جو وعدہ کیا گیا ہے اس کی تصدیق کرتے ہوئے عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "لمعدونا مادون مبیحة الغنز" ہم نے منیجہ احترا یعنی بکری عاریتہ دینے کے علاوہ جو خصلتیں ہیں وہ ہم نے گنتا شروع کیں، تو معلوم ہوا کہ رد السلام، "تشمیت العاطس، إمطة الأذى عن الطريق" وغیرہ ہے۔ "لمبا استطعنا أن نبلغ خمس عشرة عصلة" تو ہم کل پندرہ سے زیادہ شمار نہ کر سکے۔ یعنی حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ چالیس ہیں لیکن جب ہم نے خود شمار کرنا شروع کیں تو پندرہ سے زیادہ شمار نہ کر سکے۔

مطلب یہ ہے کہ اس وقت نبی کریم ﷺ نے چالیس متعین کر کے نہیں بتائی تھیں ہم نے اپنے حساب سے سوچنا شروع کیا کہ کیا خصلتیں ہوں گی جن کی فضیلت حضور اقدس ﷺ پہلے بیان فرما چکے ہیں تو ہمیں ایسی پندرہ خصلتیں یاد آئیں اس سے زیادہ یاد نہ آئیں۔

لیکن شرح نے دوسری حدیثوں سے استنباط کرتے ہوئے چالیس کا عدد پورا کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ یہ خصلتیں ہیں جن پر ثواب کا وعدہ ہوا ہے۔^{۵۲}

(۳۶) باب إذا قال : أخدمتك هذه الجارية ،

على ما يتعارف الناس ، فهو جائز .

وقال بعض الناس : هذه عارية . وإن قال : كسوتك هذا الثوب ، فهذه هبة .

۲۶۳۵۔ حدثنا أبو الیمان : أخبرنا شعیب : حدثنا أبو الزناد ، عن الأعرج ، عن

أبی ہریرة رضی اللہ عنہ : أن رسول الله ﷺ قال : ((هاجر إبراهيم بسارة فأعطوها أجر فرجعت فقالت : أشعرت أن الله كبت الكفروأخدم وليه؟)) .

وقال ابن سيرین ، عن أبی ہریرة عن النبی ﷺ : ((فأخدمها هاجر)) . [راجع : ۲۲۱۷] .

فرمایا جب کوئی شخص یہ کہے کہ "اخدمتك هذه الجارية" میں نے یہ جاریہ تم کو خدمت کرنے کے لئے دی تو لوگوں کے عرف کے مطابق اس کا مطلب سمجھا جائے گا اور وہ ہبہ جز ہوگا۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عرف یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ ”اخذتک هذه الجارية“ اگرچہ بظاہر اس کے معنی یہ ہیں کہ میں نے تمہیں اس کی خدمت دے دی اور چار یہ خدمت کرنے کے لئے دی تو گویا یہ عاریت ہوئی لیکن عرفاً یہ لفظ بہہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص کہے ”اخذتک هذه الجارية“ اس سے بہہ متحقق ہو جائے گا۔

”قال بعض الناس“

بعض لوگوں نے کہا کہ ”هذه عارية“ کہ ”اخذتک هذه الجارية“ کہا تو اس سے عاریت ہوگی۔

اس سے امام ابوحنیفہؒ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں ”اخذتک هذه الجارية“ سے بہہ نہیں بلکہ عاریت ہوگی حالانکہ آگے روایت میں ”اخذتک“ آ رہا ہے معلوم ہوا کہ اس سے بہہ ہو جاتا ہے۔ دلیل یہ پیش کی کہ حضرت ہاجرہ جو دی گئی تھیں اس میں ”اخذتک ولیدة“ کا لفظ ہے کہ بادشاہ نے ایک ولیدہ یعنی ایک چار یہ خدمت کے لئے دے دی اور ظاہر ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام عاریتہ کے طور پر نہیں بلکہ بہہ کے طور پر دی گئیں تھیں، معلوم ہوا کہ ”اخذتک“ کے لفظ سے بہہ متحقق ہو جاتا ہے۔

”قال بعض الناس“ کا جواب

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر جو اعتراض کیا ہے وہ اس لئے عائد نہیں ہوتا کہ امام بخاریؒ خود کہہ رہے ہیں ”علی ما یعارف الناس“ کہ اس کا فیصلہ عرف سے ہوگا۔ اگر عرف ”اخذتک“ کہہ کر بہہ کرنے کا ہے تو بہہ حنفیہ کے نزدیک بھی متحقق ہو جائے گا، لیکن اگر عرف بہہ کا نہیں بلکہ عاریتہ کا ہے تو پھر عاریت ہی ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جو عاریت کا حکم لگایا ہے وہ عرف کی بنیاد پر لگایا ہے، جہاں عرف نہ ہو وہاں عاریتہ کا نہیں، بہہ کا حکم ہوگا۔

اور حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ سے استدلال اس لئے درست نہیں کہ اس میں صرف ”اخذتک“ کا لفظ نہیں ہے بلکہ ساتھ ”اعطاها“ کا لفظ آیا ہے۔^{۵۳}

(۳۷) باب إذا حمل رجل علی فرس فهو كالعمری و الصدقة

”وقال بعض الناس: له أن يرجع لیہا“.

۲۶۳۶۔ حدثنا الحمیدی: أخبرنا سفیان قال: سمعت مالکاً یسأل زید بن أسلم

لقال: سمعت أبی یقول: قال عمر رضی اللہ عنہ: حملت علی فرس فی سبیل اللہ فرأیتہ یباع،

فسألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقال: ((لا تشعروہ ولا تعد فی صدقتک)). [راجع: ۱۳۹۰]

یہاں پر بھی وہی بات ہے کہ کوئی کہے ”حملت علی فرس“ تو امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ عمری اور صدقہ کی طرح ہوگی، بہہ تحقق ہو گیا۔

”وقال بعض الناس“ اور بعض لوگ یعنی خفیہ کہتے ہیں کہ اس کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔

”قال بعض الناس“ کا جواب

یہاں بھی امام بخاری رحمہ اللہ کا اعتراض بالکل بے محل ہے، اس وجہ سے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کا د رومدار عرف پر ہے ”حملت علی فرس“ میں اگر بہہ کا عرف ہے تو بہہ ہوگا اور اگر ع ریتہ کا عرف ہے تو ع ریتہ ہوگی۔

اور اگر باغرض بہہ بھی ہو تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پہلے ہی اس بات کے قائل ہیں کہ اس میں رجوع ہو سکتا ہے وہ بہہ میں رجوع کے قائل ہیں، (پہلے بھی اس پر بحث گزر چکی ہے) اس لئے اس پر اعتراض کرنے کا کوئی محل نہیں۔

مكتاب الشهاديات

٢٦٣٧ - ٢٦٨٩



۵۲۔ کتاب الشهادات

(۱) باب ما جاء في البينة على المدعى،

لقوله تعالى: ﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوا﴾
[البقرة: ۲۸۲]. وقول الله عز وجل: ﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتُوبًا قَوْمِينَ بِالْقِسْطِ شَهَادَةً
لِّئِهِمْ إِلَىٰ قَوْلِهِ ﴿بِمَا تَعْمَلُونَ خَيْرًا﴾ ۱

(۲) باب إذا عدل رجل رجلاً

”فقال: لا نعلم إلا خيراً، أو: ما عملت إلا خيراً“.

”وساقی حدیث الإلک فقال النبى ﷺ لأسامة حين استشاره فقال: أهلك ولا

نعلم إلا خيراً“.

۲۶۳۷۔ حدثنا حجاج: حدثنا عبد الله بن عمر النعمري: حدثنا ثوبان . وقال الليث:

حدثني يونس ، عن ابن شهاب قال: أخبرني عروة بن الزبير وابن المسيب وعلقمة بن وقاص
وعبيد الله بن عبد الله عن حديث عائشة رضي الله عنها ، وبعض حديثهم يصدق بعضها حين قال
لها أهل الإلک ما قالوا ، فدعا رسول الله ﷺ علياً وأسامة حين استلبت الوحى يستامرهما في
فراق أهله، فاما أسامة فقال: أهلك ولا نعلم إلا خيراً، وقالت برة: إن رأيت عليها أمراً
أهمصه أكثر من أنها جاربة حديثه السن تمام عن عجين أهلها ، فتأتى الداجن فآكله . قال
رسول الله ﷺ: ((من يعدرنا في رجل بلغنى أذاه في أهل بيتي؟ فوالله ما علمت من أهلي إلا
خيراً، ولقد ذكروا رجلاً ما علمت عنيه إلا خيراً)). [راجع: ۲۵۹۳].

شہادت کے باب میں تزکیۃ الشہود کی ضرورت پیش آتی ہے یعنی گواہوں کے بارے میں معلوم کرنا کہ
یہ کیسے ہیں؟ جس کے لئے شرعاً مزکی مقرر ہوتے ہیں۔

اس باب میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ جب ان سے کسی گواہ کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ کیا کہیں؟

چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کی تعدیل کرے یعنی اس کو عادل قرار دے تو یہ کہے "لانعلم إلا خیرا" ہمیں اس کے بارے میں سوائے خیر کے اور کوئی بات معلوم نہیں یا کہے "ما علمت إلا خیرا" کیونکہ ہر انسان اپنے علم کے مطابق ہی گواہی دے سکتا ہے، آگے اس کے باطن کی کیا حقیقت ہے یہ کسی کو نہیں پتہ چل سکتا۔ اس پر حدیث "الفک" سے استدلال کیا کہ اس میں خود حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ کے بارے میں یہ فرمایا کہ "ما علمت من اہلی الا خیرا" اور صفوان بن معطل کے بارے میں بھی یہ فرمایا کہ "ما علمت علیہ الا خیرا"۔

(۳) باب شهادة المختبئ

"وأجاز عمرو بن حرب لائل : وكذلك يفعل بالكاذب الفاجر ، وقال الشعبي وابن سيرين و عطاء و قنادة : السمع شهادة . و كان الحسن يقول : لم يشهدوني على شيء ولكن سمعت كذا وكذا"۔

کہتے ہیں کہ ایسا شخص جو چھپا ہوا ہے، تختی کے معنی میں چھپا ہوا، یعنی مشہود علیہ جس کے اوپر گواہی دی جا رہی ہے اس سے پوشیدہ ہے تو آیا اس کی گواہی جائز ہے یا نہیں۔ اس پر یہ باب قائم کیا ہے، یعنی جس شخص کے خلاف گواہی دینی ہے۔ اس سے آدمی چھپ گیا تو آیا اس کی گواہی معتبر ہوگی یا نہیں؟

چھپے ہوئے شخص کی گواہی اور اختلاف فقہاء

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں اس مذہب کی طرف گئے ہیں کہ چھپے ہوئے شخص کی گواہی معتبر ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف بھی یہی قول منسوب ہے، ان کا قول قدیم یہ نہیں تھا لیکن مصر جانے کے بعد جدید قول یہی ہوا۔

امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ علی لاطلاق چھپے ہوئے آدمی کی شہادت معتبر ہے۔ حنفیہ کا جو مذہب بیان کیا جاتا ہے اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر آدمی اس طرح چھپا ہوا ہے کہ مشہود علیہ کو دیکھ رہا ہے اگرچہ مشہود علیہ اس کو نہیں دیکھ رہا ہے اور اس کی بات بھی سن رہا ہے، تب تو یہ شہادت جائز ہے۔ لیکن اگر صرف دیوار یا پردے کے پیچھے سے اس کی آواز سن رہا ہے، اس کو دیکھ نہیں رہا تو مشہور یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ایسی شہادت معتبر نہیں۔ اس لئے کہ اگر اس وقت گواہی دے گا تو وہ صرف آواز کی گواہی ہوگی کہ اس نے فلاں بات کی ہے اور "الصوت يشبه الصوت" ایک آدمی کی آواز دوسرے آدمی کی آواز کے مشابہ ہوتی ہے، تو جب تک دیکھ نہ لے اس وقت تک اس کے لئے شہادت دینا جائز نہیں، یہ حنفیہ کا مشہور قول ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا قول

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری صاحب نے ”وفیض الباری“ میں فرمایا کہ اگر اس بات کا پورا اطمینان اور اس پر یقین ہو جائے کہ آواز کے پہنچنے میں کوئی خلطی نہیں ہوئی ہے تو ایسی صورت میں اس شہادت کو قبول کر سکتے ہیں۔ ۵

لیکن میرے خیال میں حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کا مطلب یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس کو باقاعدہ شہادت تو نہیں کہا جائے گا البتہ اس کو ایک قرینہ مؤیدۃ کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے، ورنہ صرف آواز کی شہادت معتبر نہیں۔ مثلاً ٹیلیفون کی ٹنگو ٹیپ کر لی، آج کل یہ کثرت سے ہو رہا ہے اور پھر بعض اوقات وہ عدالت میں سنائی جاتی ہے کہ ٹیلیفون پر فداں نے یہ بات کی ہے تو یہ محض شہادت بالمسمع ہوگی اور خاص طور سے ٹیلیفون کے اندر آوازیں ایک دوسرے سے ساتھ مشابہ ہو جاتی ہیں۔ لہذا یہ مکمل ثبوت نہیں، اس کو مکمل شہادت نہیں کہیں گے، البتہ اس کو ایک قرینہ کے طور پر پیش کر سکتے ہیں، اگر دوسری شہادتیں موجود ہیں تو اس کو ان کی تائید میں پیش کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ”شہادۃ المخبی“ کے جواز پر کچھ آثار نقل کئے ہیں:

”واجاز عمرو بن حریث“ عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، انہوں نے اس کو جائز قرار دیا (یعنی ”شہادۃ المخبی“) کو ”قال: فذلک یفعل بالکاذب الفاجر“ اور فرمایا کہ جو جھوٹا اور فاجر آدمی ہے اس کے ساتھ ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو آدمی کاذب اور فاجر ہے وہ کھلم کھلا تو اپنے خلاف کسی بات کا، اپنے جرم کا اقرار نہیں کرتا، اس کے ساتھ یہی حیلہ کیا جاتا ہے کہ مثلاً دو گواہوں کو لے گئے اور کہا کہ تم ذرا باہر بیٹھنا میں تمہاری جگہ پر جا کر اس سے بات کروں گا، وہ سمجھے گا کہ میں تنہا ہوں۔ میری بات کوئی نہیں سن رہا ہے، اس وقت وہ کوئی بات کہہ دے گا جو اقرار کی حد تک پہنچے گی تو تم اس کو باہر سے سن لینا اور پھر اس کی گواہی دے دینا تو کاذب اور فاجر سے اقرار حاصل کرنے کا سوائے ”شہادۃ المخبی“ کے اور کوئی راستہ نہیں ہوتا۔

”کان الحسن یقول: لم یشہد ونی علی شیء ولکن سمعت کذا وکذا“ حسن بصری فرماتے ہیں کہ مجھے ان لوگوں نے باقاعدہ گواہ نہیں بنایا تھا۔ لیکن میں نے فلاں فلاں بات سنی۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ حسن بصری نے فرمایا ہے ”لم یشہد ونی“ ہو سکتا ہے حسن بصری ساتھ ساتھ دیکھ بھی رہے ہوں، اور اگر ساتھ ساتھ دیکھ بھی رہے ہوں تو پھر ان کا یہ قول حنفیہ کے خلاف نہیں ہوگا۔

۲۶۳۸ - حدثنا أبو الیمان : أخبرنا شعیب ، عن الزہری : قال سالم : سمعت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یقول : إنطلق رسول اللہ ﷺ و أبی کعب الأنصاری و یؤمن النخعل التي فيها ابن صياد حتى إذا دخل رسول الله ﷺ طفق رسول الله ﷺ يتقى بجدوع النخل وهو يختل أن يسمع من ابن صياد شيئاً قبل أن يراه ، وابن صياد مضطجع على فراشه في لطيفة له فيها رمرمة، أو زمزمة. فرأت أم ابن صياد النبي ﷺ وهو يتقى بجدوع النخل ، فقالت لابن صياد : أي صافي ، هذا محمد ، فتناهى ابن صياد . قال النبي ﷺ : ((لو لو كنته بين)) . [راجع : ۱۳۵۵] .

یہ ابن صیاد کا واقعہ کا ذکر کیا ہے، جس میں حضور اقدس ﷺ چھپ کر ابن صیاد کی بات سنے کے لئے تشریف لے گئے اس سے استدلال کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ سختی تھے اور اس کی بات سن رہے تھے۔ لیکن یہ استدلال اس لئے درست نہیں کہ یہاں پر شہادت دینا منظور نہیں تھا بلکہ اپنے طور پر معلومات حاصل کرنا مقصود تھا۔

۲۶۳۹۔ حدیثی عبد اللہ بن محمد : حدثنا سفیان ، عن الزهري ، عن عروة ، عن عائشة رضي الله عنها قالت : جاءت امرأة رفاعة القرظي إلى النبي ﷺ فقالت : كنت عند رفاعة لطلقتني فأبى طلقتي ، فتزوجت عبدالرحمن بن الزبير ، إنمامعه مثل هدبة الثوب . فقال : ((أتريدين أن ترجعي إلى رفاعة لا؟ حتى تدولني عسيلته ويدوق علسيلتك)) ، وأبو بكر جالس عنده ومخالد بن سعيد بن العاص بالباب ينتظر أن يؤذن له . فقال : يا أبا بكر، ألا تسمع إلى هذه ماتجهر به عند النبي ﷺ . [أنظر : ۵۲۶۰ ، ۵۲۶۱ ، ۵۲۶۵ ، ۵۳۱۷ ، ۵۷۹۲ ، ۵۸۲۵ ، ۶۰۸۳] .

جس وقت امراة رفاعة یہ بات کہہ رہی تھی کہ مجھے میرے شوہر نے طلاق دے دی ہے اور میں عبدالرحمن بن زبیر ﷺ کے پاس چلی گی۔ ”إنمامعه مثل هدبة الثوب“ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ اس وقت وہاں بیٹھے

۱۔ رلی صحیح مسلم ، کتاب النکاح ، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً الخ ، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها حتى تنكح زوجاً غيره بطأها ثم ينفارقها وتقتضى عدتها ، رقم : ۲۵۸۷ ، وسنن الترمذی ، کتاب النکاح عن رسول اللہ ، باب ماجاء لیمن يطلق امرأته ثلاثاً فيزوجها آخر ، رقم : ۱۰۳۷ ، وسنن النسائی ، کتاب النکاح ، باب النکاح الذي تحل به المطلقة ثلاثاً لمطلقها ، رقم : ۳۲۳۱ ، وکتاب الطلاق ، باب الطلاق البتة ، رقم : ۳۳۵۶ ، وسنن ابن ماجة ، کتاب النکاح ، باب الرجل يطلق امرأته ثلاثاً فيزوج لمطلقها قبل أن يدخل بها ترجع إلى الاول ، رقم : ۱۹۲۲ ، ومسند أحمد ، بابی مسند الأنصار ، باب حديث السيدة عائشة ، رقم : ۲۲۹۲۹ ، ۲۲۹۶۹ ، ۲۳۰۲۰ ، ۲۳۵۱۰ ، ۲۳۴۲۷ ، ۲۳۷۰۵ ، ۲۳۷۳۱ ، وسنن الدارمی ، کتاب الطلاق ، باب ما يحل المرأة لزوجها الذي طلقها فبیت طلالها ، رقم : ۲۱۶۷ ، ۲۱۶۸ .

ہوئے تھے اور خالد بن سعید بن العاصؓ دروازہ پر اس انتشار میں تھے کہ ان کو حضور اقدس ﷺ کے پاس آنے کی اجازت دی جائے۔

حضرت خالدؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا ”الاسمع الى هذه ما لجهر به عند النبي ﷺ“ کہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے کھلم کھلا کہہ رہی ہے کہ ”معہ مثل هدبة الثوب“ یعنی یہ شرم کی بات ہے لیکن یہ عورت اس طرح کھل کر کہہ رہی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہاں اس حدیث کو لانے کا منشا یہ ہے کہ خالد بن سعید بن عاص نے عورت کی بات پر دے کے پیچھے سے سنی اور اس کی آواز پہچان کر اس پر حکم لگا دیا کہ دیکھیں رفاعہ کی بیوی اس قسم کی بات کر رہی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عام حالات کی بات ہے، یہاں شہادت کا کوئی تصور نہیں کہ اس پر شہادت دیں کہ اس نے یہ بات کہی ہے۔

(۳) باب إذا شهد شاهد ، أو شهود بشئ

”وقال آخرون : ما علمنا بذلك ، بحکم بقول من شهد“

قال الحميدى . هذا كما أخبر بلال أن النبي ﷺ صلى في الكعبة . وقال الفضل : لم يصل ، فأخذ الناس بشهادة بلال . كذلك إن شهد شاهدان أن لفلان على فلان ألف درهم وشهد آخران بألف ومسمانة يقضى بالزيادة .

کہتے ہیں کہ ایک گواہ یا کچھ گواہوں نے کسی بات کی گواہی دی دوسروں نے کہا کہ ہمیں اس بارے میں علم نہیں تو ”بحکم بقول من شهد“ جس نے گواہی دی ہے اس کے قول کے مطابق فیصلہ دیا جائے گا۔ ظاہر ہے جو شخص جانتا ہے اور جان کر گواہی دیتا ہے تو یہ مثبت ہے اور ثانی پر مقدم ہے۔ مثلاً: حضرت بلالؓ نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی اور فضل نے کہا کہ نہیں پڑھی، تو لوگوں نے حضرت بلالؓ کی شہادت پر عمل کیا۔

اسی طرح دو آدمی گواہی دیں کہ فلاں کے اوپر فلاں کے ایک ہزار درہم ہیں اور دوسرے دو گواہ گواہی دیں کہ ایک ہزار پانچ سو ہیں، تو زیادہ واپس لے گواہوں کی گواہی کا اعتبار کیا جائے گا۔

۲۶۳۰۔ حدثنا حبان : أخبرنا عبد الله : أخبرنا عمرو بن سعيد بن أبي حسين قال : أخبرني عبد الله بن أبي مليكة ، عن عقبه بن الحارث : أنه تزوج ابنة لأبي إهاب ابن عزيز فأتته امرأة فقالت : قد أرضعت عقبه والتي تزوج ، فقال لها عقبه : ما أعلم أنك

أرضعتني ولا أخبرني ، فأرسل إلي آل أبي إهاب يسألهم ، فقالوا : ما علمناه أرضعت صاحبتنا ، فركب إلي النبي ﷺ بالمدينة فسأله ، فقال رسول الله ﷺ : ((كيف وقد قيل ؟))
ففارقها ونكحت زوجها غيره . [راجع : ۸۸]

یہ عقبہ بن حارث کا مشہور واقعہ ہے (جو بار بار آیا ہے) کہ نبیور نے نکاح کیا تھا۔ مہرت آئی اور ان نے آکر کہا کہ میں نے عقبہ کو بھی دودھ پلایا ہے اور اس کی بیوی کو بھی پلایا ہے۔

عقبہ نے کہا کہ مجھے تو پتہ نہیں کہ تم نے دودھ پلایا ہے اور نہ تم نے پینے بتایا ہے، ابی اہاب کے گھر والوں کو پیغام بھیجا اور ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا ”ما علمناہ أرضعت صاحبتنا“ ہرے علم میں نہیں ہے کہ اس نے ہماری لڑکی کو دودھ پلایا تھا حضور اقدس ﷺ کے پاس گئے اور جا کر سوال کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ”کیف وقد قيل؟“ کہ اب اس عورت کو اپنے پاس سے رکھو گے جب ایک بات کہہ دی گئی۔ پھر عقبہ بن حارث نے ان سے مفارقت اختیار کرنی اور اس عورت نے کسی اور سے نکاح کر لیا۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث کو انے کا منشاء یہ ہے کہ عقبہ بن حارث اور ان کی بیوی رضاع کی نفی کر رہے تھے، لیکن جب عورت نے گواہی دے دی تو آپ ﷺ نے اس کی گواہی کو قبول کرتے ہوئے ان کو مفارقت کا حکم دے دیا۔

اگرچہ جمہور کے نزدیک مفارقت کا حکم بطور احتیاط دیا گیا تھا اور نہ تنہا ایک مرضعہ کی شہادت کافی نہیں ہوتی، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کا منشاء یہ ہے کہ احتیاط کے نقطہ نظر سے بھی کم از کم مثبت کو نافی پر مقدم رکھا گیا، معلوم ہوا کہ مثبت نافی پر مقدم ہے۔

(۵) باب الشهداء العدل

وقول الله تعالى: ﴿وَأَشْهِدُوا ذَوَىٰ عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾^۱ و ﴿مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾^۲

۲۶۳۱۔ حدثنا الحكم بن نافع، أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: حدثني حميد

ابن عبد الرحمن بن عوف: أن عبد الله بن عتبة قال: سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه يقول:

احتج بظاهره من اجاز شهادة المرضعة وحدها، ومن منع حمله على الورع دون التحريم، قال جمهور العلماء: إن النبي ﷺ أفتاه بالتحريم عن الشبهة، وأمره بجانبه الريبة خوفاً من الإقدام على فرج قام فيه دليل أن المرأة أرضعتها، لكنه لم يكن لاطعاً ولا قوياً، لا جماع العلماء على أن شهادة المرأة الواحدة لا تجوز في مثل ذلك، لكن أشار عليه النبي ﷺ بالأحوط الخ. عمدة القارى، ج ۲، ص ۱۲۳.

إن أناسا كانوا يؤخدون بالوحي في عهد رسول الله ﷺ وإن الوحي قد انقطع ، وإنما نأخذكم الآن بما ظهر لنا من أعمالكم ، فمن أظهر لنا خيرا أمناه وقربناه ، وليس إلينا من سريرته شيء ، الله يحاسب في سريرته ، ومن أظهر لنا سوءا لم نأمنه ولم تصدقه وإن قال : إن سريرته حسنة .

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں تو وحی نازل ہوتی تھی اس کی بنیاد پر فیصلہ ہو جاتا تھا کہ یہ آدمی ٹھیک ہے یا غلط ہے اور اب ہمارے پاس وحی نہیں ہے ، البتہ ظاہری اعمال ہیں ہم اسی کے مطابق فیصلے کریں گے ، اگر ظاہری اعمال ٹھیک ہیں تو اس کی شہادت قبول کریں گے اگر ظاہری اعمال غلط ہیں تو شہادت کو رد کریں گے اور باطن کی بات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کریں گے۔

(۶) باب تعدیل کم یجوز؟

۲۶۲۲۔ حدثنا سليمان بن حرب : حدثنا حماد بن زيد ، عن ثابت ، عن أنس رضي الله عنه قال : مرَّ على النبي ﷺ بجنازة فأنثوا عليها خيرا ، فقال : ((وجبت)) . ثم مرَّ بأخرى فأنثوا عليها شرا ، أو قال : غير ذلك فقال : ((وجبت)) فقلت : يا رسول الله ، قلت لهذا : ((وجبت)) وللهذا : ((وجبت)) وللهذا : ((وجبت)) قال : ((شهادة القوم ، المؤمنون شهداء الله في الأرض)) . [راجع : ۱۳۶۷]

اب یہاں ترجمہ الباب تو یہ ذکر کیا کہ کتنے آدمیوں کی طرف سے کسی کی تعدیل کی جائے تو وہ کافی ہے لیکن یہاں حدیث میں کوئی تعدیل ذکر نہیں ہے۔

۲۶۲۳۔ حدثنا موسى بن إسماعيل : حدثنا داؤد بن أبي الفرات : حدثنا عبد الله بن بريدة عن أبي الأسود قال : أتيت المدينة وقد وقع بها مرض وهم يموتون موتا ذريعا فجلست إلى عمرؓ ، فمريت جنازة فأنثى خيرا ، فقال عمر : وجبت . ثم مرَّ بأخرى فأنثى خيرا فقال : وجبت . ثم مرَّ بالثالث فأنثى شرا فقال : وجبت ، فقلت : ما (وجبت) يا أمير المؤمنين؟ قال : قلت كما قال النبي ﷺ : ((أيما مسلم شهد له أربعة بخير أدخله الله الجنة)) . قلنا : وثلاثة؟ قال : ((وثلاثة)) ، قلنا : واثنان؟ قال : ((واثنان)) ، ثم لم نسأله عن الواحد . [راجع : ۱۳۶۸]

البتہ اسی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”ایما مسلم شهد له أربعة بخير أدخله الله الجنة قلنا : وثلاثة؟ قال : وثلاثة قلنا : واثنان؟ قال : واثنان ثم لم نسأله عن الواحد“ وہ آدمی بھی اگر گواہی دیں تو کافی ہے پھر ایک کے بارے میں سوال نہیں کیا۔

حنفیہ کے ہاں تعدیل

حنفیہ کے یہاں تعدیل کے لئے دو باتوں میں سے ایک بات ضروری ہے، عدد یا عدالت۔ عدد یعنی دو آدمی گواہی دیں اور اگر ایک ہو مگر اس کے ساتھ عدالت ہو مکمل عدل ہو تو اس کی تعدیل کر دینا بھی کافی ہے۔

(۷) باب الشهادة على الأنساب

والرضاع المستفيض والموت القديم

”وقال النبي ﷺ: ((أرضعتني و أبا سلمة ثوبية))، والتثبت فيه“.

۲۶۳۴۔ حدثنا آدم: حدثنا شعبة: أخبرنا الحكم، عن عراك بن مال، عن عروة ابن الزبير، عن عائشة رضي الله عنها قالت: استأذن علي أفلح فلم آذن له. فقال: أنتحجبن مني وأنا عمك؟ فقلت: وكيف ذلك؟ فقال: أرضعتك امرأة أخي بلبن أخي. فقالت: سألت عن ذلك رسول الله ﷺ فقال: ((صدق الملح، الذلني له)). [أنظر ۳۷۹۶، ۵۱۰۳، ۵۱۱۱، ۵۲۲۹، ۶۱۵۶] ۷

۲۶۳۵۔ حدثنا مسلم بن إبراهيم: حدثنا همام: حدثنا قتادة، عن جابر بن زيد، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال النبي ﷺ في بنت حمزة: ((لا تحل لي، يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب، هي ابنة أخي من الرضاعة)). [أنظر: ۵۱۰۰]

۲۶۳۶۔ حدثنا عبد الله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن عبد الله بن أبي بكر، عن عمرة بنت عبد الرحمن: أن عائشة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ أخبرتها: أن النبي ﷺ كان عندها وأنها سمعت صوت رجل يستأذن في بيت حفصة، قالت عائشة رضي الله عنها: فقلت: يا رسول الله، أراه فلانا، نعم حفصة من الرضاعة. فقالت عائشة: يا رسول الله، هذا رجل يستأذن في بيتك. قالت: فقال رسول الله ﷺ: ((أراه فلانا نعم حفصة من

۷۔ لفيض الباری، ج: ۳، ص: ۳۸۳، وعمدة القاری، ج: ۹، ص: ۳۸۳

۱۲۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب تحريم الرضاعة من ماء الفحل، رقم: ۲۶۱۷، وسنن الترمذی، كتاب الرضاع، باب ماجاء في لبن الفحل، رقم: ۱۰۶۷، وسنن النسائی، كتاب النكاح، باب ما يحرم من الرضاع، رقم: ۳۲۳۹، وسنن ابی داؤد، كتاب النكاح، باب في لبن الفحل، رقم: ۱۷۶۱، وموطأ مالك، كتاب الرضاع، باب رضاعة الصغير، رقم: ۱۱۰۲.

الرضاع ، فقالت عائشة: لو كان فلان - حيا لعمها من الرضاعة دخل علي؟ فقال رسول الله ﷺ: ((نعم إن الرضاعة يحرم منها ما يحرم من الولادة)). [أنظر: ۳۱۰۵، ۵۰۹۹].

۲۶۲۷۔ حدثنا محمد بن كثير: أخبرنا سفيان، عن اشعث بن أبي الشعثاء، عن أبيه، عن مسروق: أن عائشة رضی الله عنها قالت: دخل علي النبي ﷺ و عندي رجل فقال: ((يا عائشة! من هذا؟)) قلت: أخى من الرضاعة ، قال: ((يا عائشة انظرون من إخوانكن فالما الرضاعة من المجاعة)). تابعه ابن مهدي عن سفيان. [۵۱۰۲]

حدیث باب کی تشریح

کہتے ہیں کہ انساب اور ارضاع وغیرہ کے مسئلے پر شہادت بالتسامع بھی کافی ہے۔
یعنی اگر خبر مستفیض کے طور پر یہ بات لوگوں میں مشہور ہو کہ فلاں، فلاں کا بیٹا ہے یا فلاں نے فلاں کو دودھ پلایا ہے تو خبر مستفیض شہادت کے قائم مقام ہو جاتی ہے اور اس سے نسب بھی ثابت ہو سکتا ہے اور رضاعت بھی ثابت ہو سکتی ہے، اس کو "استعلام الشهادة بالتسامع" کہتے ہیں۔ کیونکہ نسب بھی ایسی چیز ہے کہ کوئی شخص اس کی حقیقت پر گواہی نہیں دے سکتا کہ یہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے۔ حقیقی گواہی اس وقت دے سکتا ہے جب وہ علق کا مشاہدہ کرے اور علق کا مشاہدہ کون کر سکتا ہے؟
لہذا محض تسماع کی شہادت کافی ہے کہ شہرت ہے اور یہی معاملہ رضاعت کا بھی ہے۔ اسی طرح کسی شخص کے بارے میں کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے؟ کس وقت زندہ تھا کب مر گیا؟ اس کے بارے میں بھی عام شہرت ہے کہ فلاں وقت وہ مر چکا تھا تو اس عام شہرت کی بنا پر اس وقت سے اس کو مردہ سمجھا جائے گا۔
امام بخاری رحمہ اللہ یہاں رضاعت والی حدیث لائے ہیں کہ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ٹویہ نے دودھ پلایا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ ٹویہ کا دودھ پلانا خود حضور اقدس ﷺ کو تو یاد نہیں ہوگا کیونکہ وہ بچے تھے لیکن آپ ﷺ نے یہ بات تسماع کی بنا پر فرمائی۔

(۸) باب شهادة القاذف والسارق والزانی،

وقول الله عز وجل: ﴿وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا﴾ ۳

وجلد عمر أبابكرة و شبل بن معبد و نافعاً بقذف المغيرة، ثم استتابهم. وقال: من

تاب قبلت شہادتہ۔ وأجازہ عبد اللہ ابن عتبہ، و عمر بن عبدالعزیز، و سعید بن جبیر، و طاؤس و مجاہد و الشعبي و عكرمة و الزهري و محارب بن دثار و شريح و معاوية بن قرة و قال أبو الزناد: الأمر عندنا بالمدينة إذا رجع القاذف عن قوله فاستغفر ربه قبلت شہادتہ۔ وقال الشعبي و قتادة: إذا أكذب نفسه جلد و قبلت شہادتہ۔ وقال الثوري: إذا جلد العبد لم أعتق جازت شہادتہ، وان استقصى المحدود فقضياه جائزة، وقال بعض الناس: لا تجوز شهادة القاذف وإن تاب، ثم قال: لا يجوز نكاح بغير شاهدين فإن تزوج بشهادة محدودين جاز، وإن تزوج بشهادة عبيدين لم يجوز. و أجاز شهادة العبد و المحدود و ألامه لرؤية هلال رمضان وكيف تعرف توبته. و نفى النبي ﷺ الزاني سنة، و نفى النبي ﷺ عن كلام كعب بن مالك و صاحبه حتى مضى خمسون ليلة.

یہ باب ہے ”شهادة القاذف و السارق و الزانی“ یہ تینوں چونکہ دس نہیں، فاسق ہیں اس لئے ان کی شہادت مقبول نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے تینوں کو ایک ساتھ اس سے ذکر کیا ہے کہ ان کے نزدیک تینوں کا حکم یک ہی ہے یعنی ان کی شہادت قبول نہیں، البتہ اگر سارق سرقہ سے، زانی زنا سے اور قاذف قذف سے توبہ کر لے تو توبہ کے بعد ان کی شہادت قبول ہو جاتی ہے۔

محدود فی القذف کی شہادت اور اختلاف ائمہ

یہاں اصل محدود فی القذف کا مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے کہ محدود فی القذف کی شہادت ویسے تو قبول نہیں لیکن امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ توبہ کر لے تو اس کی توبہ اور اس کی شہادت قبول ہو جاتی ہے۔ یہی مسلک امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا بھی ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قاذف کی شہادت قبول نہیں ہوتی، چاہے وہ توبہ بھی کر چکا ہو۔

اختلاف کا مدار اصل میں آیت کریمہ کی تفسیر پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ إِلَّا الَّذِينَ كَانُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا﴾

اب یہاں ﴿إِلَّا الَّذِينَ كَانُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ﴾ یہ استثنیٰ کس چیز کے ساتھ لگ رہا ہے؟

ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ یہ استثنیٰ ﴿وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا﴾ کے ساتھ لگ رہا ہے کہ ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو، الا یہ کہ وہ توبہ کر لیں، پھر قبول کر لو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ ﴿وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ کے ساتھ لگ رہا ہے، "لا تقبلوا لهم شهادة اہذا" یہاں تک تو حد کا بیان ہو گیا، اس کے بعد فرمایا کہ ﴿وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ یہ لوگ فاسق ہیں۔ "إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا" سوائے ان کے جو توبہ کر لیں تو پھر فاسق نہ رہیں گے۔ اس کے معنی یہ ہے کہ توبہ کرنے کا اثر آخرت کے احکام پر ظاہر ہوگا لیکن دنیا میں جو حد لگ چکی وہ لگ چکی ہے اور اس حد کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ ان کی شہادت کبھی نہ قبول کی جائے گی۔

حنفیہ کے دلائل

حنفیہ اپنے اس موقف کی تائید میں کئی باتیں پیش کرتے ہیں۔

ایک یہ کہ استثناء کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ حتی الامکان اس کو اس سے متصل جملے کے ساتھ لگایا جاتا ہے اور یہاں متصل جملہ ﴿وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ ہے اور "لا تقبلوا لهم شهادة اہذا" کے ساتھ لگانے میں ایک فاصلہ موجود ہے اور یہ خلاف اصل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یوں فرمایا گیا "فاجلذوہم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لهم شهادة اہذا واولئک ہم الفاسقون الا الذین تابوا" اب "إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا" کے استثناء کو اگر فاصلے کے باوجود لگایا جائے تو کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا تعلق "فاجلذوہم ثمانین جلدۃ" سے بھی ہے کہ اسی کوڑے لگاؤ اور شہادت قبول نہ کرو مگر یہ کہ اگر وہ توبہ کر لیں تو اسی کوڑے بھی مت لگاؤ، حالانکہ اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں ہے کہ توبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے گی، جب وہ ساقط نہیں ہوگی اور ہر حالت میں اسی کوڑے لگائیں جائیں گے تو حد کا جو دوسرا جز ہے "لا تقبلوا لهم شهادة اہذا" وہ کیسے مستثنیٰ ہو جائے گا۔

تیسری بات یہ ہے کہ قرآن نے "لا تقبلوا لهم شهادة اہذا" کے ساتھ "اہذا" فرمایا ہے اگر توبہ کے بعد شہادت قبول ہوتی تو پھر "اہذا" کا لفظ استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی، صرف "لا تقبلوا لهم شهادة" کہہ دیتے لیکن "اہذا" کا لفظ یہ بتا رہا ہے کہ ان کی شہادت کسی بھی حالت میں قبول نہیں ہوگی، استثناء کو اس کے ساتھ لگانے کے نتیجے میں "ابستدا" کا لفظ بالکل بیکار ہو جاتا ہے، اس لئے بھی اس استثناء کو "اولئک ہم الفاسقون" کے ساتھ لگایا جائے گا۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر وہ مسلک اختیار کیا جائے جو امام بخاری رحمہ اللہ اور ائمہ ثلاثہ فرما رہے ہیں تو پھر محدودنی القذف میں اور دوسرے فاسقوں میں کوئی فرق نہ ہوگا، اس سنے کہ وہ بھی جب تک توبہ نہ کریں اس وقت تک ان کی گواہی بھی قبول نہیں ہوتی۔ چور ہے، زانی ہے اور شراب خمر ہے، ان کی گواہی بھی بغیر توبہ کے قبول نہیں لیکن اگر توبہ کر لیں تو پھر قبول ہے۔ تو محدودنی القذف کی کیا خصوصیت ہوئی؟ حالانکہ قرآن نے یہ کہہ رہا

ہے کہ محدود فی القذف کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی گواہی قبول نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ محدود فی القذف کی وہ خاصیت جو اس کو دوسرے فاسقوں سے ممتاز کرتی ہے اسی وقت ثابت ہو سکتی ہے جب یہ کہا جائے کہ اس کی گواہی کبھی بھی قبول نہیں ہوتی، چاہے وہ توبہ بھی کر لے، بخلاف سارق اور زانی کے کہ ان کی شہادت اور گواہی توبہ کے بعد قبول ہو سکتی ہے۔

اس وجہ سے حنفیہ اس بات کے قائل ہیں کہ محدود فی القذف کی گواہی توبہ کے بعد بھی قبول نہیں۔
 "لَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ إِلَّا الَّذِينَ كَانُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا﴾ ۱۱۰"۔

آگے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابو بکرؓ، شبل بن معبد اور نافع کو حضرت مغیرہؓ پر تہمت لگانے کی وجہ سے کوڑے لگائے۔

حضرت مغیرہؓ پر تہمت کا واقعہ

واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بڑے سیاست دان اور ذکی آدمی تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو عراق کا گورنر مقرر کیا تھا اور گورنر مقرر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ عراق کے لوگ قابو میں نہیں آتے تھے۔ "الکوفی لا یؤلفی" تو وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ گڑ بڑ کرتے رہتے تھے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جتنے فسد پھیلے ہیں، ان میں سے اکثر عراق سے ہی پھیلے ہیں، اس لئے وہاں کے لئے کوئی بہت ذکی اور سمجھدار آدمی چاہئے تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ پورے عراق کے گورنر تھے اور حضرت ابو بکرؓ صرف بصرہ کے گورنر تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کو حضرت مغیرہؓ کے طور طریقے اچھے نہیں لگتے تھے، ان کے درمیان کچھ اختلاف بھی تھا۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے شہر میں گئے ہوئے تھے۔ صبح کے وقت ابھی اندھیرا تھا، فجر طلوع نہیں ہوئی تھی یا طلوع تو ہو چکی تھی، لیکن بالکل ابتدائی وقت تھا۔ ابو بکرؓ نے دیکھا کہ مغیرہ بن شعبہؓ اپنے گھر سے نکلے اور کہیں جانے لگے۔ ان کو کچھ تجسس ہوا کہ یہ ایسے وقت کہاں جا رہے ہیں؟ یہ ان کے پیچھے لگ گئے۔ دیکھا کہ مغیرہ بن شعبہؓ ایک مکان میں داخل ہوئے۔ انہوں نے اندر جھانکا تو وہاں ایک عورت تھی اور حضرت مغیرہؓ اس کے ساتھ مشغول ہو گئے۔

ان سے صبر نہ ہوا انہوں نے تین آدمی اور اکٹھے کر لئے۔ ایک شبل بن معبد، ایک نافع اور ایک حضرت

ابو بکرؓ کے ماں شریک بھائی زیاد۔ اور ان کو اکھٹا کر کے کہا کہ دیکھو یہ کیا حرکت کر رہے ہیں۔ انہوں نے جا کر جھانکا تو دیکھا کہ وہ جماع کر رہے ہیں تو چار آدمیوں نے دیکھ لیا۔ انہوں نے حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس شکایت بھیجی کہ یہ قصہ ہوا ہے اور جن کو آپ نے گورنر بنایا ہے وہ تو العیاذ باللہ زنا میں مبتلا ہیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ کو جب یہ خبر ملی تو انہیں بہت تکلیف ہوئی۔ سب کو بلا یا مغیرہ بن شعبہؓ بھی آگئے اور ان کے خلاف جو گواہ تھے وہ بھی آگئے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے بلا تو لیا لیکن ساتھ یہ دعا بھی کی کہ یا اللہ کسی طرح مغیرہؓ کو حد سے بچالے کیونکہ حضرت فاروق اعظمؓ کو گمان یہ تھا کہ معاملہ کچھ گڑبڑ معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ یہ کام نہیں کر سکتے۔

جب گواہی ہوئی تو گواہی میں تین آدمیوں یعنی ابو بکرؓ، شبل بن معبد اور نافع بن الحارث نے صریح الفاظ میں گواہی دی کہ ہم نے ان کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے، چوتھے آدمی یعنی زیاد نے کہا کہ میں نے ایک چادر میں دیکھا اور حرکت دیکھی سانس پھولا ہوا تھا اور ایسی آواز نکل رہی تھی جیسی جماع کے وقت ہوتی ہے تو انہوں نے صریح زنا کی گواہی نہیں دی۔

اب چونکہ چوتھا آدمی صریح زنا کی گواہی نہیں دے پایا اس لئے حضرت عمرؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ سے حد کو منقطع کر دیا اور ابو بکرؓ، شبل بن معبد اور نافع تینوں کو حد قذف لگائی۔

اصل واقعہ کیا تھا؟

واقعہ تو یہ مشہور ہے اب اصل قصہ کیا تھا؟ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی بہت تحقیق کی، اس کے نتیجے میں یہ بات ثابت ہوئی کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے ایک عورت سے خفیہ طور پر نکاح کیا ہوا تھا۔

مغیرہ بن شعبہؓ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ یہ بہت نکاح کرتے تھے اور بہت طلاق دیتے تھے۔ بہت سی عورتوں سے نکاح کئے اور بہت سی عورتوں کو طلاق دی۔ تو انہوں نے خفیہ قسم کا ایک نکاح کر رکھا تھا، جس کا لوگوں کو پتہ نہیں تھا اور یہ واقعہ ان کے ساتھ پیش آیا تھا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کے سامنے خود عذر اس لئے پیش نہیں کیا کہ حضرت عمرؓ نے خفیہ قسم کے نکاحوں پر پابندی عائد کر رکھی تھی کہ جو آدمی نکاح کرے وہ کھلم کھلا کرے، خفیہ نکاح نہ کرے، اس لئے انہوں نے سوچا کہ اگر میں یہ کہوں گا تو حضرت عمرؓ کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی، تو اس وجہ سے یہ قصہ پیش آیا۔ کلا

بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ پر بہت لگانے کی وجہ سے ابو بکرؓ، شبل بن معبد اور نافع کو حد قذف لگائی۔

”ثم استتابہم“ پھر ان سے توبہ طلب کی اور فرمایا کہ ”من تاب قبلت شہادته“ جو توبہ کرے گا، آئندہ اس کی شہادت کو قبول کروں گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ استدلال بڑا قوی ہے، اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے سارے صحابہؓ کی موجودگی میں یہ فرمایا کہ اگر توبہ کر لے گا تو شہادت قبول کروں گا اور کسی نے اس پر تکبیر نہیں فرمائی۔ یہ واقعہ امام بخاریؒ ورائے ثلاثہ شکی قوی ترین دلیل ہے۔ لیکن امام مطہریؒ فرماتے ہیں کہ توبہ کی یہ بات حضرت سعید بن المسیبؒ سے منقول ہے کما رواہ الشافعی فی الامم۔ لیکن خود سعید بن المسیبؒ کا مسلک یہ تھا کہ قاذف توبہ کر کے تب بھی اس کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ اور ابوداؤد طیالسیؒ نے روایت کیا ہے کہ خود ابوبکرؓ کو کوئی گواہ بنانا چاہتا تو فرماتے: ”أشہد غیری فان المسلمین فسقونی۔“ دوسری طرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل قرآن کریم کے نقطہ نظر سے بڑی قوی اور مضبوط ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام صاحبؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہاں اس واقعہ میں اگر وہ توبہ کریں، تو کیا کریں؟ توبہ تو یہی ہوگی کہ وہ اپنے آپ کو جھٹلائیں کہ ہم نے جھوٹی شہادت دی حالانکہ جھوٹی شہادت نہیں تھی۔ انہوں نے واقعی عمل کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ ان کی بیوی تھیں اور ان کو پتہ نہیں تھا کہ یہ ان کی بیوی ہیں تو توبہ کس بات کی کریں؟

رکھیں کہ ہم نے جھوٹ بولا تھا تو اب نیک ہو جائے گا اور اگر کہیں کہ جھوٹ نہیں بولا تھا تو پھر توبہ کیسے ہوگی؟ تو پتہ نہ یہاں توبہ کا تصور صحیح نہیں ہو پاتا، اس لئے یہ بات اتنی کچی نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم کے وہ دیکھ میں جو انہی ذکر کئے گئے ہیں۔

”وأجارہ عبد اللہ بن عبید، و عمر بن عبد العزیز و سعید بن جبیر، و طاؤس و مجاہد و الشعبي و عکرمہ و الزہری و محارب بن دثار و شریح و معاویہ بن قرۃ“ یہ سب حضرات کہتے ہیں کہ توبہ کے بعد شہادت قبول ہے۔

”وقال أبو الزناد: الأمر عندنا بالمدينة إذا رجع القاذف عن قوله فاستغفر ربه قبلت شہادته“ وقال الشعبي و قتادة: إذا أكذب نفسه جلد و قبلت شہادته“ شعبي اور قتادہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی تہمت لگائے کہ جدا اپنے آپ کو جھوٹا قرار دے دے کہ میں نے غلط تہمت لگائی ہے تو حجة قذف لگائی جائے گی اور ساتھ میں اس کی شہادت قبول کر لی جائے گی، کیونکہ اس نے اپنے آپ کو جھوٹا توبہ کر لی ہے۔

”وقال الثوري“ سفیان ثوری کہتے ہیں ”إذا جلد العبد ثم اعتق جازت شہادته“ کہ اگر عبد کو کوڑے لگائے گئے پھر وہ آزاد ہو گیا تو اس کی شہادت قبول ہو جائے گی۔

”وإن استقضى المحدود فقضايه جائزة“ کہتے ہیں کہ اگر محدودی القذف کو قاضی بنایا

جائے تو اس کے فیصلے بھی جائز ہوں گے کیونکہ جب شہادت قبول ہوگی تو اس کا قاضی بنا بھی درست ہو گیا۔ یہاں تک امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنا مسلک بیان کیا۔

آگے حنفیہ پر تنقید فرمائی۔ فرمایا ”وقال بعض الناس لا تجوز شهادة القاذف وإن تاب“ بعض لوگ (مراد امام ابوحنیفہؒ ہیں) کہتے ہیں کہ قاذف کی شہادت جائز نہیں اگرچہ وہ توبہ بھی کر لے۔ ایک طرف تو یہ کہا دوسری طرف کہا کہ ”ثم قال لا يجوز نكاح بغير شاهدين، فإن تزوج بشهادة محدودين جاز“ دو گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا اگر دو محدود بالقذف کی موجودگی میں نکاح پڑھ لیا تو نکاح ہو گیا۔ گویا یہاں محدود بالقذف کی شہادت کو معتبر مانا۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہ سمجھے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دونوں قولوں میں تعارض ہے حالانکہ حقیقت میں کوئی تعارض نہیں، وہاں ادائے شہادت کے وقت شہادت کے قبول ہونے کی بات ہو رہی ہے اور نکاح میں ادائے شہادت کی نہیں بلکہ تحمل شہادت کی بات ہو رہی ہے یعنی نکاح کے وقت دو آدمی موجود ہونے چاہئیں۔ ان کے بغیر نکاح نہیں ہوتا تاکہ متعہ اور حنفیہ آشنائی کے طریقے کو بند کیا جائے۔

اگر محدود بالقذف ہوں تو چونکہ موجودگی کی شرط پوری ہوگی اس لئے نکاح درست ہو گیا۔ یہ اور بات ہے کہ فرض کریں نکاح میں جھگڑا ہو گیا اور معاملہ عدالت میں پہنچ گیا اور اس محدود بالقذف نے جا کر گواہ دینی چاہی کہ ہماری موجودگی میں نکاح ہوا تھا تو وہاں ان کی شہادت قبول نہیں ہوگی لیکن نکاح کے انعقاد اور صحت کے لئے محدودین بالقذف کا موجود ہونا کافی ہے۔

اعتراض تو ائمہ ثلاثہ پر بھی ہوتا ہے کہ اگر کوئی سارق وزانی نکاح کے وقت موجود ہیں تو نکاح درست ہو جائے گا، یہ اور بات ہے کہ جب گواہی دینے جائیں گے تو ان کی گواہی کو قبول نہیں کیا جائیگا۔ تو یہ متفق علیہ بات ہے جیسے اور فساق کا حکم ہے وہی محدودین ”فی القذف“ کا حکم ہے۔^{۱۸}

”وإن تزوج بشهادة عہدین لم یجوز“ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ محدودین فی القذف کی موجودگی میں تو نکاح درست ہو جاتا ہے لیکن دو غلاموں کی موجودگی میں نہیں ہوتا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ نکاح کے وقت شہادت ایک طرح کی ولایت ہے اور عبد ولایت کے اہل نہیں لہذا نکاح کے لئے ان کی موجودگی کافی نہیں ہے۔^{۱۹}

”وأجاز شهادة العبد والمحدود و الأمة لرؤية هلال رمضان“

۱۸ عمدة القاری ج . ۹ . ص : ۳۹۵ .

۱۹ لأن العبد ليست له ولاية ، فإذا علق حصلت له الولاية على نفسه ، وإذن لا بأس بعبارة شهادته (ریض الباری ، ج

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے دوسرا اتنا فرق یہ کیا کہ ہلال رمضان کی رویت کے لئے محدود بالقذف کی شہادت بھی مان لیتے ہیں، غلام اور باندی کی بھی، تو یہاں پر بھی بات یہی ہے:

سفن شناس نہ امی دلہرا خطا اینچاست

کہ درحقیقت ہلال رمضان کے ثبوت کے لئے شہادت کی شرط ہی نہیں بلکہ خبر کافی ہے۔ اگر کوئی ایک قابل اعتماد عادل آدمی بھی خبر دے دے تو اس سے بھی ثبوت ہو جاتا ہے، کیونکہ وہاں شہادت شرط نہیں اسی واسطے ”اشہد“ کا صیغہ بھی شرط نہیں ہے۔

آگے فرمایا ”وکیف تعرف توبتہ“۔

یہ ترجمہ الباب کا دوسرا حصہ ہے یعنی جب ہم نے مان لیا کہ محدود بالقذف کی شہادت توبہ کے بعد قبول ہو جائے گی تو اب اس کی توبہ کیسے پہچانیں گے کہ اس نے توبہ کر لی ہے، آگے اس کو بتاتے ہیں کہ ”ولفسی النبی ﷺ الزانی سنۃ“ کہ نبی کریم ﷺ نے زانی کو سال بھر تک جلاوطن فرمایا تو سال بھر تک جلاوطن کرنے کے بعد حد پوری ہوگئی، ان کے خیال میں چونکہ جلاوطنی بھی حد کا ایک حصہ ہے اور حد پوری ہوگئی تو حد کفارہ ہے، لہذا ان کے نزدیک گنہ معاف ہو گیا اور توبہ کے حکم میں آ گیا۔

اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جب ایک سال تک جلاوطن کرنے کے بعد اس کے حالات سے اندازہ ہوا کہ اس نے اپنی اصلاح کر لی ہے تو اب اس کو واپس بلا سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر قاذف کے قذف کرنے کے بعد ایک مدت تک اس کے حالات دیکھنے سے پتا چلے کہ یہ اپنے عمل سے تائب ہو چکا ہے تو سمجھ لیں گے کہ تائب ہو گیا اور اس کی شہادت قبول کر لیں گے۔

آگے فرمایا ”ونہی النبی ﷺ عن کلام کعب بن مالک وصاحبہ حتی مضی خمسون لیلۃ“۔

کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہلال بن امیہ وغیرہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے بات چیت سے پچاس دن تک منع فرمایا تھا تو اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کی توبہ قبول کر لی تھی۔

اب یہاں پچاس دن اس لئے رکھے گئے تاکہ ان کے طرز عمل کا اندازہ کیا جائے، اسی طرح محدود بالقذف کو ایک مدت تک دیکھا جائے گا کہ اس کا طرز عمل کیسا ہے؟ اگر طرز عمل درست معلوم ہو تو پھر اس کی توبہ قبول کر سکتے ہیں اور آئندہ اس کی گواہی بھی قبول کی جا سکتی ہے۔

(۹) باب: لا یشہد علی شہادۃ جور إذا شہد

۲۶۵۱۔ حدثنا آدم: حدثنا شعبۃ: حدثنا أبو جمرۃ: قال سمعت زہدم بن مضرب:

قال سمعت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما قال: قال النبی ﷺ: ((خیرکم قرنی، ثم

الذین یلوئہم ، ثم الذین یلوئہم))۔ قال عمران : لا أدری أذکر النبی ﷺ بعد قرنین أو ثلاثة . قال النبی ﷺ : ((إن بعدکم قوم ما یخونون ولا یؤتمنون و یشہدون ولا یستشہدون و یدزرون ولا یفون ، و یمظہر فیہم السمن))۔ [أنظر : ۳۶۵۰ ، ۶۳۲۸ ، ۶۶۹۵]۔ ت

”مظہر فیہم السمن“ یعنی موٹے ہو جائیں گے ، مطلب یہ ہے کہ ان کی ساری بھاگ دوڑ کا محور پیسے جمع کرنا اور کھانا پینا ہے اس لئے وہ صحیح گوئی دے رہے ہیں یا غلط اس کی پروا نہیں کریں گے۔

(۱۱) باب شهادة الأعمی ونکاحہ ، وأمرہ ، وإنکاحہ ، ومبايعتہ ،

وقبولہ فی التأذین وغیرہ ، وما یعرف بالأصوات

”وأجاز شہادته القاسم والحسن وابن سيرين والزهرى وعطاء . وقال الشعبي : تجوز شہادته إذا كان عاقلاً . وقال الحكم : رب شئ تجوز فيه . وقال الزهرى : أرأيت ابن عباس لو شهد على شهادة ، أكنت تردہ ؟ وكان ابن عباس يبعث رجلاً إذا غابت الشمس أظفر و يسأل عن الفجر ، فإذا قيل : طلع ، صلى ركعتين . وقال سليمان ابن يسار : استأذنت على عائشة رضی اللہ عنہا فعرفت صوتي ، فقالت : سليمان أدخل فإنك مملوك ما بقي عليك شيء . أجاز سمرة بن جندب شهادة امرأة منتقبة“۔

یہ باب قائم کیا ہے کہ تاہینا شخص کی شہادت معتبر ہے یا نہیں ؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بارے میں ترجمہ الباب قائم کیا ہے اور ان کا ترجمان یہ ہے کہ اعمی کی شہادت مطلقاً مقبول ہے۔ یعنی ہر اس چیز میں اس کی شہادت مقبول ہے جس کو آواز سے پہچانا جاسکتا ہو۔

چنانچہ کہتے ہیں کہ اعمی کی شہادت اور اس کے تمام ”امور و نکاحہ و انکاحہ“ خود بھی نکاح کر سکتا ہے اور دوسرے کا نکاح بھی کر سکتا ہے۔ ”ومبايعتہ“ اور اس کی بیعت بھی لے سکتا ہے یا کر سکتا ہے اور اس کو اذان میں بھی قبول کیا جاسکتا ہے ہر اس چیز میں جو آواز کے ذریعے پہچانی جاتی ہو۔

اعمی کی شہادت کے بارے میں اقوال ائمہ

امام بخاری رحمہ اللہ کا ترجمان یہ ہے کہ اعمی کی شہادت ان چیزوں میں علی الاطلاق قبول ہے جو آواز سے

۲۰ صحیح مسلم ، کتاب فضائل الصحابة ، باب فضل الصحابة ثم الذین یلوئہم ثم الذین یلوئہم ، رقم : ۳۶۰۳ ، و سنن الترمذی ، کتاب الفتن عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی القرآن الثالث ، رقم : ۲۱۳۷ ، و سنن النسائی ، کتاب الأیمان والنذور ، باب الوفاء بالسدر ، رقم : ۳۷۴۹ ، و سنن أبی داؤد ، کتاب السنة ، باب فی فضل أصحاب رسول اللہ ، رقم : ۴۰۳۸ ، و مسند احمد ، اول مسند البصرین ، باب عمران بن حصین ، رقم : ۱۸۹۷۹ ، ۱۸۹۹۳ ، ۱۹۰۵۹ ، ۱۹۱۰۵

پچھنی جاسکتی ہوں۔

امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام احمد سے بھی روایت یہی ہے۔
 جمہور یہ کہتے ہیں کہ اگر تحمل شہادت کے وقت وہ شخص بیٹا تھا تو ادائے شہادت جائز ہے، چاہے وہ نابینا ہو گیا ہو۔
 لیکن اگر تحمل شہادت کے وقت ہی نابینا تھا تو اس کے بارے میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ عام حالات
 میں اس کی شہادت مقبول نہیں۔ البتہ کچھ استثنائی حالات ایسے ہیں جن میں قبول کی جاسکتی ہے۔ یعنی اصل حکم تو
 یہی ہے کہ اگر وہ تحمل شہادت کے وقت ہی نابینا ہے تو اس کی شہادت قبول نہیں، البتہ اگر بعض ایسے حالات ہوں
 جہاں سوائے آواز کے پچھاننے کے کوئی اور چارہ نہ ہو تو اس کی شہادت کو قبول کیا جاسکتا ہے۔ وہ مستثنیٰ حالات ہیں۔
 امام بخاری نے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے ”واجاز شہادۃ القاسم والحسن وابن
 سیرین والزهري وعطاء“ کہ ان تابعین کے اقوال سے کہ انہوں نے شہادۃ اعمیٰ کو جائز کہا ہے۔

”قال الشعبي: تجوز شهادته إذا كان عاقلاً: وقال الحكم: رب شيء تجوز له.“
 حکم نے کہا ہے کہ بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جن میں اعمیٰ کی شہادت قبول ہے۔ گویا حکم کا قول حنفیہ
 کے قریب قریب ہوا کہ وہ بعض چیزوں میں قبول کرتے ہیں اور بعض چیزوں میں قبول نہیں کرتے۔

”قال الزهري أرايت ابن عباس لو شهد على شهادة أكتت فردد؟“
 امام زہری نے اعمیٰ کی شہادت قبول کرنے پر استدلال فرمایا کہ یہ بتاؤ اگر عبد اللہ بن عباس اس چیز کی
 شہادت دیں کیا تم اس کو رد کرو گے؟ کیونکہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے نابینا ہونے کا واقعہ

ان کے نابینا ہونے کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ ایک مرتبہ یہ اپنے والد کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں
 حاضر ہوئے اور حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ایک صاحب کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اپنے والد سے پوچھا کہ یہ جو
 صاحب حضور اقدس ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں یہ کون ہیں؟

حضرت عباسؓ نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس تو کوئی بھی نہیں بیٹھا ہوا ہے، وہ حضرت عباسؓ
 کو نظر نہیں آ رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں اور میں انہیں پہچانتا ہوں کہ وہ کون ہیں۔
 بعد میں پتہ چلا کہ وہ حضرت جبریلؑ تھے جو حضرت عباسؓ کو تو نظر نہیں آئے اور عبد اللہ بن
 عباس رضی اللہ عنہما کو نظر آ گئے۔ بعد میں حضرت عباسؓ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ کیا واقعی تم نے ان کو دیکھا تھا
 کہا کہ ہاں! دیکھا تھا، اسی واسطے تو ان کے بارے میں پوچھا تھا۔

حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ پھر تمہاری بیٹائی سلامت نہیں رہے گی یعنی اگر تم نے جبریلؑ کو دیکھ لیا ہے

تو پھر تمہاری بیٹائی سلامت نہیں رہے گی، کسی نہ کسی وقت چلی جائے گی۔ بعد میں واقعی ان کی بیٹائی چلی گئی۔
 امام زہریؒ کا یہ استدلال کہ اگر عبداللہ بن عباسؓ شہادت دیں تو کیا تم رد کر دو گے؟ یہ تھوڑا سا جذباتی
 قسم کا استدلال ہے، اس لئے کہ شہادت کے قبول کرنے اور نہ کرنے میں اصول کا اعتبار ہے افراد کا نہیں۔
 یہی وجہ ہے کہ قاضی شریح نے حضرت حسنؓ کی شہادت جو حضرت علیؓ کے حق میں تھی رد کر دی تھی۔
 مشہور واقعہ ہے، یہودی کے ساتھ زرہ کا معاملہ پیش آیا تھا، حضرت حسنؓ اپنے والد کی شہادت دے رہے تھے۔
 اب اگر کوئی یوں کہے کہ کیا حضور اقدسؐ کے نواسے کی شہادت رد کر دو گے؟ تو یہ کہنا اس لئے درست
 نہیں ہوگا کہ یہاں یہ مطلب نہیں کہ ان کو مطعون کیا جا رہا ہے یا ان پر اتہام لگایا جا رہا ہے بلکہ مقصود ہے کہ اصول
 کی بات یہ ہے کہ بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں قبول نہیں۔

اسی طرح اگر اصول کے تحت اُمّی کی شہادت قبول نہیں ہے تو وہ اُمّی کوئی بھی ہو چاہے صحابیؓ ہو یا عورت
 اس کی شہادت قبول نہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ کیا حضرت عائشہؓ کی شہادت رد کر دو گے؟ تو یہ بات اس لئے درست نہیں
 ہوگی کہ اصولاً حدود کے معاملات میں عورت کی گواہی معتبر نہیں لہذا اس میں افراد کی خصوصیت کا اعتبار نہیں ہوتا۔

آگے فرماتے ہیں: "وقال سليمان ابن يسار استأذنت علي عائشة رضي الله عنها فعرلت
 صوتي" میں نے حضرت عائشہؓ سے اجازت طلب کی تو انہوں نے میری آواز پہچان لی۔ "فقالت: سليمان
 ادخل فانك مملوك ما بقى عليك شيء" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، سلیمان آ جاؤ کیونکہ تم غلام
 ہو اور جب تک کتابت کی کوئی رقم تمہارے اوپر واجب ہو تم اس وقت تک غلام ہو۔

یہ اصل میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ انہوں نے ان کو مکتب بنایا ہوا تھا۔ حضرت عائشہ
 رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب تک بدل کتابت کی کوئی رقم تمہارے ذمے واجب ہے تم اس وقت تک غلام ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غلام سے پردہ کیوں نہیں کیا؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسلک یہ تھا کہ غلام چاہے اپنا ہو یا کسی اور کا ہو، اس سے پردہ نہیں ہے۔
 جمہور کہتے ہیں کہ اگر اپنا غلام ہے تو پردہ نہیں ہے لیکن اگر دوسرے کا غلام ہو تو پردہ ہے۔ چونکہ حضرت
 عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسلک یہ تھا کہ پردہ نہیں ہے، اس لئے انہوں نے غلام سے کہا کہ چونکہ تمہارے ذمہ ابھی
 تک بدل کتابت باقی ہے اس لئے ابھی تک تم غلام ہو، لہذا میرے پاس آ سکتے ہو۔

یہاں استدلال صرف اس بات پر کر رہے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سلیمان بن یسار کو آواز
 سے پہچان کر کہا کہ اندر آ جاؤ، معلوم ہوا کہ صرف آواز پہچان کر کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے، لہذا امام بخاری رحمہ اللہ
 کہتے ہیں کہ اُمّی کی شہادت بھی قبول ہے اگر وہ آواز پہچان سکتا ہے۔

لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہاں شہادت کا کوئی امکان نہیں تھا، یہ محض آواز پہچان کر اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت تھی، شہادت کا معاملہ نہیں تھا۔ شہادت الزام علی الغیر کے لئے ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص آواز پہچان کر اپنے حق میں کوئی فیصلہ کر لے تو یہ جائز ہے لیکن آواز کے ذریعے الزام علی الغیر درست نہیں کہ میں آواز پہچان گیا ہوں، لہذا اب میری بات تمہارے ذمہ بھی مازم ہے یہ شہادت کا حاصل ہے اور یہ نہیں ہو سکتا۔

”واجاز سمرة بن جبذب شهادة امرأة منقبة“ حضرت سمرة بن جبذب رضی اللہ عنہ نے نقاب والی عورت کی شہادت و اجازت قرار دیا کہ اگر اس نے نقاب ڈالا ہوا ہو اور پھر وہ شہادت دے تو جائز ہے، اس سے وہ اعمیٰ کی شہادت پر استدلال کر رہے ہیں کہ گویا اعمیٰ کے اوپر بھی نقاب پڑا ہوا ہے اور وہ شہادت دے رہا ہے تو کہتے ہیں کہ اگر ”امراة منقبة“ تحمل شہادت کے وقت بھی منقبة تھی اور اس نے معاملہ اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا تھا تو اس کی شہادت بھی جائز نہیں ہوگی لیکن تحمل شہادت کے وقت ”منقبة“ نہیں تھی اور اپنی آنکھ سے معاملہ دیکھ لیا تھا بعد میں اگر ان نقاب کی حالت میں شہادت دے تو یہ جائز ہے۔

یہی ہم اعمیٰ کے بارے میں بھی کہتے ہیں کہ اگر تحمل شہادت کے وقت وہ بیٹا تھا اور ادائے شہادت کے وقت اگر وہ نابینا ہے تو جائز ہے۔

آگے امام بخاری رحمہ اللہ نے جتنے واقعات بطور استدلال ذکر کئے ہیں، وہ سب ایسے ہیں کہ ان سے شہادت پر استدلال نہیں ہو سکتا مثلاً یہ کہ عائشہ نے سلیمان بن یسار کی آواز پہچان لی۔ میں نے پہلے عرض کیا کہ آواز پہچاننے سے آدمی اپنے حق میں فیصلہ کر سکتا ہے۔

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ تو اذان کے لئے مقرر فرمانے سے شہادت کا جواز لازم نہیں آتا۔ امام بخاری کا استدلال یہ ہے کہ جو شخص اذان دے رہا ہے وہ گویا اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ خود اس وقت شہادت دیتے تھے جب لوگ ان کو کہہ دیتے تھے کہ صبح ہوگئی اور وقت ہو گیا (جیسا کہ پہلے بھی گزرا ہے اور آگے بھی آ رہا ہے) اس لئے یہ شہادت نہ ہوئی۔ محض اعلان ہوا اور ایسی چیز کا اعلان ہوا جو بغیر شہادت اعمیٰ کے پہلے ثابت ہو چکی ہے، اس لئے اس کو استدلال کے لئے نہیں لاسکتے۔

۲۶۵۵۔ حدثنا محمد بن عبید بن عبید بن میمون : أخبرنا عيسى بن يونس ' عن هشام

عن أبيه، عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت : سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً یقر فی المسجد لقال :

((رحمہ اللہ، لقد اذکر کذا آية اسقطنہن من سورة کذا و کذا.))

وزاد عباد بن عبد اللہ عن عائشة : تہجد النبی ﷺ فی بیتی فسمع صوت عباد یصلی فی المسجد فقال : - ((یا عائشة اصوت عباد هذا ؟)) قلت : نعم قال : اللہم ارحم عبادا (انظر : ۵۰۳۷ ، ۵۰۴۲ ، ۶۳۳۵) .

حضور اقدس ﷺ نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے، انہوں نے مجھے وہ آیت یاد دلادی جو میں نے فلاں سورت میں چھوڑ دی تھی، بھول گیا تھا۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ بعد میں آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ یہ عباد کی آواز ہے، حضرت عائشہ نے فرمایا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہم ارحم عباداً“ یہاں وہی بات ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عباد رضی اللہ عنہ کی آواز پہچانی۔

(۱۳) باب شهادة الاماء والعبيد

”وقال انس : شهادة العبد جائزة إذا كان عدلا . و اجازہ شریح و زرارة بن اوفی . وقال ابن سيرين : شهادته جائزة إلا العبد لسيدہ و اجازہ الحسن و ابراهيم في الشئ العاقه : وقال شريح : كلکم بنو عبید و اماء“ .

۲۶۵۹ - حدثنا أبو عاصم - عن ابن جريج، عن ابن أبي مليكة ، عن عقبته بن الحارث . ح وحدثنا علي بن عبد الله : حدثنا يحيى بن سعيد، عن ابن جريج قال : سمعت ابن أبي مليكة قال : حدثني عقبه بن الحارث أو سمعته منه : أنه تزوج أم يحيى بنت أبي اهاب، قال : فجاءت أمة سوداء فقالت : قد ارضعتكما، فذكرت ذلك للنبي ﷺ فاعرض عني . قال : فصحبت فذكرت ذلك له قال : وكيف وقد زعمت انها قد ارضعتكما؟ لنهاه عنها . [راجع : ۸۸]

غلام کی شہادت کے بارے میں باب قائم کیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان اس طرف ہے کہ غلام اور باندی کی شہادت مقبول ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب بیان کیا ہے، شریح، زرارة بن اوفی اور محمد ابن سيرين رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

ابراہیم نخعیؒ کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ انہوں نے شہادۃ عبد کو جائز قرار دیا ہے ”فی الشئ العاقه“ معمولی چیزوں میں اور اگر کوئی قیمتی چیز ہو تو اس میں معتبر نہیں ”وقال شريح كلکم بنو عبید و اماء“ اور شریح نے کہا کہ تم سب غلام ہو اور باندیوں کے بیٹے ہو، مطلب یہ ہے کہ سارے انسان اللہ کے بندے ہیں اور

عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں، تو سب بندوں کے ہی بیٹے ہیں، لہذا اس کی شہادت قبول ہے۔ اور یہی امام احمدؒ کا مسلک ہے، اور شاید امام بخاریؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مسلک

لیکن امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تینوں حضرات کہتے ہیں کہ شہادت ایک طرح کی ولایت ہے اور غلام کو کسی چیز پر ولایت حاصل نہیں ہوتی، غلام اہل ولایت نہیں ہے، اس لئے اس کی شہادت مقبول نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے مسلک پر حدیث مرفوعہ سے استدلال کیا ہے اور وہ عقبہ بن حارثؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک باندی نے عقبہ بن حارثؓ سے کہا کہ میں نے تمہیں اور تمہاری بیوی کو دودھ پلایا ہے، انہوں نے کہا ہمیں تو نہیں پلایا، اس نے کہا کہ نہیں پلایا ہے۔ حضور اقدسؐ کے پاس مسئلہ گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اپنی بیوی کو چھوڑ دو، یعنی چھوڑنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ”کیف ولد قیل؟“ جب ایک بات کہہ دی گئی تو اب اس کو کیوں رکھتے ہو۔

لیکن یہ مسئلہ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ آپؐ نے یہ حکم بطور احتیاط دیا تھا۔ ”کیف ولد قیل؟“ کے الفاظ بھی اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ کیسے رکھو گے جب ایک بات کہہ دی گئی، یعنی اب خوشگواہی نہیں باقی رہے گی، طبیعت میں شبہ پیدا ہو جائے گا۔ میاں، بیوی کے تعلقات میں خوشگواہی ہوتی ہے وہ باقی نہیں رہے گی اس لئے آپؐ نے یہ حکم کیا ورنہ فی نفسہ ایک عورت کی شہادت (مرضعہ کی) قبول نہیں، لہذا اس سے استدلال درست نہیں۔ بعض نسخوں میں آگے حدیث اکف کا عنوان ہے۔

(۱۴) باب شہادۃ المرضعۃ

۲۶۶۰۔ حدثنا أبو عاصم، عن عمر بن سعید، عن ابن أبي مليكة، عن عقبه بن

الحارث قال: تزوجت امرأة فجاءت امرأة فقالت: إني قد ارضعتكما، فأتيت النبي ﷺ فقال: ((و كيف ولد قیل؟ دعها عنک أو نحوہ)) [راجع: ۸۸]

(۱۵) باب تعديل النساء بعضهن بعضها

۲۶۶۱۔ حدثنا أبو الربيع سلمان بن داؤد والفهمي بعضه أحمد قال:

.. و سل الجارية تصدقك فدعا رسول الله ﷺ بريرة فقال: فتاتي الداجن

فتاكله وكان رسول الله ﷺ بازينب وهي التي كانت

تسامني فعصمها الله بالودع.

عورتیں ایک دوسری کی تعدیل کریں تو اس کا کیا حکم ہے؟

ایک عورت کی تعدیل دوسری عورت کے حق میں قبول کی جاسکتی ہے اور اس میں حدیث الالف نقل کی ہے کہ اس میں حضرت بریرہؓ نے حضرت عائشہؓ کی تعدیل کی حضور اقدس ﷺ نے حضرت بریرہؓ سے حضرت عائشہؓ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے تعدیل کی اور آپ ﷺ نے اس کو قبول فرمایا، اسی طرح حضرت زینبؓ سے آپ ﷺ نے پوچھا تو حضرت زینبؓ نے بھی حضرت عائشہؓ کی تعریف فرمائی، تو اس کو قبول فرمایا، اس حدیث کو لانے کا مقصد یہ ہے اور اس کی تفصیل مغازی میں ہے۔

(۱۶) باب إذا زکی رجل رجلا کفاه

”وقال أبو جمیل: وحدت منبوذا فلما رأنی عمر قال: عسی الغویر أبو ساء، کانه یتهمنی لال عربی: إنه رجل صالح، قال: کذاک، اذهب وعلیما نفعته“۔
جب ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کا تزکیہ کر دے تو پھر کافی ہے، مراد تزکیہ الصبور ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک آدمی بھی کسی دوسرے آدمی، شاہد کے بارے میں یہ کہہ دے کہ یہ قابل اعتماد ہے تو ایک آدمی کا تزکیہ کافی ہے۔
اختلاف فقہاء

یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

دوسرے حضرات جیسے شافعیہ، مالکیہ وہ کہتے ہیں کہ دو آدمی ہونے ضروری ہیں جو شہادت کا نصاب ہے وہی تزکیہ کا نصاب بھی قرار دیتے ہیں، حنفیہ میں سے امام محمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔
امام بخاری رحمہ اللہ کا جو مسلک ہے وہ امام احمد بن حنبلؒ کا بھی ہے کہ ایک کی شہادت پر اعتبار کرنے کو معتبر مانتے ہیں۔

حنفیہ کے یہاں مفتی بقول یہ ہے کہ تزکیہ کے لئے عدد یا عدالت شرط ہے یا تو دوسری ہوں یا اگر ایک ہے پورا عادل ہو، اگر پورا عادل ہے تو اس کی گواہی قبول ہوگی۔

آگے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ ابو جمیل کہتے ہیں ”وحدت منبوذا“ میں نے ایک لقیط پایا ”منبوذ“ کے معنی ہیں ایک بچہ جو کہیں پڑا ہوا مل گیا۔ جس کو اصطلاح میں لقیط کہتے ہیں تو فرماتے ہیں وہ مجھے مل گیا۔
”فلما رأنی عمر“ جب مجھے حضرت عمرؓ نے دیکھا تو فرمایا کہ ”عسی الغویر أبو ساء“ یعنی میں اس کو اٹھا کر حضرت عمرؓ کے پاس لے گیا۔ ان کے پاس لے جانے کا منشاء یہ تھا کہ چونکہ وہ امیر المؤمنین تھے اس لئے ان کو بتادوں کہ یہ بچہ مجھے ملا ہے اور میں اس کو اپنے پاس رکھ کر اس کی پرورش کرنا چاہتا ہوں۔

۲۲ عمدۃ القاری ج. ۹، ص: ۵۳۰.

۲۳ عمدۃ القاری ج. ۹، ص: ۵۳۰.

حضرت عمرؓ نے جب دیکھا تو ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ شخص محض دھوکہ دے کر مجھ سے بیت المال سے نفعہ جاری کرانا چاہتا ہے یعنی جب مجھ سے کہے گا یہ بچہ لقیط ہے اور مجھے ملا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس لقیط کا بیت المال سے نفعہ جاری کرو اور جب بیت المال سے اس کے نام پر نفعہ جاری ہو جائے گا پھر اس میں جو آلتے تلتے چاہیں کریں اس لئے یہ بچہ لے کر آیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ ”عسی الغویر ابؤسا“۔
یہ عرب میں ایک محاورہ ہے، غویر، غار کی تفسیر ہے اور ابوس، بوس کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں شدت اور مصیبت۔ تو لفظی ترجمہ یہ ہوا کہ کچھ بعید نہیں یا یہ ہو سکتا ہے کہ چھوٹا سا غار بہت سی مصیبتوں کا نسب بن جائے۔

”عسی الغویر ابؤسا“ کی اصل کیا ہے؟

اس مثل کی اصل یہ ہے کہ کچھ لوگ صحراء میں سفر کر رہے تھے کہ بارش آگئی۔ انہوں نے بارش سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ لی، ابھی غار میں بیٹھے ہی تھے اور اس خیال میں تھے کہ بارش سے بچ گئے ہیں، بارش سے نجات مل گئی ہے کہ اوپر سے غار کے اوپر جو چٹان ہے، وہ ان کے اوپر گر گئی اور وہ مر گئے تو وہ غار جس کو انہوں نے نجات کا ذریعہ سمجھا تھا۔ بالآخر ان کے لئے ہلاکت کا سبب بنا تو اب عرب میں یہ مثل مشہور ہو گئی ہے، جب بھی کوئی ایسا معاملہ ہو جس کی ظاہری طور پر تو اچھائی نظر آتی ہو لیکن اس کا انجام خراب ہو اس وقت کہتے ہیں ”عسی الغویر ابؤسا“ کہ جس چیز کو تم اپنے لئے اچھا سمجھ رہے ہو ہو سکتا ہے کہ انجام کے اعتبار سے تمہارے لئے بری ہو۔ تو حضرت عمرؓ نے دیکھ کر فرمایا ”عسی الغویر ابؤسا“ مطلب یہ ہے کہ یہ بچہ جو تم لائے ہو بظاہر تو یوں سمجھ رہے ہو کہ اس کے ذریعے بیت المال سے فائدہ حاصل کرو گے، لیکن یہ عین ممکن ہے کہ آپ کے لئے مصیبت کا سبب بن جائے یعنی اگر واقعی مجھ پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ تم یہ نفعہ لے کر اپنے مصارف میں خرچ کر رہے ہو، بچے پر خرچ نہیں کر رہے یا ضرورت سے زیادہ خرچ کر رہے ہو تو پھر میں تمہیں سزا دوں گا۔ اس واسطے یہ چیز جو ظاہری طور پر تمہیں اچھی نظر آ رہی ہے ہو سکتا ہے انجام کے اعتبار سے تمہارے لئے بری ہو۔ ”کمانہ یتھمنی“ یہ جملہ انہوں نے اس وجہ سے کہا کہ گویا وہ مجھ پر تہمت لگا رہے تھے کہ میں غلط سلط دعویٰ کر کے پیسے جاری کرانا چاہتا ہوں۔

ترکیہ کے لئے ایک کی شہادت کافی ہے

”قال عریفی“ اتفاق سے میرے عریف بھی وہاں پر موجود تھے۔ عریف اصل میں قبیہ کے نمائندہ کو

کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مختلف قبائل کے کچھ عرفاء مقرر فرمائے ہوئے تھے۔ حضرت ابو جمیلہ کہتے ہیں کہ میرے قبیلے کے عریف نے جب دیکھا کہ حضرت عمرؓ بھی اس پر تہمت لگا رہے ہیں تو اس عریف نے میرے بارے میں کہا ”انہ رجل صالح“ کہ ابو جمیلہ تو نیک آدمی ہیں ان کے بارے میں آپ ایسا گمان نہ کریں کہ دھوکہ بازی کریں گے۔

”قال کذلک“ حضرت عمرؓ نے فرمایا اچھا ایسا ہے یعنی تم گواہی دیتے ہو کہ یہ اچھے نیک آدمی ہیں۔
 ”اذہب وعلینا نفقۃ“ پھر مجھ سے فرمایا جاؤ اس بچے کو لے جاؤ اور اس کا نفقہ ہمارے ذمے واجب ہے یعنی اس کا نفقہ ہم بیت المال سے ادا کریں گے۔

یہاں حضرت عمرؓ نے ابو جمیلہ کی تعدیل میں صرف ایک عریف کی بات کو معتبر مانا۔ معلوم ہوا کہ ایک آدمی کا تزکیہ کرنا کافی ہے اور یہی ترجمۃ الباب کا مقصد ہے۔

۲۶۶۲۔ حدیثی محمد بن سلام: حدیثنا عبدالوہاب: حدیثنا خالد الحداء، عن عبدالرحمن بن ابی بکرۃ عن ابیہ قال: اننی رجل علی رجل عند النبی ﷺ فقال: ((وبلک، قطعت عنق صاحبک)) قطعت عنق صاحبک، مراد ا. ثم قال: ((من کان منکم مادحاً اعاء لا محالة للیقل: احسب لفلانا واللہ حسیبہ، ولا ازکی علی اللہ احداً احسبہ کذا وکذا، ان کان یعلم ذلک منہ)) [انظر: ۶۰۶۱، ۶۱۶۲] ۳۳
 روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کی تعریف کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کی گردن توڑ دی۔ مطلب یہ کہ ہو سکتا ہے اس تعریف کے نتیجے میں وہ عجب میں مبتلا ہو جائے۔

تزکیہ کا طریقہ

بعد میں فرمایا کہ کسی کی تعریف کرنی ہو یا کسی کا تزکیہ کرنا ہو تو یوں کہنا چاہئے کہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ ایسا ہے، میں نے اس کے اندر کوئی برائی نہیں دیکھی۔

”ولا اذکی علی اللہ احداً“ اور میں اللہ تعالیٰ کے اوپر کسی کا تزکیہ نہیں کرتا۔ یعنی یہ نہیں کہتا کہ میرا

۳۳ وصحیح مسلم، کتاب الزہد والرقائق، باب النهی عن المدح اذا کان فیہ الغراط وخیف منہ لفتنہ، رقم: ۵۳۱۹،

۵۳۲۰، وسنن ابی داؤد، کتاب اللذہب، کتاب الادب، باب فی کراہیۃ التمداح، رقم: ۴۱۷۱، وسنن ابن ماجہ، کتاب

الادب، باب المدح، رقم: ۳۷۳۳، ومسند احمد، اول مسند البعریین، باب حدیث ابی بکرۃ لفتح بن الحلوٰث بن کلدة،

فیصلہ ہی اللہ تعالیٰ کو ماننا ہوگا بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ میرے علم کے مطابق اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ تو کسی کا تزکیہ کرنا ہو تو اس طرح کرنا چاہئے کہ آدمی کہے کہ میں نے اس کے اچھے رکوعی برائی نہیں دیکھی۔ ہو سکتا کہ باطن میں کوئی برائی ہو جو اللہ تعالیٰ جانتا ہو۔

(۱۸) باب بلوغ الصبيان و شهادتهم

وقول الله تعالى: ﴿وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا﴾^{۵۵}

وقال مغيرة: احتلمت اونا ابن ثنعي عشرة سنة. و بلوغ النساء الى الحيض لقوله عز وجل: ﴿وَاللَّائِي يَشْتَرْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ﴾ الى قوله: ﴿أَنْ يَطْفَنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [اطلاق: ۳] وقال الحسن بن صالح: أدر كت جارة لنا جدة بنت إحدى وعشرين.

اکیس سال میں نانی بن گئی

حسن بن صالح کہتے ہیں کہ میں نے اپنی پڑوسی کو پایا جو اکیس سال کی عمر میں نانی بن گئی تھی۔ وہ اس طرح کہ نو سال کی عمر میں بالغ ہو گئی، اسی وقت نکاح ہو گیا۔ دس سال کی عمر میں بچی پیدا ہوئی۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا کہ نو سال کی عمر میں بالغ ہو گئی اور نکاح کر دیا۔ دس سال کی عمر میں اس کی بچی پیدا ہو گئی تو اس طرح یہ اکیس سال کی عمر میں نانی بن گئی۔^{۵۶}

تولڈکی کی اقل مدت بلوغ نو سال ہے۔ اگر اس میں اس کو حیض آجائے تو وہ بالغ سمجھی جائے گی۔

۲۶۶۳۔ حدثنا عبيد الله بن سعيد: حدثنا أبو أسامة قال: حدثني عبيد الله قال: حدثني نافع قال: حدثني ابن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ عرضة يوم أحد وهو ابن أربع عشرة سنة فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة فأجازني. قال نافع: لقد مت على عمر بن عبد العزيز وهو خليفة فحدثته هذا الحديث فقال: إن هذا الحد بين الصغير والكبير، وكتب إلى عماله أن يفرضوا لمن بلغ خمس

۵۵ [النور: ۵۹]

۵۶ عمدة القاری، ج ۹، ص: ۵۳۷

عشرة. [انظر: ۳۰۹۷] ۷

لڑکے کے لئے اقل مدت بلوغ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے احد کے دن پیش کیا گیا جبکہ میں چودہ سال کے تھا۔ آپ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا۔ پھر جب خندق میں پیش کیا گیا جبکہ اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی۔ تو اس وقت آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔

حضرت عمر بن العزیز رحمہ اللہ نے اسی کو بالغ اور نابالغ کے درمیان معیار بنایا ہے اور حنفیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے کہ اگر علامات بلوغ پندرہ سال تک ظاہر نہیں ہوئی یعنی احتلام نہیں ہوا تو پندرہ سال کے بعد بچے کو بالغ سمجھا جائے گا۔

۲۶۶۵۔ حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا سفیان: حدثنا صفوان بن سليم، عن عطية ابن يسار عن أبي سعيد الخدري ﷺ، يبلغ به النبي ﷺ قال: ((غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم)) (راجع ۸۵۸)

یہاں بالغ کے لئے "محتلم" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کیا کہ بلوغ احتلام سے ہوتا ہے۔

(۱۹) باب سؤال الحاكم المدعى: هل بينة لك قبل اليمين

حدیث باب پہلے بھی گزر گئی ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حاکم، مدعی علیہ کو یمن دینے سے پہلے مدعی سے پوچھے کہ تمہارے پاس کوئی بینہ ہے یا نہیں؟

(۲۰) باب اليمين على المدعى في الأموال والحدود

وقال النبي ﷺ: ((شاهدك أو يمينه)) وقال قتيبة، حدثنا سفیان، عن ابن شبرمة: كلمني أبو الزناد في شهادة الشاهد، ويمين المدعى فقلت: قال الله تعالى ﴿وَاسْتَشْهِدُوا

۷ صحیح مسلم، کتاب الإمامة، باب بیان سن البلوغ، رقم: ۳۳۷۳، و سنن الترمذی، کتاب الجهاد من رسول اللہ، باب ماجاء فی حد بلوغ الرجل ومعنی یفرض له، رقم: ۱۶۳۳، و سنن النسائی کتاب الطلاق، باب فی الغلام یصیب الحد، باب من یقع طلاق العصبی، رقم: ۳۳۷۷، و سنن أبی داؤد، کتاب الحدود، باب فی الغلام یصیب الحد، رقم: ۳۸۲۷، و سنن ابن ماجة، کتاب الحدود، باب من لا یجب علیه الحد، رقم: ۲۵۳۳، و مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابة، باب مسند عبد اللہ بن عمر الخطاب، رقم: ۳۳۳۲.

شَهِيدٌ يَنْبَغِي مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى... ﴿۲۸۲﴾ [بقرہ: ۲۸۲] قلت: إذا كان يكتفى بشهادة شاهد ويمين المدعى فما يحتاج أن تذكر إحداهما الأخرى، ما كان يصنع بل ذكر هذه الأخرى؟

۲۶۶۸۔ حدثنا أبو نعیم: حدثنا نافع بن عمر، عن ابن أبي مليكة قال: كتب ابن عباس رضي الله عنهما إلى: أن النبي ﷺ قضى باليمين على المدعى عليه [راجع: ۲۵۱۳]

”قضاء بيمين و شاهد“ کے عدم جواز پر احناف کا استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے کہ ”اليمين على المدعى عليه في الاموال والحدود يمين“ یعنی بيمين مدعی علیہ پر ہوگی۔ چاہے اموال کا معاملہ ہو یا حدود کا معاملہ ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”شاهداک“ اور ”يمينه“ مدعی سے فرمایا: تم دو گواہوں کے پیش کر دو یا مدعی علیہ کو قسم دی جا سکتی۔ آپ ﷺ نے یہ فیصلہ رد کیا کہ بيمين ہمیشہ مدعی علیہ پر ہوگی۔

امام بخاری ج سے اس سے اس بات پر استدلال کر رہے ہیں ”قضاء بشاهد و يمين“ چائے نہیں ہے جو حنفیہ کا مسلک ہے۔ شیخ المدعی کے پاس دو گواہ نہیں ہیں تو وہ یہ کہے کہ میرے پاس دو گواہ نہیں ہیں، اس لئے میں ایک گواہ پیش کرتا ہوں۔ ایک گواہ کی جگہ میں خود قسم کھاؤں گا۔ کہتے ہیں یہ جائز نہیں کیونکہ بيمين مدعی کا وظیفہ نہیں ہے بلکہ مدعی علیہ کا ہے۔ اس پر مزید اس بات سے استدلال کرتے ہیں کہ ابن شہرہ جو کوفے کے قاضی تھے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو الزناد نے ناہد، بيمين المدعی کے مسئلے میں گفتگو کی۔ ”ابو الزناد قضاء بشاهد و يمين“ کے قائل تھے اور ابن شہرہ قائل نہیں تھے۔ ابن شہرہ کہتے ہیں ”قلت“ میں نے اس سے کہا کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”واستشهدوا شہيدین من رجالکم فإن لم یكونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشہداء أن تضل إحداہما فتذکر إحداہما الاخری“ کہ اگر مرد نہ ہوں تو ایک مرد، دو عورتوں کی شہادت لے لو اور عورتوں کی شہادت کے بارے میں فرمایا کہ ان میں سے ایک بھول جائے گی تو دوسری اس کو یاد دلائے گی۔

”قلت“ میں نے کہا ”إذا كان ليكتفى بشهادة شاهد و يمين المدعى“ اگر مدعی کی ایک عورت اور بيمين سے فیصلہ نہ کافی ہو تو اس بات کی کیا ضرورت تھی کہ ایک عورت، دوسری عورت کو یاد دلائے۔ ماکان يصنع مذکرہ الاخری؟ ”دوسری کو ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اس کی جگہ پر یہ کہہ دیتے کہ یہ عورت ہو اور بيمين ہو۔ میں نے ابو الزناد کے خلاف یہ استدلال کیا۔

گویا امام بخاری رحمہ اللہ کو یہ استدلال بھی پسند آیا اور انہوں نے اس مسلک پر اپنا رجحان ظاہر کر دیا کہ قضاء بشاہد و یحسین جائز نہیں اور یہی حنفیہ کا مسلک بھی ہے۔

”قضاء بیمن و شاہد“ کے جواز پر ائمہ ثلاثہ کا استدلال

ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ ”قضاء بیمن و شاہد“ جائز ہے اور وہ صحیح مسلم کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فیصلہ فرمایا ”قضی بیمن و شاہد“۔^{۲۸}

احناف کی طرف سے جواب

عام طور پر حنفیہ کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ قرآن کریم نے جو نصاب شہادت بیان کیا ہے ”فاستشهدوا شہیدین من رجالکم“ یہ حدیث اس کے خلاف ہے اور خبر واحد ہے جبکہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہو سکتی، لہذا اس میں تاویل کی جائے گی کہ وہ ”قضاء بیمن و شاہد“ ایسے معاملات میں ہوگا جہاں ایک آدمی کی گواہی بھی معتبر ہو جاتی ہے مثلاً امان الایسر کے معاملے میں کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ”أمة المسلمین واحدة یسعی بہا ادناہم“ اگر کوئی ایک آدمی کسی کافر کو پناہ دے دے تو سارے مسلمانوں پر اس کو پناہ دینا لازم ہو جاتا ہے۔ تو وہاں ایک آدمی کی گواہی معتبر ہے۔ ہو سکتا ہے آپ ﷺ نے فیصلہ وہاں پر کیا ہو۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”قضی بشاہد و یمن“ کسی ایسے معاملے میں جہاں آپ ﷺ نے صلح کرائی ہو یا قاعدہ عدالتی فیصلہ نہ ہو۔ تو یہ تمام احتمالات موجود ہیں اور ان کی موجودگی میں خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہو سکتی۔ حنفیہ عام طور پر یہ کہتے ہیں۔^{۲۹}

لیکن یہ کہنا کہ ”قضی بشاہد و یمن“ کی حدیث خبر واحد ہے، یہ بات تحقیق کے خلاف ہے۔ میں نے ”تکملة فتح الملہم“ میں اس کے تمام طرق جمع کئے ہیں۔^{۳۰} اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ خبر واحد نہیں بلکہ مشہور ہے۔ اور اس سے کتاب اللہ کی تخصیص ممکن ہے تو وہاں میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اصل حکم تو وہی ہے جو قرآن میں مذکور ہے کہ نصاب شہادت پورا کرنا چاہئے لیکن بعض حالات ایسے ہو جاتے ہیں جن میں دو گواہوں کا موجود ہونا ممکن ہی نہیں ہوتا۔

۲۸ صحیح مسلم، کتاب الاقضية: باب الیمن علی المدعی علیہ، رقم: ۳۲۲۸.

۲۹ تکملة فتح الملہم، ج: ۲، ص: ۵۵۳، واحکام القرآن للجصاص، ج: ۲، ص: ۲۳۷.

۳۰ تکملة فتح الملہم، ج: ۲، ص: ۵۵۶.

ایسی صورت میں لوگوں کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے ”قاضی بشاہد و یمین“ کی اجازت دی گئی ہے اور تنہائی کی ایک روایت سے اس بات کی تائید بھی ہوتی ہے۔^۱
 تو گویا ”قضاء بشاہد و یمین“ یہ ایک استثنائی حالت ہے کہ جب کسی خاص جگہ دو گواہوں کی موجودگی ممکن نہ ہو اور لوگوں کے حقوق ضائع ہونے کا اندیشہ ہو اس وقت ”قضاء بشاہد و یمین“ کی گنجائش ہے۔

(۲۱) باب إذا ادعی أو قذف فله أن یلتمس البینة

و ینطلق لطلب البینة

۲۶۶۸۔ حدثنا أبو نعیم : حدثنا نافع بن عمر، عن ابن ابي ملیکة قال: کتب ابن عباس رضی اللہ عنہما الی : أن النبی ﷺ قضی بالیمین علی المدعی علیہ [راجع: ۲۵۱۳]

(۲۲) باب الیمین بعد العصر

۲۶۷۲۔ حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا جریر بن عبد الحمید، عن الاحمش، عن ابي صالح، عن ابي هريرة ؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ((ثلاثة لا یكلمهم الله ولا ینظر الیهم ولا یرزقهم ولهم عذاب الیم: رجل علی فضل ماء بطریق یمنع منه ابن السبیل ورجل باع رجلا لا یمایعه الا للدنیا: فان اعطاه ما یرید ولی له والا لم یف له، ورجل ساوم رجلا بسلعة بعد العصر فحلف باللہ لقد اعطی بها کذا وکذا فاخذها)). [راجع: ۲۳۵۸]

حدیث کی تشریح

بعد العصر کی قید کوئی قید نہیں ہے بلکہ یہ شدت بیان کرنے کے لئے ہے کہ عصر کے بعد کا وقت ایسا ہوتا ہے جس میں مد تکہ لیل و نہر جمع ہوتے ہیں اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اعمال اٹھائے جاتے ہیں ایسی حالت میں اگر کوئی قسم اٹھائے تو وہ قسم اور زیادہ موکد ہو جاتی ہے، اس لئے بعد العصر فرمایا ورنہ اگر بعد العصر کے علاوہ کسی اور وقت میں جھوٹی قسم کھائے گا، تب بھی گناہ ہوگا۔

یہاں منشاء یہ ہے کہ یمین کے لئے زمانہ کے اندر تخصیص کرنا کہ قاضی یہ کہے کہ میں تم سے عصر کے بعد قسم لوں گا کیونکہ وہ وقت ریاضہ مقدس ہے یا جمعہ کے دن لوں گا تو کہتے ہیں کہ ایب کرنے کی گنجائش ہے۔
 حنفیہ کے بار تغلیظ بالزمان یا تغلیظ بالکان نہیں بلکہ جیسا بھی موقع ہو قاضی قسم لے سکتا ہے۔

(۲۳) باب یحلف المدعی علیہ حیثما وجبت علیہ الیمین ،

ولا یصرف من موضع الی غیرہ .

”قضى مروان بالیمین علی زید بن ثابت علی المنبر فقال: اءحلف له مکانی ،
 فجعل زید یحلف وأبی أن یحلف علی المنبر ، فجعل مروان یعجب منه وقال النبی ﷺ :
 ((شاهدک أو یمینہ)) ولم یخص مکانا دون مکان“ .

اس ترجمہ الہاب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ مدعی علیہ پر تو بلاجماع الیمین واجب ہو جاتی ہے جب مدعی بینہ پیش کرے لیکن یہ قضی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ الیمین کو مغفط کرنے کے لئے کسی خاص جگہ کا انتخاب کرے اور مدعی علیہ کو مجبور کرے کہ اس جگہ پر جا کر قسم کھاؤ، مثلاً مسجد میں منبر پر۔

حنفیہ کا مسلک

امام بخاری رحمہ اللہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ”یحلف المدعی علیہ حیثما علیہ الیمین“ جہاں پر الیمین واجب ہوئی ہے، وہیں پاس قسم دی جائے گی۔ ”لا یمصرف من موضع الی غیرہ“ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ اس کو نہیں لے جایا جائے گا۔ یہی حنفیہ کا مسلک بھی ہے۔

امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کا مسلک

امام شافعی اور امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ قضی کو تغلیظ کرنے کے لئے زمان کے منتخب کرنے کا بھی اختیار حاصل ہے اور مکان کے منتخب کرنے کا بھی اختیار حاصل ہے۔
 زمان کا ذکر پیچھے بعد اصرار میں آیا اور یہاں تاؤ اس باب میں ہے۔
 امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ مروان نے زید بن ثابت سے کو منبر کے اوپر الیمین دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

زید بن حارثہ کا ایک مقدمہ ان کے پاس آیا۔ مدعی علیہ تھے، مروان حکم تھا، اس نے کہا کہ منبر پر جا کر قسم کھاؤ۔ ”فقال اءحلف له مکانی“ زید بن ثابت نے کہا کہ میں اپنی جگہ پر قسم کھاؤں گا۔ ”فجعل زید یحلف“ حضرت زید بن ثابت نے وہیں اپنی جگہ پر قسم کھانے لگے۔ ”وأبی أن یحلف علی المنبر ، فجعل مروان یعجب منه“ مروان اس سے تعجب کرنے لگا کہ زید بن ثابت سے میری بات کیوں نہیں مان رہے ہیں۔

تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا جو مسلک تھا، وہ حنفیہ کا مسلک ہے اور مروان وغیرہ کا جو مسلک تھا وہ شافعیہ وغیرہ کا مسلک ہے۔ ۲۳

”وقال النبی ﷺ شاهد اک او یمینة“ حدیث پیچھے زنجلی ہے ”ولم یخص مکانا دون مکان“ آپ نے کی جگہ کی تخصیص نہیں فرمائی۔ معلوم ہوا کہ جگہ کی تخصیص کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۲۴) باب اذا تسارع قوم فی الیمین

۲۶۷۴۔ حدثنی اسحاق بن نصر: حدثنا عبد الرزاق: أخبرنا معمر، عن ہمام، عن ابی ہریرة رضی اللہ عنہ: أن النبی ﷺ عرض علی قوم الیمین فاسرعوا فالأمران یسهم بینہم فی الیمین ایہم یحلف .

یہ حدیث مشکل ترین حدیثوں میں سے ایک حدیث ہے۔ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک پوری قوم پر یمین پیش کی یعنی بہت سے آدمی تھے۔ ”الاسرعوا“ ان میں سے ہر ایک قسم کھانے کے سلسلے میں جلدی کرنے لگا آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے درمیان قرعہ کیا جائے جس کا نام قرعہ میں نکل آئے، وہ پہلے قسم کھائے۔

”ایہم یحلف“ کی کیا صورت ہے؟

”ایہم یحلف“ اب ایسی صورت جس میں سب پر یمین واجب ہو تو قرعہ اندازی کی جائے کہ کون قسم کھائے؟ وہ کون سی صورت ہو سکتی ہے یہ بڑا مسئلہ بن گیا اس کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔ بہت سے شراح نے بہت سی صورتیں تکلف کر کے نکالی ہیں۔ مثلاً یہ صورت بیان کی ہے کہ ایک ہی چیز دو آدمیوں کے مشترک قبضہ میں ہے۔ مدعی نے یہ دعویٰ کیا کہ میری ہے دونوں مشترک طور پر مدعی علیہ بن گئے۔ دونوں پر یمین آگئی اب کسی ایک کی یمین کے لئے قرعہ اندازی کی گئی۔

مگر یہ بات حنفیہ اور اکثر فقہاء کے ہاں جو اصول ہے اس کے اعتبار سے بھی درست نہیں بنتی اس واسطے کہ اگر دونوں کو قسمیں دی جائیں اور دونوں قسمیں کھائیں تو وہ چیز دونوں کے درمیان مشترک ہوگی لہذا ایک کو قسم کے لئے منتخب کرنے کی یہ صورت بھی نہیں بنتی۔

تو پھر وہ کیا صورت بن سکتی ہے جس میں قرعہ اندازی کر کے فیصلہ کیا جائے؟ میری نظر میں واللہ اعلم یہ ہے کہ قسم تو دونوں پر واجب تھی اور دونوں سے سنی تھی لیکن قرعہ اندازی اس

لئے کی گئی کہ قسم دونوں میں سے پہلے کس سے لی جائے یہ درست ہے۔

(۲۵) باب: قول اللہ تعالیٰ:

﴿إِنَّ الدِّينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ۳۳

۲۶۷۵۔ حدیثی اسحاق: أخبرنا یزید بن ہارون: أخبرنا العوام: حدیثی ابراہیم

ابو اسماعیل السکسکی: سمع عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما یقول: أقام رجل سلعة فحلف بالله لقد أعطی بها مالاً يعطها. فنزلت ﴿إِنَّ الدِّينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ وقال ابن ابی اوفی: الناجش آكل رباخانن. [راجع: ۲۰۸۸]

”لقد اعطی بها مالاً يعطها“ یعنی اس نے اس چیز کو خریدنے کے لئے رقم دی ہے جو حقیقت میں اس نے نہیں دی یعنی یہ کہے کہ میں نے اتنے میں خریدی ہے حالانکہ اتنے میں نہیں خریدی تھی۔

(۲۶) باب: کیف يستحلف؟

قال تعالیٰ: ﴿يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ﴾ [التوبة: ۶۲] وقول اللہ عزوجل: ﴿ثُمَّ جَاءُواكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا﴾ ۳۴ یقال: بالله، وتالله وتالله. وقال النبی ﷺ: ((ورجل حلف بالله كاذباً بعد العصر)). ولا يحلف بغير الله.

اس باب میں ہے کہ اختلاف میں صرف اللہ تعالیٰ کی قسم دی جائے گی۔ اب اس میں الفاظ ہیں باللہ، تالله وتالله، یہ سب الفاظ قسم کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں۔

(۲۷) باب من أقام البينة بعد اليمين

”وقال النبی ﷺ: ((لعل بعضكم ألحن بحجته من بعض)) وقال طاروس و ابراہیم و شريح: البينة العادلة أحق من اليمين الفاجرة“.

۲۶۸۰۔ حدثنا عبد اللہ بن مسلمة، عن مالك، عن هشام بن عروة، عن ابی عن

زينب، عن أم سلمة رضی اللہ عنہا: أن رسول اللہ ﷺ قال: ((الكم تختصمون إلي ولعل بعضكم ألحن بحجته من بعض، فمن قضيت له بحق أخيه شيئاً بقوله فإنما أقطع له قطعة

من النار فلا يأخذها)) [راجع: ۲۳۵۸]

فرمایا کہ جس نے یحیٰی کے بعد بینہ قائم کر دیا معنی یہ ہے کہ عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا۔ قاضی نے مدعی سے مطالبہ کیا کہ تمہارے پاس بینہ ہے تو آؤ اس وقت مدعی کے پاس بینہ نہیں تھا۔ مدعی عدلیہ کو قسم دے دی گئی جب مدعی عدلیہ نے قسم کھالی تو مدعی علیہ کے حق میں فیصلہ کر دیا گیا۔ بعد میں مدعی کہتا ہے کہ میرے پاس اس وقت بینہ نہیں تھا اب آ گیا ہے تو آیا اس سے دوبارہ بینہ لیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ اس واسطے امام بخاری رحمہ اللہ نے کسی بات پر جزم نہیں کیا کیونکہ اختلاف ہے۔

یحیٰی کے بعد بینہ قبول ہوگا یا نہیں؟

حنفیہ کا مسلک

اس باب میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ یہ کہے کہ اس وقت بینہ موجود نہیں تھا، اس واسطے نہیں پیش کرے گا، اب پیش کرتا ہوں تو اس کا بینہ قبول کر لیا جائے گا۔ ۳۵

امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس وقت اس پر بینہ پیش کیا گیا تھا اس وقت اس کے علم میں تھا کہ فلاں تو ابی دے سکتا ہے لیکن اس کے ہاؤ جو اس نے واہ کو پیش نہیں کیا تو اب فیصلہ کرنے کے بعد اس کو بینہ پیش کرنے کا حق نہیں۔ ۳۶

لیکن اس کو پتہ نہیں تھا کہ واہی دینے والے فلاں واہ موجود ہے۔ اس نے اس نے پیش نہیں کیا تھا تو پھر اس کا بینہ قبول کیا جا سکتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی یہی ہے کہ اگر بعد میں بھی بینہ لیا جائے تو اس کو قبول کیا جائے گا۔ اس میں انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ارشاد "لعل بعضکم" سے استدلال کیا۔

وہی ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے جو پہلے لڑ چکی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی نے حجت پیش کر کے مجھ سے کوئی فیصلہ کر لیا اور اس کے حق میں، میں نے فیصلہ کر لیا اور اللہ حقیقت میں وہ چیز اس کی نہیں تھی تو میں اس جسم کا ایک ٹکڑا دینے والا ہوں گا یعنی اس کے حق میں وہ جہنم کا ٹکڑا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس سے یہ استدلال کر رہے ہیں کہ باوجود یحیٰی مدعی عدلیہ کو گواہ کا ٹکڑا کھایا جائے، اس سے بہتر ہے کہ اگر مدعی کا بینہ آ گیا ہے تو اس کو پیش کرنے کا موقع لیا جائے۔

اور طاؤس، ابراہیم اور شریح تینوں بزرگوں کا یہ کہنا ہے کہ ”البينة العادلة احق من اليمين، الفاجرة“ بینہ عا دہ یمین ذ جره کے مقابلے میں زیادہ حق دار ہے، کسی نے جھوٹی قسم کھالی۔ جس کی بنا پر فیصلہ کر دیا گیا ہے تو اس سے بہتر ہے کہ بینہ عادلہ جو بعد میں آیا ہے وہ پیش کر دیا جائے۔

(۲۸) باب من أمر بانجاز الوعدہ

ولعلم الحسن ﴿وَإِذْ كُنَّا لِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ﴾ [مریم: ۵۳] وقضي ابن الأشوع بالوعد وأذكر ذلك عن سمرة بن جندب، وقال المسور بن مخرمة: سمعت النبي ﷺ وذكر صهره فقال: وعدني فولاني. قال أبو عبد الله: رأيت اسحاق بن إبراهيم يحتج بحديث ابن أشوع.

ترجمہ الباب کا مطلب

یہ باب ان لوگوں کے موقف کو بیان کرتے ہوئے قائم کیا گیا ہے جو وعدہ کو پورا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس مسئلہ کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص سے کسی کام کا وعدہ کیا ہے تو آیا وہ وعدہ پورا کرنا واجب ہے یا نہیں اور اگر جب ہے تو دیا جانا واجب ہے یا قضا واجب ہے اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

اختلاف فقہاء

عام طور پر ائمہ اربعہ کا یہ مسلک بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک وعدہ کا پورا کرنا مکرم اخلاق میں سے ہے، مستحب اور مندوب ہے اور وعدہ کی خلاف ورزی کراہت تنزیہ شدیدہ رکھتی ہے۔ لیکن یفاء وعدہ نہ دینا واجب ہے نہ قضا واجب ہے۔

یہ مسلک عام طور پر ائمہ اربعہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اگرچہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کی طرف اس مسلک کی نسبت منکوک ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ یفاء وعدہ دیا جانا واجب ہے قضا واجب نہیں اگر کوئی شخص نہ کرے تو گناہ گار ہوگا لیکن قاضی وعدہ کرنے والے کو وعدہ کے ایفاء پر مجبور نہیں کر سکتا۔

تیسرا مذہب جو امام بخاری نے یہاں اختیار فرمایا ہے اور اس کو حضرت عمر بن عبد بنہ سے روایت کیا ہے اور ساتھ ابن الاشوع کا بھی یہی مسلک بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وعدہ کا ایفاء دیا جانا بھی واجب ہے اور

قضاء بھی واجب ہے۔

اہم مالک کا جو مسلک پہلے مذہب والوں کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، اس کے بارے میں، میں نے عرض کیا کہ وہ مشکوک ہے، اس لئے کہ امام مالک کے بارے میں کئی روایتیں ہیں۔

لیکن عام طور سے مالکیہ نے جس کو اختیار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر وعدہ کرنے والے نے موعودہ کو کسی کام کے کرنے پر اپنے وعدہ کے ذریعے آمادہ کر لیا اور موعودہ اس کے وعدہ کی بنیاد پر وہ کام کر گزارا تو اب واعد کے لئے وعدہ کا ایفاء دینا بھی واجب ہے اور قضاء بھی واجب ہے۔

جیسے مثلاً کسی نے کہا کہ تمہارا مکان بہت بوسیدہ ہو گیا ہے، تم اس کو منہدم کر کے دوبارہ بنا لو، کہنے لگا کہ میرے پاس پیسے ہی نہیں ہیں، میں کہاں سے بناؤں؟

اس نے کہا ”اہدم دارک وانا احرف“ گھر ڈھا دو پیسے میں دوں گا۔

اس نے اس کے کہنے پر گھر ڈھا دیا تو کہتے ہیں کہ واعد کے ذمے ایفاء وعدہ دینا بھی واجب ہو گیا اور قضاء بھی واجب ہو گیا۔ بعد میں اگر وہ کہے کہ میں تو پیسے نہیں دیتا تو صاحب مکان اسکو قاضی کے پاس لے جا کر قاضی کے ذریعے اس سے قرض وصول کر سکتا ہے۔ یہ امام مالک کے ہاں تفصیل ہے۔

البتہ اگر اس کے وعدہ نے موعودہ کو کسی خاص مسوئیت میں نہیں مبتلا کیا تو پھر وعدہ کا ایفاء قضاء واجب نہیں ہوگا۔

اور میں نے عرض کیا تھا کہ پہلے قول کی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف بھی نسبت بھی مشکوک ہے۔ اس واسطے کہ امام ابو بکر بصرہؓ نے آیت کریمہ :

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝۳۸ ﴾ کے تحت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ مسک بیان کیا ہے کہ وعدہ کا ایفاء واجب ہے۔^{۳۸}

لیکن عام طور سے ہماری (حنفیہ کی) ساری کتابوں میں جو مسئلہ لکھا ہوا ہے وہ یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ اگر واجب ہے تو دینا واجب ہے، قضاء واجب نہیں۔

آج کل کی بیع و شراہ کا ایک اہم مسئلہ آرڈر دینا

یہ مسئلہ اس لئے تفصیل سے ذکر کیا جا رہا ہے کہ ہرے زمانے میں اس کی اہمیت بڑھ گئی ہے، بیع و شراہ کے بڑے معاملات میں وعدہ کی بنیاد پر معاملہ کیا جاتا ہے۔

۳۷۔ سورۃ الصاف، رقم الآیۃ ۲-۳

۳۸۔ احکام القرآن للحصص، ج: ۵، ص: ۳۳۳.

پہلے زمانے میں بیع اس طرح منعقد ہوتی تھی کہ ایک نے کہا بعت دوسرے نے کہا اشتریت، بیع بھی موجود ہوتی، تو موجود بیع پر بیع و شراء کا معاملہ ہو گیا۔

لیکن موجودہ زمانے میں جو تجارتیں ہوتی ہیں خاص طور پر بین الاقوامی تجارت، جہاں دو ملکوں کے درمیان آپس میں تجارت ہوتی ہے، فرض کریں کہ ایک شخص جاپان سے بڑی تعداد میں کپڑا منگواتا ہے، اب ایک دم سے تو عقد منعقد نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ پیسے آرڈر دیتا ہے کہ تم مجھے اتنا کپڑا روانہ کر دو، جس وقت آرڈر دے رہا ہوتا ہے اس وقت بائع کے پاس اتنا کپڑا موجود نہیں ہوتا، وہ اس کو کہیں سے فراہم کرے گا۔ پھر اس کو بھیجے گا اور ہماری فقہ کے اعتبار سے ”بیع مضاف الی المستقبل“ نہیں ہو سکتی کہ مستقبل میں فلاں تاریخ کے لئے آج سے بیع کر لی جائے یہ نہیں ہو سکتا۔ بیع کے لئے منجز ہونا ضروری ہے اور منجز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ بیع موجود ہو۔ اب فرض کریں کہ بیع موجود نہیں تو عقد تو نہیں ہو سکتا لہذا محض عقد کا وعدہ ہوگا۔

کسی شخص نے کہا کہ مجھے روٹی کی ایک لاکھ گانٹھیں چاہئیں، وہ تم مجھے اس حساب سے بیع دینا میں لے لوں گا۔ اب اس کے پاس ایک لاکھ گانٹھیں موجود نہیں ہیں۔ وہ کہیں سے لاکر جمع کرے گا اور پھر خریدار کی طرف بھیجے گا اس لئے شروع میں ایک لاکھ گانٹھیں مہیا کرنے کا محض وعدہ ہوگا۔

اب وہ ایک لاکھ گانٹھیں مہیا کرنے کے لئے بڑی رقم خرچ کرے گا، بڑی محنت کرے گا اور جب وہ گانٹھیں لے کر مشتری کے پاس آیا اس نے کہا کہ میں نہیں خریدتا کسی کی تو جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔

تو ایک لمحہ کے اندر اس نے اس کی محنت کو غارت کر دیا اگر ہر شخص کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ وعدہ کا ایفاء لازم نہیں ہے تو اس دوران بڑی بڑی تجارتوں میں سخت دشواری ہوگی۔

سپلائی کانٹریکٹ (supply contract)

آج کل ایک مستقل عقد ہوتا ہے جس کو عربی میں ”عقد التوريد“ اور انگریزی میں ”سپلائی کانٹریکٹ“ (Supply Contract) کہتے ہیں۔

مثلاً ایک ہوٹل ہے اور ہوٹل والے کو روزانہ آٹا، چاول وغیرہ کی ایک خاص مقدار کی ضرورت ہے۔ اب اس کو اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ کسی سے مستقل معاہدہ کر لے کہ یہ مجھے روزانہ آٹا اور دوسری اشیاء کی اتنی مقدار فراہم کرے گا۔ ایک شخص نے وعدہ کر لیا کہ ہاں بھائی میں فراہم کروں گا۔

لیکن جب فراہم کرنے کا وقت آیا تو وہ کہتا ہے کہ میں نہیں دیتا۔ ہوٹل میں گا بک کھانا کھانے کے لئے بھوکے بیٹھے ہیں اور یہ سامان بھی لے کر نہیں آیا تو ہوٹل والا حرج میں مبتلا ہو گیا۔

لہذا اگر عقود کے اندر وعدہ کے ایفاء کو لازم نہ کیا جائے تو اس سے شدید تنگی اور شدید حرج ہونے کا

اندیشہ ہے۔ دوسری طرف اگر یہ کہا جائے کہ وعدہ قضاء لازم ہے تو اس میں بھی حرج ہے، اس لئے کہ بہت سے وعدے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو عداوت تک لے جانا خواہ مخواہ کا طول عمل بھی ہے اور اس سے فریقین کو تکلیف بھی پہنچ سکتی ہے۔ مثلاً ایک شخص نے وعدہ کر لیا کہ میں تمہیں کل قرض دوں گا، اب وہ کسی وجہ سے نہیں دے سکا تو اس کو عداوت میں کھینچ کر لے گا، اس نے قرض دینے کا وعدہ کیا تھا اور نہیں دیتا۔ اسی طرح ایک شخص نے وعدہ کر لیا کہ میں تمہارے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا بعد میں اس کی رائے بدل گئی۔ اپنی بیٹی کے مستقبل کی خاطر اس نے رائے بدل لی کہ میں اپنی بیٹی کا تمہارے ساتھ نکاح نہیں کرتا۔ اب اس کو پکڑ کر عداوت میں لے جائے کہ جی میرا نکاح کراؤ تو یہ سب ایسی باتیں ہیں کہ ان کو عداوت تک لے جانا ایک مستقل پریشانی کا سبب ہے۔ بذاتہ وعدہ کو قضاء لازم کرنا یہ بھی درست نہیں۔ چنانچہ فقہان نے یہ کہا ہے کہ ”المواعد تلزم للحاجة الخاص“ جہاں لوگوں کی حاجت ہو وہاں وعدہ کو لازم کیا جائے۔

تیسرا نکتہ یہ ہو سکتا ہے کہ یا تو صورت کی طرف سے کوئی قانون بنا دیا جائے کہ وہاں قسم سے وعدے لازم ہوں گے اس قانون کی پیروی کرنی ہوگی یا جس وقت فریقین آپس میں وعدہ کر رہے ہیں اس وعدہ کے اندر یہ حصے کر لیا کہ یہ وعدہ ہم پر قضا بھی واجب ہوگا۔ اس کی جو کوئی تحریر تیار کی جائے اس میں اس بات کی صراحت کر دیں اس صورت میں وعدہ لازم ہو جانا چاہئے۔

ترجمہ الباب کی تشریح

فرمایا کہ ”باب من أمر بانجاز الوعد وفعله الحسن“۔

کہتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے بھی یہی کام کیا یعنی وعدہ پورا کرنے کا فتویٰ دیا۔ وعدہ پورا کرنے کو قضاء لازم قرار دیا۔ بعض لوگوں نے کہا یہ وعدہ الحسن ہے مگر اس سورت میں بات نہیں ہوتی ”فعله الحسن“ ہی صحیح ہے۔

آیت کریمہ ذمیر

﴿وَأَذْكُرُ لِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ﴾

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف فرمائی کہ وہ صادق الوعد ہے۔

”وقضى ابن الأشوع بالوعد“ اور ابن الأشوع یعنی سعید بن عبد الرحمن اشعری نے تفسیر

تھے۔ انہوں نے وعدہ کو پورا کرنے کا فیصلہ کیا۔

”وذكر ذلك عن سمرة بن جندب“ اور سمرة بن جندب رضی اللہ عنہما نے انہوں سے یہی روایت

کی کہ وعدہ کو پورا کرنا قضاء واجب ہے۔

”وقال المسور بن مخرمة سمعت النبی ﷺ و ذکر صهرہ الہ“ اور مسور بن مخرمة کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ وہ اپنے ایک داماد (ابوالعاصمؓ) کا ذکر کرتے تھے۔ ان کے بارے میں آپ ﷺ نے تعریف کے طور پر فرمایا کہ ”وعدنی لو فانی“ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، پھر اس کو پورا کیا۔

”قال أبو عبد اللہ رأیت اسحق“ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسحق بن ابراہیمؓ کو دیکھا وہ ابن اشوع کی حدیث سے استدلال کرتے تھے یعنی ابن جنذب سے، والی حدیث سے تو ابن اشوع کے فیصلہ کو انہوں نے ایک طرح سے تسلیم کیا۔

آگے امام بخاری رحمہ اللہ نے متعدد احادیث نقل کی ہیں جن میں وعدہ کے الفاظ پر افسوس ہے، یہ خلاف ورزی پر وعید ہے۔ یہ سب اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ وعدہ کی وفال لازم ہے۔

۲۶۸۴۔ حدیثی محمد بن عبد الرحیم : أخبرنا سعید بن سلیمان : حدثنا مروان بن شجاع ، عن سالم الأفطس ، عن سعید بن جبیر قال : سألتی یہودی من أهل الحيرة : ای الاجلین قضی موسیٰ؟ قلت : لا أدری حتی اقدم علی حبر العرب فأسأله . فقدمت فسألت ابن عباس فقال : قضی اکثرهما واطیبهما ، إن رسول اللہ ﷺ إذا قال فعل .

سعید بن جبیر یہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک یہودی نے پوچھا (جو حیرہ کے رہنے والوں میں سے تھا) کہ موسیٰ علیہ السلام نے دو مدتوں میں سے کوئی پوری کی تھی وہاں یہ فرمایا تھا کہ ”ایما الاجلین قضیت فلاعدوان علی“۔ تو سعید بن جبیر نے بتایا کہ ”قلت : لا أدری حتی اقدم علی حبر العرب فأسأله“ مجھے تو پتہ نہیں ہے یہاں تک کہ میں عرب کے گھر کے پاس جاؤں اور ان سے پوچھوں اور مراد حضرت عبد اللہ بن عباسؓ تھے۔ کہتے ہیں کہ میں آیا اور آرا حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ”قضی اکثرهما واطیبهما“ جو لمبی مدت تھی وہ پوری کی یعنی دس سال اور وہ جس کی یہ بیان کی کہ ”أن رسول اللہ ﷺ إذا قال فعل“ اللہ کا رسول جب کوئی بات کہتا ہے تو کرتا ہے اور اس میں وہ کرتا ہے جو زیادہ افضل ہو اور افضل یہی تھا کہ دس سال پورے کرتے لہذا دس سال پورے کئے۔

(۲۹) باب : لا یسأل أهل الشرك عن الشهادة و غیرها

وقال الشعبي : لا تحوز شهادة أهل الملل بعضهم علی بعض . لقوله عز وجل ﴿فَاعْتَرِفْنَا بِهِمْ الْبُغَاةَ وَالنِّغْضَاءَ﴾ وقال أبو هريرة عن النبی ﷺ ((لا تصدقوا أهل الكتاب ولا تكذبوهم . وقولوا ﴿آمنا بالله وما أنزل﴾))

اس میں یہ مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کافروں کی شہادت کس حد تک مقبول ہے اور کس حد تک نہیں؟

کافر کی شہادت میں فقہاء کرام کا مشہور اختلاف ہے

بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ کافر کی شہادت کسی بھی حالت میں قبول نہیں۔

بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ کافر کی شہادت کافر کے خلاف معتبر ہے، مسلمان کے خلاف معتبر نہیں۔

پھر بعض کہتے ہیں کہ ہر کافر کی شہادت ہر کافر کے خلاف معتبر نہیں بلکہ اپنے اہل مذہب کے خلاف معتبر

ہے مثلاً یہودی، یہودی کے خلاف گواہی دے تو معتبر ہے لیکن یہودی، نصرانی کے خلاف دے تو معتبر نہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ مسلمان کے خلاف بھی اس وقت معتبر ہو سکتی ہے جب سفر میں کسی غیر مسلم کو

گواہ بنا پ گیا ہو، جہاں کوئی مسلمان موجود نہ ہو، خاص طور پر وصیت کے باب میں، چنانچہ قرآن کریم نے وصیت

فی السفر کے بارے میں فرمایا ”وَأَخْبِرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ“ دو گواہ تمہارے مسلمانوں کے علاوہ تو کافروں کو بھی

گواہ بنایا جاسکتا ہے۔^{۵۲}

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ وصیت فی السفر کے اندر غیر مسلموں کی گواہی مسلمان کے

سلسلے میں بھی معتبر ہے۔^{۵۳}

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کے ہاں مشقی یہ مسلک یہ ہے کہ مسلمان کے خلاف کسی حال میں معتبر نہیں اور کافر کے خلاف معتبر ہے۔^{۵۴}

حدیث باب کی تشریح

”وقال الشعبي: لا تجوز شهادة أهل الملل بعضهم على بعض“ جو مختلف مذاہب والے

ہیں ان میں سے ایک کی شہادت دوسرے کے خلاف معتبر نہیں مثلاً نصاریٰ کی یہودیوں کے خلاف معتبر نہیں۔

”لقوله تعالى: فَأَخْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ“

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض پیدا کر دیا۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ ”لا تصدقوا أهل الكتاب و

۵۲، ۵۳، عمدة القاری، ج ۹، ص: ۵۶۵، ولہذا الباری، ج ۴، ص: ۳۹۴

۵۴ عمدة القاری، ج ۹، ص: ۵۶۵، ولہذا الباری، ج ۴، ص: ۳۹۴

لا تکذبوہم“ یعنی اسرائیلیات جو خبریں دیتے ہیں ان میں نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو۔
معلوم ہوا کہ ان کے کہنے سے کوئی علم حاصل نہیں ہوتا، جب علم حاصل نہیں ہوتا تو ان کی شہادت کیسے
معتبر ہوگی، یہ مطلب ہے ”قولوا آمنا باللہ وما أنزل الینا“ کہنے کا۔

۲۶۸۵۔ حدثنا یحییٰ بن بکیر : حدثنا اللیث ، عن یونس ، عن ابن شہاب ، عن
عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ ، عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قال : یا معشر
المسلمین ، کیف تسألون اهل الكتاب ؟ و کتابکم الذی أنزل علی نبیہ ﷺ أحدث الأخبار
باللہ تقرؤنہ لم یشب . وقد حدثکم اللہ أن اهل الكتاب بدلوا ما کتب اللہ و غیروا بأیدیہم
الکتاب فقالوا : ﴿ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ یَسْتَفْرُوْا بِہِ لَمَّا قَلِیْلًا ﴾ ۵۵۔ اہل ینہاکم ما جاء کم من
العلم عن مساء لہم ؟ ولا واللہ ما رأینا رجلا منهم لفظ یسألکم عن الذی أنزل علیکم .
[انظر: ۷۳۶۳، ۷۵۲۲، ۷۵۲۳] ۵۶

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، اے مسلمانوں! تم اہل کتاب سے جا کر باتیں کیوں
پوچھتے ہو۔ ”و کتابکم الذی أنزل علی نبیہ ﷺ أحدث الأخبار باللہ“ جبکہ تمہاری کتاب جو تمہارے نبی
پر نازل ہوئی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی سب سے آخری تازہ ترین کتاب ہے۔ ”تقرؤنہ لم یشب“
اس کو تم پڑھتے ہو جس میں غلطی کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ ”وقد حدثکم اللہ“ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں بتایا ہے کہ
اہل کتاب نے توریت، انجیل میں جو لکھا تھا اس میں تحریف کر ڈالی ہے اور اپنے ہاتھوں سے کتاب میں تبدیلی کی
ہے۔ انہوں نے خود کہا:

﴿ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ یَسْتَفْرُوْا بِہِ لَمَّا قَلِیْلًا ﴾ ۵۵

ترجمہ: ”یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ لیویں اس پر
تھوڑا سا مول“۔

مطلب یہ ہے کہ جو علم تمہارے پاس کتاب اللہ کے ذریعے آیا ہے، کیا وہ تمہیں ان سے پوچھنے سے روکتا
نہیں ہے؟

”واللہ ما رأینا رجلا منهم لفظ یسألکم عن الذی أنزل علیکم“ تو جب وہ تمہارے پاس
آ کر قرآن نہیں پوچھتے۔ تو تم ان کے پاس پوچھنے سے لیے کیوں جاتے ہو۔

(۳۰) باب القرعة في المشكلات

”وقوله عزوجل: ﴿إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ﴾ وقال ابن عباس: اقترعوا فاجرت الأقسام مع الجربة وعال قلم زكريا الحربة فكفلها زكريا. وقوله: ﴿فَسَاهَمَ﴾ أقرع ﴿فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ﴾ من المسهومين. وقال ابو هريرة: عرد النبي ﷺ على قوم اليمين فاسرعوا. فأمر أن يسهم بينهم أيهم يحلف“
یہاں عدا ذکر اس لئے کیا کہ اس کو بھی عرض اوقات فی جہد فیصلہ کرنے میں کوئی نہ کوئی اصل حاصل ہو جاتا ہے۔

قرعہ کی حیثیت

قرعہ کے بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ قرعہ کے ذریعہ کوئی حق ثابت نہیں ہو سکتا؛ نہ ن کا حق ثابت ہو سکتا ہے، نہ کسی کے حق کو اس کی بنا پر باطل کیا جا سکتا ہے۔
البتہ جہاں مختلف مستحقین موجود ہوں اور سب کا سبب تحقیق یکساں ہو اور درجہ استحقاق بھی یکساں ہو، اس وقت کسی ایک کو منتخب کرنے کے لئے قرعہ اندازی کرنا کفایت ہے یا ایسا ہی بہت سے افراد کے درمیان تقسیم کرنی ہے اور تقسیم میں درجہ کے اعتبار سے اور پینہ ... سب برابر ہیں مثلاً ایک ٹھکانہ جو پانچ بھائیوں کے درمیان بنتا ہے اس کے پانچ مساوی حصے کرے گئے، اب ہر شخص کو ن سا حصہ ہے، اس بارے میں باہمی رضامندی نہیں ہوتی (یا ابطار حق کے لئے قرعہ معتبر نہیں) لیکن تاویں صورت میں ہی ایسا کس خاص حصے کے لئے منتخب کرنے کی غرض سے قرعہ اندازی کی جا سکتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں جتنے واقعات ذکر کئے وہ سب اسی پر مہول ہیں۔

پہلا واقعہ ذکر کیا کہ ﴿إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ﴾ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کرنے کے لئے قرعہ اندازی کر رہے تھے کہ کون کفالت کرے گا، ویسا ہی ایک کا سبب تحقیق تو ماوی تھا لیکن کفالت تقسیم نہیں کی جا سکتی تھی، اس لئے یہ طے یا نیا قرعہ اندازی سے یہ فیصلہ کیا جائے کہ کفیل کون بنے گا تو انہوں نے قرعہ اندازی کی۔

حضرت ابن عباس اس کی تفسیر فرماتے ہیں کہ ”فاجرت الأقسام مع الجربة وعال قلم زكريا الحربة“
الحربة ابن مسعود سے روایت ہے کہ قلم پانی کے ساتھ ہتے چلے گئے اور زکریا نے یہ قلم پر لکھ کر معلوم ہوا

کہ زریا الطیخ قرعہ اندازی میں جیت گئے "فكفله اذ كبريا و قوله فساهم۔ اقرع"۔
حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ کشتی میں نہ رہے گا۔ ایک آدمی کو سمندر میں ڈالنا تھا، اب کس کو
ڈالا جائے؟ اس کے لئے قرعہ اندازی کی گئی، "فلكان من المداحضین" یعنی "من المسہومین قال
ابو ہریرۃؓ...." یہ حدیث پہلے زریچل ہے کہ کئی عورتوں کو قسم کھانی تھی، آپ ﷺ نے ان کے درمیان قرعہ
اندازی کی۔

حضرت یونس علیہ السلام نے واقعہ میں حق تو کشتی میں سوار ہونے کا سب کا تھا لیکن سب نے یہ بات بالتراضی
طے کی کہ جب تم یہ آدمی کو نہیں نکالو گے گا، تب تک سب کی جان نہیں بچ سکتی۔ آپس میں اس بات کی
ترغیب کرنی کہ ایک کو ڈوبا جائے، اب جس کو ڈوبنا ہے اس کی تعیین کرنی ہے تو پھر بھی رضامندی سے یہ طریقہ طے کیا
گیا کہ جس کا نام نکل آئے گا وہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائے گا اور سمندر میں گرنے کا۔ ایسا نہیں ہے کہ قرعہ
اندازی کے ذریعے یہ کہا گیا ہو کہ تمہارا کشتی میں سوار ہونے کا حق نہیں ہے بلکہ قرعہ اندازی کے ذریعے اس آدمی
کا انتخاب کیا جو اپنے حق سے دستبردار ہو جائے، جب نام نکل آئے گا تو وہ دستبردار ہوگا۔

۲۶۸۷۔ حدثنا ابو الیمان: . قال: فبیت فأریت لعثمان عینا تجری

فجنت إلی رسول اللہ ینہ أحنوتہ لقال. ((ذلک عملہ)) . [راجع: ۱۲۳۳].

یہ حدیث پہلے جتنا زریچل ہے، البتہ ہوا کا آخری حصہ سب میں کہتی ہیں کہ میں سوئی تو میں
نے خواب میں حضرت عثمان بن عفانؓ کا ایک پاشہ دیکھا، بہ رہا ہے۔ میں نے یہ خواب رسول اللہ ﷺ کو
سنا پایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ان کا عمل ہے جو ان کے بعد بھی جاری ہے، صدقہ جاریہ سے آپ ﷺ
نے عبیر دی۔

باب سے اس حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے ہر کا فیصلہ قرعہ سے

کیا گیا تھا۔

كتاب الطبخ

٢٧١٠ - ٢٦٩٠

۵۳۔ کتاب الصلح

(۱) باب ماجاء فی الاصلاح بین الناس

وقول الله عزوجل: ﴿لَا تَحْزَنْ لِي كَثِيرٌ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ اِلَّا مَنۢ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنۢ يَفْعَلْ ذٰلِكَ اِيْتَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُوْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾^۱۔
 ”وخرج الامام الى المواضع ليصلح بين الناس باصحابه“۔

۲۶۹۰۔ حدثنا سعيد بن ابي مریم :..... من اصحابه يصلح بينهم.

یہ حدیث اس جملہ کی وجہ سے لائے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

۲۶۹۱۔ حدثنا مسدد : حدثنا معتمر قال : سمعت ابي ان انساً رضی اللہ عنہ قال : قيل

للبی رضی اللہ عنہ : لو آتیت عبد اللہ بن ابي، فانطلق الیه النبى رضی اللہ عنہ وركب حمارا فانطلق المسلمون
 يمشون معه، وهى ارض سبخة. فلما آتاه النبى رضی اللہ عنہ فقال : ابيک عنى، والله لقد اذانى نتن
 حمارك. فقال رجل من الانصار منهم : والله لحمار رسول الله رضی اللہ عنہ اطيب ريحا منك،
 لغضب لعبد الله رجل من قومه لثمتا لغضب لكل واحد منهما اصحابه، فكان بينهما
 ضرب بالجرید والنعال والأيدي، فبلغنا انها نزلت ﴿وَإِنْ طَلَّاهُ لَعْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَلَوْا
 فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا﴾^۲۔

”قال ابو عبد الله هذا مما التفتت من مسدد قبل له ينجلس ويحدث“۔

امام بخاری فرماتے ہیں ”حدثنا مسدد.....“ یعنی مسدد سے یہ حدیث منتخب کر کے حاصل کر لی

تھی۔ ان کے باقاعدہ محدث ہو کر بیٹھنے سے پہلے یعنی انہوں نے ابھی باقاعدہ درس دینا شروع نہیں کیا تھا۔

(۲) باب : ليس الكاذب الذى يصلح بين الناس

۲۶۹۲۔ حدثنا عبد العزيز بن عبد الله : حدثنا ابراهيم بن سعد، عن صالح، عن ابن

شهاب : ان حميد بن عبد الرحمن أخبره ان أمه أم كلثوم بنت عقبة أخبرته : أنها سمعت رسول

۱ [النساء: ۱۱۳] ۲ [الحجرات: ۹]

۳ وفي صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب في دعاء النبي الى الله وصبره على اذى المنافقين، رقم: ۳۳۵۷

اللہ ﷻ يقول ((ليس الكذاب الذي يصلح بين الناس فينمي خيرا أو يقول خيرا)).^{۱۷} یہ حدیث ہے کہ "ليس الكذاب الذي يصلح بين الناس" جو شخص لوگوں کے درمیان صلح کرائے وہ کذاب نہیں ہوتا "فينمي خيرا أو يقول خيرا" خیر کی بات ایک سے دوسرے تک پہنچائے یا یہ فرمایا کہ ایک وہ جو اصلاح کی غرض سے خیر کی بات کہے تو وہ جھوٹا نہیں ہوتا۔
مطلب یہ ہے کہ اگر دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کی غرض سے کوئی آدمی کوئی ایسی بات کہے کہ جو بظہر خلاف واقعہ ہو تو یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔

تین مواقع پر خلاف واقعہ بات کہنے کی اجازت ہے

تین مواقع ایسے ہیں جن میں حضور اقدس ﷺ سے خلاف واقعہ بات کہنے کی اجازت منقول ہے اور وہ تینوں باتیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کی ہیں۔^{۱۸}
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کذب مہان نہیں ہوتا مگر تین چیزوں میں، ان میں سے ایک یہ فرمایا کہ "الرجل يحدث بامرأته والمرأة تحدث زوجها" کون مرد اپنی بیوی سے کوئی ایسی بات کرنے جو اسے خوش کرے۔

دوسری مسلمانوں نے، بیوی سے کہنے سے تیسرے جنگ کے موقع پر دشمن سے اور جنگ کے لئے تو مستقل حدیث آئی ہے کہ "الحرب خدعة"^{۱۹}

اختلاف فقہاء

یہ کذب صریح کی اجازت ہے۔^{۲۰} اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے کہ ان تین مواقع پر جن میں کذب کی اجازت دی گئی ہے آیا کذب سرتیج کی اجازت ہے یا تو یہ کہنے کی اجازت ہے؟

۱۷ وہی صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الكذب وبيان المباح منه، رقم ۴۷۱۷، وسنن الترمذی، کتاب البر والصلة عن رسول الله، باب ماجاء في اصلاح ذات البين، رقم ۱۸۶۱، وسنن أبي داؤد، کتاب الأدب، باب في اصلاح ذات البين، رقم ۴۷۲۳، ومسند احمد، من مسند القائل، باب حديث أم كلثوم بنت عقبة أم حميد بن عبد الرحمن، رقم ۲۶۰۱۰، ۲۶۰۱۵

۱۸ سنن الترمذی، کتاب البر والصلة عن رسول الله، باب ماجاء في اصلاح ذات البين، رقم ۱۸۶۲، وسنن أبي داؤد، کتاب الأدب، باب في اصلاح ذات البين، رقم ۴۷۲۵، ومسند احمد، من مسند القائل، رقم ۲۶۰۱۵

امام شافعی اور دیگر فقہاء کا قول

امام شافعی اور دوسرے بہت سے فقہاء فرماتے ہیں کہ ان مواقع پر کذب صریح کی بھی اجازت ہے۔ ۷

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور یہی کتب حنفیہ میں مذکور ہے کہ کذب صریح کی اجازت نہیں ہے، البتہ توریہ کی اجازت ہے۔ ۸

توریہ کی تعریف

توریہ کے معنی ہیں کہ آدمی کوئی ایسی بات کہے جس کے ظاہری معنی کذب کے ہوں لیکن حقیقت میں اس کی مراد صحیح ہو جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے فلاں کو تمہارے لئے دعا کرتے ہوئے دیکھا ہے اور دل میں یہ نیت ہو کہ ”اللہم اظفر للمؤمنین والمؤمنات“ کہتا ہے تو یہ توریہ ہوا اور یہ جائز ہے۔

یامثلًا حضرت صدیق اکبرؓ نے ہجرت کو جاتے ہوئے حضور اقدس ﷺ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا ”ہاد بہدینی السبیل“ رہنما ہیں جو مجھے راستہ دکھاتے ہیں تو مراد یہ تھی کہ دینی راہ نما ہیں اور ظاہری معنی یہ ہیں کہ یہ مجھے ظاہری راستہ دکھا رہے ہیں تو کذب سے اس قسم کا توریہ مراد ہے۔ اور یہ وہی ہے جیسے حضرت ابراہیمؑ کی حدیث میں فرمایا گیا کہ ”لم یكذب ابواہیم الا ثلاث کذبات“ وہاں بھی کذب سے توریہ مراد ہے۔

حدیث میں کذب سے توریہ مراد ہے اس کی دلیل میں یہ منقول ہے کہ ”المعارض مندوحة عن الكذب“ کہ معارضض یعنی توریہ کرنے میں جھوٹ سے بچنے کا راستہ موجود ہے۔ جب راستہ موجود ہے تو پھر صریح جھوٹ کو نہیں اختیار کیا جائے گا۔ ۹

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا قول

البتہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ نے اعداء السنن میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا قول نقل

۷ فیض الباری، ج ۳، ص: ۳۹۶.

۸ فیض الباری، ج: ۳، ص: ۳۹۶.

۹ تفسیر القرطبی، ج ۹، ص ۲۵۲، و صحیح البخاری، کتاب الأدب، (۱۱۶) باب المعارض مندوحة عن

الکذب، وابن حبان، ج ۱۳، ص ۳۵

فرمایا ہے کہ جھوٹ کا جائز نہ ہونا اس وقت ہے جب تو یہ ممکن ہو لیکن جب تو یہ ممکن نہ ہو تو اس وقت ان تین مواقع پر کذب صریح کی بھی اجازت ہے۔

یہ قول فیصل ذکر فرمایا کہ جب تک تو یہ ممکن ہو کوئی ایسی بات سمجھ میں آجائے جو صریح کذب نہ ہو اس صورت میں کذب جائز نہیں، تو یہ یہی کرنا ہوگا اور اگر تو یہ ممکن نہ ہو تو پھر کذب صریح بھی جائز ہے۔
اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ویسے تو آپ ﷺ نے تو یہی کی اجازت دی جیسے کعب بن اشرف کے قتل کے موقع پر حضرت محمد بن مسلمہ نے تو یہ کیا تھا لیکن ایک موقع ایسا ہے جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی اور وہ حجاج بن علاط کا واقعہ ہے۔

جب وہ اجازت لے کر مکہ مکرمہ گئے تو انہوں نے جا کر اہل مکہ سے کہا کہ خیبر والوں نے مسلمانوں کو شکست دی ہے۔ مسلمان خیبر کی جنگ میں شکست کھا گئے ہیں اب یہ ایسی چیز ہے جس میں تو یہی کا کوئی امکان نہیں ہے، خالص خلاف واقع بات ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی اور صورت ممکن نہ ہو تو کذب صریح کی بھی اجازت ہو سکتی ہے۔

(۴) باب قول اللہ تعالیٰ:

﴿أَنْ يُضْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾

۲۶۹۴۔ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا سفیان، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها ﴿وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُورًا أَوْ إِعْرَاضًا﴾ قال: هو الرجل يزي من امرأته ما لا يعجبه كبراً أو غيره فيريد فرارها، فتقول: أمسكني، والمسم لي ماشئت. قالت: ولا بأس إذا تراضيا. [راجع: ۲۴۵۰].

کوئی شخص اپنی بیوی کو بڑی عمر کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے پسند نہیں کرتا اور اس کو چھوڑنا چاہتا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ مجھے رکھ لو اور قسم میں جو چاہو مجھے دے دو۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی اور بیوی بھی رکھو اور مجھے بھی رکھو اور قسم کے اندر جو معاملہ میرے ساتھ چھو کر دو، یعنی میں مطالبہ نہیں کروں گی، اگر دونوں راضی ہوں تو صلح کا یہ طریقہ جائز ہے۔

(۵) باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود

۲۶۹۵، ۲۶۹۶۔ حدثنا آدم: حدثنا ابن أبي ذئب: حدثنا الزهري، عن عبيد الله بن عبد الله، عن أبي هريرة، وزيد بن خالد الجهني رضي الله عنهما قالا: جاء أعرابي فقال:

یا رسول اللہ، اقض بیننا بکتاب اللہ، فقام خصمه فقال: صدق، اقض بیننا بکتاب اللہ. فقال الأعرابی: إن ابنتی کان عسیفا علی هذا فزنی بامرأته: فقالوا لی: علی ابنک الرجھ، لفدیت ابنتی منه بمائة من الغنم وولیدة، ثم سألت أهل العلم فقالوا: إنما علی ابنک جلد مائة و تعریب عام. فقال النبی ﷺ: ((لا تضین بینكما بکتاب اللہ، أما الولیدة والغنم فرد علیک. و علی ابنک جلد مائة و تعریب عام. و أما انت یا أنیس۔ لرجل۔ فاغذ علی امرأة هذا فارجمها)). فغذا علیها أنیس فرجمها. [راجع: ۲۳۱۳، ۲۳۱۵].

یہاں شروع میں یہ ہوا تھا کہ انہوں نے کہا کہ تمہارے بیٹے پر رجم واجب ہے، انہوں نے رجم کو دور کرنے کے لئے ایک سو بکریاں اور ایک جاڑی دے کر صلح کر لی۔ یہ صلح شریعت کے خلاف تھی کیونکہ حد کے معاملے میں کوئی صلح نہیں ہو سکتی، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمتہ الباب قائم کیا ہے ”باب إذا اصطلحوا علی صلح جو رفقہو مردود“ کہ اگر کوئی شخص صلح جو کرے تو وہ مردود ہے، صلح جو سے مراد ہے جو شریعت کے خلاف ہو۔

(۶) باب: کیف یکتب: هذا ما صالح فلان بن فلان

و فلان بن فلان، وإن لم ینسبه إلی قبیلته أو نسبه

۲۶۹۹۔ حدثنا عبید اللہ بن موسیٰ، عن اسرائیل، عن أبی اسحاق، عن البراء ؓ قال: إعتمر النبی ﷺ فی ذی القعدة فأبی أهل مكة أن یدعوه یدخل مكة، حی فاضاهم علی أن یمیم بها ثلاثة ایام. فلما کتبوا الكتاب کتبوا: هذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ ﷺ، فقالوا: لا نقر بها، فلو نعلم أنك رسول الله ما منعناک، لكن أنت محمد بن عبد الله. قال: ((أنا رسول الله، وأنا محمد بن عبد الله))، ثم قال لعلی: ((امح: رسول الله)) قال: لا، والله لا أمحوک ابداء، فأخذ رسول الله ﷺ الكتاب فکتب: ((هذا ما قاضی علیہ محمد بن عبد الله: لا یدخل مكة سلاح إلا فی القرباب، وأن لا یخرج من أهلها بأحد إن أراد أن یتبعه، وأن لا یمنع أحدا من اصحابه أراد أن یمیم بها)). فلما دخلها ومضى الأجل أتوا علیا فقالوا: قل لصاحبک: اخرج عنا فقد مضى الأجل، فخرج النبی ﷺ فبتعتهم ابنة حمزة: یا عم یا عم، فتننا ولها علی فأخذ بیدها، وقال لفاطمة: دونک ابنة عمک، احمليها، فاختصم فیها علی وزید و جعفر، فقال علی: أنا أحق بها وهي ابنة عمی. وقال

جعفر: ابنہ عمی و مخالفتہا حتی۔ وقال زید: ابنہ أخی، ففرضی بها النبی ﷺ لخالفہا، وقال: ((الخصالة بمنزلة الأم))، وقال لعلي: ((أنت مني وأنا منك))، وقال لجعفر: ((أشبهت خلقی و خلقی))، وقال لزید: ((أنت أحنونا و مولانا))۔ [راجع: ۱۷۸۱]۔

حدیث کا مطلب

یہ صلح حدیبیہ کے لکھنے کا واقعہ ہے، اس میں یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ لفظ مٹا دو، حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں نہیں مٹاؤں گا۔ تو بظاہر یہاں حضور اقدس ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور قاعدہ ہے کہ ”الامر لوقی الأدب“ امر کا درجہ ادب سے مقدم ہے۔ ادب کا تقاضا یہ تھا کہ رسول اللہ کا لفظ نہ مٹاتے اور امر یہ تھا کہ مٹاؤ۔ تو حضرت علیؑ نے اس حکم کی خلاف ورزی کیوں کی؟

حضرت علیؑ نے رسول اللہ ﷺ کا لفظ کیوں نہیں مٹایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ امر، امر ایجاب نہیں تھا، مطلب یہ ہے کہ مٹانا تو چاہتے تھے لیکن حضرت علیؑ ہی مٹائیں خاص طور پر یہ واجب کرنا مقصود نہیں تھا، اس واسطے حضرت علیؑ نے کہا کہ میں نہیں مٹاؤں گا۔

دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؑ نے یہ بات غلبتہ الحال میں کہی، وہ حضور اکرم ﷺ کی تنظیم اور تکریم میں اس درجہ مستغرق تھے کہ گویا اپنے آپ کو استطاعت سے خارج سمجھا کہ میں رسول اللہ کا لفظ مٹاؤں۔ ایسی صورت میں انسان معذور ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ آپ کے مٹانے سے انکار کرنے کا ایک یہ فائدہ بھی تھا کہ مشرکین پر یہ بات واضح ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب آپ کے ایسے شیدائی ہیں کہ رسول اللہ کے لفظ کو مٹانے پر تیار نہیں۔

چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے خود مٹا دیا تو مقصد بھی پورا ہو گیا اور ساتھ ساتھ صحابہ کرام ﷺ کا فدا کار ہونا، آپ ﷺ کا شیدائی ہونا یہ بھی کفار پر واضح ہو گیا۔

آگے ہے ”فکتب“ کتب کا فعل حضور اقدس ﷺ ہیں کہ آپ ﷺ نے خود تحریر فرمایا ”هذا ما قاضی علیہ محمد بن عبد اللہ“۔

جب امی تھے تو پھر کیسے لکھا؟

اس میں کلام ہوا ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ امی تھے تو پھر خود کیسے تحریر فرمایا؟ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ امی ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بالکل نہیں لکھ پاتے تھے بلکہ تھوڑا بہت لکھ سکتے تھے، البتہ جیسے ماہر کا تہ لکھتا ہے، اس طرح نہیں لکھ پاتے تھے۔

بعض لوگوں نے یہ تاویل کی ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت تھوڑا بہت لکھ دیا۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزہ لکھنے کی صلاحیت عطا فرمادی۔

لیکن زیادہ تر علماء کا رجحان یہ ہے کہ یہاں جو کتب کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی گئی ہے وہ اسناد مجازی ہے یعنی خود کسی دوسرے کو کہہ کر لکھوا دیا۔ اس کو ”مکتب“ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی قوی دلیل یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ اس موقع پر خود لکھ دیتے تو مشرکین مکہ کو یہ کہنے کا بہانہ مل جاتا کہ آپ اپنے آپ کو امی کہتے ہیں حالانکہ آپ نے خود لکھ دیا۔ اس واسطے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خود نہیں لکھا ہوگا بلکہ دوسروں سے لکھوایا ہوگا۔ اس کو راوی نے کتب سے تعبیر کر دیا۔^{۱۱}

”لا یدخل مکة سلاح إلا فی القرب“ صلح یہ ہوئی تھی کہ آئندہ سال آ کر عمرہ کریں گے اور مکہ مکرمہ میں آئیں گے تو ہتھیار نیا م میں ہوں گے اور اہل مکہ میں سے کسی کو نکال کر نہیں لے جائیں گے۔ اگر وہ ان کے ساتھ جانا چاہیں یعنی اگر مکہ مکرمہ کے مسلمانوں میں سے کوئی ساتھ جانا چاہے تو ساتھ نہیں لے جائیں گے۔

”وأن لا یمنع أحدا من أصحابه أراد أن یقیم بها“ اور ان کے اصحاب میں سے کوئی مکہ مکرمہ میں رہنا چاہیں تو روکیں گے نہیں۔ پھر جب آپ اگلے سال عمرۃ القضاء کے لئے تشریف لائے اور تین دن کی مدت پوری ہوگئی۔ تو یہ مشرکین حضرت علیؑ کے پاس آئے اور آ کر کہا کہ مدت گزر گئی ہے، لہذا اپنے صاحب سے کہو کہ چلے جائیں۔

آپ ﷺ نکلے تو حضرت حمزہؑ کی بیٹی حضور اقدس ﷺ کے ساتھ لگ گئی کہ میں بھی جانا چاہتی ہوں یا عم یا عم کہتے ہوئے۔ ”فتنا ولہا علی“ حضرت علیؑ نے ان کو پکڑ لیا اور حضرت فاطمہؑ سے کہا ان کو لے لو یہ تمہارے چچا کی بیٹی ہے۔ میں نے اس کو اٹھا لیا ہے اب تم اس کی نگرانی کرو۔ ”فما خصم لہا علی وزید وجعفر“ بعد میں حضرت علیؑ، حضرت زیدؑ، اور حضرت جعفرؑ تینوں کے درمیان اختلاف ہوا کہ اس کی ولایت کون لے اور کس ذریعے سے لے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ”انا احق بہا وہی ابنة عمی“ میں حقدار ہوں کیونکہ میری چچا کی بیٹی ہے۔

حضرت جعفرؑ نے فرمایا کہ ”ابنة عمی و خالتها حتی“ میرے چچا کی بیٹی بھی ہیں اور ان کی خالہ میرے نکاح میں ہیں۔

حضرت زید بن حارثہؑ نے فرمایا کہ ”ابنة اعمی“ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہیں، میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہیں۔
”لقضی بہا النبیؐ“ نبی کریمؐ نے فیصلہ فرمایا کہ یہ اپنی خالہ کے پاس رہیں گی یعنی حضرت جعفرؑ کی اہلیہ کے پاس ”وقال: الخالۃ بمنزلۃ الام“ اور فرمایا کہ خالہ، ماں کے درجہ میں ہوتی ہے۔

چونکہ حضرت علیؑ اور زید بن حارثہؑ کا دعویٰ قبول نہیں ہوا تھا، اس لئے آپؐ نے ان سب کی دلجوئی فرمائی۔ حضرت علیؑ سے فرمایا ”انت منی وانا منک وقال لجعفر اشہبت خلقی و خلقی“ اور حضرت زید بن حارثہؑ سے فرمایا کہ ”انت اخونا و مولانا“۔

سوال: جب معاہدہ میں یہ بات طے ہوگئی کہ ساتھ کوئی نہیں جائے گا تو ان کو ساتھ کیسے لیا؟
جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ وہ وعدہ مردوں سے متعلق تھا۔ عورتوں سے متعلق نہیں تھا، اس واسطے ساتھ رکھ لیا گیا۔

(۷) باب الصلح مع المشرکین

”فہ عن اسی سفیان ، وقال عوف بن مالک عن النبیؐ : ((ثم تكون هدنة بینکم و بین بنی الاصفہر)) . وفيه سهل بن حنيف لقد رأيتنا يوم ابي جندل و أسماء و المسور عن النبیؐ .“

بنو الاصفہر، رومیوں کو کہتے ہیں۔ آپؐ نے قیامت کی ایک علامت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ کسی وقت تمہارے اور بنو الاصفہر کے درمیان صلح ہوگی۔ معلوم ہوا کہ مشرکین سے صلح کرنا جائز ہے۔

۲۷۰۰۔ وقال موسى بن مسعود : فجاء أبو جندل يصحبل في قبوذه

فردہ [الیہم] . [راجع : ۱۷۸۱]

آخر میں حضرت ابو جندلؑ آئے اس کی تفصیل کتاب الشروط میں ہے۔

باب قول النبیؐ للحسن بن علی رضی اللہ عنہما : ((إن ابني هذا سيد ولعل الله أن يصلح به بين فئتين عظيمتين)) ، وقوله جل ذكره : ﴿ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ﴾ .

۲۷۰۳۔ حدثنا عبد الله بن محمد : حدثنا سفیان عن أبي موسى قال : سمعت

الحسن يقول: استقبل والله الحسن بن علي معاوية بكتائب أمثال الجبال، فقال عمرو بن العاص: إنني لأرى كتائب لا تولي حتى تقتل أقرانها. فقال له معاوية وكان والله خير الرجلين: أي عمرو، إن قتل هولاء هولاء وهو لاء هولاء: من لي بأمور الناس؟ من لي بنسائهم؟ من لي بضيعتهم؟ فبعث إليه رجلين من قريش من بني عبد شمس: عبد الرحمن ابن سمرة، وعبد الله بن عامر بن كريز، فقال: اذهبا إلى هذا الرجل فاعرضا عليه وقولا له واطلبا إليه، فأتياه فدخلا عليه فتكلما وقالوا له وطلبا إليه. فقال لهما الحسن بن علي: إنا بنو عبد المطلب قد أصبنا من هذا المال، وإن هذه الأمة قد عانت في دمائها قالا: فإنه يعرض عليك كذا وكذا، ويطلب إليك ويسالك. قال لمن لي بهذا؟ قالا: نحن لك به لما سألهما شيئا إلا قالا: نحن لك به، فصالحه فقال الحسن: ولقد سمعت أبا بكره يقول: رأيت رسول الله ﷺ على المنبر والحسن بن علي إلى جنبه وهو يقبل على الناس مرة وعلية أخرى ويقول: ((إن ابني هذا سيد ولعل الله أن يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين)). قال أبو عبد الله: قال لي علي بن عبد الله: إنما ثبت لنا سماع الحسن من أبي بكره بهذا الحديث. [أنظر: ۳۶۲۹، ۳۶۷۳، ۳۷۰۹، ۳۷۱۰] ۳

حدیث باب کی تشریح

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ”استقبل والله الحسن بن علي معاوية بكتائب أمثال الجبال“ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما، معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے آئے تھے اور ان کا استقبال ایسے لشکروں سے کیا تھا جو پہاڑوں کی طرح تھے، بہت بڑی تعداد میں تھے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو دیکھ کر کہا ”إنني لأرى كتائب لا تولي“ کہ میں ایسے لشکر کو دیکھ رہا ہوں جو پیڑھے پھیر کر نہیں جاسکتے اور اگر ”لا تولي“ مجھول پڑھیں تو معنی ہوگا جن کا رخ نہیں پھیرا جاسکتا، ”حتى تقتل أقرانها“ جب تک کہ وہ اپنے اقران کو قتل نہ کر دیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو دیکھ کر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کا یہ لشکر اتنا بڑا ہے کہ

۳۔ وفي سنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول الله، باب مناقب الحسن والحسين رضي الله عنهما، رقم:

۳۷۰۶، وسنن النسائي، كتاب الجمعة، باب مخاطبة الامام رعيته وهو على المنبر، رقم: ۱۳۹۳، وسنن أبي داؤد،

كتاب السنة، باب ما بدل على ترك الكلام في الفتنة، رقم: ۴۰۳۳، ومسند احمد، أول مسند البصريين، باب

حديث أبي بكره نفيح بن الحارث بن كلدة، رقم: ۱۹۳۹۷، ۱۹۵۵۰، ۱۹۵۷۲، ۱۹۵۹۵، ۱۹۶۱۱.

اب یہ شکست نہیں کھ سکتا بلکہ یہ اپنے اقران کو قتل کر کے ہی جائے گا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”وکان واللہ خیر الرجلین“ اور یہ ان دونوں یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہتر آدمی تھے۔ انہوں نے فرمایا اے عمرو! ”ان قتل هولاء وهولاء وهولاء وهولاء“ اگر یہ ان کو قتل کریں اور وہ ان کو قتل کریں تو ”من لی بامور الناس“ کون ہے جو مجھے لوگوں کے معاملات کا ذمہ دے۔ لوگوں کے معاملات ضائع ہوں گے تو میں کس پر حکومت کروں گا، کون لوگ ہوں گے جن کی میں کفالت کروں گا۔ ”من لی بنساء“ کون ہے جو مجھے ذمہ دے ان کی عورتوں کا کہ جب یہ خود قتل ہو جائیں گے تو ان کی عورتوں کا کیا بنے گا۔ ”من لی بضعیتهم“ کون ہے جو ان کی زمینوں کی دیکھ بھال کا ذمہ لے۔

”ضیعة“ زمین کو کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جب یہ قتل ہو جائیں گے تو ان کی زمینوں کی دیکھ بھال کون کرے گا۔

مطلب یہ ہے کہ ان کو یہ خیال ہو رہا تھا کہ اتنے دنوں سے مسلمانوں کے درمیان خونریزی چل رہی ہے اور پھر دوبارہ یہی سلسلہ شروع ہو جائیگا کہ مسلمان ایک دوسرے کو قتل کریں گے تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود اس موقع پر ”بعث الیہ رجلین من قریش“ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پاس قریش بنو عبدالمطلب کے دو آدمی بھیجے۔ ایک عبدالرحمن بن شمرہ رضی اللہ عنہ دوسرا عبداللہ بن عامر، ”فقال“ اور فرمایا ”اذہبا الی هذا الرجل“ تم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ ”فعرض علیہ“ اور ان کے سامنے کچھ پیشکش کرو۔ ”وقولا لہ واطلبا الیہ“ صلح کی پیشکش کرو اور ان سے صلح طلب کرو۔ ”فالباہ فدخلا علیہ وتکلما وقال لہ واطلبا الیہ فقال لہم الحسن بن علی“ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”انا بنوا عبدالمطلب“ ہم عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔

معنی یہ ہے کہ بنو عبدالمطلب کی یہ روایت ہے کہ وہ اپنے متعلقین کو نوازتے رہتے ہیں، احسانات سے لوگوں کی مدد کرتے ہیں، لوگوں کی ضروریات میں کھڑے رہتے ہیں، ان کے ہاں ہدایا پیش کرتے ہیں۔

”فقد اصبنا من هذا المال“۔ ”اصبنا“ کا مفعول محذوف ہے ”امی اصبنا الخلفا“ کہ ہم نے خلافت حاصل کی ہے اور صحیح طریقہ سے کی ہے یعنی ہم واقعی اس کے مستحق ہیں، ”من هذا المال“ بسبب اس مال کے جو ہم نے لوگوں پر صحیح طریقہ سے خرچ کیا یعنی ہم نے خلافت حاصل کی اور خلافت کے نتیجے میں بیت المال کا روپیہ جس طرح خرچ کرنا چاہئے تھا ہم نے اسی طرح خرچ کیا۔

بعض لوگوں نے اس کے دوسرے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ ہم نے بنو عبدالمطلب ہونے کے بعد اپنا جو مرتبہ حاصل کیا ہے، وہ اس طرح کیا ہے کہ اپنے طریقے کے مطابق لوگوں پر مال خرچ کرتے رہے ہیں۔ اب اگر

ہم خلافت سے دستبردار ہو جائیں تو لوگوں کو ہم سے جو پیسے ملنے کی توقعات ہیں وہ پوری نہیں ہوں گی اور توقعات پوری نہ ہونے کی وجہ سے لوگ ہماری خلافت سے دستبرداری پر راضی نہیں ہوں گے۔

”وان هذه الامة قد عانت في دمانها“ اور یہ امت خون میں لتھڑکی ہوئی ہے۔

”عانت“ کے معنی ہیں فاسد ہو جانا۔ اس امت میں خون کی وجہ سے فساد پیدا ہو گیا ہے یعنی آپس میں لڑائی کے نتیجے میں خونریزی ہوئی ہے اور ایک دوسرے کے خلاف قتل و قتل ہوا ہے۔ اس کے نتیجے میں لوگوں کے جذبات مشتعل ہیں۔ دوسری طرف اگر ہم خلافت سے دستبردار ہو جائیں تو اس کے نتیجے میں ان کو پیسے ملنا بند ہو جائیں گے تو وہ مشتعل جذبات پھر خونریزی شروع کر دیں گے۔

مقصد یہ ہے کہ اگر میں خلافت سے دستبردار ہو جاؤں گا تو مجھے جو مشتعل مزاج لوگ ہیں ان پر روپیہ پیسہ خرچ کرنا پڑے گا تاکہ ان کے جذبات ٹھنڈے کئے جاسکیں۔

”لانا لانه يعرض عليك كذا وكذا“ کہا تو پھر ٹھیک ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما اتنے اتنے مال کی پیشکش کرتے ہیں کہ آپ یہ مال لے لیں اور اس کے ذریعے ان لوگوں کی امداد کریں۔

”ويطلب اليك ويستلك لال لمن لى بهذا“ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس بات کا کون کفیل بنے گا کہ معاویہ رضی اللہ عنہما یہ ادا کر دیں گے ”لانا نحن لك به“ انہوں نے کہا کہ ہم کفیل ہیں۔ ”فما سألها شيئا إلا لالا نحن لك به“ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جس چیز کا بھی مطالبہ کیا ان دونوں نے کہا کہ ہم کفالت لیتے ہیں ”فصالحه“ تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما سے صلح کر لی۔ دوسری روایات میں آتا ہے تین لاکھ اور ایک ہزار کپڑے اور کچھ غلاموں پر صلح ہوئی تھی۔

سوال: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما سے جو رقم یا جو مال لیا ہے کیا ان کے لئے صلح پر مال کا لینا جائز تھا؟
جواب: علماء کرام نے اسی سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کے لئے اپنا حق چھوڑ دے تو حق سے دستبرداری کے معاوضے پر رقم وصول کر سکتا ہے اور اسی سے نزول عن الوظائف بمال کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حق سے دستبردار ہونے پر معاوضہ کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔

سوال: کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ رقم اپنی جیب سے ادا کی یا بیت المال سے ادا کی۔ اگر اپنی جیب سے ادا کی پھر تو ٹھیک ہے کہ ”نزول عن الوظائف بمال“ میں دوسرا شخص اپنے پیسے دے سکتا ہے۔

لیکن اگر بیت المال سے ادا کی تو پھر سوال یہ ہے کہ بیت المال تو مسلمانوں کا حق ہے۔ خود اپنی خلافت کے حصول کے لئے مسلمانوں کے بیت المال کو خرچ کرنا کیسے جائز ہوگا؟

جواب: بعض حضرات نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ انہوں نے یہ مال اپنے مال میں سے دیا تھا۔

لیکن روایات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ روایات میں زیادہ تر یہ بات مذکور ہے کہ بیت المال سے ادا کیا تو شراح میں سے کسی نے اس سے تعرض نہیں کیا کہ بیت المال سے ادائیگی کا کیا جواز تھا؟ علامہ ابن بطال کا قول صرف حافظ ابن حجر نے کتاب الفتن، فتح الباری میں نقل کیا ہے اور وہ ابن بطال نے یہ بات فرمائی ہے کہ اصل میں نزول عن الوطائف اپنے ذاتی مال سے ہونا چاہئے، بیت المال سے نہیں ہونا چاہئے لیکن اگر کوئی یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کے درمیان سے فتنہ فرو کرنا ہے اور بیت المال کا مال استعمال کئے بغیر فتنہ فرو نہیں ہو سکتا تو اس صورت میں فتنہ فرو کرنے کے لئے بیت المال کا مال استعمال کیا جا سکتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو بیت المال سے مال دیا وہ اس لئے دیا، تاکہ فتنہ ختم ہو جائے اور مسلمانوں کی خونریزی بند ہو جائے۔ ظاہر ہے اگر ایسا نہ کرتے اور جنگ ہوتی تو جنگ میں ایک طرف خونریزی ہوتی اور دوسری طرف بیت المال کا روپے اس سے کہیں زیادہ خرچ ہوتا، لہذا اگر انہوں نے جنگ بند کرنے اور فتنہ کو ختم کرنے کے لئے بیت المال سے رقم دی تو اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ ۵۱

آگے فرماتے ہیں "قال الحسن" یہ آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں پہلے ہی بشارت دے دی تھی۔

(۱۱) باب فضل الإصلاح بین الناس والعدل بینہم

۲۷۰۷۔ حدثنا إسحاق بن منصور: أخبرنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن همام، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ((كل سلامي من الناس عليه صدقة، كل يوم تطلع فيه الشمس، يعدل بين الناس صدقة)). [الظن: ۲۸۹۱، ۲۹۸۹].

(۱۳) باب الصلح بين الغرماء وأصحاب الميراث والمجازفة في ذلك

"وقال ابن عباس: لا بأس أن يتخارج الشريكان، فيأخذ هذا ديننا وهذا عينا، فإن توى لأحدهما، لم يرجع على صاحبه".

فرماتے ہیں کہ غرماء کے درمیان صلح کرنا اور اصحاب میراث کے درمیان صلح کرنا اور اس میں مجازفتہ کرنا۔

"تمرت عهد الله بن عباس رضي الله عنهما فرماتے ہیں کہ:

"لا بأس أن يتخارج الشريكان فيأخذ هذا ديننا وهذا عينا".

دو آدمی کاروبار میں شریک تھے۔ اب شرکت ختم کرنا چاہتے ہیں تو شرکت ختم کرنے میں یہ کر سکتے ہیں

کہ ایک آدمی دین لے لے اور دوسرا عین لے لے۔ یعنی کاروبار کے دوسروں کے ذمے کچھ دیون ہیں، ایک آدمی کہتا ہے کہ میں دیون وصول کر لوں گا اور دوسرا آدمی اس کے بدلے عین لے لیتا ہے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق یہ کر سکتے ہیں۔

”فإن توی لاحدهما لم یرجع علی صاحبہ“ اگر دین توی ہو گیا یعنی دین وصول نہ ہو تو پھر وہ اپنے صاحب سے رجوع نہیں کر سکے گا کیونکہ انہوں نے صلح کر لی تھی۔ ایک طریقہ شرکت کو ختم کر کے باقاعدہ تقسیم کرنے کا ہے اور یہ باقاعدہ تقسیم نہیں تھی بلکہ صلح تھی کہ میں دین لے لیتا ہوں، تم عین لے لو۔ اب اگر عین لینے کے بعد ہلاک ہو جاتا ہے تو دوسرا ذمہ دار نہیں۔ اسی طرح اگر دین لینے کے بعد وہ دین ہلاک ہو جائے تو دوسرا ذمہ دار نہیں ہے۔

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کا اس بارے میں یہ مسلک ہے کہ اگر معاملہ اس طرح ہوا کہ ایک شریک دوسرے کو کہتا ہے کہ جتنے واجب الوصول دیون ہیں وہ سب تمہارے، اور جتنے عین ہیں وہ سب میرے، تو یہ جائز نہیں۔ اس واسطے کہ یہ ایک طرح سے دین کی عین کے ذریعے بیع ہو گئی اور ”بیع الدین من غیر من علیہ الدین“ جیسا کہ پیچھے گزرا ہے غرر ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔

البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ دونوں شریک اس طرح کر لیں کہ بھائی کچھ عین تم لے لو اور کچھ میں لے لیتا ہوں اور کچھ دین تم لے لو، اور کچھ میں لے لیتا ہوں، تو دین میں بھی دونوں حصہ دار ہوتے ہیں اور عین میں بھی دونوں حصہ دار ہوتے ہیں۔ اگرچہ باقاعدہ ایک ایک پائی کا حساب کرنے کے بجائے مجازاً آپس میں تراضی سے کر لیتے ہیں کہ اتنے دین تم لے لو اور اتنے عین تم لے لو اور اتنے دین اور اتنے عین میں لے لیتا ہوں، اس کے بعد چاہے دین وصول ہو یا نہ ہو یہ تخارج جائز ہے۔

حنفیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کا بھی یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ مکمل عین اور مکمل دین مراد نہیں ہے بلکہ کچھ عین اور کچھ دین دونوں شریک لے لیتے ہیں۔

اس صورت میں تخارج جائز ہے، اس کے بعد اگر دین وصول نہیں ہوتا تو کوئی بات نہیں، اس میں مہارت ہو گئی، تراضی کے ساتھ ایک نے دوسرے کو بری کر دیا صحیح ہو گئی تو یہ جائز ہے۔

اور میراث میں بھی تخارج اسی طرح ہوتا ہے کہ ایک وارث کہتا ہے کہ میں صرف یہ چیز لے لیتا ہوں اور اپنے حصے سے دستبردار ہو جاتا ہوں یہ بھی جائز ہے۔

كتاب الشروط

٢٧١١ - ٢٧٣٧

۵۴۔ کتاب الشروط

(۱) باب مايجوز من الشروط في الإسلام والأحكام والمبايعة

۲۷۱۱، ۲۷۱۲۔ حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب قال: أخبرني عروة بن الزبير: أنه سمع مروان و المسور بن مخرمة رضي الله عنهما يخبران عن أصحاب رسول الله ﷺ قال: لما كاتب سهيل بن عمرو يومئذ كان فيما اشترط سهيل بن عمرو على النبي ﷺ أنه لا يأتيك منا أحد وإن كان على دينك إلا رددته إلينا و خليت بيننا و بينه. فكره المؤمنون ذلك و امتعضوا منه، و أبى سهيل إلا ذلك فكتبه النبي ﷺ على ذلك فرد يومئذ أبا جندل إلى أبيه سهيل بن عمرو، ولم يأته أحد من الرجال إلا رده في تلك المدة وإن كان مسلماً. و جاءت المؤمنات مهاجرات و كانت أم كلثوم بنت عقبة بن أبي معيط ممن خرج إلى رسول الله ﷺ يومئذ و هي عاتق، فجاء أهلها يسألون النبي ﷺ أن يرجعها إليهم فلم يرجعها إليهم لما أنزل الله فيهن ﴿إِذَا جَاءَ كُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ﴾ إلى قوله: ﴿وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ﴾ [راجع: ۱۶۹۳، ۱۶۹۵]

حدیث کا مطلب

ام کلثوم بنت عقبہ بن معیط یہ مسلمان ہو کر آگئی تھیں، ان کا باپ مسلمانوں کا زبردست دشمن تھا۔ ان کو اللہ ﷻ نے اسلام کی توفیق دی۔

”وہی عاتق“ کے معنی ہیں نوجوان بالکل کمر عمر تھیں۔ ان کے رشتہ دار حضور اکرم ﷺ سے ان کی واپسی کا مطالبہ کرنے آئے، آپ ﷺ نے ان کو واپس نہیں کیا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ یہ معاہدہ مردوں کی حد تک تھا، عورتیں اس میں شامل نہیں تھیں، لہذا معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں پائی گئی۔

(۴) باب إذا اشترط البائع ظهر الدابة إلى مكان مسمى جاز

۲۷۱۸۔ حدثنا أبو نعیم: حدثنا زکریا قال: سمعت عامراً يقول: حدثني جابر:

انہ کان یسیر علی جملہ له قد اعیاء لمر النبی ﷺ فضربه فدعا له فسار سیرا لیس یسیر مثله. ثم قال: ((بعینہ بأوقیة)) قلت: لا ثم قال: ((بعینہ بأوقیة)) فبعته فاستثنیت حملانہ الی اہلی. فلما قدمنا آتیته بالجمل و نقدنی ثمنہ ثم انصرفت فأرسل علی اثری قال: ما کنت لأخذ جملک فخذ جملک ذلک فهو مالک. [راجع: ۴۴۳].

قال شعبة، عن مغيرة، عن عامر، عن جابر: أفرقني رسول الله ﷺ ظهره إلى المدينة. وقال إسحاق عن جرير، عن مغيرة: فبعته على أن لي فقار ظهره حتى أبلغ المدينة. وقال عطاء وغيره: ((ولك ظهره إلى المدينة)). وقال محمد بن المنكدر عن جابر: شرط ظهره إلى المدينة. وقال زيد بن أسلم، عن جابر: ((ولك ظهره حتى ترجع)). وقال أبو الزبير، عن جابر: ((أفرقناك ظهره إلى المدينة)). وقال الأعمش عن سالم، عن جابر: ((تبليغ به إلى أهلك)).

قال أبو عبد الله: الا شروط أكثر وأصح عندی. وقال عبيد الله وابن إسحاق، عن وهب، عن جابر: اشتراه النبي ﷺ بأوقية. وتابعه زيد بن أسلم، عن جابر. وقال ابن جريج، عن عطاء وغيره عن جابر: أخذته بأربعة دنانير، وهذا يكون أوقية على حساب الدينار بعشرة دراهم. ولم يبين الثمن مغيرة، عن الشعبي عن جابر. وابن المنكدر وأبو الزبير عن جابر. وقال الأعمش عن سالم عن جابر: أوقية ذهب. وقال أبو إسحاق عن سالم عن جابر: بمائتي درهم. وقال داؤد بن ليس عن عبيد الله بن مقسم عن جابر: اشتراه بطريق تبوك أحسبه قال: بأربع اواق. و قال أبو نضرة: عن جابر: اشتراه بعشرين ديناراً. وقول الشعبي: بأوقية أكثر؛ الا شروط أكثر وأصح عندی، قاله أبو عبد الله.

یہ حضرت جابرؓ کا واقعہ ہے جو پیچھے بار بار گزر چکا ہے۔ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی بہت سی روایتیں جمع کر دی ہیں۔ ان مختلف روایتوں میں امام بخاریؒ دو باتیں بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ نے جو بیع کی تھی یا اس میں ان کا مدینہ منورہ تک اونٹ پر سوار ہو کر جانا باقہ عدہ بیع میں شرط تھی یا بیع مطلق کی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے شروع میں اس کی مختلف روایتیں نقل کی ہیں اور اس میں صحیح اس کو قرار دیا ہے کہ بیع کے اندر شرط ہوتی تھی چنانچہ پیچھے جو الفاظ آئے ہیں اس میں ”اشترط ظهره المدينة“ کا لفظ آیا ہے، کہیں ”علی أن لی ظهره المدينة“ آیا ہے۔ یہ سب الفاظ شرط پر دلالت کر رہے ہیں۔ امام بخاری رحمہ

اللہ فرماتے ہیں کہ جن روایتوں میں شرط آئی ہے وہ زیادہ کثرت سے ہیں اور میرے نزدیک زیادہ صحیح ہیں۔ یہ امام بخاری کا اپنا خیال ہے۔^۱

دوسرے حضرات حنفیہ وغیرہ نے یہ فرمایا کہ اصل بیع بغیر شرط کے ہوئی تھی، بعد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو خود ہی اجازت دے دی تھی اور س کی دلیل پیچھے وہاں ذکر کی تھی، جہاں اس مسئلہ پر کلام ہوا ہے کہ مسند احمد میں روایت ہے جب یہ بیع ہوگئی تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ اونٹ سے اتر کر کھڑے ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیوں کھڑے ہوئے؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آپ کا اونٹ ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں ”ارکب“ اس پر سوار ہو جاؤ۔^۲

اس روایت میں صراحت ہے کہ بیع کے بعد اتر گئے تھے، اگر بیع کے اندر شرط ہوتی تو اترنے کا سوال ہی نہیں تھا اور جن روایتوں میں ”اشعوط ظہورہ“ وغیرہ آیا ہے اس میں یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ راویوں نے بالمعنی روایت کرتے ہوئے یہ تصرف کیا کہ اس کو اشتراط سے تعبیر کر دیا۔ حقیقت میں اشتراط نہیں تھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت سے یہ بات بعید بھی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ باقاعدہ شرط لگائیں کہ میں مدینہ تک سواری کروں گا۔ گویا یہ خیال کریں کہ اگر میں شرط نہیں لگاؤں گا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تنہا اس صحرا کے اندر چھوڑ دیں گے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ توقع کرنا بھی مشکل ہے کہ انہوں نے باقاعدہ یہ شرط لگائی ہوگی۔ اگرچہ روایتوں میں کثرت سے ”اشعوط“ کا لفظ آیا ہے لیکن وہ راویوں کا تصرف ہے۔

دوسرا اختلاف جو امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں روایتوں میں بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ کس مقدار میں بیع ہوئی تھی؟ تو روایتوں میں مختلف الفاظ آئے ہیں۔ کہیں اوقیہ کا لفظ آیا ہے کہیں چار دینار کا لفظ آیا ہے کہیں دوسو درہم کا لفظ آیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں اوقیہ والی روایت راجح ہے جس میں یہ کہا گیا کہ ایک اوقیہ پر سودا ہوا تھا، پھر انہوں نے وہ اوقیہ اپنے پاس محفوظ بھی رکھا جو حرہ میں جا کر غائب ہوا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک اوقیہ ہی تھا۔

۱۔ وبهذا استدل ابن ابي ليلى: ان من اشترى شيئا واشترط شروطا فالبيع حائز والشروط باطل، وفيه مذهب أبي حنيفة: ان البيع والشروط كلاهما باطلان، ومذهب ابن شبرمة كلاهما جائزان، ولقد ذكرنا هذا في كتاب البيوع في باب: اذا اشترط شروطا في البيع لا يحمل عمدة القاري، ج ۹۰ ص: ۶۱۱.

۲۔ مسندک تحقیق کے لئے ملاحظہ فرمائیں، تکملہ فتح الملہم، ج ۱ ص: ۶۳۳۔ اور مسند احمد کی روایت میں عبارت ہے ’فلنزل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إلى البعير الخ“ یہ نسخہ غلطی ہے، فلہذا جمع: مسند احمد، مسند جابر بن عبد الله الأنصاری، رقم ۱۳۱۷، مطبع بیت الافکار الدولیة، الریاض.

(۶) باب الشروط فی المہر عند عقدۃ النکاح

”وقال عمر: إن مقاطع الحقوق عند الشروط، ولك ماشرطت. وقال المسور: سمعت النبی ﷺ ذکر صہرا لہ فأثنی علیہ فی مصاہرتہ فأحسن، قال: حدثنی فصدقنی و وعدنی فوفی لی“.

”إن مقاطع الحقوق عند الشروط، ولك ماشرطت“ حقوق کی انتہا، مقطع کے معنی انتہا کے ہیں کہ جہاں ہمیں شرط لگا دی گئی وہاں حق ختم ہو جاتا ہے۔

۲۷۲۱۔ حدثنا عبد اللہ بن یوسف: حدثنا اللیث قال: حدثنی یزید بن ابی حبیب، عن ابی الخیر، عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ((أحق الشروط أن توفوا بہ ما استحلتم بہ الفروج)). [أنظر: ۵۱۵۱].

یعنی جن شرطوں کے لیے تم نے فروق کو حلال کیا یعنی نکاح کی شرطوں کو پورا کرنا زیادہ اہم ہے، اور ان کو پورا کرنے کا خیال کرنا چاہیے۔

(۸) باب ما لا یجوز من الشروط فی النکاح

۲۷۲۳۔ حدثنا مسدد: حدثنا یزید بن زویع: حدثنا معمر، عن الزہری، عن سعید، عن ابی ہریرۃ: عن النبی ﷺ قال: ((لا یبیع حاضر لباد، ولا یتناجشوا ولا یزیدن علی بیع أخیہ، ولا یخطبن علی خطبتہ، ولا تسأل المرأة طلاق أختها لتستکفی انا ہا)). [راجع: ۲۱۴۰].

ایک عورت اپنی بہن کی حلیق کا سوال نہ کرے یعنی میں آپ سے اس وقت شادی کروں گی جب اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے۔ ”تستکفی انا ہا“ تاکہ جو کچھ اس کے برتن میں ہے انڈیل لے یعنی شوہر کی طرف سے اس کو جو نقد مل رہا ہے وہ اس سے چھین کر خود اپنے قبضہ میں لے آئے، یہ کرنا جائز نہیں۔

(۱۱) باب الشروط فی الطلاق

وقال ابن المسيب والحسن وعطاء: إن بدأ بالطلاق أو أخرج فهو أحق بشرطه.

۲۷۲۷۔ حدثنا محمد بن عرعرة: حدثنا شعبۃ، عن عدی بن ثابت، عن ابی حازم، عن ابی ہریرۃ: قال: ((نہی رسول اللہ ﷺ عن التلقی، وأن یتناج المہاجر للأعرابی، وأن تشرط المرأة طلاق أختها، وأن یتام الرجل علی سوم أخیہ، ونہی عن النجش، وعن التصریۃ)).

تابعه معاذ و عبدالصمد عن شعبة. وقال غندر و عبدالرحمن: نهى. وقال آدم: نهينا. وقال النضر و حجاج بن منهال: نهى. [راجع: ۲۱۳۰]

طلاق معلق

طلاق کو کسی شرط پر محقق کرنا، اس بارے میں سعید بن المسب، حضرت حسن بصریؒ اور عطاء کا قول نقل کیا ہے کہ طلاق کو پہلے ذکر کرے یا بعد میں دونوں صورتوں میں تعلیق ہو جاتی ہے یعنی یہ کہا کہ ”إن دخلت الدار فأتت طالق“ تو اس سے بھی تعلیق ہو جاتی ہے اور ”أنت طالق إن دخلت الدار“ کہا تب بھی تعلیق ہو جاتی ہے۔ اس مسئلہ میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وأن تشترط المرأة طلاقاً اختصها“ کہ عورت کے سنے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بہن کی صداق کی شرط لگائے، معنی یہ ہیں کہ شوہر سے یہ کہے کہ تم یوں کہو کہ ”إن نکحت هذا فأتت طالق یا أنت طالق إن نکحت هذه“ تو اس شرط کو آپ ﷺ نے اگرچہ ناجائز قرار دیا ہے لیکن یہ ناجائز اس وقت ہو سکتی ہے جب یہ نافذ ہو جائے۔ معلوم ہو کہ طلاق معلق نافذ ہے۔

(۱۲) باب الشروط مع الناس بالقول

۲۷۲۸۔ حدثنا إبراهيم بن موسى: أخبرنا هشام: أن ابن جريج أخبره قال: أخبرني يعلى بن مسلم، و عمرو بن دينار، عن سعيد بن جبیر، يزيد أحدهما على صاحبه، و غيرهما: قد سمعته يحدثه عن سعيد بن جبیر قال: إنا لعند ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: حدثني أبي بن كعب قال: قال رسول اللہ ﷺ: ((موسى رسول الله))، فذكر الحديث. قال: ﴿أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ ۱۔ كانت الأولى نسياناً، والوسطى شرطاً، والثالثة عمداً، ﴿قَالَ لَا تُؤَاخِذُنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا﴾ ۲، لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ فَأَنطَلَقَا فَوَجَدَا لِیْهَا جَذَارًا أَوْبُنًى أَنْ يَقْتُلَهُ فَلَأَقَامَهُ﴾ ۳۔ قرأها ابن عباس (امامهم ملک) [راجع: ۷۷۴].

یہ روایات اس لئے نقل کی ہے کہ لوگ آپس میں بات چیت کے اندر بھی ایک دوسرے پر شرطیں لگا سکتے ہیں کہ تم میرے ساتھ رہو گے تو ان شرطوں کی پابندی کرنی ہوگی۔ جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شرطیں لگائی تھیں۔

(۱۳) باب إذا اشترط في المزارعة: إذا شئت أخرجتك

مزارعت میں اگر زمین کا مالک مزارع سے یہ شرط لگائے کہ میں جب چاہوں گا تمہیں نکال دوں گا تو یہ

شرط لگانا بھی جائز ہے۔

۲۷۳۰۔ حدثنا أبو احمد: حدثنا محمد بن يحيى أبو غسان الكنانى: أخبرنا مالك، عن نافع، عن ابن عمر رضى الله عنهما قال: لما فدع أهل خيبر عبدالله بن عمر قام عمر خطيباً فقال: إن رسول الله ﷺ كان عامل يهود خيبر على أموالهم وقال: ((نقركم ما أقركم الله))، وإن عبدالله بن عمر خرج إلى ماله هناك فعدى عليه من الليل فلدعت يدها ورجلاه وليس لنا هناك عدو غيرهم، هم عدونا وتهمتنا، وقد رأيت إجلاءهم. فلما أجمع عمر على ذلك أتاه أحد بنى أبي الحقيق فقال: يا أمير المؤمنين، أتخرجنا وقد ألبرنا محمد ﷺ وعاملنا على الأموال و شرط ذلك لنا؟ فقال عمر: أظننت أنى نسيت قول رسول الله ﷺ: ((كيف بك إذا أخرجت من خيبر تعدو بك قلوبك ليلة بعد ليلة؟)) فقال: كان ذلك هزيلة من أبى القاسم، فقال: كذبت يا عدو الله، فأجلاهم عمر وأعطاهم ليلة ما كان لهم من الثمر مالا وإبلا وعروضا من أقباب وحبال وغير ذلك. رواه حماد بن سلمة، عن عبيد الله، أحسبه عن نافع، عن ابن عمر، عن عمر عن النبي ﷺ المختصرة.

اس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ ”لما فدع أهل خيبر عبدالله بن عمر“ جب اہل خیبر نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ہاتھ مروڑ دیئے۔

واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کو باغات وغیرہ کی نگرانی، کرایہ اور بنائی وغیرہ وصول کرنے کے لئے خیبر بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وہاں گئے۔ رات کے وقت کسی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو پکڑ کر فیصل سے نیچے گرا دیا۔ نیچے گرنے کی وجہ سے ان کے ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو گئے۔

”فدع“ کے معنی ہیں ہاتھ پاؤں ٹیڑھے کر دینا۔ تو خیبر والوں نے جب ہاتھ پاؤں ٹیڑھے کر دیئے تو ”قام عمر خطيباً“ حضرت عمرؓ نے خصبہ دیا اور فرمایا کہ ”إن رسول الله ﷺ كان عامل يهود خيبر على أموالهم وقال لقركم ما أقركم الله“ آپ نے معاملہ فرمایا تھا اور ساتھ یہ فرمایا تھا کہ ہم ان زمینوں پر برقرار رکھیں گے جب تک اللہ تعالیٰ برقرار رکھے۔

”وان عبدالله بن عمر خرج إلى ماله هناك“ عبداللہ بن عمرؓ وہاں گئے تھے اور رات کے وقت ان پر زیادتی کی گئی کہ ان کے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے گئے۔ اور وہاں یہودیوں کے علاوہ کوئی اور دشمن نہیں ہے۔ ظاہر ہے یہ عمل انہوں نے ہی کیا ہے۔ وہ ہمارے دشمن ہیں اور ہماری تہمت انہی پر ہے کہ یہ حرکت انہوں نے ہی کی ہے۔ اب میں نے ان کو جلا وطن کرنے کا فیصلہ کیا ہے کہ ان کو خیبر سے نکال دیا جائے۔

”فلما اجمع عمر علی ذلك“ جب حضرت عمرؓ نے اس کا فیصلہ کر لیا تو وہاں ابوالحقیق جو یہودیوں کا سردار تھا اس کے بیٹوں میں سے کچھ لوگ آئے اور کہا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے تو ہمیں برقرار رکھا تھا آپ ہمیں نکال رہے ہیں؟ اور ہم سے اسوال کے بارے میں معاملہ کیا تھا؟

”فقال عمرؓ“ عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نبی کریم ﷺ کی بات بھول گیا ہوں جو حضور ﷺ نے تم سے کہی تھی کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہیں خیبر سے نکالا جائے گا، تمہاری اونٹنیاں تمہیں لے کر خیبر میں بھاگی ہوں گی، ایک رات کے بعد دوسری رات۔ اس نے کہا یہ سب حضور اقدس ﷺ کی طرف سے مذاق کی بات تھی۔ ”ہدیلة“ کے معنی ہیں مذاق کی بات۔

”فقال“ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”كذبت يا عدو الله فاجلاهم عمر“

بعد میں حضرت عمرؓ نے ان کو جلا وطن کر دیا۔ ”واعطاهم ليممة ما كان لهم من الغنم“ اور ان کے کیل کا جو حصہ تھا اس کی قیمت میں ان کو مال اہل اور عروض دیئے۔ ”من اقتاب و حبال“ پالان اور رسیاں بھی جب ان کو خیبر سے جلا وطن کر دیا تو یہ تہاء اور اریخا میں جا کر آباد ہو گئے۔

(۱۵) باب الشروط في الجهاد والمصالحة

مع أهل الحرب وكتابة الشروط.

یہ باب قائم کیا ہے کہ جہاد میں شرطیں لگانا اور اہل حرب کے ساتھ مصالحت کرنا اور لوگوں کے ساتھ زبانی شرطیں لگانے کے ساتھ ساتھ ان کی شرطوں کو تحریر کرنا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس میں صلح حدیبیہ کا واقعہ تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے اور صلح حدیبیہ والی یہ حدیث جتنی تفصیل کے ساتھ یہاں ذکر کی ہے مغازی میں بھی اتنی تفصیل سے نہیں آئی۔

۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔ حدیثی عبد اللہ بن محمد: حدثنا عبد الرزاق: أخبرنا معمر قال: أخبرني الزهري قال: أخبرني عروة بن الزبير، عن المسور بن مخرمة ومروان، بصدق كل واحد منهما حديث صاحبه قالا: خرج رسول الله ﷺ زمن الحديبية حتى إذا كانوا ببعض الطريق قال النبي ﷺ: ((إن خالد بن الوليد بالغميم في خيل لقريش طليعة فخذوا ذات اليمين))، فوالله ما شعر بهم خالد حتى إذا هم بقفرة الجيش فانطلق يركض نذير القريش، وسار النبي ﷺ حتى إذا كان بالثنية التي يهبط عليهم منها بركت به راحلته. فقال الناس: حل حل، فالتحت فقالوا: خلأت القصواء، خلأت القصواء. فقال

النبي ﷺ: ((ما خلأت القصواء، وما ذاك لها بخلق ولكن حبسها حابس الفيل))، ثم قال: ((والذي نفسي بيده لا يسألونني خطئة يعظمون فيها حرمة الله إلا أعطيتهم إياها)). ثم زجرها فوثبت، قال: فعدل عنهم حتى نزل بأقصى الحديبية على ثمذ قليل الماء يبرضه الناس تبرضا، فلم يلبثه الناس حتى نزحوه وشكى إلى رسول الله العطش. فانتزع سهمان من كنانته ثم أمرهم أن يجعلوه فيه، فوالله ما زال يجيش لهم بالرى حتى صدروا عنه فبينما هم كذلك إذ جاء بديل بن ورقاء الخزاعي في نفر من قومه من خزاعة وكانو عيبة نصح رسول الله ﷺ من أهل تهامة فقال: إني تركت كعب بن لؤي وعامر بن لؤي نزلوا أهداد مياه الحديبية ومعهم العوذ المطافيل وهم مقاتلوك وصادوك عن البيت، فقال رسول الله ﷺ: ((إننا لم نجئ لقتال أحد ولكننا جئنا معتمرين، وإن قريشا قد نهكتهم الحرب وأضرت بهم فإن شأوا ما ددتهم مدة ويخلوا بيني وبين الناس فإن أظهر، فإن شأوا أن يدخلوا فيما دخل فيه الناس فعلوا وإلا فقد جموا. وإن هم أبوا فالذي نفسي بيده لأقاتلنهم على أمرى هذا حتى تنفرد سألقتي، ولينفدن الله أمره)). فقال بديل: سأبلغهم ما تقول. قال: فانطلق حتى أتى قريشا، قال: إن قد جئناكم من هذا الرجل وسمعناه يقول قولا، فإن شئتم أن تعرضه عليكم فعلننا. فقال سهاؤهم: لا حاجة لنا أن نخبرنا عنه بشئ. وقال ذوو الرأي منهم: هات ما سمعته يقول، قال: سمعته يقول كذا وكذا، فحدثهم بما قال النبي ﷺ فقام عروة بن مسعود فقال: أي قوم، أستمم بالولد؟ وألست بالوالد قالوا: بلى، قال: فهل تتهموني؟ قالوا: لا، قال: أستم تعلمون أني استغفرت أهل عكاظ فلما بلحوا على جنتكم بأهلي وولدي ومن أطاعني؟ قالوا: بلى، قال: فإن هذا قد عرض لكم رشد، قبلوها ودعوني آتة. قالوا: آتة، فاتاه فجعل يكلم النبي ﷺ فقال النبي ﷺ نحو من قوله لبديل. فقال عروة عند ذلك: أي محمد، أرايت إن استأصلت أمر قومك، هل سمعت بأحد من العرب اجتاح أهله قبلك؟ وإن تكن الأخرى، فإنني والله لا أرى وجوها وإنني لأرى أشوبا من الناس غليقا أن يفرروا ويدعوك. فقال له أبو بكر ﷺ: امصص بظفر اللات، ونحن نفر عنه وندعه؟ فقال: من ذا؟ قالوا: أبو بكر، قال: أما والذي نفسي بيدي لو لا يد كانت لك عندي لم أجرك بها لأجبتك. قال: وجعل يكلم النبي ﷺ فكلما تكلم كلمه أخذ بلحيته والمغيرة بن شعبة قائم على رأس النبي ﷺ ومعه السيف وعليه المغفر. فكلما أهوى عروة بيده إلى لحية النبي ﷺ ضرب يده بنعل السيف وقال له: أخرج

يدك عن لحية رسول الله، فرفع عروة رأسه فقال: من هذا؟ قال المغيرة بن شعبة، فقال: أي غدر، ألسنت أسعى في غدرتك؟ وكان المغيرة صاحب قوم في الجاهلية فقتلهم وأخذوا أموالهم ثم جاء فأسلم. فقال النبي ﷺ: ((أما الإسلام فأقبل، وأما المال فلست منه في شيء)). ثم إن عروة جعل يرمى أصحاب النبي ﷺ بعينة، قال: فوالله ما تنخه رسول الله ﷺ نخامة إلا وقعت في كف رجل منهم فدلوك بها وجهه وجلده. وإذا أمرهم ابتدروا أمره. وإذا توضعوا كادوا يقتتلون على وضوئه. وإذا تكلموا خفضوا أصواتهم عنده، وما يحدثون إليه النظر تعظيماً له. فرجع عروة إلى أصحابه فقال: أي قوم، والله لقد ولدت على الملوك وولدت على قيسر وكسرى والنجاشي. والله إن رأيت ملكاً قط يعظمه أصحابه ما يعظم أصحاب محمد ﷺ محمداً. والله إن يتنخم نخامة إلا وقعت في كف رجل منهم فدلوك بها وجهه وجلده. وإذا أمرهم ابتدروا أمره، وإذا توضعوا كادوا يقتتلون على وضوئه، وإذا تكلموا خفضوا أصواتهم عنده، وما يحدثون النظر إليه تعظيماً له. وإنه قد عرض عليكم خطة رشد فاقبلوها، فقال رجل من بني كنانة: دعوني آتة، فقالوا: آتة. فلما أشرف على النبي ﷺ وأصحابه قال رسول الله ﷺ: ((هذا فلان وهو من قوم يعظمون البدن لما بعثوها له))، فبعثت له، واستقبله الناس يلبنون. فلما رأى ذلك قال: سبحان الله، ما ينسفي لهؤلاء أن يصدروا عن البيت. فلما رجع إلى أصحابه قال: رأيت البدن قد ولدت وأشمرت، فما أرى أن يصدروا عن البيت. فقام رجل منهم يقال له: مكرز بن حفص، فقال: دعوني آتة، فقالوا: آتة. فلما أشرف عليهم قال النبي ﷺ: ((هذا مكرز وهو رجل فاجر))، فجعل يكلم النبي ﷺ فيسماهر بكلمه إذ جاء سهيل بن عمرو، قال معمر: فأخبرني أي، عن عكرمة: أنه لما جاء سهيل بن عمرو قال النبي ﷺ: ((قد سهل لكم من أمركم)). قال معمر: قال الزهري في حديثه: جاء سهيل بن عمرو فقال: هات اكتب بيننا وبينكم كتاباً، فدعا النبي ﷺ الكاتب فقال النبي ﷺ اكتب: ((بسم الله الرحمن الرحيم))، فقال سهيل: أما الرحمن فوالله ما أدري ما هي، ولكن اكتب: باسمك اللهم، كما كنت تكتب. فقال المسلمون: والله لا نكتبها إلا بسم الله الرحمن الرحيم. فقال النبي ﷺ: ((أكتب: باسمك اللهم)). ثم قال: ((هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله))، فقال سهيل: والله لو كنا نعلم أنك رسول الله ما صدقناك عن البيت ولا قاتلناك. ولكن اكتب: محمد بن عبد الله، فقال النبي ﷺ: ((والله إني لرسول الله وإن كذبتموني، اكتب: محمد بن عبد الله)).

قال الزهري : وذلك لقوله : ((لا يسألونى خطة يعظمون فيها حرمان الله إلا أعطيتهم إياها)) . فقال له النبى ﷺ : ((على أن تخلوا بيننا وبين البيت فنطوف به)) . فقال سهيل : والله لا نتحدث العرب أنا أخذنا ضفطة ، ولكن ذلك من العام المقبل ، فكتب . فقال سهيل : وعلى أنه لا يأتىك منا رجل وإن كان على دينك إلا رددته إلينا قال المسلمون : سبحان الله ، كيف يرد إلى المشركين وقد جاء مسلما ؟ فيبئنا هم كذلك إذ دخل أبو جندل بن سهيل بن عمرو يرسف فى قيوده . وقد خرج من أسفل مكة حتى رمى بنفسه بين أظهر المسلمين فقال سهيل : هدايا محمد أول من أفاضيك عليه أن تروده إلى . فقال النبى ﷺ : ((إننا لم نقض الكتاب بعد)) . قال : قواله إذا لم أصالحك على شىء أبدا . قال النبى ﷺ : ((فأجزه لى)) . قال : ما أنا بمجير ذلك لك . قال : ((بلى فافعل)) . قال : ما أنا بفاهل . قال مكروز : بل قد أجزناه لك . قال أبو جندل : أى معشر المسلمين ، أورد إلى المشركين وقد جئت مسلما ؟ ألا ترون ما قد لقيت ؟ وكان قد عذب عذابا شديدا فى الله ، قال : قال عمر بن الخطاب : فأتيت نبى الله ﷺ فقلت : ألسنت نبى الله حقا ؟ قال : ((بلى)) . قلت : ألسنا على الحق وعدونا على الباطل ؟ قال : ((بلى)) . قلت : فلم نعطى الدنيا فى ديننا إذن ؟ قال : ((إني رسول الله ولست أعصيه ، وهو ناصرى)) . قلت : أوليس كنت تحدثنا أنا سنأتى البيت فنطوف به ؟ قال : ((بلى ، فأخبرتك أنا نأتيه العام)) . قال : قلت : لا ، قال : ((فإنك آتبه ومطوف به)) . قال : فأتيت أبا بكر ، فقلت : يا أبا بكر ، أليس هذا نبى الله حقا ، قال : بلى ، قلت : ألسنا على الحق وعدونا على الباطل ؟ قال : بلى ، قلت فلم نعطى الدنيا فى ديننا إذن ؟ قال : أيها الرجل ، إنه لرسول الله ﷺ وليس يعصى ربه وهو ناصره ، فاستمسك بفرزه فوالله انه على الحق ، قلت : أليس كان يحدثنا أنا سنأتى البيت فنطوف به ؟ قال : بلى ، فأخبرتك أنك نأتيه العام ؟ قلت : لا . قال : فإنك آتبه ومطوف به . قال : الزهوى : قال عمر : لعملت لذلك أعمالا . قال : فلما فرغ من قضية الكتاب قال رسول الله ﷺ لأصحابه : ((قوموا فانحروا ثم احلقوا)) . قال : فوالله ما قام منهم رجل حتى قال ذلك ثلاث مرات ، فلما لم يبق منهم أحد دخل على أم سلمة فذكر لها ما لقي من الناس فقالت أم سلمة : يا نبى الله ، أتحب ذلك ؟ أخرج ثم لا تكلم أحدا منهم كلمة ، حتى تنحر بدنك ، وتدعو حالقك فيحلقك . فخرج فلم يكلم أحدا منهم حتى فعل ذلك . نحر بدنه ، ودعا حالقه فحلقه . فلما رأوا ذلك قاموا فنحروا وجعل بعضهم يحلق بعضا

حتى كاد بعضهم يقتل بعضا غما. ثم جاءه نسوة مؤمنات، فأنزل الله تعالى ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ﴾ ۷ حتى بلغ ﴿بَعْضُ الْكُوفِرِ﴾ فطلق عمر يومئذ امرأتين كانتا له في الشرك. فتزوج إحداهما معاوية بن أبي سفيان، والأخرى صفوان بن أمية. ثم رجع النبي ﷺ إلى المدينة فجاءه أبو بصير رجل من قريش وهو مسلم، فأرسلوا في طلبه رجلين، قالوا: العهد الذي جعلت لنا، فدفعه إلى الرجلين، فخرجوا به حتى بلغوا ذا الحليفة، فنزلوا يأكلون من تمر لهم، فقال أبو بصير لأحد الرجلين: والله إنى لأرى سيفك هذا يا فلان جيدا، فاسعله الآخر فقال: أجل والله، إنه لجيد، لقد جربت به ثم جربت. فقال أبو بصير: أرأيت أنظر إليه، فأمكنه منه، فضربه حتى برد وفر الآخر حتى أتى المدينة، فدخل المسجد يعدو، فقال رسول الله ﷺ حين رآه: ((لقد رأيت هذا ذعورا))، فلما انتهى إلى النبي ﷺ قال: قتل صاحبي وإلى لمقتول. فجاء أبو بصير فقال: يا نبي الله قد والله أولى الله ذمك، قد رددتني إليهم ثم أنجاني الله منهم. قال النبي ﷺ: ((ويل أمه منعو حرب لو كان له أحد)). فلما سمع ذلك عرف أنه سبرده إليهم، فخرج حتى أتى سيف البحر، قال: وينقلت منهم أبو جندل بن سهيل فلحق بأبي بصير، فجعل لا يخرج من قريش رجل قد أسلم إلا لحق بأبي بصير حتى اجتمعت منهم عصابة، فوالله ما يسمعون بعير عرجت لقريش إلى الشام إلا اعترضوا لها فقتلوهم وأخذوا أموالهم. فأرسلت قريش إلى النبي ﷺ تناسده الله والرحم لما أرسل: فمن أتاه فهو آمن، فأرسل النبي ﷺ إليهم فأنزل الله تعالى ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِطَغْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ﴾ ۸ حتى بلغ ﴿الْحَبِيبَةَ حَمِيمَةَ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ ۹ كانت حميمتهم أنهم لم يقرؤا بسم الله الرحمن الرحيم. وحالوا بينهم وبين البيت.

[راجع: ۱۶۹۳، ۱۶۹۵]

قال أبو عبد الله: ﴿مَعْرَةَ﴾ (العرة: الجرب، ﴿تزئلوا﴾: تميزوا، وحميت القوم:

منعتهم حماية، واحميت الحمى.

صلح حدیبیہ کی تفصیل مع تشریح حدیث

یہ حدیث حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان کی مشترک روایت ہے۔ یعنی کچھ حصہ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور کچھ حصہ مروان نے روایت کیا ہے۔ اور کچھ حصہ دونوں سے مروی ہے۔ "بصدق کل

واحد منہما حدیث صاحبہ "ان میں سے ہر ایک اپنے صاحب کی حدیث کی تصدیق کر رہا تھا۔ مروان چونکہ صحابی نہیں ہیں بلکہ تابعی ہیں اس لئے ان کی روایت مرسل ہے اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں لیکن یہ صلح حدیبیہ کے وقت موجود نہیں تھے، لہذا ان کی روایت بھی یقیناً مرسل ہے۔ تو ایک مرسل صحابی رضی اللہ عنہ ہے اور دوسری مرسل تابعی ہے، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے ان دونوں کے مجموعہ کو صحیح سمجھتے ہوئے یہاں روایت کیا ہے "قالا" یہ دونوں کہتے ہیں، "خروج رسول اللہ ﷺ زمن الحديبية حتى اذا كنا نوا بعض الطريق" جب آپ ﷺ راستہ میں تھے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا "ان خالد بن الوليد بالعميم في عيل لقريش طليعة"۔

واقعہ یہ تھا کہ جب آپ ﷺ سفر کے لئے روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ کے قریب دو تین مرحلے کے فاصلہ پر پہنچے، اس وقت آپ ﷺ کو آپ کے جاسوس نے یہ اطلاع دی کہ قریش مکہ ایک بڑا لشکر لے کر ذوطوی کے مقام پر جمع ہو گئے ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکیں۔ (پہلے کتاب الحج میں گزر چکا ہے کہ لوگ عام طور پر ذوطوی سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوا کرتے تھے اور وہیں پر غسل بھی کیا جاتا تھا)۔

آپ ﷺ کو ساتھ ساتھ یہ اطلاع ملی کہ ان کا ہراول دستہ یعنی مقدمتہ الحیش خالد بن الولید کی سرکردگی میں غمیم کے مقام پر جمع ہے تو آپ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ خالد بن الولید غمیم کے مقام پر قریش کے کچھ لشکر کے ساتھ موجود ہیں۔ "طليعة" بطور ہراول دستے یعنی "مقدمتہ الحیش" کے "فخذوا ذات اليمين" آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اب آپ یہاں سے دائیں طرف کا راستہ پکڑ لیں یعنی مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے عام راستہ ذوطوی کا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ذوطوی کا راستہ چھوڑ دو اور دائیں طرف رخ کر کے کوئی دوسرا راستہ تلاش کرو جس سے ہم نکل جائیں۔ بلکہ روایتوں میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کوئی ہے جو دوسرا راستہ بتائے؟ ایک صاحب نے کہا ہاں! میں بتاتا ہوں انہوں نے ایک بڑا دشوار گزار راستہ بتایا اور اس پر لے کر چلے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ حدیبیہ پہنچنے ورنہ عام طور سے لوگ مدینہ منورہ سے آتے ہیں تو راستہ میں حدیبیہ نہیں پڑتا۔

(اب بھی اگر آپ براستہ سڑک مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جائیں تو راستہ میں ذوطوی پڑتا ہے، حدیبیہ نہیں پڑتا، حدیبیہ جدہ سے جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے)۔ اس واسطے آپ ﷺ راستہ کاٹ کر تشریف لے گئے۔

"فوالله ما شعر بهم خالد حتى اذا هم بقترة الحيش" خالد اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہ کافروں کی طرف سے مقدمتہ الحیش کے طور پر نکلے ہوئے تھے، ان کو حضور اقدس ﷺ کے آنے کا احساس

نہیں ہوا، یہاں تک کہ اچانک ان کو لشکر کا غبار نظر آیا۔ ”فتورۃ“ سیاہ غبار کو کہتے ہیں، جب ان کو حضور اقدس ﷺ کے لشکر کا سیاہ غبار نظر آیا تب انہیں پتہ چلا کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔ ”فانطلق ہر کھض نذیر القریبش“ وہاں سے قریش کو ڈرانے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے کہ دیکھو حضور اقدس ﷺ کا لشکر آ گیا۔ اور آپ ﷺ چلتے رہے، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ اس گھائی پر پہنچے جس سے حرم کی طرف اترنا تھا تو اچانک آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی اور آگے نہیں چلی۔

”لقال الناس حل حل“ لوگوں نے اونٹنی کو چلانے کے لئے آوازیں نکالیں، عام طور سے اونٹوں کو چلانے کے لئے ”حل حل“ کی آواز نکالی جاتی تھی یعنی چل چل تو لوگوں نے اس اونٹنی کو چلانے کے لئے مختلف آوازیں نکالیں حل حل یعنی چل چل، اس میں کئی نعتیں ہیں، سب استعمال ہوتی تھیں۔ ”فالحلت“ وہ اونٹنی اصرار کرنے لگی، مطلب یہ ہے کہ وہ اونٹنی چلانے کی آواز دینے کے باوجود نہیں اٹھی، ”فقالوا حللات القصواء حللات القصواء“ قصواء حضور اقدس ﷺ کی اونٹنی کا نام تھا، لوگوں نے کہا کہ قصواء اڑ گئی یعنی ضد پر آگئی کہ اٹھ نہیں رہی اور چل نہیں رہی ہے۔

”لقال النبی ﷺ : ما حللات القصواء، وما ذاک لها بخلق ولكن حسبها حابس“

”الفیل“ کہ قصواء نہیں اڑی اور نہ ایسا اڑنا اس کی عادت ہے۔ یہ قصواء حضور اقدس ﷺ کی خاص اونٹنی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی خاص ہدایات سے نوازا تھا اس واسطے فرمایا کہ یہ اڑی نہیں اور نہ یہ اس کی عادت ہے لیکن اس کو روکنے والے نے روک دیا جس نے ہاتھیوں کو روک دیا تھا مراد ہے کہ اللہ ﷻ نے روکا ہے۔

”حابس الفیل“ کہنے کی حکمت

حابس الفیل کا لفظ اس لئے استعمال کیا کہ جس طرح اصحاب الفیل آئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو حرم میں داخل ہونے سے روک دیا تھا کیونکہ اگر وہ حرم میں داخل ہوتے تو قتل و قتال ہوتا اور اس مقدس خطے کی حرمت پامال ہوتی۔ اس لئے انہیں داخل ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے روک دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس قصواء کو یہاں روک دیا کیونکہ اگر آگے بڑھیں گے تو مشرکین سے مقابلہ ہوگا اور مقابلہ کے بیچے میں خوزریزی ہوگی جس سے حرم کی حرمت پامال ہوگی۔

”ثم قال.....إلا اعطيتهم إياها“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں

میری جان ہے یہ کافر و مشرک لوگ مجھ سے کسی بھی ایسے طریقہ کار کا سوال نہیں کریں گے جس میں اللہ کی حرمتوں کی تعظیم ہو مگر میں ان کو وہ دیدوں گا۔

معنی یہ ہے کہ میرا لڑنے کا ارادہ نہیں ہے اور میں اس وقت قتال کا ارادہ لے کر نہیں آیا بلکہ عمرہ کرنے آیا ہوں۔ اب اگر یہ لوگ بیچ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اور رکاوٹ کے بعد صلح کی بات کریں اس میں مجھ سے جو مطالبہ چاہیں کریں میں اس کو قبول کر لوں گا بشرطیکہ وہ مطالبہ تعظیم حرمت اللہ کے خلاف نہ ہو۔ ”قسم زجر ہا فوئبت“ جب آپ ﷺ نے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا کہ میرا لڑنے کا ارادہ نہیں بلکہ صلح کا ارادہ ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے اونٹنی کو اٹھایا تو وہ کود کر کھڑی ہو گئی اور چلنے لگی۔ گویا یہ اس وقت اللہ ﷻ کی طرف سے اشارہ تھا کہ اس وقت اگر صلح کے ارادہ سے آگے بڑھ رہے ہیں تو ٹھیک ہے، لڑنے کے ارادہ سے آگے مت بڑھئے۔

”قال: فعدل عنہم“ آپ ﷺ نے ان یعنی کفار کے لشکر سے ابرام فرمایا ”حتی نزل بالقیس الحدیبیۃ“ یہاں تک کہ آپ ﷺ حدیبیہ کی انتہا تک جا کر اتر گئے، ”علی فمد للیل الماء“ ایک چشمہ پر جو بہت کم پانی والا تھا۔

ایک معجزہ کا تذکرہ کہ چشمہ ابل پڑا

شم سے چشمہ مراد ہے جس میں بہت کم پانی تھا ”یعمرو صہ الناس تہر صا“ لوگ اس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی لے رہے تھے، ”فللم یلبثہ الناس حتی نزل حوہ“ اس کو لوگوں نے چھوڑا نہیں، لفظی معنی ہے ٹھہرایا نہیں، اس میں زیادہ انتظار نہیں کیا یہاں تک کہ پورا کا پورا کنواں خشک کر دیا، پورا پانی لے لیا۔

”وہسکی الی رسول اللہ ﷺ العطش“ لوگوں نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ سررا پانی ختم ہو گیا ہے اور پیاس لگی ہوئی ہے۔

”فما تزع سہما من کسانتہ لم امر ہم ان یجعلوہ فیہ“ آپ ﷺ نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اور حکم دیا کہ یہ تیر لے جا کر اس میں ڈال دو۔

”فواللہ ما زال یحیش لہم بالری حتی صدر واعدہ“ اللہ کی قسم وہی کنواں جو خشک ہو گیا تھا آپ ﷺ کے تیر ڈالنے کے بعد جوش مارنے لگا ”ری“ سیراب کرنے والے پانی کے ساتھ خوب پانی نکلنے لگا یہاں تک کہ وہ اس سے نکلے۔

”فبینما ہم کذلک اذ جاء بدیل بن ورقاء الخزاعی فی نفر من قومہ.. من خزاعۃ“ ابھی آپ ﷺ اسی حالت میں تھے کہ اتنے میں بدیل بن ورقاء الخزاعی اپنی قوم خزاعہ کے لوگوں کیساتھ آئے۔ پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ خزاعہ کے ساتھ معاہدہ تھا تو وہ آئے اور یہ مسلمان ہو گئے تھے

”کما نواعیۃ نصح رسول اللہ ﷺ من اهل تہامۃ“ اور یہ بدیل بن ورقاء الخزاعی ﷺ حضور ﷺ کے خیر خواہ، رازدار تھے۔

”عیبہ“ اصل میں پوٹلی کو کہتے ہیں، جس میں آدمی اپنی چیزیں چھپا کر رکھتا ہے، اس لئے یہ لفظ رازدار کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے آپ ﷺ نے انصار کے بارے میں فرمایا کہ ”ہم کوشی و عیسیٰ“ اور صحیح کے معنی ہیں خیر خواہی، یعنی خیر خواہی کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کے رازدار تھے اور اہل تہامہ میں سے تھے۔

تہامہ سے کیا مراد ہے؟

تہامہ اس علاقہ کو کہا جاتا ہے جو مکہ مکرمہ سے لے کر ساحل سمندر تک کا سطحی علاقہ ہے، اس میں پہاڑ نہیں ہیں، جدہ بھی اسی تہامہ کا حصہ ہے۔

تو وہاں کے لوگ آئے اور آ کر کہا کہ میں کعب بن لؤی اور عامر بن لؤی قریش کے ان دونوں بڑے قبیلوں کو حد بیبہ کے بہت زیادہ پانی والے چشموں کے پاس چھوڑ کر آیا ہوں کہ وہ وہاں اترے ہوئے ہیں۔

”اعداد“ ”عد“ کی جمع ہے اور ”عد“ یا ”عدہ“، ”العُدّ“ اس پانی کو کہتے ہیں جو بہت آسان سے بہ رہا ہو۔ تو حد بیبہ کے مختلف چشمے ہیں ان میں سے جو بالکل تیار ہیں کثرت سے پانی دینے والے ہیں کعب بن لؤی اور عامر بن لؤی وہاں جا کر اتر گئے ہیں کہ انہوں نے حد بیبہ کے علاقے میں جو اچھے اچھے کنویں تھے ان پر قبضہ کر لیا تھا اور حضور اقدس ﷺ کے لئے چھوٹا سا چشمہ رہ گیا تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے معجزہ ظاہر فرمایا کہ پانی میں برکت عطا ہوئی۔

”ومعہم العوذ المطاہل“ اور ان کے پاس دودھ دینے والی اور بچے دینے والی اونٹنیاں بھی ہیں۔

عوذ، دودھ دینے والی اونٹنی کو اور ”مطاہل“ بچوں والی اونٹنی کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ کھانے پینے کا پورا سامان موجود ہے۔

”وہم مقاتلوک“ وہ آپ سے لڑنے کے ارادہ سے آئے ہیں ”صنادوک عن البیت“ اور آپ کو بیت اللہ سے روکنا چاہتے ہیں۔ ”فقال رسول اللہ ﷺ: انا لم نجعل لقتال احد“ کہ دیکھو بھائی ہم کسی سے لڑنے کیلئے نہیں آئے، قریش کی لڑائیاں چل رہی ہیں، اور ان لڑائیوں سے خود ان کو نقصان پہنچا ہے۔

”فان شاور امان دنہم مدۃ“ اگر وہ چاہیں تو میں ان کے لئے جنگ بندی کی مدت مقرر کر دوں گا، اور وہ مجھے اور لوگوں کے ساتھ چھوڑ دیں یعنی میرے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کر لیں تاکہ پھر میں یکسوئی کے ساتھ عرب کے دوسرے قبیلے میں دعوت و تبلیغ کا کام کروں۔ پھر اگر یہ قریش کے لوگ دین میں داخل ہونا چاہیں جس میں دوسرے لوگ شامل ہو چکے ہوں۔ یعنی دوسرے عرب مسلمان ہو گئے تو اگر یہ بھی مسلمان ہونا چاہیں گے تو ایسا کر لیں۔ اور اگر ان کا ارادہ اسلام لانے کا نہیں ہے تب بھی کم از کم جنگ بندی کی مدت کے دوران یہ آرام کر چکے ہوں گے۔

”والا فقد جموا“ کے اصل معنی ہیں جمع کرنا، خاطر جمع کرنا، مراد ہے راحت لے لینا، آرام لے لینا۔ تو ان کو کم از کم اتنا فائدہ ہوگا کہ اس عرصہ میں ان کو سانس لینے کا موقع مل جائے، آرام مل جائے گا، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ یہ مجھ سے ایک مدت تک صلح کرنا چاہیں تو کر لیں۔

”وان ہم ابوا“ اور اگر یہ میری طرف سے صلح کی پیشکش کے باوجود انکار کریں اور صلح پر آمادہ نہ ہوں تو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ان سے اپنے اس معاملہ میں ٹرٹا رہوں گا یہاں تک کہ میری گردن الگ ہو جائے۔ ”حتی تنفرد سالفی۔ سالفہ“ اصل میں گردن کو کہتے ہیں اور تنفردہ کے معنی ہیں منفرد ہو جائے یعنی الگ ہو جائے، یہ قتل سے کنایہ ہے۔ مطلب ہے یہاں تک کہ میں شہید ہو جاؤں اور قتل ہو جاؤں، میری گردن الگ ہو جائے۔ بعض لوگوں نے اس کے یہ معنی مان کئے ہیں کہ تنہا بھی ہو جاؤں اور کوئی میرا ساتھ نہ دے تب بھی میں اس دین کے لئے قتال کرتا رہوں گا۔

”ولینفدن اللہ امرہ“ اور اللہ تعالیٰ اپنے امر کو نافذ کر کے رہے گا۔

”فقال بدیل : سألہم..... عنہ بشی“ میں نے ان سے ایک بات سنی ہے اگر تم چاہو تو میں تمہیں پیش کر دوں۔ بیوقوفوں نے کہا کہ ہمیں نہیں چاہئے، جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں ہمیں نہ بتائیں، ان میں سے جو ذی رائے تھے انہوں نے کہا لاؤ، بتاؤ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

”قال سمعہ..... ألت بالوالد قالوا : بلی“ یہ عروۃ بن مسعود ثقفی ہیں۔ قریش نہیں ہیں، طائف میں تھے وہاں سے مکہ مکرمہ چلے آئے تھے، انہوں نے کہا اے قوم کیا میں تمہارے لئے باپ جیسا نہیں ہوں؟ کیا تم میرے لئے اولاد کی طرح نہیں ہو؟

اور بعض روایتوں میں اس کے برعکس آیا ہے کہ اس نے کہا، ”ألت بالولد؟ قالوا : بلی، قال ولستم بالوالد؟ قالوا : بلی“ یہ دوسری بات نسب کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ عروۃ بن مسعود کی والدہ قریش سے تعلق رکھتی تھیں تو انہوں نے قریش کو والد اور اپنے آپ کو ولد قرار دیا۔

”قال : فهل تنہمونى؟“ کیا تم مجھے تمہم کرتے ہو کہ میں تمہاری خیر خواہی کے خلاف کوئی بات کہوں گا۔

”قالوا : لا، قال : ألتم تعلمون أنى استنفرت أهل عکاظ فلما بلحوا علی جنتکم باہلی وولدی ومن اطاعنى؟“

کیا تمہیں پتہ ہے کہ میں نے اہل عکاظ کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ قریش کے پاس جاؤ اور انکی مدد کرو، جنی جناب رسول اللہ ﷺ کے خلاف میں نے اہل عکاظ کو تمہاری مدد کے لئے بھارا تھا، جب انہوں نے میری بات نہیں مانی اور انکار کیا تو میں خود اپنے گھر والوں کو اور اپنی اولاد کو اور جو میری اطاعت کرنے والے ہیں ان کو

لے کر آپ کے پاس آگیا، یعنی ان کے ساتھ اپنی وفاداری کا اظہار کر رہے ہیں کہ میں تو چاہتا تھا کہ سارے عکاظ کے لوگ آپ کی مدد کریں لیکن جب وہ آپ کی مدد سے منکر ہو گئے تو میں اور تو کچھ نہیں کر سکتا تھا، اپنی اولاد، گھر والوں اور اپنے تابعین کو لے کر آپ کے پاس آگیا۔ اب اس نے کہا ”فان هذا قد عرض لكم خطه وهدى“ کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارے سامنے ایک ہدایت اور مصلحت کا راستہ تجویز کیا ہے۔ اس کو قبول کر لو، یعنی صلح والے راستہ کو، اور مجھے ذرا ان کے پاس جانے دو، اس پر انہوں نے کہا کہ آپ جائیے، آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بات کرنی شروع کی، آپ ﷺ نے ان سے وہی گفتگو فرمائی جو بدیل بن ورقاء سے فرمائی تھی کہ اگر وہ صلح کرنا چاہیں تو میں صلح کرنے کو تیار ہوں لیکن اگر نہیں تو پھر میں لڑنے کو بھی تیار ہوں۔

”فقال عرضوا عند ذلك“ عروۃ نے اس موقع پر اپنا رعب جمانا چاہا اور کہا کہ دیکھیں، لڑائی میں دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ ہو سکتی ہے کہ آپ کامیاب ہو جائیں اور اسکے نتیجے میں اپنی قوم کا بیج مار دیں، ان سب کا استیصال و خاتمہ کر دیں اگر ایسا ہے تو کیا آج تک آپ نے کسی قوم کی تاریخ میں دیکھا ہے کہ کسی شخص نے اپنی قوم کا بیج مار دیا ہو؟ تو یہ بدنامی آپ کے سر آئے گی کہ آپ نے اپنی قوم کا بیج مار دیا۔

اور اگر آپ کامیاب نہ ہوئے بلکہ قریش کے لوگ کامیاب ہو گئے اور ان کو فتح حاصل ہو گئی تو پھر آپ کا انجام بہت خراب نظر آتا ہے۔ اس واسطے کہ یہ جو لوگ آپ کے پاس جمع ہیں آپ کے صحابہ کرام ﷺ یہ مختلف قبیلوں اور مختلف علاقوں کے لوگ ہیں۔ جب یہ دیکھیں گے آپ مغلوب ہو گئے ہیں تو یہ سب آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوں گے۔ یہی کہنا چاہتے ہیں کہ اگر آپ اپنی قوم کے معاملہ کو جزئہ ختم کر دیں استیصال جزئہ سے ختم کرنے کو کہتے ہیں ”هل سمعت باحد من العرب“ کیا عرب کو آپ نے سنا ہے کہ ”اجحاح اہلہ لہلک“ جس نے آپ سے پہلے اپنی جزئہ ختم کر دی ہو۔

”وان تكن الاخرى“ اور اگر صورت حال دوسری ہوئی یعنی آپ مغلوب ہو گئے ”فانسى والله لا ادرى وجوها“ تو اللہ کی قسم مجھے آپ کے ساتھیوں میں ایسے چہرے نظر آ رہے ہیں، مختلف قبیلوں اور علاقوں کے طے جلے لوگ نظر آ رہے ہیں، ”خليفة ان يفرو او يبدعوك“ جو اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ ایسی صورت میں بھاگ کھڑے ہوں گے اور آپ کو اکیلا چھوڑ دیں گے۔ اس نے صحابہ کرام ﷺ کے بارے میں ایسی بات کہہ دی۔

صدیق اکبر ﷺ کی غیرت ایمانی اور دفاع صحابہ ﷺ

”فقال له ابو بكر ﷺ“ صدیق اکبر ﷺ سے یہ بات برداشت نہ ہوئی اور شاید ساری زندگی میں

کسی کو ایسی سڑی ہوئی گالی نہ دی ہوگی، فوراً صدیق اکبر ﷺ نے کہا ”امصص بظر الللات انحن نفر عنہ وندعه؟“ یہ بڑی مغفظ گان تھی، کیونکہ اہل عرب میں بھی جو عامی قسم کے لوگ تھے وہ یہ گالی دیتے تھے لیکن وہ بھی طرح کہ ”امصص بظر امک“۔ ”بظر“ شرم گاد کے اندر ایک بوٹی ہوتی ہے جو خندہ کے اندر رہ جاتی ہے اس کو بضر کہتے ہیں۔ آج کل انگریزی میں اس کو کلٹائی ٹورس (clitoris) کہتے ہیں اور ”امصص“ کے معنی ہیں ”چوسنا“۔

عام طور پر گالی دینے والے ماں کے لفظ کے ساتھ دیتے تھے کہ ”امصص بظر امک“، لیکن صدیق اکبر ﷺ نے اس کو اور زیادہ مغفظ کرنے کے لئے، اس کی طرف منسوب کر کے گالی دی۔ لات انکابت تھا اور کہتے تھے۔ یہ اللہ میوں کی بیٹی ہے تو صدیق اکبر ﷺ نے ”امصص بظر الللات“۔

اسلام میں سخت الفاظ کا استعمال اور اس کا حکم

معلوم ہوا کہ جہاں جہاد ہوا، مشرکین کے ہاتھ مقابلہ ہو اور جہاں مسلمانوں کی غیرت کو لٹکا راجائے تو ایسے موقع پر اس قسم کے الفاظ کے استعمال کی گنجائش ہے ورنہ صدیق اکبر ﷺ جیسے نرم خو، خلیق اور با آدب آدمی کے منہ سے ایسا برکلمہ نکلنا بالکل ہی غیر معمولی بات ہے، معلوم ہوا کہ اس موقع پر اس کی گنجائش ہے۔ اور حضور اقدس ﷺ نے اس پر وکا بھی نہیں کہ بھائی ایسی گالی کیوں دے رہے ہو۔

”لقال من ذا؟“ عروہ بن مسعود نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں جو مجھے ایسی گالی دے رہے ہیں؟

کہا کہ یہ ابو بکر ﷺ ہیں۔ ”قال : اما والذي نفسي بيده لولا يد كانت لك عندى لم اجزك بهنا لا جعك“ عرب کی شان ہے کہ کافر ہے اور کہتا ہے کہ اُر تمہارا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا جس کا میں نے ابھی تک تمہیں بدلہ نہیں دیا، تو تمہاری اس گالی کا جواب دیتا۔ لیکن چونکہ تمہارا ایک احسان میری گردن پر ہے اس سے میں تمہاری گالی سن کر خاموش ہو رہا ہوں، جواب نہیں دیتا۔

وہ احسان یہ تھا کہ عروہ بن مسعود پر دیت آگئی تھی اور حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نے دیت کی ادائیگی میں اس کی مدد کی تھی۔ عربوں کے اندر یہ ملکات تھے کہ باوجود کافر ہونے کے احسان کا ماننا کہ دوسرے شخص نے میرے ساتھ احسان کیا ہے اس لئے میں اس کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ کروں۔

حضور علیہ السلام عرب میں کیوں مبعوث ہوئے؟

اس کی ایک حکمت

اور حضور اکرم ﷺ کو عرب میں بلا وجہ نہیں مبعوث کیا گیا، ان کے اندر ملکات فطریہ بڑے اعلیٰ درجہ کے تھے، انکی ضیافت، عام طور سے صحیح بولنا، جھوٹ نہیں بولتے تھے، امانت کا لحاظ رکھنا، دوسرے کا احسان ماننا، جس کے ساتھ معاہدہ ہو اس سے وفاداری کرنا، ان میں یہ ملکات تھے، اس لئے نبی کریم ﷺ کو بھیجنے کے لیے اس قوم کو منتخب فرمایا۔

”قال: وجعل یحکم النبى ﷺ فکلما تکلم کلمة أخذ بلحیته“ بات کرتے ہوئے عروہ بن مسعود نے حضور اقدس کی لہجہ مبارکہ پر ہاتھ رکھا۔ ”والمغیرة بن شعبه قالم علی رأس النبى ﷺ ومعة السیف“ حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ تلوار لے کر حضور اقدس ﷺ کے پاس کھڑے تھے جیسے حارس ہو کر رہا ہے۔ ”وعلیه المنفر“ اور ان کے سر پر منفر بھی تھا۔ ”فکلما أهوی عروة ببیده الی لحمیة النبى ﷺ“ جب بھی عروہ حضور اقدس ﷺ کی داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھاتا، یہ بھی ایک طریقہ ہوتا تھا کہ جب کسی کو راضی کرنا ہو تو بات کرتے ہوئے داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھاتے، تو جب عروہ اس طرح کرتا، ”جنوب یدہ بنعل السیف“ حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ تلوار کی نعل سے اس کے ہاتھ پر مارنے شروع کرتے، ”آخر یدک عن لحمیة رسول الله ﷺ“ حضور اکرم ﷺ کی ریش مبارک سے ہاتھ ہٹاؤ۔ ”فرفع عروة رأسه لقال من هذا؟“ عروہ نے اپنا سراٹھایا اور کہا یہ کون بزرگ ہیں جو مجھ سے یہ کہہ رہے ہیں۔ ”قال: المغیرة بن شعبه“ بتایا کہ یہ مغیرہ بن شعبہ ؓ ہیں۔

”فقال: ای هذیر، ألسنت أسمى فی هذیرک“ اے خدا رکھتا میں نے خداری میں تمہارے ساتھ مدد نہیں کی تھی۔ آگے اس کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ جاہلیت میں کچھ لوگوں کے ساتھ تھے۔ ”فقتلهم“ ان کو قتل کیا ”وأخذ أموالهم“ اور انکے مال لوٹ لائے۔ اس وجہ سے یہ قوم کے اندر مشہور ہو گئے تھے کہ انہوں نے خداری کی ہے۔ تو یہ جاہلیت کا ایک واقعہ تھا جس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تو خدا ہے، تمہاری خداری میں تمہاری جان بچانے کے لئے بھاگ دوڑ کرتا رہا، آج تم مجھے یہ کہہ رہے ہو۔

”ثم جاء فاسلم . فقال النبى ﷺ أما الا سلام فاقبل“ جب مغیرہ بن شعبہ ؓ آئے اور اسلام لے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام تو میں قبول کرتا ہوں، اور جو مال تم نے لوٹا ہے میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں، میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ ادا کرنا ہوگا، بغیر ادا کئے میں تمہیں اس سے بری

نہیں کر سکتا۔ کافروں کا جو مال زمانہ جاہلیت میں لوٹا ہے میں اس کی ذمہ داری نہیں لیتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہ واپس لوٹانا ہوگا۔

اندازہ کا یہ ہے۔ جہاں دشمنی ہو رہی ہے جن لوگوں کے ساتھ خونریزیاں ہو رہی ہیں ان کا مال ایک شخص لوٹ کر آیا آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ دشمن کو واپس کرو۔

”ثم إن عروة جعل يرمق أصحاب النبي ﷺ بعينيه“ ایک طرف عروہ نے یہ دو نظارے دیکھے کہ صدیق اکبر نے یوں کہا اور مخیر بن عبید نے یوں کہا، اس کے بعد پھر ان نے اپنی آنکھوں سے بھی مسلسل ٹھٹھکیا ہند سے حضور ﷺ سے کہا کہ: ”گو دین شرم لیا۔“

”قال: فوالله ما تمنعهم رسول الله ﷺ نخامة..... وولدت علي قيصر وكسرى والسجاشي“ میں قیصر و کسری اور سجاشی ان سب بادشاہوں کے پاس گیا ہوں، لیکن آج ایک قوم دیکھی ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی، ”والله قد عرض عليكم عظة رشد“ اور اس نے تمہیں ہدایت کا ایک راستہ بتایا ہے۔ ”فاقبلوها، فقال رجل من بني كنانة:“ بونکنہ کے ایک صاحب کے دن میں کچھ امانت پیدا ہوئی اس نے کہا ”دعوني آتہ“ ذرا مجھے بھی ان کے پاس جانے دو۔ ”لقالوا الله“ انہوں نے ہا تم بھی چلے جاؤ ”فلما اشرف على النبي ﷺ واصحابه قال رسول الله عليه ﷺ هذا فلان وهو قوم يعظمون البدن“ کہ یہ جو آدمی آ رہا ہے بونکنہ کا فلاں آدمی ہے اور یہ اس قوم سے تعصب رکھتا ہے جو قربانی کے باوروں کی تعظیم کرتی ہے۔ ”فابعثوا له“ لہذا تمہارے ساتھ جو قربانی کے جانور ہیں وہ اس کے سامنے رکھو تاکہ اس کے دن میں کبھی تعظیم پیدا ہو۔

”بعثت له“ تو جو نور ہنڑے رکے آگے اس کے سامنے بھیج دیئے۔ ”واستقبله الناس يلبون“ ایک تو قربانی نے باور بھیج دینے اور سب پر رام... نے تلبیہ پڑھنا شروع کر دیا۔ ”لبك اللهم لبك . فلما راى ذلك“ اب اس شخص نے تکریم یہ نظر دینے کہ سب تلبیہ پڑھ رہے ہیں قربانی کے جانور ساتھ نے آئے ہیں۔

”لقام رجل منهم يقال له : مكرز بن حلفص“ یہ شخص تو یہ کہہ کر واپس آ گیا، ایک اور شخص تھا مکرز بن حلفص وہ ہنڑے ہو اور کہا۔ ”دعوني آتہ“ میں بھی ذرا جا کے دیکھوں، کیا ہوتا ہے۔ ”لقالوا الله .

فلما اشرف عليهم قال النبي ﷺ ”هذا مكرز وهو رجل فاجر“

معلوم ہوا کہ دشمن کے کسی فرد کے بارے میں اپنے لوگوں کو آگاہ کرنا یہ نیت میں داخل نہیں۔

”فجعل يكلم النبي ﷺ فينما هو يكلمه إذا جاء سهيل بن عمرو“ ابھی بات کر رہے تھے کہ آئے ہیں۔

”قال معمر فأخبرني أيوب، عن عكرمة: انه لما جاء سهيل بن عمرو قال النبي ﷺ

علیہ ﷺ قد سهل لکم من امرکم“ اب تمہارا معاملہ آسان ہو گیا۔ یعنی آپ ﷺ نے اس کے نام سے تباؤل کیا کہ نام سہیل ہے اس لئے اب معاملہ بھی سہل ہو گیا۔

”قال معمر: قال الزهري في حديثه فجاء سهيل بن عمرو فقال: هات اكتب بيننا وبينكم كتابا، فدعا النبي ﷺ الكاتب“.

حضرت علی ﷺ کو بطور کتاب کے بل کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اكتب بسم الله الرحمن الرحيم فقال سهيل: اما الرحمن فوالله ما أدري ما هي، ولكن اكتب: باسمك اللهم پہلے یہ لوگ یہی لکھا کرتے تھے ”کما كنت تكتب“ جیسا کہ پہلے لکھا کرتے تھے۔

”فقال المسلمون: والله لا نكتبها الا بسم الله الرحمن الرحيم“ صحیحہ کرام ﷺ نے کہا کہ ہم تو یہی لکھیں گے۔

”فقال النبي ﷺ: اكتب باسمك اللهم“ کیونکہ آپ ﷺ نے پہلے فرمایا تھا کہ یہ مجھ سے جو بات بھی منوائیں گے جس میں حرمت اللہ کی تعظیم ہو میں اس کو مان لوں گا۔ اب آپ ﷺ نے سوچا کہ یہ الفاظ کا ہی فرق ہے ”باسمک اللهم“ بھی ہمارے لئے غلط نہیں ہے، اس لئے اس کو قبول فرمایا۔ ”ثم قال: هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله..... اكتب محمد بن عبد الله“ آپ ﷺ نے فرمایا: اگرچہ حقیقت حال تو یہ ہے لیکن چلو محمد بن عبد اللہ لکھ دو۔

”قال الزهري: وذلك لقوله: لا يسألو نبي خلة يعظمون فيها حرمت الله الا اعطيتهم اياها فقال له النبي ﷺ: على ان تخلوا بيننا وبين البيت فنطوف به“ فرمایا کہ ٹھیک ہے ہم صلح کرتے ہیں مگر اس شرط پر کہ تم ہمیں چھوڑ دو تا کہ ہم بیت اللہ جا کر طواف کر لیں۔

”فقال سهيل: والله لا تصحذ العرب انا اخذنا ضغطة“ ہم عربوں کو یہ باتیں نہیں کرنے دیں گے کہ ہمیں زبردستی داؤ میں پکڑ لیا گیا۔ ”ضغطة“ کے معنی ہیں دباؤ، کہ ہم نے روکا تھا مگر مسلمان دباؤ ڈال کر عمرہ کر کے چلے گئے۔

”ولكن ذلك من العام المقبل“ اگلے سال آنا ”فكتب“ آپ ﷺ نے فرمایا: لکھ لو ”فقال سهيل: وعلى انه لا يأتىك منار جل وان كان على دينك الا رددته، قال المسلمون: سبحان الله، كيف يرذالى المشركين وقد جاز مسلما؟ فبينما هم كذلك إذ دخل ابو جندل بن سهيل بن عمرو يرسف في قيوده“.

اندازہ کریں کہ جذبات کا کیا عالم ہوگا کہ ایک طرف تو وہ ایسی شرطیں عائد کر رہے جو بظاہر بہت ہی سخت ہیں اوپر سے ابو جندل ﷺ آگئے۔ اپنے پاؤں کی بیڑیوں میں چلتے ہوئے کہ کفار نے ظلم و ستم کی انتہا کرتے

ہوئے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال رکھی ہیں۔

”وقد خرج من أسفل مكة حتى رمى بنفسه بين أظهر المسلمين“ پتہ نہیں بیڑیوں کی حالت میں کس طرح چل کر آئے ہوں گے، انہوں نے آکر اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے ڈال دیا۔

”لقال سهيل: هذا يا محمد أول من أفاضك عليه أن توده إلی“ میں سب سے پہلے ان کو واپس کرنے کا مطالبہ کرتا ہوں، جب شرط طے ہو گئی کہ جو بھی آئیگا آپ اس کو واپس کریں گے، اب یہ آدمی آیا ہے آپ اسے واپس کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی تو معاہدہ پورا نہیں لکھا گیا۔

”قال: فوالله إذا لم اصالحك على شيء أبدا. قال النبي ﷺ: فأجزه لي“ آپ ﷺ نے فرمایا چلو آئندہ کے لئے یہ معاہدہ کرو۔ لیکن یہ جو آدمی اس طرح آیا ہے۔ اس کو الگ سے مستثنیٰ طور پر اجازت دے دو۔

”قال: ماأنا بمجيز ذلك لك قال:- بلی فافعل“ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں کر دو۔ اجازت دیدو، ”قال: ماأنا بفاعل. قال مكرز: بل لقد اجزناه لك“

مکرز وہی آدمی ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ فاجر آدمی ہے، اس کو بھی کچھ ترس آگیا کہ چلو ہم اجازت دے دیتے ہیں۔

”قال أبو جندل: أي معشر المسلمين، أردإلی المشركين وقد جنت مسلما؟
الأترون ماقد لقيت؟“

میں مسلمان ہو کر آیا ہوں پھر لوٹا دیا جاؤ گا؟ کیا دیکھ نہیں رہے ہو کہ میں کس عذاب میں مبتلا ہوں۔
”وكان قد عذب عذابا شديدا فإبدا فی الله“ یہ منظر دیکھنے کے باوجود نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ قبول کر لیا کہ ٹھیک ہے واپس کر دیں۔

”قال: قال عمر بن الخطاب: فأتيت نبی الله ﷺ فقلت: ألسنت نبی الله حقا؟ قال: ”بلی“ قلت: ألسنا على الحق وعدونا على الباطل؟ قال: ”بلی“ قلت: فلم نعطي الدنيا فی دننا إذن؟“ ہم کیسے برداشت کر لیں کہ ہمیں اپنے دین کے معاملے میں ذلت دی جائے؟

”قال: إني رسول الله ولست أعصيه وهونا صري“ میں اللہ کا رسول ہوں، اسکی نافرمانی نہیں کر سکتا۔

مقصود فتح تفاخر نہیں بلکہ اللہ کی اطاعت ہے

اس وقت یہی حکم ہے چاہے دہ کر ہی سہی کسی طرح صبح کر لو، فتح پانا یا شہرت حاصل کرنا تو مقصود نہیں، مقصود اللہ جل جلالہ کی اطاعت ہے۔ جب وہ اس میں خوش ہے کہ ہم دہ کر صلح کریں تو اسی میں میرے لئے خیر

ہے۔ ”وہو ناصری“ اور وہ ہماری مدد کرے گا۔

”قلت اویس کنت تحدثنا انا سنائی البیت فطوف بہ؟“ کیا آپ نے خبر نہیں دی تھی کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف کریں گے۔ ”قال: بلی، فاعبر تک انا ناتیہ العام؟“ کیا میں نے یہ خبر دی تھی کہ اسی سال کریں گے؟ ”قال: قلت لا قال: فانک آتیہ و مطوف بہ“ آؤ گے اور طواف کرو گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ”فانیت اباہکم“ بھر بھی چین نہیں آیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا ”فقلت یا اباہکم، الیس ہذا نبی اللہ حقاً، قال: بلی قلت: ألسنا علی الحق وعدونا علی الباطل؟ قال: بلی قلت: فلم لعطى الدنیا فی دیننا إذن؟ قال: أیہا الرجل إنه لو سول اللہ“.

صدق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام

یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں کہ جو بات زبان رسالت سے نکلی وہی بات یہ بھی کہہ رہے ہیں حالانکہ ان کو معلوم نہیں تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بات فرمائی ہے۔ فرمایا: ”ولیس بعضی رہہ و ہونا صرہ، فاسعسک بفرزہ“ ان کا کنڈا پکڑ کر رکھو، کسی حالت میں بھی نہ چھوڑو۔

”فواللہ انہ علی الحق، قلت: الیس کان یحدثنا انا سنائی البیت فطوف بہ؟“
قال: بلی فاعبر ک انک ناتیہ العام؟“ جو جواب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا وہ جواب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی دے رہے ہیں ”قلت: لا قال: فانک آتیہ و مطوف بہ“.

”قال الزہری: قال عمر: فعملت لذلك أعمالاً“ بے چینی کے عالم میں ادھر ادھر بہت چکر کائے کہ یہ کیا ہو رہا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا انسان جو ”اشدہم فی امر اللہ“ ہے اس کے سامنے یہ سب کچھ ہو رہا ہے کہ ابو جندل رضی اللہ عنہ جیسا شخص جو بیڑیاں پہنے ہوئے آیا تھا اسے واپس کیا جا رہا ہے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہی حوصلہ تھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر برداشت کر جاتے تھے۔

لیڈر کیسا ہو؟

ہمارے والد ماجد مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ لیڈر وہ ہے جو اگر عوام کو چڑھائے تو اتار بھی سکے، اگر جوش دلانے کے بعد ضرورت پیش آئے تو اس جوش کو ٹھنڈا بھی کر سکے اصل لیڈر وہ ہے۔
آج کل کے لیڈر جوش چڑھا تو دیتے ہیں لیکن اتارنا ان کے بس سے باہر ہوتا ہے پھر وہ خود عوام کے پیچھے بھاگتے ہیں کہ اگر ہم یوں کر دیں گے تو عوام ہماری جان کھا جائیں گے، تنکہ بوٹی کر دیں گے، ہماری لیڈری جاہ ہو جائے گی۔

اب یہ مقام ایسا ہے کہ بظہر سارے حالات دہنے کے ہیں اور لوگوں کا جوش و خروش کا پارہ چڑھا ہوا ہے اس موقع پر اس کو اتارنا یہ رسول اللہ ﷺ ہی کر سکتے ہیں۔

فرمایا کہ ”فلما فرغ من قضية الكتاب“ جب معاہدہ لکھا گیا، ”قال رسول الله ﷺ لاصحابه: قوموا فالحرو والم احلقوا“ تو حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ کھڑے ہو کر قربانی کرو اور حلق کرو یعنی اب آگے طواف کرنے کے لئے نہیں جانا۔

”قال: هو الله ما قام منهم رجل“ ساری سیرت طیبہ میں ایک تھا واقعہ ہے کہ جس میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کرو اور حلق کرانے کے لئے اور قربانی کرنے کے لئے کوئی کھڑا نہیں ہوا۔

اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت کا ہم اور آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ ان پر کیا گزرد رہی ہوگی، معاذ اللہ ان کا مقصد معصیت یا نافرمانی نہیں تھا بلکہ یہ خیال تھا کہ شاید کوئی معجزہ ظاہر ہو جائے اس لئے حلق میں جلدی نہ کریں، یہ انسان کی ایک کیفیت ہوتی ہے کہ ٹھیک ہے اب کرنا تو ہے پھر جلدی کیا ہے آرام سے کریں، شاید کچھ اور حالات پیش آجائیں۔ تو کھڑے نہیں ہوئے۔

”حتى قال ذلك لثلاث مرات. فلما لم يقم منهم احد“ تین مرتبہ فرمایا، کوئی بھی کھڑا نہیں ہوا تو آپ ﷺ حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور بطور شکایت یہ واقعہ بیان فرمایا۔ ام المؤمنین ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گزری ہے، جس کی وجہ سے افسردہ دل اور ہلکتے خاطر ہیں اس وجہ سے تعمیل ارشاد نہیں کر سکتے تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ لوگ حلق اور نحر کریں۔

آپ کسی سے کچھ نہ کہئے۔ بس آپ خود باہر تشریف لے جائیں اور اپنے بدنہ کی قربانی کر دیجئے اور اپنا حق کرا لیجئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے؟

”فخرج فلم يكلم احدا منهم حتى فعل ذلك..... فاموا فاحروا“ چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ ﷺ کے قربانی کرتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا تو سب نے شروع کر دیا کہ ایک دوسرے کا حلق کرنے لگے، حلق کرنے والوں کا اتنا ہجوم تھا کہ گویا قریب تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کر دیتے، یعنی دھکا پھیل پڑ گئی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی فراست دیکھئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت میں تھے وہ جان گئیں کہ اس وقت قربانی کہنے سے اتنا اثر نہیں ہوگا، لیکن جب وہ آپ ﷺ کو دیکھیں گے کہ آپ کر رہے ہیں تو ان سے رہا نہیں جائے گا پھر وہی کریں گے جو آپ کر رہے ہیں۔ اگر زبان سے سننے کے بعد تعمیل میں سستی کر رہے ہیں تو آپ ﷺ کو دیکھنے کے بعد نہیں رک پائیں گے۔

”ثم جاءه نسوة مؤمنات، فانزل الله تعالى:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ

مَهَا جَرَاتٍ فَاَمْتَحِنُوهُنَّ ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاٰيْمَانٍ يٰۤهٰنَ ۚ
 فَاِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ اِلَى
 الْكُفَّارِ ۚ لَا مَنَ جِلُّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۚ
 وَاتَّوَهُهُنَّ مَّا اَنْفَقُوْا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلٰيْكُمْ اَنْ
 تَنْكِحُوهُنَّ اِذَا اتَّعَمْتُمُوهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَلَا
 تُمَسِّكُوْنَ بِمَعْصَمِ الْكُفَّارِ ۙ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والوں جب آپس میں تمہارے پاس
 ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر تو ان کو جانچ لو اللہ خوب
 جانتا ہے ان کے ایمان کو پھر اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں تو
 مت پھیرو، ان کو کافروں کی طرف، نہ یہ عورتیں حلال ہیں
 ان کافروں کو اور نہ وہ کافر حلال ہیں ان عورتوں کے لئے
 اور دے دو ان کافروں کو جو ان کا خرچ ہوا ہو اور گناہ نہیں تم
 کو کہ نکاح کرو ان عورتوں سے جب ان کو دو ان کے مہر اور
 نہ رکھو اپنے قبضہ میں ناموس کافر عورتوں کے۔“

”فطلق عمرؓ ہو مثلہ امراتین کا لغالہ فی الشوک“ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ کافر
 عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو تو حضرت عمرؓ نے دو عورتوں کو طلاق دی۔

”ثم رجع النبی ﷺ اِلَى الْمَدِيْنَةِ“ پھر آپ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے۔ ”فجاءہ ابو بصیر
 رجل من قريش وهو مسلم“ قریش کے ایک صاحب ابو بصیر مسلمان ہو کر آئے، ”فارسلوا نبي طلبه
 وجلسن“ وہ کم بخت ایسے تھے کہ اگر ایک آدمی چلا گیا تو چلا گیا، لیکن اس کی طلب میں بھی دو آدمی بیٹھے کہ اس کو
 پکڑ کر لائے۔

”فقالوا: العهد الذي جعلت لنا“ حضور اقدس ﷺ سے کہا کہ آپ نے عہد کیا تھا کہ اگر کوئی آدمی
 آئے گا تو آپ واپس کریں گے۔ تو ابو بصیرؓ کو ان دو آدمیوں کے حوالے کر دیا۔

”فخرج جابه حتى بلغاذا الحليفة“ یہ لے کر چلے یہاں تک کہ ذوالحلیفہ تک پہنچے۔ وہاں بیٹھ کر
 انہوں نے کھجور کھانی شروع کر دی۔ تو ابو بصیرؓ نے ان میں سے ایک سے کہا کہ آپ کی یہ تلوار بڑی اچھی معلوم
 ہو رہی ہے۔ انگلے نے جوش میں آ کر تلوار نکال کر کہا ہاں، ہم نے اس کا بہت تجربہ کیا ہے بڑی عمدہ تلوار ہے۔

”فقاً ل ابو بصیر: ارنی انظر الیه“ ابو بصیر ؓ نے کہا مجھے دکھاؤ، تو اس شخص نے تلوار ابو بصیر ؓ کو دے دی، ابو بصیر ؓ نے فوراً اس پر وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرے نے جب یہ منظر دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا بھاگ کر مکہ جانے کے بجائے واپس مدینہ آیا حضور اقدس ؐ کے پاس گویا شکایت کرنے لئے۔ دوڑتا ہوا مسجد میں داخل ہوا۔

”فقال رسول الله ﷺ حین راہ“ آپ ؐ نے جب اس کو آتا دیکھا تو فرمایا، اس نے کوئی گھبرانے والی بات دیکھی ہے جو بھاگتا ہوا آ رہا ہے تو اس نے کہا کہ میرا ساتھی تو مر گیا میں بھی مرنے والا ہوں۔ اس کے بعد ابو بصیر ؓ آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذمہ داری پوری کر دی کہ آپ ؐ نے مجھے واپس بھیج دیا تھا۔ اللہ نے مجھے بعد میں ان سے نجات دے دی۔ اس واسطے اب آپ کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

”قال النبی ﷺ ویل امہ مسعر حوب لو كان له احد“ یہ پیغمبرانہ جملہ ہے۔ اس کا لفظی معنی ہے کہ اس کی ماں کا برا ہو، اس کی ماں پر افسوس، یہ بے تکلفی میں کہا جاتا ہے بددعا مراد نہیں ہے۔ ”مسعر حوب لو كان له احد“ اگر اس کے ساتھ کوئی مل جائے تو یہ جنگ کی آگ بھڑکانے والی ہے۔

اس جملہ سے آپ ؐ نے بظاہر اس کافر کے سامنے جو من رہا تھا ان کے اس فعل پر تکفیر فرمائی کہ یہ تو بڑا جنگجو آدمی ہے، جنگ کی آگ کو بھڑکا دے گا، اگر یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا تو آج ایک کو مارا ہے، کل دوسرے کو مارے گا اور دوسری طرف حضرت ابو بصیر ؓ کے لئے ایک خفیف سا اشارہ تھا کہ جب اللہ نے حیرے اندر ملاحیت رکھی ہے کہ اگر تو چاہے تو جنگ کی آگ کو بھڑکا دے، اگر کوئی اس کے ساتھ مل جائے اشارہ تھا کہ تم ہم سے کچھ نہ کہو لیکن کہیں جا کر اپنا مرکز بنا لو، وہاں تمہارے پاس دوسرے لوگ آکر جمع ہو جائیں گے اور تم ان مشرکین کے ناک میں دم کر سکتے ہو۔

”فجعل لا یخرج من قریش رجل قد اسلم الا لحق بأبی بصیر“ جو بھی اسلام لانا، وہ وہاں سے آکر سیدھا ابو بصیر ؓ کے لشکر میں شامل ہو جاتا۔ ”حتی اجتمعت منهم عصابة“ یہ چھاپے مار دستہ تیار ہو گیا۔

”فوالله ما یسمعون بعیر خرجت لقریش الی الشام الا اعترضوا لها“ اب قریش کا جو قافلہ بھی شام کی طرف جاتا یہ راستہ میں اس کی تواضع کرتے، ان کو قتل کر دیتے اور ان کے مال چھین لیتے۔ آخر میں عاجز آکر قریشیوں نے نبی کریم ؐ کے پاس پیغام بھیجا، اللہ کی قسم دیتے ہوئے، رشتہ داری کا واسطہ دیتے ہوئے ”لما ارسل“۔ ”لما“ معنی میں ”الا“ کے ہے یعنی ”ینا شدک إلا ان تفعل کذا“ میں اللہ کو آپ کے خلاف پکارتا ہوں مگر یہ کہ آپ یہ کام کر دیں تو نہیں پکاروں گا کہ ان کے پاس پیغام بھیجیں۔

”فمن اتاه فهو آمن“ کہتے ہیں کہ اس وقت ان کو پیغام دے دیں، خدا کرے کہ یہ ہمارے اوپر سے یہ عذاب ختم کریں اور ہماری جان چھوڑیں۔ اس کے بعد جو تمہارے پاس آئیگا، ہم واپس نہیں بلائیں گے سب امن کے ساتھ آسکیں گے۔ پھر جو حضور ﷺ کے پاس آئے گا وہ آمن ہوگا۔

”فارسل النبی ﷺ الیہم“ آپ ﷺ نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ اب کافی کام ہو گیا ہے اب چھوڑ دو تم بھی آ جاؤ اور دوسرے لوگ بھی آ جائیں گے۔

۲۷۳۳۔ وقال عقيل عن الزهري : قال عروة : فاخبرتني عائشة ان رسول الله ﷺ كان يمتحنهن . وبلغنا انه لما أنزل الله تعالى أن يردوا إلى المشركين ما الفقوا على من هاجروا من أزواجهم وحكم على المسلمين أن لا يمسكوا بعصم الكوافر ، أن عمر طلق امرأته قريظة بنت أبي أمية . وابنة جرول الخزاعي ، فزوج قريظة معاوية بن أبي سفيان ، وتزوج الانصري أبو جهم . فلما أبي الكفار أن يقرؤا بآداء ما أنفق المسلمون على أزواجهم أنزل الله تعالى : ﴿ وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعاقِبْتُمْ ﴾ والعقب ما يؤدى المسلمون إلى من هاجرت امرأته من الكفار ، فأمر أن تعطى من ذهب له زوج من المسلمين ما أنفق من صداق نساء الكفار اللاتي هاجرن ، وما نعلم أحد من المهاجرات ارتدت بعد إيمانها . وبلغنا أن أبا بصير بن اسيد الثقفي قدم على النبي ﷺ ملأها جراً من المسك ، فكتب الأخنس بن شريق إلى النبي ﷺ يسأله أبا بصير ، فذكر الحديث . [راجع: ۲۷۱۳]

اس کے بعد جو خواتین آتی تھیں، آپ امتحان لیتے تھے اور پھر بیعت فرماتے تھے۔ کیونکہ حضور اقدس ﷺ کی تعبیر کے مطابق مردوں کو واپس کرنے کا معاہدہ تھا، عورتوں کو واپس کرنے کا نہیں تھا۔ سورۃ محمد کے اندر جو آیات آئی ہیں ان میں ایک حکم یہ بھی تھا کہ اب کافر عورتوں کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے، اگر کوئی عورت مکہ مکرمہ میں کسی کافر شوہر کے نکاح میں تھی اور وہ مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آئی ہے تو اس کا نکاح ختم ہو گیا لیکن یہاں مدینہ منورہ میں جو مسلمان، اس عورت سے نکاح کرے تو اس عورت کے کافر شوہر نے اس پر جو کچھ خرچ کیا تھا مہر وغیرہ یہ مسلمان شوہر اس کو واپس کرے۔

اسلام کا انصاف دیکھیں کہ یہ حکم جاری کیا کہ جو عورت مکہ سے مہاجرہ بن کر آئی ہے اس کا نکاح تو ختم ہو گیا لیکن اس کے کافر شوہر کو ڈبل سزا دی جائے گی اس نے جو مال خرچ کیا تھا وہ مسلمان جو اس عورت سے

نکاح کرے وہ اس کو واپس کر دے۔

اس کا تقاضا یہ تھا کہ اس کے برعکس بھی ہو کہ اگر خدا نہ کرے کوئی عورت مسلمانوں کے پاس سے کافروں کے پاس چلی گئی اور وہ کسی کافر سے اس کا نکاح ہو گیا، تو اس کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کا نفقہ واپس کر دے۔
ایسا تو بکثرت ہوا کہ عورتیں وہاں سے مسلمان ہو کر آئیں اور مسلمانوں کے نکاح میں آئیں، مسلمانوں نے پھر ان کا نفقہ واپس کیا، لیکن ایسا واقعہ کہ یہاں سے کوئی عورت گئی ہو صرف ایک کافر عورت جو مشہور کافر کی بیٹی تھی وہ چلی گئی تو مسلمانوں نے کہا کہ جس طرح ہم خرچہ بھیجتے ہیں تم بھی دو، انہوں نے کہا کہ ہم نہیں دیتے، انہوں نے خرچہ نہیں دیا، یہاں اسی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ”ابہ لما انزل اللہ تعالیٰ ان یردوا ین لمشرکین وتزوج لآخری ابو جہم“ اور دوسری سے ابو جہم نے نکاح کر لیا۔

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت میں بھی یہ آتا ہے کہ جب ان کو ان کے شوہر نے طلاق دی، تو کہتی ہیں ”فخطبسی معاویة وأبو جہم“ انہی دونوں کا ذکر آتا ہے کہ انہوں نے پیغام نکاح دیا تو حضور قدس ﷺ نے فرمایا کہ ”امامعاویة لامال لہ. وأما أبو جہم فهو للنساء“.

یہاں پر بھی انہوں نے نکاح کر لیا ”فلما أبی الکفار ومالعلم أحدان
المہاجرات ارتدت بعد ایما لہن“ مہاجرات میں سے کوئی بھی مرتد نہیں ہوئی، ہم نے جو کہا تھا وہ ابو سفیان کی بیٹی ام الحکم تھی، جد میں واپس آ گئیں، اللہ ﷻ نے ان کو بھی ایمان کی توفیق دے دی۔

”ابلفنان أبابصیر بن أسید القلی قدم علی النبی ﷺ مومنا مہاجرا فی المدۃ“ یہ مدت میں ہی آ گئے۔

(۱۶) باب الشروط فی القرض

وقال ابن عمر وعطاء رضی اللہ عنہما : إذا أجل فی القرض جاز.

۲۷۳۴۔ وقال اللیث : حدثنی جعفر بن ربیعۃ، عن عبد الرحمن بن ہر م، عن أبی ہریرۃ ؓ، عن رسول اللہ ﷺ : أنه ذکر رجلا سال بعض بنی اسرائیل أن یسلفہ ألف دینار، فدفعها إلیہ إلی أجل مسمی. [راجع : ۱۳۹۸].

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جو پہلے کئی مرتبہ گزر چکی ہے کہ ایک ہزار دینار کسی کے قرض دینے تھے بعد میں پھر سمندر میں پھینک دئے تھے۔

اس میں جو لفظ ہے ”ان یسلفہ الف دینار، فدفعها إلیہ إلی أجل مسمی“ اس سے اس

بات پر استدلال کیا ہے کہ قرض میں تا جیل جائز ہے اور قرض تا جیل کو قبول کرتا ہے۔ یعنی اگر قرض میں کوئی اجل مقرر کر لی جائے تو قرض مؤجل ہو جاتا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ مقرض کو اس اجل کے آنے سے پہلے مطالبہ کا حق نہیں ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا یہ مذہب ہے۔^{۱۲}

قرض تا جیل کو قبول نہیں کرتا

مسک جمہور و حنفیہ

لیکن جمہور کے نزدیک جن میں حنفیہ بھی داخل ہیں، قرض تا جیل کو قبول نہیں کرتا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ چاہے ایک مرتبہ کوئی وقت مقرر کر لیا جائے اس کے باوجود مقرض کو ہر وقت یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے اپنے قرض کا مطالبہ کر لے۔

اور حدیث میں جو ”السی اجمل مسمی“ کا لفظ آیا ہے تو اس میں صرف اتنی بات ہے کہ قرض دینے والے نے ایک اجل مقرر کی تھی لیکن اس اجل کو مقرر کرنے کا قضاء بھی اعتبار تھا اس پر حدیث میں دلالت نہیں ہے، لہذا مقرر کرنے کا حق تو حاصل ہے اور شاید میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ یہ دیانہ ایک وعدہ ہے تو وعدہ ہونے کے اعتبار سے مقرض کو چاہئے کہ وہ اس اجل سے پہلے مطالبہ نہ کرے یہ مکارم اخلاق میں سے ہے۔ لیکن جو گفتگوئے نزاع ہے وہ قضاء کے اندر ہے کہ اگر قاضی کے پاس فیصلہ چلا گیا تو قاضی مقرض کے حق میں فیصلہ کر دے گا۔ تو اس موضوع پر حدیث مرفوعہ میں کوئی دلالت نہیں ہے۔ البتہ عبد اللہ بن عمرؓ اور عطاء کا قول نقل کیا ہے کہ ”إذا أجله في القرض جاز“ قرض میں تا جیل کر دے تو جائز ہو جاتی ہے یہ بیشک ان کا مسک ہے اور اسی پر امام مالکؒ کا بھی عمل ہے۔

لیکن حنفیہ اور جمہور کہتے ہیں کہ قرض ایک عقد تبرع ہے اور تبرع میں مقرض کو کسی بات کا پابند بنانا درست نہیں ہے۔^{۱۳}

(۱۸) باب ما يجوز من الاشتراط ، والثنيا في الإقرار ،

والشروط التي يتعارفها الناس بينهم .

”وإذا قال : مائة إلا واحدة أو ثنتين“

^{۱۲} الناج والاکلیل ، ج: ۴ ، ص: ۵۲۲ ، والمدونة الكبرى ، ج: ۹ ، ص: ۹۳ ، مطبع : دار صادر ، بیروت

^{۱۳} ثم أجله أجلا معلوما صار مؤجلا وكل دين حال إذا أجله صاحبه صار مؤجلا إلا القرض . (بداية المبتدئ ،

ج: ۱ ، ص: ۱۳۹ ، وحاشیہ ابن عابدین ، ج: ۵ ، ص: ۳۱۸ .

مطلب

اس ترجمہ الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے کئی مسائل بیان فرمائے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کے لئے اقرار کرے اور اس میں کوئی شرط لگائے پھر آگے شرط کی تشریح کر دی کہ استثناء کرنے، تو آیا وہ استثناء جائز ہے یا نہیں؟

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ ایک اصولی مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو فقہاء کے درمیان مختلف فیر رہا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی رقم کا اقرار کرے اور پھر اس مقررہ میں سے کچھ استثناء کرے تو آیا یہ استثناء کرنا علی الاطلاق جائز ہے یا اس کے جائز ہونے کے لئے کچھ شرطیں ہیں؟

جمہور کا مسلک

جمہور کہتے ہیں کہ یہ استثناء علی الاطلاق جائز ہے لیکن بعض مالکیہ جیسے ابن ماجہون وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ اگر استثناء قلیل کا کثیر سے ہو تب تو معتبر ہے، جیسے کہا ”لہ علی مائة الا واحدة“ تو مستثنیٰ منہ مائے ہے جو کثیر ہے اور مستثنیٰ واحد ہے جو قلیل ہے، لہذا یہ استثناء جائز اور معتبر ہے۔

لیکن اگر کثیر کا استثناء قلیل سے ہو تو وہ غیر معتبر ہے۔ مثلاً کوئی شخص کہے ”لہ علی مائة الاتسع وتسعون“ (۱۰۰) سو ہیں مگر نانوے کم۔ تو مالکیہ جیسے ابن ماجہون یہ کہتے ہیں کہ یہ استثناء معتبر نہیں۔ کیونکہ یہ تو مذاق ہوا کہ سو مگر سو میں سے نانوے کم۔ گویا ایک طرح اپنے ثابت اقرار سے رجوع کر رہا ہے کہ سو کا اقرار کر لیا تھا، اب نانوے کا رجوع کر رہا ہے تو یہ معتبر نہیں ہوگا۔

دوسرے الفاظ میں ان کے اصول مسلک کی تعبیر اس طرح کی جاسکتی ہے کہ اگر استثناء قلیل کا کثیر سے ہو تب وہ استثناء ہے اور بیان تغیر ہے۔ اور اگر استثناء کثیر کا قلیل سے ہو تو اس کو بیان تبدیل یعنی نسخ قرار دیتے ہیں۔ گویا اس نے ثابت اقرار سے رجوع کر لیا، اس کو منسوخ کر لیا۔ اور آدبی ایک مرتبہ جو اقرار کر لے اس کو منسوخ نہیں کر سکتا۔ اس واسطے وہ اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یوں کہے۔ ”لہ علی مائة الاتسع و تسعون“ تو پورے سو واجب ہوں گے، کیونکہ آگے جو کہہ رہا ہے وہ رجوع ہے جو جائز نہیں۔

اس کے برخلاف حنفیہ کا مسلک یہ ہے جو اصول فقہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ استثناء کا مطلب ہوتا ہے ”تکلم بالباقی بعد الثبوت“ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ جب تک استثناء نہیں کیا تھا اس وقت تک کوئی چیز ثابت، لازم نہیں ہوتی، استثناء کے بعد جو چیز نکلے گی، اس کا تکلم ہوگا جب کہا ”لہ علی مائة الاتسع و تسعون“ تو باقی ایک رہا تو تکلم اور اقرار ”بألوحدۃ“ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ پہلے (۱۰۰) سو کا اقرار ہوا اور پھر اس میں

سے نانوے سے رجوع کر لیا گیا ہو بلکہ جو باقی بعد الثیاب ہے اس کا تکلم ہے، لہذا وہ قلیل ہو یا کثیر دونوں صورتوں میں جائز ہوگا۔^{۱۵}

جمہور کا استدلال

جمہور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں جس میں شیطان سے خطاب کر کے فرمایا ﴿إِنَّمَا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ﴾^{۱۶} یہاں ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا ہے جو شیطان کی اتباع کریں گے، گمراہ ہوں گے۔ یہ بات طے ہے کہ شیطان کے پیچھے زیادہ ہیں۔ اب گمراہوں کی تعداد زیادہ ہونے کے باوجود قرآن کریم نے ان کا استثناء کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ کثیر کا استثناء قلیل سے بھی جائز ہے۔^{۱۷}

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "والغیا فی الإقرار ، والشروط التي يتعارفها الناس بينهم ، وإذا قال : مائة إلا واحدة أو ثنتين".

"وقال ابن عون ، عن ابن سيرين ، قال الرجل لكرهه : أدخل ركابك ، فإن لم أرحل معك يوم كذا وكذا فلنك مائة درهم فلم يخرج ، فقال شريح : من شرط على نفسه طائعا غير مكره فهو عليه . وقال أيوب ، عن ابن سيرين : إن رجلا باع طعاما وقال : إن لم آتكم الأربعاء فليس بيبي وبيتك بيع ، فلم يبعي فقال شريح للمشعري : أنت أخلفت ففحصي عليه".

دوسرا مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ ابن عون نے ابن سيرين سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا "قال الرجل لكرهه : أدخل ركابك ، فإن لم أرحل معك يوم كذا وكذا فلنك مائة درهم فلم يخرج" کہ ایک شخص نے اپنے کزی سے کہا، کزی اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی سواری کرایہ پر دیتا ہو۔

کوئی شخص سواری والے کو کہتا ہے کہ اپنی سوار یوں کو تیار رکھو، کجاوے کسو، اگر میں تمہارے ساتھ فلاں فلاں دن تک سفر نہ کروں اور تمہاری سواری کو استعمال نہ کروں تو "فلنك مائة درهم" تمہیں سو درہم دوں گا۔ مثلاً فرض کریں کسی سواری والے سے کہا مجھے جمعہ کے دن سفر میں جانا ہے تم میرے لئے سواری تیار کرو، اس نے کہا کہ مجھے کیا پتا کہ آپ جائیں گے یا نہیں۔ میں تیار کروں، کجاوہ کسوں، اس پر محنت کروں اور آپ پھر بھی نہ جائیں وہ کہتا ہے کہ اگر میں نہ گیا تو تمہیں سو درہم دوں گا۔

"فلم يخرج" بعد میں وہ اس دن نہیں گیا، تو قاضی شريح نے فیصلہ کیا کہ جس شخص نے اپنے ذمہ خوشی سے کوئی رقم واجب کر لی، اس کو اس پر مجبور نہیں کیا گیا تھا تو وہ اس کے ذمہ لازم ہوگی۔^{۱۸}

۱۵ بحث كون الإمتضاء من صور بيان التصغير ، اصول الشاشي ، ص : ۲۵۶ .

۱۶ [الحجور : ۴۲] ۱۷ عمدة القاری ، ج ۹ ، ص . ۶۵۴ .

گو یا یہ وہ ہے جس کو عربوں کا بیعانہ کا مسلک بنایا تھا کہ وہ اس طرح کی ایک بات ہے کہ اگر میں نہ نکلا تو تم کو اتنے پیسے دوں گا۔ یا تو اس کو عربوں پر قیاس کر لیں یا وعدہ کے لازم ہونے پر قیاس کر لیں کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جاؤں گا، اگر نہ گیا تو اتنے پیسے دوں گا۔ قاضی شریح نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

مالکیہ کے ہاں بھی اس پر عمل ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں اگر کسی شخص نے اپنے وعدہ کے ذریعہ دوسرے کو مؤنت میں داخل کر دیا تو پھر وعدہ کا ایفاء لازم ہے، اگر اس صورت میں اس نے اپنے ذمہ کچھ پیسے لازم کر دیے ہیں تو ان کی ادا ہوگی بھی ضروری ہوگی۔

لیکن حنفیہ جمہور کا کہنا یہ ہے کہ اس سے اس کے ذمہ قضاء پیسے نہیں لازم ہوتے، اس لئے کہ حنفیہ اس کو قمار میں داخل کرتے ہیں۔ قمار کہتے ہیں ”تعليق التمليك على الخطر“ کو تو یہ بھی ”تعليق التمليك على الخطر“ ہے۔ اگر میں نہ گیا تو تمہیں سو (۱۰۰) درہم کا ہلک بناؤں گا۔

حنفیہ کے نزدیک ”تمليك خطر“ پر معلق نہیں ہوتی، خطر پر معلق ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی ایسے واقعہ سے معلق کر دینا جس کے واقع ہونے اور نہ ہونے، دونوں کا احتمال ہو۔ اور یہاں پر یہی بات ہے، لہذا اس پر ایک طرح سے قمار کی تعریف صادق آتی ہے، اس لئے وہ اس کو جائز قرار نہیں دیتے۔

”وقال أبو ب عن ابن سيرين : إن رجلا باع طعاما“ محمد بن سيرين فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے طعام فروخت کیا، ”وقال : إن لم آتک الإربعاء فلبس بئنی و بینک ببع“۔

ابن سيرين کا قول حنفیہ کی تائید ہے

اس نے کہا اگر میں بدھ کے دن تک تمہارے پاس یہ چیز لینے کے لئے نہ آیا تو میرے اور تمہارے درمیان بیع نہیں۔ مثلاً گندم خریدی اور ”بعث و اشعرت“ کر کے بیع پوری ہو، گئی لیکن مشتری نے گندم پر قبضہ نہیں کیا اور کہا کہ میں بدھ کے دن پیسے لا کر تمہیں دوں گا اور گندم اٹھا لوں گا۔ لیکن اگر میں بدھ کے دن نہ آیا تو سمجھ لینا کہ بیع ختم۔

”خيار النقد“

اگر میں نے فلاں دن تک پیسے ادا نہیں کئے تو سمجھو بیع نہیں اگرچہ شروع میں بیع منعقد ہو گئی تھی لیکن بعد میں کہا کہ اگر فلاں تاریخ تک پیسے ادا نہ کئے، یا بائع کہے کہ اگر تم نے فلاں تاریخ تک پیسے ادا نہ کئے تو بیع ختم، اس کو حنفیہ کی اصطلاح میں ”خيار النقد“ کہتے ہیں۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ”خيار النقد“ جائز ہے۔ حنفیہ کا مسلک ابن سيرين کے اسی قول کے مطابق

ہے جو یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ تو خفیہ اور محتابلہ کے نزدیک اگر بیع کے اندر یہ شرط لگائے تو جائز ہے اور اگر اس تاریخ تک وہ پیسے لے کر نہیں آیا تو بیع خود بخود فسخ ہو جائے گی۔^{۱۸}

شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ شرط باطل ہے جو بیع ہوگئی وہ ہوگئی، اگر وہ اس دن تک نہ آیا تب بھی بیع لازم ہے اور اس کے ذمہ واجب ہے کہ وہ آ کر پیسے ادا کرے اور بیع کو اٹھا کر لیجائے۔ آگے کہتے ہیں ”فقال شریح للمشتری“ جب قاضی شریح کے زمانہ میں یہ بات ہوئی اور ان کے پاس مقدمہ گیا تو انہوں نے مشتری سے کہا ”انت اخلفت“ تو نے خلاف درزی کی، تجھے بدھ کے دن تک پیسے لا کر دے دینے چاہئے تھے تو نے پیسے لا کر نہیں دیئے ”لقضی علیہ“ قاضی شریح نے اس کے خلاف فیصلہ دیا کہ اب تمہاری بیع فسخ ہو چکی ہے۔^{۱۹}

۲۷۳۶۔ حدثنا أبو الیمان: أخبر شعيب: حدثنا أبو الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ، أن رسول الله ﷺ قال: ((إن لله تسعة وتسعين اسما، مائة إلا واحد امن أحصاها دخل الجنة)). [أنظر: ۶۳۱۰، ۷۳۹۶] ^{۲۰}

یہاں ”مائة“ میں ایک کا استثناء فرمایا، گویا ”تکلم بالباقی“ ہو گیا، پہلے خود فرمایا ”تسعة وتسعين“ اور پھر اس کی تشریح کر دی ”مائة إلا واحدا“ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ”استثناء تکلم بالباقی بعد الثبوت ہوتا ہے۔“

ننانوے اسماء حسنی، ”من احصاها دخل الجنة“ جو ان کا احاطہ کر لے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

”من احصاها“ احاطہ کرنے سے کیا مراد ہے؟

اس کی مختلف تشریحات ذکر کی گئی ہیں اور اس کے مختلف مدارج ہیں، ”احصاء الاسماء الحسنی“ کا سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ”اسماء الحسنی“ میں جنسی صفات بیان کی گئی ہیں۔ آدمی ان سے

۱۸۔ وهذا ایضا مذهب أبي حنيفة واحمد وإسحاق، وقال مالك والشافعي وآخرون: يصح البيع ويبطل الشرط، عمدة القاری، ج: ۹، ص: ۶۵۵.

۱۹۔ وهذا ایضا مذهب أبي حنيفة واحمد وإسحاق، وقال مالك والشافعي وآخرون: يصح البيع ويبطل الشرط، عمدة القاری، ج: ۹، ص: ۶۵۵.

۲۰۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والإستغفار، باب في أسماء الله تعالى وفضل من احصاها، رقم: ۳۸۳۵، وسنن الترمذی، كتاب الدعوات عن رسول الله، باب ماجاء في عقد المسبيح باليد، رقم: ۳۴۲۸، وسنن ابن ماجه، كتاب الدعاء، باب أسماء الله عزوجل، رقم: ۳۸۵۰، ومسند احمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۷۳۰۳، ۷۷۹۹.

متصف ہونے کی کوشش کرے۔ سوائے اللہ کے، کہ اللہ اگرچہ اسماء حسنی میں سے ہے لیکن یہ اسم ذات ہے، نہ یہ کسی دوسرے کی طرف منتقل ہو سکتا ہے اور نہ اس کی صفت براہ راست منتقل ہو سکتی ہیں۔ البتہ جو اسماء صفاتیہ ہیں جیسے رحمن، رحیم تو ان صفات کے اخلاق سے متعلق ہونا مراد ہے۔ اور یہ احصاء کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ ”احصاء“ سے مراد یاد کرنا ہے کہ جو یاد کر لے وہ بھی جنت میں داخل ہوگا۔

بعض نے کہا ہے کہ ان کو یاد کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے معانی کو بھی محفوظ کرنا۔ تو یہ سب تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

كتاب الوصايا

٢٧٣٨ - ٢٧٨١



۵۵۔ کتاب الوصایا

(۱) باب الوصایا

وقول النبی ﷺ: ((وصية الرجل مكتوبة عنه)). وقال الله عز وجل: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ أَنْ تَرَكَ خَيْرًا لَوَالِدَيْهِ أَوْ إِسْرَافًا﴾^۱ ﴿جَنَافًا﴾: ميلا، ﴿مَعْجَانَفًا﴾: معماہل۔

۲۷۳۸۔ حدثنا عبد الله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن نافع، عبد الله بن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ قال: ((ما حق امرئ مسلم له شيء يوصي فيه يبيت ليلتين إلا ووصيته مكتوبة عنده)).

”تابعہ محمد بن مسلم، عن عمرو، عن ابن عمر عن النبی ﷺ“^۲

فرمایا کہ ”لہ شیئی یوصی فیہ“ یعنی اگر کوئی وصیت کی چیز موجود ہے تو آدمی کو جب تک وصیت نہ لکھی ہو نہیں سوتا چاہئے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب کسی کے ذمہ کوئی مالی حق ہو یا عبادت کا کوئی حق ہو جیسے نمازیں یا روزے قضاء ہیں تو اس کی وصیت پہلے لکھ کر رکھے پھر سوتے۔ وراثتیں بھی ایسی نہیں گزرنی چاہئیں جس میں وصیت نہ لکھی ہوئی ہو۔

جہاں اس قسم کی کوئی چیز اپنے ذمہ واجب ہو، وہاں وصیت کا لکھنا واجب ہے اور جہاں اس قسم کی کوئی چیز ذمہ میں واجب نہ ہو، وہاں وصیت لکھنا واجب تو نہیں مستحب ہے کہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ محتاج لوگوں کو صدقہ کرنے کی وصیت کر دے۔

^۱ [البقرة: ۱۸۰، ۱۸۴]

^۲ وفی صحیح مسلم، کتاب الوصیة، رقم: ۳۰۷۴، وسنن الترمذی، کتاب الجنائز عن رسول اللہ، باب ماجاء فی الحث علی الوصیة، رقم: ۸۹۶، وکتاب الوصایا عن رسول اللہ، باب ماجاء فی الحث علی الوصیة، رقم: ۲۰۳۳، وسنن النسائی، کتاب الوصایا، باب الکراهیة فی تأخیر الوصیة، رقم: ۳۵۵۷، وسنن أبی داؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی ما یؤمر بہ الوصیة، رقم: ۲۳۷۸، وسنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب الحث علی الوصیة، رقم: ۲۶۹۰، ورسند احمد، مسند المكفرین من الصحابة، باب مسند عبد اللہ بن عمر الخطاب، رقم: ۳۳۵۰، ۳۳۳۹، رقم: ۱۲۵۶۔

۲۷۳۹۔ حدثنا إبراهیم بن الحارث : حدثنا یحیی بن ابی بکیر : حدثنا زهیر بن معاویة الجعفی : حدثنا أبو إسحاق ، عن عمرو بن الحارث ختن رسول الله ﷺ أخی جویریة بنت الحارث قال : ماتک رسول الله ﷺ عند موته درهما ولا دینارا، ولا عبدا ولا أمة ولا شیئا إلا بغلته البیضاء وسلاحه وأرضا جعلها صدقة . [أنظر : ۲۸۷۳، ۲۹۱۲، ۳۰۹۸، ۳۳۶۱].

۲۷۴۰۔ حدثنا خلاد بن یحیی : حدثنا مالک هو ابن مغول : حدثنا طلحة بن مصرف قال : سألت عبد الله بن ابی أوفی رضی الله عنهما : هل كان النبی ﷺ أوصی ؟ فقال : لا ، فقلت : کیف كتب علی الناس الوصیة أو أمروا بالوصیة ؟ قال : أوصی بكتاب الله . [أنظر : ۳۳۶۰، ۵۰۲۲]

امام بخاری رحمہ اللہ تینوں حدیثیں اس ترتیب سے لائے ہیں کہ پہلی حدیث میں وصیت لکھنے کو ضروری قرار دیا گیا، پھر آگے بتلایا کہ حضور اقدس ﷺ کوئی میراث چھوڑ کر نہیں گئے۔ تیسری حدیث میں بتایا کہ آپ ﷺ نے کوئی وصیت نہیں فرمائی۔ ان سب کے مجموعے سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب کوئی میراث چھوڑ کر نہیں جا رہا ہے تو وصیت لکھنا بھی ضروری نہیں۔

(۲) باب أن یترک ورثته أغنیاء خیر من أن یتکفروا الناس .

۲۷۴۲۔ حدثنا أبو نعیم : حدثنا سفیان ، عن سعد بن إبراهیم ، عن عامر بن سعد ، عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما بقول : جاء النبی ﷺ بعروذلی وأنا بمكة وهو یكره أن یموت بالأرض التي هاجر منها . قال ((برحم الله ابن عفرأ)) قلت : یا رسول الله ، أوصی بمالی كله ؟ قال : ((لا)) ، قلت : فالشطر ؟ قال : ((لا)) ، قلت : الثلث ؟ قال : ((فالثلث والثلث كثير)) ، إنك أن تدع ورثتك أغنیاء خیر من أن تدعهم عالة یتكفون الناس فی أیدیهم ، وإنك مهما أنفقت من نفقة فإنها صدقة حتی اللقمة ترفعها إلى فی امرأتك ، وعسی الله أن یرفعك فیتفعل بك ناس ویضربك آخرون)) . ولم یكن له یوم مثذ إلا ابنة . [أنظر : ۱۲۱۳، ۲۵۳۹، ۳۹۳۶، ۴۳۰۹، ۵۳۵۴، ۵۶۶۸، ۶۳۷۳، ۶۷۳۳]

یہ سعد بن خولہ ہیں، ان کے والد کا نام خولہ اور والدہ کا نام عفرأ ہے، اس لئے روایت میں ابن عفرأ سے سعد بن خولہ مراد ہیں، جن کا پہلے ذکر آیا تھا کہ مکہ مکرمہ میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

(۳) باب الوصیة بالثلث

”وقال الحسن: لا يجوز للذمی وصیة إلا بالثلث: وقال الله عز وجل:

﴿وَأِنْ أَحْكَمُ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ ۱

”وصیة بالثلث“ کا باب قائم کر کے امام بخاری رحمہ اللہ نے جو اگلا مسئلہ بیان فرمایا ہے وہ یہ کہ حضرت حسنؓ بھری فرماتے ہیں ذمی کی وصیت بھی ٹلٹ کی حد تک نافذ ہے۔ یعنی جس طرح مسلمانوں کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ کوئی وصیت ایک تہائی سے زیادہ نہیں کر سکتے، اگر کریں گے تو باطل ہوگی۔ اسی طرح اگر اہل ذمہ میں سے کسی نے اپنے کسی شخص کے لئے ایک ٹلٹ سے زائد کی وصیت کی اور مسلمانوں کے پاس مقدمہ آ گیا تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر ان کے مذہب کے مطابق ایک ٹلٹ سے زیادہ کی وصیت جائز ہے تو اس کو نافذ کر دیا جائے گا۔

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں اور یہی جمہور کا مسلک ہے کہ اگر اہل ذمہ ہمارے پاس مقدمہ لائیں گے تو ہم اپنی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے اور ہماری شریعت میں ایک ٹلٹ سے زیادہ کی وصیت نہیں ہو سکتی۔ لہذا اس سے زیادہ کی جو وصیت کی ہوگی وہ نافذ نہیں ہوگی، باطل قرار دی جائے گی۔

اس پر استدلال کیا کہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا ﴿وَأِنْ أَحْكَمُ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ کہ ان کے درمیان اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ فرمائیں۔

اگر وہ مقدمہ ہمارے پاس نہ لائیں، ہمارے قاضی سے فیصلہ نہ کرائیں تو پھر ان کو اختیار ہے۔ لیکن اگر ہمارے پاس لائیں گے تو ہم ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کو نافذ نہیں کریں گے۔

(۴) باب قول الموصی لو وصیہ: تعاهد لولدی،

وما يجوز للوصی من الدعوی

یعنی موصی اپنے وصی سے یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے بچوں کا خیال رکھنا ان کی نگرانی تمہارے سپرد ہے، تو اسی وصی کو کسی بچے کے نسب یا حضانت کا دعویٰ کرنے کا بھی حق حاصل ہے۔

(۵) باب إذا وماً المریض برأسه إشارة بینة تعرف

۲۷۳۶۔ حدثنا حسان بن أبی عباد: حدثنا همام، عن قتادة، عن أنس ؓ: أن

يهوديا رض رأس جارياً بين حجرين، فقبل لها: من فعل بك؟ أفلان أو اللان؟ حتى سمى

اليهودی، فأومات برأسها فجبی به فلم یزل حتی اعترف فأمر النبي ﷺ لمرض رأسه بالحجارة. [راجع: ۲۳۱۳].

وصیت بالاشارہ کا حکم

اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ مسئلہ بیان کرنا چاہ رہے ہیں کہ وصیت جس طرح لفظوں سے ہو سکتی ہے اسی طرح اشارہ سے بھی ہو سکتی ہے۔

اگر کوئی مرض وفات میں ہے اور بیماری کی وجہ سے بولنے پر قادر نہیں ہے، ایسی حالت میں اگر وہ اشارہ کے ذریعہ کوئی وصیت کر دے اور اشارہ سمجھ میں آ رہا ہو تو کہتے ہیں، یہ وصیت جائز ہے۔

حنفیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہوتی۔ حنفیہ کے نزدیک وصیت یا تو لفظوں میں ہو یا وہ خود لکھ کر دے، تب تو جائز ہے، لیکن عام آدمی کی وصیت محض اشارہ کے ذریعے درست نہیں الا یہ کہ آدمی اخرس ہو، شروع ہی سے گونگا ہو، ساری زندگی اشاروں میں گزری ہو، اگر مرض الوفا میں وصیت بھی اشاروں کے ذریعے کرے تو وہ معتبر ہوگی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو گونگا ہوتا ہے اس کے اشارے متعین ہو جاتے ہیں، اس کے اشاروں کی مستقل زبان ہوتی ہے، اس کو لوگ سمجھتے ہیں۔ لیکن جو گونگا نہیں ہے اس کا اشارہ ابہام پیدا کر سکتا ہے، اس میں جہالت ہے، اس واسطے اس کی وصیت معتبر نہیں۔ ۵

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے اس مسلک پر کہ اشارہ کے ذریعے وصیت ہو سکتی ہے اس مشہور واقع سے استدلال کیا ہے جو کئی جگہ آیا ہے کہ ایک یہودی نے ایک جاریہ (بچی) کا سردو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا تھا اور اس کے زیور لے کر بھاگ گیا تھا۔

حضور اقدس ﷺ جب اس بچی کے پاس پہنچے تو اس سے پوچھنا شروع کیا کہ تمہیں فلاں نے قتل کیا ہے؟ فلاں نے کیا ہے؟ یا فلاں نے کیا ہے؟ اس کے سامنے مختلف نام لئے۔ جب آپ ﷺ نے اس یہودی کا نام لیا تو اس نے اشارہ کر دیا۔ بعد میں آپ ﷺ نے اس یہودی کو پکڑا اور پھر اس سے قصاص کیا گیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ استدلال کر رہے ہیں کہ جب اشارہ کی بنیاد پر قصاص ہو گیا تو پھر اشارہ سے وصیت بطریق اولی ہو جانی چاہئے۔

لیکن یہ استدلال اس لئے درست نہیں ہے کہ وہاں جو قصاص ہوا تھا وہ محض اس بچی کے اشارہ کی بنیاد پر نہیں ہوا بلکہ روایت میں صراحت ہے کہ اس کو پکڑا اور پکڑنے کے بعد جب اس سے پوچھ گچھ کی گئی تو اس نے

اعتراف کیا کہ ہاں میں نے کیا ہے تو قصاص اس کے اعتراف کی بنیاد پر لیا گیا نہ کہ اشارہ کی بنیاد پر۔^۱
البتہ اس سے جو پوچھ گچھ کی جا رہی تھی محض تفتیش کے لئے کی جا رہی تھی، اس کے اشارہ نے تفتیش میں
ایک راستہ پیدا کر دیا۔ اس حد تک کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن اس سے کوئی حکم شرعی وہاں پر بھی مرتب نہیں کیا گیا اور
وصیت میں بھی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح مار پٹائی جائز نہیں، جب تک کہ کسی آدمی کے اوپر جرم ثابت نہ ہو۔

(۶) باب لا وصیة لوارث

”سبب لا وصیة لوارث“ ایک حدیث بھی انہیں الفاظ سے مروی ہے لیکن چونکہ وہ سنداً کمزور
ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو حدیث کے طور پر ذکر نہیں کیا بلکہ ترجمہ الباب بنا دیا اور اس لئے بتایا
کہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن ”مؤید بتعامل الامة“ ہے، تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ وارث کے
لئے کوئی وصیت نہیں ہوتی۔^۲

۲۷۴۷۔ حدثنا محمد بن يوسف، عن ورقاء، ابن أبي لحيان، عن عطاء، عن ابن عباس
رضي الله عنهما قال: كان المال للولد، وكانت الوصية للوالدين؛ ففسخ الله من ذلك ما أحب
فجعل للذكر مثل حظ الأنثيين، وجعل للأبوين لكل واحد منهما السدس، وجعل للمرأة الفمن
والربع، والنزوح الشطر والربع. [أنظر: ۲۷۴۹، ۳۵۷۸] ^۳

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ شروع میں مال، اولاد کا ہوا کرتا تھا اور وصیت
والدین کے لئے ہوا کرتی تھی۔ یعنی یہ حکم تھا کہ جو کچھ بھی بچے کا وہ اولاد میں تقسیم ہوگا اور اگر مرنے والا چاہے تو
والدین کے حق میں کچھ وصیت کر جائے۔ لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس میں سے جو چاہا منسوخ فرما دیا۔ اب
آگے مستقل یہ اصول بیان کر دیا کہ ”للذکر مثل حظ الأنثیین“ باقاعدہ فرائض مقرر کر دیئے گئے۔ کہنا یہ
چاہتے ہیں کہ فرائض کے نازل ہونے سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

(۷) باب الصدقة عند الموت

۲۷۴۸۔ حدثنا محمد بن العلاء: حدثنا أبو اسامة، عن سفیان، عن عمارة، عن
أبي زرعة، عن أبي هريرة، قال: قال رجل للنبي ﷺ: يا رسول الله، أى الصدقة أفضل؟

۱۔ والنبي ﷺ لم يكتب بأشارة الجارية لى قتل اليهودى، والماتله باعتراضه، عمدة القارى، ج: ۹، ص: ۱۳۱.

۲۔ فیض الباری، ج: ۳، ص: ۲۰۹.

۳۔ وفقی سنن الدارمی، کتاب الوصایا، باب الوصیة لوارث، رقم: ۳۱۳۰.

قال: ((أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَاحِبُ حَرِيصٍ، تَأْمَلُ الْفَنَى، وَتَخْشَى الْفَقْرَ، وَلَا تَمْهَلُ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغْتَ الْحَلْقُومَ قُلْتَ: لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا، وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ)). [راجع: ۱۴۱۹]۔
 اتنا غلاموں کا اور اتنا فلاں کا۔ جبکہ وہ مال کسی اور فلاں یعنی ورثہ کا ہو چکا۔ یعنی جب مال ورثہ کا ہو چکا تو اس وقت کہہ رہے ہیں کہ اتنا فلاں کا اور اتنا فلاں کا تو اس میں اتنا اجر نہیں۔

(۸) باب قول الله عزوجل: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ ذِينَ﴾

اس باب کے ذریعے دراصل امام بخاری رحمہ اللہ ایک مسئلہ میں حنفیہ کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔ کہ اگر مرض وفات میں کوئی شخص دین کا اقرار کرے کہ میرے ذمے فلاں کا اتنا دین ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اقرار علی الاطلاق معتبر ہونا چاہئے، بغیر کسی شرط و قید کے، مریض جس کے حق میں چاہے جتنا چاہے اقرار کر سکتا ہے اور وہ اقرار معتبر ہوگا۔

دوسری طرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں کسی نے یہ خبر پہنچائی کہ حنفیہ کے نزدیک مریض کا اقرار بالبدین کسی بھی حالت میں معتبر نہیں۔ اس واسطے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کر کے مختلف آثار وغیرہ ان کی تردید کے لئے نقل کئے ہیں کہ یہ بات درست نہیں، اعتبار ہونا چاہئے۔

مریض کا اقرار بالبدین اور مسلک حنفیہ

لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مریض کا اقرار بالبدین نہ علی الاطلاق معتبر ہے اور نہ علی الاطلاق غیر معتبر ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے۔

وہ یہ ہے کہ اگر دین کا اقرار کسی اجنبی کے لئے کیا ہے تو وہ علی الاطلاق معتبر ہے کہ فلاں شخص کے اتنے پیسے میرے ذمے واجب ہیں، اور وہ دین اس کے کل مال سے ادا کیا جائے گا، اس میں ثلث کی بھی قید نہیں ہے۔ اور اگر اقرار بالبدین اپنے ورثہ میں سے کسی وارث کے حق میں ہو کہ کوئی شخص یہ اقرار کرے کہ میرے فلاں بیٹے کے ایک ماہ روپے میرے ذمے بطور قرضہ واجب ہیں، تو اس صورت میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اقرار بالبدین اس وقت تک معتبر نہ ہوگا جب تک دوسرے ورثہ اس کی تصدیق نہ کر لیں یا وہ دین معروف ہو، لوگوں کو معلوم ہو لیکن اگر نہ تو معروف بین الناس ہے اور نہ دوسرے ورثہ اس کی تصدیق کرتے ہیں تو اس صورت میں حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ اقرار بالبدین معتبر نہیں ہوگا۔

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دین لئلا اجنبی میں تو امام بخاری رحمہ اللہ اور حنفیہ کے درمیان کوئی

اختلاف نہیں ہے، البتہ اختلاف اقرار الدین فی حق الوارث میں ہے اور وہ بھی اس وقت جب دین معروف نہ ہو اور دوسرے ورثہ تصدیق نہ کریں۔

اگر یہ ذہن نشین ہو جائے تو اب دیکھ لیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اعتراضات کس حد تک درست ہیں؟ تو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ ذَيْنَ ﴾

اس آیت کو نقل کرنے کا نشانہ یہ ہے کہ دین کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے وصیت اور میراث دونوں پر مقدم کیا ہے، لہذا اگر کوئی شخص دین کا اقرار کر رہا ہے تو وہ معتبر ہونا چاہئے۔

”ویدکر ان شریحا، و عمر بن عبد العزیز، و طالساء، و عطا و ابن اذينة أجازوا إقرار المريض بدین. وقال الحسن: أحق ما تصدق به الرجل أحر يوم من الدنيا وأول يوم من الآخرة. وقال إبراهيم والحكم: إذا أبرأ الوارث من الدين برئ. وأوصى رافع بن خديج أن لا تكشف امرأة الفزارية عما أغلق عليه بابها. وقال الحسن: إذا قال لمملوكه عند الموت: كنت أعتقتك، جاز. وقال الشعبي: إذا قالت المرأة عند موتها: إن زوجي قضاني وقبضت منه جاز. وقال بعض الناس لا يجوز إقراره لسوء الظن به للورثة ثم استحسن فقال: يجوز إقراره بالوديعة و البضاعة والمضاربة. وقد قال النبي ﷺ: ((إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث)). ولا يحل مال المسلمين لقول النبي ﷺ: ((آية المنافق إذا اتعن خان)). وقال الله تعالى: ﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ﴾ فلم يخص وارثا ولا غيره. فيه عبدالله بن عمرو عن النبي ﷺ.

”ویدکر ان شریحا..... و ابن اذينة أجازوا إقرار المريض بدین“ ان سب نے مریض کے اقرار بالدین کو جائز اور نافذ قرار دیا ہے۔

حنفیہ کی طرف سے کہا جائے گا کہ ہو سکتا ہے کہ ”إقرار بالدين لاجنبی“ ہو یا ”إقرار للوارث“ ہو مگر دین معروف ہو یا دوسرے ورثہ نے اس کی تصدیق کر دی ہو۔

”وقال الحسن: أحق ما تصدق“ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ آدمی تصدیق کئے جانے کا حقدار ہوتا ہے یعنی اس بات کا کہ اس کی بات کو سچ مانا جائے۔ اس وقت جب دنیا کا آخری دن اور آخرت کا پہلا دن ہو۔

مطلب یہ ہے کہ جب پاؤں قبر میں لٹکائے بیٹھا ہے اور آخرت کی سیرھی پر پاؤں رکھا ہے، دنیا سے باہر جا رہا ہے، اس وقت آدمی کسی دوسرے کو نفع پہنچانے کی خاطر کیا جھوٹ بولے گا، لہذا ایسی صورت میں اگر وہ اقرار کر لے تو اقرار معتبر ہونا چاہئے۔

آدمی کے ساتھ عام حالات میں یہی ہوتا ہے، لیکن جب وہ بالکل مرنے کے قریب ہوتا ہے تو اس وقت اس کے دل میں خدا کا خوف آجاتا ہے اور عام طور پر اس وقت جھوٹ نہیں بولتا لیکن محض اس مفروضے پر احکام شرعیہ کو متفرغ نہیں کیا جاسکتا۔

کیا اگر کوئی شخص مرتے مرتے یہ کہہ دے کہ مجھے فلاں نے قتل کیا ہے تو مجرد اس کے کہنے سے اس شخص پر جس کا نام لیا ہے قصاص آئے گا۔ اس بنیاد پر کہ جاتے جاتے کیوں جھوٹ بولے گا؟

تو یہ صحیح ہے کہ عام طور سے ایسے وقت آدمی سچ بولتا ہے لیکن اس مفروضے کی بنیاد پر کسی کا حق ساقط نہیں ہو سکتا۔ کسی دوسرے پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں کی جاسکتی۔ یا فرض کریں کہ کوئی شخص جاتے جاتے مرتے وقت یہ کہہ جائے کہ میرے ایک لاکھ روپے فلاں کے اوپر واجب ہیں تو کیا بغیر بینہ کے محض اس کے کہہ دینے سے اس کے ذمہ ایک لاکھ روپے واجب ہو جائیں گے؟

معلوم ہوا کہ یہ ایک عام بات کہی جا رہی ہے کہ عام طور سے انسان مرتے وقت سچ بولتا ہے لیکن اس مفروضے کی بنیاد پر نہ کسی کے اوپر کوئی ذمہ داری عائد کی جاسکتی ہے، نہ کسی کا حق چھینا جاسکتا ہے نہ کسی کے اوپر کوئی جنایت عائد کی جاسکتی ہے۔

اور ہمارا عدالتی تجربہ یہ ہے کہ خاص طور سے پنجاب اور سرحد کے بعض علاقوں میں بھی یہ صورتحال ہے کہ آدمی جاتے جاتے اپنے دشمنوں کو گھسیٹ کر لے جاتا ہے۔ یعنی یہ سوچتا ہے کہ میں تو جا رہا ہوں، چھو اپنے دشمن کے خلاف بیان دیتا جاؤں کہ فلاں نے قتل کیا ہے۔

اصل قاتل کا بھی نام لے گا کہ فلاں نے قتل کیا ہے لیکن ساتھ میں کچھ دشمنوں کو بھی شامل کر لے گا کہ ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

لہذا اگر اس طریقہ سے بیان کے اوپر اتنا بھروسہ کر لیا جائے تو پھر دینا کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جو جاتے جاتے شخص بیان کے اوپر نہ کیا جاسکے۔

آگے فرماتے ہیں ”وقال إبراهيم والحکم: إذا أهرأ الوارث من الدين برئ“۔
ابراہیم نخعی اور حکم رحمہما اللہ کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص وارث کو دین سے بری کر دے تو وہ بری ہو جائے گا یعنی ایک وارث جس کے ذمے قرضہ واجب تھا، مرتے وقت کہتا ہے کہ میں اس کو دین سے بری کرتا ہوں تو یہ حضرات کہتے ہیں کہ بری ہو جائے گا۔

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کہتے ہیں کہ بری نہیں ہوتا، اس واسطے کہ وارث کو بری کرنے کے معنی اس کے حق میں وصیت ہوئی یعنی اس کے ذمہ جو دین تھا اگر وہ ادا کرتا تو ترکہ میں شامل ہو کر تمام ورثاء میں تقسیم ہوتا لیکن اس نے دوسرے ورثاء کو محروم کر کے تنہا اسی کو نوادیا۔ یہ لا وصیہ لوارث کے مفہوم کے بالکل خلاف ہے، اس لئے ایسا کرنا بالکل جائز نہیں۔

ہاں اگر غیر وارث کو دین سے بری کر دیں تو وہ بری کرنا ثلث کی حد تک معتبر ہوگا، جو وصیت کے حکم میں ہے۔

آگے فرمایا ”اوصی بن خدیج ان لا یكشف امر انه الفزاریة اهل علیہ بابہا“۔
 رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ ان کی جو قبیلہ فزار سے تعلق رکھنے والی اہلیہ ہیں، ان کے گھر کو اس چیز سے نہ کھولا جائے جس چیز کے اوپر ان کا دروازہ بند ہے۔ یعنی ان کے گھر میں جو کچھ بھی ہے اس سے بالکل تعرض نہ کیا جائے۔

گویا امام بخاری رحمہ اللہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے اس بات کا اقرار کیا کہ ان کے گھر میں جو کچھ ہے، وہ میں نے ان کو دے دیا، اب وہ ان کی ملکیت ہے، اور ان کی اس وصیت کو معتبر مانا گیا۔ معلوم ہوا کہ جب یہ جائز ہے تو اس کا اقرار کرنا بھی جائز ہونا چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ درحقیقت اقرار نہیں ہے یہ تو صرف یہ کہا جا رہا ہے کہ امراة فزار یہ کے گھر میں جو کچھ ہے وہ ان کی ملکیت ہے، میری ملکیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، لہذا ان سے تعرض نہ کرنا۔

اقرار اس وقت ہوتا ہے جب کوئی چیز ابتداءً موصی کی ملکیت میں بھی جا رہی ہو، ملکیت میں موجود ہو، پھر ملکیت سے خارج ہونے کا اقرار کرے لیکن جو چیز اس کی ملکیت میں ہی نہیں ہے اس کے بارے میں کہا کہ وہ اس کی ملکیت ہے اس کو میرے ترکہ میں شمار نہ کریں تو یہ ٹھیک ہے اور اس کا ”ما نحن فیہ“ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

آگے فرمایا ”وقال : الحسن اذا قال لمملوکه عند الموت کنت اعتقتک حجاز“۔
 حسن بصری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے مرتے وقت اپنے غلام سے کہا کہ میں نے تجھے بہت پہلے آزاد کر دیا تھا یعنی اس نے اس کے حق کا اقرار کیا تو فرماتے ہیں کہ یہ حق کا اقرار کرنا جائز ہے، جب حق کا اقرار کرنا جائز ہے تو دین کا اقرار کرنا بھی جائز ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے کہ یہ اقرار کرنا جائز ہے کیونکہ اس نے سوچا ہوگا کہ اعتاق تو نہیں کر سکتا کیونکہ وہ ثلث میں ہوگا چلو پھیلو واقعہ میں اقرار کر لوں کہ میں نے دو سال پہلے آزاد کر دیا تھا۔

سوال یہ ہے کہ اگر آزاد کر دیا تھا تو اس وقت آزادی کا اعلان کیوں نہیں کیا؟ آزادی کے حقوق کیوں نہیں دیئے تھے؟ مرتے وقت کیوں یاد آیا کہ دو سال پہلے میں نے آزاد کیا تھا؟ لہذا یہ قول معتبر نہیں ہے، یہ وصیت کے حکم میں ہوگا اور اقرار معتبر نہیں ہوگا "إلا من الثلث".

آگے فرمایا "وقال الشعبي: إذا قالت المرأة عند موتها: أن زوجي قضاني ولبضت منه جازاً" بیوی اگر مرتے وقت یہ کہے کہ میرے شوہر نے مجھے میرا مہر ادا کر لیا تھا اور میں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا تو اس کا یہ کہنا جائز ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس نے اپنے شوہر کو دین مہر سے بری کر دیا۔ اس سے یہ استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے وارث کو دین سے بری کرے تو وہ برات معتبر ہونی چاہئے۔ لیکن یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ مہر میں اصل یہ ہے کہ شوہر ادا کر دے۔ اس دین کا ہمیشہ ثابت رہنا کوئی ضروری نہیں ہے، لہذا اگر عورت کہہ رہی ہے کہ میں نے مہر پر قبضہ کر لیا تھا تو یہ "إبراء عن الدين" نہیں ہے بلکہ ایک واقعہ کا ذکر ہے جو اصل کے مطابق ہے کہ شوہر کو مہر دے دینا چاہئے تھا، عورت کہہ رہی ہے کہ دے دیا تھا، اس لئے اس پر قیاس کرنا درست نہیں۔

"وقال بعض الناس: لا يجوز إقراره لسوء الظن به للورثة لم استحسن".

بعض الناس کہتے ہیں کہ مریض کا اقرار معتبر نہیں، یہ کس وجہ سے کہتے ہیں؟

"سوء الظن" سوء ظن کرتے ہوئے، بدگمانی کرتے ہوئے کہ ورثہ کو محروم کرنا چاہتا ہے۔ اس واسطے اس نے یہ اقرار کیا ہے۔ آگے فرمایا "وقال النبي ﷺ: إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث" اس حدیث کی بناء پر یہ بدگمانی نہیں کرنی چاہئے کہ آدمی مرتے دم بھی اپنے ورثوں کو محروم کرنے کے لئے جھوٹ بول رہا ہوگا۔ اور حنفی لوگ یہ بدگمانی کرتے ہیں اور اس بدگمانی پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔

آگے کہتے ہیں "ولا يحل مال المسلمین" مسلمان کا مال کسی شخص کے لئے حلال نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے ذمے دین ہے تو اس نے دوسرے مسلمان کے مال پر قبضہ کر رکھا ہے، اس لئے اس پر شرعاً واجب ہے کہ مال واپس لوٹائے اور لوٹانے کا راستہ یہ ہے کہ اقرار کرے۔ آپ کہتے ہیں کہ اقرار معتبر نہیں ہو گیا آپ نے مسلمانوں کا مال لوٹانے پر رکاوٹ بنا کر رکھی۔

"لقول النبي ﷺ آية المنافق إذا اتهم خان" منافق کی علامت یہ ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

اب یہ بے چارہ مرنے کے قریب ہے اور اس کے ذمے قرضہ ہے تو یہ اقرار کرے گا تب قرضہ ادا ہوگا اگر اقرار نہیں کرے گا تو خیانت ہوگی۔ آپ کہتے ہیں کہ اقرار نہ کر، خیانت کر جو "إذا اتهم خان" میں داخل ہے۔

"إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا لِمَ يَخَنَّ وَاثِنًا وَلَا غَيْرَهُ".

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امانات اہل کو واپس کرو، اس حکم میں وارث اور غیر وارث کی کوئی تفصیل نہیں کی تو امانت ہر ایک کو واپس کرنی ہے، اگر آپ اقرار کو معتبر نہیں مانتیں گے تو امانت کیسے واپس ہوگی۔

”قال بعض الناس“ سے کئے جانے والے اعتراض کا جواب

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں دو دلیلیں بیان فرمائی ہیں۔

ایک یہ کہ حنفیہ کا مسلک سوء ظن پر مبنی ہے۔

اول تو یہ مفروضہ غلط ہے سوء ظن پر مبنی نہیں بلکہ صورت حال یہ کہ پیچھے حدیث گزری ہے کہ جب انسان موت کے قریب ہوتا ہے، مرض الموت میں ہوتا ہے، اس وقت مال اس کا نہیں رہا، حدیث میں نبی کریم ﷺ نے صاف صاف بیان فرمادیا ”وقد كان للفلان“ اگر واقعہ اس کے پیش سے کوئی دین صحت کی حالت میں تھا تو اس وقت ہی قرآن کریم کے حکم کے مطابق اس کی تحریر لکھتا اور گواہ بنا تا، اور اگر مرض وفات ہی میں دین پیدا ہوا تو چاہئے تھا کہ اس پر گواہ بنا تا یا دوسرے ورثہ کے علم میں لاتا، جب یہ کام اس نے نہیں کئے اور دائن نے بھی نہیں کروائے تو دونوں خطا کار ہیں لہذا جب تک ورثہ تصدیق نہ کریں اس کا یہ تصرف معتبر نہیں۔

اب چونکہ مال اس کا نہیں رہا تو وہ اس میں آزادی کے ساتھ تصرف نہیں کر سکتا بلکہ تصرف کرنے کے لئے کچھ حدود و قیود کا پابند ہے یعنی ایک ٹکٹ سے زائد میں تصرف نہیں کر سکتا۔

یہ بات تو صحیح ہے کہ مسلمانوں پر بدگمانی نہیں کرنی چاہئے: لیکن بدگمانی نہ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی تو ہے کہ دوسرے کے مال میں تصرف نہ کیا جائے۔ اب جبکہ وہ مال ذرہ کا ہو چکا ہے تو مرنے والے کو اس میں ایک تہائی سے زیادہ میں تصرف کرنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی۔ لہذا یہاں بدگمانی کا مسئلہ نہیں ہے، مسئلہ اہل حقوق کو حقوق دینے کا ہے۔

آپ کو مدیون صاحب حق نظر آ رہا ہے اور اس کی وجہ سے ورثہ کا حق پامال کرنے کی فکر میں ہیں اور حنفیہ کو ورثہ کا حق نظر آ رہا ہے جو نبی کریم ﷺ نے صاف صاف بیان فرمایا ہے ”وقد كان للفلان“ کہ ان کا حق ہو گیا۔ لہذا اس حق کو باطل کر کے کسی دوسرے کا حق نہیں دیا جا سکتا، اس میں سوء ظن کا سوال ہی نہیں۔

دوسری دلیل کا جواب

دوسری دلیل کا جواب یہ کہ بے شک امانت تو اہل امانت تک پہنچانی چاہئے اور دین، صاحب دین تک پہنچانا چاہئے لیکن امانت پہنچانے اور دین ادا کرنے کا جو طریقہ شریعت نے مقرر فرمایا ہے اس کا لحاظ رکھ کر اور وہ طریقہ یہی ہے کہ نشو و دین کے وقت اس پر گواہ بنائے۔

اب جبکہ مال ورثہ کا ہو گیا اور آپ کہتے ہیں کہ ورثہ کے مال میں سے امانت ادا کرو۔ ظاہر ہے کہ اللہ ﷻ نے جس کو جو کچھ بھی مال عطا فرمایا ہے، اس کا اصل مالک اللہ ﷻ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کی صحت والی زندگی میں اس میں تصرف کا حق دے رکھا تھا لیکن جب صحت کی زندگی ختم ہو گئی، یہی کا وقت آ گیا تو اللہ ﷻ نے فرمایا اب یہ تمہارا نہیں رہا ”قد قد کمان لفلان“ اب تو تمہارے ورثہ کا حق ہے، اس میں ایک تہائی تک جتنا تصرف کر سکتے ہو کر لو، اس سے زیادہ تصرف کرنے کا تمہیں حق نہیں ہے اور اس ایک تہائی میں بھی وارث کے حق میں تصرف نہیں کر سکتے، غیر وارث کے حق میں کر سکتے ہو۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ غیر وارث کے حق میں معتبر ہے اور وارث کے حق میں معتبر نہیں۔

حنفیہ پر ایک اور اعتراض

درمیان میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک اور اعتراض کیا کہ ایک طرف تو حنفیہ کہتے ہیں کہ دین کی وصیت جائز نہیں، دین کا اقرار جائز نہیں، دوسری طرف کہتے ہیں ”ثم استحسن فقال: يجوز اقراره بالوديعة والبضاعة والمضاربة“ یعنی دین کے بارے میں تو یہ کہہ دیا کہ دین کا اقرار جائز نہیں لیکن بعد میں استحسان کیا اور اسی استحسان کی وجہ سے حنفیہ کے اوپر بہت اعتراض بھی ہوئے۔

استحسان کا مطلب یہ ہے کہ یہ مجھے اچھا لگتا ہے یعنی اپنی رائے اور اپنے خیال سے جو چیز اچھی لگتی ہے اس کو پکڑ لیتے ہیں، اس لئے یہ لفظ استعمال کر کے تھوڑا سا طنز کیا ہے کہ ایک طرف تو یہ کہہ دیا کہ ”الافراد بالدين“ معتبر نہیں، پھر بعد میں ”استحسان“ کیا۔

استحسان یہ کیا کہ یہ کہہ دیا ودیعت، بضاعت اور مضاربت کا اقرار درست ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص یوں کہے کہ مجھ پر فلاں شخص کا اتنا روپیہ واجب ہے تو یہ اقرار معتبر نہیں، لیکن اگر یہ کہے کہ اس نے میرے پاس اتنے روپے امانت رکھوائے تھے یہ معتبر ہے۔

اور اگر یہ کہے کہ اس نے مجھے اتنا روپے بضاعتا دیا تھا، بضاعتا کے معنی ہیں تجارت کرنے کے لئے کہ جو نفع ہو وہ میں رکھوں اور اصل رقم اس کو واپس کر دوں یا مضاربت پر دیا تھا کہ میں اس سے تجارت کروں اور جو نفع ہو وہ ہم تقسیم کر دیں، اگر اس قسم کا کوئی اقرار کرے تو حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ اقرار معتبر ہے۔

تو عجیب قصہ ہے کہ دین کا اقرار تو معتبر نہیں اور ودیعت، ضاعت اور مضاربت کا اقرار معتبر ہے۔

جواب: اولاً تو یہ سمجھ میں کہ ان تینوں یعنی ودیعت، بضاعت اور مضاربت کے بارے میں حنفیہ کی عبارتوں میں فرق ہے بعض عبارات سے حنفیہ کا مسلک یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اقرار اس وقت معتبر ہے جب ودیعت، بضاعت اور مضاربت معروف ہو یا کم از کم ان کا سبب معروف ہو اور اگر سبب معروف نہیں ہے تو پھر

درشکی تصدیق کے بغیر معتبر نہیں ہے۔ اس صورت میں دین اور ودیعت وغیرہ میں کوئی خاص فرق نہیں ہوگا۔ دوسری بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امانات کا اقرار بہر صورت نافذ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دین اور ان چیزوں میں بڑا لطیف اور باریک فرق ہے جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ مجھ پر فلاں شخص کا دین واجب ہے تو معنی یہ ہیں میرا ترکہ ایک لاکھ روپے ہے لیکن میں اقرار کرتا ہوں کہ اس میں سے دس ہزار کا دین فلاں کا میرے اوپر ہے جو مجھے ادا کرنا ہے تو پہلے ایک لاکھ روپے اپنے ملکیت کا اثبات کیا اور پھر اس میں سے کچھ رقم کسی دوسرے کو ادا کرنے کی وصیت کی۔

لہذا اس کے اوپر پورا پورا یہ حکم عائد ہوتا ہے کہ جب ایک مرتبہ اپنی ملکیت تسلیم کر لی اب وہ وارث کے حق میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا لہذا دین کا اقرار معتبر نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص ودیعت کا اقرار کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ شروع ہی سے اس حد تک اپنی ملکیت تسلیم نہیں کرتا کہ یہ میری ملکیت ہے۔ جب اس کی ملکیت ہی نہیں تو اس میں ورثہ کا حق ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

گویا وہ کہہ رہا ہے کہ جو ایک لاکھ روپیہ ہے اس میں سے جو اتنی رقم الگ رکھی ہے وہ میری نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ شروع سے ہی اس پر اپنی ملکیت ثابت نہیں کی اور لٹ والا یا ”لاوصیۃ لـواژٹ“ والا قاعدہ۔ اس صورت میں جاری ہوتا ہے جب ابتداء میں ملکیت ثابت ہو پھر اس میں سے کوئی چیز نکالی جائے۔ لیکن ودیعت، بضاعت اور مضاربت، یہ سب امانات ہیں، ان کے اقرار کے معنی یہ ہیں کہ ان اموال پر شروع سے میری ملکیت آئی ہی نہیں ہے۔

لہذا ان میں اور دین میں فرق ہے اس لئے یہ اعتراض کرنا کہ وہاں تو آپ نے اقرار کو جائز کہا ہے اور یہاں نہیں کہا ہے یہ اعتراض برہل نہیں ہے۔

سوال: آپ نے یہ فرمایا ہے کہ ودیعت میت کا مال نہیں ہے، اس لئے ودیعت کا اقرار درست ہے، اسی طرح اگر قرض کے بارے میں وصیت کرے تو وہ بھی درست ہونا چاہئے کیونکہ قرض بھی اس کا مال نہیں ہے بلکہ مقرض کا ہے؟

جواب: قرض جب مستقرض کو دے دیا جاتا ہے تو وہ مستقرض کی ملک بن جاتا ہے، لہذا قرض یا دین کا اقرار کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ میں جتنا مال چھوڑ کر جا رہا ہوں، وہ سارا میرا ہے، میری ملکیت ہے البتہ میرے ذمے میں کچھ حق واجب ہیں۔

پہلے وہ سارے ترکہ کو اپنا مال تسلیم کرتا ہے، دین کوئی معین چیز نہیں ہوتی بلکہ وہ فی الذمہ ہوتا ہے کہ میرے ذمے اتار دے واجب ہیں، لہذا جو کچھ موجود ہے اس نے پہلے سارا کچھ اپنی ملکیت قرار دیا اور پھر کہا کہ

اس کے اوپر ایک ذمہ داری واجب ہے اس کی وصیت کر رہا ہے کہ تم ادا کر دینا۔ تو گویا پہلے پورے مال پر اپنی ملکیت ثابت کی پھر دوسرے کے لئے دین کا اقرار کیا۔ جب اس نے اپنی ملکیت ثابت کی تو ثابت ہوتے ہی اس کے ساتھ ورثہ کا حق متعلق ہو گیا اب بعد میں اس کا یہ کہنا کہ میرے ذمے دین واجب ہے تو یہ ورثہ کا حق باطل کر رہا ہے اور یہ نسخ ہے کہ پہلے ثابت کیا اور پھر باطل کر رہا ہے، بیان تبدیل ہے۔

بخلاف ودیعت کے کہ ودیعت تو اس کے پاس جوں کی توں رکھی ہوگی تو وہ جو کہہ رہا ہے کہ جتنا مال رکھا ہے، اس میں سے فلاں فلاں چیز میری ملکیت نہیں ہے، فلاں کی ودیعت ہے تو اس شئی پر اس نے شروع ہی سے اپنی ملکیت کا اثبات نہیں کیا، ایسا نہیں ہے کہ پہلے ملکیت ثابت کی ہو پھر اس کو اپنی ملکیت سے نکالا ہو یا نکالنے کی وصیت کی ہو جب اس نے یہ کہہ دیا کہ میرا نہیں ہے تو وہ ترکہ میں شامل نہ ہو اور ورثہ کا حق اس سے متعلق نہ ہو، لہذا اس کو اقرار کرنے کا، اور کہنے کا حق ہے کیونکہ وہ اپنی ملکیت کا تعین کر رہا ہے (دونوں میں یہ فرق ہے)۔^{۱۱}

(۹) باب تاویل قوله تعالیٰ:

﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾^{۱۲}

ويذكر أن النبي ﷺ قضى بالدين قبل الوصية. وقوله عز وجل: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ [النساء: ۵۸] فإداء الأمانة أحق من تطوع الوصية. وقال النبي ﷺ: ((لا صدقة إلا عن ظهر غنى)) - وقال ابن عباس: لا يوصى العبد إلا بأذن أهله. وقل النبي ﷺ: ((العبد راع من مال سيده)).

دین وصیت پر مقدم ہے، آیت میں اس کے برعکس کیوں؟

آیت میراث میں یہ جملہ جگہ جگہ آیا ہے ”مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ“ ہر جگہ یہ کہا گیا ہے کہ میراث کی تقسیم ان دو چیزوں کے بعد ہوگی۔ ایک وصیت نافذ کرنے کے بعد، دوسرے دین کی ادائیگی کے بعد۔

قرآن کریم نے وصیت کا ذکر پہلے کیا ہے اور دین کا بعد میں لیکن اس بات پر اجماع ہے کہ ترتیب میں دین وصیت پر مقدم ہے یعنی اگر میت کے ذمہ دین ہے تو پہلے ترکہ میں سے دین ادا کیا جائے گا، اس کے بعد اگر کچھ بچے گا تو وصیت نافذ کی جائے گی اور پھر میراث کی تقسیم کی جائے گی تو قرآن کریم میں ذکر کے اعتبار سے

۱۱۔ راجع للتفصيل: عمدة القاری، ج. ۱۰، ص ۲۲-۲۵، ولبصر الباری، ج. ۳، ص: ۳۱۰، ۱۲۔ [النساء: ۱۱]

وصیت مقدم ہے اور دین مؤخر ہے لیکن ترتیب تقسیم کے دین مقدم ہے اور وصیت مؤخر ہے اور اس پر اجماع ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مجمع علیہ مسئلہ پر کئی دلائل بھی بیان فرمائے ہیں مثلاً یہ فرمایا کہ ”ویلکمر ان النبی ﷺ قضی بالدين قبل الوصية“ یہ ذکر کیا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دین کا فیصلہ وصیت سے پہلے کیا۔ یہ بات ترمذی کی حدیث میں آئی ہے لیکن چونکہ اس کی سند کمزور تھی۔ اس کے ایک راوی حارث الاعور ہیں جو ضعیف ہیں اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق نہ تھی، لہذا اس کو ترجمہ الباب میں ”تعليقا بصيغة تمريض ويلكمر“ کہہ کر ذکر کیا۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ تم امانتیں ان کے اہل تک پہنچاؤ۔ امانت کا ادا کرنا یہ واجب ہے اور زیادہ مقدم ہے بہ نسبت نقلی وصیت کرنے کے۔

وصیت ایک نقلی چیز ہے تو جو چیز اپنے ذمہ واجب ہے اس کا ادا کرنا مقدم ہوگا۔ گویا اصولی یہ بیان کر رہے ہیں کہ فرض، تطوع پر مقدم ہوتا ہے اور ادائے دین فرض ہے، وصیت کرنا محض نقل ہے، لہذا دین مقدم ہوگا۔

”وقال النبی ﷺ لا صدقة إلا عن ظهر غنی“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ہاں کوئی صدقہ قبول نہیں ہوتا مگر وہ جو اپنے پیچھے غنی چھوڑ کے جائے۔ معنی یہ ہے کہ صدقہ وہ مقبول ہے جس کے بعد اتنا غنی موجود ہو کہ جس کے ذریعے انسان اپنے حقوق واجبہ ادا کر سکے لیکن اگر اتنا صدقہ کر دیا کہ حقوق واجبہ بھی ادا نہ کر سکا تو وہ صدقہ مقبول نہیں۔

یہاں اس حدیث سے یہ بھی پتا چلا کہ حقوق واجبہ مقدم ہوتے ہیں صدقہ تطوع کے اوپر، تو دین حقوق واجبہ میں سے ہے اور وصیت صدقہ تطوع میں سے ہے، اس لئے دین واجب صدقہ تطوع پر مقدم ہوگا۔

”وقال ابن عباس : لا يوصى العبد إلا بإذن أهله“ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ غلام وصیت نہیں کر سکتا مگر اپنے مالک کی اجازت سے یعنی غلام اگر چہ ماؤن فی التجارہ ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کا سارا مال مولیٰ کی ملکیت ہوتا ہے اگر وہ مال تجارت میں وصیت کرنا چاہے کہ میرا اتنا مال فلاں کو دے دیا جائے تو وہ یہ کام نہیں کر سکتا جب تک کہ اپنے اہل یعنی مولیٰ سے اجازت نہ لے لے۔ اس لئے کہ مولیٰ کی طرف اس کی ذمہ داری واجب ہے جو کچھ ہے سب مولیٰ کا ہے اور اس کے ذمہ واجب ہے کہ وہ مال مولیٰ کو پہنچائے۔ گویا مولیٰ کا دین اسکے ذمے ہے۔ اب اگر اس کی اجازت کے بغیر وصیت کرے گا تو اس کے مال میں تصرف کرنے والا ہوگا۔ معلوم ہوا کہ وصیت، ادا کیگی واجب پر مؤخر ہے اور واجب مقدم ہے۔

”وقال النبی ﷺ العبد راع في مال سيده“ غلام اپنے سید کے مال میں نگہبان ہے۔ معنی یہ ہے کہ مال مولیٰ کا مملوک ہے اور یہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کرے اور مولیٰ تک

پہنچائے اور وصیت اس کے ذمے واجب نہیں ہے۔ اس واسطے وصیت پر مقدم ہوگا۔

امام بخاری رحمہ اللہ ان تمام آثار وغیرہ سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ دین وصیت پر مقدم ہے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دین وصیت پر مقدم ہے تو پھر وصیت کو پہلے کیوں ذکر کیا؟ وصیت کو مقدم کیوں کیا؟ یوں کہنا چاہئے تھا "ممن بعد دین اوصیہ"۔

اس کی حکمتوں کو

تو اللہ ﷻ بہتر جانتا ہے کہ اس کے کلام بلیغ کے اندر کیا حکمتیں ہیں، ایک انسان اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ ظاہری طور پر جو بات سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ وصیت کا ذکر پہلے کر کے اس کے استحباب، تطوع اور اس کی فضیلت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس کو نظر انداز نہ کرنا چاہے اگرچہ رعبہ مؤخر ہے لیکن نظر انداز کرنے کی چیز نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دین کی ادائیگی اگرچہ اس لحاظ سے تو مقدم ہے کہ وہ انسان کے ذمے واجب ہے لیکن جہاں تک اجر و ثواب کا تعلق ہے وہ وصیت میں زیادہ ہے، اس لئے کہ دین کی ادائیگی کا معنی یہ ہے کہ ایک حقدار کا حق ہمارے ذمے واجب تھا جو ہم نے اس کو پہنچا دیا تو حقدار کو اس کا حق پہنچا دینا یہ "لا اعلیٰ ولا الی" ہے کہ اب میرے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں اور میری ذمہ داری کسی اور پر نہیں۔ اب حقدار کو حق پہنچا دینا یہ اسکے ذمے۔ زم تھا، اس پر ثواب یا تو ہے ہی نہیں یا ہے تو معمولی ہے۔

مثلاً ایک شخص نے آپ سے قرضہ مانگا تھا اور وقت پر اس نے اس قرضہ کو ادا کر دیا تو آپ کا کیا خیال ہے کہ قرضہ ادا کرنے میں اس کو ثواب ملنا چاہیے؟ بلکہ ایک حق تھا جو اس نے ادا کر دیا۔ ہاں! اس حد تک ثواب کی امید کی جاسکتی ہے کہ اگر قرضہ دانہ کرتا تو بہت گناہ ہوتا، اس گناہ سے بچ گیا باقی براہ راست کوئی ثواب کا کام نہیں ہے۔

بخلاف وصیت کے کہ اگر وصیت کسی مستحق کے لئے کی جائے تو اس میں ثواب ہے، اس واسطے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ثواب والے فعل کو مقدم فرمایا۔

تیسری بات یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے اس سے ایک اصولی مسئلہ بھی واضح فرما دیا کہ مجرد عطف چاہے "واؤ" کے ذریعے ہو یا "او" کے ذریعے ہو وہ ترتیب پر دلالت نہیں کرتا۔

یا تقدم، کری، تقدم طبعی کے لئے لازم نہیں بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز ذکر پہلے کی ہو لیکن رعبہ وہ مؤخر ہو۔

اور آخری بات کہ کلام کے اندر جو شوکت و رجزالت اسلوب کے لحاظ سے ہے وہ وصیت کو مقدم کرنے

میں ہی حاصل ہو رہی ہے، اسی کو الٹ پڑھ کر دیکھ لیں ”من بعد دین او وصیة یوصی بہا“ تو اس میں وہ شوکت اور جزالت نہیں ہے اور کلام میں جو حسن ”من بعد وصیة یوصی بہا او دین“ میں ہے وہ دین کے مقدم کرنے میں نہیں ہے۔

تو قرآن کریم مبلغ الہیاً کا کلام ہے، اس لئے اس میں بلاغت بھی ملحوظ رکھی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۷۵۰۔ حدثنا محمد بن یوسف : أخبرنا الأوزاعي ، عن الزهري ، عن سعيد بن المسيب ، وعروة بن الزبير : أن حكيم بن حزام رضی اللہ عنہ قال : سألت رسول الله ﷺ فأعطاني ، ثم سألته فأعطاني ، ثم قال لي : ((يا حكيم ، إن هذا المال خضر حلو ، فمن أخذه بسخارة نفس بورك له فيه ، ومن أخذه باشراف نفس لم يبارك له فيه ، وكان كما لدى يأكل ولا يشبع . واليد العليا خير من اليد السفلى)) . قال حكيم : فقلت يا رسول الله ، والذي بعثك بالحق لا أرزأ أحدًا بعدك شيئاً حتى أفارق الدنيا . فكان أبو بكر يدعو حكيمًا ليعطيه العطاء فإبى أن يقبل منه شيئاً ، ثم إن عمر دعاه ليعطيه فأبى أن يقبله ، فقال : يا معشر المسلمين ، إنني أعرض عليه حقه الذي قسم الله له من هذا الفیء فأبى أن يأخذه ، فلم يرزأ حكيم أحدًا من الناس بعد النبي ﷺ حتى توفى رحمه الله . [راجع ۱۳۷۲]

حدیث کی تشریح

حضور ﷺ ان کو تالیف قلب کے طور پر کچھ دیا کرتے تھے، بعد میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو سخاوت نفس کے طور پر لے اس میں برکت ہوتی ہے اور جو اشراف نفس کے ساتھ لے تو پیٹ کبھی نہیں بھرتا اور فرمایا ”والید العليا خیر من الید السفلی“ یہ سب باتیں جب فرمائی تو ”قال حکیم“ میں آپ کے علاوہ شخص سے پیسے لے کر اس کے مال میں کمی نہیں کروں گا چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں انہوں نے لینے سے انکار کر دیا (پچھے حدیث گزر چکی ہے)۔

یہاں اس کو رنے کا منشا یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کو تالیف قلب کے طور پر رقم دینی شروع کی تھی، جب دیکھا کہ اب اس کو اتنی ضرورت نہیں ہے اور دوسرے زیادہ مستحق ہیں تو آپ ﷺ نے ان کو دینا بند کر دیا۔ چونکہ دوسرے مستحقین کو دینا ایک طرح سے واجب ہو گیا اور ان کو دینا ایک مستحب ہو گیا، لہذا مستحب کو واجب پر مقدم فرمایا۔

(۱۰) باب إذا وقف ، أو وصی لا قاربہ ، ومن الأقارب؟

”وقال ثابت: عن أنس ، قال النبي ﷺ لأبي طلحة: ((اجعله لفقراء أقاربك))، فجعلها لحسان وأبي بن كعب ، وقال الأنصاري: حدثني أبي، عن ثمامة، عن أنس بمثل حديث ثابت. قال: ((اجعلها لفقراء قریبک))۔ قال أنس: فجعلها لحسان وأبي بن كعب وكانا أقرب إليه مني ، وكان لرابية حسان وأبي من أبي طلحة ، واسمه زيد بن سهل بن الأسود ابن حرام بن عمرو بن زيد مناة بن عدی بن عمرو بن مالک بن النجار ، وحسان بن ثابت ابن المنذر بن حرام، فيجتمعان إلى حرام وهو الأب الثالث. وحرام بن عمرو بن زيد مناة بن عدی بن عمرو بن مالک بن النجار، وهو يجامع حسان وأبا طلحة وأبي إلى ستة آباء إلى عمرو بن مالک وهو أبي بن كعب بن قيس بن عبيد بن زيد بن معاوية بن عمرو ابن مالک بن النجار. فعمر بن مالک يجمع حسان وأبا طلحة وأبیا۔ وقال بعضهم: إذا وصی لقربته فهو إلى آباءه في الإسلام“۔

یہ ترجمہ الباب قائم کیا ہے ”اذا وقف ، أو وصی لا قاربہ ، ومن الأقارب؟“ کہ اگر کوئی شخص اپنے اقارب یا کسی دوسرے کے اقارب کے لئے وصیت کرے کہ میں یہ مال دوسرے کے لئے وقف کرتا ہوں یا فلاں کے اقرب کے لئے وصیت کرتا ہوں۔ یہاں اقرب کے لفظ کا استعمال کیا اور اقارب میں بہت سارے رشتہ دار آجاتے ہیں۔

اقارب کی تعیین میں اختلاف فقہاء

اس لئے فقہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان یہ مسئلہ مختلف یہ ہوا کہ ایسی صورت میں کون سے اقارب معتبر ہوں گے؟

وہ اقرب جو موصی کے وارث ہیں وہ تو بالا جماع وصیت سے خارج ہوں گے کیونکہ لا وصیۃ لوارث لیکن جو اقارب ورثہ میں شامل نہیں وہ اقارب کے لفظ میں کس حد تک داخل ہوں گے؟ اس میں مختلف فقہاء نے مختلف معیار بیان فرمائے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے فرمایا ایسی صورت میں اقارب سے ذورحم محرم

مراد ہوں گے، خواہ وہ باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے ہوں جیسے باپ کی طرف سے چچا اور ماں کی طرف سے ماموں۔^{۱۳}

امام شافعی رحمہ اللہ

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو بھی نسب میں کسی بھی لحاظ سے شریک ہو وہ اقارب میں داخل ہوگا۔ نسب میں شریک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ باپ کی طرف کے لوگ داخل ہوں گے اور ماں کی طرف کے لوگ داخل نہیں ہوں گے۔^{۱۴}

امام مالک رحمہ اللہ

امام مالک رحمہ اللہ کا قول بھی قریب قریب ہے وہ کہتے ہیں کہ عصبات داخل ہیں۔^{۱۵}

امام ابو یوسف رحمہ اللہ

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام اقارب داخل ہوں گے۔ یہاں تک کہ موصی سے لے کر اس کے آبا و اجداد میں جو آخری مسلمان ہے وہ اور اس کی تمام اولاد بھی شامل ہو جائیں گی۔ بعض فقہانے فرمایا کہ چار پشتوں تک کے لوگ شامل ہوں گے اور ان سے آگے کے شامل نہیں ہوں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا قول بظاہر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ہے کہ جتنے آباء فی الاسلام ہیں ان سے نکلنے والے رشتے اقارب میں داخل ہوں گے۔ ان میں سے جو بھی زندہ موجود ہوگا وہ وصیت کا حقدار ہوگا۔^{۱۶}

۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶ اختلاف الناس فی الرجل یوصی بثلث ماله لقرابة فلان، من القرابة الذین يستحقون تلك الوصية ؟ فقال أبو حنیفة : هم كل ذی رحم محرم من فلان من قبل أبیه أو من قبل أمه . قلت ولا يدخل الوالدان والولد . قال الطحاوی : غیر انه پیدا فی ذلك من كانت قرابته منه من قبل أبیه علی من كانت قرابته من قبل أمه ، أما اعتبار الأقرب فلأن الوصية اخت الميراث الخ قلت ذکر الزیادات ألهمایدخلان ولم يذكر فيه خلافاً ، وذكر الحسن بن زیاد عن أبي حنیفة ألهمایدخلان ، وهكذاری عن أبي یوسف وهو الصحيح . وقال زفر : الوصية لكل من قرب منه من قبل أبیه أو أمه دون من كان أبعد منهم ، وسواء فی هذا بین من كان منهم ذی رحم محرم وبين من كان ذی رحم غیر محرم ، وقال أبو یوسف ومحمد : الوصية فی ذلك لكل من جمعه وفلاناً أبواحد منذ كانت الهجرة ، من قبل أبیه أو من قبل أمه ، وقال قوم من أهل الحديث وجماعة من الطاهرية : الوصية فی ذلك لكل من جمعه وفلاناً أبوه الرابع إلى ما هو أسفل من ذلك ، وقال مالک والشافعی وأحمد : الوصية فی ذلك لكل من جمعه وفلاناً أبواحد فی الاسلام أو فی الجاهلية ، وتحقیق مذهب الشافعی ما ذكره السروی . الخ ، عمدة القاری ، ج : ۱۰ ، ص : ۲۹۰ .

اس بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو طلحہؓ سے کہا میرا جہا کے بارے میں کہ ”اجعلہ لفقراء أقاربك فجعلها لحسان وأبي بن كعب“ انہوں نے حسانؓ اور ابی بن کعبؓ کا انتخاب کیا اب یہ بتا رہے ہیں کہ حسانؓ اور ابی بن کعبؓ کی ابو طلحہؓ سے کیا رشتہ داری تھی۔ عبد اللہ بن انصاری کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے فرمایا ”فجعلها لحسان وأبي بن كعب وكان أقرب اليه مني“ کہ حسان بن ثابتؓ اور ابی بن کعبؓ ابو طلحہؓ سے مجھ سے زیادہ قریب تھے۔

آگے اس کی تفصیل بیان کی ہے کہ حسانؓ اور ابی بن کعبؓ کی ابو طلحہؓ سے اس طرح قربت تھی کہ ابو طلحہؓ کا پورا نام ہے زید بن سہل بن الاسود ابن حرام بن عمرو بن زید بن مناة بن عدی بن عمرو بن مالک بن النجار۔ یہ حضرت ابو طلحہؓ کا نسب نامہ بیان کر دیا۔

اور حسان بن ثابتؓ کا پورا نام یہ ہے کہ حسان بن ثابت بن المنذر بن حرام بن سہل بن عمرو بن زید بن مناة بن عدی بن عمرو بن مالک بن النجار۔ یہ حضرت ابو طلحہؓ کے والد سہل ہیں، ان کے والد اسود اور ان کے والد حرام ہیں حسانؓ کے والد ثابت ہیں، ان کے والد منذر اور ان کے والد حرام ہیں تو تیسرے باپ میں جا کر دونوں جمع ہو جاتے ہیں ابو طلحہؓ کا حضرت حسانؓ سے یہ رشتہ ہوا۔

”و حرام بن عمرو بن زید مناة بن عدی بن عمرو بن مالک بن النجار“ تو ابو طلحہؓ، ابی بن کعبؓ کے ساتھ چھٹے باپ یعنی عمرو بن مالک پر جمع ہوتے ہیں تو گویا چھٹی نسل میں جا کر حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت ابو طلحہؓ کے درمیان قربت ثابت ہوتی ہے۔

”و هو أسي بن كعب بن قيس بن عبيد بن زيد بن معاوية بن عمرو ابن مالك بن النجار. فعمرو بن مالك يجمع حسان و أباطلحة وأبياً“.

حضرت حسانؓ، ابو طلحہؓ اور ابی بن کعبؓ تینوں عمرو بن مالک کے بالواسطہ بیٹے ہیں۔ اس سے بتانا یہ چاہتے ہیں کہ ابی بن کعبؓ چھٹے باپ میں جا کر جمع ہو رہے ہیں، اس کے باوجود ان کو اقارب میں شمار کیا گیا۔

آخر میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں۔

”وقال بعضهم: إذا أوصى لقربائه فهو إلى آباءه في الإسلام“ اس سے مراد امام ابو یوسفؒ ہیں کہ جب کوئی شخص قربت کی وصیت کرے تو اس کے جتنے آباء اسلام میں رہے ہیں وہ سب قربت

کے مفہوم میں شامل ہو گے۔

یہاں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول تائیداً نقل کیا ہے۔ اس لئے ”قال بعض الناس“ نہیں کہا بلکہ ”قال بعضهم“ کہا ہے اور اسی کی تائید بھی فرمائی۔

یاد رکھنے کی بات

یہ حدیث اس سلسلے میں یاد رکھیں کہ لفظ کے باب میں، میں نے عرض کیا تھا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے لفظ اٹھالیا تھا، اس کو کھانے کا حکم دیا تھا، اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ دولت مند صحابی تھے، اس کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو لفظ کھانے کی اجازت دے دی۔ لیکن یہ حدیث صراحتاً بتا رہی ہے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے قراء اقارب میں سے تھا جن پر صدقہ کیا گیا۔

۲۷۵۲۔ حدثنا عبد الله بن يوسف : أخبرنا مالك ، عن اسحاق بن عبد الله بن ابي طلحة : أنه سمع أبا سفيان قال : قال النبي ﷺ لأبي طلحة : ((أرى أن تجعلها في الأقرابين)) فقال أبو طلحة : أفلعل يا رسول الله ، فقسما أبو طلحة في أقاربه وبنى عمه . وقال ابن عباس : لما نزلت ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ كَلِمَاتُ جعل النبي ﷺ ينادي : ((يا بني فهر ، يا بني عدي)) ، لبطون قريش . وقال أبو هريرة : لما نزلت ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ كَلِمَاتُ قال النبي ﷺ ((يا معشر قريش)) [راجع : ۱۴۶۱] .

اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جب آیت نازل ہوئی ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ تو آپ رضی اللہ عنہ نے قریش کے تمام بڑوں کو دعوت دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اقربین کا لفظ ان سب کو شامل تھا۔ اس سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ اوپر تک جتنی نسلیں ہوتی ہیں سب اس کے اندر شامل ہوں گے۔

(۱۱) باب: هل يدخل النساء والولد في الأقارب؟

۲۷۵۳۔ حدثنا أبو اليمان : أخبرنا شعيب ، عن الزهري قال : أخبرني سعيد بن المسيب ، وأبو سلمة بن عبد الرحمن : أن أبا هريرة رضی اللہ عنہ قال : قام رسول الله ﷺ حين أنزل الله عز وجل ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ كَلِمَاتُ قال : ((يا معشر قريش - أو كلمة نحوها - اشعروا أنفسكم ، لا أغني عنكم من الله شيئا . يا بني عبدمناف ، لا أغني عنكم من الله شيئا .

یا عباس بن عبد المطلب ، لا اغنی عنک من اللہ شیئا . ویا صفیة عمۃ رسول اللہ ، لا اغنی عنک من اللہ شیئا . ویا فاطمۃ بنت محمد ﷺ ، سلینی ماشئت من مائی ، لا اغنی عنک من اللہ شیئا .))

تابعہ اصبح ، عن ابن وہب ، عن یونس ، عن ابن شہاب . انظر : ۳۵۲۷ ، ۳۷۷۱ .

یہاں اس حدیث کو لانے کا منشاء یہ ہے کہ اقارب کے مفہوم میں اولاد بھی داخل ہے کیونکہ آپ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا ﴿ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾ آپ ﷺ نے اس پر عمل کرتے ہوئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی خطاب کیا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی اولاد میں سے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اقربین میں اولاد بھی داخل ہے۔

اگر اقارب کے لئے وصیت ہو تو اولاد شامل نہیں ہوتی

مسئلہ حنفیہ

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے اقارب کے لئے وصیت کرے تو اس میں اولاد شامل نہیں ہوتی، اولاد کے علاوہ اقارب شامل ہوتے ہیں، اس لئے کہ قرآن کریم نے والدین اور اقربین کو الگ الگ ذکر کیا ہے فرمایا: ”ان ترک عیبر الوصیۃ للوالدین والاقربین“ یہاں والدین اور اقربین کو حرف عطف کے ذریعے الگ ذکر کیا اور عطف مغایرت پر دلالت کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ والدین اقربین میں داخل نہیں۔ لہذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں فلاں کے اقارب پر صدقہ کرتا ہوں تو اس کے والدین اور اولاد، اقارب میں شامل نہیں ہوگی، ان کے علاوہ اقارب ہوں گے۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے جو استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؑ کو دعوت اسلام کے لئے اقربین میں شامل کیا، اس کی توجیہ یہ ہے کہ وہاں درحقیقت حکم ہی اور تھا۔ وہاں انذار کا حکم تھا کہ اپنے قریب کے لوگوں کو انذار کرو۔

۱۰۔ وہی صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب فی قرلہ تعالیٰ والذکر عشرتک الاقربین، رقم ۳۰۵، ۳۰۳، وسنن

الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ، باب ومن سورۃ التوبۃ، رقم ۳۰۱۹۰، وسنن النسائی، کتاب الوصایا،

باب اذا وصی لعمیرتہ الاقربین، رقم ۳۵۸۲، ومسند أحمد، بابی مسند المکثرین، باب باقی المسند السابق،

رقم ۸۰۵۱، وسنن الدارمی، کتاب الرقاق، باب فی حسن الظن باللہ، رقم ۲۶۱۶۰.

آپ ﷺ نے بطور دلالت النص سمجھا کہ اقربین کے ساتھ ساتھ اولاد کو بھی کرنا چاہئے۔ لیکن وصیت کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وصیت میں اللہ تعالیٰ نے والدین اور اقربین دونوں کو الگ الگ ذکر کیا ہے۔ اور اس کا مد اعراف پر بھی ہوتا ہے کہ عرفا اولاد کو رشتہ دار نہیں کہتے، نہ باپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ میرا رشتہ دار ہے اور نہ بیٹے کے بارے میں کہتے ہیں، ان پر رشتہ دار کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ رشتہ داری سے بلند تر چیز ہے، اس واسطے وصیت میں اس کا اعتبار نہیں۔

(۱۲) باب هل ینتفع الواقف بوقفہ؟

”وقد اشترط عمرہ رضی اللہ عنہ: لا جناح علی من ولیہ أن یأکل منها، وقد ینتفع بالواقف و غیرہ. و كذلك کل من جعل بدنة أو شیئا لله فله أن ینتفع بها کما ینتفع غیرہ و إن لم یشرط“.

۲۷۵۳۔ حدثنا قعبہ بن سعید: حدثنا أبو عوانة، عن قتادة، عن أنس رضی اللہ عنہ: ((أن النبی ﷺ رأى رجلا یسوق بدنة فقال له: ارکبها، فقال: یا رسول الله إنها بدنة، فقال لی الثالثة أو فی الرابعة: ارکبها ویلک أو ویحک)) . [راجع: ۱۶۹۰]

فرمایا کہ واقف اپنے وقف سے فائدہ اٹھا سکتا ہے یعنی اگر وقف میں یہ شرط لگالے کہ میں اس وقف سے فائدہ اٹھاؤں گا تو ایسا کرنا جائز ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب بیرومہ خرید کر وقف کیا تھا، تو فرمایا تھا کہ میرا ڈول بھی دوسرے مسلمانوں کے ڈول کی طرح ہوگا یعنی جس طرح اور لوگ پانی نہیں گئے میں بھی پیوں گا۔ معلوم ہوا کہ یہ شرط لگانا جائز ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقف سے استدلال کیا کہ جس کے الفاظ یہ ہیں ”لا جناح علی من ولیہ أن یأکل منها وقد ینتفع بالواقف و غیرہ“ کہ جو وقف کا متولی ہوگا وہ اس سے کھا سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ بعض اوقات واقف خود متولی بن جاتا ہے تو اس صورت میں واقف بحیثیت متولی کھائے گا، اپنے وقف سے نفع اٹھائے گا تو یہ جائز ہے۔

یہاں تک تو بات ٹھیک تھی، آگے اس پر ایک اور مسئلہ متفرع کیا جو حنفیہ کے لحاظ سے ٹھیک نہیں ہے۔ وہ یہ کہ ”و كذلك کل من جعل بدنة أو شیئا لله فله أن ینتفع بها کما ینتفع غیرہ“ اگر کوئی شخص کوئی بدنہ یا کوئی اور چیز اللہ کے لئے نذر مان لے۔ تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس سے نفع اٹھائے۔

حنفیہ کا اس میں اختلاف ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

استدلال میں وہ واقعہ بیان کیا جس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے رکوب کی اجازت دی تھی، پہلے عرض کیا

جاچکا ہے کہ یہ حالت اضطرار میں ہے اور اس کے باوجود کفارہ بھی واجب ہے۔

(۱۳) باب إذا وقف شيئاً قبل أن يدفعه إلى غيره فهو جائز،

آن عمر رضی اللہ عنہ أوقف فقال: لا جناح على من وليه أن يأكل، ولم يخص أن وليه عمر أو غيره. وقال النبي ﷺ لأبي طلحة: ((أرى أن تجعلها في الأقربين، فقال: أفعل، فقسبها لي أقاربه وبنی عمه)).

ایک شخص نے زبانی طور پر کوئی چیز وقف کر دی اور کہا "وقفنت لله"، لیکن ابھی وہ چیز نہ تو موقوف علیہ کی دی اور نہ کسی متولی کے حوالے کی تو آیا وقف تام ہو گیا یا نہیں؟

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ چھیڑ کر اپنا مسلک بیان کیا ہے کہ باوجود دوسرے کو قبضہ نہ دینے کے وقف صحیح ہو جائے گا۔

اختلاف فقہاء

اس مسئلہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے درمیان اختلاف ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کا مسلک

امام محمدؒ اس وقف کو بہہ کے احکام پر قیاس کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح بہہ میں جب تک ٹھی مویوب پر مویوب لہ کا قبضہ تحقق نہ ہو جائے، بہہ تام نہیں ہوتا۔ اسی طرح وقف میں جب تک واقف اپنے قبضے سے نکال کر موقوف لہ یا متولی کے قبضے میں نہ دے دے، اس وقت تک وقف تام نہیں ہوگا۔^{۲۲}

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مسلک

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وقف کے احکام بہہ جیسے نہیں ہیں۔ اس واسطے کہ بہہ میں اپنی ملکیت سے نکال کر کسی دوسرے کی ملکیت ثابت کرنی ہوتی ہے، بخلاف وقف کے کہ وقف میں اپنی ملکیت سے تو نکال دیتے ہیں لیکن موقوف علیہ کی ملکیت میں نہیں آتا، اللہ کی ملکیت میں چلا جاتا ہے۔

تو یہاں موقوف لہ کہیں یا منتقل الیہ کہیں، وہ اللہ ﷻ ہیں اور اللہ ﷻ کا قبضہ تو ہر چیز پر ہر وقت رہتا ہی ہے، الگ سے قبضہ کرنے کے کوئی معنی نہیں، لہذا یہاں پر قبضہ شرط نہیں۔^{۲۳}

۲۲ و قالت طائفة لا یصح الوقف حتی ینخرجه عن یدہ، أو یقبضہ غیرہ، وبہ قال ابن ابی لیلی ومحمد بن الحسن

عمدة القاری، ج: ۱۰، ص: ۳۶

۲۳ صحیح لا ینحتاج الی قبض الغیر، وهو قول الجمهور منهم الشافعی وأبو یوسف . وحجة الجمهور أن

عمر وعبا وفاطمة الخ. عمدة القاری، ج: ۱۰، ص: ۳۶.

وہ اس کو محقق پر قیاس کرتے ہیں کہ جیسے کوئی شخص غلام آزاد کرے تو صرف یہ کہہ دے کہ "أنت حر" محض زبان سے یہ کہہ دینے سے حریت محقق ہو جاتی ہے چاہے عملاً اس کو کمرہ میں بند کر رکھا ہو۔ اسی طرح وقف میں کہہ دیا کہ "وقف لله" تو وقف ہو گیا اب کسی اور کی طرف منتقل کرنا شرط نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسی قول کے قائل ہیں اور اس سے استدلال کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وقف کیا اور کہا "لا جناح..."

"ولم یمنع" وہاں وقف کے وقت یہ نہیں بتایا کہ متولی میں خود رہوں گا یا کوئی اور ہوگا، جب یہ نہیں بتایا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی اور کی طرف منتقل نہیں کیا۔ جب منتقل نہیں تو محض وقف ہے تو محض وقف کرنے سے وقف ہو گیا اور حضور ﷺ نے اس کو وقف قرار دیا۔

"وقال النبی ﷺ لابی طلحة: أری أن نجعلها فی الأقربین" میری رائے ہے کہ تم اس کو اقربین میں شامل کر لو، انہوں نے کہا "افعل" اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس وقت حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے تھے اس وقت تک کسی اور کے حوالے نہیں کیا تھا، جب کسی اور کے حوالے نہیں کیا تو محض وقف ہوا بغیر حوالے کئے۔ معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے۔

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو یہاں لانا یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا توسع ہے۔ اصل میں وہ وقف تھا ہی نہیں بلکہ صدقہ تھا۔ امام بخاری نے یہاں کئی جگہ ابواب میں خلط ملط کیا ہے اور صدقہ کو وقف کے ساتھ خلط کر دیا ہے؟ آپ کا اعتراض صحیح ہے کہ یہاں اس حدیث کو لانے کا موقع نہیں تھا، اس واسطے کہ یہ وقف تھا ہی نہیں اور گفتگو وقف کی ہو رہی ہے۔

(۱۴) باب إذا قال: داری صدقة لله ولم یبین للفقراء أو غیرهم

فہو جائز. و یعطیہا للأقربین أو حیث أراد،

"قال النبی ﷺ لابی طلحة حین قال: أحب أموالی إلی بیرحاء وإنہا صدقة، فاجاز

النبی ﷺ ذلك. وقال بعضهم: لا یجوز حتی یبین لمن، والأول أصح."

جب کسی شخص نے کہا کہ یہ اللہ کے لئے ہے تو بس وہ وقف ہو گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ بتانا ضروری ہے کہ کس کے لئے ہے؟ یعنی موقوف علیہم کون ہیں جب تک نہیں بتائے گا وقف صحیح نہیں ہوگا؟

حنفیہ کا کہنا یہ ہے کہ وقف تو ہو جائے گا اور اسی سے کہا جائے گا کہ بتاؤ موقوف علیہ کون ہے، اگر بتا سکا تو موقوف علیہ متعین ہو جائے گا اور اگر نہ بتا سکا مثلاً انتقال ہو گیا تو اس کو فقراء اور مساکین پر صرف کیا جائے گا۔

وقف کسی بھی انسان کی ملکیت نہیں رہتا بلکہ وہ اپنی جگہ پر اشد کی ملک ہوتا ہے۔ البتہ موقوف علیہم کو اس کے منافع سے فائدہ اٹھانے کا حق دے دیا جاتا ہے۔

اور صدقہ کہتے ہی اس وقت ہیں جب کسی شخص کو مالک بنا کر دے دیا گیا ہو۔ مثلاً یہ دارالعلوم کی عمارت وقف ہے، یہ کسی کی ملکیت نہیں ہے، نہ مدرسہ کی، نہ مدرسے کے منتظمین کی، نہ اساتذہ کی، نہ طلباء کی لیکن طلباء اور اساتذہ کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے اور طالب علم کو جو وظیفہ ملے گا وہ وقف نہیں ہوگا کیونکہ طالب علم کو مالک بنا کر دے دیا گیا، لہذا وہ صدقہ ہوگا۔^{۳۴}

(۱۵) باب إذا قال: أرضی أو بستانی صدقة لله عن أمی،

”فہو جائز وإن لم یبین لمن ذلک“

۲۷۵۶۔ حدثنا محمد: مغلد بن یزید: أخبرنا ابن جریج قال: أخبرنی یعلی: أنه سمع عكرمة یقول: أنبأنا ابن عباس رضی اللہ عنہما: أن سعد بن عبادۃ ؓ توفیت أمہ و هو غائب عنها فقال: یا رسول اللہ إن أمی توفیت و أنا غائب عنها، أ یفعلها شیء إن تصدقت بہ عنها؟ قال: ((نعم))، قال: فبانی أشهدک أن حائطی المنخرف صدقة علیها. [انظر: ۲۷۶۲، ۲۷۷۰، ۲۷۷۵]

یہاں پر یہ کہہ دیا کہ اس کی طرف سے باغ کا صدقہ ہے، لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس سے فائدہ کون اٹھائے گا تو صدقہ ہو گیا، یعنی وقف ہو گیا، البتہ موقوف علیہ کی تعیین کے بارے میں وہی تفصیل ہے جو اوپر گزری۔

۳۴ وقال أبو حنیفة: إذا قال الرجل: أرضی هذه صدقة، ولم یزد علی هذا شیئا أنه یفعلی له أن یتصدق بأصلها علی الفقراء المساکین، أو یتصدق بثمانها علی المساکین، ولا یكون رقفا، ولو مات كان جمیع ذلک میراثا بین ورثته علی کتاب اللہ تعالیٰ، وکل صدقة لا تضاف إلی أحد لہی للمساکین. (عمدة القاری، ج: ۱۰، ص: ۳۷)

۳۵ وفي صحیح مسلم، کتاب النذر، باب الأمر بقضاء النذر، رقم: ۳۰۹۲، و سنن الترمذی، کتاب الزکاة من رسول اللہ، باب ما جاء فی الصدقة عن الميت، رقم: ۲۰۵۰، و کتاب النذور والأیمان عن رسول اللہ، باب ما جاء فی قضاء النذر عن الميت، رقم: ۱۳۶۶، و سنن النسائی، کتاب الوصایا، باب فضل الصدقة عن الميت، رقم: ۳۵۹۳، و سنن أبی داؤد، کتاب الوصایا، باب ما جاء فی من مات عن غیر وصیة یتصدق عنه، رقم: ۲۳۹۶، و کتاب النذور والأیمان، باب فی قضاء النذر عن الميت، رقم: ۲۸۷۶، و سنن ابن ماجہ، کتاب الکفارات، باب من مات و علیہ نذر، رقم: ۲۱۲۳، و مسند احمد، و مسند بنی ہاشم، باب بذایة مسند عبد اللہ بن العباس، رقم: ۲۹۱۹، ۲۸۹۱، ۱۷۹۵، ۳۳۲۳، و موطا مالک، کتاب النذور والأیمان، باب ما یجب من النذور فی الشیء، رقم: ۸۹۵.

(۱۶) باب إذا تصدق أو وقف بعض ماله

أو بعض رقيقه أو دوابه فهو جائز

۲۷۵۷۔ حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب قال:

أخبرني عبد الرحمن بن عبد الله بن كعب أن عبد الله بن كعب قال: سمعت كعب بن مالك رضي الله عنه يقول: قلت: يا رسول الله، إن من توبتي أن أنخلع من مالي صدقة إلى الله وإلى رسوله ﷺ. قال: ((أمسك عليك بعض مالك، فهو خير لك))، قلت: فإني أمسك سهمي الذي بخيبر. [أنظر: ۲۹۳۷، ۲۹۵۰، ۳۰۸۸، ۳۵۵۶، ۳۸۸۹، ۳۹۵۱، ۴۳۱۸، ۴۶۷۴، ۴۶۷۶، ۴۶۷۷، ۴۶۷۸، ۴۶۵۵، ۶۲۶۹، ۶۲۷۵]. ۷۶

”باب إذا تصدق أو وقف بعض ماله“

اس باب میں درحقیقت وقف المشاع کے جواز کا مسدہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے مال کا کچھ حصہ وقف کر دے ”لاعلى العمین“ کہ میں نے اپنے مال کا ربح وقف کر دیا یا یہ کہے کہ دواب یا غلاموں کا ربح حصہ وقف کر دیا تو کہتے ہیں کہ یہ بھی جائز ہے۔

وقف المشاع میں حنفیہ میں اختلاف

امام محمد رحمہ اللہ کا مسلک

امام محمد رحمہ اللہ کا مسلک ابھی ماقبل میں گزرا ہے کہ ان کے نزدیک وقف میں بھی بغض اسی طرح ضروری ہے جس طرح ہبہ میں ضروری ہے۔

چنانچہ وہ جس طرح ہبہ میں کہتے ہیں کہ مہبۃ المشاع ناجائز ہے، اسی طرح وقف میں بھی کہتے ہیں کہ وقف المشاع ناجائز ہے۔ ۷۷

۷۶۔ وفی صحیح مسلم، کتاب التوبہ، باب حدیث توبۃ کعب من مالک وصاحبہ، رقم: ۴۹۷۳، وسنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ، باب ومن سورۃ التوبۃ، رقم: ۳۰۲۷، وسنن النسائی، کتاب الأیمان والندور، باب إذا اهدى ماله على وجه النذر، رقم: ۳۷۶۳، وسنن أبي داؤد، کتاب الأیمان والندور، باب فیمن نذر أن یصدق بماله، رقم: ۲۸۸۳، ۲۸۸۵، وسنن احمد، مسند المکین، باب حدیث کعب بن مالک الأنصاری، رقم: ۱۵۲۱۰، ومن مسند القبائل، باب حدیث کعب بن مالک، رقم: ۲۵۹۲۲.

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مسلک

امام ابو یوسف رحمہ اللہ ہیہ کے احکام اس پر جاری نہیں کرتے بلکہ عتق کے احکام جاری کرتے ہیں، چونکہ ان کے نزدیک ہیہ نہیں، اس لئے قبضہ بھی شرط نہیں۔

اور قبضہ شرط ہونے پر بھی وقف المشاع کا عدم جواز متفرع تھا، جب قبضہ نہ رہا تو وقف المشاع بھی ناجائز نہ رہا، لہذا ان کے نزدیک وقف المشاع جائز ہے۔ اس معاملے میں وہ امام بخاری کے ساتھ ہو گئے۔^{۵۸} باقی امام بخاری رحمہ اللہ نے وقف المشاع کے جواز پر جوا استدلال کیا ہے وہ کمزور ہے۔

استدلال یہ ہے کہ غزوہ تبوک کے واقعہ میں جب حضرت کعب بن مالک ؓ کی توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں صدقہ کر کے اپنے سارے مال سے دستبردار ہوتا ہوں۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ کچھ ماں اپنے پاس چھوڑ کر رکھو۔ انہوں نے کہا میں اپنا خیبر والا مال روک کر رکھتا ہوں باقی سارے صدقہ کرتا ہوں۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس سے یہ استدلال کر رہے ہیں کہ اپنے مال میں سے انہوں نے کچھ حصہ تو باقی رکھا اور کچھ حصہ صدقہ کر دیا، لہذا یہ مشاع کا صدقہ ہوا کیونکہ جس وقت وہ یہ بات کہہ رہے تھے اس وقت سارا مال ان کے تصرف میں تھا، اب جب اس کا کچھ حصہ صدقہ کر دیا اور کچھ حصہ ان کی ملکیت میں رہا تو مشاع ہو گیا۔

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ بڑا کمزور استدلال ہے، اس واسطے کہ صاف صاف کہہ رہے ہیں کہ میرا خیبر کا حصہ ہے اس کے علاوہ میں صدقہ کرتا ہوں، تو خیبر کا حصہ بالکل الگ کر دیا، اس لئے مشاع کب رہا؟ اس کو الگ کر دیا اور باقی سب کو الگ کر دیا۔ اس واسطے اس سے مشاع پر استدلال درست نہیں۔

(۱۷) باب من تصدق إلی وکیلہ ثم رد الوکیل إلیہ

۲۷۵۸۔ وقال إسماعیل: أخبرني عبد العزيز بن عبد الله بن أبي سلمة، عن إسحاق بن عبد الله ابن أبي طلحة، لا أعلمه إلا عن أنس ؓ قال: لما نزلت: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾^{۵۹}. جاء أبو طلحة إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله، يقول الله تبارك وتعالى في كتابه: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾^{۶۰} وإن أحب أموالی إلی بیرحاء۔ قال: و كانت حدیقة کان رسول الله ﷺ یدخلها ویستظل فیها ویشرب من مائها فہی إلی الله عزوجل وإلی رسوله ﷺ، أرجو برہ وذخرہ، فضعها آی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ((بخ یا أبا طلحة، ذلك مال رباح قبلناه منك وردناه عليك فاجعله في الألبين)). فتصدق به أبو طلحة على ذوی رحمہ، قال: وكان منهم أُنثى وحسان، قال: و باع حسان حصته منه من معاوية، فقبل له: تبیع صدقة أُمی طلحة؟ فقال: ألا أبيع صاعاً من تمر بصاع من دراهم؟ قال: وكانت تلك الحديقة في موضع قصر بني حديلة الذي بناه معاوية. [راجع: ۱۴۶۱].

یہ وہی حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ والواقعہ ہے، اس میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ”ذکر مال رباح“ کہ تم سے لیا اور تمہیں پرواپس کر دیا۔

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ الباب میں استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے وکیل کو صدقہ دے کہ میں تمہیں وکیل بناتا ہوں، میرا یہ مال کہیں صدقہ کر دینا بعد میں وکیل خود موکل کو وہ رقم واپس کر دے کہ مجھے موقع نہیں ملا یا مناسب شخص نہیں ملا تم ہی کسی مناسب آدمی کو دے دینا تو ایسا کرنا جائز ہے۔

اس سے اس طرح استدلال کیا کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے لا کر حضور اقدس ﷺ کو دیا تھا کہ آپ اس کو چہاں چاہیں خرچ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے قبول کر لیا اور تمہیں لوٹا دیا کہ اس کو اپنے اقربین میں تقسیم کر دو۔

”فتصدق به أبو طلحة على ذوی رحمہ، قال: وكان منهم أُمی وحسان، قال و باع حسان حصته منه من معاوية“

حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے اپنا پیر جاء کا حصہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ وقف نہیں تھا اگر وقف ہوتا تو فروخت نہ کر سکتے یہ صدقہ تھا۔

”فقبل له: تبیع صدقة أُمی طلحة؟“ لوگوں نے ائمہ اربعین سے کہا کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ پر صدقہ کیا تھا، آپ فروخت کر رہے ہیں؟ ”فقال: ألا أبيع صاعاً من تمر بصاع من دراهم؟“ انہوں نے کہا: کیا میں ایک صاع کھجور ایک درہم بھرنے ہوئے سے نہ بیچوں یعنی اس کی قیمت مل گئی ہے۔

عام طور سے جو میں اس باغ سے حاصل کرتا ہوں وہ چند صاع کھجور کے ہوتے ہیں اور جب میں بیچ رہا ہوں تو اس کے مقابلے میں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے رہے ہیں وہ ایسا ہے کہ صاع میں درہم ہی درہم بھرتے جاؤ تو ایک صاع تمر کا بھر کر لے جانا بہتر ہے یا ایک صاع درہم کا لے جانا بہتر ہے؟ ”صاع من تمر“ کا یہ مطلب ہے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس حصہ کو خریدنے کے لئے ایک لاکھ درہم دیئے۔

(۱۸) باب قول اللہ عزوجل: ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ﴾ ۳۳

۲۷۵۹۔ حدثنا محمد بن الفضل أبو النعمان: حدثنا أبو عوانة، عن أبي بشر، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: إن ناساً يزعمون أن هذه الآية نسخت، ولا والله ما نسخت ولكنها مما لها من الناس، هما واليان: وال يرث وذاك الذي يرث، ووال لا يرث فذاك الذي يقول بالمعروف، يقول: لا أملك لك أن أعطيك. [أنظر: ۳۵۷۶]

قرآن کریم کی آیت کی تفسیر ہے، اللہ تعالیٰ نے میراث کی تقسیم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ
وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا
مُّعْرُوفًا﴾ ۳۳

ترجمہ: "اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور محتاج تو ان کو کچھ کھا دو اس میں سے اور کہہ دو ان کو بات معقول۔"

یعنی جب تقسیم کے وقت قریبی رشتہ دار یتامی اور مساکین آجائیں تو ان کو بھی اس میراث میں سے کچھ دو "وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا" اور ساتھ یہ بھی ہے کہ ان سے اچھی نیک بات کہو۔ یہاں وہ اولوالقربی، یتامی اور مساکین مراد ہیں جو میت کے وارث نہیں چونکہ وراثت میں تو ان کا حصہ نہیں ہے، البتہ ورثہ سے یہ کہا گیا کہ جب وراثت کی تقسیم کے وقت وہ بھی موجود ہوں تو ان کو بھی کچھ دے دو۔ بہت سے مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ منسوخ ہوگئی ہے یعنی پہلے یہ حکم تھا کہ دوسرے یتامی، مساکین اور اقارب کو دیا جائے لیکن بعد میں جب آیت میراث آگئی ہر ایک کے حصے مقرر ہو گئے تو اب یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تردید فرمائی۔ فرمایا کہ یہ آیت آج بھی باقی ہے، منسوخ نہیں ہوئی۔ البتہ لوگوں نے اس پر عمل کرنے میں سستی شروع کر دی ہے کہ عمل نہیں کرتے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے۔ استحبابی ہونے کی حیثیت سے پہلے بھی قائم تھا اور آج بھی قائم ہے۔

اب آگے ایک اور بات کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم میں ان اولوالقربی، یتامی اور مساکین کے بارے میں دو باتیں کہی گئی ہیں۔ ایک ”فَارِزْقُوهُمْ مِنْهُ“ اور دوسری ”وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا“ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حکم دو مختلف لوگوں کو دیئے گئے ہیں یعنی ان دونوں حکموں کے مخاطب الگ الگ ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جب میراث تقسیم ہو رہی ہوتی ہے، اس وقت میت کے ولی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک میت کا ولی وہ ہے جو وارث بھی ہے اور ایک میت کا ولی وہ ہے جو وارث نہیں ہے مثلاً ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کی بیوی، بچے ہیں اور ساتھ بھائی اور چچا بھی ہیں اب اولاد ولی ہے اور ساتھ ساتھ وارث بھی ہے لیکن بھائی اور چچا ولی تو ہیں لیکن اولاد کی موجودگی میں ان کا وارثت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

تو جو پہلے ولی ہیں یعنی جو وارث بھی ہیں ان کو حکم دیا گیا ہے ”فَارِزْقُوهُمْ مِنْهُ“ کہ اے وارثو! تم اس ترکہ میں سے تھوڑا بہت حصہ اولوالقربی، یتامی اور مساکین کو بھی دے دو۔

اور دوسرا ولی جیسے بھائی چچا وغیرہ جو وارث نہیں ہیں، ان کو حکم دیا گیا کہ ”وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا“ اے بھائیو اور چچاؤ جب تم دیکھو کہ تمہارے پاس یتامی اور مساکین آ رہے ہیں، چکر لگا رہے ہیں کہ کچھ ہونے والا ہے یا صراحتاً آپ سے مانگ بھی رہے ہیں کہ ہمیں بھی کچھ دلو اور تو چونکہ آپ کو اس وراثت پر کوئی اختیار نہیں، اس لئے تم دے تو نہیں سکتے لہذا ”وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا“ ان سے سیدھی سادی بات کہہ دو کہ بھائی ہم ضرور دیتے لیکن کیا کریں ہمارا اس ترکہ پر اختیار نہیں ہے، اس لئے ہم نہیں دے سکتے۔

”ہمَا وَالْيَان“ وہ وارث جو ولی ہے، وہ یتامی اور مساکین کو دے گا۔ دوسرا کہے گا کہ بھائی میری قدرت میں نہیں ہے کہ میں آپ کو دوں۔

(۱۹) باب مَا يَسْتَحِبُّ لِمَنْ تُوْفِيَ فِجَاءَةٌ أَنْ يَتَصَدَّقَ وَأَعْنَهُ،

وَقَضَاءُ النَّذْرِ عَنِ الْمَيْتِ

۲۷۶۰۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنْ أَمْسَى أَفْعَلْتُ نَفْسَهَا وَأَرَاهَا لَوْ تَكَلَّمْتُ تَصَدَّقْتُ، أَفَأَتَصَدَّقُ بِهَا؟ قَالَ: ((نَعَمْ، تَصَدَّقْ بِهَا)). [راجع: ۱۳۸۸].

۲۷۶۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوْسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ سَعْدَ بْنَ عِمَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ اسْتَفْتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

لِقَالَ: إِنْ أُمِّي مَاتَتْ وَعَلَيْهَا نَذْرٌ، فَقَالَ: ((إِقْضِهِ عَنْهَا)). [أَنْظُرْ: ۲۶۹۸، ۲۶۹۹] جو نذر کے گئی تھی اس کو پورا کر دو، پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اگر وصیت نہ کی ہو تو ورثہ کے ذمہ واجب نہیں ہے کہ اس کو پورا کرے۔ اور اگر وصیت کی ہو تو ٹلٹک کی حد تک واجب ہے۔

باب وما للوصی أن يعمل فی مال الیتیم وما یأکل منه بقدر عمالته

یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وصی کو یہ حق حاصل ہے کہ یتیم کا جو مال اس کی سرپرستی اور نگرانی میں ہے، اس میں سے وہ اپنے عمل کے بقدر کھا سکتا ہے۔ اگر وہ محتاج ہے تو جتنا وہ یتیم کے لئے کام کر رہا ہے اس کے بقدر یتیم کے مال میں سے اپنا نفقہ لے سکتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَوَمَنْ كَانَ
فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾

ترجمہ: "اور (یتیموں کے سرپرستوں میں سے) جو خود ماں دار ہو وہ تو اپنے آپ کو (یتیم کا مال کھانے سے) پاک رکھے، ہاں اگر وہ خود محتاج ہو تو معروف طریقہ کار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کھالے"۔

۲۷۶۳۔ حدثنا ہارون بن الأشعث: حدثنا أبو سعید مولیٰ بنی ہاشم: حدثنا صخر بن حویریہ، عن نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما: أن عمر تصدق بمال له علی عهد رسول اللہ - و كان یقال له: ثمع، و كان نخلا، لِقَالَ عمر: یا رسول اللہ، إني استفتدت مالا وهو عندی نفیس فأردت أن أتصدق به. فإل الی نبی ﷺ: ((تصدق بأصله، لا یباع ولا یوهب ولا یورث، ولكن ینفق لمرء)). فتصدق به عمر فصدقته تلك فی سبیل اللہ ولی الرقاب والمساکین والضعیف وابن السبیل ولدی القریبی. ولا جناح علی من ولیه أن یأکل منه بالمعروف، أو یؤکل صدیقہ غیر مسمول به. [راجع: ۲۳۱۳].

وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں، مقصود یہ ہملہ ہے "لا جناح علی من ولیه" کہ جو وقف کا متولی ہے وہ معروف طریقہ سے کھا سکتا ہے، اسی پر یتیم کو بھی قیاس کیا کہ یتیم کا متولی بھی معروف طریقہ سے کھا سکتا ہے۔

۲۷۶۴۔ النساء ۶ یعنی یتیم کا مال دن اپنے خرچ میں نہ لائے اور اگر یتیم کی پرورش کرنے والی حاج ہو تو البتہ اپنی خدمت کرنے سے موافق یتیم کے مال میں سے تحقیق سے لیں مگر غنی کو کچھ لینا ہرگز جائز نہیں۔ (۲ تفسیر عثمانی ص ۱۰۰)

وقف کے متولی اور یتیم کے متولی میں فرق

لیکن دونوں میں فرق بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یتیم کا متولی مال یتیم سے اسی وقت کھا سکتا ہے، جب وہ محتاج ہو، اگر غنی ہے تو اس کے لئے کھانا جائز نہیں کیونکہ قرآن کریم میں آیا ہے ”وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَ مَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ“ نص نے تفصیل بیان کر دی ہے۔

بخلاف وقف کے متولی کے کہ وقف کا متولی اپنی خدمات کے معاوضے کے طور پر وقف سے لے سکتا ہے، چاہے وہ غنی ہی کیوں نہ ہو۔

(۲۴) **بَاب ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ ۚ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَلْيَخْوِاؤُهُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَغْنَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾** ۲۶ : لاخرجکم وضيع علیکم، و ﴿عنت﴾ حضرت.

۲۷۶۷ - وقال لنا سليمان بن حرب: حدثنا حماد، عن أيوب، عن نافع قال: ما رد ابن عمر على أحد وصيته و كان ابن سيرين أحب الأشياء إليه في مال اليتيم أن يجمع إليه نصحاؤه وأولياؤه فينظروا الذي هو خير له. وكان طاؤس إذا سئل عن شيء من أمر اليتامى قرا: ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ وقال عطاء في يتامى الصغير والكبير: ينفق الولي على كل إنسان بقدره من حصته.

حدیث باب کی تشریح

فرمایا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ ۚ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَلْيَخْوِاؤُهُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَغْنَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾

ترجمہ: ”اور لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان کی بھلائی چاہنا نیک کام ہے، اور اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو (کچھ حرج نہیں

کیونکہ وہ تمہارے بھئی ہی تو ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون معاملات بگاڑنے والا ہے اور کون سنوارنے والا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشکل میں ڈال دیتا۔ یقیناً اللہ کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔“

یعنی ان کی خیر خواہی اور ان کی اصلاح، یہ متولی کے ذمہ واجب ہے، ان کے لئے خیر ہے۔ لیکن جب یتامی کے بارے میں مختلف شہید احکام آئے ”الذین یا کلون اموال الیتامی“ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس معاملے میں بہت ہی زیادہ احتیاط شروع کر دی۔ یہاں تک کہ یتیم کا کھانا الگ پک رہا ہے اور ساتھ بیٹھ کر کھا رہے ہیں لیکن یتیم کا کھانا الگ برتن میں ہے تاکہ ہمارا نوالہ کہیں اس کے برتن میں نہ پڑ جائے، اتنا تکلف شروع کر دیا اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی ”وَإِنْ تَسَاءَلُواهُمْ فَإِنِمْ لَكُمْ“ اگر ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اس میں اتنا مضائقہ نہیں ہے کہ ان کے کھانے کو اپنے کھانے سے ممتاز رکھو بلکہ ملا جلا رکھ کر بھی کھا سکتے ہو۔

پھر فرمایا: ”وَاللَّهُ يَسْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمَصْلِحِ“ اور اللہ جانتا ہے کہ کون مفسد ہے اور کون مصلح ہے۔ تو ولی اور یتیم کو جو یہ سارا اختیار حاصل ہے وہ اس شرط کے ساتھ حاصل ہے کہ وہ اصلاح کا کام کرے نہ کہ افساد کا۔ اس سے اشارہ کیا کہ ایسے شخص کو ولی بنانا چاہئے جو مصلح ہو۔

”وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَغْنَيْنَكُمْ“ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتے۔ اسی مشقت میں ڈال دیتے کہ خبردار! ایک جہادھر کا ادھر نہ جائے تو ایک مصیبت میں پڑ جاتے۔ ان اللہ عزیز حکیم۔

”عن نافع قال: مراد ابن عمر علی احد“ نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آج تک کسی شخص کی وصیت رد نہیں کی۔ یعنی جب بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کسی نے وصی بنایا کہ میرے مرنے کے بعد میرا مال شریعت کے مطابق تقسیم کر دینا یا فلاں شخص کے بارے میں وصیت کرتا ہوں ان کو ادا کر دینا اور باقی میرے ورثے میں تقسیم کر دینا وغیرہ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رد نہیں کیا یہ سوچ کر کہ یہ بے چارے مسلمان کی خوہش ہے اور ثواب کا کام ہے اس لئے کر دو۔ معلوم ہوا کہ وصی بننا کوئی ناجائز بات نہیں اور نہ کوئی ایسی بات ہے جس سے بھاگا جائے۔

”وکان ابن سیرین أحب الأشياء“ محمد بن سیرین کے نزدیک سب سے پسندیدہ بات یتیم کے مال کے بارے میں یہ ہے کہ اس کے خیر خواہ اور اس کے اولیاء جمع ہو جائیں پھر غور کریں ”المدی هو خیر له“ اور مشورہ سے کسی ایسے آدمی کو ولی بنائیں جو اس کے حق میں بہتر ہوتا کہ ولی مصلح بنے، مفسد نہ بنے۔

”وكان طاؤس إذا سئل“ طاؤس سے امریتائی کے بارے میں کوئی بات پوچھی جاتی تو یہ آیت پڑھتے تھے ”والله يعلم المفسد من المصلح“ مطلب یہ ہے کہ یتامی کی اصلاح کے لئے ہر کام کر دو، نہ کہ فساد کے لئے۔

”وقال عطاء في يتامى الصغير والكبير“ اصل میں فی الیتامی ہونا چاہئے تھا اور الصغیر والکبیر اس سے بدل ہونا چاہئے تھا لیکن یہاں پتا نہیں کیوں نگرہ آ گیا؟

معرفہ نگرہ سے بدل دیا جو نحویین کے نزدیک قواعد کے خلاف ہے، درست نہیں لیکن ایک عام کلام میں بعض اوقات نحوی قواعد کی رعایت نہیں کی جاتی۔ بہر حال عطاء نے کہا کسی شخص کی زیر تربیت چھوٹے بڑے مختلف قسم کے یتامی ہوں تو ولی کو چاہئے کہ ہر ایک پر اس کے حصہ سے اس کی مقدار کے مطابق خرچہ کرے۔ اگر بچہ ہے تو تھوڑا کھانا کھائے گا، اس لئے اتنا ہی لے اور اگر بڑا آدمی ہے تو زیادہ کھائے گا، اس کے حصے سے اس کے مطابق لے تو یتیم کے ولی کو یہ سب کام کرنے پڑتے ہیں۔

(۲۵) باب استخدام الیتیم فی السفر والحضر إذا كان صلاحاً

لہ، ونظر الام او زوجها للیتیم

۲۷۶۸۔ حدثنا يعقوب بن إبراهيم بن كثير: حدثنا ابن علية: حدثنا عبد العزيز، عن أنس رضي الله عنه قال: قدم رسول الله ﷺ المدينة ليس له خادم فأخذ أبو طلحة بیدی فأنطلق بهی إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله، إن أنسا غلام كيس فليخدمك، قال: فخدمته فی السفر والحضر ما قال لی لشي صنعته: لم صنعت هذا هكذا؟ ولا لشي لم أصنعه: لم تصنع هذا هكذا؟ [انظر: ۶۰۳۸، ۶۹۱۱ ح]

کہتے ہیں کہ یتیم سے حضر و سفر میں خدمت لینا جائز ہے یا نہیں؟ ”اذا كان صلاحاً“ جبکہ اس عمل میں اس کے لئے بہتری ہو۔

یعنی اپنے زیر تربیت یتیم، بظاہر اس سے خدمت لینا ”عقود ضارہ محضہ“ میں سے ہے، لیکن اگر اس میں اس یتیم کی اصلاح ہو کہ کسی بزرگ کے پاس رہے گا، اس کی خدمت کرے گا، اس کے اخلاق سیکھے گا، تربیت حاصل کرے گا تو کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ حضرت انس رضي الله عنه کو ان کی والدہ نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں چھوڑ دیا تھا۔ آگے ان کا یہی واقعہ بیان کر رہے ہیں۔

یحرفی صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب كان رسول الله ﷺ احسن الناس خلقاً، رقم: ۴۲۶۹، وسنن الترمذی، کتاب البر والصلة عن رسول الله ﷺ، باب ماجاء فی الخلق النبوی، رقم: ۱۹۳۸، وسنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی العلم واخلاق، رقم: ۴۱۳۳، ومسند احمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند انس بن مالک، رقم: ۱۱۵۳۶، ۱۱۵۵۰۔

”ونظر الام اوزوجها للیتیم“

اور ماں اور اس کے شوہر یعنی سوتیلے باپ کو شفقت کی نگاہ سے یتیم کو دیکھنا چاہئے یعنی ان کو یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ آیا اس پر شفقت کا تقاضا کیا ہے؟ ہم اس کو فلاں کے ساتھ بطور خادم سفر میں بھیج دیں یا نہیں؟ اگر وہ فیصلہ کریں کہ اس کے اوپر شفقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو فلاں کے ساتھ بھیج دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

چنانچہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر دونوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بطور خادم بھیج دیا تھا اور ان کا یہ عمل نظر و شفقت کے مطابق تھا۔ معلوم ہوا کہ ماں یا اس کے شوہر کی طرف سے شفقت کے مطابق جو عمل کیا جائے وہ شرعاً مقبول ہے۔

(۲۶) باب إذا وقف أرضاً ولم یبین الحدود فہو جائز،

و كذلك الصدقة

کہتے ہیں کہ زمین وقف کی لیکن اس کی حدود بیان نہیں کیں تو بھی جائز ہے۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ بالکل یہ سرے سے حدود بیان ہی نہیں کیں، نہ معروف تھیں اور نہ بیان کیں۔ کہتے ہیں کہ پھر بھی وقف جائز ہو گیا۔ تو یہ بات غلط ہے اور جمہور فقہاء کے خلاف ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک زمین معروف ہے، سب لوگ جانتے ہیں تو اس کی حدود متعین کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔

اب اگر کوئی کہے میں اپنی لداں زمین دیتا ہوں، چاہے اس نے حدود بیان نہ کی ہوں کہ کتنے گز ہے؟ دائیں کیا ہے اور بائیں کیا ہے؟ حدود اربعہ بیان نہ کیئے ہوں، تب بھی وقف درست ہو جائے گا، مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میرا مکان جو فلاں جگہ پر واقع ہے، میں وہ وقف کرتا ہوں۔ اب وہ مکان معروف ہے، اس کی حدود متعین ہیں، اس کی چار دیواری کھینچی ہوئی ہے تو اب اس کو الگ سے متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ویسے ہی جائز ہو جائے گا۔

آگے جو حدیث آرہی ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے بیرحاء کا صدقہ کرتے وقت یہ نہیں بتایا کہ اس کی حدود کتنی ہے؟ اس کی پیمائش کیا ہے؟ دائیں کیا ہے اور بائیں کیا ہے؟ اس کے باوجود صدقہ درست ہو گیا۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ بیرحاء اور اس کا حدیقہ معروف و مشہور تھا۔ اس کی حدود معلوم تھیں۔ اس لئے اس کو عقد ہبہ میں یا صدقہ کے اندر صراحتاً بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔

(۲۷) باب إذا وقف جماعة أرضاً مشاعاً فهو جائز

۲۷۷۱۔ حدثنا مسدد: حدثنا عبد الوارث، عن أبي التياح، عن أنس رضی اللہ عنہ قال: أمر النبي صلی اللہ علیہ وسلم ببناء المسجد، فقال: ((يا بني النجار ثامنوني بحائطكم هذا))، قالوا: لا والله لا نطلب ثمنه إلا إلى الله. [راجع: ۲۳۴]

مشاع کے وقف کے بارے میں دوبارہ یہ باب قائم کیا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ پہلی جگہ وقف کرنے والا ایک تھا اور مشاع طریقہ سے کر رہا تھا اور اس باب میں یہ ہے کہ بہت سے لوگ مل کر کسی ارض مشاع کو وقف کریں۔ اس میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بناء کا واقعہ ذکر کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نجر سے کہا تھا کہ یہ باغ مجھے قیمتاً دے دو۔ انہوں نے کہا تھا ”لا والله“ ہم تو اس کے پیسے اللہ سے مانگتے ہیں، ہمیں پیسے نہیں چاہئیں۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ انہوں نے یہ زمین وقف کر دی جبکہ یہ ان کے درمیان مشاع تھی۔

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے مشاع کے وقف کی صحت پر استدلال کیا ہے۔ اگرچہ بعض روایتوں سے معصوم ہوتا ہے کہ بعد میں باوجود یہ کہ انہوں نے پیشکش کی تھی اور ان کا ارادہ ہو گیا تھا کہ یہ ہم بغیر پیسوں کے دے دیں، لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پھر بھی قیمت ادا کی۔ معلوم ہوا کہ یہ بیع تھی ہبہ یا صدقہ نہیں تھا، لیکن انہوں نے وقف کی پیشکش کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اعراض نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر تمام شرکاء مل کر کسی ایک کو ہبہ کر دیں تو یہ جائز ہے۔

(۳۱) باب وقف الدواب والكراع والعروض والصامت

جانور، گھوڑے اسباب، چاندی، سونا وقف کرنے کا بیان

اس باب سے اشیاء منقولہ وغیر منقولہ کے وقف کی صحت ثابت کرنا مقصود ہے۔ عام طور پر جو چیزیں وقف کی جاتی ہیں ان میں زمین و جائیداد ہوتی ہے گھریا باغ اور کنواں وغیرہ ہوتا ہے جو جائیداد غیر منقولہ ہے۔

آیا اشیاء منقولہ کا وقف درست ہے کہ نہیں؟

اس بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

اشیاء منقولہ کا وقف اور اختلاف فقہاء

بہت سے فقہاء کرام اشیاء منقولہ کے وقف کو جائز نہیں سمجھتے۔

حنفیہ کے اصل مذہب میں اشیاء منقولہ کا وقف جائز نہیں تھا، لیکن امام محمد نے استحساناً ان اشیاء میں جائز

قرار دیا ہے جن میں متعرف ہو جائے جیسے مسجد میں قرآن مجید، مسجد کی صفیں، مسجد کا چراغ وغیرہ۔^{۳۸}

۳۸ واعلم ان وقف المنقول لا یصح علی أصل المذہب، واجازہ محمد فیما عارفہ الناس، ہقی حدیث تصدق عمر بفرسہ، لہو التصدق دون الوقف۔ فیض الباری، ج ۳ ص: ۴۱۶۔

”وقال الزهري فيمن جعل ألف دينار في سبيل الله، ودفعها إلى غلام له تاجر يتجر بها، وجعل ربحه صدقة للمساكين والأقربين، هل للرجل أن يأكل من ربح تلك الألف شيئا؟ وإن لم يكن جعل ربحها صدقة في المساكين، قال: ليس له أن يأكل منها“.

امام زہری کہتے ہیں کہ کسی شخص نے ایک ہزار دینار اللہ کی راہ میں دیئے اور اپنے غلام کو جو تاجر تھا سپرد کر دیئے کہ بھائی اس میں تجارت کرو اور کہا کہ اس میں جو نفع آئے گا وہ مساکین اور اقربین کو صدقہ کر دیا جائے تو کیا اس شخص کو جس کے سپرد کئے گئے ہیں یہ حق حاصل ہے کہ اس ایک ہزار کے نفع میں سے کچھ کھائے اگرچہ اس نے مساکین کے لئے صدقہ نہ رکھا ہو؟

امام زہری رحمہ اللہ نے کہا کہ اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے یعنی یہاں صرف منقول کے وقف کا مسئلہ نہیں آیا بلکہ نقد کے وقف کا بھی آیا ہے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے صامت کا لفظ استعمال کیا ہے اور صامت سے سونا، چاندی، چاندی کے نقد، دراہم اور دینار مراد ہیں۔ تو دراہم اور دینار کا وقف ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں مزید کلام ہوا ہے۔

دراہم اور دنانیر کا وقف

بعض لوگ منقول کا وقف ہی نہیں مانتے، وہ دراہم اور دنانیر کو کیسے مانتے۔ بالآخر مفتی بہ قول یہ ہے کہ دراہم اور دنانیر کا وقف بھی جائز ہے۔

لیکن اس وقف کے جائز ہونے کو بھی سمجھ لینا چاہئے لوگ اکثر و بیشتر اس کو غلط سمجھتے ہیں۔

دراہم اور دنانیر کے وقف ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جتنے دراہم اور دنانیر وقف کئے گئے ہیں، وہ تو اپنی جگہ ہمیشہ کے لئے برقرار رہیں، ان کو کوئی استعمال نہ کرے لیکن ان کو تجارت میں لگا دیا جائے اور جو نفع آئے وہ موقوف علیہم میں تقسیم ہو کیونکہ اگر وقف دراہم اور دنانیر کو آدمی ایک دفعہ بیٹھ کر کھا گیا تو وقف کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔ وقف کا مقصد یہ ہے کہ ایک چیز باقی رہے اور اس کی منفعت موقوف علیہم کو جائے تو اس کی صورت دراہم اور دنانیر میں یہ ہے کہ اس کو کسی نفع بخش کام میں لگا دیا جائے جس سے نفع آتا رہے اور موقوف علیہم پر تقسیم ہوتا رہے۔ اور جو اصل رقم ہے وہ ہمیشہ محفوظ رہے۔ یہ وقف الدراہم والدنانیر کی صورت ہے۔

کیا چندہ بھی وقف میں داخل ہے؟

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مدرسہ اور مسجد میں جو چندہ آتا ہے وہ بھی وقف ہوتا ہے حالانکہ چندہ وقف نہیں ہوتا بلکہ چندہ مسجد و مدرسہ کی ملکیت ہوتا ہے۔

وقف اس وقت ہوگا جب اس کام کے لئے رقم لے کر وقف کر دی گئی اور تجارت میں لگادی گئی اور اس کا نفع اس کے موقوف علیہم یا مسجد پر خرچ کیا جائے۔

تیسری بات یہ سمجھ لیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے امام زہریؒ کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی وقف الدراہم والدنانیر کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ وقف الدراہم والدنانیر میں جب نفع مساکین کے لئے رکھ دیا تو کیا اس نفع سے خود بھی کھانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ یعنی دراہم اور دنانیر کو وقف کر دیا اور کہا کہ اس کی تجارت کرو، اب اس سے جو نفع آیا کہتے ہیں کہ کیا واقف خود بھی اس میں سے کھا سکتا ہے یا نہیں؟

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر اس نے وقف میں یہ کہا تھا کہ جو نفع آئے گا وہ مساکین میں تقسیم ہوگا اور میں بھی تھوڑا بہت لے لوں گا تو یہ جائز ہے۔ لیکن اگر اس نے مساکین کو دیا ہی نہیں تھا، غلام کو دیا کہ بھائی تجارت کرو، میں نے یہ وقف کر دیا، یہ نہیں کہا کہ بعد میں جو نفع آئے وہ مساکین کو صدقہ کروں گا، بس یہ کہا کہ تجارت کرو جو نفع آئے گا کھاؤں گا۔ اب جو نفع آ رہا ہے وہ کھا رہے ہیں تو یہ جائز نہیں، اس واسطے کہ وقف کی صحت کے لئے یہ ضروری ہے کہ بالآخر اس کا مال کسی جہت قربت کی طرف ہو۔ صرف اپنے کھانے کے لئے کوئی وقف نہیں کر سکتا۔

اس واسطے یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ مساکین کے لئے ہے۔ پہلے مساکین کو دینا ضروری ہے اس کے بعد تھوڑا بہت اپنے خرچہ کے لئے لینا چاہیں تو لے لیں۔

چیز وقف کب بنتی ہے؟

مسجد اور مدرسہ میں جو اشیاء آتی ہیں، چندے سے خریدی جاتی ہیں یا کوئی شخص مسجد و مدرسہ میں دے جاتا ہے، ان کو سب لوگ بلا تمیز وقف سمجھ بیٹھتے ہیں حالانکہ یہ سب وقف نہیں ہوتیں جب تک کہ دینے والا یہ نہ کہے کہ یہ وقف ہے۔

فرض کریں مسجد یا مدرسہ کے چندہ سے قرآن شریف رکھنے کے لئے ایک الماری خرید لی، اب وہ الماری وقف نہیں ہے، وقف اس وقت ہوگی جب کہہ دیں گے کہ یہ وقف ہے۔ اگر وقف نہیں کہا اور پیسوں سے خرید لی تو یہ وقف نہیں ہے۔ یا کوئی دوسرا آدمی ابر سے، کر رکھ دے تو جب تک اس نے وقف کی صراحت نہ کی ہو تو یہ چیز وقف نہیں ہوگی، بلکہ مسجد کی ملک ہوگی۔

اس مسئلہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ بڑی تنگی کا شکار ہوتے ہیں، اس لئے کہ وقف کی بیج کبھی نہیں ہو سکتی لیکن وہ اشیاء جو بطور چندہ مسجد کو دی گئی ہوں، ان کو جب چاہیں مسجد کی مصلحت کے مطابق فروخت بھی کر سکتے ہیں اور اس کے بدلے جو چاہیں خرید سکتے ہیں۔

دارالعلوم کی زمین

دارالعلوم کی زمین ستاون (57) ایکڑ ہے تو یہ دارالعلوم کی ملکیت ہے اور جو دس (10) ایکڑ نیا میدان ہے وہ ملکیت تو نہیں ہے لیکن نونوے سال کے لئے خاص طلباء کے کھینے کے لئے ملا ہوا ہے، اس لئے ملکیت نہیں ہے باقی (57) ایکڑ باقاعدہ ملکیت ہے۔

اس ستاون (57) ایکڑ میں سے کل ستائیس (27) ایکڑ زمین وقف ہے جو اصل وقف نے وقف کی تھی، باقی زمین خریدی ہوئی ہے اور جو خریدی ہوئی ہے وہ وقف ہونا ضروری نہیں جب تک کہ اس کو وقف نہ کر دیا جائے۔

(۳۲) باب نفقة القیم للوقف

۲۷۷۶۔ حدثنا عبد الله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله ﷺ قال: ((لا تقسم ورثتي ديناراً ولا درهماً، ماتركت بعد نفقة نسائي ومونة عاملي فهو صدقة)) . [انظر: ۳۰۹۶، ۶۷۲۹] رحمہم اللہ

یعنی جو کچھ میرا ترکہ ہے ان میں سے پہلے تو میری ازواج کے نفقات ادا کئے جائیں اور جو زمینوں پر کام کرنے والے ہیں، ان کی تنخواہیں دی جائیں، باقی جو بچے وہ صدقہ ہے۔

(۳۳) باب إذا وقف أرضاً أو بئراً، أو اشترط لنفسه

مثل دلاء المسلمین

”ووقف أنس داراً، فكان إذا قدم لزلها. وصدق الزبير بدوره، وقال للمردودة من بناته أن تسكن غير مضرّة ولا مضر بها، فإن استغنت بزوج فليس لها حق. وجعل ابن عمر نصيبه من دار عمر مكنتي لذوي الحاجات من آل عبد الله“.

۳۹۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب قول النبی ﷺ لا نورث ما ترکنا فهو صدقة، رقم: ۳۳۰۶، وسنن أبی داؤد، کتاب الخراج والإمارة والفتی، باب فی صفایا رسول اللہ ﷺ من الاموال، رقم: ۲۵۸۴، ومسند أحمد، باقی مسند المکشرین، باب مسند أبی هريرة، رقم: ۴۰۰۲، ۸۵۳۷، ۹۵۹۳، وموطأ مالک، کتاب الجامع، باب ماجاء فی تركة النبی ﷺ، رقم: ۱۵۷۸.

”شرط الواقف کنص الشارع“

اس باب میں یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر آدمی کسی چیز کو وقف کرے تو اپنے لئے بھی شرط لگا سکتا ہے کہ میں بھی عام لوگوں کے ساتھ مل کر اس سے انتفاع کروں گا جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی تھی۔ اس کی کئی مثالیں بیان کی ہیں۔

”ووقف انس رضی اللہ عنہ نے گھر وقف کیا تھا اور جب وہاں آتے تھے تو اسی میں ٹھہرا کرتے تھے۔“

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر وقف کیا ”والل للمرء دودة من بنانه“ ان کی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی لوٹ کر آگئی تھی یعنی شوہر سے طلاق ہو کر آگئی تھی، اس کے بارے میں کہا کہ ”ان تسکن“ وہ اس میں رہ سکتی ہے کہ نہ یہ دوسرے کو تکلیف پہنچائے اور نہ دوسرا اس کو تکلیف پہنچائے لیکن جب یہ شوہر کے ذریعے مستغنی ہو جائے یعنی نکاح ہو جائے تو پھر اس کو اس گھر میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے، تو یہ شرط لگائی تھی۔

اسی واسطے فقہاء نے فرمایا ہے کہ ”شرط الواقف کنص الشارع“ واقف، وقف میں جو شرط لگادے وہ شارع کی نص کی طرح ہوتی ہے۔ ”وجعل ابن عمر“ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر میں جو حصہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا تھا انہوں نے وہ جگہ ڈوا لیا جتہ کے رہنے کی جگہ بنا دی تھی۔

۲۷۷۸۔ وقال عبدان: أخبرني أبي، عن شعبة، عن أبي اسحاق، عن أبي عبد الرحمن: أن عثمان رضی اللہ عنہ حيث حوصر أشرف عليهم وقال: أنشدكم الله ولا أنشد إلا أصحاب النبي ﷺ، أسمع تعلمون أن رسول الله ﷺ قال: ((من حفر رومة فله الجنة)) فحفرتها؟ أسمع تعلمون أنه قال: ((من جهز جيش العسرة فله الجنة)) فجهزته؟ قال: فصدقوه بما قال: وقال عمر في وقفه: لا جناح على من وليه أن يأكل. وقد بلبه الواقف و خيره فهو واسع لكل.

یہاں بیر رومہ کھودنے کا ذکر ہے یا تو کسی راوی سے وہم ہو گیا ہے کہ یہ اصل میں کھودنا نہیں تھا بلکہ خریدا تھا یا ”حفر“ اشترئی کے معنی میں ہے۔

یہاں اگرچہ اس میں یہ لفظ نہیں ہے لیکن ماقبل میں جہاں یہ واقعہ گزرا ہے وہاں مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ کون ہے جو اس رومہ کنوئیں کو خریدے؟ ”ویكون دلوه كدلاء المسلمين“ اور اس کا ڈول بھی دوسرے مسلمانوں کے ڈول کی طرح ہوگا یعنی اوروں کی طرح اس کو بھی انتفاع کا حق حاصل ہوگا اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا۔

(۳۵) باب قول اللہ عزوجل:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِمَّنْ غَيْرِكُمْ﴾

إلى قوله: ﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾^۱ الا وليان: واحدهما أولى، ومنه

أولى به. ﴿عشر﴾ ظهر، ﴿أغترنا﴾: أظهرنا۔

۲۷۸۰۔ وقال لى على بن عبد الله: حدثنا يحيى بن آدم: حدثنا بن أبي زائدة، عن

محمد بن أبي القاسم، عن عبد الملك بن سعيد بن جبير، عن أبيه، عن ابن عباس رضی

الله عنهما قال: خرج رجل من بنى سهم مع تميم الدارى وعدى بن بداء، فمات السهمى

بأرض ليس بها مسلم فلما قدما بتركنه فقدوا جاما من فضة مَخْرُوصا من ذهب. فأحلفهما

رسول الله ﷺ، ثم وجد الجام بمكة، فقالوا: ابتعناه من تميم وعدى، فقام رجلان من اولياء

السهمى فحلفا لشهادتنا أحق من شهادتهما، وأن الجام لصاحبهم. قال: وفيهم نزلت هذه

الآية: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾^۲،^۳

یہ آخر میں بڑا پیچیدہ مسئلہ آ گیا ہے۔ یہ سورہہ مکہ کی آیت قرآنیہ ہے، شاید تفسیر اور ترکیب کے اعتبار

سے، اسلوب بیان و شان نزول کے اعتبار سے بھی اور مفسرین کی آراء کے اختلاف کے اعتبار سے بھی پورے

قرآن کریم میں مشکل ترین آیت ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے جو اس کا شان نزول بیان کیا ہے امید ہے کہ اس کا سمجھ لینا کافی ہوگا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا بیان کردہ شان نزول

اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ قبیلہ بنو سہم کے ایک مسلمان شخص جس کو حدیث میں سہمی سے تعبیر

کیا گیا، دو نصرانیوں کے ساتھ سفر میں گئے، ان میں سے ایک تمیم داری تھے جو بعد میں مسلمان ہوئے اور دوسرے

عدی بن بداء تھے۔ یہ تینوں آدمی سفر میں نکلے، ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا، سارا شہر غیر مسلموں

۱۰۶ [المائدة ۱۰۸، ۱۰۶] [المائدة ۱۰۶]

۲۲ وفى سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ، باب ومن سورة المائدة، رقم ۲۹۸۶، و سنن أبی

داؤد، کتاب الأفضیة، باب شهادة أهل الذمة وفى الوصیة فى السفر، رقم ۳۱۲۹.

سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں سبھی بے چارہ بیمار ہو گیا اور وہیں پر اس کا انتقال ہو گیا۔

یہ مسلمان تھے جب ان کو اندازہ ہوا کہ میں مرنے والا ہوں تو انہوں نے اپنے دو ساتھیوں سے جو نصرانی تھے کہا کہ میں مر رہا ہوں، میرا تمام سامان اور ترکہ لے جا کر گھر والوں کو دے دینا تاکہ ورثہ کو پہنچ جائے اور ساتھ ہی اس نے یہ ہوشیاری کی کہ اسی سامان کے اندر اپنے پورے سامان کی ایک (لسٹ) فہرست کہیں چھپا کر رکھ دی۔

اس وقت یہ دونوں نصرانی تھے۔ دونوں کی طبیعت میں چور آیا انہوں نے کہا سارا سامان تو لے جائیں گے لیکن سامان کے اندر ایک قیمتی پیالہ تھا وہ ان کی آنکھ کو بھا گیا۔ کہتے ہیں کہ سبھی کا تجارت کا حصہ تھا، وہ اس کو بیچنے آئے تھے تاکہ ان کو کچھ پیسے ملیں۔

ان دونوں نے کہا چلو یہ پیالہ پار کرو، کسی کو پتا نہیں چلے گا چنانچہ وہ پیالہ بیچ کر کھانی گئے اور باقی سامان جا کر دے دیا کہ ہمارا ساتھی بے چارہ مر گیا اور اس نے یہ ترکہ چھوڑا، اپنی امانت آپ لے لیں۔

گھر والوں نے جب سامان کھولا تو ان کو اس سامان کی لسٹ بھی ملی، اس میں پیالہ کا بھی ذکر تھا جبکہ پیالہ موجود نہیں تھا۔ انہوں نے کہا کہ بھائی اس میں ایک پیالہ بھی تھا؟ ان دونوں نے کہا ہم پیالہ وغیرہ نہیں جانتے، ہمیں جو کچھ دیا گیا وہ ہم نے دے دیا۔

مسئلہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ قصہ ہو گیا ہے، پیالہ تھا فہرست میں لکھا ہوا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ ہمیں پتا نہیں ہے۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ ورثہ ان پر پیالہ کا دعویٰ کر رہے تھے تو یہ مدعی تھے اور وہ مدعی علیہ منکر تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کو بلا کر قسمیں دیں کہ بیٹہ تو سچی نہیں۔ انہوں نے قسم کھائی کہ ہم نے پیالہ نہیں لیا، یہ بے چارے چپ بیٹہ گئے، اس لئے کہ ثابت کرنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ جب یہ مکہ مکرمہ پہنچے تو وہی پیالہ ایک آدمی کے پاس رکھا نظر آیا، پوچھا کہ بھائی یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ کہا ہمیں تو تمہاری داری اور عدی نے بیچا تھا ہمیں وہاں سے ملا۔

تو حقیقت حال معلوم ہوئی کہ پیالہ میں انہوں نے اس طرح گڑبڑ کی ہے اور بیچا ہے۔

انہوں نے آ کر حضور اقدس ﷺ سے ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے تم داری اور عدی کو پھر بلایا اور پوچھا کہ

کیا قصہ ہے؟

انہوں نے کہا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ ہم سے غلطی ہو گئی۔ اصل بات یہ تھی کہ ہم نے آخر وقت میں مرحوم سے یہ پیالہ خرید لیا تھا اور اس کے پیسے بھی ادا کر دیئے تھے۔ جب آپ نے پہلے پوچھا تھا ہم نے اس وقت خریداری کا ذکر اس لئے نہیں کیا تھا کہ اس وقت ہمارے پاس کوئی بیٹہ اور کوئی ثبوت نہیں تھا۔ اگر ہم یہ کہتے کہ ہم

نے خریدا ہے تو آپ کہتے کہ ثبوت لاؤ اور ہمارے پاس ثبوت نہ ہوتا، لہذا ہم نے سوچا کہ بہتر ہے کہ یہ کہہ دیا جائے ہمیں معلوم نہیں، تاکہ جان چھوٹے۔ اس واسطے ہم نے اس وقت یہ نہیں کہا تھا کہ ہم نے خریدا ہے۔

اب وارشہ بڑے ناراض ہوئے اور حضور اقدس ﷺ سے کہا کہ یہ تو فضول باتیں کر رہے ہیں، ہم گواہی دیتے ہیں، قسم کھاتے ہیں کہ یہ پیالہ سہمی کا ہے، ان کا اس میں کوئی حق نہیں۔ یہ قسم کھائی پھر ان کے حق میں فیصلہ ہوا۔ اس واقعہ میں جو چیز فقہاء کے نزدیک موضع اشکال بنی ہے وہ ہے ”لشہادتنا أحق من شہادتہما“۔

اس لئے کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم شہادت پیش کریں گے حال تکہ اب وہ مدعی عیبہ ہیں۔ شروع میں تو تمیم داری اور عدی مدعی عیبہ تھے کہ بھائی پیالہ تمہارے پاس ہے لاؤ لیکن جب پتا چلا کہ مل گیا تو انہوں نے خود دعویٰ کیا کہ ہم نے خریدا تھا یعنی تمیم داری اور عدی نے تو یہ مدعی بن گئے اور سہمی کے وارشہ مدعی علیہم ہو گئے۔

تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ یا تو وہ شراء کا بیٹہ پیش کریں اگر وہ شراء کا بیٹہ پیش نہ کریں تو وارشہ کو قسم دی جائے۔ لیکن وہ کہہ رہے ہیں کہ ”لشہادتنا أحق من شہادتہما“ کہ ہم گواہی دیں گے تو یہ موضع اشکال بنا کر یہ بات کیسے صحیح ہو گئی۔

شاہ عبد القادر رحمہ اللہ کا ترجمہ اور جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ شاہ عبد القادر صاحب رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے کہ ”لشہادتنا“ ہم بیان حلفی دیں گے تو بیان حلفی ترجمہ نے سارا قصہ ہی ختم کر دیا۔

انہوں نے کہا کہ لفظ شہادت میں اصطلاحی شہادت نہیں ہے بلکہ حلفی بیان مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تو دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم نے خریدا تھا اور خا ہر ہے کہ بیٹہ پیش نہیں کر سکے، لہذا آپ ہم سے قسم لیجئے اور قصہ ختم کیجئے۔ ”لشہادتنا أحق من شہادتہما“ کا یہ معنی ہے تو شہادت اصطلاحی مراد نہیں ہے بلکہ شہادت بالمعنی الہمین مراد ہے۔

اور پچھلے زمانوں میں ایسا بکثرت ہوا ہے کہ شہادت پر یحیمن اور یحیمن پر شہادت کا اطلاق سن سبیل التہادل و لتوسع ہوتا رہا ہے تو اس کے بعد کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

باقی اس سورہ میں جو آیت نازل ہوئی ہے اس کی ترکیب، ترجمہ اور ربط کی جو مباحث ہیں یہ اس کا موقع نہیں ہے، وہ تفسیر کا مسئلہ ہے۔

(۳۶) باب قضاء الوسی دیون المیت بغیر محضر من الورثۃ

۲۷۸۱۔ حدثنا محمد بن سابق، أو الفضل بن يعقوب عنه: حدثنا شبان

أبو معاوية، عن فراس قال: قال الشعبي: حدثني جابر بن عبد الله الأنصاري رضي الله

عنہما: ان اباءہ استشهد یوم احد و ترک ست بنات و ترک علیہ دینا فلما حضرہ جداد النخل اتیت رسول اللہ ﷺ فقلت: یا رسول اللہ، قد علمت ان والدی استشهد یوم احد و ترک علیہ دینا کثیرا، و انی احب ان یراک الغرماء۔ قال: ((اذهب فبیدر کل تمر علی ناحیة))، ففعلت ثم دعوتہ، فلما نظروا الیہ اغروا بہی تلک الساعة، فلما رای ما یصنعون طاف حول اعظمها بیدرا ثلاث مرات ثم جلس علیہ ثم قال: ((ادع اصحابک)) فلما زال یسکل لہم حتی ادى اللہ امانة والدی وانا واللہ راض ان یؤدی اللہ امانة والدی، ولا ارجع الی اخواتی تمرۃ۔ فسلم واللہ البیادر کلہا حتی ائی انظر الی البیدر الذی علیہ رسول اللہ ﷺ کانه لم ینقص تمرۃ واحده۔ قال ابو عبد اللہ: اغروا بہی: یعنی ھتجوا بہی۔ ﴿ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعِدَاةَ وَالْبَغُضَاءَ ﴾ [راجع: ۲۱۲]

یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر کیا۔ دوسرے ورثہ موجود نہیں۔ آپ ﷺ نے دوسرے ورثہ کی غیر موجودگی میں دین ادا کر دیا۔ معلوم ہوا کہ ادا دین کے وقت ورثہ کی موجودگی ضروری اور شرط نہیں ہے۔

كتاب الجهاد والسير

٢٧٨٢ - ٣٠٩٠

۵۶۔ کتاب الجہاد و السیر

جہاد کی تعریف

لفظی معنی: لفظ جہاد باب مفاعلہ سے ہے، اس کے معنی محنت کرنے اور مشقت اٹھانے کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں: اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اُس کی رضا کے لئے ہر محنت کو جہاد کہا جاتا ہے، خواہ وہ محنت زبان سے ہو، قلم سے ہو یا تلوار سے ہو، لہذا جہاد صرف جہاد بالسیف یا قتال فی سبیل اللہ کا نام نہیں بلکہ یہ ایک عام لفظ ہے جو قتال فی سبیل اللہ کو بھی شامل ہے اور اس کے دوسرے افراد بھی ہیں۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾

ترجمہ: "اور لڑو اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں۔"

"وقال النبی ﷺ: جاهدوا المشركين باموالكم وانفسكم والسنتكم"۔^۱

جس طرح جہاد بالانفس ہے، اسی طرح جہاد بالمال بھی ہوتا ہے۔ تو جو کوشش بھی اللہ ﷻ کے راستہ میں کی جائے، اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے کی جائے، وہ جہاد ہے اور قتال اس کا ایک فرد ہے۔

لیکن جب مطلق جہاد کا لفظ استعمال ہو تو اس سے قتال فی سبیل اللہ مراد ہوتا ہے، جس کو "ذروة مینامة" یعنی دین کی چوٹی کہا گیا ہے۔^۲

جہاد کی ایک اور قسم

جہاد کا ایک معنی اور بھی ہے اور وہ ہے "مجاہدۃ النفس" کہ آدمی اپنے نفس کی خواہشات سے لڑائی کرے، نفس کی

۱۔ [التوبة: ۳۱]

۲۔ ابو داؤد، ص: ۱۳۰۸، رقم: ۲۵۳۰۔

۳۔ اماراس الامر للإسلام واما عموده فالصلاة واما ذروة مینامة فالجہاد۔ المستدرک ج ۲، ص: ۸۶، رقم:

۳۳، ۲۳۰۹، وتكملة فتح الملهم، ج: ۳، ص: ۳، ۳۔

خواہشات کو گنہ کی طرف لے جانے سے روکے یا گناہ کی طرف لے جانے والی خواہشات کو کچلے، اس کو بھی جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے، حدیث میں کہا گیا ہے ”المجاہد من جاہد نفسه“۔

حدیث ”رجعنا من الجہاد الأصغر“

حدیث شریف میں ایک روایت ہے، جس پر اگرچہ کلام ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک موقع پر جہاد سے تشریف لائے تو فرمایا ”رجعنا من الجہاد الأصغر إلى الجہاد الاکبر“ اس میں جہاد اکبر سے مجاہدہ نفس مراد ہے، لیکن یہ جہاد کے مجازی معنی ہیں، حقیقی معنی نہیں ہیں، حقیقی معنی وہی ہیں جو اوپر گزرے ہیں۔

جہاد کے بارے میں پروپیگنڈہ کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے

معاذین اسلام کی طرف سے یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ جہاد کا مقصد تبلیغ اور دعوت اسلام ہے اور اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے، اور جہاد اس لئے ہے کہ لوگوں کو بزور شمشیر مسلمان بنایا جائے، معاندین کا یہ خیال اور پروپیگنڈہ غلط ہے۔

جہاد کا مقصد

قرآن و حدیث میں جہاد کا مقصد دعوت و تبلیغ نہیں ہے، بلکہ جہاد کا مقصد مغر کی شوکت کو توڑ کر اللہ کا کلمہ بلند اور قائم کیا جائے۔
اس مقصود میں یہ بات بھی داخل ہے کہ کسی کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں ہے۔

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾

ترجمہ: ”زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں“۔

یعنی کسی شخص کی اپنے مذہب پر رہنے کی آزادی اس کی ذات تک محدود ہے، لیکن جہاں تک اللہ کی زمین کا تعلق ہے تو زمین اللہ کی ہے، اس لئے اس پر اللہ کا ہی قانون چسنا چاہئے، اس میں کسی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ اپنے من مانے قوانین کے تحت اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بنائے۔

ج تکمیل فتح الملہم، ج: ۳، ص: ۴۰، جامع العلوم والحکم، ج: ۱، ص: ۱۹۶، دار المعرفۃ، بیروت، و شرح سنن ابن

ماجہ، ج: ۱، ص: ۲۸۲، رقم: ۳۹۳۳۰، قدیمی کتب خانہ کراچی، ولہدیہ الکمال، ج: ۲، ص: ۱۴۴

چنانچہ حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ جب کسریٰ کے دربار میں پہنچے تو اس نے پوچھا کہ تم کیوں آئے ہو؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ ”لنخرج عباد اللہ من عبد یتة الناس“ کہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکالیں اور اللہ کی غلامی میں لائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں نے اپنے کفر کے بل پر جو احکام نافذ کئے ہوئے ہیں اور ان احکام کے نتیجے میں انسانوں کو غلام بنائے ہوئے ہیں، ان سے انسانیت کو نجات دلانا مقصود ہے۔

اعلاء کلمۃ اللہ کے دو فرض

اعلاء کلمۃ اللہ کے دو فرض ہیں: ایک فرض تو یہ ہے کہ کفار کی شوکت تو زمی جائے اور دوسرا فرض یہ ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ ہی کا قانون نافذ ہو۔ سچی زندگی میں کوئی شخص اپنے مذہب پر عمل کرنا چاہے تو کرے، لیکن اللہ کی زمین پر اللہ ہی کا قانون نافذ ہونا چاہئے، یہ بنیادی ہدف ہے۔

پروپیگنڈہ کا جواب

جہاد کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی کو زبردستی مسلمان بنایا جائے اگر یہ مقصد ہوتا تو پھر جزیہ کا حکم کیوں ہوتا۔ جہاد کے موقع پر کافروں کے سامنے تین باتیں پیش کی جاتی تھیں، (۱) اسلام لؤ۔ (۲) جزیہ ادا کرو۔ (۳) یا لڑو۔ اگر بزورِ شمشیر مسلمان بنانا مقصود ہوتا، تو پھر سیدھی بات یہ ہوتی کہ اسلام لؤ یا پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ، جزیہ کا حکم نہ ہوتا۔

جزیہ کا حکم اس بات کی واضح دلیل ہے کہ زبردستی مسلمان بنانا مقصود نہیں، اصل مقصد یہ ہے کہ کفر کی شوکت ٹوٹے اور اسلام کی شوکت قائم ہو، اس لئے اگر کوئی مسلمان ہو جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ اگر جہنم میں جانا چاہے تو اسے نہیں روکتے، لیکن ساتھ ساتھ جزیہ دینے کا حکم دیتے ہیں تاکہ اسلام کی شوکت قائم ہو۔

کافروں کے ساتھ حسن سلوک کا بے نظیر واقعہ

تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ آج تک کسی بھی فرد کو تلوار کے ذریعہ مسلمان نہیں کیا گیا، اگر وہ اپنے مذہب پر عمل کرنا چاہتے ہیں تو ان کو نہ صرف چھوڑ دیا گیا بلکہ ان کی حفاظت اور ان کے ساتھ وہ حسن سلوک کیا کہ تاریخ میں جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

جب بیت المقدس پر جنگ کا مسئلہ آیا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے وہاں کے سب غیر مسلموں کو بلایا اور

کہا کہ ہم آپ سے اس نئے جزیہ وصول کرتے ہیں تاکہ آپ کی جان و مال کی حفاظت کریں، اب چونکہ جنگ کا مسئلہ ہے کہ اس حالت میں ہم آپ کی حفاظت کرنے سے قاصر ہیں، لہذا آپ کا جزیہ واپس کیا جاتا ہے۔
دنیا کی کوئی قوم اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی، غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کی مثالوں سے ہماری تاریخ بھری پڑی ہے، لہذا یہ کہنا کہ لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا گیا کہ یہ محض اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ ہے۔

غلط الزام بھی اوروں پہ لگا رکھا ہے

اکبر الہ آبادی مرحوم جو بڑے شاعر گزرے ہیں، انہوں نے اس پروپیگنڈہ کا شعر شعر اور مذاق مذاق میں بہت بہترین جواب دیا ہے، کہتے ہیں۔۔۔

اپنے عیبوں کی کہاں آپ کو کچھ پروا ہے
غلط الزام بھی اوروں پہ لگا رکھا ہے
یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

یعنی بقول تمہارے اگر مسلمانوں نے اسلام تیغ سے پھیلا یا ہے تو برائی تو نہیں پھیلائی۔ اسلام پھیلانے کا معنی ہے کہ حسن اخلاق پھیلا یا، تہذیب پھیلائی، حسن معاشرت پھیلائی اور اچھائی پھیلائی۔
سوال یہ ہے کہ آپ نے توپ سے کیا پھیلا یا؟ بد دینی، عمریانی، فحاشی، الحاد، بد اخلاقی پھیلائی، توپ کے ذریعہ لوگوں کے دل و دماغ مسموم کئے۔ سارے عالم اسلام میں اکاد کا ممالک کے سوا باقی تمام ممالک میں توپ اور تفنگ کے بل پر اپنا نظام زبردستی نافذ کیا۔

کیا مذہبی آزادی اسی کا نام ہے؟

آج بھی جہاں جہاں ان کی حکومتیں قائم ہیں، وہ کہنے کو تو سیکولر ہیں، ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم مذہبی آزادی دیتے ہیں، لیکن اس مذہب کی آزادی کا یہ حال ہے کہ کسی کو اپنے نکاح، طلاق اور میراث کے فیصلے اپنے مذہب کے مطابق کرنے کی اجازت نہیں ہے، اذان زور سے دینے پر پابندی ہے، لیکن پھر بھی یہ دعویٰ ہے کہ ہم سیکولر ہیں، اور ہم مذہب کی آزادی دیتے ہیں۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

”انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا“ یہ مشہور کتاب ہے، دنیا کی مانی ہوئی عسی کتاب سمجھی جاتی ہے، دنیا کی ہر قسم کی

معلومات کا مجموعہ ہے، اس میں ساری چیزوں کے مقالے لکھے ہوئے ہیں۔

ایک مقالہ ”ایٹم بم“ کے تعارف پر ہے، جس میں ایٹم بم کے بارے میں تفصیلات ہیں اور یہ لکھا ہے کہ یہ جاپان میں دو مرتبہ دو جگہ بد قسمت شہر ”ناگاساکی“ اور ”ہیروشیما“ پر استعمال کیا گیا، اور ایک اندازہ کے مطابق ان دو جگہوں پر ایٹم بم گرا کر ایک کروڑ انسانوں کی جان بچائی ہے، یہ اس میں لکھا ہوا ہے۔ یعنی ساری دنیا تو یہ کہتی ہے کہ ایٹم بم گرانے سے جا ہی ہوئی، لیکن اس میں لکھا ہے کہ ایک کروڑ انسانوں کی جان بچائی۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر ایٹم بم نہ گرایا جاتا تو یہ جنگ اتنے سال جاری رہتی اور سالانہ اتنے انسان مرتے، لہذا ایٹم بم گرا کر لڑائی کا خاتمہ کر کے ایک کروڑ انسانوں کی جان بچائی گئی۔ تو خود اگر ایٹم بم بھی گرایا تو کہتے ہیں کہ امن کے لئے گرایا اور دوسرا بے چارہ اپنی آزادی حاصل کرنے کے لئے بھی کھڑا ہو تو کہتے ہیں کہ دہشت گرد ہے، اور اگر دفاع کے لئے لاشی بھی اٹھائیں تو کہتے ہیں کیمیائی اسلحہ ہے۔ خیر یہ تو ان کا مزاج ہے کہ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

اسلام کی ماڈرن لابی کا معذرت خواہانہ رویہ

ہمارے اپنے معاشرے میں ہر دور میں ایسے لوگ موجود رہے ہیں کہ جہاں کہیں مغرب کی طرف سے اسلام کے کسی حکم پر اعتراض ہو تو بجائے اس کے کہ اسلام کے حکم کی حقیقت سمجھ کر اس کو واضح کریں، ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ نہیں حضور! آپ کو غلط فہمی ہوگئی، ہمارا مقصد یہ نہیں تھا جو آپ سمجھتے ہیں اور اس کے نتیجے میں شریعت کے حکم میں تحریف اور ترمیم کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں یہ ایک طبقہ ہے، جس کو عام طور پر تہجد دپسند طبقہ یا اسلام کی ماڈرن لابی کہا جاتا ہے۔

یہ بیچارے اسلام کے ساتھ خود بڑا حسن سلوک کرتے ہیں کہ اسلام کے اوپر جو اعتراضات ہو رہے ہیں، ان کے جواب دینے کے لئے اسلام کی مرمت کرنے لگتے ہیں تاکہ وہ معترضین کی نگاہ میں خوش نما ہو جائیں اور اچھے لگنے لگیں۔

ایک بڑھیا کا قصہ

یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ”نصفحة العروب“ میں ایک قصہ ہے کہ ایک بڑھیا تھی اس کے ہاتھ میں ایک مور آگیا، اس نے دیکھا کہ مور کے پنجے مڑے ہوئے ہیں، کہنے لگی کہ یہ بیچارہ کتنی تکلیف میں ہوگا، چلو اس کے پنجوں کو سیدھا کر دیتی ہوں، اس نے پنجے سیدھے کرنے شروع کئے، نتیجہ اس کے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے۔ یہ تہجد دپسند طبقہ بھی اسلام کے ساتھ یہی معاملہ کرتا ہے کہ جہاں مغرب کو مزا ہوا پیچہ نظر آتا ہے، یہ اس کی مرمت کی فکر کرنے لگتے ہیں۔

اقدامی جہاد کا انکار

جب اس قسم کے لوگوں سے کہا گیا کہ جہاد شدت پسندی اور دہشت گردی ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ جناب! آپ بالکل ناراض نہ ہوں، ہمارا جہاد ہرگز جارحیت پر مشتمل نہیں ہوتا، ہمارا جہاد تو صرف دفاع کے لئے ہوتا ہے، اگر ہم پر کوئی حملہ آور ہو جائے تو ہم تپ لڑتے ہیں، اسلام نے صرف دفاعی جہاد کی اجازت دی ہے، اقدامی جہاد یعنی کسی کے اوپر جا کر حملہ کرنا اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے، لہذا آپ بالکل ناراض نہ ہوں۔ لیکن یہ کتنا ہی ہاتھ جوڑیں، کتنا ہی انہیں کہیں کہ ناراض نہ ہوں اور کتنا ہی ان کے نظریات اختیار کر لیں، وہ ہرگز راضی ہونے والے نہیں:

﴿وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ
تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾

ترجمہ: ”اور یہود و نصاریٰ تم سے اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے مذہب کی پیروی نہیں کرو گے۔“

تجربہ شہد ہے کہ آج ایک صدی گزر گئی ہے، اس طبقہ کو کوشش کرتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے کہ جہاد بری بات ہے، ہم اقدام نہیں کرتے، ہم تو صرف دفاع کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ دوسرے احکامات کی تحریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سود بڑی اچھی چیز ہے، ہم بھی حرام نہیں کہتے وہ تو پہلے زمانے کا سود تھا، اس طرح قمار تو پہلے زمانے کا حرام تھا، اب جو قمار ہے وہ حرام نہیں ہے، بے فکر رہیں ہم بھی جائز سمجھتے ہیں، حرام نہیں سمجھتے۔ اسی طرح تعدد ازواج کے مسئلہ میں کہہ کہ ہم بھی ایک بیوی کے قائل ہیں، پہلے زمانہ میں چونکہ جنگوں میں مردوں کی کمی ہو گئی تھی، اسی لئے تعدد ازواج کی اجازت دے دی گئی تھی، اب یہ اجازت نہیں ہے، آپ ناراض نہ ہوں وغیرہ وغیرہ، تو ایک صدی تک اس نے یہ موقف اختیار کر کے دیکھ لیا، لیکن جن کو راضی کرنے کے لئے ساری تدبیریں اختیار کریں، دین میں تحریف و ترمیم کا دروازہ کھولا، پھر بھی ان کو راضی کرنے میں ناکام رہے اور روز بروز ان سے مار پڑھی ہے۔

دامن کو ذرا دیکھو ذرا بند قبا دیکھو

جب انہوں نے جہاد کو دہشت گردی کہا، اس طبقہ نے جہاد اقدامی کا انکار کر کے کہا کہ ہم صرف دفاع کے لئے لڑتے ہیں، اس معذرت کے بجائے ہمت کر کے یہ جواب دینا چاہئے تھا کہ جو لوگ اپنی ملک گیری کی ہوس کی

خطر دوسروں پر حملہ کرتے ہیں، ایٹم بم برساتے ہیں جس سے نسلیں بیمار اور برباد ہو رہی ہیں، وہ ان لوگوں کو کس منہ سے دہشت گرد کہتے ہیں، جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے، مسلمان ماؤں، بہنوں، بانیوں اور مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لئے جان و مال کی قربانیاں پیش کرتے ہیں؟ ان کے لئے سیدھا سا جواب تو یہ تھا کہ:

اتنی نہ بڑھا پاکی و امن کی حکایت

دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند بجا دیکھ

لیکن انہوں نے کہا کہ اسلام میں اقدامی جہاد نہیں، دفاعی جہاد ہے اور جب آدمی اپنے دل میں کوئی بات بٹھالے اور حمیہ کرنے لگے کہ مجھے یہ بات ثابت کرنی ہے تو وہ قرآن و سنت کو بھی توڑ موڑ کر اپنے مقصد کے مطابق بنا لیتا ہے، چنانچہ انہوں نے آیتیں بھی تلاش کر لیں کہ:

﴿أَذِّنْ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا﴾

ترجمہ: ”بحکم ہوا ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا۔“

یعنی جو مظلوم ہیں یا جن پر ابتداء کسی نے حملہ کیا ہے ان کو اجازت دی گئی۔

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ﴾

ترجمہ: ”اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے۔“

یعنی جو تم سے لڑے تم اس سے لڑو، اس سے پتا چلا کہ جہاد دفاعی ہے، اقدامی نہیں۔ یہ ساری خرابی اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ قرآن کریم کی آیتوں کو پورے تاریخی پس منظر کے ساتھ نہیں دیکھا، حقیقت یہ ہے کہ جہاد کی مشروعیت مختلف مراحل سے گزری ہے۔

پہلا مرحلہ: صبر کا حکم

ایک دور وہ تھا جس میں بالکل ممانعت تھی، حکم تھا:

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ

عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَلٰٓئِلٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ﴾

ترجمہ: ”اور تو صبر کر اور تجھ سے صبر ہو سکے اللہ ہی کی مدد سے

اور ان پر غم نہ کر اور تنگ مت ہو ان کے فریب سے۔“

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ
الْجَاهِلِينَ ﴾ ۱۱

ترجمہ: ”عادت کر در گذر کی اور حکم کر نیک کام کرنے کا اور

کنارہ کر جاہلوں سے۔“

﴿ لَأَصْدُقَ بِمَا تُؤْمَرُونَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴾ ۱۲

ترجمہ: ”سو سنادے کھول کر جو تجھ کو حکم ہو اور پرواہ نہ

کر مشرکوں کی۔“

یعنی وہاں حکم یہ تھا کہ جہاد منع ہے، اس درجہ میں منع ہے کہ اگر کوئی تمہیں مار رہا ہے تو پلٹ کر جواب مارنے کی اجازت نہیں۔

یہ ممانعت اس وجہ سے نہیں تھی کہ مسلمان کمزور تھے، بے شک کمزور تھے، لیکن اگر دوسرا دو ہاتھ مارتا تو ایک ہاتھ مار سکتے تھے اور قوت کی بات اگر دیکھیں تو بدر میں کون سی طاقت تھی کہ تین سو تیرہ نمبے ایک ہزار سے کرا گئے اور وہ بھی اس حالت میں کہ آٹھ تلواریں، ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے، کسی نے لاٹھی اٹھالی، کسی نے پتھر اٹھالیا اور ایک ہزار مسلح لوہے سے غرق کافروں سے مقابلہ کر گئے۔

قوت تو بدر میں بھی نہیں تھی لیکن وہاں اجازت تھی، مکہ میں اجازت نہیں تھی، اور اتنی قوت تو مکہ میں مسلمان مہیا کر ہی لیتے کہ آٹھ دس افراد ایک دفعہ مل کر ابو جہل کو ٹھکانہ لگا لیتے، لیکن اس کی اجازت نہیں دی گئی۔

مکی زندگی میں جہاد کا حکم نہ ہونے کی حکمت

مکی زندگی میں یہ حکم اس لئے نہیں دیا کہ ابھی مسلمانوں کو مجاہدہ کی چمکی میں پینا اور اس بھی میں سلگانا تھا، تاکہ اس بھی میں سے کندہ بن کر نکلیں، وہاں صبر کی تعلیم دی جا رہی تھی، فضائل باطنی کی تعمیر ہو رہی تھی، روح کو خدا دی جا رہی تھی تاکہ انسان کامل بن جائیں۔

دوسرا مرحلہ: اجازت قتال

دوسرے مرحلہ میں جہاد فرض تو نہیں کیا گیا لیکن اتنی اجازت دے دی گئی کہ اگر تم پر کوئی ظلم کرتا ہے تو تم بھی بدلہ لے لو، چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اِنَّ لِلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ بِاَنفُسِهِمْ طَلِبُوْا وَاِنَّ
 اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ۝۱۰۱ الَّذِيْنَ اَخْرَجُوْا مِنْ
 دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَقُوْلُوْا رَبَّنَا اللّٰهُ مَا
 لَوْ لَا دَفَعَ اللّٰهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفُتُوْا مِنْ
 صَوَامِعَ وَبِيْعَ وَصُلُوْكَ وَمَسٰجِدَ يَذٰكُرُ فِيْهَا
 اَسْمَ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝۱۰۲ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يُّنْصُرُهٗ ۝۱۰۳
 اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۱۰۴﴾

ترجمہ: ”جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے، انہیں اجازت
 دی جاتی ہے (کہ وہ اپنے دفاع میں لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم
 کیا گیا ہے، اور یقین رکھو اللہ ان کو فتح دلانے پر پوری طرح
 قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں صرف اتنی بات پر اپنے
 گھروں سے تاجن نکالا گیا ہے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ
 ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ
 (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو
 خانقاہیں اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ
 کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے، سب سمار کر دی جاتیں۔
 اور اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس (کے دین)
 کی مدد کریں گے۔ بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار
 والا ہے۔“

یعنی اس آیت میں جہاد اور قتال کی اجازت دی گئی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جب دوسرا شخص تم پر ظلم
 کرے یا قتال کرے، اس کے جواب میں تمہارے لئے قتال کی اجازت ہے کہ تم بدلہ لے سکتے ہو۔

تیسرا مرحلہ: دفاعی جہاد کی فرضیت

تیسرا مرحلہ وہ ہے کہ جب جہاد و قتال فرض کیا گیا، لیکن اس کی فرضیت اس وقت ہے جب دوسرا حملہ
 آور ہو یعنی دفاعی جہاد فرض کیا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَ

لَا تَعْتَدُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝۱۴۱﴾

ترجمہ: ”اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے

ہیں تم سے اور کسی پر زیادتی مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ

ناپسند کرتا ہے زیادتی کرنے والوں کو“۔

یعنی اب یہاں وہی مدافعت امر مراد ہے جو وجوب کے لئے ہے، یعنی جہاد و قتال واجب ہے ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے تم پر حملہ کیا ہے۔

چوتھا مرحلہ: اقدامی جہاد

چوتھا مرحلہ آیا کہ اب تم آگے بڑھ کر قتال کرو، اب صرف اس بات کے انتظار میں نہ رہو کہ دوسرا حملہ

کرے گا تو تب آگے بڑھیں گے، نہیں، بلکہ خود سے آگے بڑھو اور قتال کرو، تو حکم آیا کہ:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۝۱۴۲﴾

ترجمہ: ”فرض ہوئی تم پر لڑائی اور بری لگتی ہے تم کو“۔

اس آیت کے ذریعہ یہ حکم دیا کہ آپ ابتداً بھی قتال کرتا ہے، اب صرف دفاع کی حد تک قتال محدود

نہیں۔ اس طرح حکم آیا کہ:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ

الْآخِرِ ۗ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا

يَدِينُونَ ۗ ذَٰلِكَ الْخُلُقُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝۱۴۳﴾

ترجمہ: ”لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور

نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس کو جس کو حرام

کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں

دین سچا ان لوگوں میں سے جو کہ اہل کتاب ہیں یہاں تک

کہ وہ جزیہ دے اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر۔

یعنی اب ابتدا بھی قتال کا حکم ہے۔

اس کے بعد سورت توبہ کی یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرْمُ فَاقْتُلُوا
الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ. وَخُذُواهُمْ
أَحْصُرُواهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ لَّانِ
تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا
سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

ترجمہ: ”چنانچہ جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکین کو (جنہوں نے تمہارے ساتھ بد عہدی کی تھی) جہاں بھی پایہ، قتل کر ڈالو، اور انہیں پکڑو، انہیں گھیرو، اور انہیں پکڑنے کے لئے ہر گھات کی جگہ تاک لگا کر بیٹھو۔ ہاں اگر وہ توبہ کر لیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“

اور یہ مرحلہ ۹ھ کا ہے جب حضرت صدیق اکبر ؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا، تو اس وقت حضرت علی ؓ نے حضور اقدس ﷺ کا یہ پیغام لوگوں کو پہنچایا کہ جن کے ساتھ مسلمانوں کے معاہدے ہیں، ان کو معاہدوں کی حد تک مہلت دیتے ہیں اور جن کے ساتھ معاہدے نہیں ہیں ان کو چار مہینے کی مہلت دیتے ہیں۔ وہ لوگ چار مہینے کے اندر جزیہ عرب کو خالی کر دیں ورنہ ان سے اعلان جنگ ہے۔

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد ابتدائی جہاد بھی جائز ہو گیا۔ اب اگر کوئی شخص ابتدائے اسلام میں نازل ہوئی والی آیات لے کر یہ حکم لگا دے کہ جہاد تو جائز ہی نہیں ہے، مسلمانوں کو تو مہاجر کا حکم ہے کہ جب مشرکین تکلیف پہنچائیں تو مہاجر کرو، تو ظاہر ہے کہ یہ قول غلط ہے۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی شخص صرف مدافعت والی آیات لے کر بیٹھ جائے اور یہ کہے کہ مسلمانوں کے لئے مدافعت کرنا توجہ نزع ہے، ابتدائی جہاد کرنا جائز نہیں۔ تو یہ قول ایسا غلط ہے جس کو چودہ سو سال سے آج تک فقہاء امت میں سے کسی نے بھی اس کو اختیار نہیں کیا کہ جہاد مدافعت کے طور پر جائز ہے، ابتداً جہاد کرنا جائز نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ابتداً جہاد جائز ہے۔

تو یہ سارے احکام آخری مرحلہ میں آئے ہیں۔ اب اس صورت میں اس بات کی قید باقی نہیں رہی کہ

کوئی دوسرا حملہ کرے گا تو تب ہم جواب دینگے اور آگے بڑھ کر حملہ کریں گے۔

دفاع میں اقدام بھی داخل ہے

اگر وسیع معنی میں دیکھا جائے تو اقدام بھی ایک طرح کا دفاع ہے، یعنی ظاہری طور پر تو اقدام معلوم ہو رہا ہے، لیکن دوسرے معنی میں دفاع ہے۔ وہ اس طرح کہ اقدامی جہاد کا مقصد کفار کی شوکت کو توڑنا ہے، کیونکہ جب تک کفار کی شوکت قائم ہے اس وقت تک اس شوکت سے امت مسلمہ کو ہر وقت خطرہ ہے کہ کافر کسی بھی وقت حملہ کر سکتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ ان کی شوکت قائم ہونے کی صورت میں بوگوں پر ان کا رعب طاری ہوگا، جس کی وجہ سے ان کے دل و دماغ کھلے انداز میں حق بات سننے سمجھنے پر تیار نہیں ہوں گے اور اگر سن بھی لیں تو قبول کرنے میں رکاوٹ ہوگی، کیونکہ یہ قاعدہ شروع سے چلا آیا ہے کہ ”الناس علی دین ملوکہم“ جس کا اقتدار اور غلبہ ہوتا ہے اسی کے افکار و تصورات، اس کی ثقافت، اس کی تہذیب لوگوں پر چھا جاتی ہے اور اس سے ان کے دل و دماغ مرعوب ہو جاتے ہیں اور اس طرح متاثر ہو جاتے ہیں کہ وہ انہی کی بات کو بہتر اور دوسروں کی بات کو غلط سمجھتے ہیں، چاہے کتنے ہی مضبوط دلائل کی روشنی میں بات کی جائے، چونکہ دل و دماغ متاثر ہیں اس لئے وہ حق بات سننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے، لہذا جب تک کفر کی شوکت نہیں ٹوٹی، لوگوں تک حق کی بات پہنچانے کا راستہ نہیں ہے، یا کم از کم اس راستہ میں رکاوٹیں ہیں، اس لئے کفر کی شوکت کو توڑنا حقیقت میں حق کا دفاع ہے۔

اس لئے بسا اوقات اقدام کرنا پڑتا ہے، یہ نہیں کہ بیٹھے دیکھتے رہیں اور دشمن تیاری میں مصروف ہو، وہ میزائل و ایٹم بم بنائے، اپنی قوت میں اضافہ کرے اور ہم کہیں کہ چونکہ اس نے ابھی تک حملہ نہیں کیا، اس لئے ہمارے لئے اجازت نہیں ہے، ہم بیٹھے ہوئے ہیں اور جب وہ ساری طاقت جمع کر کے دروازہ پر آکھڑا ہو، پھر ہم تیاری کے لئے کھڑے ہوں، یہ کوئی عقل کی بات نہیں ہے۔

شریعت نے حدود مقرر کی ہیں

شریعت نے اجازت کے ساتھ ساتھ اس کی کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں کہ ”لا تقتلوا اولیاء ولا امرأۃ“ بچے کو نہ مارنا، عورتوں کو نہ مارنا، بوڑھوں کو نہ مارنا، جو لوگ عبادت کرنے والے ہیں اور جنگ میں شریک نہیں ہیں ان کو نہ مارنا، مشکنہ کرنا ایسی پابندی کر کے دکھائی کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔^{۱۵}

لیکن پھر بھی ہم دہشت گرد ہیں، وہ بچوں کو ماریں، عورتوں کو ماریں تو امن کے علمبردار، اور ہم جنگ کی حالت میں بھی عورتوں کو بچانے کا حکم دیں، تب بھی دہشت گرد، العیاذ باللہ العظیم۔

امریکی تو نصلر سے مکالمہ

یہاں جو امریکہ کا تو نصلر برائے معاشی امور، واشنگٹن وزارت خارجہ کا ذمہ دار افسر ہے اور جنوب مشرقی ایشیا کے معاملات کا ڈائریکٹر ہے، وہ کبھی کبھی میرے پاس آ جاتا ہے۔

پہلی دفعہ جب وہ مجھ سے ملنے آیا تو میں نے اس سے کہا کہ میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں، مجھ سے کیوں ملنے آئے ہیں؟ آپ سیاسی آدمیوں سے جا کر ملیں۔

کہنے لگا: کہ میں آپ سے ایک اسکا لری حیثیت سے ملتا ہوں۔

(ایک مرتبہ آیا تو اس کے بعد ہر پانچویں چھٹے مہینے آتا ہے، اور کوئی نیا تو نصلر آئے تو وہ بھی ملنے آ جاتا ہے اور خوب کھڑی کھڑی سن کر جاتا ہے، لیکن آتا پھر بھی ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آنے کے بعد بہت سازی باتیں کرنے لگا، میں نے کہا کہ میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں، مجھے اس کا جواب دیں)۔

میں نے کہا: کہ اٹل ڈنیشیا سے لے کر مراکش تک سارے عالم اسلام میں ایک تاثر ہے کہ امریکہ ان کا دشمن ہے اور ان کے راستے میں روڑے لگاتا ہے اور ان کے مفادات کے خلاف کام کرتا ہے۔

میرا سوال یہ ہے کہ یہ بات جو پورے عالم اسلام کے دلوں میں ہے یہ آپ کے حق میں نقصان دہ ہے یا فائدہ مند ہے؟ آپ اس کو اپنے لئے مفید سمجھتے ہیں یا نقصان دہ سمجھتے ہیں؟

کہنے لگا: اگر یہ تاثر ہے تو یہ ہمارے حق میں نقصان دہ ہے، مگر ہمارے خیال میں عوام میں یہ تاثر نہیں ہے۔ میں نے کہا: اگر آپ کی معلومات میں یہ ہے کہ آپ کے بارے میں عوام میں اس قسم کا تاثر نہیں ہے تو مجھے آپ کی معلومات پر حیرت ہے، آپ کی سی آئی اے تو معلومات حاصل کرنے میں بہت مشہور ہے، مگر اس نے آپ کو یہ رپورٹ دی ہے کہ لوگوں میں آپ کے خلاف نفرت نہیں ہے، تو یہ بڑی حیرت کی بات ہے۔

کہنے لگا: ہمارے خلاف صدام، شیخی اور قذافی نے پروپیگنڈہ کیا ہے، ورنہ عام لوگوں میں یہ بات نہیں ہے۔ میں نے کہا: کہ مجھے اس پر پہلی بات سے بھی زیادہ حیرت ہے، اس واسطے کہ وہ صدام ہو، شیخی ہو یا قذافی ہو، آپ کو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ یہ سب لوگ پاپولرسٹ (Popularist) یعنی عوام کے ہاتھ اپنی وجاہت اور اپنی مقبولیت چاہتے ہیں، اور جو آدمی عوام میں مقبولیت چاہتا ہے وہ ایسا نعرہ لگاتا ہے جس سے عوام خوش ہو۔

چونکہ انہوں نے دیکھا کہ امریکہ کے خلاف عوام کے دلوں میں نفرت ہے، اس لئے ان لوگوں نے امریکہ کے خلاف آواز اٹھائی، اگر عوام کے اندر امریکہ کی نفرت نہ ہوتی تو یہ کبھی بھی امریکہ کے خلاف آواز نہ اٹھاتے، گالی نہ دیتے۔

دشمن نمبر ایک کون؟

میں نے کہا: کہ میرے کہنے پر آپ ایک تجربہ کر لیجئے کہ جب آپ یہاں سے جانے لگیں تو گاڑی سے جھنڈا اتار کر گاڑی کسی بھی معروف جگہ پر کھڑی کر کے کسی بھی راستہ پر چلتے ہوئے آدمی سے پوچھئے کہ تمہارا دشمن نمبر ایک کون ہے؟ اگر جواب میں وہ یہ نہ کہیں کہ دشمن نمبر ایک امریکہ ہے تو میں اپنی بات سے رجوع کر لوں گا، اس لئے اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ نفرت نہیں ہے تو یہ خیال غلط ہے۔ نفرت ہے بلکہ شدید نفرت ہے۔

امریکہ سے نفرت کے اسباب

کہنے لگا: کہ یہ نفرت کیوں ہے؟ اس کے اسباب کیا ہیں؟

میں نے کہا: کہ آپ کے طرز عمل کی وجہ سے یہ نفرت ہے۔

کہنے لگا: کہ وہ طرز عمل کیا ہیں؟

میں نے کہا: آپ مسلمانوں کے راستہ میں ہر جگہ روڑے اٹکاتے ہیں، جہاں کہیں بھی کوئی اسلامی بات ابھرنا چاہتی ہے تو آپ اس کو دبانے کے لئے ساری توانائیاں صرف کرتے ہیں، آپ نے ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کو کمیونزم (Communism) کے لئے ڈھال کے طور پر استعمال کیا، کمیونزم سے ڈرنے کے لئے مسلمانوں کو آگے کر دیا اور جب اپنا مقصد حاصل ہو گیا اور کمیونزم پیچھے دفع ہو گیا تو اب اسی کو آپ نے نشانہ بنا لیا۔

افغانستان میں مجاہدین جب تک روس سے لڑ رہے تھے اس وقت تک فریڈم فائٹرز (Freedom Fighters) تھے یعنی مجاہدین کو آزادی تھی، اور جوں ہی روس دفع ہو گیا تو اب وہ دہشت گرد ہیں، آپ کا یہ طریقہ غلط ہے۔ آپ جمہوریت جمہوریت کا نعرہ لگاتے ہیں، الجوزائر میں جب مسلمانوں کی پارٹی غالب آگئی، اور ان کی حکومت آنے لگی تو آپ نے کہا کہ جمہوریت دشمن آگیا۔

میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہہ دیا ہے کہ میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں، لہذا مجھے سیاسی انداز گفتگو بھی نہیں آتا، میں تو ایک طالب علم ہوں، اگر کوئی بات ناگوار گزرے تو میں پہلے ہی آپ سے معذرت خواہ ہوں، لیکن بات دراصل یہ ہے کہ آپ کو مسلمانوں سے ڈر لگتا ہے۔ انہوں نے پوچھا، کیا ہماری رائے ڈر صحیح ہے یا نہیں؟ اگر آپ کا طریقہ کاری یہی رہا تو پھر یہ خطرہ بالکل صحیح ہے، لیکن اگر آپ اپنے اس طریقہ کار میں تبدیلی کر لیں تو پھر کوئی خطرہ نہیں۔

کہنے لگا: کہ کیا تبدیلی کریں؟

میں نے کہا: کہ ہم ایک مصالحت کر لیں، اس سے انسانیت کو بڑا فائدہ پہنچے گا۔ ہمارا قرآن کہتا ہے کہ

مشرق و مغرب کی کوئی تفریق نہیں ”لا شرقیة ولا غربیة“ ایک مصالحت کر لیں اور وہ یہ کہ ایک چیز آپ کے پاس ہے وہ ہمارے پاس نہیں یا کم ہے، اور ایک چیز ہمارے پاس ہے وہ آپ کے پاس نہیں ہے، تو جو چیز ہمارے پاس ہے وہ ہم آپ کو دیں اور جو چیز آپ کے پاس ہے وہ آپ ہمیں دیں، تبادلہ کر لیں اور پھر دونوں مل کر ساری دنیا کی خدمت کریں۔

کہنے لگا: وہ کیا ہے؟

میں نے کہا: جو چیز آپ کے پاس ہے ہمارے پاس نہیں ہے یا کم ہے، وہ ٹیکنالوجی ہے، یعنی ایجادات وغیرہ، اگرچہ ہمارے پاس بھی آرہی ہیں لیکن اتنی نہیں ہیں جتنی آپ کے پاس ہیں اور ایک چیز جو ہمارے پاس ہے اور آپ کے پاس نہیں ہے وہ ”روحانی اقدار“ ہیں۔ آپ کا سارا معاشرہ مادیت پرستی ہے اسی وجہ سے تہمتی کے کنارے پر پہنچا ہوا ہے، آپ کا خاندانی نظام تباہ ہے، آپ کے لوگ مادی وسائل رکھنے کے باوجود روحانی سکون سے محروم ہیں، خودکشی کا بازار گرم ہے، نشہ پھیل رہا ہے، اس کے نتیجے میں آپ روحانی اقدار سے محروم ہیں، تو آپ روحانی اقدار ہم سے لیجئے اور ٹیکنالوجی ہمیں دیجئے اور دونوں مل کر انسانیت کی خدمت کریں۔ ایک طرف آپ کی ٹیکنالوجی ہو اور دوسری طرف ہماری روحانی اقدار ہو تو انسانیت کے امن و سکون کے لئے اس سے زیادہ بہتر کوئی اور راستہ نہیں ہو سکتا۔

آپ کے پاس ہتھیار تو ہے، لیکن ہتھیار کو کس موقع پر کس حد تک استعمال کرنا چاہئے، اس کے اصول آپ کے پاس نہیں ہیں، آپ وہ ہم سے لیجئے، پھر دیکھئے کس طرح ساری دنیا میں امن قائم ہوتا ہے، آپ امن کی بات کرتے ہیں، امن صرف اسی راستے سے ہو سکتا ہے، کسی دوسرے راستے سے نہیں ہو سکتا۔

تو بات یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اقدامی جہاد بھی مشروع ہے، ۹ھ کے بعد کی ساری کی ساری آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔

کیا دوسری آیات منسوخ ہو گئی ہیں؟

اس میں کلام ہوا ہے کہ کیا کچھلی آیات منسوخ ہو گئی ہیں یا اب بھی محکم ہیں؟ صحیح بات یہ ہے کہ وہ اب بھی محکم ہیں، حارات کے لحاظ سے جہاں مسلمانوں کے پاس قوت نہ ہو، وہاں اب بھی صبر کا حکم ہوگا، اور اس صبر کی حالت میں وہی کام کرنا ہوگا جو کئی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا اور قوت آجائے اور دوسرے حملہ آور ہو جائیں تو دفاع واجب ہوگا۔ اور اگر مزید قوت آجائے تو پھر اقدام بھی واجب ہوگا، تو یہ سب احکام اپنی جگہ پر محکم ہیں۔

فرض عین اور فرض کفایہ

البتہ جب کوئی دوسرا حملہ آور ہو جائے تو اس صورت میں دفاع فرض عین ہو جاتا ہے، اسی کے لئے فقہاء کرام نے لکھا ہے ”تخرج المرأة بغیر اذن زوجها“ اور جہاں دفاعی صورت نہ ہو بلکہ اقدامی جہاد ہو تو وہاں فرض علی الکفایہ ہے بشرط انتقاة، اگر قوت ہے تو فرض کفایہ ہے۔

جہاد سے پہلے دعوت

سوال: اگر جہاد سے مقصد دعوت نہیں ہے بلکہ اعلاء کلمتہ اللہ ہے، تو پھر جہاد کے موقع پر پہلے دعوت الی الاسلام کیوں دی جاتی ہے؟

جواب: جہاد سے پہلے دعوت اسلام دینا کوئی فرض یا واجب نہیں بلکہ سنت ہے، کیونکہ جب ایک مرتبہ دعوت عامہ ہو چکی ہے اور لوگوں کو پتا چل گیا ہے، اس لئے عین جہاد کے وقت دعوت دینا فرض نہیں اور یہ سنت بھی اس لئے ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی کافر اسلام قبول کر لے، مگر اسلام قبول کر لے تو یہ ہنسنت جز یہ قبول کر لینے کے افضل اور اعلیٰ ہے، جز یہ قبول کرنے کے معنی یہ ہے کہ وہ حالت کفر میں رہے گا، اگرچہ ہمارے زیر نگین ہو، تو کفر میں رہنے سے اسلام قبول کرنا افضل اور اعلیٰ ہے، لیکن اگر وہ مسلمان نہیں ہوتا تو پھر کم از کم ان کے سامنے جز یہ کا راستہ پیش کیا جائے، اگر مقصد دعوت ہوتی تو پھر جز یہ نہ ہوتا بلکہ دعوت ہی دعوت ہوتی۔

ایک بہت بڑی غلط فہمی اور اس کا ازالہ

بعض لوگوں نے یہ کہا کہ جہاد صرف اس وقت اور اس قوم سے شروع ہے جو دعوت کے راستہ میں رکاوٹ بنے، اگر ان کے ملک میں دعوت و تبلیغ کے لئے جائیں تو وہ اجازت نہ دیں، گویا اصل مقصد دعوت ہے، اگر کوئی ملک اس دعوت کے پھیلانے میں رکاوٹ بنتا ہے تو اس سے جہاد شروع ہے، اگر کوئی ملک دعوت کے راستہ میں رکاوٹ نہیں بنتا اور اس کی اجازت دیتا ہے تو پھر ہمیں ان سے لڑائی کرنے سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے، اس لئے کہ محض تبلیغ کی اجازت دیدیتے سے جہاد کا مقصد پورا نہیں ہوتا، اس لئے کہ جہاد کا مقصد کفر کی شوکت کو توڑنا اور اللہ کے کلمے کو بلند کرنا ہے، ارشاد باری ہے۔

”وقاتلوہم حتی لا تكون فتنة“

فتنہ کے معنی تمام مفسرین نے کفر و شرک کے کئے ہیں، مراد یہ ہے کہ جب تک کفر و شرک کی ہیبت اور قوت پر قرار رہے اس وقت تک قتال جاری رکھو۔

اور واقعہ یہ ہے کہ جب تک کفر و شرک کی ہیبت دلوں میں رہتی ہے، اس وقت تک حق کا پیغام موثر نہیں ہوتا، جیسے آج کل کفر و شرک کی، امریکہ و یورپ کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں موجود ہے، اس لئے ان گئی ہر بات موثر ہوتی ہے، ان کے مقابلے میں اگر صحیح بات بھی کہی جائے تو وہ بھی موثر نہیں ہوتی۔

اور اگر کوئی بات قوت اور شوکت کے ساتھ کہی جائے تو موثر ہوتی ہے، اس لئے کفر و شرک کی ہیبت کو توڑ کر اللہ کا کلمہ بلند کرنا یہ جہاد کا مقصد ہے۔ اگر کسی ملک نے دعوت و تبلیغ کی اجازت دیدی تو اس کے بارے میں یہ سمجھنا کہ اب اس سے جہاد کی ضرورت نہیں رہی اور جہاد کا مقصد حاصل ہو گیا ہے، یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔

موجودہ دور میں جہاد اقدامی ہے یا دفاعی؟

سوال: آج کل جو جہاد ہو رہا ہے وہ اقدامی ہے یا دفاعی؟

جواب: آج کل کشمیر، بوسینیا میں جو جہاد ہو رہا ہے یہ دفاعی جہاد ہے، بوسینیا کے مسلمانوں پر خود کفار نے حملہ کر کے ان پر ظلم کیا تھا، اس کے نتیجے میں مسلمانوں نے ان کے خلاف ہتھیار اٹھائے، اسی طرح کشمیر پر بھی ہندوستان نے زبردستی قبضہ کیا ہوا ہے، اس لئے کہ تقسیم کے وقت یہ طے ہوا تھا کہ مسلم اکثریت والے علاقے پاکستان میں شامل ہوں گے، اس اصول کے اعتبار سے کشمیر پاکستان کا حصہ تھا لیکن ہندوستان نے اس پر زبردستی قبضہ کر لیا، اس لئے وہ مقبوضہ علاقہ کہلاتا ہے۔

اب اگر وہاں کے لوگ آزادی کے لئے اور کافروں کے تسلط کو ختم کرنے کے لئے لڑائی شروع کرے ہیں تو یہ دفاعی جہاد ہے۔

یہ جہاد کی حقیقت، اس کے اہداف و مقاصد اور اس پر ہونے والے چند اعتراضات اور ان کے جوابات کا خلاصہ ہے۔

(۱) باب فضل الجہاد والیسر،

وقوله تعالى: ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعُودًا عَلَيْهِمْ حَقًّا فِي التَّوَارِثِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْلىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِنِعْمِ اللَّهِ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ﴾ إلى قوله: ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾^{۱۹}

الجہاد و السیر۔

جہاد اور مغازی میں فرق

دونوں میں فرق یہ ہے کہ کتاب الجہاد میں جہاد کے احکام بیان کرنا مقصود ہے کہ جہاد کس صورت میں فرض ہوتا ہے؟ اس کا طریقہ کار کیا ہوتا ہے؟ کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے؟ مالِ غنیمت کیسے اور کس بنیاد پر تقسیم ہوگا وغیرہ وغیرہ۔

اور مغازی کے اندر واقعات کا بیان کرنا مقصود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں کیا کیا غزوات پیش آئے؟ ان کے اسباب کیا تھے؟ ان کی تفصیلات کیا ہیں؟

۲۷۸۴۔ حدثنا مسدد : حدثنا خالد : حدثنا حبيب بن أبي عمرة ، عن عائشة بنت طلحة ، عن عائشة رضي الله عنها أنها قالت : يا رسول الله نرى الجهاد الفضل العمل ، أفلا نجاهد ؟ قال : ((لکن الفضل الجہاد حج مبرور)) . [راجع : ۱۵۲۰]

عورتوں کے لئے چونکہ صرف نفیر عام کی صورت میں جہاد فرض میں ہوتا ہے، اس کے علاوہ اور کسی حالت میں بھی ان پر جہاد فرض نہیں ہوتا، اس لئے فرمایا کہ تمہارے لئے افضل یہ ہے کہ حج کرو، یہی تمہارا جہاد ہے۔

۲۷۸۵۔ حدثنا إسحاق : أخبرنا عفان ؟ حدثنا همام ، حدثنا محمد بن جحادة قال : أخبرني أبو حصين أن ذكوان حدثه أن أبا هريرة . حدثه قال : جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال : دلني على عمل يعدل الجهاد ، قال : ((لا أجده)) . قال : هل تستطيع إذا خرج المجاهد أن تدخل مسجدك لتقوم ولا تفتن ، وتصوم ولا تفتن ؟ قال : ومن يستطيع ذلك ؟ قال : أبو هريرة : إن فرس المجاهد ليستن لي طولته فيكعب له حسنات . [راجع : ۱۵۲۰]

”دلنی علی عمل يعدل الجہاد“.

یعنی کہ نے پوچھا کہ ایسا عمل بتائیں جو جہاد کے برابر ہو۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ایسا عمل معلوم نہیں جو جہاد کے برابر ہو۔

”هل تستطيع أن تدخل مسجدك“.

کیا تمہارے اندر اتنی استطاعت ہے جب مجاہد نکلے جہاد کے لئے پھر تم مسجد میں داخل ہو جاؤ اور کھڑے رہو بالکل بھی آرام نہ لو روزہ رکھتے رہو اور افطار نہ کرو۔ یعنی جب تک وہ جہاد میں رہے تم اس وقت نماز اور روزہ

رکھتے رہو۔

”ومن یستطیع ذلک؟“ ایسا کون استطاعت رکھے گا؟

مطلب جو آدمی جہاد میں رہے وہ ایسا ہے جیسا کہ وہ مستقل نماز میں ہے اور روزہ میں ہے۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ عشرۃ ذی الحجہ کے روزہ کے بارے میں کہ یہ سب سے افضل عمل ہے۔ تو سوال کیا کہ کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی اس کے برابر نہیں ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں! جہاد فی سبیل اللہ بھی اس کے برابر نہیں ہے۔

اس سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہاں پر فرمایا گیا کہ کوئی بھی عمل نہیں اور وہاں فرمایا کہ عشرۃ ذی الحجہ کے روزے افضل ہیں۔ تو ایک بات تو یہ ہے کہ وہاں حدیث میں ساتھ ہی استثناء بھی ہے کہ ”إلا من خرج بنفسه وماله ولم یرجعه بشیء أو کما قال ﷺ“ ”مگر وہ شخص جو جہاد کے لئے نکلا اور کچھ بھی واپس نہ لے کر آیا، آپ ﷺ نے اس کو مستثنیٰ فرمایا۔

میری رائے

دوسری بات یہ ہے کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ وقت و وقت کی بات ہے کہ کسی وقت کوئی زیادہ فضیلت رکھتا ہے، اس وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس فضیلت کو حاصل کریں۔

عشرۃ ذی الحجہ میں روزے رکھنے کی زیادہ اور خصوصی فضیلت ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اس فضیلت کو حاصل کرے اور جہاد چونکہ عشرۃ ذی الحجہ کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی انجام دیا جاسکتا ہے، اس لئے جہاں تعارض ہو جائے کہ عشرۃ ذی الحجہ کے روزے رکھوں یا جہاد کروں، تو اس صورت میں اس کے لئے روزے رکھنا افضل ہوگا اور جب فارغ ہو جائے تو دوسرے اوقات میں جہاد کے لئے جائے۔ اس طرح دونوں فضیلتوں کو جمع کر دے۔

وہاں عشرۃ ذی الحجہ کی خصوصیت ہے اور اس حدیث میں عام حکم بتایا جا رہا ہے کہ اصل عمل کے اعتبار سے جہاد کا عمل افضل ہے، صوم و صلوات سے بھی افضل ہے۔

یہ وقت کی بات ہے اور دین کا فہم بھی اسی کو کہتے ہیں کہ کس وقت کیا عمل کیا جائے؟ کونسا عمل افضل ہوگا؟ مثال کے طور پر رمضان المبارک میں اعتکاف کا زمانہ آ گیا، اب اعتکاف کا سارے سال میں وہی موقع ہوتا ہے جس میں اعتکاف مسنون ہے، احیاء لیلۃ القدر کا سارے سال میں وہی موقع ہوتا ہے۔

کوئی شخص کہے کہ اعتکاف اور لیلۃ القدر کے احیاء کو چھوڑ کر جہاد کو چلو، کیونکہ یہ زیادہ افضل ہے، تو اس کا یہ کہنا اس لئے درست نہیں ہوگا کہ جہاد کا عمل دوسرے وقت میں بھی انجام دیا جاسکتا ہے، بخلاف اعتکاف کے کہ

یہ ایک خاص وقت کے ساتھ مخصوص ہے، اس وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی فضیلت حاصل کی جائے، لہذا اس وقت لوگوں کو دعوت دینا کہ جہاد کے لئے نکلو، درست نہیں ہوگا الا یہ کہ جہاد فرض عین ہو جائے اور نضیر عام ہو۔ یہ میں نے اس لئے واضح کر دیا کہ اس میں بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں، حدیث میں آتا ہے ”تدارس فی العلم ساعة من اللیل خیر من احياءها“ کہ علم کا نڈا کرہ تھوڑی دیر بھی کیا جائے تو وہ ساری رات جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

اب کوئی شخص کہے کہ ہمیشہ کے لئے تہجد چھوڑ دوں اور اس کے بجائے مطالعہ کیا کروں، تو بظاہر دیکھنے میں یہ بات صحیح معلوم ہو رہی ہے کہ وہ عمل افضل ہے اور یہ اس کے مقابلے میں مفضول ہے۔ مقصد یہ ہے کہ فی نفسہ دونوں عملوں کا تقابل کیا جائے گا تو وہ عمل افضل ہوگا، لیکن وقت کا تقاضا یہ ہے کہ رات کے آخری حصہ میں وہ فضیلت حاصل کی جائے، جو اس وقت کے ساتھ مخصوص ہے، جبکہ ”تدارس فی العلم“ اس کے علاوہ دوسرے وقت میں بھی کیا جاسکتا ہے۔

لہذا اس وقت کا تقاضا یہ ہوگا کہ آدمی شب بیداری کرے یا نماز پڑھے، اور علم کے نڈا کرہ کو دوسرے وقت کے لئے منتقل کر دے، اسی طرح کوئی شخص کہے کہ پڑھاؤ اور بریانی نہایت دال کے بہتر ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ساری عمر پڑھاؤ اور بریانی ہی کھائی جائے اور دال کبھی بھی نہ کھائے، بلکہ وقت وقت کی بات ہے، کسی وقت پر یہ اور کسی وقت پر وہ، اسی طرح فضائل اعمال کی بات ہے کہ اس وقت کون سا عمل مناسب ہے؟ اور وقت کا عمل کیا ہے؟

ہمارے بعض بھائی اعتکاف کے زمانہ میں کہتے ہیں کہ چلو چلہ کے لئے، جب حاجی حج کو جاتے ہیں ان سے کہتے ہیں کہ حرم میں ایک لاکھ کا ثواب ملتا ہے اور وہاں (تبلیغی جماعت میں) انچاس کروڑ کا ثواب ملے گا، تو یہ تقابل درست نہیں، اس لئے کہ وقت وقت کی بات ہے۔

اعتکاف کے وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اعتکاف کیا جائے، جبکہ دعوت و تبلیغ کا کام دوسرے وقت میں بھی انجام دیا جاسکتا ہے، اسی طرح ایک آدمی جو ساری عمر تمنائیں کر کر کے حرم میں گیا ہے، اس کے لئے تقاضا یہ ہے کہ بھٹنا ہو سکے اپنا وقت حرم میں گزارے، تبلیغ کا کام دوسرے وقت میں بھی کر سکتا ہے، جہاد اور ٹریننگ دوسرے وقت میں بھی کی جاسکتی ہے، اس واسطے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے والدین ہیں؟

”فینہما فجاہد“ فرمایا کہ ان میں جہاد کرو، جیسی اس وقت کا تقاضا یہ ہے کہ تم والدین کی خدمت کرو، یہی تمہارا جہاد ہے۔

جہاد اور تبلیغ دونوں دین کے کام ہیں

حقیقت یہ ہے کہ دعوت کا کام ہو یا جہاد کا کام ہو، دونوں دین کے کام ہیں، ان میں سے کسی کو

بھی بے ضرورت نہیں کہا جاسکتا، اور ایک کام کی وجہ سے دوسرے کی بے توقیری نہیں کی جاسکتی، لہذا دونوں اپنی اپنی جگہ دین کے کام ہیں اور دونوں مطلوب ہیں، اور دونوں کرنے کے ہیں، یہ کہنا کہ ایک کام مقاصد میں سے ہے صرف اس میں جان لگانا چاہیے اور دوسرے کام کو بالکل ہی بیکار سمجھنا یہ بڑی زیادتی کی بات ہے۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول

میرے والد ماجد مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بات ہمیشہ یاد رکھو کہ دین کی مثال ایسی ہے جیسے آپ ایک منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں لیکن منزل تک پہنچنے کے راستے مختلف ہیں، اب کوئی ایک راستہ اختیار کرتا ہے، کوئی دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے تو منزل سب کی ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا، اب اگر کوئی یہ کہے کہ جس راستہ پر میں چل رہا ہوں دوسرا بھی اسی راستہ پر چلے ورنہ گمراہ ہے تو یہ کہنا اور سمجھنا زیادتی ہے۔ یہی معاملہ ہمارے یہاں ہے جس نے معاشرہ میں فساد برپا کیا ہوا ہے کہ مختلف راستوں کو منزل بنا لیا ہوا ہے، راستے سب ہیں اور سب دین کی طرف جانے والے ہیں لیکن ہر ایک نے ہر راستہ کو منزل بنا کر دین کو اسی کے اندر منحصر کر دیا اور دوسرے کو غلط ثابت کرنا شروع کر دیا، اس زیادتی اور تعدی سے پرہیز کرنا چاہئے۔ ایک زمانہ تھا کہ مجھے اس قسم کی باتیں سننے کو ملتی تھیں کہ تبلیغی جماعت کے حضرات جہاد کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہیں، لیکن میں نے کوشش کر کے ان کے ذمہ دار حضرات سے بات چیت کی، پتا چلا کہ اب وہ بات نہیں رہی، پہلے جو کچھ مغالطے تھے وہ اب نہیں رہے۔

لہذا اس میں بحث و مباحثہ کرنے سے معاملہ اور زیادہ خراب ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی تبلیغ والا نہ بالکل جہاد کا منکر ہے، اور نہ کوئی جہاد والا بالکل تبلیغ کا منکر ہے، صرف یہ کہ دونوں نے اپنے اپنے موقف میں کچھ غلو اور تعدی اختیار کر لی ہے، اس کی وجہ سے بعض ناواقف لوگوں نے اس قسم کی باتیں کر کے دوسروں کو بھی بدنام کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی دین کا کام ہے، دونوں کو مل جل کر کام کرنا چاہئے اور فضول باتوں میں نہیں پڑنا چاہئے۔

(۳) باب الدعاء بالجہاد والشہادۃ للرجال والنساء،

”وقال عمر: اللهم أرزقني شهادة في بلد رسولك“.

۲۷۸۸، ۲۷۸۹۔ حدیثنا عبد اللہ بن یوسف، عن مالک، عن إسحاق ابن عبد

اللہ بن ابی طلحة، عن أنس بن مالک ؓ: أنه سمعه يقول: كان رسول الله ﷺ يدخل

علیٰ ام حرام بنت ملحان فطعمہ ، وکانت ام حرام تحت عبادة بن الصامت . فدخّل علیہا رسول اللہ ﷺ فاطعمته وجعلت تفلّی رأسه فنام رسول اللہ ﷺ ثم استيقظ وهو يضحك . قالت : فقلت : وما يضحكك يا رسول الله؟ قال : ((ناس من أمتی عرضوا علی غزاة فی سبیل اللہ یرکبون نبح هذا البحر ملوکا علی الأسرة ، أو مثل الملوک علی الأسرة)) ، شک إسحاق . قالت : فقلت : یا رسول اللہ ادع اللہ أن يجعلنی منهم ، فدعا لہا رسول اللہ ﷺ . ثم وضع رأسه ثم استيقظ وهو يضحك : فقلت : وما يضحكك يا رسول اللہ؟ قال : ((ناس من أمتی عرضوا علی غزاة فی سبیل اللہ)) . كما قال فی الأول . قالت : فقلت : یا رسول اللہ ادع اللہ أن يجعلنی منهم ، قال : ((أنت من الأولین)) . فركبت البحر فی زمن معاوية بن أبی سفيان فصرعت عن دابتها حين خرجت من البحر فهلكت . [الحديث: ۲۷۸۸ ، أنظر: ۲۷۹۹ ، ۲۸۷۷ ، ۲۸۹۴ ، ۲۸۸۲ ، ۷۲۸۲ ، ۷۰۰۱] ؛ [الحديث: ۲۷۸۹ ، أنظر: ۲۸۰۰ ، ۲۸۷۸ ، ۲۸۹۵ ، ۲۸۸۳ ، ۷۲۸۳ ، ۷۰۰۲] .

الفاظ حدیث کی تشریح

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”کان رسول اللہ ﷺ یدخل علی ام حرام بنت ملحان“ آپ ﷺ ام حرام بنت ملحان کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خالہ اور حضور اکرم ﷺ کی رضاعی خالہ تھیں، لہذا حضور اکرم ﷺ کی محرم تھیں۔

”فطعمته“ وہ آپ کو کھانا کھلاتی تھیں ”وکانت ام حرام تحت عبادة بن صامت“ اور ام حرام حضرت عبادة بن صامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت کانئیں ، بعد میں نکاح میں آئیں تھیں۔

”فدخّل علیہا رسول اللہ ﷺ فاطعمته“ انہوں نے کھانا کھلایا۔

ج۔ وفی صحیح مسلم ، کتاب الامارة ، باب فضل الغزو فی البحر ، رقم : ۳۵۳۵ ، وسنن الترمذی ، کتاب فضائل الجہاد عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی غزو البحر ، رقم : ۱۵۲۹ ، وسنن النسائی ، کتاب الجہاد ، باب فضل الرحة فی سبیل اللہ عز وجل ، رقم : ۱۳۲۰ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الجہاد ، باب فضل الغزو فی البحر ، رقم : ۲۱۳۱ ، وسنن ابن ماجة ، کتاب الجہاد ، باب فضل الغزو فی البحر ، رقم : ۲۷۶۶ ، ومسند احمد ، بابی مسند المکتوبین ، باب بالی المسند السابق ، رقم : ۱۳۲۹۰ ، وموطأ مالک ، کتاب الجہاد ، باب العرغیب فی الجہاد ، رقم : ۸۸۲ ، وسنن الدارمی ، کتاب الجہاد ، باب فی فضل غزاة البحر ، رقم : ۲۳۱۳

”وجعلت قفلی رأسه“ اور پھر آپ ﷺ کے سر میں جو کس تلاش کرنے لگیں۔

”فنام رسول اللہ ﷺ لم استيقظ وهو يضحك“ آپ ﷺ سوئے اور جب بیدار ہوئے تو

آپ ﷺ ہنس رہے تھے۔

”قالت : فقلت : وما يضحكك يا رسول الله ﷺ ؟“ یا رسول اللہ! آپ کس بات سے ہنس

رہے ہیں؟ ”قال : ”ناس من امتی عرضوا علی غزاة فی سبیل اللہ یرکبون ثبج هذا البحر“

فرمایا: کہ میری امت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کش کئے گئے جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے ہوئے سمندر

کے بیچ میں سوار تھے۔

”ثبج البحر ای وسط البحر“۔ ”ثبج“ وسط کو کہتے ہیں، بعضوں نے کہا کہ ”ثبج“ سے موج

مراد ہے یعنی سمندر کی موجوں پر سوار ہو رہے تھے، ”ملوکا علی الاسرة“ ایسے بادشاہوں کی طرح جو تخت پر

بیٹھے ہوں۔

”ملوکا علی الاسرة“ کی تشریح

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ”ملوکا علی الاسرة“ کی دو تفسیریں کی جاسکتی ہیں:

ایک تفسیر یہ کہ اس جہاد کا انجام یہ ہوگا کہ بالآخر وہ فتوحات حاصل کرنے کے بعد بادشاہوں کی طرح

تخت پر بیٹھیں گے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس جہاد کا آخرت میں یہ نتیجہ ہوگا کہ ان کو بادشاہوں کی طرح تخت پر بٹھایا جائے گا۔

روایت کے الفاظ سے ایسا لگتا ہے (واللہ اعلم) کہ اُس سمندر پر اس طرح سفر کر رہے ہیں جیسا کہ

بادشاہ تخت پر بیٹھے ہیں یعنی بے خوف ہو کر سکون و اطمینان کے ساتھ، اور یہ اس لئے فرمایا کہ اس زمانہ میں سمندر کا

سفر بڑا خطرناک سفر سمجھا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے یہ لوگ بے خوف و خطر، اطمینان کے

ساتھ سفر کریں گے۔

”قالت : فقلت : یا رسول اللہ ادع اللہ ان يجعلنی منهم“ حضرت ام حرامؓ نے فرمایا کہ یا

رسول اللہ! (ﷺ) میرے لئے دعا فرمائیں کہ میں ان میں شامل ہو جاؤں۔

”فدعا لها“ آپ ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور اپنا سر رکھ لیا، یعنی پھر نیند آئی، دو بارہ جب بیدار

ہوئے تو ”وہو يضحك . فقلت : وما يضحكك يا رسول الله ؟“ وہی پہلے والی بات فرمائی۔

حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دو بارہ ان میں شامل ہونے کی دعا کی درخواست کی، تو آپ ﷺ

نے فرمایا کہ تم پہلے والوں میں شامل ہو۔

”فرکت البحر فی زمن معاویة بن ابی سفیان“

حضور اکرم ﷺ کی یہ بشارت تھی کہ میری امت کے لوگ سمندر میں سفر کر کے جہاد کریں گے، بالآخر خلافت راشدہ کے زمانہ میں یہ واقعات پیش آئے۔

لشکر اسلام کا سب سے پہلا سمندری سفر اور فتح قبرص

پہلا واقعہ جس کی طرف آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا تھا وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں پیش آیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اجازت سے سمندر کے راستہ لشکر لے کر گئے اور قبرص پر حملہ کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شوق تھا کہ سمندر کے راستہ بھی جہاد کیا جائے، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان سے کئی مرتبہ اجازت طلب کی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منع فرمادیا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خشکی کی مہمات میں، روم و ایران کے ساتھ جہاد میں اس قدر مصروف تھے کہ وہاں سے پھرنا آسان نہیں تھا دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ سمندر کے سفر کو بڑی خطر سمجھتے تھے۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے اجازت طلب کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت تو دیدی لیکن ساتھ ساتھ یہ شرط لگائی کہ تم باقاعدہ لوگوں سے ان کی مرضی معلوم کر لو، جو خوشی سے جانے کو تیار ہو اس کو لے جاؤ، کسی کے ساتھ زبردستی والا معاملہ نہ کرنا اور نہ بہت زیادہ ترغیب دینا۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کا لشکر تیار کیا اور پھر جا کر قبرص پر حملہ کیا۔

اگر دیکھا جائے تو قبرص کا جدہ سے سمندری راستہ تقریباً دو ڈھائی ہزار میل ہوگا، انہوں نے اتنی مسافت طے کر کے قبرص پر حملہ کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرمائی، قبرص کے لوگ زیرِ تلکین آ گئے اور وہاں ان کی حکومت قائم ہو گئی، صلح ہوئی اور انہوں نے جزیہ دینا منظور کیا۔ جب سارا شہر صلح کے لئے تیار ہو گیا اور لشکر کے لوگوں کو اس کی خوشخبری دی گئی تو لوگوں نے کہا کہ چلیں ذرا شہر کو اندر سے دیکھ لیں کہ کیسا ہے؟ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بھی اس ارادہ سے جہاز سے اتر کر اپنی داہ پر سوار ہو رہی تھیں کہ اچانک گھوڑا بدک گیا، اور اس نے آپ کو زمین پر گرا دیا آپ زخم سے جان بچیں ہو سکیں اور وہیں پر جام شہادت نوش کیا۔ آج بھی ان کا مزار قبرص میں ہی ہے۔^{۲۲}

اسی واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ:

”فرکت البحر فی زمن معاویة بن ابی سفیان فصرعت عن دابتها حين خرجت

من البحر فهلکت“

قسطنطنیہ پر حملہ اور بشارت

دوسری بار آپ ﷺ کو جو بشارت دی گئی کہ لشکر جا رہا ہے، معروف روایات کے مطابق یہ یزید کا لشکر تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے اس وقت قسطنطنیہ فتح کرنے کے لئے یہ لشکر بھیجا گیا تھا، اس لشکر کے سربراہ یزید تھے اور اس میں حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے، اور اس دوران آپ بیمار ہو کر وفات پا گئے اور قسطنطنیہ کی دیوار کے نیچے مدفون ہوئے۔ بعض روایتوں کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سے منقول ہے کہ قسطنطنیہ پر جو پہلا لشکر حملہ کرے گا وہ ”مغفور لہم“ ہے، آپ ﷺ نے ان کی مغفرت کی بشارت دی ہے، اور جس شخص کے ہاتھ قسطنطنیہ فتح ہو، اس کے لئے بھی آپ ﷺ نے بشارت دی تھی، فتح تو بالآخر سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں پر ہوا، لیکن اس کی ابتداء یزید سے ہوئی تھی، اور یوں سب سے پہلا حملہ قسطنطنیہ پر یزید کی قیادت میں ہوا تھا، اس کی وجہ سے بعض لوگوں نے کہا کہ یزید کی تو بڑی فضیلت ہے کیونکہ حدیث میں پہلے حملہ کرنے والے کو ”مغفور لہم“ کہا گیا ہے۔^{۳۲}

بعض حضرات کی توجیہ

بعض حضرات نے کہا کہ جس روایت میں یہ ہے کہ سب سے پہلا شخص جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا وہ یزید ہے، اس روایت میں کلام ہے، کیونکہ دوسری بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا لشکر سفیان بن عوف کی سرکردگی میں بھیجا تھا، بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو بھیجا، لیکن اکثر روایات میں یہی ہے کہ جس لشکر نے سب سے پہلا حملہ کیا اس کا سربراہ یزید تھا۔^{۳۳}

”مغفور لہم“ کے بارے میں معتدل بات

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ”تراجم بخاری“ میں اس بارے میں سب سے معتدل بات فرمائی ہے، انہوں نے فرمایا کہ ”مغفور لہم“ سے مراد یہ ہے کہ جو بھی اس لشکر میں شامل ہوگا اس کے سابق گناہوں کی مغفرت کر دی جائے گی، لہذا جو بھی اس لشکر میں شامل تھے سب کے سابق گناہوں کی مغفرت ہوگی، لیکن اگر اس کے بعد کسی نے غلط اقدام کیا ہے تو وہ اس حدیث کے منافی نہیں ہے۔

۳۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں ”جہان دیدہ“ ص: ۳۱۹ - ۳۲۹۔

۳۳۔ تکملة فتح الملہم، ج: ۳، ص: ۳۵۶۔

اس نئے اگر یزید سے کچھ غلطیاں بعد میں سرزد ہوئیں اور اس کے معاملات میں کچھ خلاف شریعت امور ظاہر ہوئے تو یہ بعد کی بات ہے، اور ”مغفور لہم“ کا معاملہ ماقبل سے متعلق تھا۔

اس بحث میں نہیں پڑنا چاہیے

باقی یہ بات کہ یزید کی مغفرت ہوگی یا نہیں؟ اس بحث میں پڑنا ٹھیک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں وہ چاہیں تو مغفرت کر دیں، چاہیں تو نہ کریں، ہم اس بارے میں فیصلہ کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ البتہ کسی شخص کے عمل کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا یہ عمل شریعت کے مطابق تھا یا نہیں تھا؟ بیشک حضرت حسین ؑ کی شہادت کا جو واقعہ پیش آیا، اس کی ذمہ داری یزید پر عائد ہوتی ہے، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، ان کا یہ عمل خلاف شرع تھا، ان کے اس عمل کو غلط کہا جائے گا، لیکن مغفرت ہوگی یا نہیں؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔

﴿بَلِّغْ أُمَّةً قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَرِلَّكُمْ

مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ۵۱

ترجمہ: ”وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا، اور تم سے پوچھ نہیں ان کے کاموں کی۔“

(۵) باب الغدوة والروحة في سبيل الله. وقاب

قوس أحدكم في الجنة

۲۷۹۲۔ حدثنا معلى بن أسد : حدثنا وهيب : حدثنا حميد ، عن أنس بن مالك ؓ

عن النبي ﷺ قال : ((الغدوة في سبيل الله أو روحة غير من الدنيا وما فيها)). [أنظر:

[۲۵۶۸، ۲۷۹۲]

”غدوة“ اضل میں جہاد کے لئے وارد ہوا ہے، صبح کو جانا اور شام کو جانا لیکن چونکہ الفاظ عام ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ دین کے کسی بھی کام کے لئے نکلنے کی توفیق دیں، سب اس میں داخل ہیں، کسی کے ساتھ تخصیص نہیں ہے۔

(۷) باب تمنى الشهادة

۲۷۹۷۔ حدثنا أبو اليمان : أخبرنا شعيب ، عن الزهري : أخبرني سعيد بن

المسيب : أن أبا هريرة رضي الله عنه قال : سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول : ((والذي نفسي بيده لو لا أن رجالا من المؤمنين لا تطيب أنفسهم أن يتخلفوا عني ولا أجد ما أحملهم عليه ما تخلفت عن سرية تغدو في سبيل الله. والذي نفسي بيده لو ددت أني أقتل في سبيل الله ثم أقتل ثم أحياء، ثم أقتل ثم أحياء، ثم أقتل)). [راجع: ۳۶]

حدیث کا مطلب

حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلى الله عليه وسلم سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے، اگر مجھے کچھ ایسے لوگوں کا خیال نہ ہوتا جن کے دل اس بات پر راضی نہیں ہوتے کہ وہ مجھ سے الگ رہیں اور میں ان کو اپنے ساتھ لے جائیں سکتا تو پھر ساری زندگی جہاد ہی کرتا رہتا، لیکن چونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو میرے ساتھ نہیں جاسکتے تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے، ان کو تعلیم بھی دینی ہے، اس واسطے میں ہر سرتیہ میں نہیں جاتا، ورنہ ہر سرتیہ میں جاتا۔

(۸) باب فضل من يصرع في سبيل الله فمات فهو منهم

وقول الله عز وجل: ﴿وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ﴾^{۶۶} وق : وجب .

۲۸۹۹، ۲۸۰۰۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال : حدثني الليث : حدثنا يحيى ، عن محمد بن يحيى بن حبان ، عن أنس بن مالك ، عن خالته أم حرام بنت ملحان قالت : نام النبي صلى الله عليه وسلم يوماً قريبا مني ثم استقيظ يتبسّم ، فقلت ما اضحكك؟ قال : ((أناس من امتي هرضوا علي ، يركبون هذا البحر الأخضر كالملوك على الأسرة)). قالت : فادع الله أن يجعلني منهم ، فدعا لها ، ثم نام الثانية ففعل مغلها . فقالت مغل قولها فأجابها مغلها . فقالت : ادع الله أن يجعلني منهم ، فقال : ((أنت من الأولين)).

فخرجت مع زوجها عبادة بن الصامت هازيا أول ماركب المسلمون البحر مع معاوية فلما انصرفوا من غزوتهم قافلين فنزلوا الشام فقربت إليها دابة لركبها فصرعتها فماتت)). [راجع: ۲۸۸، ۲۸۹]

اس میں کسی راوی سے وہم ہو گیا ہے، یہ ایک خاتون کا واقعہ ہے جو بعد میں پیش آیا تھا کہ جب واپس آنے لگے اور ملک شام میں اترے وہاں ان کے پاس دابہ لایا گیا اور وہ بدک گیا اس سے گر کر انتقال ہو گیا، ورنہ

اصل واقعہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا ہے جو قبرص میں ان کے ساتھ پیش آیا تھا، راوی کو غلط ہو گیا ہے۔

(۱۲) باب قول اللہ عز وجل :

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴾

۲۸۰۵۔ حدثنا محمد بن سعيد الخزازي : حدثنا عبد الأعلى ، عن حميد قال : سألت أبا قال وحدثني عمرو بن زرارۃ : حدثنا زياد قال : حدثني حميد طريل عن أنس رضي الله عنه قال : غاب عمي أنس بن النضر عن قتال بدر فقال : يا رسول الله ، غبت عن أول قتال قاتلت المشركين ، لئن الله أشهد لني قتال المشركين ليرين الله ما أصنع . فلم كان يوم أحد ، والكشف المسلمون قال : اللهم اني أعتذر إليك مما صنع هؤلاء - يعني أصحابه - وأبرأ إليك مما صنع هؤلاء - يعني المشركين - ثم تقدم فاستقبله سعد بن معاذ ، فقال : يا سعد بن معاذ الجنة ورب النضر ، إني أجد ريحها من دون أحد . قال سعد : فما استطعت يا رسول الله ما صنع . قال أنس : فوجدنا به بضعا وثمانين ضربة بالسيف أو طعنة برمح أو رمية بسهم ، ووجدناه قد قتل وقد مثل به فمأ عرفه أحد إلا أخته بناته . قال أنس : كنا نرى أو نظن أن هذه الآية نزلت فيه وفي أشباهه : ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ﴾ إلى آخر الآية . [انظر : ۴۰۳۸ ، ۳۷۸۳] ب

”الجنة ورب النضر“ پروردگار کی قسم جنت سامنے نظر آرہی ہے، جیسے کہا تھا ”فزت ورب الكعبة“ کہ تیر لگ رہا ہے، خون کا فوارہ نکل رہا ہے، ایسی حالت میں لوگ ہائے ہائے کرتے ہیں، لیکن وہ کہہ رہے ہیں ”فزت ورب الكعبة“ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ اسی طرح جہاد میں جب جنت کا منظر نظر آیا تو کہا ”الجنة ورب النضر“۔

”إني أجد ريحها من دون أحد . قال سعد : فما استطعت يا رسول الله ما

[الأحزاب : ۲۳]

۸۸ وفي صحيح مسلم ، كتاب الامارة ، باب ثبوت الجنة للشهيد ، رقم : ۳۵۳۳ ، وسنن النسائي ، كتاب القسامة ، باب ذكر حديث عمرو بن حزم في العقول واختلاف السابقين ، رقم : ۳۶۷۳ ، وسنن أبي داود ، كتاب الديات ، باب القصاص من السنن ، رقم : ۳۹۷۹ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الديات ، باب القصاص في السنن ، رقم : ۲۶۳۹ ، ومسند احمد ، باقي مسند المكفرين ، باب مسند أنس بن مالك ، رقم : ۱۱۸۵۳ ، ۱۲۳۳۳ ، ۱۲۵۳۵ ، ۱۲۶۱۲ ، ۱۲۶۱۵ ، ۱۳۵۱۷ ،

صنع“ حضرت سعد بن معاذؓ فرماتے ہیں، واقعی میں وہ کام نہ کر سکا جو انہوں نے کیا تھا۔
حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے اُن کے جسم پر تلوار، تیر اور نیزوں کی اسی سے زیادہ ضربیں
پائیں، اور اس کے اوپر طرہ یہ کہ مشرکین نے ان کا منہ کیا، کہتے ہیں کہ ”لما عرفہ احد إلا اخذہ ببناہ“
سوائے بہن کے کوئی پہچان بھی نہیں سکا، اور بہن نے بھی انگلیوں کے پوروں سے پہچانا۔

(۱۳) باب: عمل صالح قبل القتال

وقال ابو الدرداء: إنما تقاتلون بأعمالكم، وقوله عز وجل: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْعًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ
فِي سَبِيلِهِ صَفًا كَانْتُمْ بُنْيَانًا مَرْصُومًا ۝۲۸۰۸﴾

۲۸۰۸۔ حدیثی محمد بن عبد الرحیم: حدیثا شہابہ بن سوار الفزاری: حدیثا
إسرائيل بن أبي إسحاق قال: سمعت البراءؓ يقول: أتى النبيؐ رجل مقنع بالحديد
فقال: يا رسول الله أقاتل أو أسلم؟ قال: ((أسلم ثم قاتل)) - فأسلم ثم قاتل فقتل، فقال
رسول الله ﷺ: ((عمل قليلاً وأجر كثيراً))۔ ۳۰ ۳۱

ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا ”مقنع بالحديد“ جو لوہے میں غرق تھا یعنی لوہے کا خود غیرہ پہنا
ہوا تھا، ”فقال: يا رسول الله أقاتل أو أسلم؟“ اس نے آکر پوچھا کہ یا رسول ﷺ لڑوں یا اسلام لاؤں؟
آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے اسلام لاؤ، پھر قتال کرو۔ چنانچہ وہ ایمان لایا اور قتال کیا، پھر اسی میں شہید
ہو گیا، ”فقال رسول الله ﷺ: ((عمل قليلاً وأجر كثيراً))۔“

(۱۴) باب من أتاه سهم غرب فقتله

۲۸۰۹۔ حدیثا محمد بن عبد الله: حدیثا حسین بن محمد أبو أحمد: حدیثا
شيبان، عن قتادة: حدیثا انس بن مالك: أن أم الربيع بنت البراء، وهي أم حارثة بن
سراقة أتت النبي ﷺ فقالت: يا نبي الله، ألا تحدثني عن حارثة؟ وكان قتل يوم بدر،
أصابه سهم غرْب، فإن كان في الجنة صبراً، وإن كان غير ذلك اجتهدت عليه في

۳۰ [المف: ۲-۳] ۳۰ لا يوجد للحديث مكررات.

۳۱ ولی صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب ثبوت الجنة للشہید، رقم: ۳۵۱۹، ومسند احمد، اول مسند الکوفین،

باب حدیث البراء بن عازب، رقم: ۱۷۸۳۰، ۱۷۸۵۲۔

البكاء . قال : ((يا أم حارثة ، إنها جنان في الجنة وإن ابنك أصاب الفردوس الأعلى)) .

[أنظر : ۳۹۸۲ ، ۶۵۵۰ ، ۶۵۶۷] ۳۲

”سہم غوب“ وہ تیر جس کا پھینکنے والا معلوم نہ ہو۔

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کو بدر کے دن ایک ایسا تیر لگا جس سے وہ شہید ہو گئے ، ان کی والدہ نے کہا کہ مجھے بتادیں گے! اگر وہ جنت میں ہیں تو پھر میں صبر کروں اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور بات ہے تو ”اجتہدت علیہ فی البكاء“ میں اس کے اوپر روؤں۔

”قال“ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”یا ام حارثة ، إنها جنان فی الجنة وإن ابنک أصاب الفردوس الأعلى“۔

۲۸۱۵۔ حدثنا علی بن عبد اللہ : حدثنا سفیان بن عمرو : سمع جابر بن

عبد اللہ رضی اللہ عنہما يقول : اضطح ناس الخمر يوم أحد : ثم قتلوا شهداء ، فقیل

لسفیان : من آخر ذلك اليوم ؟ قال : ليس هذا فيه . [أنظر : ۴۰۴۳ ، ۴۰۴۴ ، ۴۰۴۵] ۳۳

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس دن احد کی لڑائی ہوئی اس دن صبح کچھ لوگوں نے شراب پی لی تھی ، (اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی) پھر وہ شہید ہوئے ، اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمایا ، اور شراب نوشی ان کی شہادت میں کوئی نقص واقع نہ کر سکی کیونکہ اس وقت حلال تھی۔

”فقیل لسفیان“ سفیان بن عیینہ سے ان کے شاگرد نے کہا ، ”من آخر ذلك اليوم؟“ کہ اس دن شام میں وہ شہید ہوئے؟ ”قال : ليس هذا فيه“ حضرت ابن عیینہ نے کہا کہ یہ لفظ حدیث میں نہیں ہے۔

(۲۰) باب ظل الملائكة علی الشہید

”حتی رفع“ جب تک ان کا جنازہ اٹھایا نہ گیا اس وقت تک فرشتے ان پر سایہ کئے رہے۔

۲۸۲۱۔ حدثنا أبو الیمان : أخبرنا شعيب ، عن الزهري قال : أخبرني عمر بن

محمد بن جبیر بن مطعم : أن محمد بن جبیر قال : أخبرني جبیر بن مطعم : أنه بينما هو

يسير مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معه الناس مقله من حنين فعلق الناس يسألونه حتى اضطروه

إلى سمرة فخطفت رداءه ، فوقف النبي صلی اللہ علیہ وسلم فقال : ((أعطوني ردائي ، لو كان لي عدد هذه

۳۲ وفي سنن الترمذی ، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ، باب ومن سورة المؤمنین ، رقم : ۳۰۹۸۰ ، ومسند احمد ،

بالی مسند المکثرین ، باب مسند انس بن مالک ، رقم : ۱۱۸۰۳ ، ۱۲۷۲۳ ، ۱۲۷۲۴ ، ۱۲۷۲۵ ، ۱۳۲۲۴ ، ۱۳۲۸۷ ، ۱۳۳۶۸ ،

۱۳۵۰۰ ، ۱۳۵۰۳ . الفرد به البحاری .

العضاء نعم لقسمته بینکم ثم لا تجدونی بخلا ولا کذوبا ولا جبانا)) . [انظر : ۳۱۴۸] ۳۴
 حضرت جبیر بن مطعم ؓ فرما رہے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے اور لوگ بھی ساتھ
 چل رہے تھے ”مقفلہ من حنین“ (مقفل) مصدر میں ہے یعنی آپ کے حنین سے لوٹنے کے وقت، ”فعلقت
 الناس ینسلونہ“ جو اعرابی تھے وہ آپ کے ساتھ لٹک گئے، مانگنے کے لئے یعنی مال غنیمت مانگنے کے لئے۔
 ”حسی اضطروہ الی سمرۃ“ یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کو درخت تک دھکیل دیا، ”فحطفت رداءہ“
 اس نے حضور اقدس ﷺ کی چادر اچک لی، یعنی اس درخت میں کانٹے تھے، اس لئے چادر اس میں پھنس گئی۔
 آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا ”اعطونی ردائی“ کہ میری چادر دیدو، اگر کانٹوں والے درخت
 کے کانٹوں کی تعداد کے برابر مویشی ہوتے تو میں سب تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا۔

”ثم لا تجدونی بخيلا ولا كذوبا ولا جبانا“

اب بظاہر یہ بے ادبی تھی کہ حضور اقدس ﷺ کو وہاں تک دھکیل کر لے گئے کہ آپ ﷺ کی چادر بھی اتر
 گئی، لیکن چونکہ اعرابی تھے اور حضور اقدس ﷺ اعرابیوں کی حرکات کی رعایت فرماتے تھے اور ان کی حرکات پر
 صبر فرماتے تھے، اسی لئے آپ ﷺ نے اس پر کوئی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا اور زبان حال سے فرمایا ”ثم لا
 تجدونی بخيلا ولا كذوبا ولا جبانا“

(۲۶) باب من حدث بمشاهدہ فی الحرب،

”قال أبو عثمان عن سعد“

۲۸۲۲۔ حدثنا قتیبۃ بن سعید : حدثنا حاتم عن محمد بن يوسف ، عن السائب
 ابن یزید قال : صحبت طلحة بن عبید اللہ وسعدا والمقداد بن الأسود و عبد الرحمن بن
 عوف ؓ فما سمعت أحدا منهم يحدث عن رسول اللہ ﷺ إلا أنى سمعت طلحة يحدث
 عن يوم أحد . [انظر : ۳۰۶۲] ۳۵

کوئی شخص جنگ میں اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات یا جن کا اس نے مشاہدہ کیا ہے وہ لوگوں کو
 بتائے کہ جنگ میں یہ واقعہ ہوا، میں نے اس طرح جملہ کیا، دشمن کا اس طرح مقابلہ کیا، تو ایسا بیان کرنے میں کوئی
 حرج نہیں ہے، بشرطیکہ مقصد ریا نہ ہو بلکہ ایک واقعہ کا بیان ہو اور اللہ کا شکر ادا کرنا ہو۔

۳۴۔ ولی مسند احمد ، اول مسند المدینین اجمعین ، باب حدیث جبیر بن مطعم ، رقم : ۱۶۱۵۵ ، ۱۶۱۷۴ .

۳۵۔ ولی سنن ابن ماجہ ، کتاب المقلمة ، باب العولی فی الحدیث عن رسول اللہ ، رقم : ۲۹ . و کتاب الأدب ، باب اطفاء

النار عند المہبت ، رقم : ۳۷۶۱ ، وصنن اللذامی ، کتاب المقلمة ، باب من هاب الفئتا مخالفة السقط ، رقم : ۲۸۰ .

”قاله أبو عثمان عن سعد“

اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو مغازی میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اننا اول“ انہوں نے یہ بات ذکر کی ہے کہ میں نے سب سے پہلا تیر چلایا، اگر ممنوع ہوتا تو یہ ذکر نہ کرتے۔ معلوم ہوا کہ واقعہ کا ذکر کرنا ممنوع یا بُدی بات نہیں بشرطیکہ دکھلاوا مقصود نہ ہو۔

”عن السائب ابن یزید قال: صحبت طلحة“ یعنی میں نے اتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت ٹھائی، طلحہ بن عبد اللہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت مقداد بن الاسود، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ لیکن ان میں سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کوئی حدیث سناتے ہوئے نہیں دیکھا، اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث بیان کرتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کوئی کمی یا زیادتی نہ ہو جائے۔ لہذا میں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ یوم احد کا واقعہ بیان کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ لڑائی کا واقعہ بیان کرنا جائز ہے۔

(۲۸) باب الكافر يقتل المسلم ثم يسلم فيسد بعد ويقتل

۲۸۲۶۔ حدثنا عبد الله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ، عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: ((يضحك الله إلى رجلين: يقتل أحدهما الآخر، يدخلان الجنة يقاتل هذا في سبيل الله فيقتل ثم يتوب الله على القاتل فيستشهد)). ۳۶، ۳۷

ایک شخص ایمان کی حالت میں جہاد کرتا ہے اور شہید ہو جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کا فرقاتل کو بھی توبہ کی توفیق دیدیتے ہیں، وہ بھی ایمان لے آتا ہے، اور شہید ہو جاتا ہے، تو قاتل اور مقتول دونوں جنت میں چمکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ایسے دو آدمیوں پر تعجب فرماتے ہیں اور وہ تعجب اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہے کہ دونوں کو اجر عطا فرماتے ہیں۔

۲۸۲۷۔ حدثنا الحميدى: حدثنا سفيان: حدثنا الزهري قال: أخبرني عنبسة بن

۳۶ لا يوجد للحديث مكررات.

۳۷ وفى صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب بيان الرجلين يقتل احدهما الآخر يدخلان الجنة، رقم: ۳۵۰۳، وسنن السائى، كتاب الجهاد، باب تفسير ذلك، رقم: ۳۱۱۵، وسنن ابن ماجه، كتاب المقدمة، باب فيما انكرت الجهمية، رقم: ۱۸۷، ومسند احمد، بالفى مسند المكثرين، باب مسند ابي هريرة، رقم: ۷۰۲۳، ۷۸۷۷، ۹۵۹۷، ۱۰۲۲۵، وموطأ مالك، كتاب الجهاد، باب الشهداء في سبيل الله، رقم: ۸۷۲.

سعید، عن ابی ہریرۃؓ، قال: أتیت رسول اللہ ﷺ وهو بخبیر بعد ما افتتحوها فقلت: یا رسول اللہ أسہم لی، فقال بعض بنی سعید بن العاص: لا تسہم لہ یا رسول اللہ، فقال أبو ہریرۃ: هذا قاتل ابن قوئل، فقال بن سعید بن العاص: واعجبا لو بر تدلی علینا من قدم ضان ینعی علی قتل رجل مسلم أکرمه اللہ علی یدی ولم یہنی علی یدیہ، قال: فلا أدری أسہم لہ أم لم یسہم. قال سفیان، وحدثہ السعیدی عن جده، عن ابی ہریرۃ. السعیدی هو عمرو بن یحیی بن سعید بن عمرو بن سعید بن العاص. [أنظر: ۴۲۳۷، ۴۲۳۸، ۴۲۳۹، ۴۲۴۰] ۵۸

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ "أتیت رسول اللہ ﷺ وهو بخبیر" میں رسول اللہ ﷺ کے پاس خیبر میں حاضر ہوا، جب آپ ﷺ خیبر فتح کر چکے تھے، جنگ ختم ہو چکی تھی، اور یہ اسی وقت اسلام لائے تھے۔ "فقلت: یا رسول اللہ ﷺ أسہم لی!" میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ مجھے بھی مال غنیمت میں حصہ دیجئے۔

"فقال بعض بنی سعید بن العاص: لا تسہم لہ یا رسول اللہ" سعید بن العاص کے بیٹوں میں سے وہاں پر کوئی موجود تھا، دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابان بن سعیدؓ تھے، انہوں نے کہا یا رسول اللہ ان کو حصہ نہ دیجئے مطلب یہ ہے کہ یہ اس جنگ میں شامل نہیں تھے، بعد میں آئے ہیں۔ "فقال أبو ہریرۃ: هذا قاتل ابن قوئل" یہ صاحب جو یہ کہہ رہے ہیں کہ حصہ نہ دیجئے یہ ابن قوئل کے قاتل ہیں۔

ابن قوئلؓ صحابی تھے، جنگ بدر میں ابان بن سعید نے ان کو شہید کر دیا تھا، اس وقت ابان بن سعید مسلمان نہیں ہوئے تھے اور ابن قوئل مسلمان تھے۔

جب ابان بن سعیدؓ نے کہا کہ ان کو حصہ نہ دیجئے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ یہ تو وہی شخص ہے جس نے ابن قوئل کو قتل کیا تھا، آج یہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ حصہ نہ دیجئے، اس نے تو ایک مسلمان کو شہید کیا تھا۔ "فقال ابن سعید بن العاص: واعجبا لو بر" اس نے جواب میں کہا کہ عجیب معاملہ ہے، ایک ایسے "وہو" پر جو ہمارے اوپر پہاڑوں کے کنارے سے اتر کر آئی ہے۔

"وہو" بلی جیسا کوئی جانور ہوا کرتا تھا۔ "ینعی علی" اور وہ میرے اوپر عیب لگا رہی ہے کہ میں نے ایک ایسے مسلمان کو قتل کیا ہے، جس کو اللہ ﷻ نے میرے ہاتھوں عزت دی، یعنی میں نے اس کو قتل کیا تو اللہ ﷻ نے اس کو شہادت کا مرتبہ دیا۔

"ولم یہنی" اور اللہ ﷻ نے اس کے ہاتھوں میری اہانت نہیں فرمائی، یعنی اس کے ساتھ بھی اچھا

معاہدہ فرمایا اور مجھے بھی اسلام کی توفیق دے دی کہ میں مسلمان ہو گیا۔
 ”قال : فلا ادری“ راوی کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ آپ ﷺ نے ان کو حصہ دیا یا نہیں۔

(۳۰) باب الشهادة سبع سوی القتل

۲۸۲۹۔ حدثنا عبد الله بن يوسف : أخبرنا مالك ، عن سمي ، عن أبي صالح ،
 عن أبي هريرة رضي الله عنه ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : ((الشهداء خمسة : المطعون ، والمبطون ،
 والغرق ، وأصحاب الهدم ، والشهيد في سبيل الله)) . [راجع : ۶۵۳]

شہید کی پانچ اقسام

شہید کی پانچوں قسم دنیا اور آخرت دونوں کے لحاظ سے شہید ہے۔ باقی جو چار قسمیں ہیں جیسے مصعون ،
 جس کا طاعون میں انتقال ہوا ہو، یا جس کا پیٹ کی بیماری میں انتقال ہوا ہو، یا جو پانی میں غرق ہو کر مرا ہو، یا جس
 کے اوپر دیوار وغیرہ ٹری ہو اور وہ مر گیا ہو تو وہ آخرت کے احکام کے اعتبار سے شہید ہیں، لیکن دنیا کے احکام کے
 اعتبار سے شہید نہیں ہیں، لہذا ان کو تنس و کفن دیا جائے گا، اور دوسرے تمام احکام میں بھی وہ عام اموات کی طرح
 ہوں گے۔ یہاں پر پانچ کا ذکر ہے، دوسری روایتوں میں چند اور کا بھی ذکر ہے، تو عدد کا مفہوم معتبر نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں جو روایتیں نقل کی ہیں، ان روایتوں سے معلوم ہوتا
 ہے کہ تقریباً چھبیس انواع ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ آخرت کے احکام کے اعتبار سے شہید قرار دیتے ہیں۔

ایک روایت میں سات کا ذکر ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایسا کرتے ہیں کہ جو روایت ان کی شرط
 کے مطابق نہیں ہوتی ہے، اس کو ترجمہ اسباب میں ذکر کر دیتے ہیں، اس واسطے اس کو ترجمہ الباب میں ذکر
 کر دیا، فرمایا: ”الشهادة سبع سوی القتل“ اشارہ کر دیا کہ سات والی روایت بھی ہے۔^۹

۲۸۳۲۔ ... وفخذہ علی فخذی“ یعنی وحی کا اتنا نقش تھا کہ ان کی ران پھٹنے لگی۔

۲۸۳۹۔ حدثنا سليمان بن حرب : حدثنا حماد هو ابن زيد ، عن حميد عن انس رضي الله عنه :

أن النبي صلى الله عليه وسلم كان في غزاة ، فقال : ((إن ألواما بالمدينة خلفنا ما سلكنا شعبا ولا واديا إلا
 وهم معنا فيه ، حسبهم العذر)) . [راجع : ۲۸۳۸]

”وقال موسى : حدثنا حماد ، عن حميد ، عن موسى بن انس ، عن أبيه ، قال النبي صلى الله عليه وسلم :

قال أبو عبد الله : الأول أصح“ .

یعنی پہلی سند جس میں حمید عن انس رضي الله عنه ہیں اور عن موسیٰ بن انس کا واسطہ نہیں ہے وہ زیادہ صحیح ہے۔

(۳۹) باب الحنط عند القتال

۲۸۴۵۔ حدثنا عبد اللہ بن عبد الوہاب : حدثنا خالد بن الحارث : حدثنا ابن عون، عن موسیٰ بن أنس قال : ذکر یوم الیمامہ قال : أتى أنس بن مالک ثابت بن قیس وقد حسر عن فخذه وهو یحنط فقال : یا عم ، ما یحبسک ألا تجیء؟ قال : الآن یا ابن أخي، وجعل یحنط، یعنی من الحنوط، ثم جاء فجلس فذكر فی الحدیث انکشافا من الناس فقال : هكذا هن وجوهنا حتی نضارب بالقوم، ما هكذا كنا نفعل مع رسول اللہ ﷺ، ہنس ما عودتم القرآنکم۔ رواہ حماد عن ثابت بن أنس۔

جنگ یمامہ جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں میلہ کذاب کے ساتھ لڑی گئی تھی۔

حضرت موسیٰ بن انس رضی اللہ عنہ اس جنگ یمامہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”انسی انس بن مالک“ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس دن حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ”وقد حسر عن فخذه“ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنی رانوں سے کپڑا ہٹایا ہوا تھا اور حنوط کی خوش بو، استعمال کی ہوئی تھی۔

”فقال : یا عم ما یحبسک“ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: اے چچا! آپ کو جہاد میں شل ہونے سے کیا چیز روک رہی ہے؟ آپ کیوں نہیں آتے؟

”قال : الآن یا ابن أخي“ انہوں نے کہا: اے میرے بھتیجے! میں ابھی آتا ہوں، ”وجعل یحنط“ یعنی ”من الحنوط“ اور وہ حنوط کی خوش بو لگاتے رہے۔

”ثم جاء فجلس“ پھر وہ آ بیٹھے اور حدیث میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ ذکر کیا کہ اس دن مسلمان کھل گئے تھے یعنی صفیں منتشر ہو گئیں تھیں، ورنہ عام طور پر صف بنا کر لڑتے ہیں، لیکن اس دن مسلمانوں کی صفیں منتشر ہو گئی تھیں، ایک دوسرے کے اندر گھس گئی تھیں، اور کافروں کے ساتھ بالکل گتھم گتھ ہو گئے تھے، اس کو ”انکشافا“ سے تعبیر کیا ہے۔ یمامہ کی جنگ بڑی زبردست ہوئی کہ کسی بھی طرح فتح نہیں ہو رہی تھی۔

جذبہ ایمانی کی عجیب مثال

آخر کار ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے منجیق میں رکھ کر اندر پھینک دیا جائے، چنانچہ انہیں منجیق میں رکھ کر اندر پھینکا، انہوں نے اندر جا کر قلعہ کا دروازہ کھولا اور پھر مسلمان اندر

داخل ہو گئے۔

”لقال : هكذا عن وجوهنا حتى نضارب بالقوم“ یہ بڑی مجمل سی عبارت ہے، اس میں الفاظ محذوف ہیں، مطلب یہ ہے کہ ”هكذا عن وجوهنا“ اشارہ کیا کہ دشمن ہمارے چہروں کے سامنے بالکل قریب آ گیا تھا یہاں تک کہ ہم ایک قوم کو مار رہے تھے، یعنی بالکل ہتھم گتھا ہو گئے تھے، ہماری صفیں ٹوٹ گئیں تھیں، اور ہم ایک دوسرے کے اندر داخل ہو گئے تھے۔

کہتے ہیں کہ: ”ما هكذا كنا نفعل مع رسول الله ﷺ“ ثابت بن قیس ؓ نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس طرح نہیں کیا کرتے تھے کہ صفیں توڑ کر دشمن سے مل جائیں، بلکہ ہمارے اور دشمن کے درمیان فاصلہ ہوتا تھا، پہلی صف لڑتی تھی اور دوسری صف اس کی پشت پر ہوا کرتی تھی۔

”بئس ما هوذتم القوانكم“ تم نے اپنے ساتھیوں کو بڑی عادت ڈال دی ہے کہ وہ صفیں توڑ کر اندر گھسن جاتے ہیں۔

سوال: آج کل دہشت گردی میں جو لوگ شہید ہو رہے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟
جواب: جس کو بھی ظلماً ہتھیار سے قتل کیا جائے اور فوراً موت واقع ہو جائے تو وہ دنیا کے احکام کے اعتبار سے بھی شہید ہے اور آخرت کے احکام کے اعتبار سے بھی شہید ہے۔

(۳۳) باب الجہاد ماض مع البر والفاجر

”لقول النبی ﷺ: ((الخيل معقود في نواصيها الخير الى يوم القيامة))۔

۲۸۵۲۔ حدثنا أبو نعیم : حدثنا زكريا ، عن عامر : حدثنا عمرو البارقی : أن

النبي ﷺ قال: ((الخيل معقود في نواصيها الخير الى يوم القيامة ، الأجر والمغرم))۔

[راجع: ۲۸۵۰]

اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا اور یہ کہ جہاد کے لئے ضروری نہیں ہے کہ امیر متقی ہی ہو بلکہ ”مع البر والفاجر“ چاہے امیر ایسا ہو جس کو فاسق فاجر کہا جاتا ہے، اگر جہاد کا مقصد درست ہے اور واقعی جہاد فی سبیل اللہ ہے تو اس کے ساتھ بھی جہاد کرنے کی وہی فضیلت ہے جو جہاد کی ہوتی ہے۔

(۳۶) باب اسم الفرس والحمار

یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ گھوڑے اور گدھے کا نام رکھ لینا بھی جائز ہے، حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں بھی نام ہوا کرتے تھے، اسی کی روایتیں لارہے ہیں۔

(۴۷) باب ما یذکر من شؤم الفرس

۲۸۵۸۔ حدیثنا أبو الیمان : أخبرنا شعیب ، عن الزہری قال : أخبرنی سالم بن عبد اللہ أن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال : سمعت النبی ﷺ یقول : ((إنما الشؤم فی ثلاثة: فی الفرس ، والمرأة ، والدار)) . [راجع : ۲۰۹۹]

اس کے معنی بعض حضرات نے یہ بتائے ہیں کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو ان میں ہوتی، ورنہ نحوست کی چیزیں ہیں ہی نہیں۔

لیکن میرے خیال میں ”واللہ اعلم“ حضور ﷺ کا منشا یہ ہے کہ نحوست کسی چیز میں نہیں، جیسا کہ دوسری جگہوں پر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے، البتہ نحوست کے اثرات ان چیزوں میں پائے جاتے ہیں۔

نحوست کسے کہتے ہیں؟

نحوست کہتے ہیں کہ اگر کوئی چیز ایک دفعہ آجائے تو آدمی اس چیز سے پریشان رہے۔

اگر چہ فی نفسہ تو شؤم کسی چیز میں نہیں ہے لیکن اس کے اثرات ان چیزوں میں حقیقتاً پائے جاتے ہیں، اس لئے کہ اگر ان میں سے کوئی چیز غلط جائے تو ساری عمر مصیبت ہے۔ یعنی، اگر گھوڑا غلط گیا تو آدمی جلدی جلدی تو نہیں بدلتا کہ کسی کو دے دیا اور دوسرا لے لیا، اس لئے ساری عمر مصیبت ہے۔ اسی طرح بیوی غلط جائے تو اس کو بدلنا بھی بڑا مشکل ہے، ساری عمر کے لئے مصیبت بن جاتی ہے اور اگر گھر خراب مل جائے تو وہ بھی ساری عمر کے لئے مصیبت بن جاتا ہے۔ اس لئے نحوست تو نہیں، البتہ ان کے اثرات ان میں پائے جاتے ہیں۔

(۵۱) باب سهام الفرس ،

وقال مالک : یسہم للخیل والبرادین منها لقولہ تعالیٰ : ﴿ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا ﴾ [النحل : ۸] ولا یسہم لاکثر من فرس [أنظر : ۳۲۲۸]

اختلاف ائمہ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گھوڑے ہوں یا برازین ہوں (برزدن کی جمع ہے برازین، ترکی گھوڑے کو کہتے ہیں) ان سب کے لئے حصہ لگایا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ

وَالْحَمِيرُ لِتُرْكُبُوهَا“ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو سواری قرار دیا ہے، لیکن ایک گھوڑے سے زیادہ کا حصہ نہیں گائیں گے۔

یعنی اگر ایک مجاہد دو یا تین گھوڑے ساتھ لے کر گیا تو ایک ہی گھوڑے کا حصہ لگے گا، دو یا تین کا نہیں لگے گا، یہی مذہب اکثر فقہاء کا بھی ہے۔

۲۸۶۳۔ حدثنا عبید بن اسمعیل ، عن ابی اسامہ ، عن عبید اللہ ، عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما : ان رسول اللہ ﷺ جعل الفرس سہمین ولصاحبہ سہما .^{۵۲}
جمہور کا مسلک

جمہور کا مسلک اسی حدیث کے مطابق ہے کہ جو شخص گھوڑے پر سوار ہو کر جہاد میں شریک ہو، اس کو تین حصے ملیں گے، ایک حصہ خود اس کا اپنا اور دو حصے گھوڑے کے۔^{۵۲}

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور بعض اہل کوفہ اس بات کے قائل ہیں کہ ایسے شخص کو دو حصے میں گئے، ایک حصہ خود اس کا اور ایک حصہ گھوڑے کا۔ حدیث باب جمہور کی دلیل ہے۔
حنفیہ کی دلیل حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ہے جو ابن ماجہ اور امام طحاوی رحمہما اللہ نے نقل کی ہے۔^{۵۳}

حدیث باب کے بارے میں حنفیہ فرماتے ہیں کہ گھوڑے کو جو دو سہم دیئے گئے تھے ان میں سے ایک سہم تو گھوڑے کا تھا اور دوسرا حضور اکرم ﷺ کی طرف سے نفل یعنی انعام تھا، اور حضور اکرم ﷺ کو کسی کو زیادہ دینے کا حق حاصل تھا، اس کے تحت آپ نے زیادہ دیا۔ اس طرح دونوں حدیثوں میں تطبیق دی ہے۔

^{۵۲} ولی صحیح مسلم ، کتاب الجہاد السیر ، باب کھینچنے قسمۃ الفنیمة بین الحاضرین ، رقم : ۳۳۰۸ ، وسنن الترمذی ، کتاب السیر عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی سہم الخیل ، رقم : ۱۳۷۵ ، وسنن ابی داؤد ، کتاب الجہاد ، باب فی سہمان الخیل ، رقم : ۲۳۵۷ ، وسنن ابن ماجہ ، کتاب الجہاد ، باب قسمۃ الفنائم ، رقم : ۲۸۳۵ ، ومسند احمد ، مسند المکنزین من الصحابة ، باب مسند عبداللہ بن عمر الخطاب ، رقم : ۳۲۱۶ ، ۳۷۵۷ ، ۵۰۳۳ ، ۵۵ ، ۵۵۶۱ ، ۵۲۶۱ ، وسنن الدارمی ، کتاب السیر ، باب فی سہمان الخیل ، رقم : ۲۳۶۲ .
^{۵۳} عمدۃ القاری ، ج ۱۰ ، ص ۱۸۳ .

^{۵۴} عن ابن عمر ان النبی ﷺ أسهم یوم خیبر للفارس ثلاثة أسهم للفارس سہمان وللرجل سہم ، سنن ابن ماجہ ، کتاب الجہاد ، باب قسمۃ الفنائم ، رقم : ۲۸۳۳ .

(۵۳) باب الركاب والغرز للدابة

”غرز“ بھی رکاب ہی کو کہتے ہیں، لیکن عام طور سے ”غرز“ ٹکڑی کی اور رکاب نو بے کی ہوتی ہے۔

(۵۹) باب ناقة النبي ﷺ ،

۲۸۷۲۔ حدیثنا مالک بن إسفعیل : حدیثنا زہیر ، عن حمید ، عن أنس رضی اللہ عنہ قال :

كان للنبي ﷺ ناقة تسمى العضاء لا تسبق . قال حميد : أو لا تكاد تسبق ، فاجاء اعرابي على قعود فسبقها فشق ذلك على المسلمين حتى عرفه فقال : ((حق على الله أن لا يرتفع شئ من الدنيا إلا وضعه)).

طوله موسى عن حماد ، عن ثابت ، عن أنس عن النبي ﷺ . [راجع : ۲۸۷۱]

آپ ﷺ کی اونٹنی سے کوئی آگے نہیں نکلتا تھا، ہمیشہ وہ سب سے آگے ہی رہتی تھی۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی اونٹنی پر بیٹھ کر آیا اور آگے نکل گیا، مسلمانوں پر اس کا آگے نکلنا ناگوار گزارا ”حعی

عرفہ“ یہاں تک کہ حضور اقدس ﷺ نے پہچان لیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس پر ناگوار رہی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی آگے بڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی وقت نیچے گرا دیتے ہیں تاکہ کوئی

تکبر پیدا نہ ہو۔

(۶۹) باب نزع السهم من البدن

۲۸۸۳۔ حدیثنا محمد بن العلاء : حدیثنا أبو أسامة ، عن بريد بن عبد الله ، عن

أبي بردة عن أبي موسى رضی اللہ عنہ قال : رمى أبو عامر في ركبته فانتحيت إليه فقال : انزع هذا

السهم ، فنزعته فنزأ منه الماء فدخلت على النبي ﷺ فأخبرته . فقال : ((اللهم اغفر لعبيد

أبي عامر)). [أنظر : ۶۳۸۳، ۴۳۲۳]. ۳۳

یعنی جب تیر نکالا تو اس سے پانی نکلنے لگا، جب زخم سے پانی نکلے تو یہ موت کی علامت ہوتی ہے، اس

لئے کہ اس کا مطلب ہے کہ خون پانی میں تبدیل ہو رہا ہے۔ جب حضور اکرم ﷺ کو بتایا تو آپ نے مغفرت کی دعا

کی، فرمایا ”اللهم اغفر لعبيد أبي عامر“.

(۷۰) باب الحراسة والغزوة في سبيل الله

۲۸۸۷۔ وزاد لنا عمرو قال : أخبرنا عبد الرحمن بن عبد الله بن دينار ، عن أبيه ،

۳۳ وفی صحیح مسلم ، کتاب فضائل الصحابة ، باب من فضائل أبي موسى وأبي عامر الأشعريين ، رقم : ۳۵۵۴ ،

ومسند أحمد أول مسند الكوفيين ، باب حديث أبي موسى الأشعري ، رقم : ۱۸۷۶۲ ، ۱۸۷۶۱ .

عن أبي صالح، عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: ((تعس عبد الدينار وعبد الدرهم وعبد الخميصة، إن أعطى رضى وإن لم يعط سخط. تعس وانعكس. وإذا شيك فلا انعقش. طوبى لعبد أخذ بعنان فرسه في مهبل الله اشعث رأسه، مغيرة قدماه، إن كان في الحراسة كان في الحراسة، وإن كان في الساقية كان في الساقية. إن استأذن لم يؤذن له، وإن شفع لم يشفع)). وقال: فتعسا، كأنه يقول: فاتمسهم الله. طوبى: فعلى من كل شيء طيب وهي بياء حولت إلى الواو، وهو يطيب. [راجع: ۲۸۸۶]

”تعس عبد الدينار“۔ ”تعس“ کے معنی ہیں ہلاک ہوا وہ شخص جو دینار اور درہم کا بندہ ہو، ”وعبد الخميصة“ اور اچھی چادروں کا بندہ ہو، ”وإن أهبطى رضى وإن لم يعط سخط“ اگر دیا جائے تو راضی ہو، نہ دیا جائے تو ناراض ہو، مراد یہ ہے کہ ایسا شخص ہلاک ہو، برباد ہو۔
”وإذا شيك فلا انعقش“ اور جب اس کو کاٹنا لگ جائے تو نہ نکالا جائے، مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی بھی ہمدردی نہیں کرتا۔

آگے فرمایا ”طوبى لعبد..... اشعث رأسه مغيرة قدماه“ اس کا سر، اس کے بال پراگندہ، اس کے پاؤں غبار آلود۔ ”إن كان في الحراسة كان في الحراسة“ اگر اس کو چوکیداری میں رکھ دیا جائے تو چوکیداری کرے گا، ”وإن كان في الساقية“ اور اگر اس کو لشکر کے پچھلے حصے میں رکھ دیا جائے تو پچھلے حصے میں رہے گا، ”وإذا استأذن لم يؤذن له“ اور اس کی حالت ایسی ہے کہ اگر کہیں جانے کی اجازت طلب کرے تو لوگ اجازت بھی نہ دیں۔ مطلب یہ ہے کہ معمولی آدمی ہے، اس کا لوگوں کے اندر کوئی خاص وقار نہیں ہے۔
”وإن شفع فلم يشفع“ اور اگر کسی کی سفارش کرے تو سفارش قبول نہ کی جائے۔ ایسے شخص کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ اور حضور اکرم ﷺ نے خوشخبری دی ہے کہ دنیا کے اندر اگرچہ اس کا مقام نہیں ہے، لیکن اللہ ﷻ اس کے ساتھ اچھا معاملہ فرمائیں گے۔

(۷۱) باب الخدمة في الغزو

۲۸۸۸۔ حدثنا محمد بن عروة: حدثنا شعبة، عن يونس بن عبيد، عن ثابت البناني، عن أنس ﷺ قال: صحبت جريو بن عبد الله فكان يخدمني وهو أكبر من أنس. قال جريو: إني رأيت الأنصار يصنعون شئى لا أجد أحداً منهم إلا أكرمته. ۳۶، ۳۵

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا تو وہ میری خدمت کیا کرتے تھے، حالانکہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ عمر میں بڑے تھے، دوسرا یہ کہ وہ اپنے علاقہ میں بنو نجیلہ کے نواب تھے، وہ کہتے تھے میں نے انصار کو ایک ایسا کام کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ جب بھی ان میں سے کسی کو دیکھتا ہوں اس کا اکرام کرتا ہوں۔ وہ کام کیا تھا؟ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کی خدمت تھی، اس کی وجہ سے حضرت جریر رضی اللہ عنہ انصار کی خدمت کرنے کو پسند فرماتے تھے۔

۲۸۹۰۔ حدثنا سليمان بن داؤد أبو الربيع، عن إسماعيل بن زكريا: حدثنا عاصم، عن مروق العجلي، عن أنس رضی اللہ عنہ قال: كنا مع النبي صلی اللہ علیہ وسلم أكفنا ظلًا من يستظل بكسائه، وأما اللذين صاموا فلم يعملوا شيئاً، وأما اللذين أفطروا فبعثوا الركاب وامتحنوا وعالجوا، فقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم: ((ذهب المفطرون اليوم بالأجر)). ۴۸، ۴۹

متعدی عبادت کی فضیلت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس حالت میں تھے کہ "اکفنا ظلًا من يستظل بكسائه" ہم میں سے سب سے زیادہ سایہ اس شخص کو حاصل تھا جو اپنے کبیل سے سایہ لے رہا تھا، مطلب یہ ہے کہ سارے لشکر کے لئے کہیں سایہ کی جگہ نہیں تھی، کوئی درخت بھی نہیں تھا، اتنی گرمی اور دھوپ تھی کہ اگر کسی کے پاس کبیل یا چادر تھی تو وہ اس سے سایہ لے رہا تھا، بس وہ سب سے زیادہ سایہ لینے والا تھا۔

"وأما اللذين صاموا" اس حالت میں جن لوگوں نے روزہ رکھا تو انہوں نے کوئی کام نہیں کیا، یعنی انہوں نے کوئی خدمت کا کام نہیں کیا۔

"وأما اللذين أفطروا" اور جنہوں نے سفر کی حالت میں روزہ افطار کیا ہوا تھا وہ سواریاں اٹھاتے اور معمولی نوعیت کے کام کرتے تھے، جیسے برتن دھونا، کھانا پکانا، صفائی کرنا، کیونکہ جنہوں نے روزہ رکھا ہوا تھا وہ روزہ کے اندر کام کرتے ہوئے کترارہے تھے اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی دیکھ رہے تھے کہ روزہ سے ہیں اس لئے ان کی خدمت کریں اور ان سے زیادہ کام نہ لیں، افطار کرنے والے سارا کام کر رہے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کے دن مفطر سب اجر لے گئے کہ انہوں نے خدمت کی، گویا ان کو صائمین کے مقابلے میں زیادہ اجر ملا، کیونکہ صائمین جو عبادت کر رہے تھے وہ ان کی ذات سے متعلق تھی اور جو حضرات

۴۷ لا يوجد للحديث مكررات.

۴۸ ولی صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب أجر المفطر فی السفر اذا تولى العمل، رقم: ۱۸۸۶، وسنن النسائی، کتاب

الصیام، باب فضل الافطار فی السفر علی الصیام، رقم: ۲۲۳۵

خدمت کر رہے تھے، وہ متعدی عبادت تھی اور لازم عبادت کے مقابلہ میں متعدی عبادت ہمیشہ زیادہ ثواب کا موجب بنتی ہے۔ معلوم ہوا کہ جس عبادت سے کسی دوسرے مسلمان بھائی کا فائدہ ہو اور اس کی خدمت ہو، وہ محض اپنی ذاتی نقلی عبادتوں کے مقابلہ میں افضل ہے۔

(۷۲) باب فضل من حمل متاع صاحبه فی السفر

۲۸۹۱۔ حدثنا إسحاق بن نصر: حدثنا عبد الرزاق، عن معمر، عن همام، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: ((كل سلامى عليه صدقة كل يوم، يعين الرجل في دابته، بحامله عليها أو يرفع عليها متاعه صدقة، و الكلمة الطيبة، و كل خطوة يمشيها إلى الصلاة صدقة، و دل الطريق صدقة)). [راجع: ۲۷۰۷]

یہ سارے اعمال بتا رہے ہیں کہ دوسروں کی خدمت کرنا اور دوسروں کو نفع پہنچانا، اس کو اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی فضیلت عطا فرمائی ہے۔ ”یمن الرجل فی دابته“ آدمی سفر میں ہو تو آدمی ساتھیوں کی خدمت کرے۔

حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ میرے والد ماجد کے استاذ تھے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم سفر میں جا رہے تھے، حضرت بھی ساتھ تھے، حضرت نے فرمایا: بھائی سفر میں کسی کو امیر بنانا چاہیے، کہا ٹھیک ہے، آپ کو ہی امیر بناتے ہیں۔ کہنے لگے: مجھے امیر بناتے ہو تو ہر حکم ماننا ہوگا، کہا: جی حضور، ہر حکم مانیں گے۔ اب پلیٹ فارم پر پہنچے، ریل کے اندر جانا تھا، جب ریل آئی تو سارے ساتھیوں کا سامان جمع کیا، کچھ سر پر رکھا، کچھ ہاتھ میں پکڑ کر ریل پر چڑھنے لگے، اب جتنے شاگرد تھے سب دوڑے کہ یہ کیا کر رہے ہیں؟ حضرت نے فرمایا امیر کا حکم، ناپڑے گا، اس طرح سارے سفر میں امیر کے حکم نے تنگ کر دیا کہ ہر موقع پر سارا کام کرنے کے لئے خود بڑھتے، اگر کوئی اعتراض کرتا تو فرماتے کہ تم نے پہلے وعدہ کیا تھا کہ امیر کا حکم مانیں گے۔

یہ ہیں ہمارے اکابر علماء دیوبند، اتنے اونچے مقام پر ویسے ہی نہیں پہنچ گئے، اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو ایسی اعلیٰ صفات عطا فرمائی تھیں۔

(۷۶) باب من استعان بالضعفاء و الصالحین فی الحرب،

ام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ باب قائم کیا ہے کہ ”باب من استعان بالضعفاء و الصالحین فی الحرب“ کہ جنگ کے اندر ضعیف اور صالحین سے دعا کرانی چاہیے، اس لئے کہ ان کی دعا

زیادہ قبول ہوتی ہے۔

جو آدمی فقر و فاقہ کا شکار ہے، بے وسیلہ ہے، جب وہ اللہ ﷻ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کے رجوع میں زیادہ اثابت و خشیت ہوتی ہے، اور آدمی جتنا دنیا کے اندر گھرتا چلا جاتا ہے، پیسے زیادہ ہوتے چلے جاتے ہیں، اتنا ہی انسان کا دل دنیا میں الجھتا چلا جاتا ہے، اس کی دعاؤں اور عبادتوں میں اتنا اخلاص نہیں ہوتا۔

۲۸۹۶۔ حدثنا سليمان بن حرب : حدثنا محمد بن طلحة ، عن طلحة ، عن

مصعب بن سعد ، قال : رأی سعد ﷺ أن له فضلاً على من دونه . فقال النبي ﷺ : ((هل تنصرون وتوزقون إلا بضعفاً لكم؟)) . ۴۹ : ۵۰

حضرت مصعب ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ کے دل میں خیال آ گیا کہ ”ان لہ فضل علی من دونہ“ کہ ان کو اپنے سے نیچے لوگوں پر فضیلت حاصل ہے۔

یعنی مرتبہ یا علم یا کسی بھی اعتبار سے دل میں فضیلت کا خیال آ گیا، نبی کریم ﷺ کو اندازہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”هل تنصرون وتوزقون الا بضعفاً لكم؟“ کہ اللہ ﷻ کی طرف سے جو تمہاری مدد کی جاتی ہے اور جو رزق دیا جاتا ہے وہ تمہارے ضعفاء کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔ یعنی جو تم میں ضعیف اور کمزور لوگ ہوتے ہیں جن کا بظاہر کوئی مرتبہ نہیں، جن کے پاس پیسے بھی نہیں، وسائل بھی کم ہیں، ان کی طرف اللہ ﷻ کی رحمتیں زیادہ متوجہ ہونے کی وجہ سے تمہیں بھی رزق مل جاتا ہے اور تمہاری بھی نصرت ہو جاتی ہے۔

(۷۷) باب : لا یقال : فلان شہید،

وقال أبو هريرة عن النبي ﷺ : ((اللہ اعلم بمن یجہد فی سبیلہ . واللہ اعلم بمن

یکلم فی سبیلہ)) .

۲۸۹۸۔ حدثنا قتيبة : حدثنا يعقوب بن عبد الرحمن ، عن أبي حازم ، عن سهل

ابن سعد الساعدي ﷺ : أن رسول الله ﷺ العقی هو والمشرکون فاقتتلوا ، فلما مال رسول الله ﷺ إلى عسكره ومال الآخرون إلى عسكرهم ، ولی أصحاب رسول الله ﷺ رجل لا یدع لهم شاذة ولا فاذة إلا اتبعها یضربها بسيفه ، فقالوا : ما أجزأنا اليوم أحد كما أجزأ فلان ، فقال رسول الله ﷺ : ((أما إنه من أهل النار)) ، فقال رجل من القوم : أنا صاحبه .

۴۹ لایوجد للحدیث مکورات.

۵۰۔ ولی سنن النسائی ، کتاب الجہاد ، باب الاستصغار بالضعیف ، رقم : ۳۱۲۷ ، ومسند احمد ، مسند العشرة المبشرین

بالجنة ، باب مسند أبی اسحاق سعد بن أبی وقاص رقم : ۱۴۱۱ .

قال : فخرج معه كلما وقف وقف معه وإذا أسرع أسرع معه ، قال : فخرج الرجل جرحاً شديداً فاستعجل الموت فوضع نصل سيفه في الأرض وذبابه بين ثدييه ، ثم تحامل على سيفه فقتل نفسه . فخرج الرجل إلى رسول الله ﷺ فقال : أشهد أنك رسول الله ، قال : ((وما ذاك؟)) قال : الرجل الذي ذكرت آنفاً أنه من أهل النار فاعظم الناس ذلك فقلت : أنا لكم به ، فخرجت في طلبه ثم جرح جرحاً شديداً ، فاستعجل الموت فوضع نصل سيفه في الأرض وذبابه بين ثدييه ، ثم تحامل عليه فقتل نفسه . فقال رسول الله ﷺ عند ذلك : ((إن الرجل ليعمل عمل أهل الجنة فيما يبدو للناس وهو من أهل النار ، وإن الرجل ليعمل عمل أهل النار فيما يبدو للناس وهو من أهل الجنة)).

[انظر : ۴۲۰۳، ۴۲۰۷، ۶۳۹۳، ۶۶۰۷، ۶۶۰۸]

اعتبار خواتیم کا ہے۔

فرمایا کہ جب قتل کے دوران حضور اکرم ﷺ اپنے لشکر کی طرف آئے اور دوسرے لوگ بھی اپنے لشکر میں چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں ایک ساتھی تھے ”لا يدع لهم شاذة ولا فاذة الا تبعها يضرها بسيفه“ اگر کوئی علیحدہ نظر آتا تو اس کے پیچھے بھاگتے تھے۔

”فقلوا : ما اجزأنا“ لوگوں نے کہا آج جیسا معاملہ انہوں نے کیا ہے ، ایسا ہم میں سے کسی نے نہیں کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”امنا الله من أهل النار“ تمہیں کیا پتہ ، یہ تو دوزخی ہے ، حالانکہ دیکھنے میں بڑی جان فشانی کا کام کر رہے تھے ، تو ایک شخص نے کہا : ”أنا صاحب“ میں ان کے پیچھے لگتا ہوں تاکہ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔

”قال : فخرج معه ، كلما وقف وقف معه وإذا أسرع أسرع معه ، قال : فخرج الرجل جرحاً شديداً فاستعجل الموت فوضع نصل سيفه في الأرض“ سخت زخمی ہو گیا تو زخم کی تکلیف کی وجہ سے جلدی موت چاہی ، چنانچہ اس نے اپنی تلوار زمین پر رکھی ”وذبابه بين ثدييه“ اور ذباب اپنے مہین کے درمیان رکھی ”ثم تحامل على سيفه فقتل نفسه“ اپنی تلوار کے اوپر گر گیا اور خودکشی کر لی۔

اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا : ”ان الرجل ليعمل“ کہ آدمی بظاہر جنت کا عمل کر رہا ہوتا ہے ، لیکن

۱۹ رقی صحیح مسلم ، کتاب الایمان ، باب غلظت تحریم قتل الانسان نفسه وأن من قتل نفسه ، رقم : ۱۶۳ ، ومسند احمد ،

باقی مسند الأنصار ، باب حدیث ابی مالک سہل بن الساعدی ، رقم : ۲۱۷۶۸ ، ۲۱۷۶۹

حقیقت میں اہل النار سے ہوتا ہے، اور اہل نار کا عمل کر رہا ہوتا ہے، حقیقت میں اہل جنت میں سے ہوتا ہے، کیونکہ اعتبار خواتیم کا ہے۔

اب بظاہر خودکشی گناہ کبیرہ ہے، تو اہل نار میں قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اولاً دخول نار ہو گا تا کہ اس عمل کی سزا بھگتے، بعد میں شاید جنت میں چلا جائے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ شخص منافق تھا، دل میں "العیاذ باللہ" ایمان نہیں تھا، ویسے ہی اپنی قومی حمیت میں لڑ رہا تھا، تو جب مر گیا اور خودکشی بھی کی تو آپ ﷺ نے اس کو اہل النار میں سے قرار دیا۔

سوال: جو خودکشی کرے تو کیا وہ خالد بنی النار ہے؟ اور اس کے جنازہ کا کیا حکم ہے؟
جواب: خودکشی بھی دوسرے کبار کی طرح ایک کبیرہ ہے، جو حکم ان کا ہے وہی اس کا بھی ہے، خالد بنی النار کہنا صحیح نہیں ہے اور ایسے شخص کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی، البتہ اگر امام دوسرے کو پڑھانے کو کہہ دے تو اس کی بھی گنجائش ہے تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ یہ برائے عمل ہے۔

خودکشی بم دھماکہ

بعض مرتبہ مجاہدین ایسا کام کرتے ہیں جو بظاہر خودکشی لگتا ہے جیسے بارود باندھ کر دشمن پر کود گئے وغیرہ، آیا اس قسم کے اعمال خودکشی کے ذیل میں آتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اس کا حکم تلاش کرنے کے باوجود مجھے کتب فقہ کے اندر نہیں ملا، البتہ بعض واقعات ایسے ملے ہیں جو اس سے ملتے جلتے ہیں جیسا کہ پیچھے گزرا کہ غزوہ یمامہ میں ایک شخص نے کہا کہ مجھے یقین میں رکھ کر پھینک دو۔ اب بظاہر یقین میں رکھ کر پھینکنے کے بعد زندہ رہنا بہت مشکل ہے، جو خودکشی جیسا عمل ہے لیکن اس کو جائز سمجھا گیا، اسی طرح کوئی شخص تلوار لے کر تن تہا دشمن کی صف میں گھس گیا تو بظاہر بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، لیکن ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے طریقے اختیار کرنا جن میں موت یقینی معلوم ہوتی ہے، لیکن مسلمانوں کے لشکر کو اس کی ضرورت ہے تو وہ خودکشی میں داخل نہیں بلکہ جہاد کا حصہ ہے، "واللہ اعلم" بعض اوقات اس قسم کے معاملات کرنا پڑتے ہیں اور سلف کے بعض کاموں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنے کی گنجائش ہے۔^{۵۲}

البتہ ان مثالوں اور موجودہ خودکش حملوں میں یہ فرق ہے کہ وہاں اصل حملہ دشمن پر ہوتا ہے، اگر چہ گمان غالب ہو کہ دشمن ہمیں مار دے گا، لیکن خودکش حملوں میں اپنی ذات کو ہلاک کر کے اسے دوسروں کی ہلاکت کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، اس لئے بندہ کو ان کے جواز پر شرح صدر نہیں ہے، تاہم جو لوگ کسی فتوے کی بنیاد پر ایسی قربانی دیتے ہیں اور

۵۲ دلائل علی الأخذ بالشدۃ فی استہلاک النفس و غیرہا فی ذات اللہ عزوجل، وبرک الأخذ بالرخصة لمن لدر

اخلاص کے ساتھ دیتے ہیں، ان کے بارے میں اللہ ﷻ سے رحمت کی امید رکھنی چاہئے۔

(۷۸) باب التحریض علی الرمی، وقول اللہ عز وجل :

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ ۵۳

۲۸۹۹۔ حدثنا عبد الله بن مسلمة : حدثنا حاتم بن إسماعيل ، عن يزيد بن أبي عبيد قال : سمعت سلمة بن الأكوع رضي الله عنه قال : مر النبي صلى الله عليه وسلم على نفر من أسلم ينتضلون . فقال النبي صلى الله عليه وسلم : ((رموا بني إسماعيل فإن أباكم كان راميا، ارموا وأنا مع بني فلان)). قال : فأمسك أحد الفريقين بأيديهم ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ((ما لكم لا ترمون؟)) قالوا : كيف نرمى وأنت معهم؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم : ((رموا فانا معكم كلكم)). [أنظر : ۳۳۷۳، ۳۵۰۷] ۵۴

صحابہ کرام رضي الله عنهم جب یہ مشق کر رہے تھے تو آپ صلى الله عليه وسلم نے کسی ایک جماعت سے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

صحابہ کرام رضي الله عنهم نے فرمایا کہ ”کیف نرمى وأنت معهم؟“ آپ ان کے ساتھ چلے گئے تو ہم کیسے رمی کریں گے؟ آپ صلى الله عليه وسلم نے فرمایا کہ ”ارموا فانا معكم كلكم“ میں سب کے ساتھ ہوں۔

(۸۲) باب الحمائل وتعليق السيف بالعنق

اونٹ کی ہڈی سے ایک تانت نکال کر تلوار کے مقبض پر چڑھا دیا جاتا تھا۔ اور عنق، سیدھ، پتیل یا لالہ کا حلیہ ہوتا تھا، سونے چاندی کا حلیہ استعمال نہیں ہوتے تھے۔

(۸۳) باب من علق سيفه بالشجر في السفر عند القائلة

۲۹۱۰۔ حدثنا أبو اليمان : ولم يعاقبه وجلس . [أنظر : ۲۹۱۳، ۳۱۳۳، ۳۱۳۵، ۳۱۳۶] ۵۵

تلوار کو نیام میں کر لیا، دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمان بھی ہو گئے تھے۔

۵۳ [الانفال : ۶۰]

۵۳ وفقی مسند احمد ، اول مسند المدینین اجمعین ، باب حدیث سلمة بن الاكوع ، رقم . ۲۸۸۵ .

۵۵ وفقی صحیح مسلم ، کتاب صلاة المسافرين وقصرها ، باب صلاة الخوف ، رقم . ۱۳۹ ، وکتاب الفضائل ، باب

توكله على الله تعالى وعصمة الله تعالى له من الناس ، رقم . ۴۲۳۱ ، ومسند احمد ، بالفی مسند المكثرين ، باب مسند جابر

بن عبد الله ، رقم : ۱۳۸۱۶ ، ۱۳۴۰۰ ، ۱۳۶۵۷

(۸۶) باب من لم یر کسر السلاح وعقر الدواب عند الموت

یعنی جاہلیت میں یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی مرجاتا تو اس کے ہتھیار توڑ کر ختم کر دیئے جاتے تھے، تو بتایا کہ اسلام میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

(۸۸) باب ما قیل فی الرماح

ویدکر عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال : ((جعل رزقی تحت ظل رمحی، وجعل الذلۃ والصغار علی من خالف امری)).
میرے نیزے کے نیچے اللہ ﷻ نے میرا رزق رکھا ہے، مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو جو فتوحات حاصل ہوئیں تو وہ مال غنیمت وغیرہ کے ذریعہ ہوئیں۔

(۸۹) باب ما قیل فی ذرع النبی ﷺ والقمیص فی الحرب،

وقال النبی ﷺ : ((أما خالد فقد احتبس أذراجه فی سبیل اللہ)).

۲۹۱۵۔ حدیثی محمد بن المنسی: حدثنا عبد الوہاب: حدثنا خالد، عن عکرمۃ، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال النبی ﷺ وهو فی قبة: ((اللہم انی أنشدک عہدک ووعدک، اللہم ان شئت لم تعبد بعد الیوم)). فأخذ أبو بکر بیدہ فقال: حسبک یا رسول اللہ، لقد ألححت علی ربک، وهو فی الدرع فخرج وهو یقول: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذَى وَأَمْرٌ﴾ [القدر: ۳۵، ۳۶].
وقال وہیب: حدثنا خالد: یوم بدر. [انظر: ۳۹۵۳، ۳۸۷۵، ۳۸۷۷] ۵۶

یعنی عبد الوہاب نے بھی اس کو خالد سے روایت کیا ہے۔ خالد سے خالد بن ولید مراد نہیں بلکہ خالد راوی مراد ہیں اور ”قبة“ سے وہ عریض مراد ہے جو حضور اقدس ﷺ کے لئے بدر کے دن بنایا گیا تھا۔

(۹۱) باب الحریر فی الحرب

۲۹۱۹۔ حدثنا أحمد بن المقدم: حدثنا خالد بن الحارث: حدثنا سعید، عن قتادة أن أنسا حدثهم: أن النبی ﷺ رخص لعبد الرحمن بن عوف والزبیر فی قمیص من

حریر من حکة کانت بهما. [أنظر: ۲۹۲۰، ۲۹۲۱، ۲۹۲۲، ۵۸۳۹] ۷

۲۹۲۰۔ حدثنا أبو الوليد: حدثنا همام، عن قتادة، عن أنس.

حدثنا محمد بن سنان: حدثنا همام، عن قتادة، عن أنس: أن عبد الرحمن بن عوف والزبير شكوا إلى النبي ﷺ - يعني القمل - فأرخص لهما في الحرير، فرأيته عليهما في غزاة. [راجع: ۲۹۱۹].

نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما کو حریر کی قمیص پہننے کی اجازت دی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں کئی طریقوں سے روایت نقل کی ہے۔ یہی روایت میں ہے کہ ان کو اس وجہ سے اجازت دی کہ ان کو خارش تھی۔ دوسری روایت میں کہا گیا ہے کہ جو کئی ہو گئی تھیں، اور اسی میں یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کو حالت حرب میں حریر کی قمیص پہنے ہوئے دیکھا۔

حریر کا استعمال

مسلب امام شافعی رحمہ اللہ

ان تمام روایتوں سے امام شافعی رحمہ اللہ نے استدلال فرمایا ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے حریر کا استعمال جائز ہے اور ان کے نزدیک عذر یا تو کوئی بیماری ہے جیسے خارش وغیرہ میں مفید ہوتا ہے یا جنگ کی حالت میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے جائیں تو حریر کا لباس پہن سکتے ہیں، اس لئے کہ حریر سے تلوار اچک جاتی ہے اور یہ تلوار کے راستہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے، اس واسطے اجازت دی۔

مسلب حنفیہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کے لئے کسی بھی حالت میں حریر خالص کی اجازت نہیں ہے اور جب کبھی عذر ہو، جیسے یہ عادت بیان کئے گئے ہیں، تو اس صورت میں حریر مخلوط کی اجازت ہے، البتہ اتنا

۷۔ وفی صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب اباحۃ لبس الحریر للرجل الذی کان بہ حکة او نحوھا، رقم:

۳۸۶۹، وسنن الترمذی، کتاب اللباس عن رسول اللہ باب ماجاء فی الرخصة فی لبس الحریر فی الحرب، رقم: ۱۶۳۳،

وسنن النسائی، کتاب الزینة، باب الرخصة فی لبس الحریر فی الحرب، رقم: ۵۲۱۵، وسنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب

فی لبس الحریر لعدو، رقم: ۳۵۳۴، وسنن ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب من رخص له فی لبس الحریر، رقم: ۳۵۸۲،

ومسند احمد، باقی مسند العکثرین، باب مسند أنس بن مالک، رقم: ۱۱۷۸۳، ۱۱۸۳۰، ۱۳۱۳۸.

فرق ہے کہ عام حالات میں وہ حریر جس کا بانا حریر ہو اور تانا غیر حریر ہو وہ جائز نہیں اور جس کا تانا حریر اور بانا غیر حریر ہو، وہ جائز ہے اور حالت حرب میں یا حالت عذر میں وہ کپڑا بھی استعمال کرنا جائز ہے، جس کا بانا حریر اور تانا غیر حریر ہو۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ان تمام روایات کو اس حریر مخلوط پر محمول فرماتے ہیں جس کا بانا حریر ہو اور مطلق حریر کا اطلاق اس لئے کر دیا جاتا ہے کہ جب بانا حریر ہو تو بانا ہی اوپر رہتا ہے، تانا نیچے رہتا ہے، تو چونکہ دیکھنے میں سارا حریر ہی نظر آئے گا، سارا حریر ہی معلوم ہوگا، اس لئے اس کو حریر کہا گیا۔^{۵۸}

(۹۳) باب ما قبل فی قتال الروم

۲۹۲۳۔ حدیثی إسحاق بن یزید الدمشقی: أول جيش من افعى يهزون مدينة قيصر مغفور لهم))، فقلت: أنا فيهم يا رسول الله؟ قال: ((لا)). [راجع: ۲۷۸۹]

یہ روایت ہے جس کا پیچھے حوالہ دیا تھا "اول جيش يهزون مدينة قيصر" مدینہ قیصر سے قسطنطنیہ مراد ہے، پہلا لشکر یزید کی سربراہی میں تھا۔

(۹۵) باب قتال الترك

۲۹۲۷۔ حدیثنا أبو النعمان: أن تغفلوا قوما هراض الوجوه كان وجوههم المجان المطرقة)). [انظر: ۳۵۹۲]

۲۹۲۸۔ حدیثی سعید بن محمد: كان وجوههم المجان المطرقة. ولا تقوم الساعة حتى تغفلوا قوما نعالهم الشعر)). [انظر: ۲۹۲۹، ۳۵۸۷، ۳۵۹۰، ۳۵۹۱].^{۵۹}

ایسی قوم سے تمہارا مقابلہ ہوگا جو بالوں کے جوتے پہنتے ہو گئے، ان کے چہرے چوڑے ہو گئے جیسے

^{۵۸} تکملة فتح الملهم، ج: ۳، ص: ۱۱۱.

^{۵۹} ولی صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب الناس تبع لقریش والخلایفۃ فی قریش، رقم: ۳۳۹۰، وکتاب فضائل الصحابة، باب خیار الناس، رقم: ۳۵۸۸، وکتاب البر والصلة والآداب، باب ذی الوجہین وتحریم فعلہ، رقم: ۴۷۱۵، وکتاب الفتن وشرائط الساعة، باب لا تقوم الساعة حتى یمر الرجل بقبر الرجل فیتمنی، رقم: ۵۱۸۳، وسنن الترمذی، کتاب البر والصلة عن رسول اللہ، باب ماجاء فی ذی الوجہین، رقم: ۱۹۲۸، وکتاب الفتن عن رسول اللہ، باب ماجاء فی قتال الترك، رقم: ۲۱۳۱، وسنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب فی قتال الترك، رقم: ۳۷۳۹، وکتاب الأدب، باب فی ذی الوجہین، رقم: ۳۲۲۹، وسنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الترك، رقم: ۴۰۸۶، ومسند احمد، بابی مسند المسکوکین، باب مسند ابی ہریرۃ، رقم: ۶۹۶۵، ۷۰۳۹، ۷۱۸۳، ۷۲۲۸، ۷۳۵۱، ۷۷۲۳، ۷۸۹۲، ۸۰۸۳، ۹۹۹۳، وموطأ مالک، کتاب الجامع، باب ماجاء فی اضاعة المال وذی الوجہین، رقم: ۱۵۷۳

ڈھال کی طرح، جو بالکل سپاٹ ہو جاتی ہے، بیگول نسل کے لوگوں کے چہرے ایسے ہی ہوتے ہیں، ان کی تائیں چھوٹی ہوں گی۔

(۹۷) باب من صف اصحابه عند الهزيمة ، ونزل عن دابته واستنصر

۲۹۳۰۔ حدثنا عمرو بن خالد الحراني : وخفاهم حسرا ليس بسلاح

..... ثم صف اصحابه . [راجع : ۲۸۶۴]

”وخفاهم حسرا“۔ ”خف“ بمعنی ”خفف“ کے ہے یعنی جو ہلکے لوگ تھے، جن کے جسم ہلکے تھے اور جن کے پاس ہتھیار نہیں تھے، ”حسرا“ وہ ننگے سر تھے، ننگے سر سے مراد ہے کہ بغیر اسلحہ کے نہتے تھے، وہ جلدی سے بھاگ گئے تھے۔

(۹۸) باب الدعا على المشركين بالهزيمة والزلزلة

۲۹۳۵۔ حدثنا سليمان بن حرب ((فلم تسمعي ما قلت؟ وعليكم)) .

[انظر : ۶۰۲۳، ۶۰۳۰، ۶۲۵۶، ۶۳۹۵، ۶۴۰۱، ۶۹۲۷]

قال: ”لم تسمعي ما قلت؟ وعليكم“ یعنی میں نے صرف ”عليكم“ کہا ہے، اسام ”عليكم“ کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

(۱۰۱) باب دعوة اليهود والنصارى ، وعلى ما يقاتلون عليه،

وما كتب النبي ﷺ إلى كسرى وقيصر ، والدعوة قبل القتال

یہاں مقصود یہ ہے کہ قتال سے پہلے دعوت دینا مسنون ہے۔

قتال سے پہلے دعوت دینا

چنانچہ فقہاء کرام نے اس مسئلہ میں کلام کیا ہے کہ ہر جہاد اور حملے سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے یا نہیں؟ فقہاء کرام کی ایک جماعت کا کہن یہ ہے کہ قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے۔

۱۰۔ وفی صحیح مسلم ، کتاب السلام ، باب النهی عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام وکیف یرد ، رقم : ۴۰۲۷ ،

وسر الترمذی ، کتاب الاستیذان والآداب عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی التسلم علی أهل الذمة ، رقم : ۲۶۲۵ ،

وسر ابن ماجة ، کتاب الأدب ، باب رد السلام علی أهل الذمة ، رقم . ۳۶۸۸ ، ومسند احمد ، بالفی مسند الانصار ،

باب حدیث السیدة عائشة ، رقم : ۲۲۹۶۱ ، ۲۳۷۰۶ ، ۲۳۸۸۰ ، ۲۳۳۵۲ ، ۲۳۷۳۵ ، وسنن الدارمی ، کتاب

الرفاق ، باب فی الرفق رقم : ۲۶۷۳

لیکن جمہور فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ دعوت دینا ضروری نہیں، البتہ مستحب ہے۔ اور بعض فقہاء نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر ان لوگوں کو پہلے دعوت پہنچ چکی ہے تب تو ان کو دعوت ضروری نہیں، لیکن اگر ان لوگوں کو پہلے دعوت نہیں پہنچی تو پھر قتال سے پہلے ان کو دعوت دینا ضروری اور واجب ہے، اس کے بغیر قتال جائز نہیں۔

جمہور فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ اب دنیا کے تمام خطوں میں اسلام کی دعوت عام پہنچ چکی ہے کیونکہ دنیا کا کوئی آدمی اب ایسا نہیں رہا جو نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین سے بحیثیت اجمالی واقف نہ ہو، لہذا اب کسی بھی جگہ جہاد سے پہلے دعوت دینا شرط نہیں البتہ مستحب ہے۔ لہذا دعوت دئے بغیر بھی اگر جہاد کیا جائے گا تو وہ جائز ہوگا، ناجائز نہیں ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو دعوت مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے وہ پہنچ چکی ہے۔ وہ یہ کہ غیر مسلموں کو یہ پتہ لگ جائے کہ حضور اقدس ﷺ اللہ کے رسول تھے اور آپ نے اقوام عالم کو توحید کی دعوت دی اور آپ ﷺ یہ دین اسلام لے کر تشریف لائے تھے۔ اگر اتنی بات بھی اجمالی طور پر پہنچ گئی ہیں تو دعوت کا فریضہ ادا ہو گیا۔ اب ہر ہر فرد کو الگ الگ دعوت دینا یہ کوئی فرض نہیں۔ آج کل یہ تصور مشکل ہے کہ کوئی فرد ایسا ہو جس کو اسلام کے بارے میں اجمالی دعوت نہ پہنچی ہو حتیٰ کہ حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ کے زمانے میں بھی ایسا فرد نہیں تھا۔ اس لئے کہ یہ بات تو سب کو معلوم ہو گئی تھی کہ حضور اقدس ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور آپ ﷺ توحید کی دعوت دیتے ہیں۔ اتنی بات تو سب جانتے تھے اس لئے وہ لوگ مغلذور نہیں سمجھے جائیں گئے۔^{۱۷}

(۱۰۲) باب دعاء النبی ﷺ إلى الإسلام والنبوة، وأن لا يتخذ بعضهم بعضاً أرباباً من دون الله.

وقوله تعالى: ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ﴾ الآية^{۱۸}

۲۹۳۰۔ شکرًا لما ابلاه الله. اس پر شکر ادا کرنے کے لئے اللہ ﷻ نے جو انعام کیا یعنی اس

نے کسرتی کے لشکر کو بھگا دیا، شکست دی۔

۲۹۳۶۔ حدثنا أبو الیمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري: حدثني سعيد بن

المسيب أن أبا هريرة ؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ((أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله، فمن قال: لا إله إلا الله، فقد عصم مني نفسه وماله إلا بحقه، وحسابه على

[آل عمران، ۷۹]

اللہ))۔ رواہ عمر وابن عمر عن النبی ﷺ۔ ۳۳، ۳۴

یہ جزیرہ عرب کے لوگوں سے متعلق ہے کہ اس وقت تک قال کرتا رہوں گا جب تک کہ وہ "لا الہ الا اللہ" نہ کہیں۔ جزیرہ عرب میں صرف اسلام یا سیف ہے، جزیرہ نہیں ہے۔ یہ حکم اس اصول پر ہے کہ اللہ ﷻ نے جزیرہ عرب کو مسلمانوں کا ہنقر بنایا ہے۔ یہ مسلمانوں کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ اس لئے اب اس میں کسی غیر مسلم کو مستقل سکونت اختیار کرنے کی اجازت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جزیرہ عرب میں کافروں سے جزیرہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تو صرف دو چیزیں ہیں: اسلام یا توار۔ البتہ اگر بارضی صورت پر تجارت یا ملازمت کے ارادے سے یہاں رہیں تو اس کی گنجائش ہے۔

(۱۰۹) باب : یقاتل من وراء الإمام ویتقی بہ

۲۹۵۶۔ حدثنا أبو الیمان : أخبر شعيب قال . حدثنا أبو الزناد أن الأعرج حدثه أنه سمع أبا هريرة ؓ أنه سمع رسول الله ﷺ يقول : ((نحن الآخرون السابقون)). [راجع: ۲۳۸]

۲۹۵۷۔ وبهذا الإسناد: ((من أطاعني فقد أطاع الله ومن عصاني فقد عصى الله. ومن يطع الأمير فقد أطاعني، ومن يعص الأمير فقد عصاني. وإنما الإمام جنة يقاتل من وراءه ویتقی بہ. فإن أمر بتقوى الله وعدل فإن له بذلك أجرا. وإن قال بغيره فإن عليه منه)). [أنظر: ۷۱۳۷] ۱۵

۳۳ لا يوجد للحديث مكررات

۳۴ وفي صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الامر بقتال الناس حتى يقولوا لا اله الا الله محمد رسول الله، رقم: ۳۰، وسنن الترمذی، كتاب الايمان عن رسول الله، باب ماجاء أمرت أن اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله محمد رسول الله، رقم: ۲۵۳۱، وسنن النسائی، كتاب الجهاد، باب وجوب الجهاد، رقم: ۳۰۳۹، وسنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب على ما يقاتل المشركون، رقم: ۲۲۷۰، وسنن ابن ماجه، كتاب المقدمة، باب في الايمان، رقم: ۷۰، وكتاب الفتن، باب الكف عن من قال الاله الا الله، رقم: ۳۹۱۷، ومسند احمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب مسند أبي بكر الصديق،

رقم: ۶۳، وبأبي مسند المكثرين، باب بأبي المسند السابق، رقم: ۸۵۵۰، ۹۱۰۹، ۱۰۱۱۳، ۱۰۳۲۰

۳۵ وفي صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب وجوب طاعة الامراء في غير معصية وتحريمها في المعصية، رقم: ۳۳۱۷، وسنن النسائی، كتاب البيعة، باب الترغيب في طاعة الامام، رقم: ۲۳، ۲، وكتاب الاستعاذة من فتنه الصحيا، رقم: ۵۳۱۵، وسنن ابن ماجه، كتاب المقدمة، باب التابع سنة رسول الله، رقم: ۳، وكتاب الجهاد، باب طاعة الامام، رقم: ۲۸۵۰، ومسند احمد، بأبي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۷۰۳۲، ۷۱۲۵، ۷۲۳۵، ۸۱۳۹، ۸۳۷۳، ۸۶۵۳، ۹۰۱۶، ۹۶۵۵، ۹۷۰۸، ۹۷۲۶، ۱۰۳۵۹.

یعنی ہم آخری زمانہ میں آئے ہیں ”نحن الآخرون السابقون“، لیکن یہ امت فضیلت کے اعتبار سے دوسری امتوں پر سبقت لے جائے گی۔

اور فرمایا ”العا الإمام جنة“ امام ایک ڈھال ہے، جس کے پیچھے سے لوگ قتال کرتے ہیں اور اس سے بچاؤ حاصل کرتے ہیں، یعنی امام مسلمانوں کے لئے ایک ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے، جس طرح آدمی ڈھال کے ذریعہ کفار کے حملوں سے بچتا ہے، اسی طرح امام کے ذریعہ بچتا ہے۔ تو امام کی بڑی قدر و منزلت ہے اور اس کی اطاعت واجب ہے۔

(۱۱۰) باب البيعة في الحرب على أن لا يفروا

وقال بعضهم : على الموت ؛ لقوله تعالى : ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ الْمُؤْمِنِينَ.....﴾

الآية ۱۶

۲۹۵۸۔ حدثنا موسى بن إسماعيل : حدثنا جويرية ، عن نافع قال : قال ابن عمر رضي الله عنهما : رجعنا من العام المقبل لما اجتمع منا اثنان على الشجرة التي بايعنا تحتها كانت رحمة من الله . فسالنا ناعما : على أي شيء بايعهم ، على الموت ؟ قال : لا ، بايعهم على الصبر . ۲۸، ۲۷

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حدیبیہ سے اگلے سال جب ہم دوبارہ عمرہ تفتاء کے لئے آئے تو ہم میں سے دو آدمی بھی اس درخت کے نیچے جمع نہیں ہوئے جس کے نیچے آپ ﷺ نے پچھلے سال بیعت لی تھی۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے جو بیعت لی تھی وہ کون سا درخت تھا؟ اس کے بارے میں دو آدمیوں کی رائے بھی متفق نہیں ہوئی کہ کوئی کہہ رہا تھا یہ ہے، متفق علیہ طور پر کسی درخت کی بیعت نہیں ہوئی۔

”كانت رحمة من الله“ ہمیں اس درخت کا پتہ نہ چل سکا، یہ بھی اللہ ﷻ کی طرف سے ایک رحمت تھی، اس واسطے کہ اگر لوگوں کو پتہ چلتا تو لوگ وہاں پر کفر و شرک کے کام کرتے، تو اللہ ﷻ نے ہم سے اس کا علم ہٹا لیا۔

اس کے دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شجرہ اللہ ﷻ کی طرف سے رحمت تھا، اس واسطے ہم اس کو تلاش کر رہے تھے، لیکن اس کی بیعت پر ہماری اتفاق رائے نہ ہو سکی۔

۱۲ [الفتح. ۱۸]

۱۷ لا يوجد للحديث مكررات

۱۸ وألفرد به البخاری.

اس سے پتہ چلا کہ روایت میں جو آتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم ؓ نے شجرہ رضوان کو کٹوا دیا تھا، درحقیقت اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں کو اصل شجرہ کا پتہ نہیں تھا کہ کون سا شجرہ ہے، لیکن ویسے ہی کسی نے کہہ دیا کہ یہ رضوان کا شجرہ ہے، لوگ اس کو دیکھتے اور اس سے تبرک حاصل کرتے تھے، حضرت فاروق اعظم ؓ نے اس کو کٹوا دیا۔ اس لئے اس سے یہ استدلال کرنا کہ تبرک پانارالصالحاء ناجائز اور حرام ہے، یہ استدلال درست نہیں ہے۔ ۲۹

۲۹۵۹۔ حدثنا موسى : حدثنا وهيب : حدثنا عمرو بن يحيى ، عن عباد بن سميم ، عن عبد الله بن زيد ؓ قال : لما كان زمن الحرة آتاه آت فقال له : إن ابن حنظلة يبائع الناس على الموت . فقال : لا أبايع على هذا أحدا بعد رسول الله ﷺ . [أنظر : ۳۱۶]

عبداللہ بن زید ؓ فرماتے ہیں کہ جب حرہ کا وقت آیا، یعنی وہ جس میں مدینہ منورہ سے یزید کے خد ف لشکر تیار کیا گیا تھا ان کے پاس ایک آنے والا آیا اور آ کر کہا کہ عبداللہ بن حنظلہ لوگوں سے موت پر بیعت لے رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نبی کریم ﷺ کے بعد کسی کے ہاتھ پر موت پر بیعت نہیں کروں گا۔

اس سے پتہ چلا کہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر کبھی موت پر بیعت لی گئی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ مرجائیں گے یا فتح یاب ہوں گے اور یہ بھی ہوا کہ صبر پر بیعت لی گئی کہ ہم بھاگیں گے نہیں۔ پیچھے روایت میں آیا ہے کہ صبر پر بیعت لی گئی، حدیبیہ کے موقع پر موت پر بیعت نہیں لی گئی۔ تو یہ مختلف حالات پر محمول ہے کبھی آپ ﷺ نے موت پر بیعت لی، کبھی صبر پر بیعت لی۔

(۱۱۱) باب عزم الإمام على الناس فيما يطيقون

۲۹۶۳۔ حدثنا عثمان بن أبي شيبة : حدثنا جرير ، عن منصور ، عن أبي وائل قال : قال عبد الله ؓ : لقد أتاني اليوم رجل فبألتني عن أمر ما دريت ما أرد عليه ، فقال : أرايت رجلا مؤذيا نشيطا يخرج مع أمرائنا في المغازي ، فيعزم علينا في أشياء لا نحصيها؟ فقلت له : والله ما أدرى ما أقول لك إلا أنا كنا مع النبي ﷺ فعمسى أن لا يعزم علينا في أمر إلا مرة حتى نفعله ، وإن أحدكم لن يزال بخير ما اتقى الله . وإذا شك في نفسه شيء ، سأل رجلا فشفاه منه وأوشك أن لا تجدوه ، والذي لا إله إلا هو ما أذكر ما غير من الدنيا إلا كالثغب شرب صفوه وبقى كدره .

ابووائل روایت کرتے ہیں کہ ہم سے ابن مسعود ؓ نے ایک مرتبہ کہا ”لقد أتاني اليوم رجل“ آج

میرے پاس ایک شخص آیا تھا، اس نے ایک ایسے معاملہ میں مجھ سے سوال کیا کہ مجھے پتہ نہیں چلا، میں کیا جواب دوں۔ اس نے یہ سوال کیا کہ ایک شخص ”مؤدی“ ہے ”مؤدی“ کے معنی ہیں قوی، صاحب سلاح، مسلح آدمی، ”نشیطاً“ یعنی پھر تیز ہے۔ ”یخرج مع امرائنا“ امراء کے ساتھ جہاد میں نکلتا ہے، تو ہمارے اوپر قسم دے کر وہ لازم کرتا ہے جو ہمارے بس سے باہر ہوتا ہے، یعنی امیر ہمیں پختہ طریقہ سے حکم دیتا ہے کہ یہ کرنا ہی ہوگا، اور وہ چیزیں ایسی ہیں کہ ہم اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ بعض نے ”لا نحصبھا“ کے معنی یہ بتائے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں ہوتا اور ہم ان کے حکم سے ناواقف ہوتے ہیں کہ معلوم نہیں یہ حکم طاعت ہے یا معصیت ہے، تو ہم کیا کریں؟ یہ سوال کیا۔

”قلت له: واللہ ما ادری ما اقول لک“ میں نے کہا: کہ مجھے نہیں معلوم کہ میں اس کا کیا

جواب دوں۔

ایک طرف تو یہ ہے کہ ایسی بات کا حکم دیتا ہے جو ہماری قدرت سے باہر ہے ”لا یكلف اللہ نفساً الا وسعها“ دوسری طرف امیر کی اطاعت کا بھی حکم ہے، باہوں کہیں کہ ایک طرف یہ پتہ نہیں کہ وہ معصیت ہے یا طاعت ہے، اور دوسری طرف امیر کی اطاعت کا حکم ہے، تو میں کیا جواب دوں؟ مگر میں اپنی حالت بتاتا ہوں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہوتے تھے، آپ ﷺ نے ہمیں کبھی غزم کر کے حکم نہیں دیا، مگر ایک مرتبہ۔

”وان احدکم“ جب تک تمہارے اندر تقویٰ ہو تو تم خیر میں رہو گے۔ ”واذا شک فی نفسه“ اور جب دل میں شک پیدا ہو جائے کہ یہ چیز جائز ہے یا ناجائز ہے، تو پھر کسی سے پوچھ لو وہ تمہیں بتادے۔

مطلب یہ ہے کہ تم جو کہہ رہے ہو کہ امام ایسی بات کا کہہ رہے ہیں، جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ حلال ہے یا حرام ہے، تو ایسی صورت میں کسی جاننے والے سے پوچھ کر تشفی حاصل کریں، پتہ چل جائے گا کہ حلال ہے یا حرام ہے، اس کے مطابق عمل کر لیں۔

”واوشک ان لا تجدوه“ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ زمانہ قریب ہے جب تم وہ آدمی نہیں پاؤ گے جس سے سوال کیا جاسکے کہ حلال ہے یا حرام ہے، کیونکہ رفتہ رفتہ علم اٹھ جائے گا۔

”والذی لا الہ الا هو“ قسم اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ”ما اذکرو“ جو کچھ دنیا گزر گئی ہے میں اس کو یاد نہیں کرتا، مگر ایسا سمجھتا ہوں جیسے کوئی تالاب ہو، ”شوب“ جس کا بہترین اور صاف پانی پی لیا گیا اور گدلا پانی رہ گیا۔

مطلب یہ ہے کہ اچھے اچھے لوگ دنیا سے اٹھ گئے ہیں، یہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے وفات پا چکے تھے، یعنی فتنوں کا دور بھی شروع نہیں ہوا تھا، اس وقت کی بات کر رہے ہیں، کہ گویا صاف چونا گیا اور کدھر باقی رہ گیا، تو اب کیا ہے؟

(۱۱۳) باب استئذان الرجل الإمام

لقوله: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ﴾ إلى آخر الآية ۷۰

۲۹۶۷۔ حدثنا إسحاق بن إبراهيم:.....إني عروس لانرى به بأسا .

[راجع: ۴۴۳].

یارسول اللہ (ﷺ) ”انسی عروس“ کہا میری نئی نئی شادی ہوئی ہے، بس جلدی جانا چاہت ہوں، اس میں یہ ہے کہ جب کوئی جائے تو میرے اجازت لے کر جائے۔

(۱۱۴) باب من غزا وهو عهد بعرسه،

”فيه جابر عن النبي ﷺ“

یہ پہلا باب قائم کیا ہے کہ جس کی نئی نئی شادی ہو اور وہ جہاد پر جائے تو کہتے ہیں کہ جائز ہے، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی اور وہ جہاد پر چلے گئے تھے۔ آگے دوسرا باب قائم کیا ہے۔

(۱۱۵) باب من اختار الغزو بعد البناء،

”فيه أبو هريرة عن النبي ﷺ“

جس نے بناء کے بعد جہاد کو پسند کیا، یعنی ایک شخص کا نکاح ہو چکا ہے، اور ابھی رخصتی نہیں ہوئی، اس نے بناء نہیں کی تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ پہلے بناء کر لے پھر جہاد میں جائے، بناء سے پہلے جہاد میں نہ جائے۔ اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، جو آگے دوسری جگہ نکالی ہے، لیکن یہاں محض اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک نبی نے جہاد کیا اور بظاہر وہ حضرت یوشع علیہ السلام تھے تو فرمایا کہ ہمارے ساتھ کوئی ایسا شخص نہ آئے جس نے نکاح کیا ہو اور ابھی اس کی رخصتی نہ ہوئی ہو۔ اے

معلوم ہوا کہ افضل یہی ہے کہ پہلے بناء کر لے جیسے نماز کے لئے یہ ہوتا ہے کہ پہلے کھانا کھالے تاکہ ذہن کھانے کی طرف نہ لگا رہے، اور آدمی اطمینان سے نماز پڑھ لے، ایسے ہی اگر جہاد میں جانا ہے تو پہلے ایک مرتبہ بناء کر لے پھر جائے، تاکہ اس کا ذہن اس طرف مشغول نہ رہے۔

۷۰ [النور: ۶۲]

(۱۱۸) باب الخروج فی الفزع وحده

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”وان وجدناہ لبحرًا“ والی حدیث کئی جگہ پر نکالی ہے اور ہر جگہ نیا ترجمہ الباب قائم کیا ہے، اور دوبارہ حدیث نہیں لائے، وہ چاہتے تھے کہ ہر جگہ مختلف سندوں سے حدیث لاتے رہیں، لیکن ساری سندیں ختم ہو گئیں تو پھر ترجمہ الباب قائم کر دیا اور حدیث نہیں لائے۔

(۱۱۹) باب الجعائل والحملان فی السبیل

”وقال مجاهد : قلت لابن عمر : الفزو ، قال : انی احب ان اھینک بطائفة من مالى ، قلت : اوسع اللہ علی ، قال : ان غناک لک ، وانی احب ان یکون من مالى فی هذا الوجه . وقال عمر : ان ناسا یاخذون من هذا المال لیجاهدوا ثم لا یجاهدون ، لمن فعل فنحن احق بماله حتى نأخذ منه ما أخذ . وقال طائز ومجاهد : اذا دفع إليك شیء فخرج به فی سبیل اللہ فأصعب به ماشئت وضعه عند اهلك“.

حدیث باب کی تشریح

یہاں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کوئی شخص جہاد میں شامل ہونا چاہتا ہے اور اپنے ساتھ کسی کو کرایہ پر رکھتا ہے تاکہ اس سے جہاد کا کام کرائے، مثلاً ایک شخص کا جہاد میں شامل ہونے کا دل بھی چاہتا ہے، فضیلت بھی حاصل کرنا چاہتا ہے اور مشقت سے بھی گھبراتا ہے تو ایک آدمی کو اس نے ساتھ رکھ لیا کہ بھائی میں تمہیں تنخواہ دوں گا تم میرے ساتھ رہنا اور جب قلعہ پر چڑھنے کا وقت آیا تو اس کو کہا کہ میری جگہ تو چڑھ جا، اس کو ”جعیل“ کہتے ہیں جو ”جعیل“ سے نکلا ہے، ”جعیل“ اس مزدوری کو کہتے ہیں جو اس کو دی جائے، اور ”جعیل“ مزدور کو کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جہاد کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے اور مشقت بھی زیادہ نہ اٹھانی پڑے، اس کو ”جعیل“ کہتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

”والحملان فی السبیل“۔ ”حملان“ کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص خود جہاد نہیں کرنا چاہتا، وہ اپنا گھوڑا کسی کو دیدیتا ہے کہ کم از کم اس طرح میں حصہ لے لوں، اب اگر وہ ایسے ہی ہبنا دیدیتا ہے یا عاریضہ تو ٹھیک ہے اور اگر پیسے لے کر دیتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جہاں تک پہلی بات یعنی ”جعیل“ رکھنا تو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ جب جہاد فرض عین نہیں ہے بلکہ فرض کفایہ ہے، اگر ہمت اور طاقت ہے تو کرو، اگر نہیں کر سکتے تو مزدور کے ذریعہ کام

کرانے کی کوئی ضرورت نہیں، تو اس صورت کو مکروہ کہا گیا ہے۔ حمان کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اگر اپنی طرف سے کسی مجاہد کو عاریۃ سواری دیدیں تو یہ جائز اور باعث فضیلت ہے، لیکن اگر اس کے اوپر پیسے وصول کرے تو مجاہد سے پیسے وصول کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے، البتہ اگر کوئی کر لے تو جائز ہے، اجارہ ہے، حرام نہیں ہے۔

ایک اختلافی مسئلہ

اگر کسی شخص نے کسی مجاہد کو کوئی سواری وغیرہ دی اور کہا کہ اس سے جہاد کرو۔

سوال یہ ہے کہ آیا یہ سواری صرف جہاد میں استعمال کرنے کے لئے ہوگی یا وہ اس کا مالک بن گیا کہ جہاں چاہے استعمال کرے، اس میں کلام ہوا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ دے دیا تو مالک بن گیا، اب مالک بننے کے بعد چاہے جہاد کرے یا ذاتی استعمال میں لائے۔

اس پر استدلال کیا فاروق اعظم ؓ کے اس واقعہ سے کہ انہوں نے عرض کیا میں نے ایک گھوڑا اللہ ﷻ کے راستہ میں کسی مجاہد کو دے دیا تھا، بعد میں دیکھا کہ وہ بازار میں بک رہا ہے۔ تو انہوں نے خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو اس سے استدلال یہ کر رہے ہیں کہ اگر تملیک نہیں ہوتی تو بازار میں بیچنا جائز نہ ہوتا۔ تو اس بیچ کو فاروق اعظم ؓ اور حضور انور ﷺ نے بھی نہ فذقر اردیا، معلوم یہ ہو کہ مجاہد کو جب کوئی چیز دی جاتی ہے تو وہ محض جہاد میں استعمال کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ تملیک ہوتی ہے، وہ جہاں چاہے مصرف میں لائے۔

حنفیہ کے نزدیک اس کے دو مداران الفاظ پر ہیں جو دیتے وقت استعمال کیے گئے۔ اگر دیتے وقت نیت اور الفاظ عاریت کے تھے اور جہاد ہی میں استعمال کرنے کے لئے دئے گئے تھے تو اس کے لئے صرف جہاد ہی میں استعمال کرنا جائز ہوگا، کسی اور مصرف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا۔

اور اگر دیتے وقت ایسے الفاظ استعمال کئے یا جس ماحول میں دئے گئے اس سے بہہ یا صدقہ سمجھ میں آ رہا ہے تو اس صورت میں وہ اس کا مالک ہوگا اور جہاں چاہے استعمال کر سکے گا۔ اس لئے اس پر کوئی قاعدہ کلیہ نہیں بتایا جا سکتا بلکہ حالات پر منحصر ہے۔

”وقال مجاهد: قلت لابن عمر“ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عمر سے کہا کہ آپ میرے ساتھ جہاد پر چلے۔ انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے مال سے کچھ تمہاری مدد کروں یعنی خود جہاد میں نہیں جا سکتا لیکن جہاد میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ تو حضرت مجاہد نے کہا کہ اللہ ﷻ نے مجھے بہت وسعت دی ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ تمہارا غنا تمہارے ساتھ ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرے مال کا بھی کچھ حصہ لگ جائے۔ تو یہاں پر عبد اللہ بن عمر نے مجاہد کو پیسے دینے کو فضیلت کا سبب قرار دیا ہے۔

”وقال عمر: إن ناسا ياخذون“ حضرت فاروق اعظم ؓ نے کہا کہ بعض لوگ ہم سے جہاد کے لئے مال لیتے ہیں اور پھر جہاد نہیں کرتے۔ تو جو ایسا کریں گے ہم اس کے لئے مواخذہ کا حق دار ہوں گے، یہاں تک کہ ان سے لے لیں۔ یہ اس صورت میں ہے جب پیسے جہاد ہی کے لئے دیئے گئے ہوں، پھر دوسرے کام کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

”وقال طاؤس ومجاهد: إذا دفع إليك“ طاؤس اور مجاہد نے کہا کہ جب تمہیں کوئی چیز اس غرض کے لئے دی گئی ہو کہ اس کو لے کر اللہ ﷻ کے راستہ میں نکلو تو وہ تمہاری ہوگی، تو تم جو چاہو کرو اور چاہو تو اپنے گھر میں رکھو۔

یہ اس صورت میں ہے جب کوئی چیز تمہاری دی گئی ہو۔ لیکن جب کوئی جہاد کے لئے پیسے دے تو اس کو جہاد ہی میں صرف کرنا ضروری ہے اور اگر کوئی جہاد کے سبب سے پیسے دے کہ تم مجاہد ہو، جہاد کر رہے ہو۔ اس سبب سے میں تمہیں ہدیہ دیتا ہوں تو اس صورت میں وہ تمہاری ہوگی، پھر وہ جہاد چاہے استعمال کرے، لہذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، دونوں باتیں اپنے اپنے حالات پر محمول ہیں۔

(۱۲۰) باب الأجير

”وقال الحسن وابن سيرين: يقسم للأجير من المغنم. وأخذ عطية بن قيس فرسا على النصف فبلغ سهم الفرس أربعمائة دينار فأخذ ما تعين وأعطى صاحبه ما تعين“۔
یہ اجیر کے بارے میں باب قائم کیا ہے کہ جہاد میں جو اجیر ہے اس کو مال غنیمت میں حصہ ملے گا یا نہیں؟

اجیر کی اقسام

ایک ”اجیر“ وہ ہے جس کو کوئی مجاہد اپنے ساتھ اپنی یا دوسرے لوگوں کی خدمت کے لئے لے گیا، اس اجیر کا مقصد قتال پر اجرت دینا نہیں ہے، بلکہ دوسروں کی خدمت پر اجرت دینا ہے۔ ایسے اجیر کو مال غنیمت سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

اختلاف فقہاء

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کہ اس کو حصہ نہیں ملے گا۔ امام اوزاعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ دوسرے فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کو حصہ ملے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر قتال میں حصہ لیا تو ملے گا، ورنہ نہیں ملے گا۔ اور حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

اجیر کی دوسری قسم

دوسرا اجیر وہ ہے جس کو قتل ہی کے لئے اجرت پر رکھا گیا کہ تم لڑو، تمہیں پیسے ملیں گے۔ اس کے بارے میں اختلاف ہے۔

اختلاف فقہاء

جمہور کا قول

جمہور کا کہنا یہ ہے کہ اس کو مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ اس کو حصہ نہیں ملے گا، کیونکہ اس کا لڑنا بھی دوسری ملامتوں کی طرح ایک ملازمت ہے۔ اور اس کی دلیل مصنف عبدالرزاق میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے ایک صاحب کو جہاد کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا کہ میرے اہل و عیال ہیں، حضرت عبدالرحمنؓ نے انہیں تین دینار اجرت کے طور پر دیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہذہ الثلاثة دنانیر حظہ ونصبہ من غزوتہ فی امر دنیاہ و آخرتہ" ۲

ایک اثر روایت کیا کہ عطیہ بن قیس نے ایک گھوڑا لیا کہ میں اس کو جہاد میں استعمال کروں گا اور اس کے حصہ میں جو کچھ مال غنیمت آئے گا، وہ ہمارے درمیان تقسیم ہوگا۔

"فبلغ سهم الفرس" تو فرس کا حصہ چار سو دینار تک پہنچا، جس میں سے دوسوا انہوں نے خود رکھے اور دوسوا صاحب فرس کو دئے۔

حنفیہ کا قول

حنفیہ کے ہاں یہ معاملہ درست نہیں کہ کسی سے کہا جائے تم مجھے گھوڑا دیدو، میں جہاد میں لے جاؤں گا اور جو مال غنیمت آئے گا وہ آدھا آدھا تقسیم کریں گے۔ یہ اجارہ بھی نہیں ہے اور مضاربت بھی نہیں ہے۔

اگر اجارہ ہوتا تو اس میں اجرت متعین ہونی چاہئے تھی اور یہاں پتہ نہیں کہ اجرت ملے گی یا نہیں ملے گی اور اگر مضاربت ہوتی تو مضاربت میں تجارت ہونی چاہئے، یہاں اس میں تجارت بھی نہیں ہے۔ البتہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کو مضاربت کے مسئلہ پر تخریج کیا جاسکتا ہے۔ ۳

سوال: مجاہدین کو اگر تنظیم کی طرف سے جہاد کی اجرت ملتی ہے تو کیا ان کو مال غنیمت میں حصہ ملے گا یا نہیں؟

جواب: اجرت کسی کی طرف سے بھی ہو۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان کے لئے مال غنیمت میں حصہ نہیں ہے۔

۲۔ مصنف عبدالرزاق، حدیث ۹۳۵۷

۳۔ عمدۃ القاری، ج: ۱۰، ص: ۲۹۰

(۱۲۹) باب کراہیۃ السفر بالمصاحف إلى أرض العدو،

”و كذلك یروی عن محمد بن بشر، عن عبید اللہ، عن نافع، عن ابن عمر عن النبی ﷺ - وتابعه ابن إسحاق، عن نافع، عن ابن عمر عن النبی ﷺ . وقد سافر النبی ﷺ وأصحابه فی أرض العدو وهم یعلمون القرآن“.

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ دشمن کی سرزمین میں سفر کیا جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ارضِ عدو میں قرآن کریم کالے جانا منع نہیں ہے، لیکن مصاحف کے لے جانے میں اس وقت کراہت ہے، جیسا کہ آگے حدیث میں آ رہا ہے جب وہ مصاحف کفر کے ہاتھ لگیں گے اور وہ اس کی بے حرمتی کریں گے اور جہاں یہ اندیشہ نہ ہو وہاں پر لے جانا جائز ہے۔

(۱۳۳) باب التکبیر إذا علا شرفا

۲۹۹۳- حدثنا محمد بن بشار: حدثنا ابن أبي عدي، عن شعبة، عن حصين، عن سالم، عن جابر ﷺ قال: كنا إذا صلعنا كبرنا، وإذا تصوُّبنا سبَّحنا. [راجع: ۲۹۹۳].

۲۹۹۵- حدثنا عبد الله قال: حدثني عبد العزيز بن أبي سلمة، عن صالح بن كيسان، عن سالم بن عبد الله، عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما قال: ((كان النبی ﷺ إذا قفل من الحج أو العمرة، ولا أعلمه إلا قال: الغزو، يقول: كلما أوفى على ثنية أو فدفد كبر ثلاثاً ثم قال: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيء قدير. آيئون ثابتون عابدون ساجدون لربنا حاملون، صدق الله وعده، ونصر عبده، وهزم الأحزاب وحده.)) قال صالح: فقلت له: ألم يقل عبد الله: إن شاء الله؟ قال: لا. [راجع: ۱۷۹۷]

بعض حضرات کا خیال ہے کہ ”آیئون ثابتون“ کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا چاہئے، انہوں نے پوچھا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان شاء اللہ کہا تھا؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ معلوم ہوا کہ روایت بغیر ان شاء اللہ کے ہے۔

سوال: نفس جہاد تو قطعی الثبوت ہے، لیکن آج کل دنیا کے مختلف خطوں مثلاً کشمیر، بوسینیا اور افغانستان وغیرہ میں جو جہاد ہو رہا ہے وہ بھی قطعی الثبوت ہے یا مجتہد فیہ ہے؟

جواب: نفس جہاد تو فرض ہے، اس کا انکار جائز نہیں، لیکن اگر کسی خاص جگہ کوئی جہاد ہو رہا ہے تو اس میں آراء مختلف ہو سکتی ہیں کہ کوئی شخص اس کو جہاد سمجھے اور کوئی نہ سمجھے، اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔

(۱۳۵) باب السیر وحده

۲۹۹۷۔ حدثنا الحمیدی: حدثنا سفیان: حدثني محمد بن المنكدر قال: سمعت جابر بن عبد الله رضي الله عنهما يقول: ندب النبي ﷺ الناس يوم الخندق، فانتدب الزبير. ثم نددبهم فانتدب الزبير. ثم نددبهم فانتدب الزبير، قال النبي ﷺ: ((إن لكل نبي حواری و حواری الزبير)). قال سفیان: الحواری الناصر. [راجع: ۲۸۳۶]

۲۹۹۸۔ حدثنا أبو الوليد: حدثنا عاصم بن محمد قال: حدثني أبي، عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي ﷺ. ح.

حدثنا أبو نعیم: حدثنا عاصم بن محمد بن زيد بن عبد الله بن عمر، عن أبيه، عن ابن عمر عن النبي ﷺ قال: ((لو يعلم الناس ما في الوحدة ما أعلم ما سار راكب ليل وحده)). ۷۲، ۷۵

حدیث کا مطلب

اگر لوگوں کو تنہا سفر کرنے کے نقصانات اور اس کے بارے میں وہ باتیں معلوم ہوں جو مجھے معلوم ہیں تو کوئی سوار تنہا سفر نہ کرے اور پہلی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے دشمن کی خبر لانے کے لئے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو تنہا روانہ فرمایا۔

دونوں حدیثیں ایک ہی باب میں روایت کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ بعض حالات میں تنہا جانا جائز ہے اور بعض حالات میں جائز نہیں ہے۔ جہاں دشمن کے حالات معلوم کرنے کی ضرورت ہو اور ساتھ خودکشی جیسا اندیشہ نہ ہو تو پھر جائز ہے اور جہاں حاجت نہ ہو یا ہلاکت کا سخت اندیشہ ہو تو پھر ایسی صورت میں تنہا جانا جائز نہیں ہے۔ ۷۶

۷۳ لا يوجد للحدیث مکورات.

۷۵ وسنن الترمذی، کتاب الجہاد عن رسول الله، باب ماجاء فی کراهیة ان یسافر الرجل وحده، رقم ۱۵۹۶، وسنن ابن ماجة، کتاب الأدب، باب کراهیة الوحدة، رقم: ۳۷۵۸، ومسند احمد، مسند المکثرین من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر الخطاب، رقم: ۳۵۱۸، ۵۰۰۱، ۵۳۲۳، ۵۳۹۲، ۵۶۳۰، ۵۷۴۲، ومسند الدارمی، کتاب الاستئذان، باب ان الواحد فی السفر شیطان، رقم: ۲۵۶۳.

۷۶ عمدة القاری، ج. ۱۰، ص ۳۱۲

(۱۳۸) باب الجہاد یاذن الأبویں

۳۰۰۳ - حدثنا آدم: حدثنا شعبة: حدثنا حبيب بن أبي ثابت قال: سمعت أبا العباس الشاعر و كان لا يتهم في حديثه قال: سمعت عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہما يقول: جاء رجل إلى النبي ﷺ يستأذنه في الجهاد فقال: ((أحى والداك؟)) قال: نعم، قال: ((ففيهما فجاهد)). [المنظر: ۵۹۷۲]. ۷۷

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب قائم کیا کہ جہاد کے لئے والدین کی اجازت ضروری ہے۔

جہاد و حصول علم کے لئے والدین کی اجازت

یہی حکم تعلیم کا بھی ہے کہ جتنا علم حاصل کرنا ضروری، واجب اور فرض عین ہے، اس میں تو والدین کی اجازت ضروری نہیں ہے، لیکن اس سے زیادہ علم کے حصول کے لئے والدین کی اجازت ضروری ہے، والدین کی اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں ہے۔

أصولی بات

ہر وہ کام جو فرض کفایہ ہے اس کے لئے والدین کی اجازت ضروری ہے اور جو فرض عین ہے اس کے لئے والدین کی اجازت ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ جب جہاد نفیر عام ہو جائے تو پھر اس میں والدین کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے اور جہاں نفیر عام نہیں ہے بلکہ فرض کفایہ ہے، وہاں پر والدین کی اجازت ضروری ہے، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ”لفیہما فجاہد“۔

میں بار بار کہتا رہتا ہوں کہ شریعت کے احکام ہر موقع پر موقع کی مناسبت سے ہوتے ہیں، کسی شخص کے والد یا والدین بیمار ہیں اور ان کو خدمت کی ضرورت ہے، تو ایسی صورت میں ان کو چھوڑ کر جانا چاہے، جہاد کے لئے ہو، چاہے دعوت و تبلیغ کے لئے ہو یا تعلیم کے لئے ہو، سب نا جائز ہے، کیونکہ ان کو خدمت کی ضرورت ہے، اس لئے کہ اس وقت تقاضیہ ہے کہ ان کی خدمت کی جائے۔ بہت سے والدین اجازت دے دیتے ہیں اور اگر

۷۷ و فی صحیح مسلم، کتاب البر و الصلۃ و الآداب، باب بر الوالدین ولہما أحق بہ، رقم ۴۶۲۳، و سنن الترمذی، کتاب الجہاد عن رسول اللہ، باب ما جاء فیمن حرج فی الغزو و ترک أبویہ، رقم ۱۵۹۳، و سنن النسائی، کتاب الجہاد، باب الرخصة فی التخلف عن له و الدان، رقم ۳۰۵۲، و سنن أبی داؤد، کتاب الجہاد، باب الرجل یغزو وله أبوان، رقم ۲۷۷۲، و مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابة، باب مسند عبد اللہ بن عم، و بن العاص، رقم ۶۴۷۳، ۶۵۲۰، ۶۵۳۹، ۶۵۶۲، ۶۵۷۳، ۶۵۷۵، ۶۶۳۹، ۶۶۵۷، ۶۶۷۳، ۶۶۷۵، ۶۶۷۷، ۶۶۷۸، ۶۶۷۹، ۶۶۸۰، ۶۶۸۱، ۶۶۸۲، ۶۶۸۳، ۶۶۸۴، ۶۶۸۵، ۶۶۸۶، ۶۶۸۷، ۶۶۸۸، ۶۶۸۹، ۶۶۹۰، ۶۶۹۱، ۶۶۹۲، ۶۶۹۳، ۶۶۹۴، ۶۶۹۵، ۶۶۹۶، ۶۶۹۷، ۶۶۹۸، ۶۶۹۹، ۶۷۰۰، ۶۷۰۱، ۶۷۰۲، ۶۷۰۳، ۶۷۰۴، ۶۷۰۵، ۶۷۰۶، ۶۷۰۷، ۶۷۰۸، ۶۷۰۹، ۶۷۱۰، ۶۷۱۱، ۶۷۱۲، ۶۷۱۳، ۶۷۱۴، ۶۷۱۵، ۶۷۱۶، ۶۷۱۷، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۰، ۶۷۲۱، ۶۷۲۲، ۶۷۲۳، ۶۷۲۴، ۶۷۲۵، ۶۷۲۶، ۶۷۲۷، ۶۷۲۸، ۶۷۲۹، ۶۷۳۰، ۶۷۳۱، ۶۷۳۲، ۶۷۳۳، ۶۷۳۴، ۶۷۳۵، ۶۷۳۶، ۶۷۳۷، ۶۷۳۸، ۶۷۳۹، ۶۷۴۰، ۶۷۴۱، ۶۷۴۲، ۶۷۴۳، ۶۷۴۴، ۶۷۴۵، ۶۷۴۶، ۶۷۴۷، ۶۷۴۸، ۶۷۴۹، ۶۷۵۰، ۶۷۵۱، ۶۷۵۲، ۶۷۵۳، ۶۷۵۴، ۶۷۵۵، ۶۷۵۶، ۶۷۵۷، ۶۷۵۸، ۶۷۵۹، ۶۷۶۰، ۶۷۶۱، ۶۷۶۲، ۶۷۶۳، ۶۷۶۴، ۶۷۶۵، ۶۷۶۶، ۶۷۶۷، ۶۷۶۸، ۶۷۶۹، ۶۷۷۰، ۶۷۷۱، ۶۷۷۲، ۶۷۷۳، ۶۷۷۴، ۶۷۷۵، ۶۷۷۶، ۶۷۷۷، ۶۷۷۸، ۶۷۷۹، ۶۷۸۰، ۶۷۸۱، ۶۷۸۲، ۶۷۸۳، ۶۷۸۴، ۶۷۸۵، ۶۷۸۶، ۶۷۸۷، ۶۷۸۸، ۶۷۸۹، ۶۷۹۰، ۶۷۹۱، ۶۷۹۲، ۶۷۹۳، ۶۷۹۴، ۶۷۹۵، ۶۷۹۶، ۶۷۹۷، ۶۷۹۸، ۶۷۹۹، ۶۸۰۰، ۶۸۰۱، ۶۸۰۲، ۶۸۰۳، ۶۸۰۴، ۶۸۰۵، ۶۸۰۶، ۶۸۰۷، ۶۸۰۸، ۶۸۰۹، ۶۸۱۰، ۶۸۱۱، ۶۸۱۲، ۶۸۱۳، ۶۸۱۴، ۶۸۱۵، ۶۸۱۶، ۶۸۱۷، ۶۸۱۸، ۶۸۱۹، ۶۸۲۰، ۶۸۲۱، ۶۸۲۲، ۶۸۲۳، ۶۸۲۴، ۶۸۲۵، ۶۸۲۶، ۶۸۲۷، ۶۸۲۸، ۶۸۲۹، ۶۸۳۰، ۶۸۳۱، ۶۸۳۲، ۶۸۳۳، ۶۸۳۴، ۶۸۳۵، ۶۸۳۶، ۶۸۳۷، ۶۸۳۸، ۶۸۳۹، ۶۸۴۰، ۶۸۴۱، ۶۸۴۲، ۶۸۴۳، ۶۸۴۴، ۶۸۴۵، ۶۸۴۶، ۶۸۴۷، ۶۸۴۸، ۶۸۴۹، ۶۸۵۰، ۶۸۵۱، ۶۸۵۲، ۶۸۵۳، ۶۸۵۴، ۶۸۵۵، ۶۸۵۶، ۶۸۵۷، ۶۸۵۸، ۶۸۵۹، ۶۸۶۰، ۶۸۶۱، ۶۸۶۲، ۶۸۶۳، ۶۸۶۴، ۶۸۶۵، ۶۸۶۶، ۶۸۶۷، ۶۸۶۸، ۶۸۶۹، ۶۸۷۰، ۶۸۷۱، ۶۸۷۲، ۶۸۷۳، ۶۸۷۴، ۶۸۷۵، ۶۸۷۶، ۶۸۷۷، ۶۸۷۸، ۶۸۷۹، ۶۸۸۰، ۶۸۸۱، ۶۸۸۲، ۶۸۸۳، ۶۸۸۴، ۶۸۸۵، ۶۸۸۶، ۶۸۸۷، ۶۸۸۸، ۶۸۸۹، ۶۸۹۰، ۶۸۹۱، ۶۸۹۲، ۶۸۹۳، ۶۸۹۴، ۶۸۹۵، ۶۸۹۶، ۶۸۹۷، ۶۸۹۸، ۶۸۹۹، ۶۹۰۰، ۶۹۰۱، ۶۹۰۲، ۶۹۰۳، ۶۹۰۴، ۶۹۰۵، ۶۹۰۶، ۶۹۰۷، ۶۹۰۸، ۶۹۰۹، ۶۹۱۰، ۶۹۱۱، ۶۹۱۲، ۶۹۱۳، ۶۹۱۴، ۶۹۱۵، ۶۹۱۶، ۶۹۱۷، ۶۹۱۸، ۶۹۱۹، ۶۹۲۰، ۶۹۲۱، ۶۹۲۲، ۶۹۲۳، ۶۹۲۴، ۶۹۲۵، ۶۹۲۶، ۶۹۲۷، ۶۹۲۸، ۶۹۲۹، ۶۹۳۰، ۶۹۳۱، ۶۹۳۲، ۶۹۳۳، ۶۹۳۴، ۶۹۳۵، ۶۹۳۶، ۶۹۳۷، ۶۹۳۸، ۶۹۳۹، ۶۹۴۰، ۶۹۴۱، ۶۹۴۲، ۶۹۴۳، ۶۹۴۴، ۶۹۴۵، ۶۹۴۶، ۶۹۴۷، ۶۹۴۸، ۶۹۴۹، ۶۹۵۰، ۶۹۵۱، ۶۹۵۲، ۶۹۵۳، ۶۹۵۴، ۶۹۵۵، ۶۹۵۶، ۶۹۵۷، ۶۹۵۸، ۶۹۵۹، ۶۹۶۰، ۶۹۶۱، ۶۹۶۲، ۶۹۶۳، ۶۹۶۴، ۶۹۶۵، ۶۹۶۶، ۶۹۶۷، ۶۹۶۸، ۶۹۶۹، ۶۹۷۰، ۶۹۷۱، ۶۹۷۲، ۶۹۷۳، ۶۹۷۴، ۶۹۷۵، ۶۹۷۶، ۶۹۷۷، ۶۹۷۸، ۶۹۷۹، ۶۹۸۰، ۶۹۸۱، ۶۹۸۲، ۶۹۸۳، ۶۹۸۴، ۶۹۸۵، ۶۹۸۶، ۶۹۸۷، ۶۹۸۸، ۶۹۸۹، ۶۹۹۰، ۶۹۹۱، ۶۹۹۲، ۶۹۹۳، ۶۹۹۴، ۶۹۹۵، ۶۹۹۶، ۶۹۹۷، ۶۹۹۸، ۶۹۹۹، ۷۰۰۰، ۷۰۰۱، ۷۰۰۲، ۷۰۰۳، ۷۰۰۴، ۷۰۰۵، ۷۰۰۶، ۷۰۰۷، ۷۰۰۸، ۷۰۰۹، ۷۰۱۰، ۷۰۱۱، ۷۰۱۲، ۷۰۱۳، ۷۰۱۴، ۷۰۱۵، ۷۰۱۶، ۷۰۱۷، ۷۰۱۸، ۷۰۱۹، ۷۰۲۰، ۷۰۲۱، ۷۰۲۲، ۷۰۲۳، ۷۰۲۴، ۷۰۲۵، ۷۰۲۶، ۷۰۲۷، ۷۰۲۸، ۷۰۲۹، ۷۰۳۰، ۷۰۳۱، ۷۰۳۲، ۷۰۳۳، ۷۰۳۴، ۷۰۳۵، ۷۰۳۶، ۷۰۳۷، ۷۰۳۸، ۷۰۳۹، ۷۰۴۰، ۷۰۴۱، ۷۰۴۲، ۷۰۴۳، ۷۰۴۴، ۷۰۴۵، ۷۰۴۶، ۷۰۴۷، ۷۰۴۸، ۷۰۴۹، ۷۰۵۰، ۷۰۵۱، ۷۰۵۲، ۷۰۵۳، ۷۰۵۴، ۷۰۵۵، ۷۰۵۶، ۷۰۵۷، ۷۰۵۸، ۷۰۵۹، ۷۰۶۰، ۷۰۶۱، ۷۰۶۲، ۷۰۶۳، ۷۰۶۴، ۷۰۶۵، ۷۰۶۶، ۷۰۶۷، ۷۰۶۸، ۷۰۶۹، ۷۰۷۰، ۷۰۷۱، ۷۰۷۲، ۷۰۷۳، ۷۰۷۴، ۷۰۷۵، ۷۰۷۶، ۷۰۷۷، ۷۰۷۸، ۷۰۷۹، ۷۰۸۰، ۷۰۸۱، ۷۰۸۲، ۷۰۸۳، ۷۰۸۴، ۷۰۸۵، ۷۰۸۶، ۷۰۸۷، ۷۰۸۸، ۷۰۸۹، ۷۰۹۰، ۷۰۹۱، ۷۰۹۲، ۷۰۹۳، ۷۰۹۴، ۷۰۹۵، ۷۰۹۶، ۷۰۹۷، ۷۰۹۸، ۷۰۹۹، ۷۱۰۰، ۷۱۰۱، ۷۱۰۲، ۷۱۰۳، ۷۱۰۴، ۷۱۰۵، ۷۱۰۶، ۷۱۰۷، ۷۱۰۸، ۷۱۰۹، ۷۱۱۰، ۷۱۱۱، ۷۱۱۲، ۷۱۱۳، ۷۱۱۴، ۷۱۱۵، ۷۱۱۶، ۷۱۱۷، ۷۱۱۸، ۷۱۱۹، ۷۱۲۰، ۷۱۲۱، ۷۱۲۲، ۷۱۲۳، ۷۱۲۴، ۷۱۲۵، ۷۱۲۶، ۷۱۲۷، ۷۱۲۸، ۷۱۲۹، ۷۱۳۰، ۷۱۳۱، ۷۱۳۲، ۷۱۳۳، ۷۱۳۴، ۷۱۳۵، ۷۱۳۶، ۷۱۳۷، ۷۱۳۸، ۷۱۳۹، ۷۱۴۰، ۷۱۴۱، ۷۱۴۲، ۷۱۴۳، ۷۱۴۴، ۷۱۴۵، ۷۱۴۶، ۷۱۴۷، ۷۱۴۸، ۷۱۴۹، ۷۱۵۰، ۷۱۵۱، ۷۱۵۲، ۷۱۵۳، ۷۱۵۴، ۷۱۵۵، ۷۱۵۶، ۷۱۵۷، ۷۱۵۸، ۷۱۵۹، ۷۱۶۰، ۷۱۶۱، ۷۱۶۲، ۷۱۶۳، ۷۱۶۴، ۷۱۶۵، ۷۱۶۶، ۷۱۶۷، ۷۱۶۸، ۷۱۶۹، ۷۱۷۰، ۷۱۷۱، ۷۱۷۲، ۷۱۷۳، ۷۱۷۴، ۷۱۷۵، ۷۱۷۶، ۷۱۷۷، ۷۱۷۸، ۷۱۷۹، ۷۱۸۰، ۷۱۸۱، ۷۱۸۲، ۷۱۸۳، ۷۱۸۴، ۷۱۸۵، ۷۱۸۶، ۷۱۸۷، ۷۱۸۸، ۷۱۸۹، ۷۱۹۰، ۷۱۹۱، ۷۱۹۲، ۷۱۹۳، ۷۱۹۴، ۷۱۹۵، ۷۱۹۶، ۷۱۹۷، ۷۱۹۸، ۷۱۹۹، ۷۲۰۰، ۷۲۰۱، ۷۲۰۲، ۷۲۰۳، ۷۲۰۴، ۷۲۰۵، ۷۲۰۶، ۷۲۰۷، ۷۲۰۸، ۷۲۰۹، ۷۲۱۰، ۷۲۱۱، ۷۲۱۲، ۷۲۱۳، ۷۲۱۴، ۷۲۱۵، ۷۲۱۶، ۷۲۱۷، ۷۲۱۸، ۷۲۱۹، ۷۲۲۰، ۷۲۲۱، ۷۲۲۲، ۷۲۲۳، ۷۲۲۴، ۷۲۲۵، ۷۲۲۶، ۷۲۲۷، ۷۲۲۸، ۷۲۲۹، ۷۲۳۰، ۷۲۳۱، ۷۲۳۲، ۷۲۳۳، ۷۲۳۴، ۷۲۳۵، ۷۲۳۶، ۷۲۳۷، ۷۲۳۸، ۷۲۳۹، ۷۲۴۰، ۷۲۴۱، ۷۲۴۲، ۷۲۴۳، ۷۲۴۴، ۷۲۴۵، ۷۲۴۶، ۷۲۴۷، ۷۲۴۸، ۷۲۴۹، ۷۲۵۰، ۷۲۵۱، ۷۲۵۲، ۷۲۵۳، ۷۲۵۴، ۷۲۵۵، ۷۲۵۶، ۷۲۵۷، ۷۲۵۸، ۷۲۵۹، ۷۲۶۰، ۷۲۶۱، ۷۲۶۲، ۷۲۶۳، ۷۲۶۴، ۷۲۶۵، ۷۲۶۶، ۷۲۶۷، ۷۲۶۸، ۷۲۶۹، ۷۲۷۰، ۷۲۷۱، ۷۲۷۲، ۷۲۷۳، ۷۲۷۴، ۷۲۷۵، ۷۲۷۶، ۷۲۷۷، ۷۲۷۸، ۷۲۷۹، ۷۲۸۰، ۷۲۸۱، ۷۲۸۲، ۷۲۸۳، ۷۲۸۴، ۷۲۸۵، ۷۲۸۶، ۷۲۸۷، ۷۲۸۸، ۷۲۸۹، ۷۲۹۰، ۷۲۹۱، ۷۲۹۲، ۷۲۹۳، ۷۲۹۴، ۷۲۹۵، ۷۲۹۶، ۷۲۹۷، ۷۲۹۸، ۷۲۹۹، ۷۳۰۰، ۷۳۰۱، ۷۳۰۲، ۷۳۰۳، ۷۳۰۴، ۷۳۰۵، ۷۳۰۶، ۷۳۰۷، ۷۳۰۸، ۷۳۰۹، ۷۳۱۰، ۷۳۱۱، ۷۳۱۲، ۷۳۱۳، ۷۳۱۴، ۷۳۱۵، ۷۳۱۶، ۷۳۱۷، ۷۳۱۸، ۷۳۱۹، ۷۳۲۰، ۷۳۲۱، ۷۳۲۲، ۷۳۲۳، ۷۳۲۴، ۷۳۲۵، ۷۳۲۶، ۷۳۲۷، ۷۳۲۸، ۷۳۲۹، ۷۳۳۰، ۷۳۳۱، ۷۳۳۲، ۷۳۳۳، ۷۳۳۴، ۷۳۳۵، ۷۳۳۶، ۷۳۳۷، ۷۳۳۸، ۷۳۳۹، ۷۳۴۰، ۷۳۴۱، ۷۳۴۲، ۷۳۴۳، ۷۳۴۴، ۷۳۴۵، ۷۳۴۶، ۷۳۴۷، ۷۳۴۸، ۷۳۴۹، ۷۳۵۰، ۷۳۵۱، ۷۳۵۲، ۷۳۵۳، ۷۳۵۴، ۷۳۵۵، ۷۳۵۶، ۷۳۵۷، ۷۳۵۸، ۷۳۵۹، ۷۳۶۰، ۷۳۶۱، ۷۳۶۲، ۷۳۶۳، ۷۳۶۴، ۷۳۶۵، ۷۳۶۶، ۷۳۶۷، ۷۳۶۸، ۷۳۶۹، ۷۳۷۰، ۷۳۷۱، ۷۳۷۲، ۷۳۷۳، ۷۳۷۴، ۷۳۷۵، ۷۳۷۶، ۷۳۷۷، ۷۳۷۸، ۷۳۷۹، ۷۳۸۰، ۷۳۸۱، ۷۳۸۲، ۷۳۸۳، ۷۳۸۴، ۷۳۸۵، ۷۳۸۶، ۷۳۸۷، ۷۳۸۸، ۷۳۸۹، ۷۳۹۰، ۷۳۹۱، ۷۳۹۲، ۷۳۹۳، ۷۳۹۴، ۷۳۹۵، ۷۳۹۶، ۷۳۹۷، ۷۳۹۸، ۷۳۹۹، ۷۴۰۰، ۷۴۰۱، ۷۴۰۲، ۷۴۰۳، ۷۴۰۴، ۷۴۰۵، ۷۴۰۶، ۷۴۰۷، ۷۴۰۸، ۷۴۰۹، ۷۴۱۰، ۷۴۱۱، ۷۴۱۲، ۷۴۱۳، ۷۴۱۴، ۷۴۱۵، ۷۴۱۶، ۷۴۱۷، ۷۴۱۸، ۷۴۱۹، ۷۴۲۰، ۷۴۲۱، ۷۴۲۲، ۷۴۲۳، ۷۴۲۴، ۷۴۲۵، ۷۴۲۶، ۷۴۲۷، ۷۴۲۸، ۷۴۲۹، ۷۴۳۰، ۷۴۳۱، ۷۴۳۲، ۷۴۳۳، ۷۴۳۴، ۷۴۳۵، ۷۴۳۶، ۷۴۳۷، ۷۴۳۸، ۷۴۳۹، ۷۴۴۰، ۷۴۴۱، ۷۴۴۲، ۷۴۴۳، ۷۴۴۴، ۷۴۴۵، ۷۴۴۶، ۷۴۴۷، ۷۴۴۸، ۷۴۴۹، ۷۴۵۰، ۷۴۵۱، ۷۴۵۲، ۷۴۵۳، ۷۴۵۴، ۷۴۵۵، ۷۴۵۶، ۷۴۵۷، ۷۴۵۸، ۷۴۵۹، ۷۴۶۰، ۷۴۶۱، ۷۴۶۲، ۷۴۶۳، ۷۴۶۴، ۷۴۶۵، ۷۴۶۶، ۷۴۶۷، ۷۴۶۸، ۷۴۶۹، ۷۴۷۰، ۷۴۷۱، ۷۴۷۲، ۷۴۷۳، ۷۴۷۴، ۷۴۷۵، ۷۴۷۶، ۷۴۷۷، ۷۴۷۸، ۷۴۷۹، ۷۴۸۰، ۷۴۸۱، ۷۴۸۲، ۷۴۸۳، ۷۴۸۴، ۷۴۸۵، ۷۴۸۶، ۷۴۸۷، ۷۴۸۸، ۷۴۸۹، ۷۴۹۰، ۷۴۹۱، ۷۴۹۲، ۷۴۹۳، ۷۴۹۴، ۷۴۹۵، ۷۴۹۶، ۷۴۹۷، ۷۴۹۸، ۷۴۹۹، ۷۵۰۰، ۷۵۰۱، ۷۵۰۲، ۷۵۰۳، ۷۵۰۴، ۷۵۰۵، ۷۵۰۶، ۷۵۰۷، ۷۵۰۸، ۷۵۰۹، ۷۵۱۰، ۷۵۱۱، ۷۵۱۲، ۷۵۱۳، ۷۵۱۴، ۷۵۱۵، ۷۵۱۶، ۷۵۱۷، ۷۵۱۸، ۷۵۱۹، ۷۵۲۰، ۷۵۲۱، ۷۵۲۲، ۷۵۲۳، ۷۵۲۴، ۷۵۲۵، ۷۵۲۶، ۷۵۲۷، ۷۵۲۸، ۷۵۲۹، ۷۵۳۰، ۷۵۳۱، ۷۵۳۲، ۷۵۳۳، ۷۵۳۴، ۷۵۳۵، ۷۵۳۶، ۷۵۳۷، ۷۵۳۸، ۷۵۳۹، ۷۵۴۰، ۷۵۴۱، ۷۵۴۲، ۷۵۴۳، ۷۵۴۴، ۷۵۴۵، ۷۵۴۶، ۷۵۴۷، ۷۵۴۸، ۷۵۴۹، ۷۵۵۰، ۷۵۵۱، ۷۵۵۲، ۷۵۵۳، ۷۵۵۴، ۷۵۵۵، ۷۵۵۶، ۷۵۵۷، ۷۵۵۸، ۷۵۵۹، ۷۵۶۰، ۷۵۶۱، ۷۵۶۲، ۷۵۶۳، ۷۵۶۴، ۷۵۶۵، ۷۵۶۶، ۷۵۶۷، ۷۵۶۸، ۷۵۶۹، ۷۵۷۰، ۷۵۷۱، ۷۵۷۲، ۷۵۷۳، ۷۵۷۴، ۷۵۷۵، ۷۵۷۶، ۷۵۷۷، ۷۵۷۸، ۷۵۷۹، ۷۵۸۰، ۷۵۸۱، ۷۵۸۲، ۷۵۸۳، ۷۵۸۴، ۷۵۸۵، ۷۵۸۶، ۷۵۸۷، ۷۵۸۸، ۷۵۸۹، ۷۵۹۰، ۷۵۹۱، ۷۵۹۲، ۷۵۹۳، ۷۵۹۴، ۷۵۹۵، ۷۵۹۶، ۷۵۹۷، ۷۵۹۸، ۷۵۹۹، ۷۶۰۰، ۷۶۰۱، ۷۶۰۲، ۷۶۰۳، ۷۶۰۴، ۷۶۰۵، ۷۶۰۶، ۷۶۰۷، ۷۶۰۸، ۷۶۰۹، ۷۶۱۰، ۷۶۱۱، ۷۶۱۲، ۷۶۱۳، ۷۶۱۴، ۷۶۱۵، ۷۶۱۶، ۷۶۱۷، ۷۶۱۸، ۷۶۱۹، ۷۶۲۰، ۷۶۲۱، ۷۶۲۲، ۷۶۲۳، ۷۶۲۴، ۷۶۲۵، ۷۶۲۶، ۷۶۲۷، ۷۶۲۸، ۷۶۲۹، ۷۶۳۰، ۷۶۳۱، ۷۶۳۲، ۷۶۳۳، ۷۶۳۴، ۷۶۳۵، ۷۶۳۶، ۷۶۳۷، ۷۶۳۸، ۷۶۳۹، ۷۶۴۰، ۷۶۴۱، ۷۶۴۲، ۷۶۴۳، ۷۶۴۴، ۷۶۴۵، ۷۶۴۶، ۷۶۴۷، ۷۶۴۸، ۷۶۴۹، ۷۶۵۰، ۷۶۵۱، ۷۶۵۲، ۷۶۵۳، ۷۶۵۴، ۷۶۵۵، ۷۶۵۶، ۷۶۵۷، ۷۶۵۸، ۷۶۵۹، ۷۶۶۰، ۷۶۶۱، ۷۶۶۲، ۷۶۶۳، ۷۶۶۴، ۷۶۶۵، ۷۶۶۶، ۷۶۶۷، ۷۶۶۸، ۷۶۶۹، ۷۶۷۰، ۷۶۷۱، ۷۶۷۲، ۷۶۷۳، ۷۶۷۴، ۷۶۷۵، ۷۶۷۶، ۷۶۷۷، ۷۶۷۸، ۷۶۷۹، ۷۶۸۰، ۷۶۸۱، ۷۶۸۲، ۷۶۸۳، ۷۶۸۴، ۷۶۸۵، ۷۶۸۶، ۷۶۸۷، ۷۶۸۸، ۷۶۸۹، ۷۶۹۰، ۷۶۹۱، ۷۶۹۲، ۷۶۹۳، ۷۶۹۴، ۷۶۹۵، ۷۶۹۶، ۷۶۹۷، ۷۶۹۸، ۷۶۹۹، ۷۷۰۰، ۷۷۰۱، ۷۷۰۲، ۷۷۰۳، ۷۷۰۴، ۷۷۰۵، ۷۷۰۶، ۷۷۰۷، ۷۷۰۸، ۷۷۰۹، ۷۷۱۰، ۷۷۱۱، ۷۷۱۲، ۷۷۱۳، ۷۷۱۴، ۷۷۱۵، ۷۷۱۶، ۷۷۱۷، ۷۷۱۸، ۷۷۱۹، ۷۷۲۰، ۷۷۲۱، ۷۷۲۲، ۷۷۲۳، ۷۷۲۴، ۷۷۲۵، ۷۷۲۶، ۷۷۲۷، ۷۷۲۸، ۷۷۲۹، ۷۷۳۰، ۷۷۳۱، ۷۷۳۲، ۷۷۳۳، ۷۷۳۴، ۷۷۳۵، ۷۷۳۶، ۷۷۳۷، ۷۷۳۸، ۷۷۳۹، ۷۷۴۰، ۷۷۴۱، ۷۷۴۲، ۷۷۴۳، ۷۷۴۴، ۷۷۴۵، ۷۷۴۶، ۷۷۴۷، ۷۷۴۸، ۷۷۴۹، ۷۷۵۰، ۷۷۵۱، ۷۷۵۲، ۷۷۵۳، ۷۷۵۴، ۷۷۵۵، ۷۷۵۶، ۷۷۵۷، ۷۷۵۸، ۷۷۵۹، ۷۷۶۰، ۷۷۶۱، ۷۷۶۲، ۷۷۶۳، ۷۷۶۴، ۷۷۶۵، ۷۷۶۶، ۷۷۶۷، ۷۷۶۸، ۷۷۶۹، ۷۷۷۰، ۷۷۷۱، ۷۷۷۲، ۷۷۷۳، ۷۷۷۴، ۷۷۷۵، ۷۷۷۶، ۷۷۷۷، ۷۷۷۸، ۷۷۷۹، ۷۷۸۰، ۷۷۸۱، ۷۷۸۲، ۷۷۸۳، ۷۷۸۴، ۷۷۸۵، ۷۷۸

اجازت نہ دیں تو انہیں کے لئے جانا جائز نہیں ہے اور اگر اس اجازت نہ دینے کے نتیجے میں جہاد بالکل ہی متروک ہو جائے، تو پھر وہ فرض عین ہو جائے گا اور سب گناہ گار ہوں گے، اس کا حکم الگ ہے۔ لیکن جہاں کچھ لوگ چاہے ہوں تو فرض کفایہ چونکہ ۱۰۱ ہورہا ہے اس لئے اس صورت میں والدین کی اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں ہے اور اگر فرض عین ہو جائے تو پھر بغیر اجازت کے بھی جانا جائز ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ والدین کی خدمت سے رخصت ہونے کے لئے کوشش کریں اور حکمت حربی کے لئے جو بھی مناسب اقدامات ہوں وہ کریں، لیکن قتل کی مباشرت فرض عین نہیں آتی جی جاسکتی۔

(۱۳۹) باب ما قیل فی الجرس ونحوہ فی أعناق الإبل

۳۰۰۵۔ حدثنا عبد اللہ بن یوسف: أخبرنا مالک، عن عبد اللہ بن ابی بکر، عن عباد بن تمیم: أن ابا بشیر الأنصاری ۛ أخبره: أنه كان مع رسول اللہ ۛ فی بعض أسفاره، قال عبد اللہ: حسبته أنه قال: والناس فی مہیتہم، فأرسل رسول اللہ ۛ رسولا: ((لا تبغین فی رقبة بعیدة فلاذة من وتر۔ أو فلاذة۔ لا قطعتم)). ۛ ۛ ۛ

قلاذہ کی ممانعت کی وجہ

آپ نے یہ حکم دیا کہ کسی اونٹ کی نرہ میں وتر کا قلاذہ نہ چھوڑا جائے، ہر ایک کو کاٹ دیا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جنس لوگوں نے وتر سے اندر تنوید وغیرہ لٹکائے ہوئے تھے، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں تمنا نم ہوا کرتے تھے، جس میں شرک کا اندیشہ ہوتا تھا۔

بعض لوگوں نے اس کی وجہ بیان کی ہے کہ وہ تانت جب نردن میں بندھی ہوتی تھی تو جہاں اس سے تنگ ہوتا تھا کہ بچہ چل رہا ہوتا اور اس کو سانس وغیرہ لینے میں دقت ہوتی۔

جنس لوگوں نے ممانعت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وگ اس میں گھنٹیاں لٹکتے تھے اور اس سے مقصد ایک طرح سے لہو ہوتا تھا اس سے منع فرمایا، یہ تینوں اسباب ہو سکتے ہیں۔

۸۱۔ لا یوحد لحدیث مکورات

۹۷۔ وفی صحیح مسلم، کتاب اللباس والریة، باب کراہیة فلاذة لوتر فی رقبة، البعیر، رقم: ۳۹۵۱، وسنن ابی داؤد،

کتاب الجہاد، باب فی تقلید الخیل بالأوتار، رقم: ۲۱۸۹، ومسند احمد، مسند الأنصار، باب حدیث ابی بشیر

الأنصاری، رقم: ۲۰۸۸۲، وموطأ مالک، کتاب الجامع، باب ماجاء فی نزع المعالیق والجرس من العین، رقم: ۱۳۷۰

(۱۴۰) باب من اکتب فی جیش فخرجت

امراتہ حاجۃ او کان لہ عذر هل یؤذن لہ؟

۳۰۰۶۔ حدثنا قتیبہ بن سعید: حدثنا سفیان، عن عمرو، عن ابی معبد، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: انه سمع النبی ﷺ یقول: ((لا یخلون رجل بامرأة، ولا یسافرون امرأة إلا ومعها محرم)). فقام رجل فقال: یا رسول اللہ، اکتبت فی غزوة کذا وکذا وخرجت امرأتی حاجۃ، قال: ((اذهب فاحجج مع امرأتک)). [راجع: ۱۸۶۲]

یعنی یہاں جہاد میں نام لکھ لیا گیا تھا مگر چونکہ بیوی کوچ کے لئے جانا تھا اور اس کے لئے محرم ضروری تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جہاد چھوڑ دو اور جا کر اپنی بیوی کوچ کر آؤ۔

اس سے بھی پتہ چلا کہ جہاں جس موقع پر جو تقاضا ہو اس پر عمل کرنا چاہئے، یہ نہیں کہ صرف ایک بات ذہن میں آگئی کہ صرف جہاد کرنا ہے باقی سارے احکام سے مزہ موز لیا۔

سوال: اگر والدین بیمار ہوں تو بیوی کے ساتھ حج پر جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اگر ایسا ہے کہ ان کی خدمت کے لئے کوئی اور آدمی نہیں ہے تو یہ حج کو مؤخر کرنے کا صریح عذر ہے۔ لہذا اس کو مؤخر کر دے۔

سوال: اگر والدین کے پاس رہنے کی ضرورت ہے لیکن وہ پھر بھی بخوشی تعلیم کے لئے اجازت دیتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر وہ اپنا حق ساقط کر رہے ہیں تو جائز ہے، البتہ اگر ان کے ہباک ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر جائز نہیں ہے۔

(۱۴۲) باب الکسوة للانساری

۳۰۰۸۔ حدثنا عبد اللہ بن محمد: حدثنا ابن عیینہ، عن عمرو: سمع جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما قال: لما کان یوم بدر أتى بأساری وأتى بالعباس ولم یکن علیہ ثوب، فنظر النبی ﷺ لہ قمیصا، فوجدوا قمیص عبد اللہ بن ابی یقدر علیہ فکساه النبی ﷺ إیاءہ، فلذلک نزع النبی ﷺ قمیصہ الذی البسه. قال ابن عیینہ: کانت لہ عند النبی ﷺ ید فأحب أن یکالہ.

یہ پہلے جنازہ میں گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی کو جو اپنی قمیص دی تھی، وہ اس کے صلہ میں دی تھی کہ اس نے اپنی قمیص حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پہنائی تھی۔

(۱۴۶) باب اهل الدار یبتون فیصاب الولدان والذراری،

﴿بَيِّنَات﴾ [الاعراف : ۹۷، ۳، و یونس : ۵۰] : لیلہ۔

۳۰۱۲۔ حدثنا علی بن عبد اللہ : حدثنا سفیان : حدثنا الزہری، عن عبید اللہ، عن ابن عباس، عن الضعب بن جثامہ ؓ قال : مرّی النبی ﷺ بالأبواء أو بودان فمسل عن أهل الدار یبتون من المشرکین فیصاب من نساہم وذراریہم؟ قال : ((ہم منہم))۔ وسمعہ یقول : ((لا حمی إلا للہ ورسولہ ﷺ))۔

شب خون کا حکم

جب رات کو شب خون، راجا تا ہے تو بعض اوقات اس میں عورتیں اور بچے بھی مارے جاتے ہیں، جبکہ عام حالات میں عورتوں اور بچوں کو مارنے کی ممانعت ہے۔ چونکہ شب خون مارنے میں امتیاز کرنا مشکل ہے اس واسطے پوچھا کہ کیا اس میں جائز ہوگا یا نہیں؟

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ”ہم منہم“ کہ وہ انہی کا حصہ ہیں، لہذا قصد کر کے عورتوں اور بچوں کو نہ ماریں، لیکن جو بلا قصد مر جائیں تو وہ جائز ہے۔ یہی حکم بم اور گولوں کا ہے کہ ہم پھینکنے کی صورت میں بعض اوقات عورتیں اور بچے بھی قتل ہوتے ہیں، لیکن چونکہ وہ مقصود نہیں ہوتے اور حالت جنگ میں ان کا امتیاز کرنا مشکل ہے، اس لئے اس کی گنجائش ہے۔^۵

(۱۴۹) باب لا یعدب بعداب اللہ

۳۰۱۷۔ حدثنا علی بن عبد اللہ : حدثنا سفیان، عن ایوب، عن عکرمۃ : أن علیاً ؓ حرق قوما فبلغ ابن عباس فقال : لو کنت أنا لم أحرقہم، لأن النبی ﷺ قال : ((لا تعدبوا بعداب اللہ))، ولقتلہم کما قال النبی ﷺ : ((من بدل دینہ فاقتلوہ))۔ [انظر : ۶۹۲۲]۔^۵

۵۔ عمدۃ القاری، ج : ۱۰، ص : ۳۳۰

۵۔ وفی سنن الترمذی، کتاب الحدود عن رسول اللہ، باب ماجاء فی المرتد، رقم : ۱۳۷۸، و سنن النسائی، کتاب تحریم الدم، باب المحکم فی المرتد، رقم : ۳۰۰۱، و سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب المحکم فیمن ارتد، رقم : ۳۷۸۷، و سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب المرتد عن دینہ، رقم : ۲۵۲۶، و مستند احمد، و من مستند نبی ہاشم، باب ہدایۃ مستند عبد اللہ بن العباس، رقم : ۱۸۰۲، ۱۷۷۵، ۲۲۲۰، ۲۸۱۳

یہ عبد اللہ بن سبا کے بیروکار (سبائی لوگ) تھے جن کو حضرت علیؑ نے جلایا تھا اور بظاہر حضرت علیؑ کو یہ حدیث نہیں پہنچی ہوگی اس لئے جلایا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے اس پر نکیر فرمائی۔

(۱۵۱) باب هل للاسیر ان یقتل او یخدع

الذین أسروه حتی ینجو من الکفرة؟

”فیہ المسور عن النبی ﷺ“

کفار نے کسی شخص کو قیدی بنالیا، کیا اس قیدی کو اجازت ہے کہ قید کرنے والوں کو قتل کرے یا نجات حاصل کرنے کے لئے دھوکہ دے؟ مطلب یہ ہے کہ جب اس کو قیدی بنالیا تو ایک طرح سے اس کے ساتھ عہد کر لیا کہ اب تم ہمارے ساتھ جنگ نہیں کرو گے، اب اگر وہ بھاگنے کی کوشش کرے تو کیا یہ اس عہد کی خلاف ورزی تو نہیں ہوگی؟ بعض فقہاء نے کہا کہ یہ عہد کی خلاف ورزی ہوگی، لہذا وہ بھاگنے کی کوشش نہ کرے، یہ قول امام مالکؒ کی طرف منسوب ہے۔ لیکن جمہور کا کہنا یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور اگر بالفرض قید ہوتے وقت زبانی بھی عہد کر لیا تو اس عہد کی پابندی لازم نہیں، اس لئے کہ اسے زبردستی قید کیا گیا ہے خوشی سے تو نہیں گیا۔

دلیل میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت مسور بن مخرمہؓ کی روایت پیش کی ہے، جس میں ابو بصیرؓ کا واقعہ ہے جو پیچھے گزر چکا ہے کہ وہ قید سے بھاگ گئے تھے، انہیں پکڑ کر واپس لے جا رہے تھے، راستہ میں تلوار مانگ کر اس کو قتل کر دیا، پھر حضور ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”یا ویل امہ“ تو آپ ﷺ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ ۵۲

(۱۵۲) باب إذا حرق المشرک المسلم هل یحرق؟

۳۰۱۸۔ حدثنا معلى: حدثنا وهيب، عن أيوب، عن أبي قلابة، عن أنس بن مالك: إن رهطاً من عكل ثمانية قدموا على النبي ﷺ فاجتروا المدينة فقالوا: يا رسول الله، ابغنا رسلاً. فقال: ((ما أجد لكم إلا أن تلحقوا بالذود)). فانطلقوا فشرّبوا من أبوالها والبانها حتى صحوا وسمنوا، وقتلوا الراعى واستاقوا البدود، وكفروا بعد إسلامهم، فأتى الصريخ النبي ﷺ فبعث الطلب فما ترجل النهار حتى أتى بهم فقطع أيديهم وأرجلهم، ثم أمر بمسامير فأحميت فكحلهم بها وطرّحهم بالحرّة يستسقون فما

يسقون حتى ماتوا. قال أبو قلابة: قتلوا وسرقوا وحاربوا الله ورسوله ﷺ وسعوا في الأرض فسادا. [راجع: ۲۳۳]

”احراق بالنار“ کا حکم

اس حدیث اور پچھلی حدیث دونوں کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ الباب قائم کیا ہے کہ اگر دشمن نے احراق کیا ہے تو کیا اس کے مقابلے میں مسلمان احراق کر سکتے ہیں یا نہیں؟
 بظاہر تو یہ لگ رہا ہے کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ بدلہ میں احراق کر سکتے ہیں، کیونکہ جب عربین نے راعیوں کی آنکھوں کو داغا تھا، تو آپ ﷺ نے بدلہ میں ان کی آنکھوں کو داغا۔
 لیکن جمہور کا کہنا یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، اس واسطے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب احراق بالنار ممنوع نہیں تھا اور یہ جو دوسرا واقعہ ہے یہ ”شرائع من قبلنا“ سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے ہمارے لئے حجت نہیں ہے اور ہمارے پاس اس کے خلاف حدیث موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ کا عذاب دینے سے منع فرمایا۔

(۱۵۵) باب قتل المشرك النائم

۳۰۲۲۔ فقتل وماہی قلبہ حتی . ۵۳

پاؤں اچٹ جانے سے جو موزج آجاتی ہے اس کو ”قلبہ“ کہتے ہیں، اس واقعہ کی تفصیل ان شاء اللہ مغزی میں آئے گی۔

(۱۶۹) باب قتل الأسير وقتل الصبر

۳۰۳۳۔ حدثنا لفقال: إن ابن عطل متعلق بأستار الكعبة، فقال: ((اقلوه)) .

[راجع: ۱۸۳۶]

اس حدیث میں ابن عطل کے قتل کا واقعہ ہے، جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(۱۷۰) باب هل يستأسر الرجل؟ ومن لم

يستأسر، ومن ركع ركعتين عند القتل.

۳۰۳۵۔ حدثنا ابو اليمان من لحمه شيئا. [انظر: ۳۹۸۹، ۴۰۸۶، ۴۰۲، ۴۰۴].

یہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور حضرت ضعیب رضی اللہ عنہ والی روایت ہے جس کی پوری تفصیل مغازی میں ہے۔

(۱۷۳) باب الحربی إذا دخل دار الإسلام بغير أمان

۳۰۵۱ - حدثنا أبو نعیم: حدثنا أبو العمیس، عن أباس بن سلمة بن الأكوع، عن أبيه قال: أتى النبي ﷺ عین من المشرکین وهو فی سفر فجلس عند أصحابه يتحدث، ثم القتل، فقال النبي ﷺ: ((اطلبوه واقتلوه))، فقتلته. فقتله سلبه. ۵۲، ۵۳

غیر مستأمن جاسوس کا حکم

حضور اقدس ﷺ سفر میں تھے، مشرکین کا ایک جاسوس آ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے باتیں کرنے لگا، پھر چلا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو تلاش کرو اور قتل کرو۔ یہ شخص چونکہ بغیر امان لے کر داخل ہوا تھا، لہذا اس کا خون مباح تھا، اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور مزید یہ کہ یہ جاسوس بھی تھا۔ اور اگر کوئی امن لے کر آئے تو چونکہ مسلمانوں نے اس کا ذمہ لے لیا اور وہ مستأمن ہو گیا، اس لئے اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کوئی مستأمن جاسوس کرے تو اس کو قتل کرنا بھی مباح ہے، اس لئے کہ اس نے عہد توڑا ہے۔

(۱۷۵) باب جوائز الوفاء

(۱۷۶) باب: هل يستشفع إلى أهل الذمة ومعاملتهم؟

۳۰۵۳ - حدثنا قبيصة:..... فتنازعوا ولا يبغى عند نبي تنازع، فقالوا: هجر رسول الله ﷺ قال: ((دعوني فالذي أنا فيه خير مما تدعوني إليه))..... [راجع: ۱۱۴]

واقعہ قرطاس میں پہلے جو روایت آئی تھی، اس میں یہ جملہ نہیں تھا جو یہاں ہے اور خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "دعوني فالذي أنا فيه خير مما تدعوني إليه" کہ مجھے چھوڑ دو، اس لئے کہ میں جس

۵۴ لا يوجد للحديث مكررات.

۵۵ - وفي صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسیر، باب استحقاق القاتل سلب القتل، رقم: ۳۲۹۸، وسنن ابی داؤد، كتاب الجهاد، باب فی الجاسوس المستامن، رقم: ۲۲۸۱، ومسند احمد، أول مسند المدینین اجمعین، باب حدیث ثابت بن الضحاک، الانصاری، رقم: ۱۵۷۹۷، ۱۵۹۲۲، ۱۵۹۳۹، وسنن الدارمی، كتاب السیر، باب الشعار، رقم: ۲۳۲۳.

حالت میں ہوں وہ اس بات سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے دعوت دے رہے ہو۔
بعض نے کہا لکھوایا جائے، بعض نے کہا نہ لکھوایا جائے، اس میں اختلاف ہوا۔ جو حضرات لکھوانے کا کہہ
رہے تھے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جس حالت میں ہوں وہ اس بات کی بنسبت بہتر ہے جس کی
طرف تم مجھے بلا رہے ہو یعنی لکھنے کی۔ یعنی آپ ﷺ نے خود لکھنے کا ارادہ ملتوی فرما دیا تھا۔ اس واسطے حضرت فاروق
اعظم رضی اللہ عنہما پر جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے منع کیا، یہ درست نہیں۔

(۱۷۷) باب التجمال للوفد

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ آنے والے وفد کے لئے تجمل کرنا خاص اچھے
لباس پہننا یہ جائز ہے، اس کو ریا کاری میں شمار نہیں کرنا چاہئے۔

(۱۸۰) باب : إذا أسلم قوم فی دار الحرب ،

ولہم مال وأرضون فہی لہم .

۳۰۵۸۔ حدثنا محمود: أخبرنا عبد الرزاق: أخبرنا معمر عن الزهري، عن علي ابن
حسين، عن عمرو بن عثمان بن عفان، عن أسامة بن زيد قال: قلت: يا رسول الله، اين تنزل
غدا؟ في حجة قال: ((وهل ترك لنا عقيل من لا؟)) ثم قال: ((لحن نازلون غدا بعيف بني
كنانة المحصب حيث فاسمت قريش على الكفر)). وذلك أن بني كنانة حالفت قريشا على
بني هاشم أن لا يبايعوهم ولا يلووهم، قال الزهري: والخيف الوادي. [راجع: ۱۵۸۸]

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کر کے ایک مشہور فقہی مسئلہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔
اور وہ یہ ہے کہ دار الحرب میں کچھ کفار مقیم ہیں، ان کی کچھ زمینیں ہیں، بعد میں وہ مسلمان ہو گئے اور اپنی
زمینوں پر برقرار رہے، لیکن اگر مسلمان اس ملک پر حملہ کر دیں تو وہ بدستور اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے یا نہیں؟
یہ سوال اس سلسلے پیش آیا کہ جب مسلمانوں نے دارالکفر فتح کر لیا تو ساری زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں
آئیں، اب جو کفار کی ملکیت تھیں وہ تو آگئیں آیا جو مسلمان وہاں پر مقیم ہیں ان کی زمینیں بھی مال غنیمت میں شامل ہو
جائیں گی یہ وہ مسلمان اپنی زمینوں پر برقرار رہیں گے؟
یہ مسئلہ فقہاء کرام کے درمیان مختلف فیہ ہے۔

اختلاف ائمہ

امام بخاری رحمہ اللہ کا مذہب

امام بخاری رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی ملکیت پر برقرار رہیں گے اور ان کی زمینیں مال غنیمت کا حصہ نہیں بنیں گی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فرمانا یہ ہے کہ اگر تقسیم سے پہلے وہ مسلمان آکر کہہ دیں کہ یہ ہماری زمینیں ہیں ان کو تقسیم نہ کیجئے، تب تو امام کے لئے جائز ہے کہ وہ کہے کہ تم اپنی زمینوں پر رہو، لیکن اگر وہ مسلمان نہیں آئے اور امام نے ساری زمینیں مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیں تو پھر وہ تقسیم ہو جائیں گی اور ان مسلمانوں کی ملکیت سے نکل جائیں گی۔

اگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لئے خود حصہ چھوڑ دیں تو وہ الگ بات ہے لیکن فی نفسہ ملکیت سے نکل جائیں گی۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ نے جن حدیثوں سے استدلال کیا ہے ان میں پہلی حدیث تو وہ ہے جو بار بار گزر چکی ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ پہنچے تو آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کہاں جا کر اتریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "هل نمرک لنا عقیل من لا؟" عقیل نے ہمارے لئے کوئی گھر نہیں چھوڑا، سب فروخت کر دیئے؟

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ اس طرح استدلال کر رہے ہیں کہ اگر وہ زمینیں حضرت عقیل نے نہ بیچی ہوتیں تو آنحضرت ﷺ ان کے گھروں پر جا کر اترتے، لیکن چونکہ عقیل نے بیچ دی ہیں، لہذا اب ہمارے واسطے کوئی جگہ نہ رہی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر انہوں نے نہ بیچی ہوتیں تو ہم اس میں جا کر اترتے یعنی ملکیت قائم ہوتی معلوم ہوا کہ ملکیت قائم ہے۔

حنفیہ کا استدلال

حنفیہ کہتے ہیں کہ استیلاء کفار سے زمین مسلمانوں کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور اس پر مشہور استدلال قرآن کریم کی آیت ہے کہ:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ
وَأَمْوَالِهِمْ يُتَنَفَّوْنَ فُضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا﴾

ترجمہ: ”واسطے ان مفلسوں، وطن چھوڑنے والوں کے، جو نکالے
ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے،
ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی۔“

یعنی اس آیت کریمہ میں جن کو فقراء کہا وہ زمینوں اور جائیدادوں کے مالک تھے، اور فقراء کا اطلاق اس وقت
ہو سکتا ہے جب ان سے زمینوں اور جائیدادوں کی ملکیت نکل گئی ہو۔

حدیث باب کا جواب

حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال بالمفہوم مخالف ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہل ترک
لنا عقیل من منزل؟“ عقیل نے ہمارے کوئی گھر نہیں چھوڑا، جہاں ہم جا کر اتریں۔

اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ اگر نہ بچا ہوتا تو ہم جا کر اترتے اور ہماری ملکیت ہوتی، یہ تو مفہوم مخالف ہے۔ اگر
اس کے مفہوم کا اعتبار کیا بھی جائے تب بھی اس کا حاصل یہ ہوگا کہ اگرچہ کفار بیچ کی وجہ سے مالک ہو گئے تھے لیکن
جب مسلمانوں نے دوبارہ فتح کر لیا تو ساری زمینیں مسلمانوں کی ہو گئیں۔ اب اس میں امام کو اختیار ہے جس طرح
چاہیں تقسیم کریں۔

اس میں یہ بھی کر سکتے ہیں کہ جو لوگ پرانے مالک ہیں ان کو وہ زمینیں لوٹادیں، تو اس وقت حضور اقدس ﷺ
یہ فرماتے کہ جس جس کی پرانی زمینیں ہیں ان کو دی جا رہی ہیں، اس میں حضور اقدس ﷺ کو بھی وہ مکان مل جاتے تو
پھر معاملہ ٹھیک ہو جاتا۔

۳۰۵۹۔ حدثنا إسماعیل قال: حدثني مالك، عن زيد بن أسلم، عن أبيه أن
عمر بن الخطاب ؓ، استعمل مولى له يدعى هبنا على الحمى. فقال: يا هني اضمم
جناحك عن المسلمين، واتق دعوة المسلمين، فإن دعوة المظلوم مستجابة. وأدخل
رب الصريمة، ورب الغنيمة، وإيأى ونعم ابن عوف ونعم ابن عفان، فإنهما أن تهلك ما
شيتهما يرجعنا إلى نخل وزرع. وإن رب الصريمة ورب الغنيمة أن تهلك ما شيتهما
يأتسنى بيته فيقول: يا امير المؤمنين، يا امير المؤمنين أفتاركم أنا لا أبالك؟ فالماء
والكلا يسر على من الذهب والورق. وإيم الله إنهم ليرون أنى قد ظلمتهم، إنها لبلا
دهم، قاتلوا عليها في الجاهلية وأسلموا عليها في الإسلام. والذى نفسى بيده لولا المال

الذی أحمل علیہ فی سبیل اللہ ما حمیت علیہم من بلادہم شبرا. ۵۶:۵۷

حدیث کا پس منظر

یہ حدیث بخاری میں ایک ہی جگہ آئی ہے۔ پہلے اس کا پس منظر سمجھ لینا چاہئے۔ یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ جاہلیت میں یہ تصور تھا کہ بڑے بڑے سردار کچھ علاقہ کوچمی بنا لیتے تھے اور اس میں دوسروں کو جانور چرانے کی ممانعت ہوتی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ طریقہ ختم فرمایا اور فرمایا: "لا حمی الا للہ و لرسولہ" جس کا حاصل یہ ہے کہ صرف سرکاری بیت المال کے جانور چرانے کے لئے علیحدہ چراگاہ بنائی جاسکتی ہے، جس میں دوسرے لوگوں کا داخلہ ممنوع ہو، لیکن عام آدمی کے لئے جائز نہیں۔

اس اصول کے تحت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں بیت المال کے اونٹوں اور مویشیوں کے لئے ایک جگہ کوچمی بنالیا اور اس میں دوسرے لوگوں کے داخلہ کی ممانعت کر دی کہ یہاں صرف بیت المال کے جانور چرا کریں گے۔

اس پر بعض لوگوں کو اشکال ہوا کہ جس زمین کو آپ نے حمی بنایا ہے جاہلیت میں اس پر ہم قابض تھے اور اسلام لائے تو یہ ہمارے تصرف میں تھی، آپ نے ہم سے وہ زمینیں چھین کر ہمیں محروم کر دیا۔ یہ مباح عام زمین تھی، مملوکہ نہ تھی۔ مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی ہم اس سے استفادہ کرتے تھے اور اسلام لانے کے بعد بھی اس سے استفادہ کرتے تھے لیکن آپ نے ہمیں اس استفادہ سے محروم کر دیا اور اس کو صرف بیت المال کے لئے خاص کر دیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ میں نے کسی کی زمین چھینی ہو، اگر چھینتا تو میں ظلم کر رہا ہوتا، یہ مباح عام زمین تھی اور چونکہ حضور اقدس ﷺ نے بیت المال کے لئے حمی بنانے کی اجازت دی ہے اس وجہ سے میں نے بیت المال کے لئے حمی بنایا۔

اب اس حمی کے لئے چونکہ اقرار مقرر کیا تھا جو بیت المال کے اونٹ چرایا کرتا تھا اس کا نام "ہنی" تھا۔ اس حدیث میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے "ہنی" کو کچھ ہدایات دی ہیں کہ تم اس حمی کی حفاظت کس طرح کرو۔ اس میں بنیادی طور پر یہ ہدایت ہے کہ جو بڑے بڑے امیر لوگ ہیں جن کے پاس جانوروں کے غلے ہیں ان کو روکنا، انہیں یہاں داخل نہ ہونے دینا اور اگر کوئی بیچارہ مسکین آدمی اپنا جانور لے آئے تو اس کو زیادہ روکنے کی ضرورت نہیں۔

تشریح حدیث

اپنے ایک عامل کو جن کا نام ”ہنی“ تھا جی پر عامل بنایا تھا۔

”القال : یا ہنی اضمم جناحک عن المسلمین“ اپنے بازوؤں کو مسلمانوں کے لئے جمع رکھو، مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرو۔

”واق دعوة المسلمین، فان دعوة المظلوم مستجابة، و ادخل رب الصریمة. صریمہ، تصغیر“ ہے، اکاؤڈ کا دو چار اونٹ ”صریمہ“ کہلاتے ہیں۔ ”غنیمة“ بکریوں کا چھوٹا سا گلہ تو جو اونٹوں اور بکریوں کے چھوٹے چھوٹے گلے لے کر آئیں ان کو جی میں داخل کر لینا۔

”وایای ونعم ابن عوف“ اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے جانوروں سے پرہیز کرنا، (کیونکہ یہ دولت مند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے) یہ امیر حضرات ایسے ہیں کہ اگر ان کے مویشی ہلاک ہو گئے تو یہ کھیتوں اور باغات کی طرف لوٹ جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ آئندہ نہیں آئیں گے، اپنے کھیتوں اور باغات کو استعمال کریں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر ان کے سارے کے سارے جانور بھی ہلاک ہو جائیں، تب بھی ان کے پاس اپنی کھیتیاں اور باغات ہیں، ان سے کام چلائیں گے۔

”وان رب الصریمة ورب الغریمة“ اور اگر چھوٹے گلے والوں کو تم نے روک دیا اور اس کے نتیجے میں ان کے جانور ہلاک ہو گئے، تو وہ اپنے پورے گھر کو میرے پاس لے کر آئیں گے۔

”لیقول : یا امیر المؤمنین“ اے امیر المؤمنین! ہمارے جانور ہلاک ہو گئے، لہذا ہمیں ان کا معاوضہ دیجئے، تو کیا میں ان کو چھوڑ دوں گا جب وہ آکر کہیں گے کہ ہمارے جانور ہلاک ہو گئے؟
”لا ابا لک؟“ بددعا مقصود نہیں ہوتی، محض بے تکلفی میں کہتے ہیں کہ تیرا باپ نہ ہو۔

”فالماء والکلاء ایسر علی“ ان چھوٹے چھوٹے گلے والوں کو پانی اور گھاس دیدینا زیادہ آسان ہے نسبت اس کے کہ بعد میں سونا چاندی دینا پڑے، یعنی اس وقت زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ان کے جانور ہمارے جی کا گھاس کھالیں گے اور پنی پی لیں گے، لیکن اگر ان کے جانور ہلاک ہو گئے اور بعد میں آکر انہوں نے معاوضہ کا مطالبہ کیا تو پھر سونا چاندی دینا پڑے گا، تو سونا چاندی کے مقابلہ میں ان کو پانی اور گھاس دے دینا زیادہ مناسب ہے۔
”وایم اللہ“ اور اللہ کی قسم یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں نے اس علاقہ کو جی بنا کر ان پر ظلم کیا ہے۔

”إنہا لبلا دہم“ اور ان کا خیال ہے کہ یہ ان کا وطن ہے جس پر انہوں نے جاہلیت میں لڑائیاں لڑی ہیں اور اسلام لائے ہیں۔

”والذی نفسی بیدہ“ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر وہ مال نہ ہوتا جس پر میں

لوگوں کو جہاد کے لئے سوار کرتا ہوں یعنی یہ اونٹ، گھوڑے وغیرہ اس کام کے لئے ہیں تاکہ ان پر مجاہدین سواری کریں اور ان کی حفاظت کریں اگر یہ نہ ہوتے تو میں ان کے بلاد اور ان کے وطن میں سے کسی ایک بانٹش کو بھی جی نہ بناتا۔ لیکن یہ جی بیت المال کے لئے بنائی گئی، ضرورت کے تحت بنائی گئی ہے اس لئے حقیقت میں ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہاں اس روایت کو لانے سے مقصود یہ اصول بیان کرنا ہے کہ "قاتلوا علیہا فی الجاہلیۃ واسلموا علیہا فی الاسلام" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تسلیم کیا کہ جب اسلام لائے تھے اس وقت وہ اس کے مالک تھے یعنی جب اسلام لائے تھے اس وقت کافروں کا غلبہ تھا اور یہ زمینیں ان کی بھی جاتی تھیں، بعد میں جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فتح کر لیں تب بھی انہوں نے ان کی ملکیت تسلیم کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی دارالحرب میں مسلمان ہے تو اس کی زمین کی ملکیت مسلمانوں کی فتح کے بعد بھی تسلیم کی جائے گی، باب سے یہ مناسبت ہے۔ لیکن یہ استدلال پوری طرح تام نہیں ہے، اس واسطے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ زمین جس کی گفتگو ہو رہی ہے یہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں تھی بلکہ یہ مباح عام تھی، لہذا ان کے اوپر ملکیت سے استدلال کیا ہی نہیں جاسکتا۔

دوسرا یہ کہ اگر ملکیت ہوتی بھی اور بعد میں امام اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے ان کو پہلے ہی تقسیم کر کے دے دیتا ہے تب بھی ان کی ملکیت ہو جاتی۔ اس لئے جو محل نزاع ہے اس روایت سے اس کے بارے میں امام بخاری کا استدلال تام نہیں ہے۔

(۱۸۱) باب کتابۃ الإمام الناس

۳۰۶۰ - حدثنا محمد بن يوسف: حدثنا سفیان، عن الأعمش، عن أبي وائل، عن حذيفة رضی اللہ عنہ قال: ((قال النبي ﷺ: اکتبوا لی من تلفظ بالإسلام من الناس فکتبنا له الفنا وحمسمائة رجل. فقلنا: نهاف ونحن الف وحمسمائة؟ فقلنا رأینا ابعینا حتی إن الرجل لیصلی وحده وهو خائف)).

حدثنا عبدان، عن أبي حمزة، عن الأعمش: ((لوجدنا هم حمسمائة))، قال أبو معاوية: ((ما بین ستمائة إلی سبعمائة)). ۵۹، ۵۸

نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ان لوگوں کا نام لکھ کر دو جو اسلام کا تلفظ کرتے ہیں، گویا مردم شماری

۵۸ لا یوجد للحديث مكررات.

۵۹ ولی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاستسرا بالایمان للخلف، رقم: ۲۱۳، وسنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب

الصبر علی البلاء، رقم: ۳۰۱۹، ومسند احمد، ہالی مسند الاصل، باب حلیت حذیفۃ بن الیمان عن النبی، رقم: ۲۲۱۷۳.

کرائی۔ تو ہم نے ایک ہزار پانچ سو مرد لکھے۔ ہم نے کہا ”نخاف ونحن الف و خمسمائة“ ”نخاف“ سے پہلے ہمزہ استفہامیہ انکار یہ محذوف ہے ”انخاف؟“ کیا ہم ڈریں گے جبکہ ہم ایک ہزار پانچ سو ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعد میں ہمارے اوپر آزمائش آئی کہ ”حتی ان الرجل لیصلی وحده وهو خائف“ آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہوتا ہے پھر بھی خوف میں ہوتا ہے۔

بعد میں جب فتنوں کا زمانہ آیا جس میں مسلمانوں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں تو باوجود اس کے کہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی، لیکن پھر بھی اکیلے نماز پڑھتا تھا تو ڈرتا تھا، اس کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۸۳) باب من تأمر فی الحرب من غیر امرۃ إذا خاف العدو

۳۰۶۳۔ حدثنا یعقوب بن إبراهيم: حدثنا ابن علية، عن أيوب، عن حميد بن هلال، عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: خطب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ((أخذوا زيداً فأصيب، ثم أخذوا جعفر فأصيب، ثم أخذوا عبد الله بن رواحة فأصيب، ثم أخذوا خالد بن الوليد عن غير إمرأة لفتح الله عليه، فما يسرنى - أو قال: ما يسروهم - أنهم عندنا)). وقال: وإن عيبه لعدوهم. [راجع: ۱۲۳۶]

یعنی کسی نے امیر نہیں بنایا تھا، خود ہی جھنڈا اٹھالیا، معلوم ہوا کہ امیر جنسی (Emergency) کی صورت میں یہ کام بھی جائز ہے کہ جب مسلمان پریشان ہوں تو کوئی آدمی ایک دم سے امیر بن جائے۔
”فما يسرنى“ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خبر دی کہ یہ واقعات پیش آئے ہیں تو فرمایا کہ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ وہ میرے پاس ہوتے باوجود یکہ وہ شہید ہو رہے ہیں، کیونکہ اللہ جل جلالہ نے ان کو جو درجات دیئے ہیں وہ یہاں رہنے سے حاصل نہ ہوتے۔

(۱۸۷) باب: إذا غنم المشركون مال المسلم ثم وجدته المسلم،

۳۰۶۷۔ وقال ابن نمير: حدثنا عبيد الله عن نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: ذهب فارس له فأخذه العدو، فظهر عليه المسلمون فرد عليه في زمن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم. وأبق عبد له فلحق بالروم فظهر عليهم المسلمون فردوه عليه خالد بن الوليد بعد النبي صلی اللہ علیہ وسلم. [أنظر: ۳۰۶۸، ۳۰۶۹]

یہ باب تو تم کیا ہے کہ اگر مشرکین مسلمانوں کے مال کو نقیمت کے طور پر لوٹ کر لے جائیں اور بعد میں مسلمان اس کو پالیں تو کیا وہ اصل مالک کو دیا جائے گا یا مجاہدین میں تقسیم کیا جائے گا؟

حنفیہ کا مسلک

اس میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر تقسیم میں مال غنیمت سے پہلے پہلے مالک آجائیں تو ان کو دیا جائے گا اور اگر تقسیم کے بعد اصل مالک آیا ہے تو پھر جس کو تقسیم میں دیا گیا ہے، اس کی رضامندی کے بغیر اصل مالک کو نہیں دیا جائے گا۔ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے جتنے واقعات ذکر کئے ہیں یہ سب تقسیم سے پہلے کے ہیں۔

”وقال ابن نمیر“ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کا ایک سوڑا ہنس تھا، ”فأخذہ العدو“ دشمن نے پکڑ لیا۔ ”فظہر علیہ المسلمون“ بدین سمانوں نے دشمن کا وہ علاقہ فتح کر لیا تو وہ گھوڑا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف لوٹا دیا گیا۔ ان ہی کا ایک غلام بھاگ کر روم چلا گیا تھا۔ ”فظہر علیہ المسلمون فرده علیہ خالد بن الولید بعد النبی ﷺ“

(۱۸۸) باب من تکلم بالفارسیة والرطانة،

وقول اللہ عز وجل:

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَالْوَاكِمُ﴾ ۵

ترجمہ: ”اور طرح طرح کی بولیاں تمہاری اور رنگ۔“

وقال:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِیُبَيِّنَ لَهُمْ﴾ ۶

ترجمہ: ”اور کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے مگر بولی بولنے والا اپنی قوم کی تاکہ ان کو سمجھائے۔“

یہ باب قائم کیا ہے کہ عربی زبان کے علاوہ دوسری زبان کی باتیں کرنا جائز ہے۔

”رطانة“ کی تشریح

”رطانة“ کے لفظی معنی بڑبڑانے کے ہوتے ہیں یعنی اس طرح بولنا کہ کچھ سمجھ میں نہ آئے کہ کیا بول رہا ہے۔ عرب لوگ تمام عجمی زبانوں کو ”رطانة“ کہتے ہیں، کیونکہ ان کے خیال میں تو وہ بڑبڑا ہی رہا ہے ان کو کوئی مطلب سمجھ ہی نہیں آتا، مطلب یہ ہے کہ غیر عربی زبانیں بولنا جائز ہے۔

اس باب کا جہاد سے اس طرح تعلق ہے کہ عام طور سے جب جہاد کے لئے جاتے ہیں تو ایسے لوگوں سے

واسطہ پڑتا ہے جن سے عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں بات کرنی پڑتی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے اور اس کی دلیل میں مختلف روایتیں لائے ہیں جن میں رسول کریم ﷺ سے کوئی نہ کوئی ایسا لفظ ثابت ہے جو غیر عرب لفظ ہے۔

۳۰۷۰۔ حدثنا عمرو بن علی: حدثنا أبو عاصم: أخبرنا حنظلة بن أبي سفيان: أخبرنا سعيد بن ميناء قال: سمعت جابر بن عبد الله رضي الله عنهما قال: قلت: يا رسول الله ذبحنا بهيمة لنا وطحنت صاعاً من شعير فتعال أنت ونقر، فصاح النبي ﷺ فقال: ((يا أهل المخدق، إن جابراً قد صنع سوراً فحى هلابكم)). [أنظر: ۴۱۰۱، ۴۱۰۲] ۴

یہ غزوہ احزاب کا واقعہ ہے، اس میں ہے "قد صنع سوراً" کہ جابر نے تمہارے لئے کھانا بنایا ہے۔
"سوراً" اصلاً عربی کا لفظ نہیں ہے بلکہ فارسی کا لفظ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو استعمال فرمایا، معلوم ہوا کہ فارسی زبان کا لفظ استعمال کرنا جائز ہے۔

۳۰۷۱۔ حدثنا حبان بن موسى: أخبرنا عبد الله، عن خالد بن سعيد، عن أبيه، عن أم خالد بنت خالد بن سعيد قالت: أتيت رسول الله ﷺ مع أبي وعلي قميص أصفر، قال رسول الله ﷺ: ((سنه سنه)). قال عبد الله: وهي بالحشبية: حسنة، قالت: فذهبت العب بمخاتم النبوة فزيرني أبي، قال رسول الله ﷺ: ((دهها)) ثم قال رسول الله ﷺ: ((أبلى وأخلقى، ثم أبلى وأخلقى، ثم أبلى وأخلقى)). قال عبد الله: فبقيت حتى ذكر. [أنظر: ۳۷۷۴، ۵۸۲۳، ۵۸۴۵، ۵۹۹۳] ۴

ام خالد بنت خالد کہتی ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی یہ چھوٹی بچی تھی، "وعلی قميص أصفر" اور زرد رنگ کی قمیص پہنی ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا "سنه سنه" قال عبد الله: "وهي بالحشبية: حسنة" جسبب زبان میں "سنه سنه" کے معنی ہوتے ہیں، اچھی ہے۔ "قالت: فذهبت العب" میں بچی تھی، خاتم نبوة سے کھیننے لگی۔ میرے والد نے مجھے منع کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چھوڑ دو، بچی ہے۔
"ثم قال رسول الله ﷺ: ((أبلى وأخلقى، ثم أبلى وأخلقى، ثم أبلى وأخلقى))" یہ "بلا" سے نکلا ہے "بلى - بلى - بلا" کے معنی ہیں پرانا ہونا اور "أبلى" کے معنی ہیں پرانا کر دیا۔

۴۲ ولی صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب جواز استبعاہ غیرہ الی دار من یفق برضاه ہذالک، رقم: ۳۸۰۰، ومسند احمد، بالفی مسند المکثرین، باب مسند جابر بن عبد اللہ، رقم: ۱۳۶۹۵، ۱۳۷۰۳، ۱۳۷۰۴، ۱۳۷۹۷، ۱۳۷۹۸، ۱۳۷۹۹، ۱۳۸۰۰، ومسند الدارمی، کتاب المقدمة، باب ما اکرم بہ النبی فی ہرکة طعامہ، رقم: ۴۲۔

۴۳ ولی سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فیما یدعی لمن لبس ثوباً جدیداً، رقم: ۳۵۰۶، ومسند احمد، مسند الأنصار، باب حدیث أم خالد بنت خالد بن سعید بن العاص، رقم: ۲۵۸۱۱

اسی طرح "اخلقى" کے معنی بھی پرانا ہوتا ہیں، تو دونوں کے معنی ایک ہیں۔
 نبی کریم ﷺ نے دعادی کہ تم اس کپڑے کو پرانا کر دو، یعنی درازی عمر کی دعادی کہ تمہاری عمر اتنی لمبی ہو کہ
 عرصہ دراز تک یہ کپڑا پہنو، یہاں تک کہ کپڑا پرانا ہو جائے۔
 "قال عبد اللہ : فبقيت حتى ذكر" عبد اللہ بن مبارک راوی کہتے ہیں کہ یہ عورت کافی عرصہ تک زندہ
 رہی اور لوگوں میں کافی شہرت ہوئی کہ یہ اتنے دنوں تک زندہ ہے اور اتنے دنوں تک اللہ ﷻ نے عمر درازی کی ہے۔
 ۳۰۷۲۔ حدثنا..... فقال له النبي ﷺ بالفارسية: ((كخ كخ، أما تعرف أنا لانا
 كل الصدقة؟)) [راجع: ۱۴۸۵]

یہ "کخ کخ" یا "کخ کخ" بھی "رطانه" میں داخل ہے، اس لئے کہ اصل لغت عربی میں کوئی لفظ نہیں
 ہے لیکن چھیننے کے استعمال کیا جا رہا ہے۔

(۱۹۰) باب القليل من الغلول

"ولم يدكر عبد الله بن عمرو عن النبي ﷺ أنه حرق معاه، وهذا أصح"
 ۳۰۷۳۔ حدثنا علي بن عبد الله : حدثنا سفیان ، عن عمرو ، عن سالم بن أبي
 النجعد، عن عبد الله بن عمرو قال: كان على ثقل النبي ﷺ رجل يقال له: كركرة، فمات
 فقال النبي ﷺ: ((هو في النار))، فذهبوا ينظرون إليه فوجدوا عباءة قد غلها. قال أبو عبد
 الله: قال ابن سلام: كركرة، يعني بفتح الكاف وهو مضبوط كذا. ۹۳، ۹۴

نبی کریم ﷺ کے سامان پر ایک شخص مقرر تھا جس کا نام "کوکرة" تھا، اس کا انتقال ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے
 فرمایا کہ وہ جہنم میں گیا۔ العیاذ باللہ۔

(۱۹۵) باب إذا اضطرت الرجل إلى النظر في شعور

أهل الذمة والمؤمنات إذا عصين الله وتجريد هن.

۳۰۸۱۔ حدثني محمد بن عبد الله بن حوشب الطائفي: حدثنا هشيم: أخبرنا
 حصين، عن سعد بن عبيدة، عن أبي عبد الرحمن وكان عثمانياً، فقال لابن عطية، وكان

۹۳ لا يوجد للحديث مكررات

۹۵ وفي سنن ابن ماجه، كتاب الجهاد، باب الغلول، رقم: ۲۸۳۹، ومسند احمد، مسند المكثريين من الصحابة،

باب مسند عبد الله بن عمرو بن العاص، رقم: ۲۲۰۵

علویا: انی لاعلم ما الذی جراً صاحبک علی الدماء، سمعته یقول: بعثنی النبی ﷺ والزیبر لقال: ((أتوا روضة کذا، وتجدون بها امرأة أعطاها حاطب کتابا)) فأتینا الروضة فقلنا: کتاب، قالت: لم یعطنی، فقلنا: لتخرجن أو لا تجردنک. فأخرجت من حجزتها فإرسل إلی حاطب، فقال: لا تعجل، واللہ ما کفرت ولا أزددت للإسلام إلا حبا ولم یکن أحد من أصحابک إلا وله بمکة من یدفع اللہ به عن أهله وماله، ولم یکن لی أحد، فأحببت أن أتخذ عندهم یداً. فصدقه النبی ﷺ فقال عمر: دعنی أضرب عنقه فإنه قد نالنی. فقال: ((وما یدریک لعل اللہ أطلع علی أهل بدر فقال: اعملوا ما شئتم؟)) فهذا الذی جراه. [راجع: ۳۰۰۷]

یہ انتباہی کارروائی ہے

یہ باب قائم کیا ہے کہ جب ضرورت پیش آئے تو اجنبیہ کو دیکھا جاسکتا ہے، اس کے بال بھی دیکھے جاسکتے ہیں اور ننگا کرنے کی دھمکی بھی دی جاسکتی ہے۔

روایت ذکر کی ہے جو پہلے بھی تشریح کی ہے، اس کا شروع کا حصہ یہ ہے کہ سعد بن ابی عبیدہ، ابو عبد الرحمن عثمانی سے روایت کرتے ہیں یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گروپ سے تھے۔ انہوں نے ابن عطیہ سے کہا اور ابن عطیہ عبوی تھے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گروپ میں سے تھے۔ "انی لاعلم ما الذی جراً" مجھے پتہ ہے تمہارے صاحب کو خون ریزی پر کس چیز نے جرأت دلائی ہے۔ تمہارے صاحب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ اس پر یہ واقعہ سنایا کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جاسوسی کرنے والی عورت کو پکڑنے کے لئے بھیجا تھا۔ آخر میں حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ تمہیں کیا پتہ ہے؟ اللہ ﷻ نے اہل بدر پر نظر فرمائی ہے اور فرمایا ہے، تم جو چیز کرتے رہو تمہارے لئے جنت واجب ہوگئی ہے۔ اس چیز نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جرأت دلائی ہے کہ اب جنت تو کبھی ہوگئی ہے، ہذا جو چاہو کرو۔

(۱۹۷) باب ما یقول إذارجع من الغزو

۳۰۸۵۔ حدثنا أبو معمر: حدثنا عبد الوارث قال: حدثنی یحیی بن ابی إسحاق، عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: کنا مع النبی ﷺ مقله من عسفان، ورسول اللہ ﷺ علی راحلته، وقد أردف صفیة بنت حبیب، فعثرت ناقته فصرعاً جمیعاً، فالتحم أبو طلحة لقال: یا رسول اللہ، جعلنی اللہ فداءک، قال: ((علیک المرأة)) فقلب ثوبا علی وجهه وأٹاها

فالتقاء عليها أصلح لهما مركبهما فركما. واكتنفنا رسول الله ﷺ فلما أشرفنا على المدينة، قال: ((أيون تائبون، عابدون لربنا حامدون)). فلم يزل يقول ذلك حتى دخل المدينة. [راجع: ۳۷۱]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پیچھے بیٹھی ہوئی تھیں کہ آپ ﷺ کی ناقہ کا پاؤں پھسلا، آپ دونوں گر گئے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ۔

ابوطالبؓ جلدی سے آگے بڑھے اور فرمایا: اللہ ﷻ مجھے آپ ﷺ پر قربان کریں، "قال: عليك المرافة" تم میری فکر مت کرو، عورت کو دیکھو یعنی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو کہ ان کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔ "فقلب ثوبا على وجهه" حضرت ابوطالبؓ نے اپنے چہرہ پر کپڑا ڈال دیا تاکہ حضرت صفیہؓ پر نظر نہ پڑے اور حضرت صفیہؓ کے پاس آئے۔ "التقاء عليها" اور وہ کپڑا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر ڈال دیا تاکہ دن کا پردہ ہو جائے۔

(۱۹۹) باب الطعام عند القدوم،

"وكان ابن عمر يظفر لمن يغشاه"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس شخص کے لئے روزہ افطار کرتے تھے جو ان کے پاس آئے، یعنی وہ عام حالات میں تو بکثرت روزہ رکھا کرتے تھے، لیکن کوئی مہمان آئے تو اس کے لئے افطار کرتے تھے، تاکہ اسے کھانا کھانے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔

كتاب فرض الخمس

٣١٥٥ - ٣٠٩١

۵۷ - کتاب فرض الخمس

(۱) باب فرض الخمس

۳۰۹۲ - حدثنا عبد العزيز بن عبد الله : حدثنا إبراهيم بن سعيد، عن صالح، عن ابن شهاب قال: أخبرني عروة بن الزبير أن عائشة أم المؤمنين رضی اللہ عنہا: أخبرته أن فاطمة رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ سألت أبا بكر الصديق بعد وفاة رسول اللہ أن يقسم لها ميراثها، ما ترك رسول اللہ ﷺ مما آلاء اللہ عليه. [أنظر: ۳۷۱۱، ۳۰۳۵، ۳۲۳۰، ۶۷۲۵]

۳۰۹۳ - فقال لها أبو بكر: إن رسول اللہ ﷺ قال: ((لا نورث، ما تركنا صدقة))، فغضبت فاطمة بنت رسول اللہ ﷺ فتهجرت أبا بكر فلم تنزل مهاجرته حتى توفيت، وعاشت بعد رسول اللہ ﷺ ستة أشهر. قالت: وكانت فاطمة تسأل أبا بكر نصيبها ما ترك رسول اللہ ﷺ من خيبر وفدك وصدقته بالمدينة. فأبى أبو بكر عليها ذلك، وقال: لست تاركا شيئا كان رسول اللہ ﷺ يعمل به إلا عملت به، فإني أخشى إن تركت شيئا من أمره أن أزيغ. فأما صدقته بالمدينة فدلعتها عمر إلى علي وعباس، فأما خيبر وفدك فأمسكها عمر وقال: هما صدقة رسول اللہ ﷺ كانتا لحقوقه التي تعرفه ونوابه، وأمرهما إلى من ولي الأمر. قال: فهما علي ذلك إلى اليوم قال أبو عبد اللہ: اعتراك الفعلة من عروته فأصبته. ومنه يعرفه واعترا لي. [أنظر: ۳۷۱۲، ۳۰۳۶، ۳۲۳۱، ۶۷۲۶]

مسئلہ جاگیر فدک

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس ﷺ کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبر ﷺ سے نبی کریم ﷺ

۱ - وفي صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب قول النبي لا نورث ما تركنا فهو صدقة، رقم: ۳۳۰۳، وسنن النسائي، كتاب قسم الفتي، رقم: ۳۰۷۲، وسنن أبي داؤد، كتاب الخراج والأمانة والفتي، باب في صفايا رسول اللہ من الاموال، رقم: ۲۵۷۸، ومسند احمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب مسند أبي بكر الصديق، رقم: ۲۵، ۵۲، ۷۳، ۱۶۶، وموطأ مالك، كتاب الجامع، باب ما جاء في تركة النبي ﷺ، رقم: ۱۵۷۷.

کی چھوڑی ہوئی میراث تقسیم کرنے کا سوال کیا۔ ”ماترک رسول اللہ ﷺ مما افاء اللہ علیہ“ جو کچھ ترکہ نبی کریم ﷺ نے اس مال میں سے چھوڑا ہے، جو اللہ ﷻ نے آپ کو بطور ”لفی“ عطا فرمایا تھا۔

”فقال لها ابو بکر“ صدیق اکبر ﷺ نے فرمایا: ”ان رسول اللہ ﷺ قال: ((لا نورث ماترکاً صدقاً)) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہماری وراثت کسی کو نہیں ملتی اور ہم کوئی میراث نہیں چھوڑتے، ہم نے جو کچھ چھوڑا، وہ سب صدقہ ہے۔“ لغضب فاطمة“ حضرت فاطمہؓ ناراض ہو گئیں اور انہوں نے صدیق اکبر ﷺ کو چھوڑ دیا یعنی ان سے بات چیت بند کر دی۔ ”فلم تنزل مها جرتہ“ اور چھوڑا نہیں صدیق اکبر ﷺ کو یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی اور وہ نبی کریم ﷺ کے بعد چھ مہینہ زندہ رہیں۔

اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ اس پورے عرصہ میں انہوں نے حضرت صدیق اکبر ﷺ سے بات چیت نہیں کی۔ یہ روایت یہاں اس طرح ہے اور بخاری میں دوسری جگہ ہے کہ ”فلم تکلمہ حتی ماتت“ بات چیت نہیں کی، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

اس سے عام طور پر یہ بات پھیلانی گئی ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے حضرت صدیق اکبر ﷺ سے قطع تعلق کر لیا تھا اور انتقال کے وقت تک ان کے تعلقات صدیق اکبر ﷺ سے ٹھیک نہ تھے اور بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ یہاں تک کہ جب حضرت فاطمہؓ کی وفات ہوئی تو حضرت علیؓ نے حضرت صدیق اکبر ﷺ کو بتایا تک نہیں، خود نماز جنازہ پڑھ لی، حضرت صدیق اکبر ﷺ بھی شریک نہ ہوئے۔

عام طور سے یہ ایک منظر ہے جو لوگوں میں مشہور ہے اور روایتوں سے سامنے آتا ہے، لیکن تحقیق یہ ہے کہ یہ بات سرے سے غلط ہے اور یہ جملہ کہ حضرت فاطمہؓ نے صدیق اکبر ﷺ سے قطع تعلق کر لیا تھا، بات چیت کرنی چھوڑ دی تھی، درحقیقت یہ امام زہریؒ کا ادراج ہے، حضرت عائشہؓ کی اصل حدیث میں یہ حصہ نہیں ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ سنن بیہقی میں یہ روایت آئی ہے، اس میں صراحتاً بیچ میں ”فقال“ کا لفظ موجود ہے۔ یعنی زہری نے کہا کہ ”فلم تکلمہ حتی ماتت یا فہجرتہ حتی ماتت“ مرتے دم تک حضرت فاطمہؓ نے حضرت صدیق اکبر ﷺ سے قطع تعلق رکھا، دوسری روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ بالکل صحیح نہیں ہے۔

ایک روایت سے استدلال

ابن شاین رحمہ اللہ کی ”کتاب الخمس“ میں روایت ہے کہ ایک دن حضرت صدیق اکبر ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور جا کر اجازت طلب کی۔ جب اجازت مل گئی تو اندر تشریف لے گئے اور جا کر عرض کیا کہ شاید آپ کی طبیعت میں میری طرف سے غلش ہے، لیکن میں نے جو کچھ کیا وہ آپ ﷺ کے فرمان کے عین مطابق کیا اس بنا پر کیا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر آپ کے پاس آنحضرت ﷺ کی طرف سے کوئی

وصیت ہے تو "فانت الصادقة" آپ سچی ہیں، میں اسی وقت اس سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں، پھر حضرت فاطمہؑ راضی ہو گئیں۔^۱

نیز بیعتی میں ہے کہ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو راضی کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ راضی ہو گئیں۔ یہ الفاظ روایت میں موجود ہیں۔^۲

ابوداؤد میں ایک روایت ہے، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ جب حضرت فاطمہؑ نے آکر یہ کہا کہ بتاؤ رسول اللہ کے وارث کون ہوں گے؟ تم ہو گے یا ان کے اقارب ہوں گے؟ تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اقارب ہوں گے۔

حضرت فاطمہؑ نے فرمایا کہ پھر مجھے میراث کیوں نہیں دیتے؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب اللہ ﷻ کسی نبی کو کوئی چیز عطا فرماتے ہیں تو اس کے بعد وہ اس شخص کے تصرف میں ہوگی جو اس کا خلیفہ بنے۔

حضرت فاطمہؑ نے فرمایا کہ "لک وما صنعت" آپ نے جو کچھ سنا ہے آپ کو اس پر عمل کرنے کا حق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ایک طرح سے صدیق اکبرؓ کے موقف کو تسلیم کر لیا۔

تمام روایات کو مد نظر رکھنے کے بعد جو بات میری سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے "واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم" کہ درحقیقت جس وقت صدیق اکبرؓ نے یہ بات فرمائی کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ جو اللہ ﷻ کسی نبی کو کوئی چیز عطا فرماتے ہیں، اس کے بعد اس کا والی اور متصرف اس کا خلیفہ ہوتا ہے۔ حضرت فاطمہؑ خاموش ہو گئیں اور ان کو ایک طرح سے معذور قرار دیا۔

لیکن ایسا لگتا ہے کہ شاید ان کے ذہن میں یہ بات ہو کہ اس حدیث کی تفسیر اور تاویل مختلف ہو سکتی ہے، اس واسطے طبیعت میں تھوڑا سا تکدر برقرار رہا، لیکن وہ تکدر بجران کی حد تک نہیں تھا کہ بات چیت کرنا چھوڑ دیں۔

جیسے دو مجتہدوں کے درمیان رائے کے اختلاف کی وجہ سے تکدر ہو جاتا ہے، اس قسم کا کچھ تھوڑا بہت تکدر برقرار رہا، جس کو بعد میں حضرت صدیق اکبرؓ نے جا کر دور کیا اور انہیں راضی کیا اور کہا کہ آپ تو حضور اقدس ﷺ کی صاحبزادی ہیں، ہر طرح سے آپ ﷺ کی خدمت کرنے کے لئے تیار رہوں اور وہ راضی ہو گئیں۔

۱۔ وقد ذکر فی کتاب الخمس تألیف ابی حفص بن شاہین عن الشعبي: ان ابا بکر قال لفاطمة يا بنت رسول الله ﷺ

ما عير عيش حيلة اعيشها وانت على ساطعة؟ فان كان عندك من رسول الله ﷺ في ذلك عهد فانت الصادقة

المصدقة المأمورة على ما قلت قال: فما قام ابو بکر حتى رضيت رضی. عمدة القاری، ج. ۱۰، ص. ۲۲۳.

۲۔ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج و الإمامة و الفی، باب فی صحابا رسول اللہ من الاموال، رقم: ۲۵۷۳.

اس کے بعد حضرت فاطمہؓ بیمار ہو گئیں، اس وقت حضرت صدیق اکبرؓ دوبارہ گئے اور کہا کہ مجھ سے جو کچھ غلطی ہوئی آپ سے معاف کر دیں، ایسا نہ ہو کہ آپ دنیا سے اس حالت میں جائیں کہ میری طرف سے آپ کے دل میں کوئی کدورت ہو۔ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا: کوئی بات نہیں ہے، بات بالکل صاف ہو گئی ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے پھر اپنی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو ان کے پاس بھیجا اور انہوں نے تیمارداری کی، یہاں تک کہ غسل بھی حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے دیا۔

اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی اہلیہ تیمارداری کر رہی ہیں، غسل دے رہی ہیں اور صدیق اکبرؓ کو اطلاع نہ ہو اور وہ نماز جنازہ نہ پڑھائیں، یہ ممکن نہیں ہے، لہذا ایسی جتنی روایات آئی ہیں سب میں گڑبڑ واقع ہوئی ہے اور یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں ”فہجرت ابا بکر“ یہ زہری رحمہ اللہ کا ادراج ہے۔

انام زہری رحمہ اللہ کا ادراج

امام زہری رحمہ اللہ کا معاملہ یہ ہے کہ اگرچہ وہ حدیث میں ثقہ ہیں، لیکن محدثین کے ہاں ان کے بارے میں یہ بات مشہور و معروف ہے کہ وہ روایتوں میں اپنی طرف سے ایسی باتوں کا ادراج کر دیتے ہیں جو روایت کا حصہ نہیں ہوتیں۔

علامہ سیوطی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ نے ”تدریب الراوی“ اور ”الکت علی ابن الصلاح“ میں یہ بات صراحتاً بیان کی ہے کہ وہ اس طرح کا ادراج کرتے تھے اور محدثین ان کی اس بات پر تکلیف کرتے تھے اور زہری رحمہ اللہ کا جو رسال ہے وہ بھی ”اضعاف المراسیل“ ہے۔ لہذا اس جملہ کا کوئی اعتبار نہیں۔^۱

آگے کہتے ہیں ”وکانت فاطمة تسأل ابا بکر نصيبها ما ترك رسول الله من خيبر وهدك وصدقة بالمدينة“۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت صدیق اکبرؓ سے اپنے حصہ مانگ رہی تھیں جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے چھوڑا تھا خیبر، ”هدک“ اور مدینہ طیبہ میں صدقہ کا مال۔

حضور اکرم ﷺ کی ملکیت میں کچھ اموال تھے۔ مدینہ منورہ سے بنو نظیر کو باقاعدہ جلا وطن کیا گیا تھا، ان کا چھوڑا ہوا مال فنی کے حکم میں تھا اور فنی میں امام کو اختیار ہوتا ہے، عی بدین میں مال تقسیم نہیں ہوتا۔ اس میں کچھ حصہ نبی کریم ﷺ کا تھا اور کچھ حصہ آپ نے نواب مسلمین کے لئے رکھ دیا تھا، کچھ حصہ آپ ﷺ کو خیبر میں ملا تھا۔

۱۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی ، ص ۳۳۸ و الکت علی ابن الصلاح ، ص ۲۰۶ ، تکملة فتح

”فدک“ کی تفصیل

”فدک“ یہ خیبر سے کچھ فاصلہ پر ایک مستقل قلعہ تھا، وہاں کے لوگوں نے حضور اکرم ﷺ سے صلح کر کے اپنا سب کچھ حضور اکرم ﷺ کے حوالہ کر دیا تھا، چونکہ وہ صلح کر کے حوالہ کیا تھا اس واسطے ”فدک“۔ ”لفی“ میں داخل ہو گیا، جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کو مکمل اختیار حاصل تھا۔

وہ آنحضرت ﷺ کی ملکیت تھا اور اس ملکیت سے نبی کریم ﷺ اپنے عیال کا نفقہ ادا فرماتے تھے، اپنے اہل بیت کو بھی کچھ حصہ دیا کرتے تھے اور باقی جہاد میں اور فی سبیل اللہ خرچ فرماتے تھے۔

چونکہ نبی کریم ﷺ کی میراث تقسیم نہیں ہونی تھی اس لئے حضرت صدیق اکبر ؓ نے حضور اقدس ﷺ کے ارشاد کے مطابق فدک کی تولیت اپنے پاس رکھی، لیکن ساتھ ہی اس بات کا التزام کیا کہ فدک کی آمدنی سے جن جن لوگوں کو حصہ جاتا ہے ان سب کا اسی طرح حصہ جائے جس طرح نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں جاتا تھا۔

چنانچہ آپ ﷺ نے آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اور اہل بیت، سب کو اسی صریقہ سے حصہ دینا شروع کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب میراث کا سوال کیا تھا تو اس میں فدک کا سوال بھی داخل تھا، لیکن جب حضرت صدیق اکبر ؓ نے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل فرمادیا تو اس کے بعد حضرت فاطمہؓ خاموش ہو گئیں اور جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ اس کے بعد میں حضرت فاروق اعظم ؓ اس کے متولی رہے۔ پھر حضرت عثمان ؓ، متولی رہے، اس کے بعد جب حضرت علی ؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت علی ؓ متولی رہے، تو انہوں نے بھی حضرت فاطمہؓ یا اپنی اولاد کو اس کے مالکانہ حقوق نہیں دئے، بلکہ جس طرح کا تصرف حضرات پیغمبرین کرتے آئے تھے، اسی طرح کا تصرف حضرت علی ؓ نے بھی کیا اور پورے بنی امیہ کے دور میں یہی ہوتا رہا، یہاں تک کہ جب خلافت عباسیہ کا دور آیا تو چونکہ شیعوں نے یہ پروپیگنڈہ کر رکھا تھا کہ صحابہ کرام ؓ نے فدک غصب کر رکھا ہے، اس لئے بنو عباس کے پہلے خلیفہ سفاح نے فدک پر قبضہ کر کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں مالکانہ حقوق کے ساتھ دینا چاہا۔

اس وقت زید بن علی جو بنو ہاشم میں سے تھے اور امام تھے، شیعہ بھی انہیں امام مانتے ہیں انہوں نے سفاح پر کبیر کی کہ جو معاملہ حضرت صدیق اکبر ؓ، حضرت عمر ؓ، حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ کرتے آئے ہیں، آپ اس کو بدل رہے ہیں، میں اس کی مخالفت کرتا ہوں اور اس کو جائز نہیں سمجھتا۔

اس سے صاف واضح ہے کہ ”فدک“ کے معاملہ میں حضرت صدیق اکبر ؓ نے جو طریقہ اختیار فرمایا وہ نبی کریم ﷺ کے طریقہ کے عین مطابق تھا اور اس سے اہل بیت بھی مطمئن ہو گئے تھے۔

شیعوں کا استدلال

شیعہ عام طور سے اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جو علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے مسند ابی یعلیٰ کے حوالہ سے تفسیر درمنثور میں نقل کی ہے، اس میں یہ آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں حضرت فاطمہؑ کو ”فدک“ عطا فرمادیا تھا، ہبہ کر دیا تھا۔^۵

اس روایت کی بنا پر شیعہ بڑی بظلمیں بجاتے ہیں کہ اس میں صاف صاف موجود ہے کہ فدک حضرت فاطمہؑ کو بھی دیا گیا تھا اور ان کی کتابوں میں تو ایسی واپسی جابھی روایات بہت ہی ہیں، حالانکہ جو انہوں نے پیش کی ہیں انتہا درجہ کی ضعیف اور موضوع روایتیں ہیں، بلکہ شیعوں کی ایک روایت ہے کہ حضرت فاطمہؑ نے حضرت صدیق اکبر ﷺ سے کہا کہ یہ مجھے ہبہ ہو گیا تھا اس وجہ سے میں اس کی مالک ہوں، میراث کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے کہا کہ گواہ لے کر آؤ، اس پر حضرت فاطمہؑ نے دو گواہ پیش کر دیئے، ایک حضرت علیؑ اور ایک م امینؑ۔ حضرت صدیق اکبر ﷺ نے کہا کہ آپ کا نصاب پورا نہیں ہے کیونکہ ایک مرد اور ایک عورت ہے یا تو ایک مرد و عورتیں ہوں یا دو مرد ہوں، اس واسطے رد کر دیا۔

اول تو یہ روایت ہی غلط ہے اس کا کوئی سراور پیر نہیں اور اگر صحیح ہو تب بھی صدیق اکبر ﷺ کا فیصلہ درست ہے، اس واسطے کہ نصاب شہادت پورا نہیں، لیکن یہ سب شیعوں کی روایتیں ہیں۔

درمنثور کی ایک روایت کی تحقیق

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور میں مسند ابی یعلیٰ کے حوالہ سے ابوسعید خدری ﷺ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوسعید خدری ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فدک کی زمین حضرت فاطمہؑ کو ہبہ کر دی تھی۔ اس روایت کو اہل سنت کے خلاف بڑی زبردست حجت قاطعہ سمجھتے ہیں۔

لیکن میں نے مسند ابی یعلیٰ میں اس کی تحقیق کی تو پتہ چلا کہ اس روایت کا مدار غلطیہ العونی پر ہے اور عطیہ عونی اول تو ویسے ہی ضعیف راوی ہے اور اس کے علاوہ سب سے بڑی خرابی اس کے اندر یہ ہے کہ وہ عام طور سے کلبی سے روایتیں نقل کرتا ہے۔

سائب بن یزید کلبی مشہور شیعہ راوی اور مورخ ہے اور تفسیر میں بھی اس کی بہت سی روایتیں آتی ہیں، بڑا واپسی جابھی قسم کاراوی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ اہل سنت کی کتابیں بھی اس سے بھری ہوئی ہیں، یہ وہ شخص ہے جو کہتا ہے کہ ”حفظت ما لم یحفظ أحد و نسیت ما لم ینسہ أحد“ میں نے تین دن میں قرآن کریم یاد کر لیا اور ”نسیت فانی جلست یو ما اقطع لحيتی من تحت قبضه فقطعتها فوقها“۔

اس کے ضعف اور خاص طور پر احکام میں اس کی روایت کے غیر معتبر ہونے پر اتفاق ہے، اس پر شیعہ ہونے کا الزام بھی ہے، بکسی کی کنیت ابوسعید ہے، عطیہ عوفی بکسی سے روایت کرتے وقت بکثرت ”عن ابی سعید“ کہتے ہیں، تاکہ لوگوں کو معلوم نہ ہو سکے کہ ”ابی سعید“ کون ہیں اور اس سے یہ بھی ارادہ ہوتا ہے کہ جب ”عن ابی سعید“ مطلقاً کہا جائے گا تو لوگ اس کو ابوسعید خدری سمجھیں گے، چنانچہ بعض دفعہ خدری بھی لگا دیتے ہیں۔ اس وقت روایت کے ساتھ یہی واقعہ ہوا جو درمنثور میں لکھا ہوا ہے۔^۱

لیکن مسند ابی یعلیٰ میں صرف ”ابی سعید“ ہے اور رجال کی کتابوں میں ہمارے محدثین نے (القدان کو جزائے خیر دے، انہوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا ہے) بتا دیا ہے کہ جب عطیہ عوفی ابوسعید سے روایت کرتا ہے تو اس سے ابوسعید خدری مراد نہیں ہوتے، بلکہ بکسی مراد ہوتا ہے، اس لئے اس روایت کا ان روایات کے مقابلہ میں کوئی بھروسہ نہیں جو ہمارے پاس صحیح طریقے سے پہنچی ہیں، لہذا فدک کی بنیاد پر حضرت صدیق اکبر ؓ پر جو مطاعن کئے جاتے ہیں ان کا کوئی سر نہیں ہے۔ یہ خلاصہ ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے ”کملة فتح الملہم“ کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔^۲

سوال: جب اس روایت میں اور ارج پایا گیا تو کیا یہ علت خفیہ نہیں ہوگی؟

جواب: علت خفیہ اس معنی میں ہے کہ اس کو حضرت عائشہ کی طرف منسوب کرنا غلط ہوا، لیکن فی نفسہ یہ جملہ صحیح ہے اور حضرت عائشہ نے نہیں کہا، بلکہ زہری نے کہا ہے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لیں کہ ہم یہ جو کہتے ہیں کہ بخاری کی تمام احادیث صحیح ہیں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ روایت کیا ہے اس کی ہر حدیث میں صحیح کی تعریف صادق آتی ہے، یعنی ”بارواہ العادل العام الضبط من غیر القطاع فی الاسناد ولا علة ولا شدوذ“:

یہ مطلب نہیں کہ اس کا ایک ایک لفظ نفس الامر میں صحیح ہے۔ چنانچہ بہت ساری جگہوں پر راویوں سے وہم ہوا ہے اور اس وہم کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ ایک چیز کو جو کہ مدرج صحیحی اس کو اس طرح بیان کر دیا کہ وہ حدیث کا جزو معلوم ہو۔

لہذا اگر کہیں یہ بات کہی جائے کہ یہ حصہ فلاں کا اور ارج ہے یا اس حصہ میں فلاں راوی سے وہم ہوا ہے، تو یہ حدیث کی صحت کے منافی نہیں ہے، حدیث کی صحت کے باوجود یہ بات کہی جاسکتی ہے۔ آگے کہتے ہیں ”فابی أبو بکر علیہا ذلک، وقال: لست تارکاً شیئاً“.

۱۔ الدر المنثور، ج: ۶، ص: ۲۸۶، عطیہ العوفی - منکر لا يعرف، ”المغنی فی الضعفاء“، ج: ۱، ص: ۲۸۰۔

۲۔ کملة فتح الملہم، ج: ۳، ص: ۸۶-۱۰۵۔

مدینہ منورہ میں جو اموال تھے وہ اگرچہ میراث تو نہیں تھے، لیکن خیفہ کے ذمہ تھا کہ وہ ان کی دیکھ بھال کریں اور حضور اکرم ﷺ کے طریقہ کے مطابق تقسیم کریں، لیکن حضرت فاروق اعظم ؓ نے خود یہ کرنے کے بجائے حضرت علی ؓ اور حضرت عباس ؓ کو دے دیا تھا کہ یہ حضرات خود انتظام کریں۔ بعد میں دونوں میں جھگڑا ہو گیا تھا، اس کا قصہ آگے آ رہا ہے۔

”فاما خبير ولدك فامسكها عمر“ ان کو حضرت عمر ؓ نے اپنے پاس رکھا ”وقال: هما صدقة رسول الله ﷺ كما نعا لحقوقه التي نعروه ونوائبه“ یہ آپ کی پیش آمدہ ضروریات اور ان حقوق کے لئے تھا جو آپ پر لازم تھے۔

”قال: فهما على ذلك الى اليوم“ زہری کہہ رہے ہیں کہ یہ اب اسی طرح چلا آتا ہے یعنی خلیفہ ان کا انتظام کرتا ہے۔

۳۰۹۳۔ حدثنا إسحاق بن محمد الفروي : حدثنا مالك بن انس ، عن ابن شهاب ، عن مالك بن اوس بن الحدان ، وكان محمد بن جبير ذكولى ذكراً من حديثه ذاك ، فانا نطلقت حتى ادخل على مالك بن اوس فسألته عن ذلك الحديث فقال مالك: بينما انا جالس في اهلى حين متع النهار اذا رسول عمر بن الخطاب يا تبنى، فقال: اجب امير المؤمنين ، فانا نطلقت معه حتى ادخل على عمر فاذا هو جالس على رمال سرير ليس بينه وبينه فراش ، متكى على وسادة من ادم فسلمت عليه ثم جلست ، فقال : يا مال ، انه قدم علينا من قومك اهل ابيات ، وقد امرت فيهم برضخ فاقبضه فاقسمه بينهم ، فقلت : يا امير المؤمنين ، لو امرت له غير ، قال : فاقبضه ايها المرء . فبينما انا جالس عنده انا حاجبه يرفا ، فقال : هل لك في عثمان وعبدالرحمن بن عوف والزبير وسعد بن ابي وقاص يستأذنون؟ قال : نعم ، فاذن لهم فدخلوا فسلموا وجلسوا ، ثم جلس يرفا يسيرا ، ثم قال : هل لك على وعباس؟ قال : نعم ، فاذن لهما فدخلوا فجلسا ، فقال عباس : يا امير المؤمنين ، اقص بينى وبين هذا ، وهما يختصمان فيما افاء الله على رسوله ﷺ من مال بنى النضير ، فقال الرهط : عثمان واصحابه يا امير المؤمنين اقص بينهما ، وارج احدهما من الآخر ، فقال عمر : تندكم ، انشدكم بالله الذى ياذنه تقوم السماء والارض ، هل تعملون ان رسول الله ﷺ قال : ((لا لورث ، ما تركنا صدقة)) ، يريد رسول الله ﷺ نفسه؟ قال الرهط : قد قال ذلك . فاقبل عمر على على عباس ، فقال : انشدكما [الله] تعلمان ان رسول الله ﷺ قد قال ذلك؟ قال عمر : فانى

أحدثكم عن هذا الأمر، إن الله قد خص رسوله ﷺ لى هذا الفئ بشىء لم يعطه أحداً غيره، ثم قرأ ﴿وما أفاء الله على رسوله منهم﴾ إلى قوله: ﴿قدير﴾ فكانت هذه خالصة لرسول الله ﷺ ووالله ما احتازها دونكم، ولا استأثر بها عليكم، قد أعطاكموه وبها فيكم حتى بقى منها هذا المال، فكان رسول الله ﷺ ينفق على أهله نفقة سنتهم من هذا المال، ثم يأخذ ما بقى فيجعله مجعل مال الله فعمل رسول الله ﷺ بذلك حثاته، أنشدكم بالله هل تعلمون ذلك؟ قالوا: نعم، ثم قال لعلى وعباس: أنشدكما الله هل تعلمان ذلك؟ قال عمر: ثم تولى الله نبيه ﷺ فقال أبو بكر: أنا ولى رسول الله ﷺ، فقبضها أبو بكر فعمل فيها بما عمل رسول الله ﷺ، والله يعلم إنه فيها لصادق بار راشد تابع للحق، ثم تولى الله أبا بكر فكنت أنا ولى أبى بكر فقبضها سنتين من إمارتى أعمل فيها بما عمل رسول الله ﷺ وما عمل فيها أبو بكر، والله يعلم إنى فيها لصادق بار راشد تابع للحق، ثم جئنا نى تكلمنا نى وكلمتكما واحدة وأمركما واحد، جئتنى يا عباس تسألنى نصيبك من ابن أخيك، وجاء نى هذا - يريد علياً - يريد نصيب امرأته من أبيهما فقلت ليكما: إن رسول الله ﷺ قال: ((لا نورث، ما تركنا صدقة)). فلما بدا لى أن أدفعه إليكما قلت: إن شئتما دفعتها إليكما على عليكما عهد الله وميثاقه لئعملان فيها بما عمل فيها رسول الله ﷺ وبما عمل فيها أبو بكر وبما عملت فيها مند وليتها، فقلتما: ادفعها رسول إنا، فبذلك دفعتها إليكما، فأنشدكم بالله هل دفعتها إليهما بذلك؟ قال الرهط: نعم، ثم أقبل على وعباس، فقال: أنشدكما بالله، هل دفعتها إليكما بذلك؟ قالوا: نعم، قال: فلتعلمان منى قضاء غير ذلك؟ فوالله الذى بأذنه تقوم السماء والأرض لا أفضى فيها قضاء غير ذلك، فإن عجزتما عنها فادفعها لى، فلانى أكفيكماها. [راجع: ۲۹۰۳]

مالک بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ”بیسما انا جالس فی اہلی حین منع النہار“ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جبکہ دن چڑھ چکا تھا کہ اچانک میرے پاس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ایک پیغام آیا۔

”فقال: اجب امیر المؤمنین“ امیر المؤمنین کو جواب دو یعنی انہوں نے بلا یا ہے۔

”فأ نطلقت معه حتى أدخل علی عمر فإذا هو جالس علی رمال سریر“ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ چار پائی کے بانوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور چار پائی کے درمیان کوئی بستر نہیں تھا، چڑے کے نگہ پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔

”فسلمت علیہ ثم جلست فقال: یا مال، انه قدم علینا من قومک اهل آیات“ کہ تمہاری

قوم کے اہل ایبات کے کچھ لوگ ہمارے پاس آئے تھے۔ ”ایبات، بیت“ کی جمع ہے، خاندان مراد ہے، ”وقد أمرت فیہم برضخ فاقضیہ فاقسمہ بیہم“ اور میں نے ان کو حکم دیا تھا کہ تھوڑا بہت مال لے لو اور اپنے خاندان والوں میں تقسیم کرو۔

میں نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! اگر آپ میرے علاوہ کسی اور کو حکم دے دیں کہ وہ تقسیم کرے تو اچھا ہے۔ انہوں نے کہا: اے آدمی، تم ہی قبضہ کرو۔

”فہیما أنا جالس عندہ أنا حاجبہ یرفا“ آپ کے دربان ”یرفا“ آئے، ”یرفا“ نظام کا نام ہے۔

”لقال: هل لك فی عثمان و عبد الرحمن بن عوف و الزبیر و سعد بن ابی وقاص

یساؤنون؟“ یہ حضرات اجازت طلب کر رہے تھے۔

”قال: نعم، فأذن لهم لدخولوا فسلموا وجلسوا“ یہ حضرات آکر بیٹھ گئے۔

ان میں سے حضرت عثمان، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم

یہ چاروں عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ آئے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

درمیان فیصلہ کر دیجئے۔

اب یہ چچا بھتیجے کا معاملہ تھا، اس میں بچانے بھتیجے کے سبب ذرا سخت الفاظ استعمال کئے۔

”وہما یخصمان“ نبی کریم رضی اللہ عنہ کو بنی نضیر سے جو مال ملا تھا ان کا اس کے بارے میں جھگڑا ہو رہا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا تولیت میں نزاع

جھگڑا یہ تھا حضور رضی اللہ عنہ کے ترکہ کا متولی وقت کا خلیفہ ہوتا تھا لیکن وہ اسے ان ہی مصارف میں صرف کرتا تھا جن

مصارف میں حضور اکرم رضی اللہ عنہ صرف کیا کرتے تھے۔

باقی تو سرے اموال خلیفہ نے اپنے پاس رکھے ہوئے تھے، البتہ بنو نضیر کے فنی کی کچھ زمینیں حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دیدی تھیں کہ ان کا انتظام آپ لوگ کریں۔

اب اس انتظام، مصرف یا کسی اور چیز میں آپس میں اختلاف ہو گیا، تو اس وقت یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

پاس آئے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر جائیں اور ان سے کہیں کہ

اس پوری زمین کا ہم دونوں کو مشترک متولی بنانے کے بجائے زمین ہمارے درمیان تقسیم کر دیجئے کہ اتنے حصہ کا متولی

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنا دیں اور اتنے حصہ کا مجھے بنا دیں، تاکہ کوئی اختلاف اور جھگڑا باقی نہ رہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ کرنا گوارا نہیں کیا، اس لئے کہ اگر یہ تقسیم کر دیتے تو لوگوں کا عام تاثر یہ ہوتا

کہ جو زمین حضرت علیؑ کو دی گئی ہے، وہ ان کی ملکیت ہو گئی اور جو حضرت عباسؑ کو دی گئی ہے وہ ان کی ملکیت ہو گئی، تو تولیت کی بات باقی نہ رہتی۔ چونکہ لوگوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان تھا کہ یہ ان کو ملکیت دے دی گئی ہے، اس لئے حضرت فاروق اعظمؓ نے اس عمل سے انکار کیا۔ یہ پوری حدیث کا خلاصہ ہے۔

”لَقَالَ الرَّهْطُ عَثْمَانَ وَأَصْحَابَهُ“ جو حضرات (حضرت عثمانؓ وغیرہ) پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین ان کے درمیان فیصلہ کر دیں اور ان میں سے ایک کو دوسرے سے راحت دیدیں۔ مطلب یہ ہے کہ تقسیم کر دیں ”لَقَالَ عُمَرُ: تَسَدُّكُمْ“ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ٹھہرو، ”تَسَدُّكُمْ“ سے نکلا ہے ”تسد“ کے معنی ہیں قفل کرنا اور ”تسدکم“ محاورہ اس وقت کہتے ہیں جب یہ کہنا ہو کہ ٹھہرو، جلدی مت کرو۔

”انشدکم بالسُّلَّة“ میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان وزمین کھڑے ہیں۔ ”هل تعلمون ان رسول الله ﷺ قال: ((لا نورث، ما تركنا صدقه الخ)) لوگوں نے کہا: جی ہاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ ”قال عمر: فاني احدنكم“ میں اس معاملہ کے بارے میں بتاتا ہوں کہ اللہ ﷻ نے اس فئی کے بارے میں اپنے رسول اللہ ﷺ کو ایک ایسے اختیار کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا کہ جو اختیار آپ کے سوا کسی اور کو نہیں دیا، معنی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لئے فئی کو مخصوص کر دیا تھا۔

صورت حال یہ تھی کہ پچھلی امتوں میں مال غنیمت کو آگ کھالیا کرتی تھی اور اس امت کے لئے یہ مقرر کر دیا گیا کہ خمس بیت المال میں دیا گیا اور باقی چار اخماس غنمیں میں تقسیم کئے گئے۔

مال فئی اور اس کا حکم

مال فئی سے مراد وہ مال ہے جو مسلمانوں کے قبضہ میں لشکر کشی کے بغیر آ گیا ہو۔ اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کو کئی اختیار دیا گیا تھا کہ وہ بحیثیت امام جس طرح چاہیں اس کو مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کریں، حضرت فاروق اعظمؓ اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

بنو نضیر سے جو مال قبضہ میں آیا تھا وہ بھی فئی تھا، مال غنیمت نہیں تھا، کیونکہ ان سے لڑائی کے ذریعہ حاصل نہیں کیا گیا بلکہ صلحا حاصل کیا گیا، اس واسطے آپ ﷺ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس فئی کے بارے میں ایک ایسے اختیار کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا جو اختیار اللہ تعالیٰ نے کسی اور کو نہیں دیا، اور وہ یہ ہے ”افاء الله على رسوله منهم“ اگرچہ حضور اکرم ﷺ کو مکمل اختیار تھا، اگر وہ چاہے تو ساری فئی اپنے لئے رکھ لیتے، لیکن اللہ کی قسم نبی کریم ﷺ نے اس ساری فئی کے اموال کو اپنے پاس نہیں رکھا۔ ”ونسكم“ تمہارے بغیر اور نہ خود تمہارے اوپر ترجیح دی ہے، یعنی ایسا نہیں کیا کہ اپنے آپ کو ترجیح دے کر خود رکھ دیا ہو اور تمہیں نہ دیا ہو، حضور اکرم ﷺ نے تمہیں دیا اور تمہارے درمیان تقسیم کیا یہاں تک کہ اس میں سے یہ باقی رہ گیا جس کی تولیت کا مسئلہ ہے۔

”فکان رسول اللہ ﷺ ینفق“ آپ ﷺ اسی سے اپنے اہل کو سال بھر نفقہ دیا کرتے تھے، باقی جو رہ جاتا تھا وہ بھی مسلمانوں کے مصالحوں، جہاد اور فقراء وغیرہ پر صرف کرتے تھے۔

”لعمل رسول اللہ ﷺ نصیبک من ابن اخیک“ دو سال تک میں انتظار کرتا رہا، پھر تم دونوں آئے (یعنی حضرت علیؓ وعباسؓ) مجھ سے بات کرنے کے لئے اور تمہاری بات ایک تھی، تمہارا معاملہ بھی ایک تھا یعنی تمہارے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اے عباس! آپ آئے کیا آپ اپنے بھتیجے کے حصہ میں سے مانگ رہے تھے یعنی نبی کریم ﷺ کے ترکہ میں سے؟

”وجاءنی ہذا قضاء غیر ذلک“ میرے پاس یہ یعنی حضرت علیؓ آئے جو اپنی اہلیہ کا حصہ ان کے والد کے حصہ میں سے مانگ رہے تھے۔ میں نے کہا کہ میراث تو نہیں ہو سکتی۔ جب میری رائے یہ ہوئی کہ آپ کو دے دوں تو آپ نے یہ کہا: ہمیں ولایت کے طور پر دے دو۔ اب اگر تم چاہتے ہو کہ اس کے سوا کوئی فیصلہ کروں تو ”لواللہ الذی یاذنہ تقوم لسماء والأرض لا لفضی لہا قضاء غیر ذلک“۔

”فیان عجزتما فانی اکلکماھا“ اگر تم اس کی توییت سے عاجز ہو رہے ہو تو مجھے دے دو، میرے تمہارے لئے اس کے انتظام میں خود کروں گا۔ خلاصہ یہ نکلا کہ الگ الگ تقسیم کر کے توییت دینے سے حضرت فاروق اعظمؓ نے انکار کر دیا اور کہا کہ یا تو جس طرح پہلے دونوں مشترک انتظام کر رہے تھے اسی طرح کرتے رہو یا مجھے واپس آرد۔

(۳) باب نفقة نساء النبی ﷺ بعد وفاته

۳۰۹۷۔ حدثنا عبد اللہ بن ابی شیبہ: حدثنا أبو أسامة: حدثنا هشام، عن أبيه، عن عائشة قالت: توفي رسول الله ﷺ ومالي بيتي من شيء ياكله ذو كبد إلا شطر شعير في رجلي، فأكلت منه حتى طال علي فكلته ففني. [أنظر: ۶۳ ۵۱]. ۵

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی اس حالت میں کہ میرے گھر میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس کو جگر والا کھا سکے، لہذا یہ کہ جو کا ایک صاع تھا جو میرے پاس طاق میں رکھا ہوا تھا، ”فما کلت منه“ پس میں اس سے بہت عرصہ تک کھاتی رہی، بعد میں میں نے اس کو ناپ لیا کہ کتنا ہے تو وہ ختم ہو گیا۔

۵ وفی صحیح مسلم، کتاب الزهد والرفائق، رقم ۵۳۸۱، وسنن الترمذی، کتاب صفة القيامة والرفائق والورع عن رسول اللہ، باب منه، رقم: ۲۳۹۱، وسنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمة، باب حبر الشعير، رقم: ۳۳۳۶، ومسند احمد، باقی مسند الانصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم ۳۳۶۲۴

(۴) **باب ما جاء في بيوت أزواج النبي ﷺ وما نسب من البيوت إليهن،**
وقول الله عز وجل: ﴿وَلَقَدْ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ ﴿لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ﴾^۱
میراث سے تعلق نہیں

یعنی نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے جو گھر تھے، وہ قرآن وحدیث اور صحیحہ کرام ﷺ کی زبانوں پر بھی ازواج مطہرات کی طرف منسوب کئے گئے جیسا کہ کہا جاتا تھا یہ حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور یہ حضرت حفصہؓ کا گھر ہے وغیرہ۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس سے یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ چونکہ وہ گھر ان کے لئے نبی کریم ﷺ نے مخصوص کر دیئے تھے اس واسطے ان کی طرف نسبت کی جاتی تھی، ملکیت ان میں سے کسی کی بھی نہیں تھی، لہذا کسی گوشہ نہ ہو کہ ازواج مطہرات نے تو میراث پالی اور دوسرے اہل بیت نے نہیں پالی۔

وہ گھر رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی سے ان کو استعمال کے لئے دے دیئے گئے تھے اور یہ بات نبی کریم ﷺ کی وصال کے بعد بھی باقی رہی کہ ازواج مطہرات کو ان گھروں کے استعمال کا حق دیا گیا اور اس استعمال کے حق کی وجہ سے "بیوت" کی نسبت ان کی طرف کی گئی، میراث سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۵) **باب ما ذكر من درع النبي ﷺ وعصاه وسيفه وقدره**
ونخاته، وما استعمل الخلفاء بعده من ذلك مما لم يذكر
قسمته، ومن شعره ونعله وآيته مما تبرك أصحابه وغيرهم
بعد وفاته.

حضور اکرم ﷺ کے تبرکات مختلف صحابہؓ کے پاس موجود ہیں۔
 تظانایہ مقصود ہے کہ میراث تقسیم نہیں ہوئی، لیکن حضور ﷺ کے مختلف تبرکات مختلف صحابہؓ کو دے دیئے گئے تھے یا تو آپ ﷺ کی حیات ہی میں یا آپ ﷺ کی وفات کے بعد، میراث کے طور پر نہیں بلکہ لوگوں نے تبرکات رکھے۔

۳۱۱۰۔ حدثنا سعيد بن محمد الجرمي: حدثنا يعقوب بن إبراهيم: حدثنا أبي
 أن الوليد بن كثير حدثه عن محمد بن عمرو بن حلحلة الدؤلي حدثه: أن ابن شهاب
 حدثه: أن علي بن حسين حدثه: أنهم حين قدموا المدينة من عند يزيد بن معاوية مقتل

الحسین بن علی لقیہ المسور بن مخرمة فقال له: هل لك إلى من حاجة تأمرني بها؟ فقلت له: لا، فقال: فهل أنت معطي سيف رسول الله ﷺ فإني أخاف أن يغلبك القوم عليه؟ وإيم الله لئن أعطيتني لا يخلص إليه أبدا، حتى تبلغ نفسي. إن علي بن أبي طالب خطب ابنة أبي جهل علي فاطمة فسمعت رسول الله ﷺ يخطب الناس في ذلك على منبره هذا، وأنا يومئذ المحتلم فقال: ((إن فاطمة مني، وأنا أخوف أن تفتن في دينها))، ثم ذكر صهره له من بنى عبد شمس فأثني عليه في مصاهرته إياه، قال: ((حدثني لصدقتي ووعدني فوفى لي، وأني لست أحرم حلالا، ولا أجل حراما، ولكن والله لا تجتمع بنت رسول الله ﷺ وبنت عدو الله أبدا)).^۱

حدیث کا مطلب

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما جن کو زین العابدین کہا جاتا ہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، وہ روایت کر رہے ہیں کہ ”انہم حين قدموا المدينة“ جب یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس واپس مدینہ منورہ آئے، (یہ سچ گئے تھے)۔

”لقیہ المسور بن مخرمة“ تو مسور بن مخرمة رضی اللہ عنہ ان سے ملے اور کہا۔ ”هل لك إلى“ اگر آپ کا کوئی کام ہو تو مجھے بتائیے، میں وہ کام کروں۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے کہا کہ کوئی کام نہیں ہے۔

”مسور بن مخرمة“ نے ان سے کہا: کیا آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی جو تلوار ہے وہ مجھے دے دیں گے؟ کیونکہ اندیشہ ہے کہ لوگ آپ پر تلوار کے بارے میں غلبہ پالیں گے۔ معنی یہ ہے کہ آپ کے پاس نہیں چھوڑیں گے، آپ سے حاصل کرنے کی فکر کریں گے۔ اس واسطے میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کی پریشانی اٹھانے کے بجائے وہ تلوار مجھے دیدیں۔

”وایم الله“ اور میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اگر یہ آپ نے مجھے دیدی تو کبھی بھی اس تک کوئی شخص نہیں پہنچ سکے گا۔ یہاں تک کہ میری جان چلی جائے، جب تک میرے دم میں دم ہے، مجھ سے کوئی نہیں لے سکے گا، یہ تو پیشکش تھی۔

^۱ وفی صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل فاطمة بنت النبی ﷺ، رقم: ۴۳۸۲، وسنن أبی داؤد، کتاب النکاح، باب ما یکره أن یجمع بہن من النساء، رقم: ۱۷۷۴، وسنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب الفیرة، رقم: ۱۹۸۸، ومسنند احمد، اول مسند الکوفیین، باب حدیث المسور بن مخرمة الرهری ومروان بن الحکم، رقم: ۱۸۱۳۹، ۱۸۱۵۳، ۱۸۱۶۳۔

اب آگے کہہ رہے ہیں کہ میں یہ بات جو کہہ رہا ہوں کہ مجھے دیدیجئے، اس کا منشا آپ کے ساتھ محبت اور تعلق ہے، کیونکہ آپ حضرت حسین ؑ کے صاحبزادے ہیں اور حضرت فاطمہ ؑ سے نبی کریم ﷺ کو اتنی محبت تھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا ”ان فاطمة بضعة منی“ اور پھر وہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت علی ؑ نے بنت ابی جہل سے نکاح کا ارادہ کیا تھا اس پر آپ ﷺ نے خطبہ دیا تھا، واقعہ گزر چکا ہے۔

پھر جس طرح حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت کی تھی، اسی طرح میں آپ سے محبت کرتا ہوں کیونکہ آپ ان کے پوتے ہیں۔

۳۱۱۱ - حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا سفیان، عن محمد بن شوقة، عن مندر، عن ابن الحنفية قال: لو كان علي ؑ ذا كرا عثمان ؑ ذكره يوم جاءه ناس فشكوا سعاة عثمان لقال لي علي: اذهب إلى عثمان فأخبره أنها صدقة رسول الله ﷺ، فسر سعاك يعملوا بها فأتته بها، فقال: اغنها عنا. فأتيت بها علياً فأخبرته لقال: ضعها حيث أخذتها. [انظر: ۳۱۱۲]. ۱۱

محمد بن حنفیہ جو حضرت علی ؑ کے صاحبزادے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت علی ؑ، حضرت عثمان ؑ کو برا بھلا کہنے والے ہوتے تو اس دن کہتے، آگے اس دن کا واقعہ بیان کر رہے ہیں۔

یہ ان لوگوں کی تردید کر رہے ہیں جو یہ کہتے تھے کہ حضرت علی ؑ، حضرت عثمان ؑ کے بارے میں بدگوئی کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اگر حضرت علی ؑ نے بدگوئی کرنی ہوتی تو اس دن کرتے جس دن کچھ لوگ حضرت علی ؑ کے پاس آئے تھے اور اگر حضرت عثمان ؑ کے صدقین کی شکایت کی تھی کہ حضرت عثمان ؑ کے زکوٰۃ وصول کرنے والے آتے ہیں اور ہم سے خلاف شرع زیادہ لے کر جاتے ہیں۔

”فقال لي علي“ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ حضرت علی ؑ نے مجھ سے کہا کہ حضرت عثمان ؑ کے پاس جاؤ اور ان کو یہ صحیفہ دیدو اور کہو یہ رسول اللہ ﷺ کا صدقہ ہے، حضور اکرم ﷺ نے صدقہ کے جو کچھ احکام طے فرمائے تھے وہ اس میں لکھے ہوئے ہیں، یہ وہی ہے جو ان کی تلوار کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ تو اپنے زکوٰۃ وصول کرنے والے کو حکم دیجئے کہ وہ اس صحیفہ کے مطابق عمل کرے۔

چنانچہ میں (محمد بن حنفیہ) اس کو لے کر حضرت عثمان ؑ کے پاس گیا۔ ”فقال: اغنها عنا“ آپ نے فرمایا کہ اس کو ہمارے پاس سے لے جاؤ۔ لفظی معنی ہے اس کو ہم سے بے نیاز کر دو۔

مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس پہلے سے احکام موجود ہیں، اس کو اپنے پاس رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

”فأتيت بها علياً فأخبرته“ میں حضرت علی ؑ کے پاس دوبارہ لے آیا اور ان کو بتایا کہ حضرت عثمان ؑ نے یہ فرمایا ہے۔ ”فقال: ضعها“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہاں سے لیا تھا وہیں رکھ دو۔ حضرت عثمان ؑ کے بارے

میں کوئی نازیبا کلمہ نہیں فرمایا۔ اگر فرمانا ہوتا تو اس وقت فرماتے کہ ایک تو شکایت تھی، دوسری بات یہ کہ صدقات کی کتاب واپس ہو، کی تو اس وقت کوئی کلمہ کہتے کہ عجیب آدمی ہے، کتاب لونادی، لیکن اس وقت بھی حضرت علیؑ نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔

(۶) **باب الدلیل علی أن الخمس لنواب رسول اللہ ﷺ والمساکین. وإیثار النبی ﷺ أهل الصفة والأرامل حین سألته فاطمة وشکت إلیه الطحن والرحی أن یخدمها من السبی فوکلها إلی اللہ.**

خمس کے احکام

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے خمس کی تقسیم کے سلسلے میں کئی ابواب قائم فرمائے ہیں۔ جیسا کہ قاعدہ ہے کہ خیمت کے چار حصے تو غائبین میں یعنی مجاہدین میں تقسیم ہوتے ہیں اور ایک خمس بیت اسال میں جاتا ہے۔ بیت اسال میں جو خمس جاتا ہے اس کے لئے اللہ جلّالہ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ
وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ
وَأَبْنِ السَّبِيلِ﴾

ترجمہ: ”اور جان رہو کہ جو چیز تم کو خیمت سے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے ہے، اس میں ست پانچواں حصہ در رسول کے واسطے اور اس کے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے واسطے۔“

گویا پانچ مدات کا بیان ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کا تو محض تمبر کا ذکر ہے، باقی پانچ رہ گئے۔ رسول، ذوی القربی، یتامی، مساکین اور ابن سبیل۔

خمس میں حنفیہ اور حنابلہ کا موقف

حنفیہ اور حنابلہ کا موقف یہ ہے کہ اس میں اللہ جلّالہ اور رسول ﷺ کا ذکر تمبر کا ہے، رسول اللہ ﷺ کا حصہ آپ

کی وفات کے ساتھ ختم ہو گیا۔

اسی طرح ذوی القربی سے نبی کریم ﷺ کے اہل بیت مراد ہیں، ان کا حصہ بھی نبی کریم ﷺ کے وصال کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اب تین باقی رہ گئے، یتامی، مساکین اور ابن السبیل، خمس ان میں تقسیم کیا جائے گا۔

امام مالک رحمہ اللہ کا موقوف

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ذوی القربی، نبی کریم ﷺ کے اہل بیت اب بھی خمس کے اندر بطور مصرف باقی ہیں نہ کہ بطور مستحق۔

مصرف اور مستحق میں فرق

مصرف اور مستحق میں فرق ہے۔ مصرف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر امام چاہے تو تقسیم میں ان کو بھی دیدے۔ خواہ وہ غنی ہوں یا فقیر ہوں، لیکن ان کو مطالبہ کا حق نہیں ہے کہ وہ بطور استحقاق کہیں کہ چونکہ اب صرف چار مصرف باقی رہ گئے ہیں اس لئے خمس کے چار حصے کئے جائیں اور ایک حصہ ہمیں دیا جائے، ایک یتامی کو، ایک مساکین کو اور ایک ابن السبیل کو، تو بطور مستحق نہیں ہیں بلکہ بطور مصرف ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ بطور مستحق اب بھی باقی ہیں، لہذا وہ کہتے ہیں کہ خمس کا پانچواں حصہ اب بھی نبی کریم ﷺ کے رشتہ داروں کو دینا ہوگا، چاہے وہ غنی ہوں یا فقیر ہوں۔
حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ بطور مصرف اور مستحق تو ان کا حصہ ختم ہو گیا ہے، البتہ جو ان میں اہل فقر ہیں وہ مسکین یا ابن السبیل کے ذیل میں آجائیں گے، اگر اس حیثیت سے دیا جائے تو وہ دوسری بات ہے، لیکن بحیثیت ذوی القربی ان کو کوئی خمس نہیں دیا جائے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال

امام شافعی رحمہ اللہ استدلال کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں ذوی القربی موجود ہے، اس کو کیسے منسوخ کہا جائے۔

حنفیہ اور حنابلہ کا استدلال

حنفیہ اور حنابلہ کا استدلال حضرات خلفاء راشدین ﷺ کے عمل سے ہے، خلفائے راشدین ﷺ حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک چاروں نے ذوی القربی کو الگ سے ”سہم“ نہیں دیا۔
امام بخاری رحمہ اللہ آگے جو احادیث لا رہے ہیں ان سے بھی یہ پتہ چل رہا ہے کہ ذوی القربی کا
”سہم“ الگ نہیں کیا گیا۔ تو چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا یہ عمل رہا کہ وہ صرف اہل فقر کو دیتے رہے، اہل غنا کو بطور
”سہم“ نہیں دیا۔

امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل

امام مالک رحمہ اللہ دونوں کو جمع کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ قرآن میں بطور مصرف ذکر ہے اور خلفائے
راشدین رضی اللہ عنہم نے نہیں دیا، یہ ان کی صوابدید ہے، لہذا آج بھی امام کی صوابدید پر ہے، چاہے دے چاہے نہ دے۔
حنفیہ اور حنبلیہ کے قول پر اور بھی متعدد احادیث شاہد ہیں، علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے ”عمدة القاری“
میں بھی اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

”تکملة فتح الملہم“ میں نے تمام دلائل جمع کر دیئے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ”ذوی
القربی“ کا ”سہم“ ساقط ہو گیا ہے۔^{۱۵}

امام بخاری رحمہ اللہ یہ باب قائم کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ”باب الدلیل علی أن الخمس لنواب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ“ کہ شمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواب کے لئے تھا اور مساکین کے لئے تھا۔

”نواب“ کے معنی ہیں آپ کو پیش آنے والی حاجتیں اور آپ کو پیش آنے والی حاجتوں سے تمام مسلمانوں کو
پیش آنے والی حاجتیں مراد ہیں۔ اور یہ بات ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل صفہ اور بیواؤں کو ترجیح دی
جب کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور شکایت کی کہ ”الطحن والرحی“ چکی پیسنے میں مجھے
مشقت ہوتی ہے، خواہش ظاہر کی کہ مجھے قیدیوں میں سے کوئی خادم دیدیتے۔

”لو کلبھا إلی اللہ“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اللہ کے حوالہ کیا اور تسبیح فاطمی تلقین فرمائی جیسا کہ آگے حدیث
میں آ رہا ہے۔

اگر ”ذوی القربی“ کا باقاعدہ کوئی ”سہم“ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس خواہش کو رد نہ فرماتے کیونکہ
وہ تو ذوی القربی ہونے کی وجہ سے باقاعدہ مستحق ہوتیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہی بتلانا ہے۔

(۷) باب قوله تعالى: ﴿فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ﴾^{۱۵}

یعنی للرسول قسم ذلك. وقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: ((لما أنا قاسم و خازن، و اللہ يعطی)).
یہ باب بھی اسی سلسلہ میں قائم کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خمس کی تقسیم کا جو حق دیا گیا ہے اس میں یہ

ضروری قرار نہیں دیا گیا کہ آپ خمس کا پانچواں حصہ ذوی القربیٰ کو دیں، تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی تردید کرنا مقصود ہے۔

۳۱۱۵۔ حدثنا محمد بن يوسف : ولا ننعمك عينا. فقال النبي ﷺ :

((أحسنتم الأنصار، فسموا باسمي ولا تكونوا بكيعي فإنما أنا قاسم)).

”ولا ننعمك عينا“ یعنی اس نام سے تمہاری آنکھیں سختی نہیں کریں گے کہ تم اپنے بیٹے کا نام قاسم رکھو، پھر آپ نے انصار کی تائید فرمائی کہ میرا نام رکھ لیا کرو یعنی ”محمد“ لیکن میری کنیت نہ رکھو۔

اس کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں قاسم ہوں تمہارے درمیان اموال تقسیم کرتا ہوں، بعض علمائے کرام نے دوسری وجہ بیان فرمائی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو ”یا محمد“ کہہ کر کوئی نہیں پکارتا تھا، اس لئے اس میں کسی التباس کا اندیشہ نہیں تھا۔ جو مسلمان تھے وہ ”یا رسول اللہ“ کہتے تھے اور جو غیر مسلم تھے وہ ”یا ابا القاسم“ کہتے تھے، تو ابوالقاسم کنیت رکھنے میں التباس کا اندیشہ تھا کہ کہیں حضور اقدس ﷺ مراد نہ ہوں، چونکہ ”یا محمد“ کہنے میں کوئی اندیشہ نہیں تھا، اس لئے نام رکھنے کی اجازت دی اور کنیت رکھنے کی اجازت نہیں دی۔

۳۱۲۴۔ حدثنا محمد بن العلاء، عن ابن المبارك، عن معمر، عن همام بن منبه، عن

أبي هريرة ؓ قال: قال النبي ﷺ: ((غزائي من الأنبياء، فقال لقومه: لا يعنى رجل ملك بضع امرأة، وهو يريد أن يعنى بها ولما بين بها. ولا أحد بنى بيوتنا ولم يرفع سقفها، ولا آخر اشترى غنما، أو خلفات وهو ينتظر ولادها. فغزا فدنا من القرية صلاة العصر أو قربا من ذلك. فقال للشمس: إنك مأمورة وأنا مأمور، اللهم احبسها علينا، فحبست حتى فتح الله عليهم، فجمع الهباتم، فجاءت - يعني النار - لنا كلها فلم تطعمها فقال: إن فيكم غلولا، فلتبايعني من كل قبيلة رجل، فلزقت يد رجل بيده فقال: فيكم الغلول، فلتبايعني قبيلتك، فلزقت يد رجلين أو ثلاثة بيده، فقال: فيكم الغلول، فجاء إبراهيم مثل رأس بقرة من الذهب فوضعها فجاءت النار فأكلتها. ثم أحل الله لنا الغنائم، رأى ضعفنا وعجزنا فأحلها لنا)). [أنظر: ۵۱۵۷] ۳

حدیث کی تشریح

حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت فرماتے ہیں کہ ”غزائی من الأنبياء“ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی نے جہاد کیا۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت یوشع علیہ السلام تھے، انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ

۱۔ وفنی صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب تحلیل الغنائم لهذه الأمة خاصة، رقم: ۳۲۸۷، ومسند احمد،

بالی مسند المکثرین، باب بالی المسند السابق، رقم: ۷۸۹۰۔

”لا یبعثنی رجل ملک بضع امرأة“ میرے پیچھے ایسا کوئی شخص نہ آئے یعنی جہاد میں شامل نہ ہو جو کسی عورت کے بضع کا مالک ہو یعنی اس سے نکاح کیا ہو ”وہو یرید أن ینی بہا ولما ین بہا“ اور بنا کر ناجاہتا ہے مگر ابھی تک نہیں کی، ایسا شخص ہمارے ساتھ نہ آئے کیونکہ اس کا دل نئی شادی کی طرف مشغول ہوگا اور جہاد میں اس کا اچھی طرح دھیان نہ ہوگا۔

”ولا احد بنی بیوتنا ولم یرفع سقوفها“ اسی طرح وہ شخص جس نے اپنا گھر بنایا ہے، لیکن ابھی تک اس کی چھت نہیں ڈالی وہ بھی نہ آئے، کیونکہ اس کا دل بھی اپنے گھر کی تعمیر میں مشغول ہوگا۔

”ولا آخر ائسری“ اسی طرح وہ شخص جس نے بکریاں یا اونٹنیاں خریدیں، ”تخلیفات“ کے معنی ہیں اونٹنیاں۔ ”وہو یتظر ولا دھا“ اور اس کو ان کے بچے پیدا ہونے کا انتظار ہے، وہ بھی نہ آئے، کیونکہ اس کا دل اپنی اونٹنیوں اور بکریوں میں مشغول رہے گا۔

یہ اعلان کرنے کے بعد ”فلنأمن القرية صلاة العصر“ نماز عصر کے وقت یا اس کے قریب بستی کے پاس تشریف لائے اور بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر اس دن کے گزرنے سے پہلے پہلے فتح کر لیں تو فتح ہو جائے گا، بعد میں فتح کرنے میں مشکل ہوگی۔

اس واسطے انہوں نے سورج سے کہا: ”انک ما مورة وانا مامور“ اے سورج! تو بھی اللہ ﷻ کی طرف سے مامور ہے اور میں بھی جہاد کے لئے مامور ہوں، ”اللہم احسبنا علینا“ اے اللہ! اس کو ہمارے لئے روک دیجئے تو اللہ ﷻ کی طرف سے سورج کو روک دیا گیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سورج کے غروب ہونے سے پہلے پہلے فتح عطا فرمادی۔

حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے سورج کا روکا جانا

حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے سورج کا روکا جانا صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اکثر علماء نے اس کو حقیقت پر محمول کیا ہے کہ واقعہ اللہ ﷻ نے حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے سورج کو روک دیا تھا۔

بعض حضرات نے اس کی توجیہ کی ہے کہ وقت میں برکت ہوگی یعنی سورج رک جانے کا معنی ہے کہ وقت میں برکت ہو جائے اور تھوڑے وقت میں زیادہ کام ہو جائے، لیکن زیادہ تر علماء اس کو حقیقت پر ہی محمول کرتے ہیں۔

”فجمع الغنائم“ حضرت یوشع علیہ السلام نے غنیمت کا مال جمع کیا، ”فجاءت یعنی النار لعا کلھا“ پہلے زمانہ کے دستور کے مطابق آگ کھانے کے لئے آئی ”فللم تطعمھا“ اس نے نہیں کھایا۔

”لقال : ان لیکم غلولا“ جب آگ نے نہیں کھایا تو انہوں نے بتایا کہ اس میں کوئی خینت ہوئی ہے، جس کی وجہ سے آگ نہیں کھا رہی ہے۔

”فلنبا یعنی من کل قبيلة رجل“ ہر قبیلہ میں سے ایک آدمی مجھ سے بیعت یعنی مصافحہ کرے، ”فلنقت بد رجل بیدہ“ اس بیعت کے دوران ایک شخص کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک گیا۔

”فقال : فيكم الغلول“ فرمایا کہ تمہارے قبیلے میں غلول ہے، ”فلنبا یعنی قبيلتك“ اب تمہارے قبیلے کے سارے افراد مجھ سے بیعت کریں۔

”فلنقت بد رجلين أو ثلاثة بیدہ“ جس کے نتیجے میں ان کے ہاتھ سے دو تین آدمیوں کے ہاتھ چپک گئے ”فقال : فيكم الغلول“۔

”فجاؤا برأس مثل رأس بقره من اللخب فوضعوها فجاءت النار فأكلتها“ پتہ چلا کہ انہوں نے گائے کے پورے سر جتنا سونا لے لیا تھا۔

”ثم أحل الله“ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر اللہ ﷻ نے ہمارے لئے نعمت کا مال حلال کر دیا۔

سوال: آج کل ابوالقاسم کثیت رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: آج کل چونکہ کسی التباس وغیرہ کا اندیشہ نہیں ہے، اس لئے ابوالقاسم کثیت رکھنا جائز ہے۔

(۱۲) باب كيف قسم النبي ﷺ قريظة والنضير؟

وما أعطى من ذلك نوابه .

۳۱۲۸ - حدثنا عبد الله بن أبي الأسود: حدثنا معتمر، عن أبيه قال : سمعت

أنس بن مالك ﷺ يقول : كان الرجل يجعل للنبي ﷺ السخلات حتى الفصح قريظة والنضير وكان بعد ذلك يرد عليهم . [راجع : ۲۶۳۰]

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، فرمایا کہ بعض اوقات انصار کے کچھ حضرات نبی کریم ﷺ کے لئے کچھ کھجور کے درخت ہذیبہ کے طور پر پیش کر دیا کرتے تھے کہ اس درخت کا پھل آپ تناول فرمائیں۔

”حتى الفصح“ یہاں تک کہ جب قریظہ اور نضیر فتح ہوئے تو اس کے بعد اگر کوئی پیش کرتا تو آپ رد فرمادیتے، کیونکہ اس میں حضور ﷺ کا بھی حصہ ہوتا تھا، اس لئے اب ضرورت نہیں رہی تھی۔

(۱۳) باب بركة الغازي في ماله حيا وميتا مع النبي ﷺ وولاية الأمر

جو شخص غازی ہو اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ یا وایۃ الامر کے ساتھ جہاد کرے، اللہ تعالیٰ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی اس کے مال میں برکت عطا فرماتے ہیں۔

جنگ جمل کا ایک مختصر خاکہ

اس میں امام بخاری رحمہ اللہ نے جو حدیث روایت کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، جنگ جمل کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لئے تشریف لے گئے۔ مستدرک حاکم کی روایت میں آتا ہے وہاں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقابلہ ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو یاد دلایا اور کہا کہ اے زبیر! تم مجھ سے لڑنے کے لئے آئے ہو تمہیں یاد نہیں کہ ایک مرتبہ میری موجودگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے ارشاد فرمایا تھا کہ: "لغائن علیا و انت ظالم" تم علی سے لڑو گے اور تم ظلم کرنے والے ہو گے۔ کلاً آج وہ دن آ گیا ہے کہ تم مجھ سے لڑنے کے لئے آئے ہو، حضرت زبیر ابن العوام رضی اللہ عنہ کو یہ بات یاد آگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی، اس لئے انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہیں لڑوں گا، چنانچہ وہ واپس ہو گئے۔

واپس ہوتے وقت خیال ہوا کہ میری وہ پوری جماعت جو میں ساتھ لے کر آیا ہوں مجھے نہیں چھوڑے گی، (اس میں بہت سے منافقین بھی تھے جو ادھر ادھر کی باتیں کرتے تھے)۔

انہوں نے اپنے بیٹے عبد اللہ بن زبیر سے کہا کہ آج ایسی جنگ ہونے والی ہے اس میں جو مرے گا وہ یا تو ظالم ہوگا یا مظلوم ہوگا، اور میرا خیال ہے کہ میں مظلوم ہو کر مارا جاؤں، پھر کچھ وصیت فرمائی جو یہاں پر مذکور ہے۔ بعد میں ایک شخص عمرو بن جرموز نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا اور ظاہر یہ ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے تھا جو دونوں فریقوں کے درمیان آگ بھڑکا رہے تھے اور منافق قسم کے لوگ تھے، اس نے دیکھا کہ یہ واپس جا رہے ہیں، اس لئے انہیں قتل کر دیا۔

یہ حدیث بھی بعض روایتوں میں اچھی اور مضبوط سند سے آئی ہے کہ "بشروا قاتل الزبیر بالنار" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ زبیر رضی اللہ عنہ کا جو قاتل ہوگا اس کو جہنم کی خوشخبری سنا دو۔ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے سند میں روایت کی ہے۔^{۱۵}

اب عجیب شبہ ہوتا ہے کہ ایک طرف "قاتل عمار فی النار" کہا گیا، ادھر "قاتل الزبیر فی النار" کہا گیا، ایک طرف یہ کہ تم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑو گے تو ظالم ہو گے تو بات اس طرح پیش آئی ہے کہ بعد میں جس شخص نے قتل کیا وہ درحقیقت ان منافقین میں سے تھا جو آگ بھڑکانے والے تھے۔

۱۵۔ المستدرک علی الصحیحین، ج: ۳، ص: ۴۱۳، ۴۱۴، رقم: ۵۵۷۶، ۱۱۷۴، ۵۵۷۷، ۱۱۷۵۔

۱۶۔ مسند احمد، مسند الخلفاء الراشدين، مسند علی بن ابی طالب، ص: ۹۶، رقم: ۶۸۰، ۶۸۱ و المعجم

الواسط، ج: ۷، ص: ۱۳۰، رقم: ۷۰۷۲، وتہذیب الکمال، ج: ۲۳، ص: ۱۹۶، رقم: ۳۷۳۱۔

بہر حال جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ ہوا کہ میں شہید ہو جاؤں گا تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بلا کر کہا کہ مجھے اپنی شہادت میں سب سے زیادہ اپنے دیون (قرضے) کی فکر ہے کہ میرے قرضے ادا ہو جائیں اور قرضوں کا سلسلہ یہ تھا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ امین آدمی تھے، لوگ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھواتے تھے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان سے یہ فرماتے تھے کہ میں تمہاری امانت نہیں رکھتا، البتہ اگر چاہو تو مجھے قرضہ دے دو اس میں تمہارا فائدہ ہوگا کہ امانت مضمون نہیں ہوتی اور قرض مضمون ہوگا، میں اس کا ضامن ہوں گا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا اس میں یہ فائدہ تھا کہ وہ اس کو اپنی تجارت وغیرہ میں استعمال کرتے تھے۔

چنانچہ وہ اس طرح رقم جمع کرتے اور تجارت میں لگاتے تھے، تجارت میں لگانے کے نتیجہ میں انہوں نے بہت ساری جائیدادیں خرید لیں، ویسے بھی یہ مالہ از آدمی تھے یہاں تک کہ جب شہادت کے بعد دیکھا گیا تو ان کے قرضے بائیس لاکھ تھے، شاید پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی تجارتی قرضے لئے جاتے تھے، اور یہ طریقہ کار میکون کے طریقہ کار سے ملتا جلتا ہے کہ لوگ ان کے پاس لا کر رکھوار ہے ہیں اور وہ تجارت میں لگا رہے ہیں تو یہ بائیس لاکھ کا قرضہ تھا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر بہت بوجھ تھا کہ یہ بائیس لاکھ روپے کا قرضہ کس طرح ادا کروں؟ بعد میں انہوں نے قرض ادا کیا، حضرت زبیر ابن العوام رضی اللہ عنہ نے وصیت بھی کی تھی جس کی تفصیل آ رہی ہے، تو پہلے وصیت نافذ کی، قرضے ادا کئے، اس کے بعد در ثاء کے درمیان تقسیم ہوا، سب کچھ ادا کرنے کے بعد حساب لگایا تو وہ تقریباً ۶۰ لاکھ کا سامان تھا جو زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے چھوڑا تھا۔

اب یہ دین کس طرح ادا ہوا، وصیتیں کس طرح ہوئیں، وہ پوری تفصیل اس روایت میں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس روایت کو یہ بتانے کے لئے لائے ہیں کہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مال میں برکت عطا فرمائی جس کے نتیجہ میں یہ کام ہو گیا۔

۳۱۲۹۔ حدیثی اسحاق بن ابراہیم قال : قلت لابی أسامة : أحدكم هشام بن عروة، عن أبيه، عن عبد الله بن الزبير قال : لما وقف الزبير يوم الجمل، دعاني لقمع إني جنبه. فقال : يا بني ! إنه لا يقتل اليوم إلا ظالم أو مظلوم، وإني لا أراي إلا سأقتل اليوم مظلوما وإن من أكبرهمي لديني، أفتري يبقى ديننا من مالنا شيئا؟ فقال : يا بني، بع مالنا فاقض ديني. وأوصى بالثلث وثلثه لبينه، يعني عبدالله بن الزبير، يقول : ثلث الثلث، فإن فضل من مالنا فضل بعد قضاء الدين فثلثه لولدك. قال هشام : وكان بعض ولد عبد الله قد وازى بعض بني الزبير خبيب وعباد وله يومئذ تسعة بنين وتسع بنات. قال عبدالله : فجعل يوصيني بدينه ويقول : يا بني إن عجزت عن شيء منه فاستعن عليه مولاي. قال : فوالله ما دريت ما أراحتي قلت : يا أبت من مولاك؟ قال : الله. قال : فوالله ما وقعت

فى كربة من دينه إلا قلت: يا مولى الزبير افض عنه دينه ، فيقضيه . فقتل الزبير رضى الله عنه ولم يدع دينارا ولا درهما إلا أرضين منها الغابة واحدى عشرة داراً بالمدينة ، ودارين بالبصرة ، وداراً بالكوفة ، وداراً بمصر . قال : وإنما كان دينه الذى عليه أن الرجل كان يأتيه بالمال فيستودعه إياه فيقول الزبير : لا ، ولكنه سلف فإنى أخشى عليه الضيعة . وماولى إمارة قط ولا جباية خراج ولا شيئاً إلا أن يكون فى غزوة مع النبى ﷺ أو مع أبى بكر وعمر وعثمان ؓ . قال عبد الله ابن الزبير : فحسبت ما عليه من الدين فوجدته ألفى ألف ومائتى ألف . قال : فلقى حكيم ابن حزام عبد الله بن الزبير فقال : يا ابن أخى ، كم على أخى من الدين ؟ فكتمه فقال : مائة ألف ، فقال حكيم : والله ما أرى أموالكم تسع لهذه ، فقال له عبد الله : أقرأيتك إن كانت ألفى ألف ومائتى ألف ؟ قال : ما أراكم تطيقون هذا ، فإن عجزتم عن شىء منه فاستعينوا بى . قال : وكان الزبير اشترى الغابة بسبعين ومائة ألف ، فباعها عبد الله بألف ألف وستمائة ألف ، ثم قام فقال : من كان له على الزبير حق فليؤانها بالغابة . فأناه عبد الله بن جعفر ، وكان له على الزبير أربعمائة ألف . فقال لعبد الله : إن شئتم تركنا لكم . قال عبد الله : لا ، قال : فإن شئتم جعلتموها فيما تؤخرون إن أخرتم ، فقال عبد الله : لا ، قال : قال : فاقطعوا لى قطعة ، فقال عبد الله : لك من هاهنا لى هاهنا . قال : فباع منها فقضى دينه فأوفاه وبقي منها أربعة أسهم ونصف . فقدم على معاوية وعنده عمرو بن عثمان والمنذر بن الزبير وابن زمعة . فقال له معاوية : كم قومت الغابة ؟ قال : كل سهم مائة ألف ، قال : كم بقى ؟ قال : أربعة أسهم ونصف . فقال المنذر بن الزبير : قد أخذت سهما بمائة ألف ، قال عمرو بن عثمان : قد أخذت سهما بمائة ألف ، وقال ابن زمعة : قد أخذت سهما بمائة ألف . فقال معاوية : كم بقى ؟ فقال : سهم ونصف . قال : أخذته بخمسين ومائة ألف . قال : وباع عبد الله بن جعفر نصيبه من معاوية بستمائة ألف . فلما فرغ ابن الزبير من قضاء دينه قال بنو الزبير : القسم بيننا ميراثنا ، قال : لا والله ، لا أقسم بينكم حتى أنادى بالموسم أربع سنين : ألا من كان له على الزبير دين فليأتنا فلنقضه ، قال : فجعل كل سنة ينادى بالموسم فلما مضى أربع سنين قسم بينهم . قال : وكان للزبير أربع نسوة ، ورفع الثلث فأصاب كل امرأة ألف ألف ومائتى ألف .

فجميع ماله خمسون ألف ألف ومائتى ألف . ١٩

١٩ لا يوجد للحديث مكررات .

حدیث کی تشریح

یہ ایسی روایت ہے جس میں شاگرد استاد پر پڑھ رہا ہے، یہ نہیں ہے کہ اسحاق بن ابراہیم کہیں ”حدثنی اسحاق بن ابراہیم“ بلکہ روایت پہلے سے ابو اسامہ کے طریق سے لکھی ہوئی موجود تھی، وہ اسحاق بن ابراہیم نے پڑھی اور کہا کہ کیا تم کو یہ حدیث ہشام بن عروہ نے ”عن أبيه عن عبد الله بن الزبير“ سنائی ہے کہ ”لما وقف الزبير يوم الجمل“ جمل والے دن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کھڑے تھے، مجھے بلایا ”فقمت.... وانی لا أوانی إلا ما قتل اليوم مظلوما“ اور میں آج کے دن ایسا لگتا ہے کہ مظلوم ہو کر شہید ہوں گا۔

”وان من أكبر همى لدينى، أفرى يلقى ديننا من مالنا شيئاً؟“ تمہارا کیا خیال ہے کہ ہمارا فرض ہمارے مال میں سے کچھ باقی چھوڑے گا؟ مطلب یہ ہے کہ وہ سارا دین میں ادا ہو جائے گا۔

”فقال: يا بنى، بع مالنا لفاصل دينى“ یہ کہا کہ میرا فرض ادا کر دینا اور ساتھ ایک ٹلٹ کی وصیت کی اور فرمایا کہ ٹلٹ کا ٹلٹ اپنے بیٹوں کو دینا یعنی آپ نے فرمایا کہ ٹلٹ کو تین حصے کرنا اور ایک حصہ اپنے (عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے) بیٹوں کو دینا۔

”فان فضل من مالنا“ اگر دین کی ادائیگی کے بعد کچھ باقی بچ جائے، تو ”لفضلہ لولدک“ کل وصیت مستاکین وغیرہ کی ہے، اس کا ٹلٹ تمہارے بیٹوں کا ہے، ٹلٹ سے ٹلٹ مراد ہے۔

”قال هشام“ یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بعض بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بعض بیٹوں کے برابر تھے مثلاً خبیب اور عباد، ان کے برابر تھے۔

”وله يوم منذ تسعة بنين وتسع بنات“ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی نو لڑکیاں اور نو لڑکے تھے۔

”قال عبداللہ“ وہ مجھے دین کے بارے میں وصیت کرتے رہے، و”يقول: يا بنى إن عجزت عن هبشى منه“ اگر کچھ دین ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ تو اس پر میرے مولیٰ سے مدد مانگنا، ”قال: فواللہ“ مجھے نہیں معلوم تھا کہ مولیٰ سے کیا مراد ہے، ”حتى قلت: يا أبت من مولاك؟ قال: اللہ“ مطلب یہ ہے کہ اللہ ﷻ سے مدد مانگنا یعنی دعا کرنا۔

”قال: فواللہ ما وقعت“ جب کبھی مشکل پیش آئی تو یہ دعا کرنا ”فبقضيه“ اللہ ﷻ پورا کر دیتے تھے۔

”ففضل الزبير ولم يدع دينارا ولا درهما“ یعنی نقد پیسہ کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ ”إلا أرضين“ مگر کچھ زمین تھیں، ”منها الغابة“ ان میں سے ایک غابہ تھا، احد کے چپے ”غابہ“ ایک بہت بڑی زمین تھی۔

”واحدى عشرة داراً بالمدينة“ مدینہ منورہ میں گیارہ گھر تھے، دو گھر بصرہ میں تھے، ایک کوفہ اور

ایک مصر میں تھا۔

”قال وانما كان دينه“ اور ان کے ذمہ دین اس طرح کا ہوتا تھا کہ لوگ ودیعت رکھوانے آتا تھا اور فرماتے تھے کہ میں تو اس کو امانت میں نہیں لیتا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ ضائع نہ ہو جائے اور تمہارا نقصان ہو۔

”وما ولي إِمارة قط ولا جباية خراج“ ساری عمر کبھی اہرت کے والی نہیں بنے، کہیں کے گورنر نہیں بنے، نہ کبھی خراج کا ٹیکس وصول کیا۔ مطلب یہ ہے کہ سرکاری ذرائع سے جو لوگوں کے پاس پیسے جمع ہو جاتے ہیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس قسم کا کوئی کام نہیں کیا مگر یہ کہ وہاں جو کچھ مال غنیمت ملتا وہ لے لیتے۔

”قال عبد الله بن الزبير: فحسبت“ وہ دو تین اور دو لاکھ یعنی بائیس لاکھ تھا۔

”قال: فلقى حكيم“ بعد میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ ملے اور کہا ”یا اخی کم علی من الدین؟“ پوچھا کہ کتنا قرضہ ہے ”فكلمه“ حضرت عبداللہ زبیر رضی اللہ عنہ نے چھپایا اور کہا کہ ”مائة الف“ ایک لاکھ ہے۔

اب بظاہر یہ غلط بیانی ہے، لیکن فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر زیادہ عدد کے بجائے چھوٹا عدد بتا دیا جائے تو وہ غلط بیانی میں شمار نہیں ہوتا کیونکہ ایک لاکھ تو ہے، اس کے علاوہ اور بھی ہیں لیکن زیادہ کو چھپایا اور صرف ”مائة الف“ کہہ دیا۔

”فقال حكيم: واللہ“ انہوں نے کہا کہ تمہاری موجودگی سید ایں اس دین کو پورا کرنے کیلئے کافی نہیں ہوں گی۔ اگر ایک لاکھ پورا نہیں ہوگا تو بتانا اگر بائیس لاکھ ہو تو پھر کیا ہوگا۔

”قال: ما أراکم“ میرا اندازہ ہے کہ تم اس کی ادائیگی کو برداشت نہیں کر سکو گے۔

”قال: وكان الزبير“ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے غابہ ایک لاکھ ستر ہزار میں خریدتا تھا ”فباعها عبد الله“ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے وہ غابہ سولہ لاکھ میں بیچا۔

”ثم قام فقال“ پھر فرمایا کہ جس کا کوئی حق ہو وہ غابہ میں آکر ہم سے لے جائے۔

”فأتاه عبد الله بن جعفر“ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ آئے، ان کے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر چار لاکھ واجب تھے۔

”فقال لعبد الله“ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو پیشکش کی کہ اگر تم چاہو تو میں یہ چار لاکھ چھوڑ دوں، معاف کر دوں۔

”قال عبد الله لا“ اگر تم چاہو تو ابھی جلدی دینے کی نہیں ہے تو مؤخر کر دو۔

”فقال عبد الله: لا، قال: قال فاقطعوا لي قطعة“ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، مجھے چاہیے ادا کا

ایک قطعہ کاٹ کر دے دیا۔ ”فقال عبد الله: لك من ههنا إلى ههنا“ اس چار لاکھ کے بدلے میں یہاں سے

وہاں تک کی زمین آپ کو دے دی۔

”قال: فباع منها فقصی دینہ“ انہوں نے یہ بیچا اور ان کا پورا دین ادا کر دیا۔

”وبقی منها أربعة اسهم ونصف“ ساڑھے چار سہم باقی رہ گئے، ”فقد علم علی معاویة وعنده

عمرو بن عثمان والمنذر بن الزبیر وابن زمعة“ بعد میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، ان کے پاس عمرو بن عثمان، منذر بن زبیر اور ابن زمعہ موجود تھے۔

”فقال له معاویة: کم قومت الغابة؟“

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ غابہ کی کل کتنی قیمت لگائی گئی؟

”قال: کل سهم مائة الف“ کہا ایک سہم کی لاکھ قیمت لگائی گئی ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ

کتنے حصے باقی ہیں؟ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ساڑھے چار حصے باقی ہیں۔

”فقال المنذر بن الزبیر“ منذر بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک حصہ ایک لاکھ میں لے لیتا ہوں۔

”قال عمرو بن عثمان: لقد اخذت سہما بمائة الف، وقال ابن زمعة: قد اخذت سہما

بمائة الف فقال معاویة: کم بقی؟“ اب کتنا باقی رہ گیا؟ ”فقال: سهم ونصف“ کہنا ڈیڑھ حصہ باقی رہ گیا

ہے ”قال: اخذته بنعمسین ومائة الف“ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسے میں ڈیڑھ لاکھ میں خرید لیتا ہوں۔

”قال: وباع عبداللہ بن جعفر“ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے جو حصہ چار لاکھ کے عوض لیا تھا وہ حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ پر چھ لاکھ کا بیچ دیا۔ ”فلما فرغ ابن الزبیر“ جب دین ادا ہو گیا تو بیٹوں نے کہا میراث تقسیم کیجئے۔

”قال: لا والله، لا أقسم بینکم حتی أنادی بالموسم أربع سنین“ کہا کہ میں اس وقت تک

میراث تقسیم نہیں کروں گا جب تک کہ چار سال تک موسم حج میں اعلان نہ کر دوں کہ جس کا بھی زبیر رضی اللہ عنہ پر قرضہ ہو وہ

آ کر وصول کرے۔

”قال: فجعل کل سنة ینادی بالموسم فلما مضی أربع سنین“ ہر سال اعلان کرتے

تھے، جب چار سال گزر گئے تو پھر باقی مال درتاء کے درمیان تقسیم کیا۔ ”قال: وكان للزبیر أربع نسوة“

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی چار بیویاں تھیں، ”ورفع الثلث“ اور جو باقی بچ گیا تھا اس میں سے ان کی وصیت پر عمل

کرتے ہوئے ثلث نکالا گیا۔

”فأصاب کل امرأة الف الف ومائتا الف“ ہر بیوی کے حصہ میں بارہ لاکھ آیا، تو چار بیویوں کے

اڑتالیس لاکھ ہوئے، یہ اڑتالیس لاکھ ترکہ کا ثمن ہوا، اب اڑتالیس لاکھ کو آٹھ سے ضرب دیں اور وصیت والے

ثلث کا اس میں اضافہ کریں تو یہ کتنا بنتا ہے، تو فرماتے ہیں، ”فجمع ماله خمسون الف الف ومائتا

الف“ اس روایت کے مطابق کل مال پانچ کروڑ دو لاکھ بنتا ہے۔

لیکن جب شرح نے اس بنیاد پر حساب لگایا کہ ہر بیوی بارہ لاکھ اور چار بیویوں کے اڑتالیس لاکھ، پھر اڑتالیس لاکھ آٹھ سے ضرب دیا، پھر اس میں وصیت کا مال شامل کیا تو یہ سب مل کر چھ کروڑ سے بھی زیادہ بنتے ہیں، اس لئے شرح بخاری حیران ہیں کہ یہ حساب کس طرح صحیح بیٹھے گا، کسی طرح نہیں بنتا۔ اس کی مختلف لمبی چوڑی توجیہات کی گئی ہیں جن کو سمجھنا بھی آسان نہیں ہے۔

حضرت گنگوہی اور شاہ صاحب رحمہما اللہ کی توجیہ

حضرت گنگوہی اور حضرت شاہ صاحب رحمہما اللہ نے جو توجیہ کی ہے وہ ایک آسان ہے کہ اس میں کسی لمبے چوڑے حساب کی ضرورت نہیں ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اصل میں غنطنی اس طرح لکھی رہی ہے کہ لوگ سمجھ رہے ہیں ”خمسون“ کے بعد ”الف الف“ ”خمسون“ کی تمیز ہے، ”الف الف“ کے معنی ایک سین اور ”خمسون الف الف“ کے معنی پچاس ملین، تو پانچ کروڑ ہو گئے ”وما لنا الف“ اور دو لاکھ بھی، تو پانچ کروڑ دو لاکھ ہو گئے۔

وہ کہتے ہیں کہ یوں نہیں ہے خمسون امگ ہے، اس کے معنی ہیں کہ کل مال کے پچاس حصے کئے گئے، جن میں سے ہر حصہ بارہ لاکھ کا تھا اور جب بارہ لاکھ کو پچاس سے ضرب دی جائے تو وہ چھ کروڑ بنتا ہے اور چار بیویوں سے بھی حساب چھ کروڑ بنتا ہے، صرف دو لاکھ کا فرق ہے کہ وہ چھ کروڑ دو لاکھ بنتا ہے اور یہ چھ کروڑ بنتا ہے، اس دو لاکھ کے بارے میں یہ کہہ دینا آسان ہے کہ یہ کس حذف کر دی گئی۔ لیکن اتنا بڑا فرق کہ پانچ کروڑ کے چھ کروڑ دو لاکھ بن جائیں، یہ مشکل ہے۔

تو کہتے ہیں کہ ”خمسون“ سے ”خمسون سہما“ مراد ہے۔ ”کل سهم الف الف وما لنا الف“ پچاس حصے تھے جن میں سے ہر حصہ بارہ لاکھ کا تھا، اس طرح حساب صحیح بیٹھ جاتا ہے۔

ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ درہم تھے یا دینار؟ اس میں کہیں نہیں لکھا ہوا، بظہر درہم ہی ہوں گے۔

(۱۴) باب إذا بعث الإمام رسولا في حاجة

أو أمره بالمقام هل يسهم له؟

۳۱۳۰ - حدثنا موسى: حدثنا أبو عونَةَ: حدثنا عثمان بن موهب، عن ابن عمر

رضي الله عنهما قال: إنما تغسب عثمان عن بدر فإنه كان تحت بنت رسول الله ﷺ وكانت مريضة، فقال له النبي ﷺ: ((إن لك أجر رجل ممن شهد بدرا وسهمه)). [أنظر: ۳۶۹۸، ۳۷۰۳، ۳۰۶۶، ۳۵۱۳، ۳۵۱۳، ۳۶۵۰، ۳۶۵۱، ۷۰۹۵] ۲۲

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، چونکہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کی وجہ سے بدر میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے ان کو بدر میں شامل قرار دیا اور مالِ غنیمت میں ان کا بھی حصہ بھی لگایا۔

(۱۵) باب: ومن الدليل على أن الخمس لنواب المسلمين، ما سأل هوازن النبي ﷺ برضاعه فيهم فتحلل من المسلمين. وما كان النبي ﷺ يعد الناس أن يعطيهم من الفداء والأفال من الخمس،

وما أعطى الأنصار، وما أعطى جابر بن عبد الله من تمر خيبر

یہ مسلسل وہی بات چل رہی ہے کہ خمس میں حضور ﷺ کو اختیار ہے بطور استحقاق کسی کا حصہ معین نہیں ہے۔

۳۱۳۳ - حدثنا عبد الله بن عبد الوهاب : حدثنا حماد : حدثنا أيوب ، عن أبي

قلاية قال : وحدثني القاسم بن عاصم الكلبي - وأنا لحدث القاسم أحفظ - عن زهدم قال : كنا عند أبي موسى فأتى - وذكر دجاجة - وعنده رجل من بني تميم الله أحمر كأنه من الموالى دعاه للطعام فقال : إني رأيت بأكل شياً لقد رتته فحلفت أن لا أكل . فقال : هلم فلأحدثكم عن ذلك . إني أتيت رسول الله ﷺ في نفر من الأشعريين نستعمله فقال : والله لا أحملكم وما عندي ما أحملكم . و أتى رسول الله ﷺ بنهب إبل فسأل عنا فقال : أين نفر الأشعريون؟ فأمر لنا بمس ذود غر الدرى . فلما انطلقنا قلنا : ما صنعنا لا يبارك لنا، فرجعنا إليه فقلنا : إنا سألناك أن تحملنا فحلفت أن لا تحملنا، أفنسيت؟ قال : ((لست أنا حملتكم، ولكن الله حملكم وإني والله إن شاء الله لا أحلف على يمين فأرى غيرها خيراً منها إلا أتيت الذي هو خير وتحللتها)). [أنظر: ۳۳۸۵، ۳۳۱۵، ۵۵۱۷،

۲۲. وفي سنن الترمذي، كتاب المناقب عن رسول الله، باب في مناقب عثمان بن عفان، رقم: ۳۲۳۹، ومسنده أحمد،

مسند المكثرين من الصحابة، باب ياقى المسند السابق، رقم: ۵۵۱۱، ۵۷۳۹.

۵۵۱۸، ۶۶۲۳، ۶۶۳۹، ۶۶۷۸، ۶۶۸۰، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۷۶۲۱، ۷۵۵۵]۔ ۳۳

یمین متخلل

حضور اکرم ﷺ کے پاس کچھ اشعری لوگ آئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے کچھ اونٹ مانگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "واللہ لا احمکم وما عندی ما احمکم" قسم کھائی کہ میں نہیں دوں گا۔ بعد میں قیمت کے کچھ اونٹ آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ وہ اشعری کہاں ہیں، اس کے بعد آپ ﷺ نے ہمیں پانچ اونٹ دیئے، "غزو المدینہ" جن کی کو بان سفید تھی۔

جب ہم چلنے لگے تو ہم نے سوچا "ما صنعنا لا یبارک لنا" ہمیں برکت نہیں ہوگی کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے قسم کھائی تھی کہ نہیں دیں گے اور پھر دے دیئے۔

"فرجعنا الیہ، فقلنا، ابا سالناک ان تحملنا فحلفت ان لا تحملنا انفسیت ؟" آپ نے نہ دینے کی قسم کھالی تھی، اب جو آپ دے رہے ہیں تو کیا آپ بھول گئے ہیں؟" قال: لست انا حملکم ولكن الله حملکم" تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نہیں دیا، اللہ ﷻ نے دیا ہے، لہذا حملانے غیب سے یہ اونٹ بھیج دیئے۔

"وانی واللہ ان شاء اللہ لا اءلف علی یمین فاری غیرہا خیرا منها الا ائیت الذی ہو خیر وتحلتها"۔

جب بھی میں کوئی ایسی قسم کھاؤں کہ بعد میں دوسرا راستہ بہتر معلوم ہو تو پھر میں اس قسم کے خلاف عمل کر لیتا ہوں اور اس یمین کو متخلل کر لیتا ہوں۔ یمین کو متخلل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ یا تو کفارہ ادا کر دیں گے یا یمین کھاتے وقت ہی ان شاء اللہ کہہ دیا تو پھر یمین منعقد ہی نہیں ہوتی۔ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔

یہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے قسم ہی یہ کھائی ہو کہ موجود اونٹ یا موجود مال میں سے نہیں دوں گا، اگر آپیں غیب سے آج نہیں آتے پھر دینا اس قسم کے خلاف نہیں ہوگا۔

۳۱۳۵ - حدیثنا یحییٰ بن یحییٰ بن بکیر : أخبرنا اللیث ، عن عقیل ، عن ابن شہاب ، عن

۳۳ وفی صحیح مسلم ، کتاب الایمان ، باب مدب من حلف یمیناً فرأى غیرہا خیراً فیہا ان یاتی ، رقم . ۳۱۰۹ ، وسنن السرمدی ، کتاب الاطعمه عن رسول اللہ ، باب ما جاء اکل لحوم الدجاج ، رقم . ۱۷۳۹ ، وسنن النسائی ، کتاب الصید والدبائح ، باب اباحه اکل لحوم الدجاج ، رقم . ۴۲۷۰ ، وسنن ابن ماجہ ، کتاب الکفارات . باب من حلف علی یمین فرأى غیرہا خیراً منها ، رقم . ۲۰۹۹ ، ومسند احمد ، اول مسند الکوفیین ، باب حدیث ابی موسی الاشعری ، رقم : ۱۸۷۳۳ ، ۱۸۷۶۶ ، ۱۸۹۱۳ ، وسنن الدارمی ، کتاب الاطعمه ، باب فی اکل الدجاج ، رقم . ۱۹۶۶ .

سالم، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ كان ينفل بعض من يبعث من السرايا لأنفسهم خاصة سوى قسم عامة الجيش. ۲۵:۲۳

نفل کا ثبوت

آپ ﷺ بعض اوقات سرایا یعنی چھوٹا لشکر کسی کام کے لئے بھیجتے تھے، وہ کچھ مال غنیمت لے کر آتا، اس میں سے ان کو نفل دیا کرتے تھے یعنی بڑے جیش کی نسبت ان کو زیادہ دیتے تھے۔ بڑے جیش میں جو کچھ تقسیم ہوا اس میں تو ان کا حصہ لگتا ہی تھا، لیکن ان کو خصوصی طور پر الگ سے بھی دیتے تھے، اس کو نفل کہتے ہیں۔

۳۱۳۶۔ حدثنا محمد بن العلاء: حدثنا أبو أسامة حدثنا يهود بن عبد الله، عن أبي بردة، عن أبي موسى ﷺ، قال: بلغنا مخرج النبي ﷺ ونحن باليمن، فخرجنا مهاجرين إليه - أنا وأخوان لي أنا أصغرهم: أحدهما أبو بردة والآخر أبو رهم - إما قال: في بضع، وإما قال: في ثلاثة وخمسين أو اثنين وخمسين رجلا من قومي، فركبنا سفينة، فالتقنا سفينتنا إلى النجاشي بالحبشة، ووالقنا جعفر بن أبي طالب وأصحابه عنده، فقال جعفر: إن رسول الله ﷺ بعثنا هاهنا، وأمرنا بالإقامة، فأقموا معنا، فأقمنا معه حتى قدمنا جميعا فوالقنا النبي ﷺ حين الفتح خيبر، فأسهم لنا - أو قال: فأعطانا - منها وما قسم لأحد غاب عن فتح خيبر منها شيئا إلا لمن شهد معه، إلا أصحاب سفينتنا مع جعفر وأصحابه، قسم لهم معهم. [أنظر: ۳۸۷۶، ۳۲۳۰، ۳۲۳۳] ۲۶

حضور ﷺ کو مال غنیمت کا اختیار حاصل ہونا

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہمیں رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے کی خبر ملی اس وقت ہم یمن میں تھے۔ ”مخرج“ سے بعثت مراد ہے۔ میں اور میرے دو بھائی ابو بردہ اور ابو رهم ان میں سے میں چھوٹا تھا، ہم ہجرت کر کے

۲۳ لا يوجد للحديث مكررات.

۲۵ وفي صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب الإنفال، رقم ۳۲۹۳، وسنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في نفل السرية تخرج من المعسكر، رقم ۲۳۶۶، ومسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، باقى المسند السابق، رقم: ۵۹۶۹.

۲۶ وفي صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل جعفر بن أبي طالب واسماء بنت عميس، رقم ۳۵۵۸، وسنن الترمذی، كتاب السير عن رسول الله، باب ماجاء في أهل الذمة يفزون مع المسلمين هل يسهم، رقم: ۱۲۸۱، وسنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب فيمن جاء بعد الغنيمة لاسهم له، رقم: ۲۳۳۹.

حضور اقدس ﷺ کے پاس چلے گئے۔

ہمارے ساتھ ہماری قوم کے (یا تو کہا کہ) پچاس سے کچھ اوپر افراد تھے ”بضع“ (یا کہا کہ) تریچین یا باون آدمی تھے، جو ہجرت کی غرض سے حضور اقدس ﷺ کے پاس حاضر ہونے کے لئے چلے۔

”لھر کبنا سفینة“ خشکی کے راستہ کے بجائے ہم نے سمندر میں سفر کرنا شروع کیا۔ ”فالقتنا سفینتنا الی النجاشی بالحبشة“ تو ہوا کا رخ بدل گیا جس کے نتیجے میں اس نے کشتی کو حبشہ لے جا کر چھوڑ دیا۔

وہاں جا کر ہم نے دیکھا کہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی پہلے سے ہی حبشہ کی طرف ہجرت کیے ہوئے ہیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے یہاں پر بھیجا ہے اور یہاں ٹھہرنے کا حکم دیا ہے، لہذا تم بھی ہمارے ساتھ ٹھہرو۔

چنانچہ ہم بھی ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ سب ل کر آئے جب ہم آئے تو اس وقت آپ ﷺ نے خیبر فتح کیا تھا، غزوہ خیبر ہو چکا تھا اور مال غنیمت تقسیم ہو رہا تھا ”فأسهم لنا“ آپ ﷺ نے ہمارا حصہ بھی لگایا اور یہ کہا کہ ”فأعطانا منها وما قسم لأحد، غاب عن فتح خیبر منها شئنا إلا لمن شهد معه“ خیبر کی فتح سے جو لوگ غائب تھے ان میں سے کسی کو حصہ نہیں دیا، سوائے ان لوگوں کے جو آپ کے ساتھ شامل ہوئے، البتہ ہمارے کشتی والے ساتھیوں اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو خیبر کی فتح میں حصہ دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں یہ حدیث لاکر بتا رہے ہیں کہ اس سے پتہ چلا کہ حضور اقدس ﷺ کو مال غنیمت کی تقسیم میں کبلی اختیار حاصل تھا، ورنہ قاعدہ کی رو سے یہ مال غنیمت کے حصے دار نہیں تھے لیکن حضور اقدس ﷺ نے اپنے اختیار کے تحت ان کو حصہ دیا۔

(۱۶) باب ما من النبی ﷺ علی الاساری من غیر ان ینخمس .

یہ باب یہ بیان کرنے کیلئے قائم کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے جنگی قیدیوں کو فوس نکالے بغیر احسان کر کے چھوڑنے کو جائز قرار دیا ہے۔

مال غنیمت مجاہدین کی ملکیت کب بنتا ہے؟

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ دو مسئلوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

جمہور کا مسلک

ایک مسئلہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک جن میں حنفیہ بھی داخل ہیں مال غنیمت اس وقت تک مجاہدین کی ملکیت میں نہیں آتا جب تک کہ وہ تقسیم نہ کر دیا جائے یعنی تقسیم کرنے سے پہلے مجاہدین کی ملکیت میں نہیں آتا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو بھی مال غنیمت حاصل ہوا، مجاہدین اس کے مالک بن گئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ جمہور کی تائید کرنا چاہ رہے ہیں کہ تقسیم سے پہلے مجاہدین کی ملکیت نہیں اور اس کی دلیل میں یہ بات پیش کی ہے کہ اگر مال غنیمت حاصل ہوتے ہی مجاہدین کی ملکیت ہو جاتا تو امام کو فدیہ لینے بغیر قیدیوں کو چھوڑنے کا حق نہ ہوتا، کیونکہ مجاہدین اس کے مالک ہو گئے۔ اب جب تک ان کی رضا مندی نہ حاصل کی جائے امام کو یہ حق نہ ہوگا کہ فدیہ لینے بغیر آزاد کر دے، لیکن نبی کریم ﷺ نے آزاد کرنے کی اجازت دی اور یہ صرف حدیث میں ہی نہیں بلکہ قرآن کریم میں بھی ہے ”فاما منا بعد واما لداؤ“ کہ ”من“ کرنا بھی جائز ہے۔

اگر مجاہدین مال غنیمت حاصل ہوتے ہی مالک ہو جاتے تو پھر جو قید ہیں ان کے بھی مالک ہو جاتے، اس کا تقاضا یہ تھا کہ جب تک ان سے اجازت نہ لی جائے، اس وقت تک ”من“ کرنا ناجائز نہ ہو، لیکن ”من“ کرنے کی اجازت دی گئی۔ معلوم ہوا کہ مجاہدین اس وقت تک مالک نہیں بنتے جب تک مال غنیمت کی تقسیم عمل میں نہ آجائے۔ دوسرا مسئلہ پہلے گزر چکا ہے کہ جو خمس بیت المال میں جاتا ہے، اس میں حنفیہ کے نزدیک تین مدت ہیں: یتامی، مساکین اور ابن سبیل، ذوی القربی کا حق ساقط ہو گیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں ذوی القربیٰ مصرف کے طور پر ہیں، مستحق کے طور پر نہیں اور جیسا کہ ذکر کیا تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ ہر جگہ امام مالک کے مسلک کو ترجیح دیتے رہتے ہیں۔ یہاں یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ قیدیوں کو جو خمس میں سے آزاد کیا گیا، اس میں ذوی القربیٰ، یتامی اور مساکین سے نہیں پوچھا، دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیں کہ جو مصارف قرآن کریم نے بیان کئے ہیں، ان میں ذوی القربیٰ، یتامی، مساکین اور ابن سبیل تو موجود ہیں، لیکن ”من“ کا ذکر نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ امام کو خمس کے اندر تصرف کا کلی اختیار ہے جمعی تو ”من“ کی اجازت ہوئی ورنہ اجازت نہ ہوتی، ترجمہ الباب میں یہ استدلال کیا ہے۔

۳۱۳۹ - حدثنا إسحاق بن منصور: أخبرنا عبد الرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهري، عن محمد بن جبير، عن أبيه رضي الله عنه: أن النبي ﷺ قال في أسارى بدر: لو كان المطعم بن عدي حيا لم كلفني في هؤلاء الننتي لفركتهم له. [أنظر ۲۳۰۲] ۷۷

۷۷ - ولی سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی المن علی الاسیر بغیر فداء، رقم: ۲۳۱۳، ومسنند احمد، اول

المدلیین اجمعین، باب حدیث جبیر بن مطعم، رقم: ۱۶۱۳۳.

مکافات حسن سلوک کا شوق

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ”لو كان المطعم بن عدی“ آج اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے ان بد بودار لوگوں کے بارے میں بات کرتا یعنی یہ کہتا کہ ان کو بغیر فد یہ لئے چھوڑ دیں، ”لعوکم لہ“ تو میں اس کی سفارش قبول کر کے ان کو چھوڑ دیتا۔

”النتی“ اس کا لفظی معنی ہے، ”بد بودار“ اس سے مراد مشرکین قیدی ہیں۔

مطعم بن عدی کا حسن سلوک

مطعم بن عدی اگرچہ مشرکین میں سے تھا لیکن اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن سلوک کیا تھا۔ ایک حسن سلوک یہ تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعب ابی طالب میں محصور تھے، اس وقت تمام قریش نے آپ کا بایزکاٹ (مقاطعہ) کیا ہوا تھا اور باقہ عدہ ایک تحریر لکھ دی تھی، اس وقت اس تحریر کو منسوخ کرانے میں مطعم بن عدی کا بڑا دخل تھا۔ اس کے علاوہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے تھے اور وہاں کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بد سلوکی کی تھی، جب آپ وہاں سے واپس آئے تو مطعم بن عدی نے ایک طرح سے آپ کو اپنے جوار میں رکھا تھا تو اس حسن سلوک کی مکافات کے طور پر یہ فرمایا کہ اگر آج وہ ان کی سفارش کرتا تو میں قبول کر لیتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام کو قیدیوں کو آزاد کرنے کا حق حاصل ہے۔

(۷۱) باب : ومن الدلیل علی أن الخمس للإمام،

وأنه يعطي بعض قرابته دون بعض ما قسم النبي صلی اللہ علیہ وسلم لبني

المطلب وبني هاشم خمس خبير،

”وقال عمر بن عبد العزيز: لم يعمهم بذلك، ولم يخص قريبا دون من أحوج إليه، وإن كان الذي أعطى لما يشكو إليه من الحاجة، ولما مستهم في جنبه، من قومهم وخلفائهم“.

یہ دوبارہ امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک کی تائید کرنے کیسے باب قائم فرمایا کہ ذوی القربی اس معنی میں مستحق نہیں ہیں کہ ان کو خمس کا کوئی نہ کوئی حصہ دیا جائے، بلکہ امام کو اختیار ہے جس کو چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب اس بات کی دلیل قائم کرنے کے لئے قائم کیا کہ خمس کو صرف کرنے کا حق صرف امام کو حاصل ہے، ”وانہ يعطى بعض قرابته دون بعض“ بعض رشتہ داروں کو دے سکتا ہے اور بعض کو نہ دے، نبی کریم ﷺ قرابت میں بھی بعض کو دے اور بعض کو نہ دے۔ اس کا حق امام کو حاصل ہے۔

”ما قسم النبی ﷺ لبني المطلب“ اگلی حدیث میں یہ بات ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے خمس میں سے بنو المطلب اور بنو ہاشم کو دیا لیکن بنو نوفل اور بنو عبد شمس کو نہیں دیا جانا کہ رشتہ کے اعتبار سے وہ بھی حضور اقدس ﷺ سے تقریباً وہی تعلق رکھتے تھے جو بنو المطلب اور بنو ہاشم کا ہے۔

یعنی عبد مناف کے چار بیٹے تھے، نوفل، عبد المطلب، مطلب اور ہاشم۔ آپ ﷺ نے بنو المطلب اور بنو ہاشم کو دیا لیکن بنو نوفل اور بنو عبد المطلب کو نہیں دیا، لہذا پتہ چلا کہ مستحق ہونے کی بنیاد پر نہیں دیا، اگر ذوی القربیٰ کو مستحق ہونے کی بنیاد پر دیا ہوتا تو سب کو دیتے لیکن سب کو نہیں دیا کچھ کو دیا اور کچھ کو نہیں دیا۔

”وقال عمر بن عبد العزيز.....إليه“ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا ”لم يعنهم بذلك“ عطاء خمس میں آپ نے سب کو عام نہیں کیا۔ ”ولم يعص قراباً دون من أحوج إليه“ اور ایسا نہیں کیا کہ آپ نے کسی خاص رشتہ دار کو دیا ہو اور اس شخص کو چھوڑ دیا ہو جو اس سے زیادہ محتاج تھا، گویا احتیاج کی بنیاد پر دیا، قرابت کی بنیاد پر نہیں دیا۔ اس سے بالواسطہ حنفیہ کی تائید ہو رہی ہے کہ مدد احتیاج پر ہے قرابت پر نہیں۔

”وان كان الذي أعطى لما يشكو إليه من الحاجة“ اس ”كان“ کی خبر محذوف ہے، اصل عبارت یوں تھی ”ان كان الذي أعطى بعد قرابة ممن لم يوت“ کہ اگر چہ اپنے رشتہ داروں میں سے وہ شخص جس کو زیادہ قرابت کے لحاظ سے بہت ان کے بعید ہو جن کو نہیں دیا، یعنی بعید کو دے دیا اور قریب کو نہیں دیا۔ ”لما يشكو إليه من الحاجة“ اس واسطے کہ بعید حاجت کی شکایت کر رہا تھا۔ ”ولما مستهم في جنبه من قومهم وخلقاً هم“ اور ان کی قوم اور خلائق کی طرف سے ان کی جانب میں کوئی بات پہنچی تھی۔

مطلب یہ ہے کہ یا تو حاجت کو بنیاد بنایا، یا اس بات کو کہ ان کی طرف سے مسلمانوں کو زیادہ نصرت حاصل ہوئی، اس کی وجہ سے ان کو دیا، چاہے وہ قرابت کے اعتبار سے بعید ہیں۔

۳۱۴۰۔ حدثنا عبد الله بن يوسف؛ حدثنا الليث عن عقيل، عن ابن شهاب، عن ابن المسيب، عن جبير بن مطعم قال: مشيت أنا وعثمان بن عفان إلى رسول الله ﷺ فقلنا: يا رسول الله، أعطيت نبي المطلب وتركتنا، ونحن وهم منك بمنزله واحدة؟ فقال رسول الله ﷺ: ((إنما بنو المطلب وبنو هاشم شيء واحد)). قال الليث: حدثني يونس، وزاد: قال جبير: ولم يقسم النبي ﷺ لبني عبد شمس ولا لبني نوفل. وقال ابن إسحاق: عبد شمس وهاشم والمطلب إخوة لأم، وأمهم عاتكة بنت مرة، وكان نوفل

أخاهم لا نبیہم۔ [انظر: ۳۵۰۳، ۳۲۲۹]۔^{۲۸}

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا ”یا رسول اللہ اعطیت بنی المطلب وترکتنا“ آپ نے بنو المطلب کو دیا اور ہم کو چھوڑ دیا، حالانکہ ہم اور وہ یعنی بنو المطلب آپ سے ایک ہی رشتہ رکھتے ہیں، ایک ہی درجہ میں ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بنو عبد المطلب میں سے تھے اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بنو نوفل میں سے تھے، یہ دونوں آئے اور آکر کہا کہ اگر آپ نے صرف بنو ہاشم کو دیا ہوتا، اور بنو المطلب کو نہ دیا ہوتا تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں تھا، اس لئے کہ بنو ہاشم کو فضیلت حاصل ہے کیونکہ آپ بنو ہاشم میں سے ہیں، بنو ہاشم آپ کا خاندان ہے اور اس نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی ہے وہ عیاں ہے، بنو ہاشم کے ساتھ آپ کو زیادہ قرابت داری حاصل ہے، لیکن آپ نے بنو ہاشم کے ساتھ بنو المطلب کو بھی دیا اور بنو المطلب سے آپ کا وہی رشتہ ہے جو بنو نوفل اور بنو عبد المطلب سے ہے، ان کو ہارے اوپر کوئی مزیت حاصل نہیں ہے، اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نے ان کو دیا اور ہمیں چھوڑ دیا، حالانکہ وہ یعنی بنو المطلب اور ہم آپ کے ایک ہی رشتہ میں ہیں۔

”لقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیء واحد“ بنو المطلب اور بنو ہاشم ایک ہی چیز ہیں، یعنی بنو المطلب کا بنو ہاشم سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ دونوں ایک ہی خاندان بن گئے ہیں اور انہوں نے جس طرح قرابت کا حق ادا کیا اور جس طرح نصرت کی وہ بنو عبد المطلب اور بنو نوفل سے بہت زیادہ ہے، چونکہ وہ دونوں ایک جیسے ہیں اس لئے میں نے ان دونوں کو دیا یعنی بنو المطلب کو بھی دیا اور بنو ہاشم کو بھی دیا، اس پر بنو نوفل اور بنو عبد المطلب کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، نصرت کے معاملہ میں یہ اس درجہ پر نہیں ہیں جس پر بنو المطلب و بنو ہاشم ہیں۔

بہر حال معلوم ہوا کہ بنو المطلب اور بنو نوفل وغیرہ سے رشتہ داری کا تعلق ایک جیسا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے بنو المطلب کو بنو عبد المطلب اور بنو نوفل پر ترجیح دی۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ استدلال کر رہے ہیں کہ اگر بنیاد قرابت ہوتی تو سب کو یکساں طور پر دیتے لیکن چونکہ سب کو یکساں نہیں دیا، اس لئے معلوم ہوا کہ بنیاد قرابت نہیں ہے۔

۲۸ ولی سنن النسائی، کتاب قسم الفسی، رقم: ۳۰۶۷، و سنن ابی داؤد، کتاب الخراج و الامارة و الفسی، باب بیان مواضع قسم الخمس و سهم ذی القربی، رقم ۲۵۸۵، و سنن ابن ماجہ، کتاب الجهاد، باب قسمة الخمس، رقم ۲۸۷۲، و مسند احمد، مسند المدائین اجمعین، باب حدیث جبیر بن مطعم، رقم: ۱۶۱۳۱، ۱۶۱۶۷، ۱۶۱۷۹.

(۱۸) باب من لم یخمس الأسلاب ،

ومن قتل قتیلاً فله سلبه من غیر أن یخمس ، وحکم الإمام فیہ ،

مقتول کے سلب کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ ہمیشہ سلب کا استحقاق قاتل ہوتا ہے یا نہیں؟

امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ کا مسلک

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو بھی قتل کرے گا ہمیشہ سلب اسی کو ملے گا، یہ حکم شرعی ابدی ہے، اور سلب خمس کا حصہ نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا مسلک

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم شرعی ابدی نہیں ہے، بلکہ امام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے یہ اعلان کر دے "من قتل قتیلاً فله سلبہ" جب چاہے قاتل کو سلب دے اور جب چاہے نہ دے۔

حضور اقدس ﷺ نے متعدد مقامات پر یہ اعلان کروایا۔ شافعیہ اور حنابلہ اس کو حکم شرعی پر محمول کرتے ہیں اور حنفیہ اور مالکیہ اس کو حکم انتظامی یا سیاسی پر محمول کرتے ہیں کہ بحیثیت امام آپ ﷺ نے یہ حکم جاری کیا تھا۔ حنفیہ کی دلیل بدر کا واقعہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ روایت کر رہے ہیں، جس کے آخر میں ہے:

۳۱۳ - ثم انصرنا إلى رسول الله ﷺ فأخبرناه فقال: ((أيكما قتله؟))

قال كل واحد منهما: أنا قتله. فقال: ((هل مسحتما سيفيكما؟)) قال: لا، فنظر لي السيفين فقال: ((كلاكما قتله)). سلبه لمعاذ بن عمرو بن الجموح ، وكانا معاذ بن عفراء ومعاذ بن عمرو بن الجموح.

قال محمد : سمع يونس صالحا وسمع إبراهيم أباه عبد الرحمن بن عوف .

[أنظر: ۳۹۶۳، ۳۹۸۸] ۲۹

اب قتل معاذ ﷺ اور معوذ ﷺ دونوں نے کیا تھا لیکن آپ ﷺ نے سلب حضرت معاذ ﷺ کو دیا، حالانکہ حضرت معوذ ﷺ بھی قتل میں شریک تھے۔

۲۹ ولی صحیح مسلم ، کتاب الجہاد والسیر ، باب استحقاق القاتل سلب القتل ، رقم : ۳۲۹۶ ، ومسنند احمد ،

مسند العشرة المبينين بالجنة ، ، باب حديث عبد الرحمن بن عوف الزهري ، رقم : ۱۵۸۳ .

دوسری بات یہ ہے کہ آخر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا اور ایسے موقع پر جو آخر میں قتل کرنے والا ہوتا ہے، سلب اس کو ملتا ہے لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے تلوار کے اور سلب نہیں دیا۔ اگر یہ کوئی حکم شرعی ابدی ہوتا تو تینوں کے درمیان برابر تقسیم ہونا چاہئے تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی حکم شرعی ابدی نہیں ہے۔

”فقال : هل مسحتما سيفيكما“ دونوں کی تلوار دیکھی اور پھر فرمایا کہ تم دونوں نے قتل کیا، تم دونوں قاتل ہو، ہمت افزائی فرمائی لیکن سلب کا فیصلہ معاذ بن عمرو کیلئے کیا، اس لئے کہ شاید تلوار کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ آخر کاری ضرب انہوں نے لگائی ہے۔

(۱۹) باب ما كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم يعطي المؤلفه قلوبهم

وغيرهم من الخمس ونحوه،

”رواه عبدالله بن زيد عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم“.

اس ترجمہ الباب سے بھی وہی بات کہنا چاہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفۃ القلوب کو تالیف قلب کیلئے پیسے دیتے تھے ”من الخمس“ حالانکہ قرآن کریم نے اس کے جو مصارف بیان کئے ہیں اس میں مؤلفۃ القلوب داخل نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ امام کو اختیار ہے جہاں چاہے صرف کرے۔

۳۱۴۴ - حدثنا أبو النعمان: حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن نافع: أن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ قال: يا رسول الله، إنه كان علي اعتكاف يوم في الجاهلية فأمره أن يفي به. قال: وأصاب عمر جاريتين من سبي حنين فوضعهما في بعض بيوت مكة، قال: فمن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علي سبي حنين فجعلوا يسعون في السكك فقال عمر: يا عبدالله، الظر ما هذا؟ قال: من رسول صلی اللہ علیہ وسلم علي السبي. قال: اذهب فأرسل الجاريتين. قال نافع: ولم يعتمر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من الجعرانة، ولو اعتمر لم يخف علي عبدالله. وزاد جرير بن حازم عن أيوب عن نافع عن ابن عمر وقال: من الخمس، ورواه معمر، عن أيوب عن نافع، عن ابن عمر في النذر ولم يقل: يوم. [راجع: ۲۰۳۲]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دو کئیریں دی تھیں، وہ تمس میں سے تھیں، معلوم ہوا کہ امام کو تمس میں تصرف کرنے کا مکمل حق حاصل ہے۔

۳۱۴۵ - حدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا جرير بن حازم: حدثنا الحسن قال: حدثني عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ قال: أعطى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قوماً، ومنع آخرين فكانهم غتبوا

عليه فقال : انى أعطى قوما أخاف ظلمهم وجزعهم ، وأكل اقواما إلى ما جعل الله في قلوبهم من الخير والغناء . منهم عمرو بن تغلب . فقال عمرو بن تغلب : ما أحب أن لى بكلمة رسول الله ﷺ حمر النعم . زاد أبو عاصم ، عن جرير قال : سمعت الحسن يقول : حدثنا عمرو بن تغلب أن رسول الله ﷺ أتى بمال أو بسى فقسمه بهذا . [راجع : ۹۲۳]

حضور اقدس ﷺ نے کچھ لوگوں کو دیا اور کچھ کو نہیں دیا تو بعض لوگوں کو شکات ہوئی۔

”عبرا علیہ“ کا معنی ہے، لوگوں کو شکایت ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”اننى أعطى قوما أخاف ظلمهم وجزعهم“ میں ایسے لوگوں کو دیتا ہوں جن کے بارے میں مجھے یزھے ہو جانے کا ڈر ہے۔ ”طلع“ کا لفظی معنی ہے نکلنا ہو جانا۔ ”ظالم“ نکلنے کو کہتے ہیں، اس لئے اگر نہیں دوں گا تو اندیشہ ہے کہ وہ سیدھے راستے سے بھٹک جائیں۔ ”و جزعهم“ اور ان کی گھبراہٹ سے یعنی اگر نہیں دوں گا تو ان کے اندر جزیع پیدا ہوگا، ایسا نہ ہو کہ وہ اسلام چھوڑ کر بھاگ جائیں، تو گویا تالیف قلب کے لیے دیتا ہوں۔

”وأكل اقواما إلى ما جعل الله في قلوبهم“ اور بعض لوگوں کو چھوڑ دیتا ہوں یعنی اس بات پر بھروسہ کرتا ہوں جو اللہ ﷻ نے ان دلوں میں خیر اور غن رکھا ہے، اس لئے ان کو یقین نہیں۔

ساتھ ہی فرمایا ”منهم عمرو بن تغلب“ انہی میں سے عمرو بن تغلب بھی ہیں، کیونکہ ان کے دل میں غنا اور خیر کا احساس ہے، اس لئے ان کو نہیں دیا۔

”فقال عمرو بن تغلب“ مجھے سرخ اونٹ ملتے ہیں، تب بھی اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے ہوئی تو گویا آپ ﷺ نے میرے دل میں غنا اور خیر ہونے کی شہادت دی ہے۔

۳۱۲۸۔ حدثنا عبد العزيز بن عبد الله الأويسى : حدثنا إبراهيم بن سعد ، عن صالح ، عن ابن شهاب قال : أخبرني عمرو بن محمد بن جبیر بن مطعم أن مطعم بن جبير قال : أخبرني جبیر بن مطعم أنه بنا هو مع رسول الله ﷺ ومع الناس مقلبه من حنين علق رسول الله ﷺ الأعراب يسألونه حتى اضطروه إلى سمرة فخطفت رداءه فوقف رسول الله ﷺ فقال : ((أعطوني ردائي ، فلو كان عدد هذه العضاء نعماً لقسمته بينكم ثم لا تجدوني بخيلاً ولا كذوباً ولا جباناً)) . [راجع : ۲۸۲۱]

حضرت جبیرؓ کو آپ ﷺ نے جاگیر دی تھی اس سے استدلال کر رہے ہیں کہ امام کو خمس میں تصرف کا حق حاصل ہے۔

۳۱۵۲۔ حدثني احمد بن المقدم : حدثنا الفضيل بن سليمان : حدثنا موسى بن عقبه قال : أخبرني نافع ، عن ابن عمر رضي الله عنهما : أن عمر بن الخطاب أجلى اليهود

والنصارى من ارض الحجاز، وكان رسول الله ﷺ لما ظهر على اهل خيبر اراد ان يخرج اليهود منها وكانت الارض - لما ظهر عليها - لليهود وللرسول وللمسلمين ، فسأل اليهود رسول الله ﷺ ان يتركهم على ان يكفوا العمل ولهم نصف الثمر، فقال رسول الله ﷺ: ((نترككم على ذلك ما شئنا))، فالتروا حتى اجلاهم عمر في امارته إلى تيماء واربعاء . [راجع ۲۲۸۵]

اس حدیث کا باب سے کیا تعلق ہے؟ یہ کسی شارح کی سمجھ میں نہیں آیا، حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ وغیرہم نے ہتھیار ڈال دیئے کہ باب میں کہا گیا ہے خمس سے مؤلفۃ القلوب کو دیا جاسکتا ہے یہاں نہ مؤلفۃ القلوب ہیں، نہ خمس دینے کا کوئی مسئلہ ہے کیونکہ یہ زمین تو غنیمت تھیں، ان پر یہودیوں کو برقرار رکھا گیا، لہذا کوئی تعلق باب سے سمجھ میں نہیں آتا۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی توجیہ

صرف حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ خیبر کی زمین ان کو مزارعت پر دی گئی تھیں اور حضور ﷺ کا معمول تھا کہ ان کے پاس خرص کیلئے خرص بیجھتے تھے، وہ خارص خرص کی بنیاد پر پیداوار وصول کرتے تو اس کا ثلث یا ربع چھوڑ دیا کرتے تھے جیسا کہ بعض روایتوں میں آتا ہے۔

تو ثلث اور ربع چھوڑ دینا ایک طرح سے یہودی خیبر کے لئے عطا ہے اور یہ عطا تالیف قلب کے لئے ہے یا غیر مؤلفۃ القلوب کو دی گئی کیونکہ ترجمۃ الباب میں مؤلفۃ القلوب وغیرہم دونوں کا ذکر ہے۔

امام نے اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے یہ عطا دی تو یہ مناسبت ہو سکتی ہے، باقی باب سے کوئی اور بات یا مناسبت سمجھ میں نہیں آتی۔

(۲۰) باب ما یصیب من الطعام فی ارض الحرب

۳۱۵۳ - حدثنا مسدد: حدثنا حماد بن زید، عن أيوب، عن نافع: عن ابن عمر

رضي الله عنهما قال: كنا نصيب في مغازينا العسل والعنب فإنا كله ولا نرفعه. ^{۱۰}
آپ نے چونکہ نکیر نہیں فرمائی، معلوم ہوا کھانے پینے کی چیز تقسیم سے پہلے بھی لی جاسکتی ہے، "فإنا كله ولا نرفعه" یعنی کھا لیتے تھے اٹھا کر نہیں رکھتے تھے کہ اس کا ذخیرہ کر لیں۔

كتاب الجزية والموادعة

٣١٨٩ - ٣١٥٦



۵۸ - کتاب الجزیة و المودعة

(۱) باب الجزیة و المودعة مع أهل الذمة و الحرب،

وقول الله تعالى: ﴿ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ ﴾
إلى قوله: ﴿ وَهُمْ صَافِرُونَ ﴾ - یعنی اذلاء، و المسكنة مصدر المسكين، فلان أسكن من
فلان أخرج منه ولم يذهب إلى السكون و ما جاء في أخذ الجزية من اليهود و النصارى
و المجوس و المعجم. و قال ابن عيينة، عن ابن أبي نجیح: قلت لمجاهد: ما شأن أهل الشام
عليهم أربعة دنانير، و أهل اليمن عليهم دينار؟ قال: جعل ذلك من قبل اليسار.
یہ "جزیہ" اور "مودعة" کے بارے میں باب ہے، اہل حرب کے ساتھ صلح کرنا۔ بعض نسخوں میں اس کو
باقاعدہ کتاب قرار دے کر "کتاب الجزیة" کا عنوان دیا گیا۔

اس میں پہلی بات یہ ذکر کی کہ "صافرون" کا معنی ہے "اذلاء" اور "مسکنہ" یہ "مسکین" کا
مصدر ہے "أسکن من فلان" کے معنی ہوتے ہیں "أخرج منه ولم يذهب إلى السكون" اور تشریح
کرنے والا "سکون" کی طرف نہیں گیا یعنی یہ نہیں کہا کہ یہ "سکون" سے ماخوذ ہے، بلکہ کہا کہ "مسکنہ"
سے ماخوذ ہے۔

"و ما جاء في الجزیة" اور وہ روایتیں جو یہود و نصاریٰ اور مجوس سب سے جزیہ لینے کے بارے
میں وارد ہوئی ہیں، اس سے اختلاف کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

جمہور کا قول

جمہور کہتے ہیں کہ کفار عرب کے سوا تمام کفار سے جزیہ لیا جائے گا، اس لئے کہ اہل عرب کے بارے
میں دو ہی باتیں ہیں، اسلام یا قتال۔ اہل عرب کیلئے جزیہ نہیں ہے اور باقی کفار سے جزیہ لیا جائے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جزیہ صرف اہل کتاب کے لئے ہے اور غیر اہل کتاب جو کافر ہیں، عجم

کے بت پرست وغیرہ ان میں جزیہ نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال

امام شافعی رحمہ اللہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں ﴿ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ ﴾ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں صرف اہل کتاب کا ذکر ہے، معلوم ہوا کہ جزیہ صرف اہل کتاب کے لئے ہے غیر اہل کتاب کیلئے نہیں ہے، البتہ مجوس کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ ان سے جزیہ یا جائے گا۔ شروع میں حضرت عمرؓ کو مجوس سے جزیہ لینے میں تردد تھا، بعد میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے یہ روایت بتائی کہ حضور قدس ﷺ نے مجوس سے جزیہ لیا تو حضرت عمرؓ نے بھی مجوس سے جزیہ لینے کا فیصلہ کیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجوس سے اس لحاظ سے جزیہ لیا جائے گا کہ وہ بھی اہل کتاب ہیں، اصلاً ان کے اوپر کوئی کتاب اتری تھی اگرچہ وہ محفوظ نہیں ہے، اس لئے ”من الدين أو نوا الكتاب“ میں داخل ہیں، ان سے جزیہ لیا جائے گا اور باقی کفار سے نہیں لیا جائے گا۔

جمہور کا استدلال

جمہور کا استدلال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مجوس سے جزیہ لیا اور مجوس کا اہل کتاب ہونا اسلام میں تسلیم شدہ نہیں ہے، کیونکہ اگر اہل کتاب ہوتا تو ان کی عورتوں سے نکاح بھی جائز ہوتا اور ان کا ذبیحہ بھی حلال ہوتا، لیکن نہ ذبیحہ حلال ہے نہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اسلام میں ان کا اہل کتاب ہونا مسلم نہیں۔

اب جو جزیہ لیا گیا وہ بحیثیت اہل کتاب کے نہیں بلکہ عام کافروں کی حیثیت سے لیا گیا اور تمام کافر ”الکفر ملة واحدة“ ہیں اور قرآن کریم میں جو ”من الدين أو نوا الكتاب“ کا ذکر آیا ہے وہ بطور واقعہ کے ہے، بطور احتراز نہیں ہے اور جزیہ لینے کی اصل وجہ ”ولا يدینون دين الحق“ ہے جس میں ہر کافر داخل ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ بھی جمہور کی تائید کر رہے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اور مجوس سے اور عجم سے جزیہ لیا جائے گا۔ عجم سے تمام بت پرست مراد ہیں۔

آگے کہتے ہیں کہ حضرت مجاہد نے کہا ”ما شان اهل الشام عليهم أربعة دنانير، و اهل اليمن عليهم دينار؟“ کیا وجہ ہے کہ اہل شام سے تو چار دینار وصول کئے جاتے ہیں اور اہل یمن سے ایک دینار؟

”قال: جعل ذلك من قبل اليسار“ انہوں نے کہا کہ لوگوں کے مالدار ہونے کی وجہ سے ایسا کیا ہے، شام کے لوگ زیادہ مالدار ہیں، لہذا چار دینار مقرر کئے گئے اور یمن کے لوگ کم مالدار ہیں، لہذا ان پر ایک دینار مقرر کیا گیا۔

حنفیہ کا اصول

حنفیہ کے ہاں اصول یہ ہے کہ جزیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ جزیہ پر صلح ہوئی ہو، تو صلح کسی بھی مقدار پر ہو سکتی ہے، صلح میں جو مقدار طے ہو جائے وہ دینی ہوگی، چاہے کم ہو یا زیادہ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمانوں نے فتح کرنے کے بعد زبردستی جزیہ عائد کیا ہو، اس میں غنا اور فقر کا اعتبار ہے۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے مختلف مقدار بیان کی ہے مثلاً ہمارے ہاں یہ کہا جاتا ہے کہ غریبوں سے بارہ درہم، متوسط لوگوں سے چوبیس درہم اور جو غنی ہیں ان سے اڑتالیس درہم سالانہ لئے جائیں گے، بہر حال اس میں غنا اور فقر کا اعتبار ہے۔

۳۱۵۶۔ حدثنا علي بن عبد الله : حدثنا سليمان قال : سمعت عمر ا قال : كنت جالسا مع جابر بن زيد وعمرو بن اوس فحدثنا بهما بحالة سنة سبعين - عام حج مصعب بن الزبير بأهل البصرة - عند درج زمزم قال : كنت كاتباً لجزء بن معاوية ، عم الأحنف ، فاتانا . كتاب عمر بن الخطاب قبل موته بسنة ، لرقوا بين كل ذي محرم من المجوس ، ولم يكن عمر أخذ الجزية من المجوس .

۳۱۵۷۔ حتى شهد عبد الرحمن بن هوف : أن رسول الله ﷺ أخذها من مجوس هجر .

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو خط بھیجا اس میں دو حکم تھے، ایک تو یہ کہ ”فسرق بین کل ذی محرم من المجوس“ مجوسی لوگ محرمات سے بھی نکاح جائز سمجھتے ہیں مگر کسی نے ایسا نکاح کیا ہو تو ان میں تفریق کر دو۔

۱۔ وفي سنن الترمذی ، کتاب السير عن رسول الله ، باب ما جاء في اخذ الجزية من المجوس ، رقم : ۱۵۱۲ ،
ومنن أبي داؤد ، کتاب الخراج والامارة والفتى ، باب في اخذ الجزية من المجوس ، رقم : ۲۶۲۶ ، ومسند احمد ،
مسند العشرة المبشرين بالجنة ، باب حديث عبد الرحمن بن هوف الزهري ، رقم : ۱۵۶۹ ، ۱۵۹۳ ، وموطا مالك ،
کتاب الزكاة ، باب جزية أهل اللكتاب والمجوس ، رقم : ۵۲۳ ، وسنن الدارمی ، کتاب السير ، باب في اخذ الجزية
من المجوس ، رقم : ۲۳۸۹ .

اور حضرت عمرؓ نے شروع میں مجوس سے جزیہ نہیں لیا تھا، یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے شہادت دی کہ حضور ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے مجوسیوں سے جزیہ لینا شروع کیا۔

ایک سوال ہوتا

ہے کہ آیا جزیہ واجب ہے یا حکومت معاف بھی کر سکتی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ معاف بھی کر سکتی، دوسرا یہ کہ جزیہ کے سلسلے میں یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جزیہ ہی کے نام سے لیا جائے، بلکہ کوئی بھی ٹیکس عائد کیا جائے، وہ جزیہ کے مد میں شامل ہو سکتا ہے۔

۳۱۵۸۔فتیسم رسول اللہ ﷺ حین رآہم.....ولکن أختشی علیکم أن تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنا فسوہا کما تنا فسوہا وتہلکم کما أہلکتہم))

دے بھی رہے ہیں اور ساتھ تنبیہ بھی فرما رہے ہیں کہ دنیا تمہیں ہلاک نہ کر دے۔

۳۱۵۹۔ حدثنا الفضل بن یعقوب: حدثنا عبد اللہ بن جعفر الرقی: حدثنا المعتمر بن سلیمان: حدثنا سعید بن عبید اللہ الثقفی: حدثنا بکر بن عبد اللہ المزنی و زیاد بن جبیر عن جبیر بن حبة، قال: بعث عمر الناس فی أفناء الأمصار یقاتلون المشرکین، فأسلم الهرمزان فقال: إني مستشيرک فی مغازی هذه. قال: نعم، مثلها و مثل من فیها من الناس من عدو المسلمین مثل طائر له رأس وله جناحان وله رجلان، فإن کسر أحد الجناحین نهضت الرجلان بالجناح والرأس فإن کسر الجناح الآخر نهضت الرجلان والرأس. وإن شدخ الرأس ذهبت الرجلان والجناحان والرأس. فالرأس کسری والجناح قیصر والجناح الآخر فارس، فمر المسلمین لیلینفر والی کسری. وقال بکر و زیاد جمیعا: عن جبیر حبة، فندبنا عمر واستعمل علینا النعمان بن مقرن، حتی إذا کنا بأرض العدو، خرج علینا عامل کسری فی أربعین ألفا، فقام ترجمان فقال: لیکلمنی رجل منکم، فقال المغیره: سل عما شئت، قال: ما أنتم؟ قال: نحن أناس من العرب کنا فی شقاء شدید وبلاء شدید نمص الجلد والنوی من الجوع، و نلبس الوبر والشعر، ونعبد الشجر والحجر. فبینا نحن کذلک إذ بعث رب السموات ورب الأرضین، تعالی ذکره، وجلت عظمتہ، إلینا نبیا من أنفسنا نعرف أباه وأمه. فأمرنا نبینا

رسول اللہ ﷺ ان نقاتکم حتی تعبدوا اللہ وحده او تؤدوا الجزية. وأخبرنا نبینا ﷺ عن رسالة ربنا انه من قفل منا صار إلى الجنة في نعيم لم ير مثلها قط ، ومن بقي منا ملك وقابكم. [انظر: ۷۵۳۰] ۳

جیبر بن حیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مشرکین سے قتال کرنے کیلئے مختلف شہروں کے علاقوں میں بھیجا ہوا تھا، "فأسلم الهرمزان" ہرمزان یہ اھواز کے علاقہ کا سردار تھا، اسلام لے آیا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حقیقت میں مسلمان نہیں ہوا تھا، ویسے ہی اس نے بکر کیا تھا، لفظی طور پر مسلمان ہو گیا تھا، اندر سے مسلمان نہیں ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کی سازش میں یہ بھی شریک تھا۔

"لقال : إني مستشرك في معاذي هذه" جب اسلام لے آیا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہم جو جنگیں لڑ رہے ہیں، اس میں تم سے مشورہ لینا چاہیں گے کیونکہ تم اس علاقہ کے ماہر ہو۔ "قال : نعم" اس نے کہا ہاں میں مشورہ دیتا ہوں "مثلها ومثل من فيها" مسلمانوں کے دشمنوں کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک پرندہ ہے، جس کا ایک سر، دو پر اور دو ٹانگیں ہیں، اگر ایک پر توڑ دیا جائے تو پھر بھی وہ ٹانگوں پر کھڑا ہو جائے گا "بجناح والرأس" ایک جناح اور ایک سر ہوگا، جس کی وجہ سے وہ اٹھ جائے گا۔

"فإن كسر الجناح الآخر" اگر دوسرا پر توڑ دیا جائے، تو دو پاؤں اور ایک سر اس کے کھڑے ہونے کیلئے کافی ہوں گے، "وإن شدخ الرأس" اور اگر سر ہی پھاڑ دیا جائے تو "ذهب السرجان والسجاحتان والرأس" پھر کچھ بھی نہیں رہے گا۔ "فإن رأس كسرى والجناح قبصر والجناح الآخر فارس" کہتے ہیں کہ کسری سر ہے اور ایک باز و قیصر ہے اور دوسرا باز و فارس ہے۔

اب تو ہم ایران، خراسان سارے کو فارس کہتے ہیں، اس وقت فارس الگ تھا اور خراسان الگ تھا یعنی دونوں مستقل حکومتیں سمجھی جاتی تھیں، اگرچہ سب پر حکومت کسری کی تھی لیکن فارس کے اندر اس کا کوئی اور عامل بھی کام کرتا تھا۔

"فمر المسلمین فلینفروا إلی کسری" آپ مسلمانوں کو حکم دیں کسریٰ کی طرف جائیں، پہلے اس سر کو توڑیں باقی باز و خود بخود کٹ جائیں گے۔

"فند بنا عمر واستعمل علینا النعمان بن مقرن" حضرت نعمان بن مقرنؓ کو ہمارے اوپر عامل یعنی امیر مقرر کیا اور کہا کہ کسریٰ کی طرف جاؤ۔ "حتى إذا كنا بأرض العد وخرج إلینا عامل کسری فی أربعين ألفاً، کسری" کا مل چالیس ہزار کا لشکر لے کر آ گیا۔

۳۔ وفي سنن الترمذی ، کتاب السير عن رسول اللہ ، باب ما جاء في المعاة التي يستحب فيها القتال ، رقم

”لقام ترجمان“ اس کا ایک ترجمان کھڑا ہوا، ”فقال: ليكلمني رجل منكم“ تم میں سے کوئی آدمی ہم سے بات کرے، ”فقال المغيرة: سل عما شئت، قال: ما أنتم؟“ تم کیا چیز ہو؟“ قال: نحن أنا من العرب كنا في شقاء شديد وبلاء شديد نمص الجلد والنوى من الجوع ونلبس الوبر والشعر“.

۳۱۶۰۔ لقال النعمان: ربما أشهدك الله مفلها مع النبي ﷺ فلم يند مك ولم يخرزك، ولكني شهدت القتال مع رسول الله ﷺ. كان إذا لم يقاتل في أول النهار انتظر حتى تهب الأرواح وتحضر الصلوات.

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے جب حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی تقریر سنی تو کہا کہ اللہ ﷻ نے آپ کو اس جیسے موقع پر نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہنے کا موقع دیا ہوگا یعنی جہاد کے موقع پر ”سلم يند مك ولم يخرزك“ اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد کرنے کے نتیجے میں نہ آپ کو پشیمان کیا اور نہ رسوا کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج آپ نے کسریٰ کے لشکر کے سامنے اتنی اچھی تقریر کی۔

لیکن ساتھ ہی انہوں نے کہا کہ میں اس کے باوجود آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ حملہ کرنے میں جلدی نہ کریں، کیونکہ ”ولكني شهدت القتال“ اس لئے مقصد یہ ہے کہ تھوڑا انتظار کریں، پھر حملہ کریں۔

(۲) باب: إذا وادع الإمام ملك القرية، هل يكون ذلك لبقيتهم؟

۳۱۶۱۔ حدثنا سهل بن بكار: حدثنا وهيب، عن عمرو بن يحيى، عن عباس الساعدي، عن أبي حميد الساعدي قال: هزونا مع النبي ﷺ تبوك، وأهدى ملك أيلة للنبي ﷺ بغلة بيضاء، وكساه برداء، وكتب له ببحرهم. [راجع: ۱۲۸۱]

یعنی حضور اقدس ﷺ نے ان کی بستیاں ان کے لئے لکھ دی تھیں کہ تم ان بستیوں پر حاکم رہو، جز یہ ادا کرو۔ اس پر امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ترجمہ الباب قائم کیا ہے کہ جب قریہ کے بادشاہ سے معاملہ ہو تو وہ اس قریہ کے تمام باشندوں پر لازم ہوتا ہے۔

۳۱۶۵۔ وقال إبراهيم بن طهمان: عن عبد العزيز بن صهيب عن أنس: أتى النبي ﷺ بمال من البحرين لقال: ((أنثروه في المسجد)). فكان أكثر مال أتى به رسول الله ﷺ إذ جاءه العباس لقال: يا رسول الله، أعطني إني فاديت نفسي وفاديت عقيلاً لقال: ((خذ))، فحشا في ثوبه، ثم ذهب يقله فلم يستطع، لقال: أؤمر بعضهم يرفعه إلي. قال: ((لا))، قال: فارفعه أنت علي، قال: ((لا))، فشر منه ثم ذهب يقله فلم يرفعه لقال:

فسمر بعضهم يرفعه على ، قال : ((لا)) ، قال : فارفعه أنت على ، قال : ((لا)) ، فنشر منه ثم احتمله على كاهله ثم انطلق فما زال يتبعه بصره حتى خفي علينا عجباً من حرصه . فما قام رسول الله ﷺ وثم منها درهم . [راجع : ۴۲۱]

اس سے بتانا چاہ رہے ہیں کہ مال فقی کے اندر امام کو تصرف کرنے کا کئی اختیار حاصل ہے ، اس واسطے آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو اتا دیا۔

(۷) باب إذا غدر المشركون بالمسلمين ، هل يعفى عنهم؟

۳۱۶۹۔ حدثنا عبد الله بن يوسف: حدثنا الليث قال: حدثني سعيد، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: لما فتحت خيبر أهديت للنبي ﷺ شاة فيها سم فقال النبي ﷺ: ((اجمعوا لي من كان هاهنا من يهود)) ، فجمعوا له فقال لهم: ((إني سألتكم عن شيء ، فهل أنتم صادقون عنه؟)) فقالوا: نعم ، قال لهم النبي ﷺ: ((من أبوكم؟)) قالوا: فلان ، فقال: ((كذبتم بل أبوكم فلان)) ، قالوا: صدقت ، قال: ((فهل أنتم صادقون عن شيء إن سألت عنه؟)) فقالوا: نعم يا أبا القاسم وإن كذبنا عرفت كذبنا كما عرفته في أبينا ، فقال لهم: ((من أهل النار؟)) قالوا: نكون فيها يسيراً ، ثم تخلفونا فيها . فقال النبي ﷺ: ((احسبوا فيها ، والله لا نخلفكم فيها أبداً)) . ثم قال: ((فهل أنتم صادقون عن شيء إن سألتكم عنه؟)) قالوا: نعم يا أبا القاسم . قال: ((هل جعلتم في هذه الشاة سمًا؟)) قالوا: نعم ، قال: ((ما حملكم على ذلك؟)) قالوا: أردنا إن كنت كاذباً لستريح ، إن كنت نبياً لم يضرك . [أنظر : ۳۲۳۹ ، ۵۷۷۷] . ۷

یعنی یہاں خود اقرار کر لیا کہ زہر دیا ہے ، لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے ان کو قتل نہیں کیا۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ استدلال کر رہے ہیں کہ اگر مشرکین مسلمانوں سے غدر کریں تو امام کو معاف کرنے کا حق حاصل ہے۔

(۱۱) باب إذا قالوا: صباأنا، ولم يحسنوا: أسلمنا،

”وقال ابن عمر: فجعل خالد يقتل فقال النبي ﷺ: ((أبرأ إليك مما صنع خالد)) ، وقال عمر: إذا قال: متوس ، فقد آمنه ، إن الله يعلم الألسنة كلها . وقال: تكلم لا بأس“ .

۷۔ وفي مسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب باقي المسند السابق ، رقم . ۹۳۵۱ ، وسنن الدارمی ، کتاب

المقدمة ، باب ما أكرم الله به النبي من كلام الموتى ، رقم : ۶۹ .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان کافر سے یہ کہہ دے کہ ”مترس“ یہ فارسی کا جملہ ہے یعنی ڈرو نہیں، تو یہ بھی امان ہو گیا، اسی طرح اگر یہ کہہ دیا کہ ”تکلم لا بأس“ تو بھی امان ہو گیا۔ یہ واقعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا کہ ہرمزان (جس کا واقعہ پیچھے گزرا ہے) کو جب پکڑ کر لایا گیا تو یہ ڈر کے مارے بری طرح کانپ رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا ”تکلم لا بأس“ کوئی بات نہیں، ڈرتے کیوں ہو، بات کرو۔

اس سے اس کو کچھ اطمینان ہوا اور اس نے بات چیت کی، بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا کہ آپ یہ کہہ کر ”تکلم لا بأس“ مجھے امان دے چکے ہیں، اب آپ امان واپس نہیں لے سکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں میں نے یہ کہا تھا اس سے امان ہو گئی، تو اس کو بھی امان قرار دیں۔

(۱۲) باب الموعدة والمصالحة مع المشركين بالمال

وغیره، وإثم من یف بالعهد،

وقوله: ﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ﴾ جنحوا: طلبوا السلم. ﴿فَأَجْنَحُ لَهَا﴾

۳۱۷۳ - حدثنا مسدد: حدثنا بشر، هو بن المفضل: حدثنا يحيى، عن بشير بن يسار، عن سهل بن أبي حثمة قال: انطلق عبد الله بن سهل ومحبيصة بن مسعود بن زيد إلى خيبر وهي يومئذ صلح فتفرقا، فأتى محبيصة إلى عبد الله بن سهل وهو ينشطح في دمه فتبلا فدفعه، ثم قدم المدينة فأنطلق عبد الرحمن بن سهل ومحبيصة وحويصة ابنا مسعود إلى النبي ﷺ. فذهب عبد الرحمن يتكلم فقال: ((كبر كبر))، وهو أحدث القيوم. فسكت فتكلما فقال: ((أتحلفون وتستحقون فاتلكم أو صاحبكم؟)) قالوا: وكيف نحلف ولم نشهد ولم نر، قال ((فبئركم يهود بنخمسين))، فقالوا: كيف نأخذ أيمان قوم كفار؟ فعقله النبي ﷺ من عنده. [راجع: ۲۷۰۳]

”وہی یومئذ صلح“ خیبر سے صلح ہوئی تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں پورا واقعہ لائے ہیں اور قسمت کے باب میں یہ حدیث نہیں لائے۔ مقصد اس کا یہ کہ اس پر عمل نہیں ہے، عمل اس پر ہے جو وہاں آئی ہے، حالانکہ وہ اس کے مقابلے میں نسبتاً مجمل ہے۔

(۱۳) باب هل يعفى عن الذمي إذا سحر؟

”وقال ابن وهب: أخبرني يونس، عن ابن شهاب، سئل: أعلى من سحر“

من اهل المهد قتل؟ قال: بلغنا ان رسول الله ﷺ قد صنع له ذلك فلم يقتل من صنعه و كان من اهل الكتاب“.

مطلب یہ ہے کہ اگر ذمی جادو کرے تو اس کے بدلے اس کو تعزیر دے سکتے ہیں، قتل نہیں کر سکتے۔

(۱۵) باب ما يحذر من الغدر،

۳۱۷۶۔ موتان ياخذ ليكم كفعا من الغنم یعنی ایسی عام و با

آجائے گی جس سے لوگ مریں گے، مراد طاعون ہے۔ ۱۰۵

”كفعا من الغنم“ جیسے مویشیوں میں پیر ری پھیل جاتی ہے اور بعض زیادہ صحیح نسخوں میں

”كفصاص“ ہے ”صاد“ کے ساتھ ”ای كفصاص الغنم“ دونوں کے معنی ایک۔ ہیں۔

(۱۷) باب اثم من عاهد ثم غدر،

۳۱۸۰۔ لم تجتوا کے معنی ہیں ٹیکس نہیں وصول کر سکو گے، دینار و درہم کی

صورت میں کوئی ٹیکس نہیں وصول کر سکو گے، کیونکہ تمہاری قوت کمزور پڑ جائے گی اور غیر مسلم چھا جائیں گے وہ تمہیں خراج نہیں ادا کریں گے۔

(۱۸) باب:

۳۱۸۱۔ حدثنا عبدان: أخبرنا أبو حمزة قال: سمعت الأعمش قال: سألت أبا وائل:

شهدت صفين؟ قال: نعم، فسمعت سهل بن حنيف يقول: اتهموا رأيكم، رأيي يوم أبي

جندل، ولو أستطيع أن أرد أمر النبي ﷺ لرددته، وما وضعنا أسيفنا على عواتقنا لأمر بقتلنا إلا

أسهلنا بنا إلى أمر نعرفه غير أمرنا هذا. [أنظر: ۳۱۸۲، ۳۱۸۹، ۴۸۴۴، ۴۳۰۸] ۷

ابو اعمش کہتے ہیں کہ میں نے ابو دائل سے پوچھا کہ آپ صفین کی جنگ میں حاضر تھے؟ انہوں نے کہا:

لا يوجد للحديث مكررات.

۱۔ وفي سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب ما جاء في المزاح، رقم: ۴۳۳۸، ومن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب

اشراط الساعة، رقم: ۴۰۳۲، ومسند أحمد، بابي مسند الأنصار، باب حديث عوف بن مالك الأشجعي

الأنصاري، رقم: ۲۲۸۳۶، ۲۲۸۵۳، ۲۲۸۶۰، ۲۲۸۷۱.

۲۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب صلح الحديبية في الحديبية، رقم: ۳۳۳۸، ومسند أحمد،

مسند المكين، باب حديث سهل بن حنيف، رقم: ۱۵۳۰۷

ہاں میں حاضر تھا، تو میں نے حضرت سہل بن حنیف کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت سہل بن حنیف اگرچہ جنگ صفین میں موجود تھے، لیکن لوگ ان پر تہمت لگاتے تھے کہ یہ جنگ کے اندر جوش و خروش کا مظاہرہ نہیں کر رہے ہیں اور جنگ میں کچھ کوتاہی کر رہے ہیں، تو جیسا اس قسم کے موقعوں میں ہوتا ہے ان کے دل میں بھی تردد تھا کہ پتہ نہیں یہ جنگ ٹھیک بھی ہے یا نہیں، اس واسطے یہ اپنے آپ کو کچھ روک کر لڑ رہے تھے۔

ایسے موقعوں پر جیسے جو شیے لوگ کہتے ہیں کہ یہ بزدل ہیں، لڑ نہیں رہے ہیں، ان کو بھی کہا گیا، انہوں نے کہا کہ ”ایہموا رایکم“ اپنی رائے کو متم سمجھو، تم مجھ پر بزدلی کی جو تہمت لگا رہے ہو اس پر اپنے آپ کو متم سمجھو۔

”ذایعنی یوم ابی جندل“ کہتے ہیں کہ جو موقع لڑنے کا تھا اس میں، میں نے بزدلی نہیں دکھائی۔ ابو جندل کے دن یعنی حدیبیہ کے دن جب ابو جندل آئے تھے تو اس دن کا حوالہ دیا کہ اگر اس دن میرے اندر لڑنے کا اتنا جذبہ تھا کہ اگر حضور اقدس ﷺ کو رد کرنے کی طاقت ہوتی تو میں رو کر دیتا۔ یعنی حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا کہ نہ لڑو اور میرے دل میں یہ آ رہا تھا کہ لڑوں، لیکن حضور اقدس ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے خاموش رہا۔

اور آج یہاں ٹھنڈا پڑا ہوا ہوں، لڑ نہیں رہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے حضور اقدس ﷺ کے حکم کی تعمیل میں جب کبھی اپنے کندھوں پر تلواریں اٹھائیں تو چاہے کتنا ہی گھبرادینے والا منظر ہو، بالآخر اللہ ﷻ نے ہمارے ساتھ سہولت کا معاملہ فرمایا۔

اور صفین کی جنگ کا معاملہ ایسا ہے کہ ہم نے کندھوں پر تلواریں اٹھائی ہیں، لیکن اس کے باوجود معاملہ سہولت کی طرف نہیں جا رہا، اس سے مجھے یہ اندیشہ ہو رہا ہے کہ پتا نہیں ہماری یہ لڑائی صحیح ہے یا نہیں؟

کہتے ہیں کہ ”وما وضعنا أسیافنا علی عواتقنا لا مر یفطعنا إلا أسهلن بنا إلی امر نعرفه“ ہم نے جب بھی اپنے کندھوں پر تلوار اٹھائیں ہیں ایسے معاملہ کیلئے جو ہمیں گھبرادینے والا ہو تو وہ تلواریں ہمیں سہولت کی طرف لے گئی ہیں، ایک ایسے امر کی طرف جس کو ہم جانتے تھے کہ یہ ہمارے لئے سہولت کا باعث ہے۔

”غیر امرنا هذا“ سوائے ہمارے اس صفین کے معاملہ میں کہ تلواریں اٹھائی ہیں، مگر سہولت کا

راستہ نظر نہیں آ رہا ہے۔

(۱۹) باب المصالحة على ثلاثة أيام أو وقت معلوم

تین دن یا وقت مقررہ تک کے لئے صلح کرنے کا بیان

(۲۰) باب الموادعة من غير وقت ،

وقول النبي ﷺ: ((أقرکم علی ما أقرکم اللہ))۔

غیر معین وقت کے لئے معاہدہ کرنے سے متعلق آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے (اے یہودیوں) جب تک اس سرزمین میں اللہ ﷻ کو تمہارا ٹھہرانا مقصود ہے اس وقت تک میں بھی تم کو رہنے دوں گا۔ یعنی پہلے تو مصالحت کی کوئی مدت تھی اور یہاں مصالحت کی کوئی مدت نہیں ہے۔

(۲۱) باب طرح جيف المشركين في البئر،

ولا يؤخذ لهم ثمن

مشرکوں کی لاشوں کو کنویں میں پھینکنے کی اجرت نہ لینے کا بیان

۳۱۸۵۔ حدثنا عبدان بن عثمان قال: أخبرني أبي عن شعبة عن أبي إسحاق عن عمرو بن ميمون، عن عبد الله ﷺ قال: بينما رسول الله ﷺ ساجد وحوله ناس من قريش من المشركين إذ جاء عقبة بن أبي معيط بسلي جزور وقد له على ظهر النبي ﷺ فلم يرفع رأسه حتى جاءت فاطمة رضي الله عنها فأخذت من ظهره، ودعت علي من صنع ذلك. فقال النبي ﷺ ((اللهم عليك الملاء من قريش، اللهم عليك أبا جهل بن هشام، وعقبة بن ربيعة، وشيبة بن ربيعة، وعقبة بن أبي معيط وأمية بن خلف أو أبي بن خلف فلقد رأيتهم قتلوا يوم بدر فالتقوا في بئر غير أمية أو أبي فإنه كان رجلا ضخما فلما جرره تقطعت أوصاله قبل أن يلقى في البئر)). [راجع: ۲۴۰]

اس سے اس مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کافر کہیں کہ ہمارے آدمی کی لاش دیدو اور پیسے لے تو پیسے لے کر لاش نہیں دی جائے گی اور یہ ترمذی کی ایک حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، جس میں ہے کہ مشرکین نے اپنے ایک ساتھی کی لاش پیسے دے کر لینے کا ارادہ کیا تھا، نبی کریم ﷺ نے انکار فرمایا۔

یہاں بدر کا واقعہ ذکر کیا کہ آپ ﷺ نے مشرکین کی لاشوں کو کنویں میں ڈال دیا، حالانکہ وہ بڑے بڑے سردار تھے، اگر جائز ہوتا تو وہ پیشکش کر کے اپنے لوگوں کی لاشیں لے لیتے، لیکن معلوم تھا کہ نبی کریم ﷺ اس طرح نہیں دیں گے، اس لئے انہوں نے نہیں لیا۔ ۵

اللهم اختم لنا بالخير

کمل بعون اللہ تعالیٰ الجزء السابع من
 "انعام الباری" ویلیہ ان شاء اللہ تعالیٰ
 الجزء الثامن: اوله كتاب بدء الخلق، رقم
 الحدیث: ۳۱۹۰۔

سأل اللہ الإعانة والتوفيق لإتمامه -
 والصلوة والسلام على خير خلقه سيدنا
 ومولانا محمد خاتم النبيين وامام
 المرسلين وقائد الغر المحجلين وعلى
 اله وأصحابه أجمعين وعلى كل من
 تبغهم باحسان الى يوم الدين -
 آمين ثم آمين يا رب العالمين -

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم
شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

کے گرانقدر اور زندگی کا نچوڑ، علمی افادات آڈیو کی شکل میں

- ☆ درس بخاری شریف (مکمل)
- ☆ کتاب البیوع درس بخاری شریف عصر حاضر کے جدید مسائل (معاملات) پر سیر حاصل بحث
- ☆ اصول الفناء للعلماء والمتخصصین
- ☆ دورہ اقتصادیات
- ☆ دورہ اسلامی بینکاری
- ☆ دورہ اسلامی سیاست
- ☆ تقریب "تکملة فتح الملہم"
- ☆ علماء اور دینی مدارس (بموقع شتم بخاری ۱۴۱۵ھ)
- ☆ جہاد اور تبلیغ کا دائرہ کار
- ☆ افتتاح بخاری شریف کے موقع پر تقریر دل پذیر
- ☆ زائرین حرمین کے لئے ہدایات
- ☆ اسلام اور سیاسی نظریات
- ☆ والدین کے ساتھ حسن سلوک
- ☆ زکوٰۃ کی فضیلت و اہمیت
- ☆ جوش و غضب، حرص طعام، حسد، کینہ اور بغض، دنیائے مذموم، فاسقین و الخیرات، عشق عقلی و عشق
طبعی، حب جاہ وغیرہ اصلاحی بیانات اور ہر سال کا ماہ رمضان المبارک کا بیان۔
- ☆ اصلاحی بیانات۔ بمقام جامعہ دارالعلوم کراچی، تسلسل نمبر ۳۲۵ تا ۳۳۲ کیسٹوں میں ۱۴۳۲ھ تک۔
- ☆ امت مسلمہ کی بیداری

حراء ریکارڈنگ سینٹر

۸/۱۳۱، ڈبل روم، "K" ایریا کورنگی، کراچی۔ پوسٹ کوڈ: ۷۴۹۰۰

E-Mail: maktabahera@yahoo.com • Cell 0092-300-3360816

www.deeneislam.com

علمی و دینی رہنمائی کے لئے ویب سائٹ www.deenEislam.com

اغراض و مقاصد:

ویب سائٹ www.deenEislam.com کا مقصد اسلامی تعلیمات کو دنیا بھر کے مسلمانوں تک پہنچانا ہے اور اس کے ساتھ عصر حاضر کے جدید مسائل جن کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو، اس کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح رہنمائی کرنا ہے۔

توہین رسالت کے حملوں کا مؤثر جواب اور دنیا بھر کے لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے اوصاف و کمالات اور تعلیمات سے آگاہی بھی پروگرام میں شامل ہے۔
اسلام کے خلاف پھیلائی گئی غلط فہمیوں کو دور کرنا اور مسلمانوں کے ایمانی جذبات کو بیدار رکھنا بھی اس کوشش کا حصہ ہے۔

نیز صدر جامعہ دارالعلوم کراچی مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ مفتی اعظم پاکستان، شیخ الاسلام جنس (ر) شریعت ایپلٹ بیچ سپریم کورٹ آف پاکستان مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ اور نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہ کی ہفتہ واری (جمعہ، اتوار و منگل) کی اصلاحی مجالس، سالانہ تبلیغی اجتماع اور دیگر علماء پاک و ہند کی تقاریر بھی اب انٹرنیٹ پر اس ویب سائٹ پر دستیاب کی جاسکتی ہیں، اسی طرح آپ کے مسائل اور ان کا حل "آن لائن دارالافتاء" اور مدارس دینیہ کے سالانہ نتائج سے بھی گھر بیٹھے آسانی سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

رابطہ:

Cell: 00923003360816

E-Mail: maktabahera@yahoo.com

E-Mail: info@deeneislam.com

WebSite: www.deeneislam.com